اثمار الهداية

علی الهداية

هدایہ ثانی

۵۱۱ھ - ۵۹۳ھ

ساتویں جلد

اس شرح میں ہر ہر مسئلے کے لئے تین تین حدیثیں ہیں

شارح

حضرت مولانا ثمیر الدین قاسمی صاحب دامت برکاتہم

ناشر

مکتبہ ثمیر، مانچسٹر، انگلینڈ

Mobile (0044)7459131157

نام کتاب۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اثمار الھدایہ جلدے

نام مؤلف۔۔۔۔۔۔۔۔مولانا ثمیر الدین قاسمی

ناشر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مکتبہ ثمیر، مانچیسٹر، انگلینڈ

طباعت پہلی بار۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔جون ۲۰۱۲ء

مؤلف کا پتہ

Maulana Samiruddin Qasmi

70 Stamford Street , Old trafford

Manchester,England -M16 9LL

E samiruddinqasmi@gmail.com

Mobile (00 44) 07459131157

website samiruddinbooks.co.uk

انڈیا کا پتہ

مولانا ساجد صاحب
At Post. ghutti
Via Mahagama Dist Godda
Jharkhand-INDIA
Pin 814154

Mobile 0091 6202078366

﴿خصوصیات اثمار الھدایۃ﴾

(۱)	ھدایہ کے ہر مسئلے کے لئے تین حدیث تین حوالے لانے کی کوشش کی گئی ہے، اوراس کا پورا حوالہ دیا گیا ہے
(۲)	پھر صاحب ھدایہ جو حدیث لائے ہیں وہ کس کتاب میں ہے اس کا پورا حوالہ دیا گیا ہے تاکہ صاحب ھدایہ کی حدیث پر اشکال باقی نہ رہے۔ اور یہ بھی لکھ دیا گیا ہے کہ یہ حدیث ہے، یا قول صحابی، یا قول تابعی۔
(۳)	طلباء کے ذہن کو سامنے رکھتے ہوئے ہر مسئلے کا محاوری اور آسان ترجمہ پیش کیا ہے۔
(۴)	کمال یہ ہے کہ عموما ہر ہر مسئلے کو چار مرتبہ سمجھایا ہے، تاکہ طلباء مسئلہ اور اسکی دلیل بھی آسانی سے سمجھ جائیں
(۵)	مسائل کی تشریح آسان اور سلیس اردو میں کی ہے۔
(۶)	وجہ کے تحت ہر مسئلے کی دلیل نقلی قرآن اور احادیث سے مع حوالہ پیش کی گئی ہے۔
(۷)	حسب موقع دلیل عقلی بھی ذکر کر دی گئی ہے۔
(۸)	امام شافعیؒ کا مسلک انکی، کتاب الام، کے حوالے سے لکھا گیا اور حدیث کی دلیل بھی وہیں سے ذکر کی گئی ہے
(۹)	کونسا مسئلہ کس اصول پر فٹ ہوتا ہے وہ اصول بھی بیان کیا گیا ہے۔
(۱۰)	لغت کے تحت مشکل الفاظ کی تحقیق پیش کی گئی ہے۔
(۱۱)	لفظی ابحاث اور اعتراض وجوابات سے دانستہ احتراز کیا گیا ہے تاکہ طلباء کا ذہن پریشان نہ ہو۔
(۱۲)	جو حدیث ہے اس کے لئے 'حدیث' اور جو قول صحابی یا قول تابعی ہے اس کے لئے قول صحابی، یا قول تابعی لکھا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ کون حدیث ہے اور کون قول صحابی، یا قول تابعی ہے۔
(۱۳)	حدیث کے حوالے کے لئے پورا باب لکھا۔ پھر بیروتی کتابوں کا صفحہ نمبر لکھا اور بیروتی یا سعودی کتابوں کا احادیث نمبر لکھ دیا گیا تاکہ حدیث نکالنے میں آسانی ہو۔
(۱۴)	پرانے اوزان کے ساتھ نئے اوزان بھی لکھ دئے گئے ہیں تاکہ دونوں اوزان میں بآسانی موازنہ کیا جا سکے۔
(۱۵)	کتاب البیوع میں بہت سارے مسئلے اصول پر ہیں، میں نے ہر جگہ اصول لکھا ہے تاکہ اصول یاد ہو جائے اور مسئلہ سمجھنے میں بھی آسانی ہو۔

ہم اثمار الهدایہ ہی کو کیوں پڑھیں ؟

(۱)	اس شرح میں ہر جگہ اصول لکھے گئے ہیں جن سے مسئلہ سمجھنا آسان ہو جاتا ہے اور اصول بھی یاد ہو جاتے ہیں
(۲)	اس شرح میں ہر مسئلے کے تحت تین حدیثیں، تین حوالے ہیں جس سے دل کو سکون ہو جاتا ہے کہ کس مسئلے کے لئے کون سی حدیث ہے۔
(۳)	کوشش کی گئی ہے کہ احادیث صحاح ستہ ہی سے لائی جائے، تا کہ حدیث مضبوط ہوں۔
(۴)	صاحب ھدایہ جو حدیث لائے ہیں اس کی مکمل دو تخریج پیش کی گئی ہے۔
(۵)	ایک ایک مسئلے کو چار چار بار مختلف انداز سے سمجھایا ہے، جس سے مسئلہ آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے۔
(۶)	بلا وجہ اعتراض و جوابات نہیں لکھا گیا ہے۔
(۷)	سمجھانے کا انداز بہت آسان ہے۔
(۸)	پرانے اوزان کے ساتھ نئے اوزان مثلا گرام وغیرہ کو لکھ دیا گیا ہے، جس سے پرانا اور نیا دونوں وزنوں سے واقفیت ہوتی ہے۔
(۹)	امام شافعیؒ کا مسلک انکی کتاب الام سے نقل کیا گیا ہے، اور انکی دلیل بھی صحاح ستہ سے دی گئی ہے۔

فہرست مضامین اثمار الھد ایہ جلدے

فہرست مضامین اثمار الھدایہ جلد ۷

﴿بابُ قَطعِ الطَّرِیقِ﴾

(۲۷۱۷) : قَالَ وَإِذَا خَرَجَ جَمَاعَةٌ مُمْتَنِعِينَ أَوْ وَاحِدٌ يَقْدِرُ عَلَى الِامْتِنَاعِ فَقَصَدُوا قَطْعَ الطَّرِيقِ فَأُخِذُوا قَبْلَ أَنْ يَأْخُذُوا مَالًا وَيَقْتُلُوا نَفْسًا حَبَسَهُمُ الْإِمَامُ حَتَّى يُحْدِثُوا تَوْبَةً،

﴿باب قطع الطریق﴾

ضروری نوٹ :ایک جماعت جولوٹ مار کرے اور ڈاکہ زنی کرے اس کو عربی میں قطاع الطریق: راستہ کاٹنے والا، اور ڈکہ زنی کہتے ہیں۔

وجہ :اس آیت میں ڈاکہ زنی کا ثبوت ہے۔ انما جزء والذین یحاربون الله ورسوله ویسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیهم وارجلهم من خلاف او ینفوو من الارض ذلک لهم خزی فی الدنیا ولهم فی الآخرة عذاب عظیم (آیت ۳۳ سورۃ المائدۃ ۵)

ترجمہ :(۲۷۱۷) اگر ایک جماعت راستہ روکنے والی نکلی یا ایک آدمی جو راستہ روکنے پر قدرت رکھتا ہو اور انہوں نے ڈاکہ زنی کا ارادہ کیا۔ پس وہ گرفتار کر لئے گئے مال لینے سے پہلے اور خون کرنے سے پہلے تو امام ان کو قید کرے گا یہاں تک کہ توبہ ظاہر کریں۔

تشریح: لوگوں کے مال لوٹنے کے لئے کوئی ایسی جماعت نکل پڑے جو واقعی ڈاکہ زنی کرنے پر اور لوگوں کے راستے روکنے پر قدرت رکھتی ہو۔ یا ایک ہی آدمی اتنا بہادر اور دلیر ہو کہ ڈاکہ زنی کرنے اور راستے روکنے کی قدرت رکھتا ہو وہ اس کام کے لئے نکل پڑا لیکن ابھی اس نے نہ مال لوٹا تھا اور نہ قتل کیا تھا اس سے پہلے وہ گرفتار کر لیا گیا تو امام نہ اس کا ہاتھ کاٹے گا اور نہ اس کو قتل کرے گا۔ بلکہ اتنی مدت تک قید میں رکھے کہ توبہ کر لے اور حرکات وسکنات سے محسوس ہو کہ اس نے ڈاکہ زنی سے توبہ کر لی ہے۔

وجہ :(۱) ہاتھ پاؤں تو اس لئے نہیں کاٹے گا کہ ابھی مال نہیں لیا ہے اور قتل اس لئے نہیں کیا جائے گا کہ ابھی کسی کا خون نہیں بہایا ہے۔ ممکن ہے کہ اس کام سے پہلے وہ توبہ کر لیتا (۲) اس قول تابعی میں ہے۔ ان عمر بن عبد العزیز کتب فی سارق لا یقطع حتی یخرج بالمتاع من الدار لعله یعرض توبة قبل ان یخرج من الدار (مصنف ابن ابی شیبۃ ۵ فی السارق یوخذ قبل ان یخرج من البیت بالمتاع ج خامس ص ۴۷۴ نمبر ۲۸۱۱۴ / مصنف عبد الرزاق، باب السارق یوجد فی البیت ولم یخرج، ج تاسع ص ۴۹۱ نمبر ۱۹۰۸۶) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ مال چرا کر قبضہ کرے گا تب ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اور چونکہ اس ڈاکہ زن نے ابھی مال لوٹا نہیں ہے اس لئے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا صرف قید کیا جائے گا (۳) آیت محاربہ

(۲۷۱۸) وَإِنْ أَخَذُوا مَالَ مُسْلِمٍ أَوْ ذِمِّيٍّ، وَالْمَأْخُوذُ إِذَا قُسِّمَ عَلَىٰ جَمَاعَتِهِمْ أَصَابَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ عَشَرَةَ دَرَاهِمَ فَصَاعِدًا أَوْ مَا تَبْلُغُ قِيمَتُهُ ذَلِكَ قَطَعَ الْإِمَامُ أَيْدِيَهُمْ وَأَرْجُلَهُمْ مِنْ خِلَافٍ،

میں اس کا اشارہ ہے۔ انما جزء والذین یحاربون الله ورسوله ویسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیهم وارجلهم من خلاف او ینفوو من الارض ذلک لهم خزی فی الدنیا ولهم فی الآخرة عذاب عظیم (آیت ۳۳ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں چار قسم کی سزا بیان کی گئی ہیں کیونکہ چار قسم کی شرارتیں ہوتی ہیں۔ ان میں سے آخری سزا یہ ہے کہ ینفوا من الارض شہر سے باہر کر دیا جائے یعنی قید کر دیا جائے۔ یہ سزا اس وقت ہے جب نہ چوری کی ہو اور نہ قتل کر سکا ہو۔

لغت: ممتنع : روکنے والا یعنی راستہ روک کر ڈاکہ زنی کرنے والا۔ قطع الطریق : راستہ کاٹنا یعنی لوگوں کو راستے میں لوٹ لینا، ڈاکہ زنی کرنا، حبسهم : ان کو قید کر دے۔

ترجمہ: (۲۷۱۸) اگر انہوں نے مسلمان یا ذمی کا مال لوٹا اور لیا ہوا مال ان کی جماعت پر تقسیم کیا جائے تو ان میں سے ہر ایک کو دس درہم یا زیادہ پہنچے یا ایسی چیز لے جس کی قیمت دس درہم تک پہنچے تو امام ان کے ہاتھ اور پاؤں خلاف جانب سے کاٹے۔

تشریح: اس جماعت نے ذمی کا مال یا مسلمان کا مال لوٹا اور اتنا مال لوٹا کہ جماعت کے ہر فرد کو دس درہم یا دس درہم سے زیادہ ملے گا۔ یا لوٹا ہوا مال ہر ایک آدمی کو اتنا اتنا ملے گا کہ اس کی قیمت دس درہم ہوگی تو امام ہر ایک کا دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹے گا۔

وجہ: (۱) ذمی یا مسلمان کا مال لوٹنے سے اس لئے کاٹا جائے گا کہ وہ مال محفوظ ہے۔ اور حربی کا مال لوٹا تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ اس کا مال محفوظ نہیں ہے۔ اور ہر ایک کو دس درہم پہنچے تب کاٹا جائے گا اس کی دلیل پہلے گزر چکی ہے کہ دس درہم سے کم میں نہیں کاٹا جائے گا۔ اور دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں دونوں کاٹے جائیں گے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ صرف چور نہیں ہیں بلکہ ڈاکہ زن ہیں۔ ایک مرتبہ ڈاکہ زنی ہو جائے تو پورا علاقہ خوف سے مہینوں نہیں سوتے ہیں۔ اور پورے علاقے میں بدامنی پھیل جاتی ہے۔ اس لئے اس کی سزا سخت رکھی گئی ہے کہ ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں کاٹ دیا جائے تاکہ دوبارہ ڈاکہ زنی نہ کر سکے (۲) مال لوٹنے کی سزا آیت میں گزری او تقطع ایدیهم وارجلهم من خلاف (آیت ۳۳ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں ہے کہ ڈاکوؤں کے ہاتھ اور و پاؤں دونوں کاٹے جائیں (۳) حدیث میں ہے کہ قبیلہ عکل اور قبیلہ عرینہ کے کچھ لوگ حضورؐ کے پاس آئے وہ مسلمان ہوئے اور مدینہ میں رہنے لگے۔ لیکن ان کو بیماری لگ گئی تو آپؐ نے فرمایا کہ جاؤ صدقہ کے اونٹ کا دودھ اور پیشاب پیو۔ وہ اس سے صحت یاب ہو گئے لیکن بعد میں مرتد ہو گئے اور اونٹ کے چرواہوں کو قتل کر دیا اور اونٹ بھی لوٹ کر لے گئے۔ آپؐ نے ان کے ہاتھ اور پاؤں کو کٹوایا اور آنکھوں میں گرم سلائی پھیر دی جس سے وہ مر گئے۔ لمبی حدیث یہ ہے۔ عن انسؓ قال قدم علی النبی ﷺ نفر من

۱؎ وَإِنْ قَتَلُوا وَلَمْ يَأْخُذُوا مَالًا قَتَلَهُمُ الْإِمَامُ حَدًّا. ۲؎ وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْله تَعَالَى ﴿إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ﴾ الْآيَةَ. وَالْمُرَادُ مِنْهُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ التَّوْزِيعُ عَلَى الْأَحْوَالِ وَهِيَ أَرْبَعَةٌ: هَذِهِ الثَّلَاثَةُ الْمَذْكُورَةُ، وَالرَّابِعَةُ نَذْكُرُهَا إنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى وَلِأَنَّ الْجِنَايَاتِ تَتَفَاوَتُ عَلَى الْأَحْوَالِ فَاللَّائِقُ تَغَلُّظُ الْحُكْمِ بِتَغَلُّظِهَا.

عكل فاسلموا فاجتووا المدينة فامرهم ان يأتوا ابل الصدقة فيشربوا من ابوالها والبانها ففعلوا فصحوا فارتدوا وقتلوا رعاتها واستاقوا الابل فبعث فى آثارهم فاتى بهم فقطع ايديهم وارجلهم وسمل اعينهم ثم لم يحسمهم حتى ماتوا (بخاری شریف، باب کتاب المحاربین من اھل الکفر والردۃ ص۱۰۰۵ نمبر۶۸۰۲ رمسلم شریف، باب حکم المحاربین والمرتدین ص۵۷ نمبر۱۶۷۱ر۴۳۵۳) اس حدیث میں محارب اور ڈاکہ زنوں کے ہاتھ اور پاؤں دونوں کاٹے ہیں کیونکہ انہوں نے اونٹ چرایا تھا۔ اور چرواہوں کو قتل کرنے کی وجہ سے آنکھوں میں سلائی پھیر دی تاکہ تڑپ تڑپ کر مر جائیں۔

ترجمہ: ۱؎ اور اگر انہوں نے آدمی قتل کیا اور مال نہیں لیا تو امام ان کو حد کے طور پر قتل کرے، [پس اگر اولیاء ان کو معاف کر دے تب بھی امام ان کی معافی کو نہ مانے]

تشریح: ڈاکوؤں نے مال تو نہیں لیا لیکن کسی کی جان ماردی تو قصاص کے طور پر امام ان کو قتل کریں گے اور مقتول کے ولی ڈاکہ زنوں کو معاف کر دے تب بھی امام معاف نہ کرے بلکہ قتل ہی کر دے۔

وجہ: (۱) جان کے بدلے جان کے لئے آیت گزر چکی ہے۔ وكتبنا عليهم فيها ان النفس بالنفس والعين بالعين (آیت ۴۵ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت سے پتا چلا کہ قتل کیا ہے تو اس کے بدلے قتل کیا جائے گا۔ (۲) آیت محاربہ میں بھی او يقتلوا (آیت ۳۳، سورۃ المائدۃ ۵) تھا۔ یعنی ڈاکہ زنوں کو قتل کر دیا جائے۔ اور ولی کے معاف کرنے سے بھی قصاص ساقط نہیں ہوگا کیونکہ ان کی شرارت بہت زیادہ ہے (۳) قول تابعی میں ہے۔ عن الزهرى قال عقوبة المحارب الى السلطان لايجوز عفو ولى الدم، ذلك الى الامام (مصنف عبد الرزاق باب المحاربۃ ج تاسع ص۴۳۳، نمبر۱۸۸۷۶) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ اس کا معاملہ حاکم کے ذمے ہے ولی کو معاف کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

لغت: يلتفت : توجہ دینا۔

ترجمہ: ۲؎ اور اس بارے میں اصل یہ آیت ہے۔ انما جزء الذين يحاربون الله ورسوله ويسعون فى الارض فسادا ان يقتلوا او يصلبوا او تقطع ايديهم وارجلهم من خلاف او ينفوو من الارض ذلك لهم خزى فى الدنيا ولهم فى الآخرة عذاب عظيم (آیت ۳۳ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت سے مراد اللہ اعلم اس میں چار

۳؎ أَمَّا الْحَبْسُ فِيْ الْأُولٰى فَلِأَنَّهُ الْمُرَادُ بِالنَّفْيِ الْمَذْكُورِ لِأَنَّهُ نَفْيٌ عَنْ وَجْهِ الْأَرْضِ بِدَفْعِ شَرِّهِمْ عَنْ أَهْلِهَا، وَيُعَزَّرُونَ أَيْضًا لِمُبَاشَرَتِهِمْ مُنْكَرَ الْإِخَافَةِ. ۴؎ وَشَرْطُ الْقُدْرَةِ عَلٰى الِامْتِنَاعِ؛ لِأَنَّ الْمُحَارَبَةَ لَا تَتَحَقَّقُ إِلَّا بِالْمَنَعَةِ.

حالتوں پر سزا کی تقسیم ہے، یہ تین حالتیں اوپر ذکر کی گئی ہیں اور چوتھی حالت آگے ذکر کریں گے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مختلف احوال میں جرم مختلف ہوتے ہیں تو اس کے مطابق حکم میں بھی شدت آتی ہے۔

تشریح: آیت میں چار قسم کی سزا کا ذکر ہے، کیونکہ جرم بھی چار قسم کے ہوتے ہیں۔

چار جرم کی تفصیل یہ ہے اور اس کی سزا کی تفصیل بھی یہ ہے، اس نقشے کو غور سے دیکھیں۔

نمبر	جرم	سزا
(۱)	صرف ڈرایا	تو قید کیا جائے گا، یا شہر سے باہر کر دیا جائے گا۔
(۲)	صرف مال لوٹا	دائیں ہاتھ، اور بائیں پاؤں کاٹ دئے جائیں گے۔
(۳)	صرف قتل کیا	بدلے میں قتل کیا جائے گا۔
(۴)	مال بھی لوٹا اور قتل بھی کیا	ہاتھ پاؤں بھی کاٹے جائیں گے، اور قتل بھی کیا جائیگا یا صرف قتل کر کے سولی پر لٹکا دیا جائیگا۔

ترجمہ: ۳؎ پہلی شکل [یعنی صرف ڈرایا ہو تو] قید کرنا ہے، اس لئے کہ آیت میں جو نفی یعنی شہر بدر ہے اس سے مراد قید کرنا ہے اس لئے کہ زمین سے نفی کرنا زمین والے سے اس کی شرارت کو دور کرنا ہے، اور ڈاکوں کو تعزیر کرنا ہے کیونکہ اس نے ڈرانے دھمکانے کا گھناونا کام کیا ہے۔

تشریح: اس لمبی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ ڈاکو نے مال نہیں لیا اور قتل نہیں کیا ہے صرف ڈرایا ہے تو اس کو قید کر دیا جائے گا، آیت میں او ینفوو من الارض (آیت ۳۳ سورۃ المائدۃ ۵) سے یہی مراد ہے۔

لغت: نفی: یہاں نفی کا ترجمہ ہے مجرم کو شہر سے باہر نکال دینا، پچھلے زمانے میں قید خانہ نہیں تھا تو مجرم کو شہر سے باہر نکال دیتے تھے، ابھی اس کے بدلے میں قید خانہ میں رکھتے ہیں۔

ترجمہ: ۴؎ قدوری نے یہ شرط لگائی کہ روکنے پر قدرت ہو اس لئے کہ روکنے کی قدرت کے بغیر جنگ ممکن نہیں ہے۔

۵؎ وَالْحَالَةُ الثَّانِيَةُ كَمَا بَيَّنَّاهَا لِمَا تَلَوْنَاهُ. ۶؎ وَشَرْطُ أَنْ يَكُونَ الْمَأْخُوذُ مَالَ مُسْلِمٍ أَوْ ذِمِّيٍّ لِتَكُونَ الْعِصْمَةُ مُؤَبَّدَةً، وَلِهَذَا لَوْ قَطَعَ الطَّرِيقَ عَلَى الْمُسْتَأْمَنِ لَا يَجِبُ الْقَطْعُ. ۷؎ وَشَرْطُ كَمَالِ النِّصَابِ فِي حَقِّ كُلِّ وَاحِدٍ كَيْ لَا يُسْتَبَاحَ طَرَفُهُ إلَّا بِتَنَاوُلِهِ مَالَهُ خَطَرٌ، ۸؎ وَالْمُرَادُ قَطْعُ الْيَدِ الْيُمْنَى وَالرِّجْلِ الْيُسْرَى كَيْ لَا يُؤَدِّيَ إلَى تَفْوِيتِ جِنْسِ الْمَنْفَعَةِ.

تشریح :متن میں ڈاکو کے لئے یہ شرط لگائی کہ اس کو روکنے کی قدرت ہو تب اس کو ڈاکو کہا جائے گا، فرماتے ہیں کہ اس قدرت کے بغیر لوگوں سے جنگ ناممکن ہے۔

لغت :منعۃ :ایسی قدرت جس سے لوگوں کو ڈرایا جا سکے اور اس کے مال کو زبردستی لے جائے، اس کو منعۃ، کہتے ہیں۔ محاربۃ: حرب سے مشتق ہے، جنگ۔

ترجمہ:۵؎ دوسری حالت جیسا کہ ہم نے بیان کیا اس آیت کی وجہ سے جو ہم نے تلاوت کی۔

تشریح :متن میں دوسری حالت یہ بیان کی کہ ڈاکو نے مال لوٹا ہے، اور اس کی سزا یہ ہے کہ اس کے دائیں ہاتھ کو اور بائیں پاؤں کو کاٹ دیا جائے گا، اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

ترجمہ:۶؎ اور شرط یہ ہے کہ مسلمان کا مال لیا ہو یا ذمی کا مال لیا ہو تا کہ ہمیشہ اس کا محفوظ مال ہو، یہی وجہ ہے کہ اگر امن لینے والے کو لوٹا تو ڈاکو کا ہاتھ کاٹنا واجب نہیں ہوگا۔

تشریح:متن میں یہ تھا کہ کسی مسلمان کے مال کو لیا ہو، یا ذمی کے مال کو لیا ہو تب ڈاکو کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

وجہ:اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان کا مال اور ذمی کا مال محفوظ مال ہے، ڈاکو محفوظ مال لیگا تب ہی ہاتھ کاٹا جائے گا، چنانچہ اگر حربی کا مال لے لیا، یا وہ حربی جو امن لیکر دار الاسلام میں آیا ہے، اس کا مال وقتی طور پر محفوظ ہے، ورنہ حربی ہونے کی وجہ سے اس کا مال محفوظ نہیں ہے، ڈاکو نے اس کا مال لیا تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ترجمہ:۷؎ شرط یہ ہے کہ ہر ڈاکو کو دس دس درہم ملے ہوں تا کہ اس کا عضو بغیر بڑا مال کے مباح نہ ہو۔

تشریح : یہ بھی شرط ہے کہ ہر ڈاکو کو دس دس درہم سے زیادہ ملے ہوں، تا کہ اس کا ہاتھ بغیر نصاب کے نہ کٹے۔

ترجمہ :۸؎ آیت میں ہے کہ خلاف سے ہاتھ اور پاؤں کاٹے جائیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ دائیں ہاتھ اور بائیں پاؤں کاٹے جائیں، کیونکہ ایک ہی جانب سے ہاتھ اور پاؤں کاٹے جائیں تو منفعت ختم ہو جائے گی۔

تشریح :دائیں ہاتھ اور دائیں پاؤں کاٹ دئے جائیں تو آدمی نہ کھڑا ہو سکے گا اور نہ چل سکے گا، اس لئے آیت میں یہ کہا گیا کہ من خلاف، یعنی دائیں ہاتھ اور بائیں پاؤں کاٹے جائیں تا کہ وہ کھڑا ہو سکے اور بیساکھی کے ذریعہ چل سکے۔

۹؎ وَالْحَالَةُ الثَّالِثَةُ كَمَا بَيَّنَّاهَا لِمَا تَلَوْنَاه ۰ ۱؎ وَيُقْتَلُونَ حَدًّا، حَتّٰى لَوْ عَفَا الْأَوْلِيَاءُ عَنْهُمْ لا يُلْتَفت إِلٰى عَفْوِهِم لِأَنَّهُ حَقُّ الشَّرْعِ.

(۲۷۱۹) وَ الرَّابِعَةُ إِذَا قَتَلُوا وَأَخَذُوا الْمَالَ فَالْإِمَامُ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ قَطَعَ أَيْدِيَهُمْ وَأَرْجُلَهُمْ مِنْ خِلَافٍ وَقَتَلَهُمْ وَصَلَبَهُمْ، وَإِنْ شَاءَ قَتَلَهُمْ، وَإِنْ شَاءَ صَلَبَهُمْ.

وجه: آیت یہ ہے۔او تقطع ایدیھم و ارجلھم من خلاف (آیت ۳۳ سورۃ المائدۃ ۵)

ترجمہ: ۹؎ اور تیسری حالت کو ہم نے بیان کیا ہے اس آیت کی وجہ سے جس کو ہم نے تلاوت کی۔

تشریح: تیسری حالت ہدایہ کی عبارت میں بیان کی کہ قتل کیا ہو اور مال نہ لیا ہو، تو آیت میں اس کی سزا بیان کی گئی ہے کہ اس کے بدلے میں ڈاکو کو قتل کر دیا جائے۔

وجہ: آیت یہ ہے .انما جزء والذین یحاربون اللہ ورسولہ ویسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا (آیت ۳۳ سورۃ المائدۃ ۵)

ترجمہ: ۹؎ اور حد کے طور پر ڈاکو قتل کر دیا جائے گا یہاں تک کہ ولی معاف بھی کر دے تو اس کی معافی کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی۔اس لئے کہ یہ شریعت کا حق ہے۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: (۲۷۱۹) اور چوتھی صورت یہ ہے کہ۔اگر قتل کیا اور مال بھی لیا تو امام کو اختیار ہے چاہے تو ہاتھ اور پاؤں خلاف سے کاٹے اور ان کو قتل کرے اور سولی دے اور چاہے تو صرف قتل کرے اور چاہے تو سولی دے۔

تشریح: مال بھی لیا اور قتل بھی کیا ہے اس لئے دو جرم ہوئے اس لئے دونوں کی سزا دے سکتا ہے۔یعنی مال کے بدلے ہاتھ پاؤں کاٹنا اور قتل کے بدلے بعد میں قتل کرنا۔اور مناسب سمجھے تو ہاتھ پاؤں نہ کاٹے بلکہ بڑی سزا قتل کرنا ہے وہ کرے اور چاہے تو اس سے بھی بڑی سزا سولی دے جس میں پیٹ پھاڑ کر مارنے کے علاوہ تین دن تک تختے پر لٹکانا بھی ہے۔

وجہ: (۱) اس آیت میں ان تینوں سزا کی تفصیل موجود ہے انما جزء والذین یحاربون اللہ ورسولہ ویسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف (آیت ۳۳ سورۃ المائدۃ ۵) آیت میں او کے ذریعہ سے سزا بیان کی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ امام کو تینوں سزاؤں میں ایک کو اختیار کرنے کا اختیار ہے (۲) اوپر کی حدیث میں اہل عرینہ کا ہاتھ پاؤں بھی کاٹا تھا اور سلائی پھیر کر قتل کے بدلے مارا بھی تھا۔حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔عن انس ... فاتی بھم فقطع ایدیھم وارجلھم وسمل ثم لم یحسمھم حتی ماتو (بخاری شریف، باب کتاب المحاربین من اہل

۱؎ وَقَالَ مُحَمَّدٌ: يُقْتَلُ أَوْيُصْلَبُ وَلَايُقْطَعُ لِأَنَّهُ جِنَايَةٌ وَاحِدَةٌ فَلَا تُوجِبُ حَدَّيْنِ،وَلِأَنَّ مَا دُونَ النَّفْسِ يَدْخُلُ فِي النَّفْسِ فِي بَابِ الْحَدِّ كَحَدِّ السَّرِقَةِ وَالرَّجْمِ . ۲؎ وَلَهُمَا أَنَّ هَذِهِ عُقُوبَةٌ وَاحِدَةٌ تَغَلَّظَتْ لِتَغَلُّظِ سَبَبِهَا،وَهُوَ تَفْوِيتُ الْأَمْنِ عَلَى التَّنَاهِي بِالْقَتْلِ وَأَخْذِ الْمَالِ، وَلِهَذَا كَانَ قَطْعُ الْيَدِ وَالرِّجْلِ مَعًافِي الْكُبْرَى حَدًّاوَاحِدًاوَإِنْ كَانَا فِي الصُّغْرَى حَدَّيْنِ، ۳؎ وَالتَّدَاخُلُ فِي الْحُدُودِ لَا فِي حَدٍّ وَاحِدٍ.

الکفر والردة ص۱۰۰۵نمبر۶۸۰۲)اس حدیث میں ہاتھ پاؤں بھی کاٹا اور سلائی پھیر کر مارا بھی ۔(۳)اورامام کے لئے اختیار ہے کہ چھوٹی سزا چھوڑ کرایک ہی مرتبہ بڑی سزا دیدے یعنی قتل کر دے یا سولی دیدے۔ اس کی دلیل اس قول تابعی میں ہے۔قال عطاء ای ذلک شاء الامام حکم فیھم ان شاء قتلھم او صلبھم او قطع ایدیھم وارجلھم من خلاف ان شاء الامام فعل واحدة منھن وترک مابقی (مصنف عبدالرزاق باب المحاربة ج تاسع ص۳۴۳نمبر۱۸۸۲۷)اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ الگ الگ سزا دے اوراس کا بھی اختیار ہے کہ بڑی سزا دے اور چھوٹی سزا چھوڑ دے

ترجمہ: ۱؎ امام محمدؒ نے فرمایا کہ قتل کیا جائے گا یا سولی دی جائے گی،اور ہاتھ پاؤں نہیں کاٹے جائیں گے اسلئے کہ ایک ہی جرم ہے اسلئے دو حد واجب نہیں کرتا،اسلئے کہ جان سے کم درجہ جو سزا ہے وہ جان مارنے میں داخل ہو جائے گی ،جیسے چوری رجم میں داخل ہو جاتی ہے۔

تشریح:امام محمدؒ کی رائے ہے کہ جب ڈاکو کو جان سے مارنا ہی ہے تو اب اس کے ہاتھ پاؤں کو کاٹنے کی ضرورت نہیں ہے۔

وجہ:(۱)اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ ڈاکہ زنی ایک ہی جرم ہے،جس میں مال بھی لیا ہے اور قتل بھی کیا ہے اس لئے قتل کر دینا اتنا ہی کافی ہے، ہاتھ پاؤں کاٹنے کی ضرورت نہیں ہے(۲) دوسری دلیل دیتے ہیں کہ چھوٹی حد بڑی حد میں داخل ہو جائے گی، جیسے ایک آدمی نے چوری کی اور اس کے ساتھ زنا بھی کیا تو صرف رجم کیا جائے گا،اور چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا جان مارنے میں ہی داخل ہو جائے گی،اسی طرح یہاں ہاتھ کاٹنا جان مارنے میں ہی داخل ہو جائے گا۔

ترجمہ: ۲؎ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ ہاتھ کاٹنا، پاوں کاٹنا اور جان مارنا تینوں ایک ہی سزا ہے سبب کی شدت کی وجہ سے سزا میں شدت آئی ہے اور وہ ہے قتل کر کے اور مال لے کر لوگوں کے امن کو آخری درجے میں ختم کرنا، یہی وجہ ہے کہ ڈاکہ زنی میں ہاتھ کاٹنا اور پاؤں کاٹنا ایک ہی حد ہوتی ہے، جبکہ چوری میں یہ دو الگ الگ سزا ہیں

تشریح:شیخینؒ کی رائے یہ ہے کہ لوگوں کا مال بھی لیا ہے،اور قتل بھی کیا ہے،اور امن کو بھی آخری حد تک برباد کیا ہے اس لئے تینوں سزا [ہاتھ کاٹنا، پاوں کاٹنا،اور قتل کرنا] ایک ہی سزا ہے اس لئے تینوں دئے جائیں گے۔

ترجمہ:۳؎ دو حد ہو تو تداخل ہوگی ،ایک ہی حد میں تداخل نہیں ہوگی۔

۴؎ ثُمَّ ذَكَرَ فِي الْكِتَابِ التَّخْيِيرَ بَيْنَ الصَّلْبِ وَتَرْكِهِ، وَهُوَ ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ. ۵؎ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ لَا يَتْرُكُهُ لِأَنَّهُ مَنْصُوصٌ عَلَيْهِ، وَالْمَقْصُودُ التَّشْهِيرُ لِيَعْتَبِرَ بِهِ غَيْرُهُ. وَنَحْنُ نَقُولُ أَصْلُ التَّشْهِيرِ بِالْقَتْلِ وَالْمُبَالَغَةِ بِالصَّلْبِ فَيُخَيَّرُ فِيهِ.

(۲۷۲۰) ثُمَّ قَالَ وَيُصْلَبُ حَيًّا وَيُبْعَجُ بَطْنُهُ بِرُمْحٍ إِلَى أَنْ يَمُوتَ ۱؎ وَمِثْلُهُ عَنِ الْكَرْخِيِّ. وَعَنِ الطَّحَاوِيِّ أَنَّهُ يُقْتَلُ ثُمَّ يُصْلَبُ تَوَقِّيًا عَنِ الْمُثْلَةِ. وَجْهُ الْأَوَّلِ وَهُوَ الْأَصَحُّ أَنَّ الصَّلْبَ عَلَى هَذَا الْوَجْهِ أَبْلَغُ فِي الرَّدْعِ وَهُوَ الْمَقْصُودُ بِهِ.

تشریح: یہ امام محمدؒ کو جواب ہے، چوری کی حد الگ ہے، اور زنا کی حد رجم الگ ہے اس لئے یہاں چوری کی حد رجم میں داخل ہو جائے گی، لیکن ڈاکہ زنی کی حد ایک ہی ہے اس لئے اس میں تین سزائیں ایک دوسرے میں داخل نہیں ہوں گی۔

ترجمہ: ۴؎ پھر متن میں یہ ذکر کیا کہ سولی دینے اور اس کو چھوڑ دینے میں اختیار ہے، ظاہر روایت یہی ہے، اور امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ سولی دینا نہیں چھوڑے گا، اس لئے کہ وہ تو آیت میں موجود ہے، اور سولی دینے کا مقصد تشہیر کرنا ہے تا کہ لوگ اس سے عبرت پکڑے، ہم کہتے ہیں کہ اصل تشہیر تو قتل سے ہوگی اور سولی دینے سے اس میں مبالغہ ہوگا اس لئے امام کو سولی دینے اور نہ دینے کا اختیار ہوگا۔

تشریح: متن میں یہ ہے کہ سولی دے یا نہ دے امام کو اس کا اختیار ہے، لیکن امام ابو یوسفؒ کی روایت یہ ہے کہ چونکہ آیت میں سولی کا ذکر ہے اس لئے ضرور دینا چاہئے، دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے لوگوں کو عبرت ہوگی، مصنف نے اس کا جواب دیا ہے کہ قتل کرنے سے ہی عبرت ہو جاتی ہے، البتہ سولی دینے سے عبرت میں مبالغہ ہوتا ہے، اس لئے امام کو اس کا اختیار ہوگا۔

ترجمہ: (۲۷۲۰) اور سولی دی جائے زندہ میں اور پھاڑا جائے پیٹ کو نیزے سے یہاں تک کہ مر جائے۔

تشریح: سولی دینے کا طریقہ بتا رہے ہیں کہ زندہ آدمی کو تختہ پر لٹکا دیا جائے پھر نیزے سے پیٹ پھاڑ دیا جائے یہاں تک کہ مر جائے، سولی دینے کا یہی طریقہ ہے۔

لغت: بعج : نیزے سے پیٹ پھاڑنا، رمح : نیزہ۔

ترجمہ: ۱؎ اسی طرح امام کرخیؒ سے منقول ہے، اور امام طحاویؒ سے روایت ہے کہ پہلے قتل کیا جائے پھر سولی پر لٹکایا جائے مثلہ سے بچنے کے لئے، پہلی روایت کی وجہ یہ ہے کہ جو صحیح ہے کہ اس طرح سولی دینا زیادہ خوفناک عبرت ہے اور اس سے مقصود بھی یہی ہے۔

تشریح: زندہ میں سولی پر لٹکایا جائے پھر پھاڑا جائے، یہ کرخیؒ سے منقول ہے، لیکن امام طحاوی کی رائے یہ ہے کہ پہلے قتل کر دیا جائے پھر سولی پر لٹکایا جائے تا کہ مثلہ نہ ہو، لیکن پہل پہلی صورت میں عبرت زیادہ ہے اسلئے پہلی صورت بہتر ہے۔ ردع: عبرت

(۲۷۲۱) قَالَ وَلَا يُصلَبُ أَكثَرَ مِنْ ثَلاثَةِ أَيَّامٍ ١ لِأَنَّهُ يَتَغَيَّرُ بَعْدَهَا فَيَتَأَذَّى النَّاسُ بِهِ . ٢ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يُترَكُ عَلَى خَشَبَةٍ حَتَّى يَتَقَطَّعَ فَيَسقُطَ لِيَعْتَبِرَ بِهِ غَيْرُهُ. قُلْنَا: حَصَلَ الِاعْتِبَارُ بِمَا ذَكَرْنَاهُ وَالنِّهَايَةُ غَيْرُ مَطْلُوبَةٍ.

(۲۷۲۲)قَالَ وَإِذَا قَتَلَ الْقَاطِعُ فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ فِي مَالٍ أَخَذَهُ ١ اعْتِبَارًا بِالسَّرِقَةِ الصُّغْرَى وَقَدْ بَيَّنَّاه

(۲۷۲۳) فَإِنْ بَاشَرَ الْقَتْلَ أَحَدُهُمْ أَجْرَى الْحَدَّ عَلَيْهِمْ بِأَجْمَعِهِم .

ترجمہ:(۲۷۲۱)اور سولی پر نہ رکھا جائے تین دن سے زیادہ۔

ترجمہ:١ اس لئے کہ تین دن کے بعد لاش میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے تو لوگوں کو اس سے اذیت ہوگی۔،

تشریح:سولی پر لٹکانے اور پیٹ پھاڑنے کے بعد تین دن سے زیادہ لٹکا ہوا نہ رکھا جائے۔

وجہ:تین دن میں لوگوں کو عبرت ہو جائے گی اور زیادہ رکھنے میں لاش سڑے گی اور بدبو ہوگی اسلئے تین دن سے زیادہ نہ رکھا جائے۔

ترجمہ:٢ امام ابو یوسفؒ سے روایت یہ ہے کہ سولی دینے کے بعد اس لکڑی پر چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ گوشت کا ٹکڑا ٹکڑا ہو کر گر جائے تاکہ لوگ اس سے عبرت پکڑے، ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ عبرت اسی سے حاصل ہوگئی جو ہم نے ذکر کیا، یعنی سولی دینے سے، اور بہت زیادہ عبرت مطلوب نہیں ہے۔

تشریح:امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ لاش سے گوشت ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اس وقت تک مجرم کو تختے پر لٹکائے رکھیں تاکہ لوگوں کو زیادہ عبرت ہو۔ہم جواب دیتے ہیں کہ یہ زیادہ عبرت ہے اس کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ:(۲۷۲۲)اگر ڈاکو کو قتل کر دیا گیا تو اب اس سے چوری کے مال کا ضمان نہیں لیا جائے گا۔

ترجمہ:١ چوری پر قیاس کرتے ہوئے، اور اس بات کو چوری کے بیان میں ذکر کیا ہے۔

تشریح:مثلاً ڈاکو نے چوری کی جس کی وجہ سے اس کا ہاتھ کٹا، اور چوری کا مال ڈاکو سے ہلاک ہو گیا تو اب اس مال کا ضمان اس پر نہیں ہے۔

وجہ:چوری کے بیان میں ذکر کیا کہ، چوری کی وجہ سے ہاتھ کٹا اور چور سے مال ضائع ہو گیا ہے تو اس پر اس مال کا ضمان نہیں ہے، بلکہ ہاتھ کٹنا ہی مال کا بدل بن گیا، اسی طرح ڈاکو نے چوری کی اور اسکا ہاتھ کٹ گیا، اور مال ضائع ہو گیا تو اس پر بھی مال کا ضمان نہیں ہے۔

لغت:السرقۃ الصغریٰ:سے مراد چوری ہے، اور السرقۃ الکبریٰ:سے مراد ڈاکہ زنی ہے۔

ترجمہ:(۲۷۲۳) اگر ایک ڈاکو نے قتل کیا تو سب ڈاکوؤں پر حد لگے گی۔

ل لِأَنَّهُ جَزَاءُ الْمُحَارَبَةِ، وَهِيَ تَتَحَقَّقُ بِأَنْ يَكُونَ الْبَعْضُ رِدْءًا لِلْبَعْضِ حَتّٰى إِذَا زَلَّتْ أَقْدَامُهُمْ انْحَازُوا إِلَيْهِمْ، وَإِنَّمَا الشَّرْطُ الْقَتْلُ مِنْ وَاحِدٍ مِنْهُمْ وَقَدْ تَحَقَّقَ.

(۲۷۲۴)قَالَ وَالْقَتْلُ وَإِنْ كَانَ بِعَصًا أَوْ بِحَجَرٍ أَوْ بِسَيْفٍ فَهُوَ سَوَاءٌ ل لِأَنَّهُ يَقَعُ قَطْعًا لِلطَّرِيقِ بِقَطْعِ الْمَارَّةِ (۲۷۲۵)وَإِنْ لَمْ يَقْتُلِ الْقَاطِعُ وَلَمْ يَأْخُذْ مَالًا وَقَدْ جَرَحَ اُقْتُصَّ مِنْهُ فِيمَا فِيهِ الْقِصَاصُ، وَأُخِذَ الْأَرْشُ مِنْهُ فِيمَا فِيهِ الْأَرْشُ وَذَلِكَ إِلَى الْأَوْلِيَاءِ ل لِأَنَّهُ لَا حَدَّ فِي هَذِهِ الْجِنَايَةِ فَظَهَرَ حَقُّ الْعَبْدِ وَهُوَ مَا

ترجمہ: ل اس لئے کہ یہ جنگ کا بدلہ ہے اور یہ متحقق ہے اس طور پر کہ بعض دوسرے بعض کا مددگار رہے یہاں تک کہ اگر ایک کا قدم اکھڑ گیا تو وہ مددگار کے پاس دوڑ کر جاتے ہیں، البتہ اکی آدمی کو بھی قتل کرنا شرط ہے، اور وہ ہو گیا۔

اصول: ڈاکہ زنی میں ایک قتل کرے تو سب کی جانب سے شمار کیا جائے گا اور سب کو قتل کیا جائے گا۔

تشریح: مثلا دس آدمیوں نے ڈاکہ زنی کی اور ایک آدمی نے قتل کیا اور باقی مدد میں شریک ہوئے تو ان دسوں آدمیوں کو قتل کیا جائے گا۔

وجہ: چاہے ایک ہی آدمی نے قتل کیا لیکن شریک دسوں ہیں اس لئے دسوں کو قتل کیا جائے گا، کیونکہ ڈاکہ زنی میں ایسا ہی ہوتا ہے کہ ایک دو آدمی قتل کرنے اور مال لوٹنے میں مشغول ہوتے ہیں اور باقی آدمی اس کی مدد کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس آدمی کا پاؤں اکھڑ جائے تو یہ لوگ باقی آدمی کے پاس مدد حاصل کرنے کے لئے چلے جاتے ہیں

اصول: قتل میں سب شریک ہیں تو سب کو قتل کیا جائے گا۔

لغت: ردء: مدد، حمایتی۔ انحاز: اس کے پاس جمع ہو جاتے ہیں محاربۃ: حرب سے مشتق ہے، جنگ۔

ترجمہ: (۲۷۲۴) ڈاکو قتل کیا جائے گا، چاہے لاٹھی سے مار کر کسی کو قتل کیا ہو، یا پتھر سے، یا تلوار سے تو یہ سب برابر ہیں اس لئے کہ ان سب چیزوں سے ڈاکہ زنی ثابت ہوتی ہے۔

تشریح: یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ کسی بھی چیز سے آدمی کی جان ماری ہو ان سبھی سے ڈاکہ زنی ثابت ہو جائے گی، اور اس پر ڈاکہ زنی کی سزا دی جائے گی، یہ قتل خطا نہیں ہوگی بلکہ قتل عمد ہی شمار کی جائے گی، مثلا لاٹھی سے مار کر ختم کیا، یا پتھر سے مار کر ختم کیا یا تلوار سے مارا ہر صورت میں ڈاکہ زنی ثابت ہوگی، کیونکہ یہ تمام صورتیں ڈاکہ زنی کی ہیں۔

ترجمہ: (۲۷۲۵) اگر ڈاکو نے قتل نہیں کیا اور نہ مال لیا لیکن آدمی کو زخمی کیا تو جس عضو میں قصاص ہے اس میں قصاص لیا جائے گا، اور جس عضو میں ارش ہے اس میں ارش لی جائے گی، اور اس بارے میں ولی کو اختیار ہوگا۔

ترجمہ: ل اس لئے کہ ان جرم میں حد نہیں ہے تو ولیوں کا حق ظاہر ہو گیا اس لئے ولیوں کو لینے کا اختیار ہوگا۔

ذَكَرْنَاهُ فَيَسْتَوْفِيهِ الْوَلِيُّ. (۲۷۲۶) وَإِنْ أَخَذَ مَالًا ثُمَّ جَرَحَ قُطِعَتْ يَدُهُ وَرَجُلُهُ وَبَطَلَتِ الْجِرَاحَاتُ لے لِأَنَّهُ لَمَّا وَجَبَ الْحَدُّ حَقًّا لِلَّهِ سَقَطَتْ عِصْمَةُ النَّفْسِ حَقًّا لِلْعَبْدِ كَمَا تَسْقُطُ عِصْمَةُ الْمَالِ (۲۷۲۷) وَإِنْ أُخِذَ بَعْدَ مَا تَابَ وَقَدْ قَتَلَ عَمْدًا فَإِنْ شَاءَ الْأَوْلِيَاءُ قَتَلُوهُ وَإِنْ شَاءُوا عَفَوْا عَنْهُ لے لِأَنَّ الْحَدَّ فِي هَذِهِ الْجِنَايَةِ لَا يُقَامُ بَعْدَ التَّوْبَةِ لِلِاسْتِثْنَاءِ الْمَذْكُورِ فِي النَّصِّ،

تشریح: ڈاکو نے صرف ایسا جرم کیا جس میں حد نہیں ہے، صرف قصاص ہے یا زخم کا تاوان ہے تو یہاں ولیوں کو حق ہوگا کہ وہ قصاص لے، یا جرم کا تاوان لے، یا معاف کر دے۔

وجہ : کیونکہ بڑا جرم کرتا تو شریعت اس کا بدلہ لیتی اور ولیوں کو اس میں معاف کرنے کا حق نہیں تھا، لیکن یہاں قصاص والا جرم کیا ہے، یا تاوان والا جرم کیا ہے اس لئے اب ولیوں کا حق ہو گیا، اس لئے اس کو لینے یا نہ لینے کا حق ہوگا۔۔ ارش: زخموں کا تاوان۔

ترجمہ: (۲۷۲۶) ڈاکو نے مال لیا پھر آدمی کو زخمی بھی کیا تو اس کا ہاتھ اور پاؤں کاٹا جائے گا اور زخم کا تاوان نہیں لیا جائے گا۔

ترجمہ: لے اسلئے کہ جب اللہ کا حق واجب ہو گیا تو نفس کی حفاظت کیلئے بندے کا حق ختم ہو گیا، جیسے مال کی عصمت ختم ہو جاتی ہے۔

اصول : یہ مسئلہ اصول پر ہے کہ شریعت کا حق نافذ کرنے کا ہو جائے تو بندے کا حق ساقط ہو جاتا ہے۔ اور شریعت کا حق ساقط ہو جائے تو بندے کا حق لازم ہو جاتا ہے۔

تشریح: ڈاکوؤں نے مال بھی لیا اور گھر والے کو زخمی بھی کیا، تو مال لوٹنے کی وجہ سے شریعت کا حق غالب ہو گیا کہ ڈاکو کے ہاتھ اور پاؤں کاٹے جائیں گے، اور اس کی وجہ سے زخم کا جو تاوان ہونا چاہئے وہ ساقط ہو جائے گا۔

وجہ: چوری میں چور کا ہاتھ کٹتا ہے تو مال کا تاوان لازم نہیں ہوتا، اسی طرح یہاں ہاتھ پاؤں کٹے تو زخم کا تاوان ساقط ہو جائے گا، اسی کو نفس کی عصمت، کہتے ہیں جو ساقط ہو گئی۔

ترجمہ :(۲۷۲۷) اگر ڈاکو توبہ کرنے کے بعد پکڑے گئے، اور وہ قتل عمد کر چکے تھے تو ولی کو حق ہوگا کہ چاہے تو قتل کریں اور چاہے تو معاف کر دیں۔

ترجمہ: لے اس لئے کہ توبہ کے بعد اس جرم میں حد لازم نہیں ہوتی، کیونکہ آیت میں استثناء موجود ہے۔

تشریح :جس آیت میں ڈاکوؤں کی سزا کا ذکر ہے اس میں یہ بھی ہے کہ اگر یہ لوگ پکڑے جانے سے پہلے توبہ کر لیں تو حد معاف ہو جاتی ہے، لیکن اس نے قتل کیا ہے اس لئے قصاص کے طور پر قتل کیا جائے گا، اور یہ مقتول کے ولیوں کا حق ہوگا، اس لئے مقتول کے ولیوں کو یہ بھی حق ہوگا کہ چاہے تو قصاص لیں اور چاہیں تو معاف کر دیں۔

وجہ: پوری یہ ہے۔ انما جزء والذین یحاربون اللہ ورسولہ ویسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا او یصلبوا

۲ وَلِأَنَّ التَّوْبَةَ تَتَوَقَّفُ عَلٰى رَدِّ الْمَالِ وَلَا قَطْعَ فِيْ مِثْلِهِ، فَظَهَرَ حَقُّ الْعَبْدِ فِيْ النَّفْسِ وَالْمَالِ حَتّٰى يَسْتَوْفِيَ الْوَلِيُّ الْقِصَاصَ أَوْ يَعْفُوَ، وَيَجِبُ الضَّمَانُ إِذَا هَلَكَ فِيْ يَدِهِ أَوْ اسْتَهْلَكَهُ.

(۲۷۲۸) وَإِنْ كَانَ مِنَ الْقُطَّاعِ صَبِيٌّ أَوْ مَجْنُونٌ أَوْ ذُو رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنَ الْمَقْطُوعِ عَلَيْهِ سَقَطَ الْحَدُّ عَنِ الْبَاقِينَ ۱ فَالْمَذْكُورُ فِي الصَّبِيِّ وَالْمَجْنُونِ قَوْلُ أَبِيْ حَنِيفَةَ وَزُفَرَ.

او تقطع ايديهم وارجلهم من خلاف او ينفوو من الارض ذلک لهم خزى فى الدنيا ولهم فى الآخرة عذاب عظيم الا الذين تابوا من قبل ان تقدروا عليهم فاعلموا ان الله غفور رحيم (آیت ۳۴ سورۃ المائدۃ ۵)

اس آیت میں الا الذین تابوا، سے ذکر کیا ہے کہ پکڑے جانے سے پہلے ڈاکو توبہ کرلے تو اللہ اس کی سزا کو معاف کر دیں گے۔

ترجمہ :۲ اور اس لئے کہ مال کے لوٹانے پر توبہ موقوف ہے پھر تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ نفس اور مال کے بارے میں بندے کا حق ظاہر ہوگیا، اس لئے ولی قصاص لے گا یا معاف کر دے گا، اور ڈاکو مال ہلاک کر دے، یا خود ہلاک ہو جائے اس پر ضمان لازم ہوگا۔

تشریح :علماء نے توبہ کرنے کی صورتیں بیان کی ہیں[۱] توبہ کے ساتھ ڈاکو مال واپس کر دے تو توبہ سمجھی جائیگی، اور مال واپس نہ کرے تو توبہ نہیں سمجھی جائیگی [۲] بعض دوسرے حضرات نے کہا کہ، کئے ہوئے پر شرمندہ ہو، اور آیندہ نہ کرنے کا پکا ارادہ کرے تو توبہ ہوگئی، مال واپس کرنا ضروری نہیں۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ مال واپس کرنے پر توبہ مکمل سمجھی جائے گی، اور جب توبہ کرلی تو شریعت کی حد ختم ہوگئی، اس لئے اب بندے کا حق ظاہر ہوگیا، اس لئے ولی کو اختیار ہوگا کہ قصاص لے یا معاف کر دے، اور اس صورت میں ڈاکو مال ہلاک کر دے یا مال ہلاک ہو جائے دونوں صورتوں میں اس پر ضمان لازم ہوگا، کیونکہ دونوں صورتوں میں بندے کا حق موجود رہتا ہے۔

ترجمہ :(۲۷۲۸) پس اگر ڈاکہ زنوں میں سے کوئی بچہ ہو یا مجنون ہو یا جس پر ڈاکہ ڈالا اس کا ذی رحم محرم ہو تو باقی سے بھی حد ساقط ہو جائے گی۔

ترجمہ:۱ یہ جو ذکر ہے کہ باقی سے بھی حد ساقط ہو جائے گی یہ امام ابو حنیفہؒ اور امام زفرؒ کا قول ہے۔

تشریح :جس جماعت نے ڈاکہ ڈالا اس میں سے کچھ بچہ تھا یا پاگل تھا۔ اب ظاہر ہے کہ بچہ اور پاگل پر حد جاری نہیں ہوگی کیونکہ وہ مرفوع القلم ہیں تو اس کی وجہ سے باقی ڈاکوؤں سے بھی حد ساقط ہو جائے گی۔ اسی طرح ڈاکہ ڈالنے والے اس آدمی کا قریبی رشتہ دار تھے جس پر ڈاکہ ڈالا گیا تو باقی ڈاکوؤں سے بھی حد ساقط ہو جائے گی۔ البتہ قتل کیا ہے تو قصاصا قتل کیا جائے گا جس کا اختیار مقتول کے ورثہ کو ہوگا۔ چاہے وہ قتل کریں چاہے وہ معاف کر دیں۔

۲؎ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ لَوْ بَاشَرَ الْعُقَلاءُ يُحَدُّ الْبَاقُونَ وَعَلَى هٰذَا السَّرِقَةُ الصُّغْرَى. لَهُ أَنَّ الْمُبَاشِرَ أَصْلٌ، وَالرِّدْءُ تَابِعٌ وَلَا خَلَلَ فِي مُبَاشَرَةِ الْعَاقِلِ وَلَا اعْتِبَارَ بِالْخَلَلِ فِي التَّبَعِ، وَفِي عَكْسِهِ يَنْعَكِسُ الْمَعْنَى وَالْحُكْمُ ۳؎ . وَلَهُمَا أَنَّهُ جِنَايَةٌ وَاحِدَةٌ قَامَتْ بِالْكُلِّ، فَإِذَا لَمْ يَقَعْ فِعْلُ بَعْضِهِمْ مُوجِبًا كَانَ فِعْلُ الْبَاقِينَ بَعْضَ الْعِلَّةِ وَبِهِ لَا يَثْبُتُ الْحُكْمُ فَصَارَ كَالْخَاطِئِ مَعَ الْعَامِدِ.

وجه :(۱) یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ حدود شبہ سے ساقط ہو جاتی ہے۔اور جب بعض سے ساقط ہوگئی تو باقی لوگوں میں بھی شبہ ہو گیا اس لئے ان سے بھی حد ساقط ہو جائے گی۔(۲) اور رشتہ دار کی وجہ سے حد ساقط ہوتی ہے اس کی دلیل یہ قول تابعی ہے۔قال الثوریؒ ویستحسن الا یقطع من سرق من ذی محرم ،خاله او عمه او ذات محرم (مصنف عبد الرزاق، باب من سرق مالا یقطع فیہ ج تاسع ص ۵۱۰ نمبر ۱۹۱۸۰) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ ذی رحم محرم سے حد ساقط ہو جائے گی۔

ترجمہ :۲؎ امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ اگر عقل والوں نے ڈاکہ زنی کی تو بچے اور مجنون کو چھوڑ کر باقی لوگوں کو حد لگے گی، اور اسی اختلاف پر چھوٹی چوری بھی ہے،امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ جو ڈاکہ ڈالنے والے ہیں یہ اصل ہیں اور جو مدد کرنے والے ہیں یہ تابع ہیں اور عاقل آدمی کے ڈاکہ میں کوئی خلل نہیں ہے،اور تابع میں خلل ہو تو اس کا اعتبار نہیں ہے۔

اصول:امام ابو یوسفؒ کا اصول یہ ہے کہ جو عاقل بالغ ہے اس پر حد جاری ہوگی،اور جو نابالغ اور مجنون ہے اس کو چھوڑ دیا جائے گا۔

تشریح :امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ ڈاکہ ڈالنے والے اصل ہیں جو عاقل بالغ ہیں اور مدد کرنے والے تابع ہیں جو نابالغ اور مجنون ہیں،اور تابع کا اعتبار نہیں ہے،اس لئے اصل پر حد جاری ہوگی۔

لغت:السرقۃ الصغریٰ: سے مراد چوری ہے،اور السرقۃ الکبریٰ سے مراد ڈاکہ زنی ہے۔

ترجمہ :۳؎ اور اس کے الٹے میں معنی بھی بدل جائے گا اور حکم بھی بدل جائے گا۔

تشریح :الٹے کی صورت یہ ہے کہ مجنون اور نابالغ نے مال لوٹا،اور عاقل بالغ نے مدد کی تو اصل لوٹنے والا نااہل ہے اس لئے اصل پر حد نہیں لگے گی،اس لئے اب تابع ،یعنی عاقل بالغ سے بھی حد ساقط ہو جائے گی۔یہ عکس کی صورت ہے اور یہ عکس کا حکم ہے کہ کسی کو حد نہیں لگے گی۔

ترجمہ :۳؎ اور امام ابو حنیفہ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ پوری ڈکہ زنی ایک جرم ہے جو تمام ڈاکوؤں سے انجام پاتی ہے، پس اگر بعض کا فعل حد سبب نہیں ہے تو باقی کا فعل بھی حد کی علت نہیں بنے گی اور حکم ثابت نہیں ہوگا،جیسے قتل کرنے میں جان کر قتل کرنے والا بھی ہو اور غلطی سے قتل کرنے والا بھی ہو تو [تو سب سے قصاص ساقط ہو جاتا ہے]

اصول:امام ابو حنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ پوری ڈکہ زنی ایک جرم ہے اور سب ڈاکوؤں سے منعقد ہوتی ہے،پس اگر بعض کا

۴؎ وَأَمَّا ذُوالرَّحِمِ الْمَحْرَمِ فَقَدْقِيلَ تَأْوِيلُهُ إِذَاكَانَ الْمَالُ مُشْتَرَكًا بَيْنَ الْمَقْطُوعِ عَلَيْهِمْ، وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ مُطْلَقٌ لِأَنَّ الْجِنَايَةَ وَاحِدَةٌ عَلَى مَا ذَكَرْنَاهُ فَالِامْتِنَاعُ فِي حَقِّ الْبَعْضِ يُوجِبُ الِامْتِنَاعَ فِي حَقِّ الْبَاقِينَ، ۵؎ بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ فِيهِمْ مُسْتَأْمَنٌ؛ لِأَنَّ الِامْتِنَاعَ فِي حَقِّهِ لِخَلَلٍ فِي الْعِصْمَةِ وَهُوَ يَخُصُّهُ،

فعل حد ثابت نہیں کرتی تو باقی سے حد ساقط ہو جائے گی۔

تشریح: امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ پوری ڈاکہ زنی ایک جرم ہے اور سب ڈاکوؤں سے مل کر منعقد ہوتی ہے ،اس لئے اگر مجنون کے فعل سے حد ثابت نہیں ہوگی تو باقی سے بھی حد ساقط ہو جائے گی ،اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ، مثلا زید نے جان کر عمر کو تیر مارا جس سے قتل عمد ہوا، اس لئے اس پر قصاص ہونا چاہئے اور خالد نے شکار سمجھ کر عمر کو تیر مارا، جس سے قتل خطاء ہوا، اور اس پر قصاص کے بجائے دیت لازم ہونی چاہئے تو یہاں خالد کے فعل کی وجہ سے نقص ہوگا اور زید سے قصاص ساقط ہو جائے گا اور دونوں پر دیت ہی لازم ہوگی ، پس جس طرح یہاں ایک کے نقص کی وجہ سے دونوں سے قصاص ساقط ہو گیا اسی طرح ڈاکہ زنی میں بھی بچے کے نقص کی وجہ سے بالغ سے بھی حد ساقط ہو جائے گی، تاکہ تعزیر ہوگی اور سخت قسم کی تعزیر ہوگی۔

لغت: خاطی مع العامد: خاطی سے مراد قتل خطاء ہے، جس سے دیت لازم ہوتی ہے۔اور عامد سے مراد قتل عمد ہے جس سے قصاص لازم ہوتا ہے۔تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

ترجمہ: ۴؎ بہرحال ذی رحم محرم تو کہا گیا کہ اس کی تاویل یہ ہے کہ جن لوگوں پر ڈاکہ ڈالا ہے ان کا مال مشترک ہو، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ مطلق ہے اس لئے کہ جرم ایک ہے جیسا کہ پہلے ذکر کیا، پس بعض کے حق منع ہونا باقی کے حق میں منع ہو جائے گا۔

تشریح: ذی رحم محرم کی دو صورتیں ہیں [۱] جن لوگوں کا مال لوٹا اس میں کچھ ڈاکہ زنی کرنے والے کا ذی رحم محرم ہے تو جس کا ذی رحم محرم ہے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا تو باقی ڈاکو کا بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ جرم ایک ہے [۲] اور دوسری صورت یہ ہے کہ ڈاکو کا مال اور جن لوگوں کا مال لوٹا اس کا مال مشترک ہے، اس لئے مشترک والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا تو باقی ڈاکو کا بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، مصنف فرماتے ہیں کہ مطلق کی صورت زیادہ صحیح ہے۔

اصول: یہ اصول پہلے گزر چکا ہے کہ بعض کے حق میں حد نہیں لگے گی تو باقی کو بھی حد نہیں لگے گی، کیونکہ جرم ایک ہے۔

ترجمہ: ۵؎ بخلاف جبکہ اس میں سے کوئی آمن لینے والا ہو اس لئے کہ اس کے حق میں حد نہ لگنا حفاظت میں خلل ہونے کی وجہ سے ہے جو اس کے ساتھ خاص ہے،۔

تشریح: جو حربی امن لیکر دار الاسلام آیا اور ڈاکو نے اس کا مال لوٹ لیا تو ان ڈاکوؤں کا ہاتھ پاوں نہیں کاٹا جائے گا۔

۶؎ أَمَّا هُنَا الِامْتِنَاعُ لِخَلَلٍ فِي الْحِرْزِ، وَالْقَافِلَةُ حِرْزٌ وَاحِدٌ.

(۲۷۲۹) وَإِذَا سَقَطَ الْحَدُّ صَارَ الْقَتْلُ إِلَى الْأَوْلِيَاءِ ۱؎ لِظُهُورِ حَقِّ الْعَبْدِ عَلٰى مَا ذَكَرْنَاهُ [فَإِنْ شَاءُوا قَتَلُوا وَإِنْ شَاءُوا عَفَوْا] (۲۷۳۰) وَإِذَا قَطَعَ بَعْضُ الْقَافِلَةِ الطَّرِيقَ عَلٰى الْبَعْضِ لَمْ يَجِبِ الْحَدُّ ۱؎ لِأَنَّ الْحِرْزَ وَاحِدٌ فَصَارَتِ الْقَافِلَةُ كَدَارٍ وَاحِدَةٍ،

وجه:اس کی وجہ یہ ہے کہ حربی ہونے کی وجہ سے اس کا مال محفوظ [معصوم] نہیں ہے۔

لغت :یخصہ: خاص امن لینے والے کے ساتھ یہ خاص ہے کہ اس کا مال محفوظ نہیں ہے۔عصمۃ: یہ محاورہ ہے،اس کا مال محفوظ نہیں ہے۔

ترجمہ:۶؎ اور یہاں حفاظت میں خلل ہونے کی وجہ سے ہے اور قافلہ ایک ہی حرز ہے۔

تشریح :پہلے آیا تھا کہ حرز [محفوظ جگہ] سے چوری کرے گا تب ہاتھ کاٹا جائے گا، یہاں فرماتے ہیں کہ قافلہ ایک حرز ہے اب اس میں خلل واقع ہو گیا، کہ بعض رشتہ دار نکل گیا تو کسی کا بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا

ترجمہ :(۲۷۲۹)اور جب حد ساقط ہو گئی تو قتل کا اختیار ولیوں کو ہوگا۔[اس لئے کہ بندے کا حق ظاہر ہو گیا،جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا۔] پس اگر چاہے تو ولی قتل کروائے اور چاہے تو معاف کر دے۔

تشریح :اوپر تین معاملے گزرے جنکی وجہ سے ڈاکوؤں سے حد ساقط ہو گئی[۱] توبہ کرنے کے بعد ڈاکو پکڑے گئے تو ان سے حد ساقط ہو جائے گی۔[۲] بعض ڈاکو بچے، یا مجنون ہے تو باقی سے حد اقط ہو جائے گی۔[۳] جس کا مال لوٹا وہ بعض ڈاکو کا ذی رحم محرم نکلا تو باقی سے حد ساقط ہو جائے گی۔ان تین صورتوں میں شریعت کی حد ساقط ہو گئی تو اب بندے کا حق سامنے آئے گا، اور اس کی وجہ سے قصاص لیا جائے گا،اور وہ چاہے تو قصاص معاف کر سکتا ہے،اس سے پہلے گزرا کہ شریعت کی وجہ سے حد لازم ہو تو ولی اس کو معاف کرنا چاہے تب بھی معاف نہیں کر سکتا۔ یہاں معاف کر سکتا ہے، کیونکہ اب اس کا حق ہو گیا۔

وجہ:آیت میں ہے۔والسن بالسن والجروح قصاص فمن تصدق به فهو كفارة له (آیت ۴۵ سورۃ المائدۃ ۵)اس آیت میں ہے کہ معاف کر دے تو یہ اس کے لئے کفارہ ہوگا۔

ترجمہ :(۲۷۳۰)بعض قافلے نے بعض کا مال لوٹ لیا تو حد جاری نہیں ہوگی۔

ترجمہ:۱؎ اس لئے کہ حرز ایک ہی ہے تو پورا قافلہ ایک گھر کی طرح ہو گیا۔

اصول :حرز سے نکالے گا تو ڈاکہ زنی ثابت ہوگی، یہاں پورا قافلہ ایک حرز ہے اس لئے بعض نے بعض کا مال لوٹ لیا تو گویا حرز سے باہر نہیں نکالا،اس لئے ان ڈاکہ ڈالنے والوں پر حد جاری نہیں ہوگی،البتہ تعزیر ہوگی۔

(۲۷۳۱)وَمَنْ قَطَعَ الطَّرِيقَ لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فِي الْمِصْرِ أَوْ بَيْنَ الْكُوفَةِ وَالْحِيرَةِ فَلَيْسَ بِقَاطِعِ الطَّرِيقِ ١ـ اسْتِحْسَاناً وَفِي الْقِيَاسِ يَكُونُ قَاطِعَ الطَّرِيقِ وَهُوَقَوْلُ الشَّافِعِيِّ لِوُجُودِهِ حَقِيقَةً.٢ـ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يَجِبُ الْحَدُّ إِذَاكَانَ خَارِجَ الْمِصْرِ إِنْ كَانَ بِقُرْبِهِ،لِأَنَّهُ لايَلْحَقُهُ الْغَوْثُ .٣ـ وَعَنْهُ إِنْ قَاتَلُوا نَهَارًابِالسِّلاحِ أَوْلَيْلًا بِهِ أَوْبِالْخَشَبِ فَهُمْ قُطَّاعُ الطَّرِيقِ لِأَنَّ السِّلاحَ لا يَلْبَثُ وَالْغَوْثُ يُبْطِءُ بِاللَّيَالِي،

ترجمہ:(۲۷۳۱)رات کو یا دن کو شہر میں ڈاکہ زنی کی، یا کوفہ اور حیرہ کے درمیان ڈاکہ زنی کی تو اس کو ڈاکہ زنی نہیں کہیں گے۔

ترجمہ :۱ـ یہ استحسان کا تقاضہ ہے، اور قیاس یہ ہے کہ یہ ڈاکہ زنی ہے اور امام شافعیؒ کا قول یہی ہے، کیونکہ حقیقی ڈاکہ زنی پائی گئی ہے۔

اصول: یہاں اصول یہ ہے کہ جہاں پولس کی مدد فوری طور پہنچ سکتی ہے تو وہاں ڈاکہ زنی ہو تب بھی اس پر ڈاکہ زنی کا حکم نافذ نہیں ہوگا، اور جس جگہ فوری طور پر پولس کی مدد نہیں پہنچ سکتی ہے وہاں ڈاکہ زنی ہو تو اس پر ڈاکہ زنی کا حکم نافذ ہوگا۔

تشریح :شہر میں دن کو رات کو ڈاکہ زنی کی تو چوہاں پولس کی مدد فوری طور پر پہنچ سکتی ہے اس لئے اس کو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ڈاکہ زنی نہیں کہیں گے، اسی طرح کوفہ اور حیرہ کے درمیان ایک میل کا فاصلہ ہے، یہاں پولس کی مدد جلدی پہنچ سکتی ہے اس لئے اس درمیان ڈاکہ زنی ہو تو اس کو ڈاکہ زنی نہیں کہیں گے، یہ استحسان ہے ورنہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کو بھی ڈاکہ زنی کہی جائے، چنانچہ امام شافعیؒ کا یہی قول ہے، کیونکہ حقیقت میں ڈاکہ زنی ہوئی ہے۔

ترجمہ :۲ـ امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ اگر شہر کے باہر ڈاکہ زنی ہوئی چاہے شہر کے قریب ہی کیوں نہ تو وہ ڈاکہ زنی ہے اور اس پر حد جارہ کی جائے گی اس لئے کہ وہاں مدد نہیں پہنچ سکتی ہے۔

تشریح: شہر سے باہر ڈاکہ زنی کی چاہے شہر سے قریب ہی کیوں نہ ہو اس کو ڈاکہ زنی شمار کی جائے گی، کیونکہ وہاں تک جلدی مدد نہیں پہنچ سکتی ہے۔

اصول: امام ابو یوسفؒ کا اصول یہ ہے کہ جہاں عام طور پر جلدی مدد نہیں پہنچ پاتی وہاں ڈاکہ زنی شمار کی جائے گی۔

ترجمہ :۳ـ انہیں سے دوسری روایت ہے کہ اگر دن کو ہتھیار سے جنگ کی یا رات کو ہتھیار سے جنگ کی، یا لکڑی سے جنگ کی تو یہ سب ڈاکہ زنی ہے اس لئے کہ ہتھیار سے جلدی مار کر لے گا[اور اس وقت تک پولس کی مدد نہیں پہنچ پائے گی، اسی طرح رات میں مدد پہنچنے میں دیر ہوتی ہے۔

تشریح :امام ابو یوسفؒ کی دوسری روایت یہ ہے کہ شہر میں دن کو جنگ کی یا رات میں تلوار، یا لکڑی سے جنگ کی تو ڈاکہ زنی شمار ہوگی۔

ﷺ وَنَحنُ نَقُولُ: إنَّ قَطعَ الطَّرِيقِ بِقَطعِ المَارَّةِ وَلا يَتَحَقَّقُ ذَلِکَ فِي المِصرِ وَيَقرُبُ مِنهُ؛ لِأَنَّ الظَّاهِرَ لُحُوقُ الغَوثِ، إلَّا أَنَّهُم يُؤخَذُونَ بِرَدِّ المَالِ أَيضًا لا لِلحَقِّ إلٰى المُستَحِقِّ، وَيُؤَدَّبُونَ وَيُحبَسُونَ لِارتِكَابِهِمُ الجِنَايَةَ، وَلَو قَتَلُوا فَالأَمرُ فِيهِ إلٰى الأَولِيَاءِ لِمَا بَيَّنَّا.

(۲۷۳۲) وَمَن خَنَقَ رَجُلًا حَتّٰى قَتَلَهُ فَالدِّيَةُ عَلٰى عَاقِلَتِهِ عِندَ أَبِي حَنِيفَةَ ۱ہ وَهِيَ مَسأَلَةُ القَتلِ بِالمُثقَلِ، وَسَنُبَيِّنُهُ فِي بَابِ الدِّيَاتِ إن شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى،

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ ہتھیار سے لوٹ مار ہو تو جلدی سے لوٹ کر چلا جائے گا، اور اس وقت تک مدد نہیں پہنچ پائے گی، اسی طرح رات کو ہتھیار سے جنگ کرے، یا لاٹھی سے جنگ کرے تو بھی اس وقت تک مدد نہیں پہنچ پائے گی، کیونکہ رات کو مدد پہنچنے میں دیر ہوتی ہے، اس لئے ان سب صورتوں میں ڈاکہ زنی شمار کی جائے گی۔

لغت: غوث: مدد۔ سلاح: ہتھیار، تلوار۔ خشب: لکڑی، لاٹھی۔ یلبث: ٹھیرتا ہے، لایلبث: دیر نہیں ہوتی۔ یبطی: بطی سے مشتق ہے دیر ہوتی ہے سستی ہوتی ہے۔

ترجمہ: ﷺ ہم کہتے ہیں کہ راستہ کاٹنے کی وجہ سے ڈاکہ زنی ہوتی ہے اور یہ شہر میں متحقق نہیں ہوتی، یا اس کے قریب میں متحقق نہیں ہوتی، اس لئے کہ ظاہر یہ ہے کہ اس میں مدد پہنچ سکتی ہے، لیکن ان ڈاکوؤں سے مال وصول کیا جائے گا تا کہ حق والے کو حق پہنچ جائے اور ڈاکوؤں کو تادیب کی جائے گی کیونکہ ان لوگوں نے جرم کیا ہے، اور اگر ڈاکوؤں نے قتل کیا ہے مقتول کے ولیوں کو اس کا حق ہوگا، اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے بیان کیا۔

لغت: قطع الطریق: قطاع المارۃ: راستہ کاٹ دینا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس راستے میں ڈاکہ زنی ہوئی اس میں اتنا خوف چھا جائے کہ مہینوں تک اس سے گزرنے میں خوف محسوس ہوتا ہو، اور شہر میں اور شہر کے قریب ڈاکہ زنی ہوئی تو پولس کی مدد آجائے گی جس کی وجہ سے مہینوں تک وہاں سے گزرنے سے خوف محسوس نہیں ہوتا اس لئے قطع الطریق اور قطع المارۃ متحقق نہیں ہوگا۔

تشریح: یہ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل ہے۔ شہر میں اور شہر کے قریب میں پولس کی مدد جلدی سے آسکتی ہے اس لئے وہاں ڈاکہ زنی کا حکم نافذ نہیں ہوگا، لیکن حقیقت میں ڈاکہ زنی کی ہے اس لئے اس کو پکڑا جائے گا اور اس سے لوٹے ہوئے مال کو لیکر مالک کی طرف لوٹایا جائے گا، اور اس کو تعزیر کی جائے گی اور اس کو قید کیا جائے گا، اور اگر اس نے کسی کو قتل کیا ہے تو شرعی حد تو نافذ نہیں ہوگی، لیکن قصاص لازم ہوگا، اور مقتول کے ولی کو قصاص لینے کا اور معاف کرنے کا اختیار ہوگا۔

ترجمہ: (۲۷۳۲) اگر ڈاکو نے کسی آدمی کا گلا گھونٹ کر قتل کر دیا تو دیت اس کے عاقلہ پر ہوگی، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک۔

ترجمہ: ۱ہ یہ بھاری چیز سے قتل کرنے کا مسئلہ ہے جس کو ان شاء اللہ باب الدیات میں ہم بیان کریں گے۔

۲؎ وَإِنْ خَنَقَ فِيْ الْمِصْرِ غَيْرَ مَرَّةٍ قُتِلَ بِهِ؛ لِأَنَّهُ صَارَ سَاعِيًا فِيْ الْأَرْضِ بِالْفَسَادِ فَيُدْفَعُ شَرُّهُ بِالْقَتْلِ، وَاللّٰهُ تَعَالٰى أَعْلَمُ.

تشریح: ڈاکو نے گلا گھونٹ کر مارا تو اس پر ڈاکہ زنی کے احکام نافذ نہیں ہوں گے، لیکن یہ قتل خطاء ہے اس لئے اس کے قریب کے خاندان [جس کو عاقلہ کہتے ہیں] اس پر مقتول کی دیت لازم ہوگی، اس کو ان شاء اللہ کتاب الدیات میں بیان کریں گے۔

ترجمہ: ۲؎ اور اگر شہر میں کئی مرتبہ قتل کیا تو اس آدمی کو قتل کیا جائے گا اس لئے کہ زمین میں فساد پھیلاتا پھر رہا ہے اس لئے اس کی شرارت کو قتل کے ذریعہ دفع کیا جائے گا۔

تشریح: ابھی اوپر گزرا کہ شہر میں ڈاکہ زنی کرے تب بھی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ڈاکہ زنی کا حکم نافذ نہیں ہوگا، اس لئے کسی آدمی نے کئی آدمیوں کو قتل کیا تو اس کو بھی قتل کر دیا جائے گا، کیونکہ وہ شہر میں فساد پھیلاتا پھر رہا ہے، اس لئے قتل کر کے اس کے فساد کو دور کرنا ہوگا۔

لغت: خنق: گلا گھونٹا۔ مثقل: بھار چیز، یہاں مراد ہے کہ اتنی بھاری چیز سے مارا کہ آدمی مر گیا۔ ساعیا: سعی سے مشتق ہے، کوشش کرنا، یہاں مراد ہے فساد پھیلانے میں کوشش کرنا۔

﴿کتاب السِّیَرِ﴾

۱ السِّیَرُ جَمْعُ سِیرَةٍ، وَهِيَ الطَّرِيقَةُ فِيْ الْأُمُورِ، وَفِيْ الشَّرْعِ تَخْتَصُّ بِسِيَرِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِيْ مَغَازِيهِ.

﴿کتاب السیر﴾

ترجمہ :۱ سیر: سیرۃ کی جمع ہے ایک طریقہ کو کہتے ہیں،لیکن شریعت میں جہاد میں حضور کا طریقہ کیا ہوتا تھا اس کو سیرۃ، کہتے ہیں۔

تشریح : سیر: سار یسیر سے مشتق ہے،لغوی ترجمہ ہے چلنا، اچھی عادت،لیکن شریعت میں یہ ہے کہ جہاد میں حضورؐ کی عادت کیا تھی اس کو سیرہ کہتے ہیں۔اب سیر بولتے ہیں اس بات پر کہ جہاد کب واجب ہوگا۔کس کے ساتھ واجب ہے۔اور جہاد میں کفار کے ساتھ کیا معاملہ کریں اس کو سیر کہتے ہیں۔

جہاد کی دو قسمیں ہیں۔جہاد اقدامی اور جہاد دفاعی۔اگر کافر مسلمان پر ہلہ بول دے تو اس کے مقابلے کے لئے نکلنے کو جہاد دفاعی کہتے ہیں۔یہ مرد، عورت، غلام سب پر فرض عین ہو جاتا ہے۔کیونکہ اپنی جان، مال، عزت کو بچانا ضروری ہے۔اور عام حالات میں جب کافر مسلمانوں پر دھاوانہ بولا ہو تو جہاد فرض کفایہ ہے۔کچھ لوگ جہاد کریں تو باقی سے فرض ساقط ہو جائے گا۔

وجہ :(۱) جہاد کے ثبوت کے لئے بہت سی آیتیں ہیں۔جہاد دفاعی کے ثبوت کے لئے یہ آیت ہے۔**انفروا خفافا وثقالا وجاھدوا باموالکم وانفسکم فی سبیل اللہ ذالکم خیر لکم ان کنتم تعلمون** (آیت ۴۱، سورۃ التوبۃ ۹)(۲) دوسری آیت میں ہے۔**یا ایھا النبی حرض المومنین علی القتال** الخ (آیت ۶۵، سورۃ الانفال ۸)(۳) ایک اور آیت میں ہے۔**یا ایھا الذین آمنوا ما لکم اذا قیل لکم انفروا فی سبیل اللہ اثاقلتم الی الارض ارضیتم بالحیوۃ الدنیا من الآخرۃ فما متاع الحیوۃ الدنیا فی الآخرۃ الا قلیل ○ الا تنفروا یعذبکم عذابا الیما ویستبدل قوما غیرکم** (آیت ۳۸/۳۹، سورۃ التوبۃ ۹) ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ جہاد فرض ہے (۴) حدیث میں ہے۔**عن انس بن مالکؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ ... والجهاد ماض منذ بعثنی اللہ الی ان یقاتل آخر امتی الدجال لا یبطله جور جائر ولا عدل عادل** (ابوداؤد شریف، باب فی الغزو مع ائمۃ الجور، ص ۳۵۰، نمبر ۲۵۳۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جہاد قیامت تک رہنے والا ہے۔

(۲۷۳۳) قَالَ: اَلْجِهَادُ فَرْضٌ عَلَى الْكِفَايَةِ إِذَا قَامَ بِهِ فَرِيقٌ مِنَ النَّاسِ سَقَطَ عَنِ الْبَاقِينَ ۱؎ أَمَّا الْفَرْضِيَّةُ فَلِقَوْلِهِ تَعَالَىٰ ﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ﴾ وَلِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "الْجِهَادُ مَاضٍ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ" وَأَرَادَ بِهِ فَرْضًا بَاقِيًا، ۲؎ وَهُوَ فَرْضٌ عَلَى الْكِفَايَةِ؛ لِأَنَّهُ مَا فُرِضَ لِعَيْنِهِ إِذْ هُوَ إِفْسَادٌ فِي نَفْسِهِ، وَإِنَّمَا فُرِضَ لِإِعْزَازِ دِينِ اللّٰهِ وَدَفْعِ الشَّرِّ عَنِ الْعِبَادِ، فَإِذَا حَصَلَ الْمَقْصُودُ بِالْبَعْضِ سَقَطَ عَنِ الْبَاقِينَ كَصَلَاةِ الْجِنَازَةِ وَرَدِّ السَّلَامِ.

ترجمہ:(۲۷۳۳) جہاد فرض کفایہ ہے اگر قائم کرلیں لوگوں میں سے ایک جماعت تو ساقط ہو جائے گا باقی سے۔

ترجمہ:۱؎ جہاد فرض ہے اس کیلئے اللہ تعالی کا یہ قول ہے۔ مشرکین سے پورے طور پر جنگ کرو جیسا کہ اس نے پورے طور پر جنگ کی ہے اور حضورؐ کا قول جہاد قیامت تک جاری رہنے والا ہے، اور اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ یہ فرض قیامت تک باقی رہے گا۔

تشریح: جہاد اقدامی فرض کفایہ ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک جماعت نے جہاد کرلیا تو باقی سے یہ فرض ساقط ہو جائے گا۔

وجہ: جہاد فرض ہونے کے لئے کچھ آیتیں پہلے گزر چکی ہیں اور کچھ یہ ہیں جنکو صاحب ہدایہ نے ذکر کی ہیں (۱) و قاتلوا المشرکین کافۃ کما یقاتلونکم کافۃ و اعلموا ان اللہ مع المتقین (آیت ۳۶، سورۃ التوبۃ ۹)(۲) اور صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن انس بن مالکؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ ... والجھاد ماض منذ بعثنی اللہ الی ان یقاتل آخر امتی الدجال لا یبطلہ جور جائر ولا عدل عادل (ابوداؤد شریف، باب فی الغزو مع ائمۃ الجور، ص ۳۵۰، نمبر ۲۵۳۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جہاد قیامت تک رہنے والا ہے۔

ترجمہ:۲؎ جہاد اقدامی فرض کفایہ ہے اس لئے کہ وہ فرض عین نہیں ہے اس لئے کہ وہ حقیقت میں فساد پیدا کرنا ہے، صرف فرض ہوا ہے دین کو بلند کرنے کے لئے، اور بندوں سے شر دفع ہو، پس بعض کے ذریعہ سے مقصود حاصل ہو گیا تو باقی سے جہاد ساقط ہو جائے گا جیسے جنازے کی نماز، اور سلام کا جواب دینا فرض کفایہ ہے۔

وجہ:(۱) آیت میں ہے کہ ایک جماعت پر جہاد فرض ہے۔ آیت یہ ہے۔ وما کان المؤمنون لینفروا کافۃ فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون (آیت ۱۲۲، سورۃ التوبۃ ۹) اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایک جماعت جہاد کے لئے نکلے جس سے معلوم ہوا کہ جہاد اقدامی میں سب پر جہاد فرض عین نہیں ہے (۲) حدیث میں ہے کہ ایک جماعت قیامت تک جہاد کرے گی۔ سمع جابر بن عبد اللہ یقول سمعت النبی ﷺ یقول لا تزال طائفۃ من امتی یقاتلون علی الحق ظاھرین الی یوم القیامۃ (مسلم شریف، باب نزول عیسیٰ ابن مریم حاکما بشریعۃ نبینا الخ۔ ص ۸۷، نمبر ۱۵۶/۳۹۵/ ابو داؤد شریف، باب فی دوام الجہاد، ص

(۲۷۳۴) فَإِنْ لَمْ يَقُمْ بِهِ أَحَدٌ أَثِمَ جَمِيعُ النَّاسِ بِتَرْكِه ۱؎ لِأَنَّ الْوُجُوبَ عَلَى الْكُلِّ، ۲؎ وَلِأَنَّ فِي اشْتِغَالِ الْكُلِّ بِهِ قَطْعَ مَادَّةِ الْجِهَادِ مِنْ الْكُرَاعِ وَالسِّلَاحِ فَيَجِبُ عَلَى الْكِفَايَةِ.

۳۴۳،نمبر ۲۴۸۴)اس حدیث میں ہے کہ ایک جماعت قیامت تک جہاد کرے گی۔اس ایک جماعت سے اشارہ ہوتا ہے کہ باقی پر جہاد نہیں ہے۔اس سے فرض کفایہ ثابت ہوتا ہے(۳)دوسری حدیث میں ہے۔عن ابن عباس ؓ قال قال رسول الله ﷺ لا هجرة بعد الفتح ولكن جهاد ونية واذا استنفرتم فانفروا (بخاری شریف، باب فضل الجہاد والسیر الخ،ص ۳۹۰،نمبر ۲۷۸۳،مسلم شریف، باب المبایعۃ بعد فتح مکۃ علی الاسلام والجہاد والخیر الخ،ص ۱۳۰،نمبر ۱۸۶۴/۴۸۳۱)اس حدیث میں ہے کہ جب امیر بلائے تو جہاد میں جاؤ۔اس سے اشارہ ہوتا ہے کہ جس کو نہ بلائے اس پر جہاد میں جانا فرض نہیں ہے۔اس سے بھی عام حالات میں فرض کفایہ کا ثبوت ملتا ہے۔(۴)سب جہاد کرنے چلے جائیں تو گھر کا کام کون کرے گا اور گاؤں والوں کو کون سمجھائے گا۔اس لئے بھی جہاد فرض کفایہ ہی ہوگا۔

نوٹ:متن میں یہ کہا کہ جہاد کا مقصد بندوں سے شر کو دفع کرنا ہے،اس لئے اگر نام کی اسلامی حکومت ہو،وہاں مسلمانوں کو اور غیر مسلم کو امن نہ ہو،اور انصاف نہ کیا جاتا ہو صرف اپنے لوگوں کو نوازتے ہوں اور دوسروں پر ظلم کرتے ہوں تو اس کے لئے جہاد کرنا صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ جہاد کا مقصد غیر مسلموں کے درمیان امن قائم کرنا تھا اور جب خود ہی امن قائم نہیں کرسکا تو جہاد سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

نوٹ:مسئلہ نمبر ۲۷۴۵ میں آرہا ہے کہ جہاد کا اصلی مقصد دین پھیلانا ہے،مال لوٹنا اور لوگوں کو غلام باندی بنانا نہیں ہے ،اس لئے اگر کسی جماعت کا مقصد حکومت قائم کرنا،اور مال جمع کرنا ہو تو اس کے لئے جہاد کے نام پر قتال کرنا جائز نہیں ہوگا۔

ترجمہ:(۲۷۳۴)پس اگر کوئی بھی قائم نہ کرے تو اس کے چھوڑنے سے تمام لوگ گنہگار ہوں گے۔

ترجمہ:۱؎ اس لئے کہ سب پر جہاد واجب تھا۔

تشریح:جہاد سب پر واجب تھا اس لئے سب کے چھوڑنے سے سب پر گناہ ہوگا۔

ترجمہ:۲؎ اس لئے کہ سب جہاد میں مشغول ہوجائے تو جہاد ہی ختم ہوجائے گا اس لئے کہ گھوڑا کون تیار کرے گا،ہتھیار کون تیار کرے گا اس لئے جہاد فرض کفایہ ہی ہوگا۔

تشریح:جہاد کے فرض کفایہ ہونے کی یہ دلیل عقلی ہے،سب جہاد میں مشغول ہوجائیں تو گھوڑا کو تیار کون کرے گا،ہتھیار کو تیار کون کرے گا،اور جب کوئی نہیں کرے گا تو خود جہاد ختم ہوجائے گا،اس لئے جہاد فرض کفایہ ہے۔

لغت:کراع: گھوڑا وغیرہ۔سلاح:ہتھیار۔

(۲۷۳۶) إِلَّا أَنْ يَكُونَ النَّفِيرُ عَامًّا ۱؎ فَحِينَئِذٍ يَصِيرُ مِنْ فُرُوضِ الْأَعْيَانِ لِقَوْلِهِ تَعَالَىٰ ﴿انْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا﴾ الْآيَةَ. وَقَالَ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ: الْجِهَادُ وَاجِبٌ إِلَّا أَنَّ الْمُسْلِمِينَ فِي سَعَةٍ حَتَّى يُحْتَاجَ إِلَيْهِمْ، فَأَوَّلُ هٰذَا الْكَلَامِ إِشَارَةٌ إِلَى الْوُجُوبِ عَلَى الْكِفَايَةِ وَآخِرُهُ إِلَى النَّفِيرِ الْعَامِّ، وَهٰذَا لِأَنَّ الْمَقْصُودَ عِنْدَ ذٰلِكَ لَا يَتَحَصَّلُ إِلَّا بِإِقَامَةِ الْكُلِّ فَيُفْتَرَضُ عَلَى الْكُلِّ. (۲۷۳۷) وَقِتَالُ الْكُفَّارِ وَاجِبٌ ۱؎ وَإِنْ لَمْ يَبْدَءُوا لِلْعُمُومَاتِ.

ترجمہ: (۲۷۳۵) مگر عام جنگ ہو جائے تو ہر آدمی پر فرض عین ہو جاتا ہے۔

ترجمہ: ۱؎ اللہ تعالی کا قول ہلکے ہو تب بھی نکلو اور بھاری ہو تب بھی نکلو۔ یعنی تمہارے پاس سواری ہو تب بھی نکلو اور پیدل ہو تب بھی نکلو، فقیر ہو تب بھی نکلو اور دولت مند ہو تب بھی نکلو۔

تشریح: کفار نے مسلمانوں پر ہلا بول دیا تو تو ہر آدمی جنگ کرنا فرض ہو جاتا ہے، کیونکہ ہر آدمی پر اپنی جان اور مال کی حفاظت کرنا فرض ہو جاتا ہے۔

وجہ: اس آیت میں ہے کہ ایسے موقع پر ہر آدمی کو نکلنا ضروری ہے صاحب ہدایہ کی آیت یہ ہے۔ انفروا خفافا وثقالا وجاهدوا باموالكم وانفسكم فى سبيل الله ذالكم خير لكم ان كنتم تعلمون (آیت ۴۱، سورۃ التوبۃ ۹)

ترجمہ: (۲۷۳۶) جامع صغیر میں کہا گیا کہ جہاد واجب ہے مگر یہ کہ مسلمانوں کو گنجائش ہے، یہاں تک کی انکی ضرورت پڑ جائے۔

ترجمہ: ۱؎ الجهاد واجب الا ان المسلمين فى سعة حتى يحتاج اليهم. اس عبارت کے شروع سے پتہ چلتا ہے کہ جہاد فرض کفایہ کے طور پر واجب ہے، اور آخری لفظ سے پتہ چلتا ہے کہ ہر آدمی کو نکلنا پڑے گا، اس لئے اس کا مقصد نہیں پورا ہوگا اگر یہ کہ ہر آدمی پر فرض ہو۔

تشریح: الجہاد واجب الا ان المسمین فی سعۃ؛ سے پتہ چلتا ہے کہ جہاد وا تو ہے، لیکن مسلمانوں کو اس میں نہ جانے کی بھی گنجائش بھی ہے، اس لئے کہ یہ فرض کفایہ ہے۔ حتی یحتاج الیہم؛ سے پتہ چلا کہ اگر مسلمانوں کی ضرورت پڑ جائے یعنی کا فر ہلہ بول دے تو پھر ہر ایک پر واجب ہو جائے گا۔

لغت: النفیر العام: کوچ کرنے کا عام اعلان ہو جائے۔

ترجمہ: (۲۷۳۷) کفار سے قتال واجب ہے چاہے وہ ابتدا نہ کریں۔

ترجمہ: ۱؎ عام آیت کی وجہ سے۔

(۲۷۳۸) وَلَا یَجِبُ الْجِهَادُ عَلَى صَبِيٍّ ؛ لِأَنَّ الصِّبَا مَظِنَّةُ الْمَرْحَمَةِ وَلَا عَبْدٍ وَلَا امْرَأَةٍ التَّقَدُّمُ حَقُّ الْمَوْلَى وَالزَّوْجِ وَلَا أَعْمَى وَلَا مُقْعَدٍ وَلَا أَقْطَعَ لِعَجْزِهِمْ،

تشریح: کفار جنگ کی ابتدا نہ بھی کریں تب بھی کفر سے قتال واجب ہے۔

وجہ: (۱) آیت میں ہے۔ فان تولوا فخذوهم واقتلوهم حيث وجدتموهم ولا تتخذوا منهم وليا ولا نصيرا (آیت ۸۹، سورۃ النساء۴) اس آیت میں ہے کہ کفر پشت پھیر کر بھاگ جائیں تب بھی ان کو پکڑو اور قتل کرو۔ اور ظاہر ہے کہ یہ پشت پھیر کر بھاگ گئے تو اب وہ قتال نہیں کر رہے ہیں۔ پھر بھی ان کو پکڑنے اور قتل کرنے کا حکم دیا جس سے معلوم ہوا کہ وہ قتال نہ کرے تب بھی ان سے جہاد کرنا واجب ہے (۲) دوسری آیت میں ہے۔ وقاتلوا المشركين كافة كما يقاتلونكم كافة واعلموا ان الله مع المتقين (آیت ۳۶، سورۃ التوبۃ ۹) اس آیت میں ہے کہ جس طرح کفار تمہارے ساتھ قتال کرے رہے تھے تم بھی سب کفار سے قتال کرو۔ اور کفار ابھی ہیں اس لئے قتال بھی کرنا ہوگا چاہے وہ قتال نہ کریں (۳) حدیث میں ہے کہ مدینہ کے یہود نے ساز باز کی تھی لیکن ابھی قتال شروع نہیں کیا تھا پھر بھی حضورؐ اس کی طرف چلے اور مدینہ سے نکل جانے کا اشارہ دیا۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ عن ابی هریرۃؓ انه قال بینا نحن فی المسجد اذ خرج الینا رسول الله ﷺ فقال انطلقوا الی یهود فخرجنا معه حتی جئناهم فقال رسول الله ﷺ فناداهم فقال یا معشر یهود اسلموا تسلموا ... وانی ارید ان اجلیکم من هذه الارض (ابوداؤد شریف، باب کیف کان اخراج الیہود من المدینۃ، ج ۲، ص ۶۶، نمبر ۳۰۰۳) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے یہود کو مدینہ سے نکل جانے کا حکم دیا۔ حالانکہ انہوں نے ابھی قتال شروع نہیں کیا تھا۔ جس سے معلوم ہوا کہ بغیر قتال شروع کئے بھی جہاد کیا جا سکتا ہے۔

لغت: یبدأ: بدء سے مشتق ہے شروع کرنا۔

ترجمہ: (۲۷۳۸) واجب نہیں ہے جہاد بچے پر [اس لئے کہ وہ رحم کی جگہ پر ہیں] اور نہ غلام پر اور نہ عورت پر [اس لئے کہ آقا اور شوہر کا حق مقدم ہے] اور نہ نابینا پر اور نہ اپاہج پر اور نہ لولے پر۔

وجہ: (۱) یہ لوگ جہاد کرنے کے قابل ہی نہیں ہیں (۲) بچے کے بارے میں بار بار حدیث گزر چکی ہے۔ عن علیؓ عن النبی ﷺ قال رفع القلم عن ثلاثة عن النائم حتی یستیقظ وعن الصبی حتی یحتلم وعن المجنون حتی یعقل (ابوداؤد شریف، باب فی المجنون یسرق اویصیب حدا، ص ۲۵۶، نمبر ۴۴۰۳) جب بچوں سے قلم اٹھالیا گیا اور اس پر کوئی عبادت واجب نہیں ہے تو جہاد بھی نہیں ہے (۳) حدیث میں ہے کہ عبد اللہ بن عمر نے جہاد میں جانا بھی چاہا تو نہیں جانے دیا گیا۔ حدیث یہ ہے۔ عن ابن عمرؓ ان النبی ﷺ عرضه یوم احد وهو ابن اربع عشرة سنة فلم یجزه

وعرضه یوم الخندق وھو ابن خمس عشرۃ سنة فاجازہ (بخاری شریف، باب غزوۃ الخندق وھی الاحزاب، ص ۵۸۸، نمبر ۴۰۹۷/ابوداؤد شریف، باب الغلام یصیب الحد، ص ۲۵۷، نمبر ۴۴۰۶) اس حدیث میں پندرہ سال سے پہلے بچے کو جہاد میں جانے سے روک دیا گیا جس سے معلوم ہوا کہ اس پر جہاد واجب نہیں ہے۔

غلام پر جہاد واجب نہیں ہے۔

وجه :(۱) وہ تو آقا کے حکم کے تحت ہے۔اس لئے اس کی اجازت کے بغیر جمعہ میں بھی نہیں جا سکتا تو جہاد میں کیسے جائے گا (۲) حدیث میں ہے۔ **عن الحارث بن عبد الله بن ابی ربیعة ان رسول الله ﷺ کان فی بعض مغازیه فمر باناس من مزینة فاتبعه عبد لامرأۃ منهم فلما کان فی بعض الطریق سلم علیه فقال فلان؟ قال نعم قال ما شأنک ؟قال اجاهد معک،قال أذنت لک سیدتک ؟قال لا ،قال ارجع الیها فاخبرها فان مثلک مثل عبد لا یصلی ان مت قبل ان ترجع الیها** الخ۔(مستدرک للحاکم، کتاب الجهاد، ج ثانی، ص ۱۲۹، نمبر ۲۵۵۳/سنن للبیہقی، باب من لا یجب علیہ الجهاد، ج تاسع، ص ۳۹، نمبر ۱۷۸۱۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غلام پر جہاد فرض نہیں ہے۔البتہ آقا کی اجازت سے جا سکتا ہے (۳) ایک حدیث میں ہے کہ ہجرت کے لئے بھی آقا کی اجازت کے بغیر نہیں کہتے تھے تو جہاد کے لئے کیسے کہیں گے۔ **عن جابر قال جاء عبد فبایع النبی ﷺ علی الهجرۃ ولا یشعر النبی ﷺ انه عبد فجاء سیده یریده فقال النبی ﷺ بعنیه فاشتراہ بعبدین اسودین ثم لم یبایع احدا حتی یسأله اعبد ھو** (نسائی شریف،، باب بیعۃ الممالیک، ص ۵۸۴، نمبر ۴۱۸۹/ابن ماجہ شریف، باب البیعۃ، ص ۴۱۵، نمبر ۲۸۶۹) جب ہجرت پر بیعت نہیں لیتے تو جہاد پر بیعت کیسے لیں گے۔اس لئے اس پر عام حالات میں جہاد فرض نہیں ہے، ہاں! نفیر عام ہو جائے تو اس پر بھی دفاعی جہاد فرض ہوگا۔

عورت پر جہاد فرض نہیں ہے (۱) اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن عائشة ام المومنینؓ قالت استأذنت النبی ﷺ فی الجهاد فقال جهاد کن الحج** (بخاری شریف، باب جہاد النساء، ص، نمبر ۲۸۷۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتوں پر جہاد فرض نہیں ہے بلکہ اس کا جہاد حج کرنا ہے۔(۲) البتہ جہاد میں شریک ہونا چاہیں تو شریک ہو سکتی ہیں۔حدیث میں ہے۔ **عن الربیع بنت معوذ قالت کنا مع النبی ﷺ نسقی ونداوی الجرحی ونرد القتلی** (بخاری شریف، باب مداواۃ النساء الجرحی فی الغزو، ص ۴۰۳، نمبر ۲۸۸۲) اس حدیث میں ہے کہ عورتیں جہاد میں شریک ہوتی تھیں اور مریضوں کو

(۲۷۳۹) فَإِنْ هَجَمَ الْعَدُوُّ عَلَى بَلَدٍ وَجَبَ عَلَى جَمِيعِ النَّاسِ الدَّفْعُ تَخْرُجُ الْمَرْأَةُ بِغَيْرِ إِذْنِ زَوْجِهَا وَالْعَبْدُ بِغَيْرِ إِذْنِ الْمَوْلَى ۱ لِأَنَّهُ صَارَ فَرْضَ عَيْنٍ، وَمِلْكُ الْيَمِينِ وَرِقُّ النِّكَاحِ لَا يَظْهَرُ فِي حَقِّ فُرُوضِ الْأَعْيَانِ كَمَا فِي الصَّلَاةِ وَالصَّوْمِ، بِخِلَافِ مَا قَبْلَ النَّفِيرِ؛ لِأَنَّ بِغَيْرِهِمَا مَقْنَعًا فَلَا ضَرُورَةَ إِلَى إِبْطَالِ حَقِّ الْمَوْلَى وَالزَّوْجِ.

پانی پلاتی، زخمیوں کی دوا کرتی اور مقتول کے پاس آ کر تیمارداری کرتی تھیں۔ عورتیں آج بھی ایسا کر سکتی ہیں۔

نابینا، اپاہج اور لولے پر جہاد فرض نہیں ہے (۱) اس کی دلیل یہ آیت ہے۔ لیس علی الضعفاء ولا علی المرضی ولا علی الذین لایجدون ما ینفقون حرج اذا نصحوا لله ولرسوله ما علی المحسنین من سبیل (آیت ۹۱، سورۃ التوبۃ ۹) اس آیت میں ہے کہ کمزور، بیمار اور جو خرچ کرنے کا مال نہیں رکھتا ہے ان پر جہاد نہیں ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ مذکورہ لوگوں پر جہاد نہیں ہے۔ (۲) آیت میں ہے۔ لیس علی الاعمی حرج ولا علی الاعرج حرج ولا علی المریض حرج (آیت ۱۷، سورۃ الفتح ۴۸) (۳) دوسری آیت میں ہے۔ لایستوی القاعدون من المومنین غیر اولی الضرر والمجاهدون فی سبیل الله باموالهم وانفسهم (آیت ۹۵، سورۃ النساء ۴) اس آیت میں غیر اولی الضرر سے معلوم ہوا کہ جس کو ضرر ہو اور اپاہج ہو اس پر جہاد فرض نہیں ہے (۴) حدیث میں ہے۔ فاتی عمرو بن الجموح رسول الله ﷺ فقال یا رسول الله ﷺ ان بنی هؤلاء یمنعون ان اخرج معک والله انی لارجو ان استشهد فأطأ بعرجتی هذه فی الجنة فقال له رسول الله ﷺ اما انت فقد وضع الله عنک الجهاد (سنن للبیہقی، باب من اعتذر بالضعف والمرض والزمانۃ والعذر فی ترک الجہاد، ج تاسع، ص ۴۲، نمبر ۱۷۸۲۱) اس حدیث میں ہے کہ معذور پر جہاد نہیں ہے۔

لغت: تقعد : عقد سے مشتق ہے۔ جو بیٹھا ہوا ہو یعنی اپاہج، اقطع : قطع سے مشتق ہے جس کا ہاتھ کٹا ہوا ہو یعنی لولا۔

ترجمہ: (۲۷۳۹) پس اگر چڑھ آئے دشمن کسی شہر پر تو تمام مسلمانوں پر مدافعت واجب ہے۔ نکلے گی بیوی اپنی شوہر کی اجازت کے بغیر اور غلام آقا کی اجازت کے بغیر۔

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ فرض عین ہو گیا اور ملک یمین اور ملک نکاح کا رشتہ فرض عین کے حق میں ظاہر نہیں ہوتا جیسے نماز اور روزہ میں، بخلاف عام علان سے پہلے اس لئے کہ ان دونوں کے بغیر بھی جہاد ہو سکتا ہے اس لئے آقا اور شوہر کے حق کو باطل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

تشریح: کافر دشمن کسی شہر پر چڑھ آیا، اس وقت اس شہر والوں پر اپنی جان، مال اور عزت کی حفاظت ضروری ہے۔ اور عام

(۲۷۴۰) وَیُکْرَہُ الْجُعَلُ مَا دَامَ لِلْمُسْلِمِینَ فَیْءٌ ۱؎ لِأَنَّہُ یُشْبِہُ الْأَجْرَ، وَلَا ضَرُورَۃَ إِلَیْہِ؛ لِأَنَّ مَالَ بَیْتِ الْمَالِ مُعَدٌّ لِنَوَائِبِ الْمُسْلِمِینَ.

مسلمانوں پر بھی اس کی حفاظت کرنا ضروری ہے۔ایسی صورت میں ہر آدمی پر جہاد فرض عین ہو جائے گا۔اس کے لئے عورت بغیر شوہر کی اجازت کے اور غلام بغیر آقا کی اجازت کے جہاد کے لئے نکل سکتے ہیں۔

وجه :(۱) آیت میں نہ نکلنے پر تنبیہ کی گئی ہے۔یا ایھا الذین آمنوا مالکم اذا قیل لکم انفروا فی سبیل اللہ اثاقلتم الی الارض،ارضیتم بالحیوۃ الدنیا من الآخرۃ فما متاع الحیوۃ الدنیا فی الآخرۃ الا قلیل ٥ الا تنفروا یعذبکم عذابا الیما (آیت ۳۸/۳۹،سورۃ التوبۃ ۹) جب جنگ عام ہو جائے ایسے موقع پر نہ نکلنے پر ان آیتوں میں تنبیہ کی گئی ہے (۲) دوسری آیت میں ہے۔انفروا خفافا وثقالا وجاھدوا باموالکم وانفسکم فی سبیل اللہ (آیت ۴۱،سورۃ التوبۃ ۹) (۳) ایک اور آیت میں ہے۔ما کان لاھل المدینۃ ومن حولھم من الاعراب ان یتخلفوا عن رسول اللہ ولا یرغبوا بانفسھم عن نفسہ (آیت ۱۲،سورۃ التوبۃ ۹) ان آیتوں میں بھی جہاد کے لئے نہ نکلنے پر تنبیہ کی گئی ہے (۴) حدیث میں ہے کہ ہنگامی حالات میں امہات المومنین جہاد کے لئے نکلیں۔عن انسؓ قال لما کان یوم احد انھزم الناس عن النبی ﷺ قال و لقد رأیت عائشۃ بنت ابی بکر وام سلیم وانھما لمشمرتان اری خدم سوقھما تنقزان القرب وقال غیرہ تنقلان القرب علی متونھما ثم تفرغانہ فی افواہ القوم ثم ترجعان فتملآنھا ثم تجیئان فتفرغانہ فی افواہ القوم (بخاری شریف،باب غزو النساء وقتالھن مع الرجال،ص ۴۰۳،نمبر ۲۸۸۰ رمسلم شریف،باب غزوۃ النساء مع الرجال،ص ۱۱۶،نمبر ۱۸۱۱/۴۶۸۳) اس حدیث میں ہے کہ جنگ احد میں حضرت عائشہؓ اور ام سلیمؓ جہاد میں شریک ہوئیں اور صحابہ کی تیمارداری کی۔جس سے معلوم ہوا کہ ہنگامی حالات میں عورتوں پر بھی جہاد فرض ہو جاتا ہے۔

ترجمه :(۲۷۴۰) بیت المال میں جب تک کچھ مال ہو تو مسلمانوں سے کچھ وصول کرنا مکروہ ہے۔

ترجمه:۱؎ اس لئے کہ یہ اجرت کے مشابہ ہے،اور اس کی ضرورت نہیں ہے،اس لئے کہ بیت المال کا مال تو اسی لئے ہے کہ حادثے کے وقت کام آئے۔

تشریح:بیت المال میں مال موجود ہو اور لوگوں کو جہاد میں جانا ہو تو ایسے وقت میں مسلمانوں سے کچھ وصول کرنا مکروہ ہے، کیونکہ بیت المال کا مال ایسے حادثے میں کام آنے کے لئے ہے اور جب اس میں مال موجود ہے تو جہاد میں جانے کے لئے عام مسلمانوں سے کچھ وصول کرنا مکروہ ہے۔

(۲۷۴۱) قَالَ فَإِذَا لَمْ يَكُنْ فَلا بَأْسَ بِأَنْ يُقَوِّيَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا ۱؎ لِأَنَّ فِيهِ دَفْعَ الضَّرَرِ الْأَعْلَى بِإِلْحَاقِ الْأَدْنٰى، يُؤَيِّدُهُ ''أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَخَذَ دُرُوعًا مِنْ صَفْوَانَ'' وَعُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ يُغْزِي الْأَعْزَبَ عَنْ ذِي الْحَلِيلَةِ، وَيُعْطِي الشَّاخِصَ فَرَسَ الْقَاعِدِ.

ترجمہ:(۲۷۴۱)اگر بیت المال میں مال نہ ہوتو ایک دوسرے کی مدد کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ترجمہ :۱؎ اس لئے کہ اس میں ادنی نقصان کے بدلے میں اعلی نقصان کو دفع کرنا ہے،اوراس کی تائیداس بات سے ہوتی ہے حضورؐ نے حضرت صفوانؓ سے کچھ زرہ جہاد کے لئے لئے ،اور شادی شدہ کی جانب سے بغیر شادی شدہ کو حضرت عمرؓ جہاد میں بھیجتے تھے،اور گھر میں بیٹھنے والے کا گھوڑا جہاد میں جانے والے کو دیا کرتے تھے۔

تشریح:اگر بیت المال میں مال نہیں ہے، یا جہاد کے اخراجات سے کم ہے تو مالداروں سے مال لیکر غریبوں کو دیکر اس کو جہاد میں بھیجا جا سکتا ہے، کیونکہ لوگوں سے لینا ادنی کراہیت ہے اور کافروں کے شر کو دفع کرنا یہ اعلی ہے اس لئے ادنی کو برداشت کر کے اعلی کو دفع کیا جا سکتا ہے۔

وجہ :(۱)صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے، جس میں حضورؐ نے صفوان بن امیہ سے جہاد کے لئے زرہ لی تھی۔عن امیة بن صفوان عن ابیه ان رسول الله ﷺ استعار منه أدرعا یوم حنین فقال أغصب یا محمد ؟ فقال لا بل عاریة مضمونة (ابوداود شریف، باب فی تضمین العاریة ،ص۵۱۲،نمبر۳۵۶۲)اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے جہاد کے لئے زرہ لیں۔(۲) حضرت عمر شادی شدہ سے مال لیکر غیر شادی شدہ کو دیتے تھے اوراس کو جہاد میں بھیجتے تھے،عمل صحابی یہ ہے ۔جس کو صاحب ہدایہ نے ذکر کیا ہے۔قال کان عمر یعزی العزب و یأخذ فرس المقیم فیعطیه المسافر (مصنف ابن ابی شیبة ، باب ما قالوا فی العزب یغزی ویترک الزوج ،ج سادس ،ص ۴۷۸ ،نمبر۳۳۰۴۱)اس عمل صحابی میں ہے کہ غیر شادی شدہ کو دوسروں کی جانب سے جہاد میں بھیجتے تھے۔

لغت :یقوی بعضہم بعضا: بعض آدمی دوسرے کی مدد کرے،قوی بنائے۔یغزی:غزوہ میں بھیجتے تھے۔اعزب: غیر شادی شدہ۔ذی الحلیلۃ ؛حلیل کا ترجمہ ہے بیوی، ذی الحلیلۃ ، بیوی والا۔الشاخص :اس فاعل کا صیغہ ہے اوپر کو چڑھنا، یہاں مراد دشمن کی طرف جانا۔قاعد: بیٹھنے والا ،یعنی ایسا آدمی جو جہاد میں نہ جا سکتا ہو۔

باب كَيْفِيَّةِ الْقِتَالِ

(۲۷۴۲) وَإِذَا دَخَلَ الْمُسْلِمُونَ دَارَ الْحَرْبِ فَحَاصَرُوا مَدِينَةً أَوْ حِصْنًا دَعَوْهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ[لِمَا رَوىٰ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا "أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ مَا قَاتَلَ قَوْمًا حَتَّى دَعَاهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ"] قَالَ فَإِنْ أَجَابُوا كَفُّوا عَنْ قِتَالِهِمْ ۱ ؎ لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ، وَقَدْ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ" الْحَدِيثَ.

باب کیفیۃ القتال

ترجمہ :(۲۷۴۲)اگر مسلمان دار الحرب میں داخل ہوں اور کسی شہر یا قلعے کا محاصرہ کرلیں تو ان کو اسلام کی دعوت دیں،۔[کیونکہ عبداللہ بن عباس نے فرمایا کہ جب تک اسلام کی طرف نہیں بلایا حضورؐ نے کسی قول سے جنگ نہیں کی]۔پس اگر وہ مان لیں تو ان کے قتل کرنے سے رک جائیں۔

ترجمہ :۱ ؎ مقصد کے حاصل ہونے کی وجہ سے، چنانچہ حضورؐ نے فرمایا کہ لوگوں سے اس وقت قتال کا حکم دیا گیا ہے کہ۔لا الہ الا اللہ۔کہیں۔

تشریح : کفار سے قتال کرنے کا مقصد مسلمان بنانا ہے اس لئے اگر وہ قتال سے پہلے ہی مسلمان ہو جائیں تو قتال کرنے کی کیا ضرورت ہے۔اس لئے جنگ شروع کرنے سے پہلے ان کو اسلام لانے کی دعوت دیں۔

وجہ :(۱) حدیث میں ہے جس کو صاحب ہدایہ نے ذکر کی ہے۔عن ابن عباس قال ما قاتل رسول الله ﷺ قوما حتی دعاھم (مستدرک حاکم، کتاب الایمان، ج اول، ص ۶۱، نمبر ۳۷ رمسند احمد، باب مسند ابن عباس، ج اول، ص ۳۹۰، نمبر ۲۱۰۶)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ ؐکی ہمیشہ یہ عادت رہی ہے کہ قتال سے پہلے ان کو اسلام کی دعوت دیتے تھے (۲) دوسری حدیث میں تفصیل ہے جس کا ٹکڑا یہ ہے۔ عن سلیمان بن بریدہ عن ابیه قال کان رسول الله ﷺ اذا امر امیرا علی جیش ... واذا لقیت عدوک من المشرکین فادعھم الی ثلاث خصال او خلال. فایتھن ما اجابوک فاقبل منھم وکف عنھم ثم ادعھم الی الاسلام فان اجابوک فاقبل منھم وکف عنھم...فان ھم ابوا فسلھم الجزیة، فان ھم اجابوک فاقبل منھم وکف عنھم، فان ھم ابوا فاستعن بالله وقاتلھم (مسلم شریف، باب تامیر الامام الامراء علی البعوث ووصیة ایاھم بآداب الغزو وغیرھا، ج ۲، ص ۸۲، نمبر ۱۷۳۱/۴۵۲۱ رابوداؤد

(۲۷۴۳) وَإِنْ امْتَنَعُوا دَعَوْهُمْ إِلَى أَدَاءِ الْجِزْيَةِ ۱؎ بِهِ أَمَرَ رَسُولُ اللّٰهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أُمَرَاءَ الْجُيُوشِ، ۲؎ وَلِأَنَّهُ أَحَدُ مَا يَنْتَهِي بِهِ الْقِتَالُ عَلَى مَا نَطَقَ بِهِ النَّصُّ،

شریف، باب فی دعاء المشرکین، ص ۳۶۱، نمبر ۲۶۱۲) اس حدیث میں بھی ہے کہ پہلے کفار کو اسلام کی دعوت دو۔ نہ مانے تب جزیہ کی پیشکش کرو۔ اس کو نہ مانے تب قتال کرو۔ (۳) اسلام قبول کر لے تو قتال سے رک جائے اس کی دلیل یہ حدیث بھی ہے جس کو صاحب ہدایہ نے ذکر کی ہے۔ عن انس بن مالک قال قال رسول الله ﷺ امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا اله الا الله. فاذا قالوها وصلوا صلاتنا واستقبلوا قبلتنا وذبحوا ذبیحتنا فقد حرمت علینا دماؤهم واموالهم الا بحقها وحسابهم علی الله (بخاری شریف، باب فضل استقبال القبلۃ، ص ۵۶، نمبر ۳۹۲ رمسلم شریف، باب الامر بقتال الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ الخ، ص ۳۷، نمبر ۱۲۴/۲۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلام لے آئے تو اس سے جنگ کرنا حرام ہے۔

لغت: حصن : محفوظ جگہ، قلعہ۔ اجابوا : قبول کر لے۔ کف : رک جائے۔

ترجمہ: (۲۷۴۳) اگر وہ رک جائیں تو بلائیں ان کو جزیہ کی ادائیگی کی طرف۔

ترجمہ: ۱؎ لشکر کے امیروں کو حضورؐ نے یہی حکم دیا کرتے تھے۔

تشریح: اگر اسلام قبول نہ کریں تو ان کو جزیہ دینے کے لئے کہیں۔ کیونکہ حضور ﷺ لشکر کے امیروں کو یہی حکم دیا کرتے تھے

وجہ :(۱) جزیہ کی طرف بلانے کی دلیل اوپر کی حدیث میں تھی اور یہ بھی ہے کہ وہ جزیہ قبول کر لیں تو ان سے قتال روک دیا جائے گا۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ عن سلیمان بن بریدة عن ابیه ... فان هم ابوا فسلهم الجزیة، فان هم اجابوک فاقبل منهم وکف عنهم (مسلم شریف، باب تامیر الامام الامراء علی البعوث الخ، ج ۲، ص ۸۲، نمبر ۴۵۲۱/۱۷۳۱ رابوداؤد شریف، باب فی دعاء المشرکین، ص ۳۶۱، نمبر ۲۶۱۲) اس حدیث میں ہے کہ اسلام نہ لائے تو جزیہ کی طرف بلاؤ۔ اور یہ کرلے تو ان سے جنگ روک دو (۲) آیت میں ہے۔ قاتلوا الذین لا یؤمنون بالله ولا بالیوم الآخر ولا یحرمون ما حرم الله ورسوله ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتاب حتی یعطوا الجزیة عن ید وهم صاغرون (آیت ۲۹، سورۃ التوبۃ ۹) اس آیت میں ہے کہ اس وقت تک قتال کرو جب تک جزیہ نہ دیدیں۔

ترجمہ: ۲؎ جزیہ بھی ایک طریقہ ہے جس سے قتال رک جائے گا، جیسا کہ آیت سے معلوم ہوا۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے کہ۔ آیت سے پتہ چلا کہ قتال رکنے کے لئے جزیہ بھی ایک طریقہ ہے، جیسے اسلام قبول کرنا جنگ بند ہونے کے لئے ایک طریقہ ہے۔

۳؎ وَهٰذَا فِي حَقِّ مَنْ تُقْبَلُ مِنْهُ الْجِزْيَةُ، وَمَنْ لَا تُقْبَلُ مِنْهُ كَالْمُرْتَدِّينَ وَعَبَدَةِ الْأَوْثَانِ مِنَ الْعَرَبِ لَا فَائِدَةَ فِي دُعَائِهِمْ إلَى قَبُولِ الْجِزْيَةِ لِأَنَّهُ لَا يُقْبَلُ مِنْهُمْ إلَّا الْإِسْلَامُ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالىٰ ﴿تُقَاتِلُونَهُمْ أَوْ يُسْلِمُونَ﴾ (۲۷۴۴) فَإِنْ بَذَلُوهَا فَلَهُمْ مَا لِلْمُسْلِمِينَ وَعَلَيْهِمْ مَا عَلَى الْمُسْلِمِينَ ۱؎ لِقَوْلِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: إنَّمَا بَذَلُوا الْجِزْيَةَ لِيَكُونَ دِمَاؤُهُمْ كَدِمَائِنَا وَأَمْوَالُهُمْ كَأَمْوَالِنَا،

ترجمہ :۳؎ جزیہ کی طرف بلانا ان لوگوں کے لئے ہے جس سے جزیہ قبول کیا جاتا ہو، اور جس سے جزیہ قبول نہیں کیا جاتا ہو جیسے مرتد، اور عرب کے بت پرست تو انکو جزیہ کی طرف بلانے میں کوئی فائدہ نہیں ہے اس لئے ان دونوں کے لئے اسلام کے علاوہ کچھ قبول نہیں ہے، چنانچہ اللہ تعالی نے فرمایا ۔ **قل للمخلفين من الاعراب ستدعون الى قوم اولى بأس شديد تقاتلونهم او يسلمون فان تطيعوا يؤتكم الله اجرا حسنا**۔ (آیت ۱۶، سورۃ الفتح ۴۸)

تشریح: عرب کے جو بت پرست ہیں اور جو مرتد ہیں، انکے لئے ایک ہی صورت ہے کہ وہ مسلمان ہو جائیں، یا پھر قتل ہونے کے لئے تیار رہیں، انکے لئے جزیہ ادا کرنا نہیں ہے، اس لئے انکو جزیہ کی طرف بلانا جائز نہیں ہے، اس کی دلیل اوپر کی آیت ہے۔

ترجمہ: (۲۷۴۴) پس اگر وہ جزیہ دیدیں تو ان کے لئے وہ ہیں جو مسلمانوں کے لئے ہیں۔ اور ان پر وہ ہیں جو مسلمانوں پر ہیں۔

ترجمہ :۱؎ حضرت علیؓ کے قول کی وجہ سے کہ ذمی جزیہ اس لئے خرچ کرتے ہیں کہ ان کا خون ہمارے خون کی طرح محفوظ ہو جائے، اور ان کا مال ہمارے مال کی طرح محفوظ ہو جائے۔

تشریح: اگر وہ جزیہ دینا منظور کرلیں تو ان کا خون، جان، مال مسلمانوں کی طرح محفوظ ہو جائیں گے۔ اور جو حقوق مسلمانوں کو ملتے ہیں وہی حقوق ان کو بھی ملیں گے۔ اور غلطیوں کی جو سزائیں مسلمانوں کو دی جاتی ہیں وہی سزائیں ان کو بھی دی جائیں گی۔ گویا کہ معاملات میں وہ مسلمان کی طرح ہو گئے۔

وجہ :(۱) کفار جزیہ دینے لگیں تو اس کا حق مسلمانوں کی طرح ہے اس کی دلیل یہ حضرت علیؓ کا قول ہے جس کو صاحب ہدایہ نے ذکر کیا ہے۔ **قال علیؓ من كانت له ذمتنا فدمه كدمنا** (دار قطنی، کتاب الحدود والدیات، ج ثالث، ص ۱۰۷، نمبر ۳۲۶۷) اس اثر میں ہے کہ جو ہماری ذمیت میں آجائے تو اس کا خون ہمارے خون کی طرح ہو جائے گا یعنی اس کا خون محفوظ ہو جائے گا۔ (۲) **عن ابن عمرؓ ان النبى ﷺ قال دية ذمى دية مسلم** (دار قطنی، کتاب الحدود والدیات، ج ثالث، ص ۱۰۶، نمبر ۳۲۵۸) کہ ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کی طرح ہے، یعنی ان کی جان اور مال محفوظ ہے۔

لغت: بذل : خرچ کرے۔

۲؎ وَالْمُرَادُ بِالْبَذْلِ الْقَبُولُ وَكَذَا الْمُرَادُ بِالْإِعْطَاءِ الْمَذْكُورِ فِيهِ فِيْ الْقُرْآنِ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

(۲۷۴۵) وَلَا يَجُوزُ أَنْ يُقَاتِلَ مَنْ لَمْ تَبْلُغْهُ الدَّعْوَةُ إِلَى الْإِسْلَامِ إِلَّا أَنْ يَدْعُوَهُ ۱؎ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِيْ وَصِيَّةِ أُمَرَاءِ الْأَجْنَادِ "فَادْعُهُمْ إِلَى شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ" وَلِأَنَّهُمْ بِالدَّعْوَةِ يَعْلَمُونَ أَنَّا نُقَاتِلُهُمْ عَلَى الدِّينِ لَا عَلَى سَلْبِ الْأَمْوَالِ وَسَبْيِ الذَّرَارِيِّ فَلَعَلَّهُمْ يُجِيبُونَ فَنُكْفَى مُؤْنَةَ الْقِتَالِ،

ترجمہ: ۲؎ متن میں بذل سے مراد جزیہ دینا قبول کرنا ہے، اسی طرح آیت میں جو اعطوا لفظ ہے اس سے بھی مراد قبول کرنا ہے۔

تشریح: ایک ہے جزیہ ادا کرنا یہ مرحلہ بعد میں آتا ہے، اور دوسرا ہے جزیہ دینے کو قبول کرنا، یہ پہلا مرحلہ ہے، اسی پہلے مرحلے پر قتال بند کر دی جائے گی، اور متن میں جو بذل کا لفظ ہے اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ جزیہ دینے کو قبول کر لیا، اور آیت میں جو یعطوا، ہے اس کا مطلب بھی ہے کہ جزیہ دینا قبول کر لے۔ آیت یہ ہے۔ **قاتلوا الذین لایؤمنون باللہ ولا بالیوم الآخر ولا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتاب حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون** (آیت ۲۹، سورۃ التوبۃ ۹) اس آیت میں ہے کہ اس وقت تک قتال کرو جب تک جزیہ نہ دیدیں۔ یعنی جزیہ دینا قبول کر لیں۔

ترجمہ: (۲۷۴۵) اور نہیں جائز ہے کہ قتال کرے اس سے جس کو اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو مگر یہ کہ اس کو دعوت دے۔

ترجمہ: ۱؎ لشکر کو وصیت کرنے میں حضورؐ کا قول ہے کہ کفار کو لا الہ الا اللہ کی شہادت کی طرف بلاؤ، اور اس وجہ سے بھی کہ دعوت سے وہ جان لیں گے ہم دین پھیلانے کے لئے قتال کر رہے ہیں مال لینے اور بچوں کو قیدی بنانے کے لئے نہیں، تو شاید کہ وہ اسلام قبول کر لے اور جنگ نہ کرنا پڑے۔

تشریح: جن کفار کو اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو ان کو دعوت دیئے بغیر قتال کرنا جائز نہیں ہے۔

وجہ: (۱) اوپر حدیث گزر چکی ہے کہ حضورؐ جب تک دعوت نہ دے لیتے کفار سے قتال شروع نہ کرتے۔ اس لئے قتال سے پہلے دعوت دینا ضروری ہے۔ تاکہ ان کو بھی پتا چل جائے کہ ہم اسلام کو عام کرنے کے لئے جہاد کر رہے ہیں۔ مال لوٹنے اور لوگوں کو غلام باندی بنانے کے لئے جہاد نہیں کر رہے ہیں (۲) صاحب ہدایہ کی حدیث کا اشارہ اس حدیث کی طرف ہے۔ **عن سلیمان بن بریدہ عن ابیہ قال کان رسول اللہ ﷺ اذا امر امیرا علی جیش ... واذا لقیت عدوک من المشرکین فادعھم الی ثلاث خصال او خلال. فایتھن ما اجابوک فاقبل منھم وکف عنھم ثم ادعھم الی الاسلام فان اجابوک فاقبل منھم وکف عنھم.** (مسلم شریف، باب تامیر الامام الامراء علی البعوث ووصیۃ ایاھم بآداب الغزو وغیرھا، ج ۲، ص ۸۲، نمبر ۱۷۳۱/۴۵۲۱/ ابوداؤد شریف، باب فی دعاء المشرکین، ص ۳۶۱، نمبر ۲۶۱۲) (۳) ایک

۲؎ وَلَوْ قَاتَلَهُمْ قَبْلَ الدَّعْوَةِ أَثِمَ لِلنَّهْيِ، وَلَا غَرَامَةَ لِعَدَمِ الْعَاصِمِ وَهُوَ الدِّينُ أَوِ الْإِحْرَازُ بِالدَّارِ فَصَارَ كَقَتْلِ النِّسْوَانِ وَالصِّبْيَانِ.

(۲۷۴۶)وَيُسْتَحَبُّ أَنْ يَدْعُوَ مَنْ بَلَغَتْهُ الدَّعْوَةُ ۱؎ مُبَالَغَةً فِي الْإِنْذَارِ، وَلَا يَجِبُ ذٰلِكَ لِأَنَّهُ صَحَّ " أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَغَارَ عَلٰى بَنِي الْمُصْطَلِقِ وَهُمْ غَارُّونَ". "وَعَهِدَ إِلٰى أُسَامَةَ رَضِيَ

اورحدیث گزری ۔عن ابن عباسؓ قال ما قاتل رسول الله ﷺ قوما حتی دعاھم (مستدرک حاکم، کتاب الایمان ، ج اول ،ص ۶۱ ،نمبر ۴۷ رمسند احمد ، باب مسند عبداللہ ابن عباسؓ ، ج اول ،ص ۳۹۰ ،نمبر ۲۱۰۶)ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ کفار کو دعوت دینے سے پہلے قتال نہ کرے ۔

لغت :امراء الاجناد:اجناد:جند کی جمع ہے،لشکر کے امیر۔سلب الاموال:سلب کا ترجمہ ہے چھین لینا،سلب الاموال:مال چھین لینا۔سبی الذراری:ذراری:ذریۃ سے مشتق ہے ، بچے اور عورتیں ، سبی الذراری : بچے اور عورتو کو غلام باندی بنانا۔ نکفی مونۃ القتال: مونۃ:خرچ،جنگ کے خرچ کو کافی ہو جائے،یعنی جنگ نہ کرنی پڑے۔

ترجمہ :۲؎ کفار کو دعوت دینے سے پہلے ہی اس سے جنگ کر لی تو حدیث میں منع کرنے کی وجہ سے گناہ گار ہوگا،لیکن قتل کرنے والے پر کفار کے قتل کا تاوان نہیں ہے اس لئے کہ اس کی جان کی حفاظت کی کوئی چیز نہیں ہے اور وہ اسلام ہونا ، یا دار الاسلام ہونا،تو ایسا ہو گیا کہ اس کی عورتوں کو اور بچوں کو قتل کر دیا ہو۔

تشریح :بہتر تو یہ تھا کہ کفار کو پہلے اسلام کی دعوت دیتا،اور وہ نہ مانتا تب جنگ شروع کرتے،لیکن اس کو دعوت دینے سے پہلے ہی قتال شروع کر دیا تو حدیث میں چونکہ منع کیا ہے اس لئے گناہ گار ہوگا،لیکن کفار کے قتل کا تاوان لازم نہیں ہوگا۔

وجہ :دو وجہ سے جان محفوظ ہوتی ہے،اور اس کا تاوان لازم ہوتا ہے،یا تو مسلمان ہو،یا ذمی بن کر دار الاسلام میں ہو،اور یہ حربی نہ مسلمان ہے اور نہ دار الاسلام میں ذمی ہے بلکہ یہ حربی ہے اور مسلمان کے ساتھ جنگ کرنے آیا ہے اس لئے اس کی جان محفوظ نہیں ہے اس لئے اس کا تاوان بھی قاتل پر نہیں ہے،جیسے انکے بچوں اور عورتوں کو قتل نہیں کرنا چاہئے،لیکن اگر کر دیا تو اس کا تاوان قاتل پر نہیں ہے اسی طرح یہاں بھی تاوان نہیں ہے۔

لغت :غرامۃ:تاوان۔عاصم:عصمۃ سے مشتق ہے،حفاظت کی چیز۔احراز:حرز سے مشتق ہے،حفاظت کرنے والی چیز، احراز بالدار:دار الاسلام سے حفاظت۔

ترجمہ:(۲۷۴۶)اور مستحب ہے کہ جس کو دعوت پہنچی ہو اس کو بھی دعوت دے اسلام کی لیکن واجب نہیں ہے۔

ترجمہ:۱؎ :ڈرانے میں مبالغہ کے لئے،لیکن یہ واجب نہیں ہے کیونکہ صحیح حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے بنی مصطلق پر صبح کے

اللّٰہُ عَنۡہُ أَنۡ یُغِیرَ عَلَی أُبۡنَی صَبَاحًا ثُمَّ یُحَرِّقَ'' وَالۡغَارَۃُ لا تَکُونُ بِدَعۡوَۃٍ.

(۴۷۲)قَالَ: فَإِنۡ أَبَوۡا ذٰلِکَ اسۡتَعَانُوا بِاللّٰہِ عَلَیۡہِمۡ وَحَارَبُوۡہُمۡ ا؎ لِقَوۡلِہٖ عَلَیۡہِ الصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ فِیۡ حَدِیۡثِ سُلَیۡمَانَ بۡنِ بُرَیۡدَۃَ ''فَإِنۡ أَبَوۡا ذٰلِکَ فَادۡعُہُمۡ إِلَی إِعۡطَاءِ الۡجِزۡیَۃِ، إِلَی أَنۡ قَالَ: فَإِنۡ أَبَوۡہَا فَاسۡتَعِنۡ بِاللّٰہِ عَلَیۡہِمۡ وَقَاتِلۡہُمۡ'' وَلِأَنَّہُ تَعَالٰی ہُوَ النَّاصِرُ لِأَوۡلِیَائِہِ وَالۡمُدَمِّرُ عَلَی أَعۡدَائِہِ فَیُسۡتَعَانُ بِہِ فِیۡ کُلِّ الۡأُمُوۡرِ،

وقت چھاپہ مارا اور وہ لوگ سوئے ہوئے تھے، اور حضرت اسامہ سے عہد لیا تھا کہ ابنی پر صبح کے وقت چھاپہ مارے پھر اس کو جلا دے، اور صبح کے وقت چھاپہ مارنا بغیر دعوت کے ہی ہوسکتا ہے

تشریح : جن کو اسلام کی دعوت پہنچ چکی ہو مستحب ہے کہ قتال سے پہلے ان کو دوبارہ دعوت دے۔ لیکن چونکہ دعوت پہنچ چکی ہے اس لئے دوبارہ دعوت دینا واجب نہیں ہے، مستحب ہے۔

وجہ: (۱) صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ کتبت الی نافع فکتب الی ان النبی ﷺ اغار علی بنی المصطلق وھم غارون وانعامھم تسقی علی الماء فقتل مقاتلتھم وسبی ذراریھم واصاب یو مئذ جویریۃ (بخاری شریف، باب من ملک من العرب رقیقا فوھب وجامع وفدی وسبی الذریۃ ،ص ۴۵ ۳، نمبر ۲۵۴۱) اس حدیث میں ہے کہ بنی مصطلق پر رات میں حملہ کیا کیونکہ انہوں نے مسلمانوں پر غارت گری کی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ دوبارہ دعوت دینا ضروری نہیں ہے (۲) صاحب ہدایہ کی دوسری حدیث یہ ہے۔ فحدثنی اسامۃ ان رسول اللہ ﷺ کان عھد الیہ فقال أغر علی ابنی صباحا و حرق۔ (ابوداود شریف، باب فی الحرق فی بلاد العدو، ص ۳۷۸، نمبر ۲۶۱۶ رابن ماجۃ شریف، التحریق بارض العدو، ص ۴۱۰، نمبر ۲۸۴۳) اس حدیث میں ہے کہ صبح کے وقت چھاپہ مارو۔ س کا حاصل یہ ہے کہ اس کو دوبارہ اسلام کی دعوت دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

لغت : بنی مصطلق : قبیلہ خزاعہ کی ایک شاخ ہے : ابنی حبلی کے وزن پر فلسطین میں ایک جگہ کا نام ہے۔ غارون : غافل تھے، الغارۃ: غر سے مشتق ہے، دھوکا دینا، صبح کے وقت چھاپہ مارنا۔

ترجمہ: (۴۷۲) پس اگر انکار کرے تو اللہ سے مدد مانگ کر ان سے لڑائی کریں۔

تشریح: جزیہ دینے سے بھی انکار کر دیں تو ان سے قتال کیا جائے گا۔

ترجمہ: ا؎ اسلئے کہ سلیمان بن بریدہ والی حدیث میں حضورؐ نے فرمایا کہ اگر کفار اسلام لانے سے انکار کریں تو ان کو جزیہ دینے کی طرف بلائیں، بعد میں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جزیہ دینے سے بھی انکار کریں تو انکے خلاف اللہ سے مدد مانگیں اور ان سے قتال کریں، اسلئے کہ اللہ ہی اپنے ولی کا مددگار ہے اور انکے دشمن کو ہلاک کرنے والا ہے، اس لئے ہر معاملے میں اللہ ہی سے مدد مانگے۔

(۲۷۴۸) قَالَ: وَنَصَبُوا عَلَيْهِمُ الْمَجَانِيقَ ۱ كَمَا نَصَبَ رَسُولُ اللّٰهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى الطَّائِفِ (۲۷۴۹) وَحَرَّقُوهُمْ ۱ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَحْرَقَ الْبُوَيْرَةَ،

وجه: صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن سليمان بن بريده عن ابيه قال كان رسول الله ﷺ اذا امر اميرا على جيش ...فان هم ابوا فسلهم الجزية،فان هم اجابوک فاقبل منهم وكف عنهم، فان هم ابوا فاستعن بالله وقاتلهم (مسلم شریف، باب تامیر الامام الامراء علی البعوث ووصیۃ ایاھم بآداب الغزو وغیرھا، ج۲،ص۸۲، نمبر۱۷۳۱/۴۵۲۱/ابوداؤدشریف، باب فی دعاء المشرکین ،ص۳۶۱،نمبر۲۶۱۲) اس حدیث میں ہے کہ جزیہ دینے سے بھی انکار کردیں تو انکے خلاف اللہ سے مدد مانگے،اوراس سے قتال کرے۔(۲) اس آیت میں ہے کہ اللہ ہی مدد مانگے ۔فاعتصموا بالله هو مولاكم فنعم المولى و نعم النصير ۔(آیت۷۸،سورۃ الحج ۲۲)

ترجمه:(۲۷۴۸)اوران پر منجنیق لگائیں۔

ترجمه: ۱ جیسے کہ حضورؐ نے طائف والوں پر منجنیق نصب کیا ۔

تشریح :قتال کرنے کی کئی صورتیں ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کفار پر منجنیق نصب کریں، یہ اس زمانے میں اعلی ہتھیار تھا، آج کے زمانے میں بم گرانا ہے۔

وجه: صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔عن ابی عبیدؓ ان رسول الله ﷺ حاصر اهل الطائف ونصب عليهم المنجنيق سبعة عشر يوما (سنن للبیہقی ،باب قطع الشجر حرق المنازل، ج تاسع ،ص۱۴۴،نمبر۱۸۱۲۰/ترمذی شریف، باب باب ماجاء فی الاخذ من اللحیۃ ،ص۶۲۵ ،نمبر۲۷۶۲)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ان پر منجنیق نصب کرے۔

ترجمه:(۲۷۴۹)،ان کے گھروں کو آگ لگادیں۔

ترجمه: ۱ جیسا کہ حضورؐ نے بویرہ والوں کو جلایا تھا۔

وجه :جلانے کی حدیث یہ ہے۔عن ابن عمرؓ قال حرق رسول الله ﷺ نخل بنی النضير وقطع وهی البويرة فنزل ما قطعتم من لينة او تركتموها قائمة على اصولها فباذن الله وليخزى الفاسقين (آیت۵، سورۃ الحشر ۵۹/ بخاری شریف، باب حدیث بنی النضیر ومخرج رسول اللہ ﷺ الیھم فی دیۃ الرجلین ،ص۶۷۵،نمبر۴۰۳۱/مسلم شریف، باب جواز قطع اشجار الکفار وتحریقھا، ج۲،ص۸۵،نمبر۱۷۴۶/۴۵۵۲)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کفار کے گھروں کو جلاسکتے ہیں۔اوراس کے درختوں کو کاٹ سکتے ہیں اگر ضرورت پڑ جائے تو۔اس حدیث میں درخت کاٹنے اور کھیتی برباد کرنے کی بھی دلیل ہے۔۔بویرہ: بنی نضیر کے باغات میں سے ایک باغ کا نام ہے

(۲۷۵۰) قَالَ: وَأَرْسَلُوا عَلَـيْهِمُ الْمَاءَ وَقَطَّعُوا أَشْجَارَهُمْ وَأَفْسَدُوا زُرُوعَهُمْ ١ لِأَنَّ فِيْ جَمِيعِ ذٰلِکَ إِلْحَاقَ الْكَبْتِ وَالْغَيْظِ بِهِمْ وَكَسْرَةَ شَوْكَتِهِمْ وَتَفْرِيقَ جَمْعِهِمْ فَيَكُونُ مَشْرُوعًا.

(۲۷۵۱) وَلَا بَأْسَ بِرَمْيِهِمْ، وَإِنْ كَانَ فِيهِمْ مُسْلِمٌ أَسِيرٌ أَوْ تَاجِرٌ

ترجمہ: (۲۷۵۰) اوران کفار پرگرم پانی چھوڑیں، اوران کے درختوں کو کاٹ دیں، اوران کی کھیتی کو برباد کردیں۔

ترجمہ: ١ اس لئے کہ ان سب کی وجہ سے، اس کی ذلت ہوگی، اورانکو غصہ دلانا ہوگا اوران کی شوکت کو توڑنا ہے اوران کی اجتماعیت کو منتشر کرنا ہے اس لئے یہ سب کام مشروع ہوگا۔

تشریح: عام حالات میں یہ سب چیزیں جائز نہیں ہیں، لیکن جن چیزوں سے کفار مغلوب ہوجائیں جنگ میں ان کا کرنا مشروع ہے، مثلا قتال کے وقت اس پرگرم پانی چھوڑنا، اس کی کھیتی کو برباد کرنا، ان کے درختوں کو کاٹنا، یہ سب مشروع ہوگا۔

وجہ: کفار پر پانی چھوڑے یا اس کا پانی بند کرے اس کے لئے یہ حدیث ہے۔ **عن علی قال امرنی رسول الله ﷺ ان اغور ماء آبار بدر** (سنن للبیہقی، باب قطع الشجر وحرق المنازل، ج تاسع، ص ۱۴۵، نمبر ۱۸۱۲۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کفار کا پانی بند کرے اور ضرورت پڑے تو گرم پانی اس پر ڈالے تا کہ میدان جنگ سے بھاگ جائے۔

یہ سب کام ضرورت پڑنے پر کرے ورنہ اس کی ضرورت نہ ہو تو ان کے پھل دار درختوں کو نہ کاٹے اور نہ کھیتیوں کو برباد کرے۔

وجہ: (۱) حضرت ابو بکرؓ کی وصیت میں ہے۔ **ان ابا بکر لما بعث الجنود نحو الشام یزید بن ابی سفیان وعمرو بن العاص وشرحبیل بن حسنة ... وان هم ابوا فاستعینوا بالله علیهم فقاتلوهم ان شاء الله ولا تغرقن نخلا ولا تحرقنها ولا تعقروا بهیمة ولا شجرة تثمر ولا تهدموا بیعة ولا تقتلوا الولدان ولا الشیوخ ولا النساء وستجدون اقواما حبسوا انفسهم فی الصوامع فدعوهم وما حبسوا انفسهم له وستجدون آخرین اتخذوا الشیطان فی رؤوسهم افحاصا فاذا وجدتم اولئک فاضربوا اعناقهم ان شاء الله۔** (سنن للبیہقی، باب من اختار الکف عن القطع والتحریق اذا کان الاغلب انها ستصیر دار اسلام او دار عھد، ج تاسع، ص ۱۴۶، نمبر ۱۸۱۲۵ر مؤطا امام مالک، باب النھی عن قتل النساء والوالدان فی الغزو، ص ۴۶۵ر مصنف ابن ابی شیبۃ، باب من ینھی عن قتلہ فی دار الحرب، ج سادس۔ ص ۴۸۷، نمبر ۳۳۱۱۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بلا ضرورت نہ پھل دار درخت کاٹے اور نہ کھیتی اجاڑے۔

لغت: مجانیق: منجنیق کی جمع ہے، پچھلے زمانے میں گولہ پھینکنے کا آلہ تھا اس کو میزائل کہنے لگے ہیں، ارسل: چھوڑنا، پھینکنا۔ کبت: ذلت۔ غیظ: غصہ۔ کسر: توڑنا۔ تفرق جمعھم: اس کی اجتماعیت کو منتشر کردے۔

ترجمہ: (۲۷۵۱) اورکوئی حرج نہیں ہے ان پر تیر چلانے میں اگرچہ ان میں مسلمان قیدی یا تاجر ہوں۔

لے لِأَنَّ فِي الرَّمْيِ دَفْعَ الضَّرَرِ الْعَامِّ بِالذَّبِّ عَنْ بَيْضَةِ الْإِسْلَامِ، وَقَتْلُ الْأَسِيرِ وَالتَّاجِرِ ضَرَرٌ خَاصٌّ، وَلِأَنَّهُ قَلَّمَا يَخْلُو حِصْنٌ عَنْ مُسْلِمٍ، فَلَوْ امْتَنَعَ بِاعْتِبَارِهِ لَانْسَدَّ بَابُهُ (۲۷۵۲) وَإِنْ تَتَرَّسُوا بِصِبْيَانِ الْمُسْلِمِينَ أَوْ بِالْأُسَارَىٰ لَمْ يَكُفُّوا عَنْ رَمْيِهِمْ لِمَا بَيَّنَّاهُ وَيَقْصِدُونَ بِالرَّمْيِ الْكُفَّارَ،

تشریح: مسلمان قیدیوں یا تاجروں کو کفار نے پکڑ لیا اور ان کو آگے کر دیا تاکہ مسلمانوں کا تیر مسلمان بچوں یا قیدیوں کو لگے اور کفار بچ جائیں، ایسی صورت میں بھی مسلمان کفار پر تیر یا بندوق برسائے اور اس میں کفار کو مارنے کا ارادہ کرے۔ تاہم اس سے مسلمان بچے یا قیدی مر جائیں تو گناہ نہیں ہے کیونکہ ان کو مارنے کا ارادہ نہیں کیا۔ بلکہ مجبوری کی وجہ سے ان پر تیر لگا ہے۔

ترجمہ: لے اس لئے کہ تیر پھینکنے میں عام نقصان کو دور کرنا ہے، یعنی اسلام کی بڑی جماعت سے دفعیہ کرنا ہے، اور قیدی اور تاجر کو قتل کرنا خاص نقصان ہے، اور اس لئے کہ بہت کم قلعہ ہوگا جو مسلمان سے خالی ہوگا، اگر اس کا اعتبار کرتے ہوئے تیر پھینکنے سے رک جائیں تو جہاد کا دروازہ ہی بند ہو جائے گا۔

تشریح: کفار پر تیر پھینکنے سے یہ ہوگا ایک دو مسلمان قیدی، یا ایک دو مسلمان تاجر مر جائے گا، لیکن اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ مسلمان کی بڑی جماعت کی جانب سے دفاع ہو جائے گا، اور یہ عام فائدہ ہے اس لئے عام فائدے کے لئے خاص ضرر کو برداشت کیا جائے گا، دوسری وجہ یہ ہے کہ بہت کم قلعہ ہے جس میں ایک دو قیدی نہ ہوں، پس اگر اس کی رعایت کرتے ہوئے تیر نہ پھینکیں تو جہاد کا دروازہ ہی بند ہو جائے گا، اس لئے تیر پھینکنا جائز ہوگا۔

لغت: ذب: دفعیہ کرنا۔ بیضۃ: عام جماعت۔ حصن: قلعہ۔ انسد: سد سے مشتق ہے، بند ہو جائے گا

ترجمہ: (۲۷۵۲) اور اگر وہ ڈھال کی طرح کر لیں مسلمان کے بچوں کو یا قیدیوں کو تب بھی نہ رکیں تیر برسانے سے۔ اور تیر مارنے کا ارادہ کریں کفار کو نہ کہ مسلمانوں کو۔

وجہ: حدیث میں ہے کہ کفار کی عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کرو لیکن وہ درمیان میں آ جائیں اور مقتول ہو جائیں تو گناہ نہیں ہے البتہ ارادہ کر کے ان کو مارنا جائز نہیں ہے۔ حدیث یہ ہے۔ **عن المصعب بن جثامۃؓ قال مر بی النبی ﷺ بالابواء او بودان فسئل عن اهل الدار يبيتون من المشركين فيصاب من نسائهم وذراريهم ؟ قال هم منهم** (بخاری شریف، باب اہل الدار یبیتون فیصاب الولدان والذراری، ص ۴۲۳، نمبر ۳۰۱۲) اور طبرانی کی روایت میں یہ جملہ زیادہ ہے۔ **انه قال يا رسول الله اطفال المشركين نصيبهم في الغارة بالليل قال لا تعمدوا ذلك ولا حرج قال اولادهم منهم** (کنز العمال، ج ثانی، ص ۲۸۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مشرکین کی اولاد اور عورتوں کو ارادہ کر کے مت مارو لیکن درمیان میں ان کو لگ جائے تو کوئی بات نہیں ہے۔ اسی پر قیاس کر کے مسلمان بچوں کو اور قیدیوں کو

۱؎ لِأَنَّهُ إِنْ تَعَذَّرَ التَّمْيِيزُ فِعْلًا فَلَقَدْ أُمْكِنَ قَصْدًا، وَالطَّاعَةُ بِحَسَبِ الطَّاقَةِ، ۲؎ وَمَا أَصَابُوهُ مِنْهُمْ لَا دِيَةَ عَلَيْهِمْ وَلَا كَفَّارَةَ لِأَنَّ الْجِهَادَ فَرْضٌ وَالْغَرَامَاتُ لَا تُقْرَنُ بِالْفُرُوضِ. بِخِلَافِ حَالَةِ الْمَخْمَصَةِ لِأَنَّهُ لَا يُمْتَنَعُ مَخَافَةَ الضَّمَانِ لِمَا فِيهِ مِنْ إِحْيَاءِ نَفْسِهِ. أَمَّا الْجِهَادُ فَمَبْنِيٌّ عَلَى إِتْلَافِ النَّفْسِ فَيُمْتَنَعُ حِذَارَ الضَّمَانِ،

تیر لگ جائے تو کوئی بات نہیں ہے۔ البتہ ان کا ارادہ کر کے تیر نہ پھینکے۔

کافروں کی عورتوں اور بچوں کو بلا وجہ قتل کرنا ممنوع ہے (۱) اس کی دلیل اس حدیث میں ہے۔ **عن ابن عمرؓ قال وجدت امرأة مقتولة فی بعض مغازی رسول اللہ ﷺ فنھی رسول اللہ عن قتل النساء والصبیان** (بخاری شریف، باب قتل النساء فی الحرب، ص ۴۲۳، نمبر ۳۰۱۵) اس حدیث میں مشرکین کی عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ہاں ! عورت حملہ آور ہو تو وہ قتل کی جائے گی۔ (۲) مسئلہ نمبر ۲۷۵۰ میں حضرت ابو بکرؓ کا بھی قول گزرا کہ عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کرو۔ **ولا تقلوا الولدان ولا الشیوخ ولا النساء** (سنن للبیہقی، نمبر ۱۸۱۲۵)

لغت : تترسوا : ترس سے مشتق ہے ڈھال، الاساری : اسیر کی جمع ہے قیدی، لم یکفو : کف سے مشتق ہے نہ رکے، رمی : تیر پھینکنا۔

ترجمہ : ۱؎ اس لئے کہ فعل کے اعتبار سے الگ الگ کرنا ناممکن ہے لیکن ارادے کے اعتبار سے تو ممکن ہے، اور عبادت طاقت کے اعتبار سے ہوتا ہے۔

تشریح : ایک ہی جگہ مسلمان اور کفار ہیں، اس میں سے کفار کو مارے اور مسلمان کو نہ مارے یہ ناممکن ہے، لیکن نیت تو کر سکتا ہے کہ میں کفار کو مار رہا ہوں، اور مسلمان کو نہیں مار رہا ہوں، اس لئے کہ جہاد عبادت ہے اور عبادت میں نیت بھی کافی ہو جاتی ہے۔

ترجمہ : ۲؎ اور مسلمان کو تیر لگا تو تیر پھینکنے والے پر ضمان نہیں ہے اور نہ کفارہ ہے اس لئے کہ جہاد فرض ہے، اور فرض ادا کرنے سے تاوان لازم نہیں ہوتا بخلاف مخمصے کی حالت کے، اس لئے کہ تاوان کے ڈر سے دوسرے کے کھانے سے نہیں رکے گا اس لئے کہ اپنی ذات کو بچانا ہے، اور جہاد کا مدار کفار کے نفس کو ختم کرنا ہے اس لئے ضمان کے ڈر سے جہاد سے ہی رک جائے گا۔

تشریح : کفار کو تیر مارا لیکن وہ تیر مسلمان کو لگ گیا اور وہ مر گیا تو مارنے والے پر نہ اس کا ضمان ہے، اور نہ کفارہ ہے۔ اس کے برخلاف ایک آدمی بھوک کی شدت میں مر رہا تھا اس نے کسی کا کھانا کھا لیا تو اس کھانے کا ضمان دینا ہوگا،

وجہ : دونوں میں فرق یہ ہے کہ جہاد میں تاوان اور کفارہ لازم کریں تو لوگ جہاد سے رک جائیں گے، دوسری بات یہ ہے کہ جہاد کر کے فرض ادا کر رہا ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ فرض کی ادئیگی میں تاوان لازم نہیں ہوتا اسلئے یہاں نہ تاوان لازم ہوگا اور نہ کفارہ لازم ہوگا۔ اور بھوک کی شدت کی صورت میں دوسرے کا کھانا کھا کر اپنی جان بچا رہا ہے اسلئے کھانے والے پر کھانے کا

(۲۷۵۳)قَالَ وَلَا بَأْسَ بِإِخْرَاجِ النِّسَاءِ وَالْمَصَاحِفِ مَعَ الْمُسْلِمِينَ إِذَا كَانُوا عَسْكَرًا عَظِيمًا يُؤْمَنُ عَلَيْهِ[لِأَنَّ الْغَالِبَ هُوَ السَّلَامَةُ وَالْغَالِبُ كَالْمُتَحَقِّقِ]وَيُكْرَهُ إِخْرَاجُ ذَلِكَ فِي سَرِيَّةٍ لَا يُؤْمَنُ عَلَيْهَا ۱؎ لِأَنَّ فِيهِ تَعْرِيضَهُنَّ عَلَى الضَّيَاعِ وَالْفَضِيحَةِ وَتَعْرِيضَ الْمَصَاحِفِ عَلَى الِاسْتِخْفَافِ فَإِنَّهُمْ يَسْتَخِفُّونَ بِهَا مُغَايَظَةً لِلْمُسْلِمِينَ، وَهُوَ التَّأْوِيلُ الصَّحِيحُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "لَا تُسَافِرُوا بِالْقُرْآنِ فِي أَرْضِ الْعَدُوِّ"

تاوان لازم ہوگا۔

لغت :اصابو: جس کو تیر لگا۔غرامات: غرامۃ کی جمع ہے،تاوان۔تقترن: قرن سے مشتق ہے ملتا ہے،فرض کی وجہ سے لازم ہوتا ہے۔مخمصۃ: بھوک کی شدت میں جان جا رہی ہو۔مبنی علی اتلاف النفس: کفار کے نفس کو ضائع کرنے پر جہاد کا مدار ہے۔ حذر: بچتے ہوئے۔

ترجمہ :(۲۷۵۳)اور کوئی حرج نہیں ہے عورتوں اور قرآن کو لے جانے میں مسلمانوں کے ساتھ جبکہ بڑا لشکر ہو اور ان پر اطمینان ہو[اس لئے کہ غالب یہ ہے کہ یہ لوگ محفوظ رہیں گے،اور غالب متحقق کی طرح ہے]۔اور ان کو لے جانا مکروہ ہے چھوٹے لشکر میں جس میں اطمینان نہ ہو۔

ترجمہ :۱؎ اس لئے کہ اس کو لیجانے میں ضائع ہونے اور رسوائی پر پیش کرنا ہے،اور قرآن کی بے حرمتی کرنے پر پیش کرنا ہے،اس لئے کہ کفار مسلمانوں کو غصہ دلانے کے لئے بے حرمتی کریں گے،اور صحیح حدیث میں جو منع کیا ہے اس کی تاویل یہی ہے، کہ دشمن کی زمین میں قرآن لیکر سفر مت کرو۔

تشریح :لشکر بڑا ہو اور اطمینان ہو کہ ہار نہیں کھائیں گے اور کفار عورتوں کی توہین نہیں کر پائیں گے تو عورتوں اور قرآن کو ساتھ لے جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔اور اگر سریہ یعنی چھوٹا لشکر ہے جس میں خطرہ ہے کہ کفار کے ہاتھوں عورتوں کی توہین ہوگی یا قرآن کریم کی توہین ہوگی تو ان کو ساتھ لے جانا اچھا نہیں ہے۔

وجہ :احادیث میں دونوں کا ثبوت ہے۔ عن عبد اللہ بن عمرؓ ان رسول اللہ ﷺ نھی ان یسافر بالقرآن الی ارض العدو (بخاری شریف، باب کراہیۃ السفر بالمصاحف الی ارض العدو، ص ۴۱۹، نمبر ۲۹۹۰ رمسلم شریف، باب النہی ان یسافر بالمصحف الی ارض الکفار اذا خیف وقوعہ بایدیھم ، ج ۳، ص ۱۳۱، نمبر ۱۸۶۹/۴۸۳۹) اس حدیث میں قرآن کریم کو دشمن کی زمین میں لے جانے سے منع فرمایا ہے۔دوسری حدیث میں وجہ یہ بیان کی کہ دشمن کہیں اسکی توہین نہ کرے۔مخافۃ ان ینالہ العدو (مسلم شریف، باب مذکور، نمبر ۱۸۶۹/۴۸۴۰) اور بڑا لشکر ہو تو لے جانا جائز ہے اسکی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابن عمرؓ

۲؎ وَلَوْ دَخَلَ مُسْلِمٌ إلَيْهِمْ بِأَمَانٍ لَا بَأْسَ بِأَنْ يَحْمِلَ مَعَهُ الْمُصْحَفَ إذَا كَانُوا قَوْمًا يَفُونَ بِالْعَهْدِ لِأَنَّ الظَّاهِرَ عَدَمُ التَّعَرُّضِ، ۳؎ وَالْعَجَائِزُ يَخْرُجْنَ فِي الْعَسْكَرِ الْعَظِيمِ لِإِقَامَةِ عَمَلٍ يَلِيقُ بِهِنَّ كَالطَّبْخِ وَالسَّقْيِ وَالْمُدَاوَاةِ. فَأَمَّا الشَّوَابُّ فَمَقَامُهُنَّ فِي الْبُيُوتِ أَدْفَعُ لِلْفِتْنَةِ، ۴؎ وَلَا يُبَاشِرْنَ الْقِتَالَ لِأَنَّهُ يُسْتَدَلُّ بِهِ عَلَى ضَعْفِ الْمُسْلِمِينَ إلَّا عِنْدَ ضَرُورَةٍ، ۵؎ وَلَا يُسْتَحَبُّ إخْرَاجُهُنَّ لِلْمُبَاضَعَةِ وَالْخِدْمَةِ، فَإِنْ كَانُوا لَا بُدَّ مُخْرِجِينَ فَبِالْإِمَاءِ دُونَ الْحَرَائِرِ

عن النبی و وقد سافر النبی ﷺ واصحابه فی ارض العدو وھم یعلمون القرآن (بخاری شریف، باب کراہیۃ السفر بالمصاحف الی ارض العدو، ص ۴۱۹، نمبر ۲۹۹۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اطمینان ہو تو قرآن ساتھ لے جا سکتا ہے۔
اسی پر عورت کو ساتھ لے جانے کو بھی قیاس کر لیں۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ بدر میں عورتوں کو ساتھ نہیں لے گئے کیونکہ وہاں توہین کا خطرہ تھا اور جنگ احد میں عورتیں شریک ہوئیں اس لئے کہ وہ جگہ مدینہ سے قریب ہے۔

لغت: عسکر : لشکر، سریۃ : دستہ، فوج، چھوٹا لشکر، مصاحف : مصحف کی جمع ہے قرآن کریم۔

ترجمہ: ۲؎ اگر مسلمان دار الحرب میں امن لیکر داخل ہوا تو اس کے ساتھ قرآن لیکر جانے میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے اگر وہ لوگ عہد کو پورا کرتے ہوں تو، اس لئے کہ ظاہر یہی ہے کہ قرآن کے ساتھ تعرض نہیں کریں گے۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۳؎ بڑے لشکر میں بوڑھیاں جا سکتی ہیں تا کہ انکے مناسب جو کام ہیں وہ کر سکیں، مثلا کھانا پکانا، پانی پلانا، دوا دارو کرنا، اور جوان عورت کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ گھر میں رہیں تا کہ فتنہ نہ ہو۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۴؎ بوڑھی عورتیں بھی قتال نہ کریں تا کہ کفار یہ سمجھیں کہ مسلمان کمزور ہو گئے، ہاں ضرورت پڑ جائے تو قتال بھی کر سکتی ہیں۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۵؎ جماع کے لئے اور خدمت کے لئے عورتوں کو جنگ میں لیجانا مستحب نہیں ہے، اور لیجانا ضروری ہی ہو تو باندیوں کو لیجائے آزاد عورت کو نہیں۔

تشریح: جماع کرنے کے لئے اور اپنی ذاتی خدمت کے لئے عورتوں کو جنگ میں لیجانا مستحب نہیں ہے، اور لیجانا ضروری ہی ہو تو باندیوں کو لیجائے اور اس سے اپنی ضرورت پوری کرے، کیونکہ اس کو ذلت پیش آئے تو اتنی بڑی ذلت نہیں ہے۔

(۲۷۵۴) وَلَا تُقَاتِلُ الْمَرْأَۃُ إِلَّا بِإِذْنِ زَوْجِهَا وَلَا الْعَبْدُ إِلَّا بِإِذْنِ سَيِّدِهِ لِمَا بَيَّنَّا إِلَّا أَنْ يَهْجُمَ الْعَدُوُّ عَلَى بَلَدٍ لِلضَّرُورَةِ.

(۲۷۵۵) وَيَنْبَغِي لِلْمُسْلِمِينَ أَنْ لَا يَغْدِرُوا وَلَا يَغُلُّوا وَلَا يُمَثِّلُوا ۱؎ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "لَا تَغُلُّوا وَلَا تَغْدِرُوا وَلَا تُمَثِّلُوا" وَالْغُلُولُ: السَّرِقَةُ مِنَ الْمَغْنَمِ، وَالْغَدْرُ: الْخِيَانَةُ وَنَقْضُ الْعَهْدِ،

لغت : مباضعۃ: بضع سے مشتق ہے، جس کا معنی ہے شرمگاہ۔

ترجمہ : (۲۷۵۴) قتال نہ کرے عورت مگر شوہر کی اجازت سے اور نہ غلام مگر آقا کی اجازت سے مگر یہ کہ دشمن چڑھ آئے۔

ترجمہ: ۱؎ اس وقت جنگ کی ضرورت ہوگئی ہے۔

تشریح: دشمن چڑھ آئے تب تو اپنی اور قوم کی دفاع کے لئے بغیر شوہر کی اجازت سے عورت قتال کرے گی اور غلام بھی بغیر آقا کی اجازت کے قتال کرے گا۔ البتہ عام حالات میں عورت شوہر کی اجازت کے بغیر اور غلام آقا کی اجازت کے بغیر جہاد میں نہ جائے۔

وجہ : (۱) غلام آقا سے اجازت کے بغیر قتال نہ کرے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن الحارث بن عبد اللہ بن ابی ربیعۃ ان رسول اللہ ﷺ کان فی بعض مغازیہ فمر باناس من مزینۃ فاتبعہ عبد لامرأۃ منھم فلما کان فی بعض الطریق سلم علیہ فقال فلان قال نعم! قال ماشانک؟ قال اجاھد معک قال اذنت لک سیدتک؟ قال لا! قال ارجع الیھا فاخبرھا فان مثلک مثل عبد لا یصلی ان مت قبل ان ترجع الیھا** (مستدرک للحاکم، کتاب الجہاد، ج ثانی، ص ۱۲۹، نمبر ۲۵۵۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عام حالات میں غلام کو آقا کی اجازت کے بغیر قتال کرنا جائز نہیں ہے۔ اور عورت کے لئے اس مسئلے پر قیاس کر سکتے ہیں (۲)۔ **سمعت عبد اللہ بن عمرؓ یقول جاء رجل الی النبی ﷺ یستأذنہ فی الجہاد فقال احی والداک؟ قال نعم! قال ففیھما فجاھد** (بخاری شریف، باب الجہاد باذن الابوین، ص ۴۲۱، نمبر ۳۰۰۴ / مسلم شریف، باب بر الوالدین ایھما احق بہ، ج ۲، ص ۳۱۲، نمبر ۲۵۴۹ / ۶۵۰۴، کتاب البر والصلۃ) اس حدیث میں ہے کہ لڑکا والدین کی اجازت کے بغیر عام حالات میں جہاد میں نہ جائے، کیونکہ اس کی خدمت کی ضرورت ہے اسی طرح عورت بھی عام حالات میں شوہر کی اجازت کے بغیر نہ جائے کیونکہ اس کی خدمت کی ضرورت ہے۔

ترجمہ : (۲۷۵۵) مسلمانوں کے لئے مناسب ہے کہ دھوکا نہ کریں، خیانت نہ کریں، مثلہ نہ کریں۔

ترجمہ : ۱؎ حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ امانت میں خیانت نہ کرو، اور دھوکا نہ دو، اور مثلہ نہ کرو۔ غلول کا مطلب ہے مال غنیمت میں چوری نہ کرو، اور غدر کا مطلب ہے خیانت کرنا اور عہد کو توڑنا۔

۲؎ وَالْمُثْلَةُ الْمَرْوِيَّةُ فِي قِصَّةِ الْعُرَنِيِّينَ مَنْسُوخَةٌ بِالنَّهْيِ الْمُتَأَخِّرِ هُوَ الْمَنْقُولُ،

(۲۷۵۶) وَلَا يَقْتُلُوا امْرَأَةً وَلَا صَبِيًّا وَلَا شَيْخًا فَانِيًا وَلَا مُقْعَدًا وَلَا أَعْمَى

تشریح :مسلمانوں کے لئے مناسب ہے کہ وعدہ کرنے کے بعد کفار سے دھوکا نہ کرے۔امانت میں خیانت نہ کرے،قیدیوں کے ناک کان نہ کاٹے۔

وجه :حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔عن سلیمان بن بریدة عن ابیه قال کان رسول الله ﷺ اذا امر امیرا علی جیش او سریة اوصاه فی خاصته بتقوی الله عز وجل ومن معه من المسلمین خیرا ثم قال اغزوا باسم الله فی سبیل الله قاتلوا من کفر بالله اغزوا فلا تغلوا ولا تغدروا ولا تمثلوا ولا تقتلوا ولیدا (مسلم شریف، باب تامیر الامام الامراء علی البعوث ووصیتہ ایاھم بآداب الغزو وغیرھا، ج ۲،ص۸۲،نمبر ۴۵۲۲/۱۷۳۱/ابو داؤد شریف، باب فی دعاء المشرکین،ص ۳۶۱،نمبر ۲۶۱۳)اس حدیث میں ہے کہ دھوکا نہ دے،خیانت نہ کرے،مثلہ نہ کرے اور بچے کو قتل نہ کرے۔

ترجمه :۲؎ اور اہل عرینہ کے قصے میں جو مثلہ کی روایت ہے وہ بعد میں منع کرنے کی وجہ سے منسوخ ہے۔

تشریح:قبیلہ عرینہ کے کچھ لوگ حضورؐ کے پاس آئے تھے،وہ مسلمان ہوئے،لیکن بعد میں یہ مرتد ہو گئے،اور اونٹ کے چرواہے جو مسلمان تھے ان کو قتل کر دیا اور اونٹ کو بھی بھگا لے گئے،حضورؐ ان لوگوں کا پیچھا کروایا،اور ان لوگوں کی ناک کان کٹوا دیا،اور دھوپ میں چھوڑ دیا وہ لوگ مر گئے،تو اس حدیث میں جو مثلہ کروایا وہ پہلے ہے بعد میں آپ نے منع فرمایا،اور اس بعد کی حدیث کی وجہ سے اب مثلہ کرنا منسوخ ہے۔

وجه :عرینہ والی حدیث یہ ہے۔عن انس بن مالک قال قدم علی النبی ﷺ نفر من عکل فاسلموا فاجتووا المدینة فامرهم ان یأتوا ابل الصدقة فیشربوا من ابوالها و البانها ففعلوا فصحوا فارتدوا و قتلوا رعاتها و استاقوا الابل فبعث فی اثارهم فأتی بهم فقطع أیدیهم و أرجلهم و سمل أعینهم ثم لم یحسمهم حتی ماتوا ۔(بخاری شریف،باب کتاب المحاربین اہل الکفر والردۃ(کتاب الحدود]ص۱۱۷۲،نمبر ۶۸۰۲)

ترجمه :(۲۷۵۶)،عورت کو قتل نہ کریں،بچے کو قتل نہ کریں،بالکل بوڑھے اور اپاہج کو اندھے کو قتل نہ کریں۔

تشریح:عورت کو قتل نہ کرے،بچہ،بہت بوڑھا،اندھا اور اپاہج کو قتل نہ کرے۔

وجه :(۱)اور عورت اور بچے کو قتل نہ کرے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن ابن عمرؓ قال وجدت امرأة مقتولة فی بعض مغازی رسول الله ﷺ فنهی رسول الله ﷺ عن قتل النساء والصبیان (بخاری شریف،باب قتل

۱؎ لِأَنَّ الْـمُبِیحَ لِلْقَتْلِ عِنْدَنَا هُوَ الْحِرَابُ وَلَا یَتَحَقَّقُ مِنْهُمْ، وَلِهَذَا لَا یُقْتَلُ یَابِسُ الشَّقِّ وَالْمَقْطُوعُ الْیُمْنَی وَالْمَقْطُوعُ یَدُهُ وَرِجْلُهُ مِنْ خِلَافٍ. وَالشَّافِعِیُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ یُخَالِفُنَا فِیْ الشَّیْخِ الْفَانِی وَالْمُقْعَدِ وَالْأَعْمَی لِأَنَّ الْمُبِیحَ عِنْدَهُ الْکُفْرُ،

النساء فی الحرب، ص۴۲۳، نمبر ۳۰۱۵ رمسلم شریف، باب تحریم قتل النساء والصبیان فی الحرب، ص۷۸۴، نمبر ۴۴۷۱/ ۴۵۴۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت اور بچے کو قتل نہ کرے اور اسی پر بہت بوڑھے کو قیاس کر لیں۔(۲) ابوداؤد میں شیخ فانی کا لفظ بھی ہے۔حدثنی انس بن مالکؓ ان رسول اللہ ﷺ قال انطلقوا باسم اللہ وباللہ وعلی ملة رسول اللہ ،ولا تقتلوا شیخا فانیا ولا طفلا ولا صغیرا ولا امرأة ولا تغلوا وضموا غنائمکم واصلحوا واحسنوا ان اللہ یحب المحسنین (ابوداؤد شریف، باب فی دعاء المشرکین، ص۳۶۱، نمبر ۲۶۱۴) اس حدیث میں ہے کہ بہت بوڑھے کو بھی قتل نہ کرے۔(۳) اس آیت میں اس کا اشارہ ہے۔ قاتلو فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم و لا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین۔(آیت ۱۹۰، سورہ البقرة ۲) اس آیت میں ہے کہ جو تم سے قتال کرے اسی کو قتل کرو اور اس سے زیادہ تجاوز نہ کرو، اور عورتیں قتال نہیں کرتی نہیں اس لئے اس کو قتل کرنا جائز نہیں ہوگا

ترجمہ: ۱؎ اور اس لئے کہ اس کو قتل کرنا مباح ہوگا جو جنگ کرتا ہو، اور ان عورت بچے اور بوڑھے سے جنگ متحقق نہیں ہے [اس لئے اس کو قتل بھی نہیں کیا جائے گا] یہی وجہ ہے کہ جس ایک پہلو سوکھا ہوا ہو، یا دائیں ہاتھ کٹا ہوا ہو، یا دائیں ہاتھ اور بائیں پاؤں کٹا ہوا ہو [تو اس کو قتل کرنا جائز نہیں ہے]

تشریح: بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنے کی یہ دلیل عقلی ہے، ہمارے نزدیک اس کو قتل کرنا جائز ہے، جو میدان جنگ میں آکر جنگ کرتا ہو اور بچے، عورت، بوڑھے وغیرہ جنگ نہیں کر سکتے اس لئے ان کو قتل کرنا بھی جائز نہیں ہے، اس کی مثال یہ دیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ جس آدمی کا ایک پہلو سوکھا ہوا ہو، یا دائیں ہاتھ کٹا ہوا، یا دائیں ہاتھ اور بائیں پاؤں کٹا ہوا ہو تو یہ لوگ چونکہ جنگ نہیں کر سکتے اس لئے ان لوگوں کو قتل کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

لغت: یابس الشق: ایک پہلو سوکھا ہوا ہو۔ مقطوع الیمنی: دائیں ہاتھ کٹا ہوا ہو۔ مقطوع یدہ ورجلہ من خلاف: دائیں ہاتھ کٹا ہوا ہو، اور بائیں پاؤں کٹا ہوا ہو۔

ترجمہ: ۲؎ امام شافعی بوڑھے اور اپاہج اور اندھے کے بارے کے بارے میں ہماری مخالفت کرتے ہیں، اس لئے کہ خون کا مباح ہونا انکے نزدیک کفر ہے۔

تشریح: امام شافعیؒ کی رائے ہے کہ جہاد میں بوڑھے، اپاہج اور اندھے کو بھی قتل کر دیا جائے گا۔

۳ وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا بَيَّنَّا. ۴ وَقَدْ صَحَّ "أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَهَى عَنْ قَتْلِ الصِّبْيَانِ وَالذَّرَارِيِّ" "وَحِينَ رَأَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ امْرَأَةً مَقْتُولَةً قَالَ: هَاهُ، مَا كَانَتْ هَذِهِ تُقَاتِلُ فَلِمَ قُتِلَتْ؟"

(۲۷۵۷)قَالَ إِلَّا أَنْ يَكُونَ أَحَدُ هَؤُلَاءِ مِمَّنْ لَهُ رَأْيٌ فِي الْحَرْبِ أَوْ تَكُونَ الْمَرْأَةُ مَلِكَةً ۱ لِتَعَدِّي ضَرَرِهَا إِلَى الْعِبَادِ، وَكَذَا يُقْتَلُ مَنْ قَاتَلَ مِنْ هَؤُلَاءِ دَفْعًا لِشَرِّهِ، وَلِأَنَّ الْقِتَالَ مُبِيحٌ حَقِيقَةً

وجه:انکے یہاں قتل کا سبب کفر ہے،اور یہ لوگ چونکہ کافر ہیں اس لئے وہ قتل کردئے جائیں گے۔

ترجمہ :۳ انکے خلاف وہ دلیل ہے جو ہم نے ابھی بیان کیا، کہ یہ لوگ جنگ نہیں کر سکتے ہیں۔

تشریح :واضح ہے۔

ترجمہ :۴ اور صحیح حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے بچے اور عورتوں کو قتل کرنے سے منع کیا ہے،اور جب حضورؐ نے ایک عورت کو قتل کیا ہوا پایا تو فرمایا کہ ان لوگوں کو قتل نہیں کرنا چاہئے تو تم لوگوں نے کیوں قتل کیا۔

تشریح :صاحب ہدایہ کی حدیث کچھ اوپر گزری اور باقی یہ ہے۔حدثنی عن جدہ رباح بن ربیع قال کنا مع رسول اللہ ﷺ فی غزوۃ فرأی الناس مجتمعین علی شیء فبعث رجلا فقال انظر علی ما اجتمع ھؤلاء فجاء فقال علی امرأۃ قتیل فقال ما کانت ھذہ لتقاتل ، قال و علی المقدمۃ خالد بن ولید فبعث رجلا فقال قل لخالد لا تقتلن امراۃ و لا عسیفا ۔ (ابوداؤد شریف، باب فی قتل النساء،ص ۳۸۵،نمبر ۲۶۶۹)اس حدیث میں ہے کہ عورتوں کو قتل مت کرو۔

ترجمہ :(۲۷۵۷) مگر یہ کہ ان میں سے کوئی جنگ کے بارے میں صاحب رائے ہو تو قتل کیا جا سکتا ہے۔یا عورت رانی اور ملکہ ہو تو اس کو قتل کیا جا سکتا ہے۔

ترجمہ :۱ اس لئے کہ اس کا نقصان بندوں کو ہے،اسی طرح ان میں سے کوئی باضابطہ قتال کرے تو اس کو قتل کیا جا سکتا ہے، اس کے شر کو دور کرنے کے لئے۔،اصل بات یہ ہے کہ اس کے کفر کی وجہ سے حقیقت میں اس کا قتل کرنا مباح ہے۔

تشریح:ہاں ان لوگوں میں سے کوئی ایسا آدمی ہو جو جنگ کے سلسلے میں رائے دیتا ہو تو اس کو قتل کیا جا سکتا ہے۔یا قتال میں شریک ہو تو کفار،ان کے بچے، بوڑھے،اندھے،عورت اور اپاہج کو قتل کر سکتا ہے۔

وجه :(۱)اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن سمرۃ بن جندبؓ قال قال رسول اللہ ﷺ اقتلوا شیوخ المشرکین واستبقوا شرخھم (ابوداؤد شریف،باب فی قتل النساء،ج۲،ص۶،نمبر ۲۶۷۰ رترمذی شریف،باب ما جاء فی النزول علی الحکم،

(۲۷۵۸) وَلَا يَقْتُلُ مَجْنُونًا لِ لِأَنَّهُ غَيْرُ مُخَاطَبٍ إِلَّا أَنْ يُقَاتِلَ فَيُقْتَلَ دَفْعًا لِشَرِّهِ، غَيْرَ أَنَّ الصَّبِيَّ وَالْمَجْنُونَ يُقْتَلَانِ مَا دَامَا يُقَاتِلَانِ، ٢ وَغَيْرُهُمَا لَا بَأْسَ بِقَتْلِهِ بَعْدَ الْأَسْرِ لِأَنَّهُ مِنْ أَهْلِ الْعُقُوبَةِ لِتَوَجُّهِ الْخِطَابِ نَحْوَهُ،

ص ۲۸۷،نمبر۱۵۸۳)اس حدیث میں ہے کہ کفار کے بوڑھوں کو قتل کرو اور اس کے نوعمر جوانوں کو چھوڑ دو۔ یہ وہی بوڑھے ہیں جو جنگ میں شریک ہوتے ہیں یا رائے دیتے ہیں۔ (۲)اور عورت جنگ میں شریک ہو یا وہ رانی ہو تو اس کو قتل کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن عکرمة ان النبی ﷺ رأی امرأة مقتولة بالطائف فقال الم انه عن قتل النساء؟ من صاحب هذه المرأة المقتولة ؟ قال رجل من القوم انا یارسول الله اردفتها فارادت ان تصرعنی فتقتلنی فامر بها رسول الله ﷺ ان تواری (سنن للبیہقی، باب المرأة تقاتل فتقتل، ج تاسع ،ص ۱۳۹،نمبر ۱۸۱۰۵)اس حدیث میں ہے کہ عورت نے مجاہد کو قتل کرنا چاہا تو وہ قتل کر دی گئی (۳)قتل کرنے کا اصل قاعدہ یہ ہے کہ جو مجاہدین کے سامنے قتال کرنے آئے یا جوان ہونے کی وجہ سے آنے کا امکان ہو وہ قتل کئے جائیں گے۔ کیونکہ اسلام بلا وجہ خون بہانے کی اجازت نہیں دیتا۔

لغت :شرخ : بچہ،نوعمر جوان۔

ترجمہ:(۲۷۵۸)اور نہ مجنون کو قتل کرے۔

ترجمہ:۱ اس لئے کہ مجنون مخاطب نہیں ہے مگر وہ جنگ کرے تو اس کی شرارت دور کرنے کے لئے اس کو قتل کیا جائے گا۔

تشریح :جس طرح بچے کو عقل نہیں ہوتی اسی طرح مجنون کو عقل نہیں ہوتی۔ اور بچے کو قتل کرنا جائز نہیں ہے تو مجنون کو بھی قتل کرنا جائز نہیں ہے۔ لیکن اگر وہ قتال کرے تو اس کو قتل کیا جائے گا، تا کہ اس کی شرارت سے انسانوں کو نجات دی جائے۔

وجہ :اوپر حدیث گزر چکی ہے۔ عن سمرة بن جندب قال قال رسول الله ﷺ اقتلوا شیوخ المشرکین واستبقوا شرخهم (ابوداؤد شریف، باب فی قتل النساء، ج ۲،ص ۶،نمبر ۲۶۷۰/ترمذی شریف، باب ماجاء فی النزول علی الحکم،ص ۲۸۷،نمبر ۱۵۸۳)اس حدیث میں ہے کہ بچوں کو قتل مت کرو اسی پر قیاس کر کے مجنون کو بھی قتل کرنا جائز نہیں ہے۔

ترجمہ :۲ یہ اور بات ہے کہ بچہ اور مجنون جب تک قتال کر رہے ہیں اسی وقت تک قتل کیا جائے گا اور ان دونوں کے علاوہ کو قید کرنے کے بعد بھی قتل کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس کی طرف خطاب متوجہ ہونے کی وجہ سے وہ سزا کے مستحق ہیں۔

تشریح: بچہ اور مجنون پر شریعت کا خطاب نہیں ہے اسلئے جب تک قتال کر رہے ہوں اسی وقت تک قتل کیا جا سکتا ہے، جنگ کے بعد وہ قید ہوئے ہوں تو قید کی حالت میں انکو قتل نہیں کیا جائے گا۔ اور بوڑھا اور عورت اگر قتال کرے تو قتال ختم ہونے کے بعد بھی وہ قید ہوئے ہوں تو قید کی حالت میں قتل کیا جا سکے گا، کیونکہ یہ لوگ عاقل بالغ ہونے کی وجہ سے شریعت کے احکام کے مستحق ہیں۔

۳ وَإِنْ كَانَ يُجَنُّ وَيُفِيقُ فَهُوَ فِيْ حَالِ إِفَاقَتِهِ كَالصَّحِيحِ.

(۲۷۵۹) وَيُكْرَهُ أَنْ يَبْتَدِءَ الرَّجُلُ أَبَاهُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ فَيَقْتُلَهُ ۱ لِقَوْلِهِ تَعَالىٰ ﴿وَصَاحِبْهُمَا فِيْ الدُّنْيَا مَعْرُوفًا﴾ وَلِأَنَّهُ يَجِبُ عَلَيْهِ إِحْيَاؤُهُ بِالْإِنْفَاقِ فَيُنَاقِضُهُ الْإِطْلَاقُ فِيْ إِفْنَائِهِ،

(۲۷۶۰) فَإِنْ أَدْرَكَهُ امْتَنَعَ عَلَيْهِ حَتَّى يَقْتُلَهُ غَيْرُهُ ۱ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ يَحْصُلُ بِغَيْرِهِ مِنْ غَيْرِ اقْتِحَامِهِ الْمَأْثَمَ،

۲ وَإِنْ قَصَدَ الْأَبُ قَتْلَهُ بِحَيْثُ لَا يُمْكِنُهُ دَفْعُهُ إِلَّا بِقَتْلِهِ لَا بَأْسَ بِهِ، لِأَنَّ مَقْصُودَهُ الدَّفْعُ، أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَوْ

لغت :اسر: اسیر سے مشتق ہے، قید ہونا۔ اہل العقاب: سزا کے مستحق ہیں۔ توجہ الخطاب: ان پر شریعت کے احکام نافذ ہیں۔

ترجمہ :۳ اگر مجنون ہوتا ہو اور کبھی افاقہ بھی ہوتا ہو تو افاقہ کی حالت میں اس کا حکم صحیح آدمی کی طرح ہے۔

تشریح : مجنون آدمی افاقہ کی حالت میں قتال کر رہا ہے تو اس کے ساتھ تندرست اادمی کی طرح معاملہ کیا جائے گا، اور جنون کی حالت میں قتال کر رہا ہے تو اس کا حکم مجنون آدمی کی طرح ہوگا۔

ترجمہ :(۲۷۵۹) اور مکروہ ہے کہ مجاہد اپنے باپ پر قتل کرنے میں پہل کرے۔

ترجمہ : کیونکہ آیت میں ہے کہ والدین کے ساتھ دنیا اچھائی کا معاملہ کرے، اور اس لئے کہ بیٹے پر لازم ہے کہ والدین پر خرچ کر کے اس کو زندہ رکھے، اب اس کو فنا کرنا اس کے مخالف ہے۔

تشریح : میدان جنگ میں باپ سامنے آجائے اب وہ بیٹے پر وار کر دے تب تو اس کو قتل کرنا جائز ہے، لیکن اس نے وار نہیں کیا تو بیٹا پیش قدمی کر کے قتل کرے یہ مکروہ ہے۔

وجہ :(۱) آیت میں ہے کہ والدین کے ساتھ اچھا معاملہ کر و اس لئے اس کو قتل کرنا آیت کے خلاف ہے، آیت یہ ہے۔ و صاحب هما فى الدنيا معروفا (آیت ۱۵، سورۃ لقمان ۳۱) (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ بیٹے پر باپ کا نفقہ لازم ہے تا کہ وہ زندہ رہے، اب اس کو موت کے گھاٹ اتارنا اس مسئلے کے خلاف ہے۔

ترجمہ :(۲۷۶۰) پس اگر بیٹا باپ کو پالے تو قتل کرنے سے رک جائے تا کہ دوسرا آدمی اس کو قتل کر دے۔

ترجمہ :۱ اس لئے کہ بغیر گناہ میں پڑے ہوئے غیر کے ذریعہ سے مقصود حاصل ہو گیا۔

تشریح : باپ میدان جنگ میں مل گیا تو اس کو قتل نہ کرے بلکہ اس کے ساتھ ایسا معاملہ کرے کہ دوسرا مجاہد اس کو قتل کر دے، کیونکہ اصل مقصود ہے اس کو قتل کرنا، اور بغیر گناہ میں پڑے دوسرے کے ذریعہ سے مقصود حاصل ہو گیا تو کام بن گیا۔

لغت: اقتحام المعاصم: اقتحم کا ترجمہ ہے پڑنا، ارتکاب کرنا، معاصم: گناہ۔

ترجمہ :۲ اور اگر باپ نے بیٹے کو قتل ہی کرنا چاہا، اور باپ کو قتل کئے بغیر اس کا دفعیہ کرنا مشکل ہے تو قتل کرنے میں کوئی

شَهَرَ الْأَبُ الْمُسْلِمُ سَيْفَهُ عَلَى ابْنِهِ وَلَايُمْكِنُهُ دَفْعُهُ إِلَّابِقَتْلِهِ يَقْتُلُهُ لِمَا بَيَّنَّا فَهَذَا أَوْلَىٰ، وَاللّٰهُ تَعَالَىٰ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

حرج نہیں ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ مسلمان باپ نے بیٹے پر تلوار کھینچ لیا، ور باپ کو قتل کئے بغیر اس کا دفعیہ ممکن نہیں ہے ت بیٹا باپ کو قتل کرے گا، تو یہاں تو زیادہ بہتر ہے، کیونکہ باپ کافر ہے۔

تشــریح :میدان جنگ میں باپ نے بیٹے پر تلوار کھینچ لی اور اس کو قتل کئے بغیر اس کا دفعیہ کرنا ناممکن ہے تو ایسی صورت میں بیٹا باپ کو قتل کرے گا، اس کی مثال دیتے ہیں کہ مسلمان باپ نے مسلمان بیٹے پر تلوار کھینچ لیا اور باپ کو قتل کئے بغیر اس کا دفعیہ ممکن نہیں ہو تو بیٹے کے لئے گنجائش ہے کہ باپ کو قتل کر دے، جب مسلمان باپ کو قتل کر سکتا ہے تو کافر باپ کو کیوں نہیں قتل کر سکتا ہے۔

﴿بَابُ الْمُوَادَعَةِ وَمَنْ يَجُوزُ أَمَانُهُ﴾

(۲۷۶۱)وَإِذَا رَأَى الْإِمَامُ أَنْ يُصَالِحَ أَهْلَ الْحَرْبِ أَوْ فَرِيقًا مِنْهُمْ وَكَانَ ذٰلِكَ مَصْلَحَةً لِلْمُسْلِمِينَ فَلا بَأْسَ بِهِ لِ لِقَوْلِهِ تَعَالىٰ ﴿وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾ "وَوَادَعَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَهْلَ مَكَّةَ عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ عَلَى أَنْ يَضَعَ الْحَرْبَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُمْ عَشْرَ سِنِينَ"، وَلِأَنَّ الْمُوَادَعَةَ جِهَادٌ مَعْنًى إِذَا كَانَ خَيْرًا لِلْمُسْلِمِينَ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ وَهُوَ دَفْعُ الشَّرِّ حَاصِلٌ بِهِ،

﴿باب الموادعۃ ومن یجوز امانہ﴾

ترجمہ :(۲۷۶۱)اگر امام مصلحت سمجھے اس بات پر کہ صلح کرے اہل حرب یا اس کے کسی فریق سے اور اس میں مسلمانوں کی بہتری ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ترجمہ :لے اللہ تعالی کے قول کی وجہ سے کہ اگر کفار صلح کے لئے جھکے تو آپ بھی ان کی طرف جھکئے اور اللہ پر بھروسہ کیجئے، اور حضور پاک ﷺ نے حدیبیہ کے سال اہل مکہ سے مصالحت کی تھی کہ دس سال کے لئے انکے درمیان جنگ بند رہے گی، اور اس لئے کہ اگر مسلمانوں کا فائدہ ہو تو مصالحت بھی معنوی طور پر جہاد ہے، اس لئے کہ مصالحت کا مقصد اس کے شر کو دفع کرنا ہے۔

تشریح :اگر مسلمانوں کی بہتری ہو اور امام کفار سے یا اس کے کسی فریق سے مصالحت کرنے میں بہتری سمجھے تو مصالحت کر سکتے ہیں، کیونکہ مصالحت میں مسلمانوں کا فائدہ ہو تو یہ بھی معنوی جہاد ہے، کیونکہ اس سے بھی کفار کے شر کو دور کرنا ہے۔ اور اگر اس میں مسلمانوں کے لئے بہتری نہ ہو تو مصالحت کرنا جائز نہیں ہے۔

وجہ : آیت میں ہے کہ کفار صلح کے لئے مائل ہوں تو آپ بھی مائل ہو سکتے ہیں۔ آیت یہ ہے۔ وان جنحوا للسلم فاجنح لها وتوكل على الله انه هو السميع العليم (آیت ۶۱، سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں ہے کہ وہ صلح کے لئے مائل ہوں تو اگر مصلحت ہو تو آپ بھی صلح کے لئے مائل ہو سکتے ہیں (۲) حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے کفار سے صلح حدیبیہ کی۔ لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ عن مسور بن مخرمه ومروان يصدق كل واحد منهما حديث صاحبه قالا خرج رسول الله ﷺ زمن الحديبية ... لايسألونني خطة يعظمون فيها حرمات الله الا اعطيتهم اياها. فقال له النبي ﷺ على ان تخلوا بيننا وبين البيت فنطوف به ... فلما فرغ من قضية الكتاب قال

۲؎ وَلَا یُقْتَصَرُ الْحُکْمُ عَلَی الْمُدَّةِ الْمَرْوِیَّةِ لِتَعَدِّی الْمَعْنَی إِلَی مَا زَادَ عَلَیْهَا، ۳؎ بِخِلَافِ مَا إِذَا لَمْ یَکُنْ خَیْرًا؛ لِأَنَّهُ تَرْکُ الْجِهَادِ صُورَةً وَمَعْنًی.

(۲۷۶۲) وَإِنْ صَالَحَهُمْ مُدَّةً ثُمَّ رَأَی نَقْضَ الصُّلْحِ أَنْفَعَ نَبَذَ إِلَیْهِمْ وَقَاتَلَهُمْ ۱؎ ''لِأَنَّهُ عَلَیْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَبَذَ الْمُوَادَعَةَ الَّتِی کَانَتْ بَیْنَهُ وَبَیْنَ أَهْلِ مَکَّةَ''،

رسول اللہ ﷺ لاصحابه قوموا فانحروا ثم احلقوا (بخاری شریف، باب الشروط فی الجہاد والمصالحۃ مع اہل الحرب وکتابۃ الشروط، ص ۴۷۷، نمبر ۲۷۳۱/مسلم شریف، باب صلح الحدیبیۃ، ص ۱۰۴، نمبر ۱۷۸۳/۴۶۲۹) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے مسلمانوں کے لئے بہتری دیکھی تو کفار سے صلح حدیبیہ فرمائی (۳) حدیث میں ہے جس کو صاحب ہدایہ نے نقل کی ہے ۔عن المسور بن مخرمه ومروان بن الحکم انهم اصطلحوا علی وضع الحرب عشر سنین یامن فیهن الناس وعلی ان بیننا عیبة مکفوفة وانه لا اسلال ولا اغلال (ابوداؤد شریف، باب فی صلح العدو، ج ۲، ص ۲۴، نمبر ۲۷۶۶) اس حدیث میں بھی ہے کہ آپؐ نے دس سال تک کے لئے کفار مکہ سے صلح کی۔

ترجمہ: ۲؎ حدیث میں جو دس سال کی مدت متعین کی ہے اسی پر اکتفاء کرنا ضروری نہیں ہے اس مدت پر زیادہ کی بھی گنجائش ہے۔

تشریح: اوپر حدیث میں گزرا کہ دس سال کی مدت کے لئے حضورؐ نے صلح کی، صاحب ہدایہ فرما رہے ہیں کہ یہی مدت کوئی ضروری نہیں ہے، اگر اس سے زیادہ مدت کے لئے صلح کرنے میں مسلمانوں کا فائدہ ہو تو اس سے زیادہ کے لئے بھی صلح کر سکتے ہیں، اصل معاملہ ہے کہ کتنی مدت کے لئے صلح کرنے میں مسلمانوں کا فائدہ ہے۔

ترجمہ: ۳؎ بخلاف اگر مصالحت میں خیر نہ ہو مصالحت جائز نہیں ہوگی اس لئے صورت میں بھی جہاد چھوڑنا ہے اور معنی میں بھی جہاد چھوڑنا ہے۔

تشریح: مصالحت کرنے میں مسلمانوں کا فائدہ نہ ہو تو ظاہری طور پر بھی جہاد چھوڑا اور مصلحت نہ ہونے کی وجہ سے معنوی طور پر بھی جہاد چھوڑا اس لئے اس صورت میں مصالحت کرنا صحیح نہیں ہوگا۔

ترجمہ: (۲۷۶۲) پس اگر کفار سے ایک مدت کے لئے مصالحت کی، پھر دیکھا کہ صلح توڑنا زیادہ نفع بخش ہے تو صلح توڑ کر اس کی اطلاع دے اور ان سے لڑے۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ حضورؐ اور مکہ والوں کے درمیان جو صلح تھی اس کو توڑ دیا۔

تشریح: مثلا دو سالوں کے لئے صلح کی تھی لیکن دیکھا کہ صلح توڑ دینا اور قتال کرنا مسلمانوں کے لئے بہتر ہے تو صلح توڑ دے

۲ وَلِأَنَّ الْمَصْلَحَةَ لَمَّا تَبَدَّلَتْ كَانَ النَّبْذُ جِهَادًا وَإِيفَاءُ الْعَهْدِ تَرْكُ الْجِهَادِ صُورَةً وَمَعْنًى، وَلَا بُدَّ مِنْ النَّبْذِ تَحَرُّزًا عَنْ الْغَدْرِ، وَقَدْ قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "فِي الْعُهُودِ وَفَاءٌ لَا غَدْرٌ"

اورقتال کرے۔البتہ یہ ضروری ہے کہ صلح توڑنے کی اطلاع کفار کو دے پھر قتال کرے۔اطلاع دیئے بغیر قتال نہ کرے۔

وجہ:(۱)اطلاع دیئے بغیر قتال کرے تو یہ غدر اور دھوکا ہے جو جائز نہیں ہے۔اس لئے اطلاع دیئے بغیر قتال نہ کرے(۲) آیت میں ہے۔**واما تخافن من قوم خیانة فانبذ الیهم علی سواء ان الله لا یحب الخائنین** (آیت ۵۸،سورۃ الانفال ۸)اس آیت میں ہے کہ خیانت کا خوف ہو تو اس کو اطلاع دے کر صلح توڑ دو(۳)صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے جس میں ہے کہ حضورؐ نے کفار مکہ سے صلح حدیبیہ کی تھی لیکن انہوں نے غداری کی تو آپ نے صلح توڑی اور فتح مکہ والی جنگ کی۔قالا **کان فی صلح رسول الله ﷺ یوم الحدیبیة بینه و بین قریش ......قل ابو بکر یا رسول الله ! ألیس بینک و بینهم مدة ؟قال الم یبلغک ما صنعوا ببنی کعب و اذان رسول الله فی الناس بالغزو.** (دلائل النبوۃ للبیہقی ، جماع ابواب فتح مکة ۔باب نقض قریش ما عہدوا علیہ رسول اللہ ﷺ بالحدیبیۃ ،ج خامس،ص۱۲،) (۴)اور مصالحت توڑنے کی اطلاع دے اس کے لئے یہ حدیث ہے جسکو صاحب ہدایہ لارہے ہیں ۔**سمعت سلیم بن عامر یقول کان بین معاویة وبین اهل الروم عهد و کان یسیر فی بلادهم حتی اذا انقضی العهد اغار علیهم فاذا رجل علی دابةاو علی فرس وهو یقول الله اکبر وفاء لا غدر ،واذاهو عمرو بن عبسة ،فسأله معاویة عن ذلک فقال سمعت رسول الله ﷺیقول من کان بینه وبین قوم عهد فلا یحلن عهدا و لا یشدنه حتی یمضی امده او ینبذ الیهم علی سواء ،قال فرجع معاویة بالناس** (ترمذی شریف،باب ماجاء فی الغدر،ص ۲۸۷،نمبر ۱۵۸۰/ابوداؤد شریف، باب فی الامام یکون بینہ وبین العدو عہد فیسیر نحوہ،ج ۲،ص ۲۳،نمبر ۲۷۵۹)اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ دشمن سے عہد و پیان ہو تو اس کو توڑنے کے لئے پہلے اس کو اطلاع دے پھر حملہ کرے۔

لغت : نبذ الیہم : اس کا اصلی ترجمہ ہے اس کی طرف پھینکنا اور محاوری ترجمہ ہے عہد کو دشمن کی طرف پھینک دینا یعنی عہد توڑ دینا،اور اس کی اطلاع دینا۔

ترجمہ:۲ اور اس لئے کہ مصلحت جب بدل گئی تو صلح کو توڑنا ہی جہاد ہے،اور عہد کو پورا کرنا صورت میں اور معنی کے اعتبار سے بھی جہاد کو چھوڑنا ہے،اس لئے غدر سے بچنے کے لئے صلح توڑنا ضروری ہے۔ چنانچہ حضورؐ نے عہد کے بارے میں فرمایا کہ اس کو پورا کرو، دھوکا مت دو۔

تشریح:اب مصلحت بدل گئی تو عہد توڑنے کی اطلاع دیکر اس کو توڑ دے۔

۳؎ وَلَا بُدَّ مِنْ اعْتِبَارِ مُدَّةٍ يَبْلُغُ فِيهَا خَبَرُ النَّبْذِ إلَىٰ جَمِيعِهِمْ، وَيَكْتَفِي فِي ذٰلِكَ بِمُضِيِّ مُدَّةٍ يَتَمَكَّنُ مَلِكُهُمْ بَعْدَ عِلْمِهِ بِالنَّبْذِ مِنْ إنْفَاذِ الْخَبَرِ إلَى أَطْرَافِ مَمْلَكَتِهِ؛ لِأَنَّ بِذَلِكَ يَنْتَفِي الْغَدْرُ.

(۲۷۶۳) قَالَ: وَإِنَّ بَدَءُوا بِخِيَانَةٍ قَاتَلَهُمْ وَلَمْ يُنْبَذْ إلَيْهِمْ إذَا كَانَ ذٰلِكَ بِاتِّفَاقِهِمْ ۱؎ لِأَنَّهُمْ صَارُوا نَاقِضِينَ لِلْعَهْدِ فَلَا حَاجَةَ إلَى نَقْضِهِ،

وجہ :(۱) ظاہری طور پر جہاد نہیں کر رہا، اب مصلحت بھی اس کے خلاف ہے تو باطنی طور پر بھی جہاد نہیں رہا اس لئے اس کو توڑ دے، البتہ توڑنے کی اطلاع دے، کیونکہ حضورؐ نے فرمایا کہ عہد کو پورا کرو، دھوکا مت دو۔ صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے جسکی تفصیل اوپر گزر چکی ۔سمعت سليم بن عامر يقول كان بين معاوية وبين اهل الروم عهد و كان يسير في بلادهم حتى اذا انقضى العهد اغار عليهم فاذا رجل على دابةاو على فرس وهو يقول الله اكبر وفاء لا غدر (ترمذی شریف، باب ما جاء فی الغدر، ص ۲۸۷، نمبر ۱۵۸۰ / ابو داؤد شریف، باب فی الامام یکون بینہ و بین العدو عہد فیسیر نحوہ، ج ۲، ص ۲۳، نمبر ۲۷۵۹)

ترجمہ: ۳؎ اطلاع دینے اور جنگ شروع کے درمیان اتنی مدت ہو کہ عہد توڑنے کی خبر سب کفار کو پہنچ جائے، اور اتنی مدت ہی کافی ہے جس میں کفار کا بادشاہ حکومت کے اطراف میں سب کو خبر پہنچا سکے، اتنی مدت ہی سے غدر ختم ہو جائے گی۔

تشریح :عہد توڑنے کی اطلاع دینے کے بعد جنگ شروع کرنے میں اتنی مدت رہے کہ اس مدت میں بادشاہ چاہے تو پوری حکومت میں خبر پہنچا دے، غدر ختم ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے، اس دوران واقعی سب کو خبر دے چکا ہو یا نہیں اس کی ذمہ داری اسلامی حکومت کی نہیں ہے۔

لغت: جمعہم :اپنے تمام لوگوں کو۔ ملک :بادشاہ۔ اطراف مملکتہ :اپنی حکومت کے اطراف میں۔

ترجمہ :(۲۷۶۳) اور اگر انہوں نے خیانت شروع کی تو ان سے قتال کرے اور نقض عہد کی اطلاع دینے کی ضرورت نہیں جبکہ ان کے اتفاق سے ہوا ہو۔

ترجمہ :۱؎ اس لئے کہ جن انہوں نے عہد توڑ دیا تو اب ہم کو توڑنے کی اطلاع دینے کی کیا ضرورت ہے۔

تشریح :کفار کے ساتھ صلح کا عقد تھا لیکن وہ سب ملکر عہد توڑ دیا اور خیانت کر لیا تو عہد توڑنے کی اطلاع دیئے بغیر قتال کیا جا سکتا ہے۔ البتہ اگر کچھ لوگوں نے نقض عہد کیا مثلا کچھ کفار نے اپنے سردار کو پوچھے بغیر دار الاسلام سے چوری کر لی یا کسی کو قتل کر دیا تو یہ تمام کفار کی جانب سے نقض عہد نہیں سمجھا جائے گا جب تک کہ تمام سے بالاتفاق نقض عہد نہ ہو۔

وجہ: آیت میں اس کا اشارہ ہے۔ الذين عاهدت منهم ثم ينقضون عهدهم في كل مرة وهم لايتقون ٥ فاما

۲؎ بِخِلَافِ مَا إذَا دَخَلَ جَمَاعَةٌ مِنْهُمْ فَقَطَعُوا الطَّرِيقَ وَلَامَنَعَةَ لَهُمْ حَيْثُ لَايَكُونُ هٰذَانَقْضًالِلْعَهْدِ،وَلَوْ كَانَتْ لَهُمْ مَنَعَةٌ وَقَاتَلُوا الْمُسْلِمِينَ عَلَانِيَةً يَكُونُ نَقْضًالِلْعَهْدِ فِي حَقِّهِمْ دُونَ غَيْرِهِمْ،لِأَنَّهُ بِغَيْرِ إذْنِ مَلِكِهِمْ فَفِعْلُهُمْ لَايُلْزِمُ غَيْرَهُمْ حَتّٰى لَوْكَانَ بِإِذْنِ مَلِكِهِمْ صَارُوا نَاقِضِينَ لِلْعَهْدِ لِأَنَّهُ بِاتِّفَاقِهِمْ مَعْنًى.

تشقفنهم فی الحرب فشرد بهم من خلفهم لعلهم یذکرون (آیت ۵۶/۵۷،سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں ہے کہ جو بار ہا عہد توڑے اس کو ایسا مارو کہ بعد والے یادرکھیں (۲) حدیث میں ہے کہ کفار مکہ نے عہد توڑا تو اس کو عہد توڑنے کی اطلاع دیئے بغیر ان پر چڑھائی کی اور فتح مکہ کا واقعہ پیش آیا۔عہد توڑنے کی دلیل یہ حدیث ہے۔وحدیث عروۃ بمعناہ قال ثم ان بنی نفاثة من بنی الدیل اغاروا علی بن کعب وهم فی المدة التی بین رسول الله ﷺ وبین قریش وکان بنو کعب فی صلح رسول الله ﷺ وکان بنو نفاثة فی صلح قریش،فاعانت بنو بکر بنی نفاثة واعانتهم قریش بالسلاح والرقیق فذکر القصة قال فخرج رکب من بنی کعب حتی اتوا رسول الله ﷺ فذکروا له الذی اصابهم وماکان من قریش علیهم فی ذلک،ثم ذکر قصة خروج رسول الله ﷺ الی مکة (سنن للبیہقی ،باب فتح مکۃ حرمها اللہ،ج تاسع ،ص ۲۰۲،نمبر ۱۸۲۸۱/ مصنف عبد الرزاق ،غزوۃ الفتح ،ج خامس ،ص ۳۷۴،نمبر ۹۷۳۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خود نقض عہد کرے تو اس کو اطلاع دینے کی ضرورت نہیں۔اس پر چڑھائی کی جاسکتی ہے (۳) بخاری شریف میں ہے کہ فتح مکہ کے لئے اتنا چھپ کر چلے کہ اہل مکہ کو بھی اس کی خبر پوری طرح نہیں ہو پائی۔اس حدیث میں اس کی وضاحت ہے۔عن هشام عن ابیه قال لما سار رسول الله ﷺ عام الفتح فبلغ ذلک قریشا خرج ابو سفیان بن حرب وحکیم بن حزام وبدیل بن ورقاء یلتمسون الخبر عن رسول الله ﷺ فاقبلوا یسیرون حتی اتوا مر الظهران الخ (بخاری شریف ،باب این رکز النبی ﷺ الرایۃ یوم الفتح ،ص ۶۱۳،نمبر ۴۲۸۰،کتاب المغازی/مسلم شریف ،باب فتح مکۃ ،ص ۱۰۲،نمبر ۴۶۲۲/۱۷۸۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نقض عہد کی اطلاع کفار مکہ کو نہیں دی۔البتہ شدہ شدہ ان کو کچھ بھنک لگ گئی تھی (۴) جب دشمن نے خود ہی عہد توڑ دیا تو اب ان کو اپنی طرف سے عہد توڑنے کی اطلاع دینے کا کیا فائدہ ہے؟

ترجمہ :۲؎ بخلاف جبکہ ایک جماعت دار الاسلام میں داخل ہوئی اور ڈاکہ زنی کی اور اسکی کوئی شان شوکت نہیں تھی تو یہ تمام کی جانب سے عہد توڑنا نہیں سمجھا جائے گا،اور اگر اسکی شان شوکت تھی اور مسلمان سے اعلانیہ قتال کیا تو صرف اس جماعت کی جانب سے نقض عہد ہوگا،اسلئے کہ اسکے بادشاہ کی اجازت کے بغیر حملہ کیا ہے،اسلئے ان لوگوں کا فعل دوسرے پر لازم نہیں ہے،یہی وجہ ہے کہ اگر انکے بادشاہ کی اجازت سے کیا ہو تو سب کیطرف سے نقض عہد ہوگا اسلئے اندر خانے سب کے اتفاق سے ہوا ہے۔

(۲۷۶۴) وَإِذَا رَأَى الْإِمَامُ مُوَادَعَةَ أَهْلِ الْحَرْبِ وَأَنْ يَأْخُذَ عَلَى ذٰلِكَ مَالًا فَلَا بَأْسَ بِهِ ۱؎ لِأَنَّهُ لَمَّا جَازَتْ الْمُوَادَعَةُ بِغَيْرِ الْمَالِ فَكَذَا بِالْمَالِ، ۲؎ لٰكِنْ هٰذَا إِذَا كَانَ بِالْمُسْلِمِينَ حَاجَةٌ، أَمَّا إِذَا لَمْ تَكُنْ لَا يَجُوزُ لِمَا بَيَّنَّا مِنْ قَبْلُ، ۳؎ وَالْمَأْخُوذُ مِنَ الْمَالِ يُصْرَفُ مَصَارِفَ الْجِزْيَةِ،

تشریح : کفار کی ایک چھوٹی سی جماعت جس کی کوئی شان شوکت نہیں تھی، اس نے دار الاسلام میں گھس کر ڈاکہ زنی کی تو یہ نقض عہد نہیں ہوگا۔ اور اگر اس کی شان شوکت ہو تو اس جماعت کی جانب سے نقض عہد ہوگا، دوسروں کی جانب سے نقض عہد نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ بادشاہ کی اجازت سے نہیں ہے، اور اگر بادشاہ کی اجازت سے ہو تو سب کی جانب سے نقض عہد ہوگا، کیونکہ اندر خانے سب کی ملی بھگت ہے

لغت :منعۃ : شان شوکت، رعب و دبدبہ۔ نقضا للعہد : عہد کو توڑنا۔ باتفاقہم : سب کے خرچ سے، یعنی سب کے اتفاق سے، سب کے مشورے سے۔

ترجمہ:(۲۷۶۴) امام حربیوں سے مال کے بدلے میں صلح کرنے میں مصلحت سمجھے تو ایسی صلح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ترجمہ :۱؎ اس لئے کہ جب بغیر مال کے صلح کرنا جائز ہے تو مال کے ساتھ بدرجہ اولی ہوگا۔

تشریح: اگر امام یہ سمجھے کہ مال لیکر کفار سے صلح کر لی جائے، اور مسلمانوں کو مال کی ضرورت بھی ہو تو ایسی صلح جائز ہے۔

وجہ :(۱) پہلے گزرا کہ بغیر مال کے بھی صلح کرنا جائز ہے تو مال کے بدلے میں بدرجہ اولی ہوگا، کیونکہ اس صورت میں معنوی طور پر جہاد کرنا ہے (۲) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے یہود سے مال کے بدلے میں صلح کی۔ **عن عبد الله بن عمر قال لما افتتحت خيبر سألت يهود رسول الله ﷺ ان يقرهم على ان يعملوا على النصف مما خرج منها فقال رسول الله ﷺ اقركم فيها على ذالك ما شئنا** ۔(ابو داود شریف، باب ما جاء فی حکم ارض خیبر، ص ۴۴۰، نمبر ۳۰۰۸) اس حدیث میں ہے کہ حضور نے یہود سے مال پر صلح کی ہے۔

ترجمہ :۲؎ لیکن یہ جب ہے کہ مسلمانوں کو مال کی ضرورت ہو، اور اگر مال کی ضرورت نہیں ہو تو جائز نہیں ہوگی جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا کہ یہ ظاہری اور معنوی طور پر جہاد کو چھوڑنا ہے۔

تشریح : مال لیکر صلح کرنا اس وقت جائز ہے جب کہ مسلمانوں کو مال کی ضرورت ہو، لیکن اگر مال کی ضرورت نہیں ہو تو اس سے مال لیکر صلح کرنا جائز نہیں ہے۔

وجہ: کیونکہ ظاہری طور پر بھی جہاد کو چھوڑنا ہے، اور مال کی ضرورت نہیں ہے تو معنوی طور پر بھی جہاد کو چھوڑنا ہے۔

ترجمہ :۳؎ اور جو مال صلح سے حاصل ہوگا وہ جزیہ کے مصرف میں خرچ ہوگا، کیونکہ یہ غیر مسلم کا مال ہے۔

۹؎ هٰذَا إِذَا لَمْ يَنْزِلُوا بِسَاحَتِهِمْ بَلْ أَرْسَلُوا رَسُولًا؛ لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى الْجِزْيَةِ، أَمَّا إِذَا أَحَاطَ الْجَيْشُ بِهِمْ ثُمَّ أَخَذُوا الْمَالَ فَهُوَ غَنِيمَةٌ يُخَمِّسُهَا وَيُقَسِّمُ الْبَاقِيَ بَيْنَهُمْ لِأَنَّهُ مَأْخُوذٌ بِالْقَهْرِ مَعْنًى.

(٢٧٦٥) وَأَمَّا الْمُرْتَدُّونَ فَيُوَادِعُهُمُ الْإِمَامُ حَتَّى يَنْظُرَ فِي أَمْرِهِمْ ۱؎ لِأَنَّ الْإِسْلَامَ مَرْجُوٌّ مِنْهُمْ فَجَازَ تَأْخِيرُ قِتَالِهِمْ طَمَعًا فِي إِسْلَامِهِمْ (٢٧٦٦) وَلَا يَأْخُذُ عَلَيْهِ مَالًا لِأَنَّهُ لَا يَجُوزُ أَخْذُ الْجِزْيَةِ مِنْهُمْ لِمَا نُبَيِّنُ وَلَوْ أَخَذَهُ لَمْ يَرُدَّهُ ۱؎ لِأَنَّهُ مَالٌ غَيْرُ مَعْصُومٍ،

تشریح :واضح ہے۔

ترجمہ :۹؎ یہ جب ہے کہ کفار سے آمنا سامنا نہ ہوا ہو بلکہ پیغام کے ذریعہ بات طے ہوئی ہو اس لئے کہ یہ جزیہ کے معنی میں ہے، اور اگر مسلمان کے لشکر نے کفار کو گھیرا ہو پھر مال لیا ہو تو یہ مال غنیمت ہے، پانچوا حصہ بیت المال کے لئے ہوگا اور باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم کر دئے جائیں گے، کیونکہ یہ مغلوب کر کے مال لیا گیا ہے۔

تشریح :مسلمانوں نے کفار کو ابھی گھیرا نہیں ہے، اور پیغام کے ذریعہ مال پر صلح کیا ہو تو اس مال کا حکم جزیہ کی طرح ہے جس مصرف میں جزیہ کا مال خرچ کیا جاتا ہے اسی میں اس کو بھی خرچ کیا جائے گا، لیکن اگر کفار کو لشکر گھیر چکا ہے اس کے بعد مال پر صلح ہوئی تو اس کا حکم مال غنیمت کا ہے، یعنی اس کا پانچواں حصہ بیت المال میں داخل کیا جائے گا، اور باقی چار حصہ مجاہدین میں تقسیم کیا جائے گا۔

لغت : ساحۃ: میدان، نزل بساحتہم: اس کے میدان میں نہیں اترا، یعنی اس کو نہیں گھیرا۔ ارسلوا رسالا: خط و کتابت کرنا، پیغام بھیج کر صلح کی۔ جیش: لشکر۔

ترجمہ :(٢٧٦٥) بہر حال مرتد تو امام اس سے صلح کرے تا کہ امام اس کے معاملے میں غور کر سکے۔

ترجمہ :۱؎ اس لئے کہ اس سے اسلام کی امید کی جاسکتی ہے تو اس کے قتال کے معاملے میں امید کی وجہ سے اس کے قتال میں تاخیر کی جاسکتی ہے۔

تشریح : بہت سے آدمی مرتد ہو گئے ہوں اور ان لوگوں نے کسی خطے پر قبضہ کر لیا ہو، اور وہ صلح چاہتے ہوں تو امام ان سے صلح کرے، اور قتال میں جلدی نہ کرے، کیونکہ ان سے دوبارہ اسلام لانے کی امید ہے۔

ترجمہ :(٢٧٦٦) اور ان مرتدوں سے مال نہ لے [اس لئے کہ ان سے جزیہ لینا جائز نہیں ہے، اس کی دلیل ہم آگے بیان کریں گے] اور اگر ان سے مال لے لیا تو اس کو واپس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ :۱؎ اس لئے کہ ان مرتدوں کا مال محفوظ نہیں ہے۔

۲؎ وَلَوْ حَاصَرَ الْعَدُوُّ الْمُسْلِمِينَ وَطَلَبُوا الْمُوَادَعَةَ عَلَى مَالٍ يَدْفَعُهُ الْمُسْلِمُونَ إِلَيْهِمْ لَا يَفْعَلُهُ الْإِمَامُ لِمَا فِيهِ مِنْ إِعْطَاءِ الدَّنِيَّةِ وَإِلْحَاقِ الْمَذَلَّةِ بِأَهْلِ الْإِسْلَامِ إِلَّا إِذَا خَافَ الْهَلَاكَ، لِأَنَّ دَفْعَ الْهَلَاكِ وَاجِبٌ بِأَيِّ طَرِيقٍ يُمْكِنُ.

(۲۷۶۷) وَلَا يَنْبَغِي أَنْ يُبَاعَ السِّلَاحُ مِنْ أَهْلِ الْحَرْبِ وَلَا يُجَهَّزُ إِلَيْهِمْ ، ا؎ لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَهَى عَنْ بَيْعِ السِّلَاحِ مِنْ أَهْلِ الْحَرْبِ وَحَمْلِهِ إِلَيْهِمْ، وَلِأَنَّ فِيهِ تَقْوِيَتَهُمْ عَلَى قِتَالِ

تشریح: ان مرتدوں سے مال نہ لے، کیونکہ ان سے جزیہ لینا جائز نہیں ہے، یہ یا تو اسلام لائے یا پھر ان کو قتل کر دیا جائے گا ، جزیہ لیکر ان کو زندہ رکھنا جائز نہیں ہے، لیکن اگر ان لوگوں سے مال لے ہی لیا تو اس مال کو ان کی طرف واپس کرنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ ان لوگوں کا مال محفوظ نہیں ہے۔

وجہ: ان معاذ بن جبل اتی ابا موسی و عندہ رجل یھودی فقال ما ھذا؟ قال ھذا یھودی اسلم ثم ارتد و قد استتبہ ابو موسی شھرین فقال معاذ لا اجلس حتی أضرب عنقہ قضی اللہ و قضی رسول اللہ ﷺ ۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ ، باب ما قالوا فی الرجل یسلم ثم یرتد ما یصنع بہ، ج سادس، ص ۴۴۰، نمبر ۳۲۷۱۹) اس حدیث میں دو باتوں کا پتہ چلا کہ مرتد کو غور کرنے کے لئے دو ماہ کی مہلت دی، اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اگر یہ اسلام نہ لائے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا، اس سے جزیہ لیکر اس کو زندہ نہیں چھوڑا جائے گا۔

لغت: غیر معصوم: حربیوں کا مال غیر معصوم ہے مسلمان اس پر قبضہ کر کے لے سکتا ہے، اسی طرح مرتدوں کا مال بھی غیر معصوم ہے، اس پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تو اس کو واپس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ: ۲؎ اگر دشمنوں نے مسلمان کا محاصرہ کر لیا اور یہ مطالبہ کیا کہ اس کے بدلے میں مسلمان مال دیں تو امام مال نہ دے اس لئے کہ یہ دیت کا دینا ہوا اور اہل اسلام کو ذلت میں ڈالنا ہوا، لیکن اگر سب مسلمانوں کے ہلاک ہو جانے کا خطرہ ہو [تو مال دے دے] اس لئے کہ ہلاکت کا دفع کرنا واجب ہے چاہے جس طریقے سے بھی ہو۔

تشریح: دشمنوں نے مسلمانوں کا محاصرہ کر لیا اور وہ مال دینے کا مطالبہ کر رہے ہیں تو امام کو یہ مال نہیں دینا چاہئے، کیونکہ اس میں مسلمانوں کی ذلت ہے، بلکہ جنگ کر کے ان مسکمانوں کو چھڑانا چاہئے، لیکن اگر کوئی صورت نہ ہو، اور مسلمانوں کی ہلاکت کا خطرہ ہو تو مال دے دے، کیونکہ کسی طرح بھی ہو مسلمانوں کو ہلاکت سے بچانا ضروری ہے۔

ترجمہ: (۲۷۶۷) مناسب نہیں ہے کہ حربیوں ہتھیار بیچے، اور نہ ہتھیار اس کی طرف روانہ کرے۔

ترجمہ: ا؎ اس لئے کہ حضورؐ نے حربیوں سے ہتھیار بیچنے سے منع کیا ہے، اور اس کی طرف ہتھیار بھیجنے سے بھی منع کیا ہے،

الْمُسْلِمِينَ فَيُمْنَعُ مِنْ ذٰلِكَ وَكَذَا الْكُرَاعُ لِمَا بَيَّنَّا، وَكَذٰلِكَ الْحَدِيدُ لِأَنَّهُ أَصْلُ السِّلَاحِ، ٢ وَكَذَا بَعْدَ الْمُوَادَعَةِ؛ لِأَنَّهَا عَلَى شَرَفِ النَّقْضِ أَوِ الِانْقِضَاءِ فَكَانُوا حَرْبًا عَلَيْنَا، ٣ وَهٰذَا هُوَ الْقِيَاسُ فِي الطَّعَامِ وَالثَّوْبِ، إِلَّا أَنَّا عَرَفْنَاهُ بِالنَّصِّ "فَإِنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَمَرَ ثُمَامَةَ أَنْ يَمِيرَ أَهْلَ مَكَّةَ وَهُمْ حَرْبٌ عَلَيْهِ".

اوراس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے مسلمانوں کے خلاف اس کی قوت بڑھ جائے گی اس لئے اس سے روکا جائے گا، ایسے ہی گھوڑے وغیرہ بھی بھیجنا ممنوع ہوگا، ایسے لوہا بیچنا بھی ممنوع ہوگا، کیونکہ اسی سے ہتھیار بنتا ہے۔

تشریح: جنگ کے زمانے میں حربیوں سے ہتھیار بیچنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس سے وہ ہمارے مقابلے میں قوی ہوجائیں گے، اسی طرح گھوڑا، یا لوہا بیچنا بھی جائز نہیں ہوگا، کیونکہ یہ بھی جنگ کا سامان ہے۔

وجہ: (۱) صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے **عن عمران بن حصین ان رسول الله ﷺ نهى عن بيع السلاح فى الفتنة** ۔ (طبرانی، باب عبداللہ اللقیطی عن ابی رجاء، ج ۱۸، ص ۱۳۶، نمبر ۲۸۶ رسنن بیہقی، کتاب البوع، باب کراہیۃ بیع العصیر ممن یعصر الخمر والسیف ممن یعصی اللہ عزوجل، ج خامس، ص ۵۳۵، نمبر ۱۰۷۸۰) اس حدیث میں ہے کہ فتنہ میں اہل فتنہ سے ہتھیار بیچنا جائز نہیں ہے۔ (۲) قول تابعی میں ہے۔ **عن الحسن قال لا يبعث الى اهل الحرب شىء من السلاح والكراع ولا ما يستعان على السلاح والكراع** (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۳۱ ما یکرہ ان تحمل الی العدو فیتقوی بہ، ج سادس، ص ۵۱۲، نمبر ۳۳۳۶۱) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ حربیوں کو ہتھیار نہیں دینا چاہئے۔

ترجمہ: ٢ اسی طرح اس سے مصالحت کی حالت میں بھی ہتھیار بیچنا ممنوع ہوگا، اس لئے کہ یہ مصالحت ٹوٹنے کے قریب ہے، یا مدت ختم ہونے پر مصالحت ٹوٹ جائے گی، تو اس کا نقصان ہم ہی لوگوں کو ہوگا۔

تشریح: حربیوں سے کچھ سالوں کے مصالحت ہوگئی اس دوران بھی ان سے ہتھیار بیچنا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ یہ مصالحت ٹوٹ سکتی ہے، یا مصالحت کی معیاد پر وہ ختم ہوجائے گی، اور بعد میں وہ ہم سے جنگ کریں گے تو ہتھیار بیچنے کا نقصان ہم کو ہی ہوگا اس لئے مصالحت کے دوران میں بھی ان سے ہتھیار بیچنا جائز نہیں ہے

ترجمہ: ٣ کھانے اور کپڑے وغیرہ میں بھی قیاس یہی ہے کہ کفار کو نہ بھیجیں، لیکن حدیث میں اس کی اجازت موجود ہے اس لئے کہ حضرت ثمامہ بن اثال کو حضورؐ نے اہل مکہ کو غلہ بھیجنے کا حکم دیا تھا، حالانکہ وہ لوگ اس وقت حضورؐ سے جنگ کی حالت میں تھے۔

تشریح: قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ کفار کو کھانا اور کپڑا بھی نہ دیا جائے، لیکن چونکہ حدیث ہے کہ حضور نے اہل مکہ کے لئے کھانا دینے کی اجازت دی ہے اس لئے کھانا، کپڑا وغیرہ دینا جائز ہے۔

وجہ صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **فخرج ثمامة حتى اتى حائطا من حيطان المدينة ......فكتبوا الى رسول الله يسألونه بأرحامهم ان يكتب الى ثمامة يخلى حمل الطعام ففعل رسول الله** ﷺ (دلائل النبوۃ للبیہقی، باب سریۃ نجد، ج رابع، ص ۸۰)اس حدیث میں ہے کہ حضور نے حضرات ثمامہ کو اہل مکہ کے لئے کھانا دینے کے لئے کہا۔

لغت: یمیر: غلہ دے۔ ثمامہ: ایک صحابی کا نام ہے۔ جس نے اہل مکہ کا غلہ بند کیا تھا۔

﴿فَصۡلٌ فی احکام﴾

(۲۷۶۸) إذَا أَمَّنَ رَجُلٌ حُرٌّ أَوْ امْرَأَةٌ حُرَّةٌ كَافِرًا أَوْ جَمَاعَةً أَوْ أَهْلَ حِصْنٍ أَوْ مَدِينَةٍ صَحَّ أَمَانُهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لِأَحَدٍ مِنْ الْمُسْلِمِينَ قِتَالُهُمْ ۝۱ وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "الْمُسْلِمُونَ تَتَكَافَأُ دِمَاؤُهُمْ وَيَسْعَى بِذِمَّتِهِمْ أَدْنَاهُمْ" أَيْ أَقَلُّهُمْ وَهُوَ الْوَاحِدُ،

﴿فصل امان کے احکام﴾

ترجمہ :(۲۷۶۸) اگر امان دیدے آزاد مرد یا آزاد عورت کافر کو یا جماعت کو یا اہل قلعہ کو یا اہل شہر کو تو اس کا امان دینا صحیح ہے۔اور کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے اس کا قتل کرنا۔

ترجمہ :۱ اس بارے میں اصل حضور ﷺ کا قول ہے کہ مسلمان کا خون برابر ہے اور ادنی آدمی بھی ذمہ داری لے لے تو ہر ایک پر لازم ہے کہ اس کو نبھائے

تشریح :کسی کافر کو یا کافر کی جماعت کو یا قلعے والے کو یا شہر والے کو آزاد مرد یا آزاد عورت امن دیدے تو سارے مسلمانوں کی جانب سے امن سمجھا جائے گا۔اب کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کو قتل کرے۔ہاں! اگر اس کو امن دینے میں کوئی خرابی ہے تو امام باضابطہ اس کے امن توڑنے کا اعلان کرے۔پھر اس کے ساتھ جو معاملہ ہو کیا جائے۔

وجہ :(۱) امان دینا ایک قسم کا عہد کرنا ہے کہ تم کو نہیں ماریں گے۔اب اس کے خلاف کرنا قرآن میں مذموم ہے اس لئے یہ نہ کرے۔آیت یہ ہے۔**الذین عاهدت منهم ثم ينقضون عهدهم فی كل مرة وهم لا يتقون** (آیت ۵۶،سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں عہد توڑنا کفار کی علامت بتائی گئی ہے اس لئے عہد توڑنا اچھا نہیں ہے (۲) حدیث میں ہے کہ۔**قال خطبنا علیؓ فقال ما عندنا كتاب نقرؤه الا كتاب الله وما فی هذه الصحيفة ... وذمة المسلمين واحدة فمن اخفر مسلما فعليه مثل ذلک** (بخاری شریف، باب ذمۃ المسلمین وجوارھم واحدۃ یسعی بھا ادناھم،ص ۴۵۰،نمبر ۳۱۷۲ / مسلم شریف، باب فضل المدینۃ ودعاء النبی ﷺ فیھا بالبرکۃ الخ ،ص ۴۴۰ ،نمبر ۱۳۷۰ / ۳۳۲۷،کتاب الحج) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک مسلمان کی ذمہ داری لینے سے تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہو جاتی ہے۔اس لئے کسی کو توڑنا نہیں چاہئے۔(۳) صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔**المؤمنون تكافأ دماوئهمو هم يد علی من سواهم و يسعی بذمتهم ادناهم** ۔(ابوداود شریف، باب ایقاد المسلم من الکافر،ص ۶۴۱،نمبر ۴۵۳۰)(۴) اور عورت کے امان کے سلسلے میں یہ حدیث ہے۔**انه سمع ام هانی ابنة ابی طالب تقول ... فقلت يا رسول الله ! زعم ابن امی علیؓ انه قاتل**

۲ وَلِأَنَّهُ مِنْ أَهْلِ الْقِتَالِ فَيَخَافُونَهُ إِذْ هُوَ مِنْ أَهْلِ الْمَنَعَةِ فَيَتَحَقَّقُ الْأَمَانُ مِنْهُ لِمُلَاقَاتِهِ مَحَلَّهُ ثُمَّ يَتَعَدَّى إِلَى غَيْرِهِ، ۳ وَلِأَنَّ سَبَبَهُ لَا يَتَجَزَّأُ وَهُوَ الْإِيمَانُ، وَكَذَا الْأَمَانُ لَا يَتَجَزَّأُ فَيَتَكَامَلُ كَوِلَايَةِ الْإِنْكَاحِ.

(۲۷۶۹) قَالَ: إِلَّا أَنْ يَكُونَ فِي ذَلِكَ مَفْسَدَةٌ. فَيَنْبِذُ إِلَيْهِمْ،

رجلا قد اجرته فلان بن هبيرة ،فقال رسول الله ﷺ قد اجرنا من اجرت يا ام هانی. قالت ام هانی ذلک ضحی (بخاری شریف، باب امان النساء وجوارھن، ص۴۴۹، نمبر ۳۱۷۱/ابوداؤد شریف، باب فی امان المرأۃ، ج۲، ص۲۴، نمبر ۲۷۶۳) اس حدیث میں حضرت ام ھانیؓ نے امن دیا تو حضورؐ کی جانب سے امن مانا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورت امن دے تب بھی سب کی جانب سے امن ہو جائے گا۔

تتکافأ دماؤہم:: تتکافأ: کفو سے مشتق ہے۔ تتکافأ دماؤہم: سب کا خون برابر ہے۔ یسعی بذمتہم ادناھم: اس کی ذمہ داری پوری کرنے کے لئے ادنی آدمی بھی کوشش کرے۔ وھوالواحد: یہ معترضہ جملہ ہے، سب مسلمان ایک ہی طرح ہیں

ترجمہ: ۲ اس لئے کہ ہر مسلمان قتال کی طاقت رکھتا ہے اس لئے کفار اس سے ڈریں گے، اس لئے کہ مسلمان دفعہ کرنے کی طاقت رکھتا ہے اس لئے اس سے امن دینا متحقق ہو سکتا ہے، کیونکہ وہ امن دینے کا محل ہے، پھر اس امن کی ذمہ دارے دوسرے تک بھی جائے گی۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے اور پیچیدہ ہے۔ ہر مسلمان قتال کی طاقت رکھتا ہے اس لئے کفار اس سے ڈریں گے، پس جہاں خوف کی جگہ ہے وہیں سے امن بھی مل سکتا ہے، اس لئے ہر مومن کو امن دینے کا حق ہے۔ اور جب ایک آدمی سے امن مل گیا، تو پھیل کر دوسروں کی بھی ذمہ داری ہو جائے گی۔

لغت: منعۃ: طاقت، قدرت، دفعہ کرنے کی طاقت۔ لملاقاتہ محلّہ: جہاں خوف ہے امن وہیں ملا ہے

ترجمہ: ۳ اس لئے کہ امن کا سبب ایمان ہے جو ٹکڑا نہیں ہوتا، اسی طرح امن میں بھی ٹکڑا نہیں ہوگا اس لئے کامل ہوگا، جیسے نکاح کی ولایت میں ٹکڑا نہیں ہوتا، [اس لئے سب کی ذمہ داری ہوگی]

تشریح: یہ دوسری دلیل عقلی ہے، کہ امن دینے کا سبب ایمان ہے، جو سب مسلمانوں میں ہے، اس لئے اس میں ٹکڑا نہیں ہے، اس لئے امن میں بھی ٹکڑا نہیں ہوگا، یعنی ایک آدمی نے امن دیا تو سب کی ذمہ داری ہے کہ اس کو نبھائے۔

ترجمہ: (۲۷۶۹) مگر یہ کہ اس میں کوئی خرابی ہو۔ پس امام ان کے امن دینے کو توڑ دے۔

تشریح: اگر امن برقرار رکھنے میں کوئی فساد ہو تو امام کو چاہئے کہ اعلان کر کے امن توڑے تا کہ وہ غفلت میں نہ رہے اور ہم عہد توڑنے کے مرتکب نہ ہوں۔

لے کَمَا إِذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ بِنَفْسِهِ ثُمَّ رَأَى الْمَصْلَحَةَ فِي النَّبْذِ وَقَدْ بَيَّنَّاهُ. ۲ے وَلَوْ حَاصَرَ الْإِمَامُ حِصْنًا وَأَمِنَ وَاحِدٌ مِنَ الْجَيْشِ وَفِيهِ مَفْسَدَةٌ يَنْبِذُ الْإِمَامُ لِمَا بَيَّنَّا،وَيُؤَدِّبُهُ الْإِمَامُ لِافْتِيَاتِهِ عَلَى رَأْيِهِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ فِيهِ نَظَرٌ لِأَنَّهُ رُبَّمَا تَفُوتُ الْمَصْلَحَةُ بِالتَّأْخِيرِ فَكَانَ مَعْذُورًا،

(۲۷۷۰) وَلَا يَجُوزُ أَمَانُ ذِمِّيٍّ

وجه:(۱)اس آیت میں اس کا ثبوت ہے۔واما تخافن من قوم خیانة فانبذ الیھم علی سواء ان الله لا یحب الخائنین (سورۃ الانفال ۸)اس آیت میں ہے کہ کسی قوم سے خیانت کا خطرہ ہوتو علی الاعلان اس کا عہد توڑ دو۔اس لئے امام کو فساد کا خطرہ ہوتو علی الاعلان امان کو توڑ دے اور اس کی اطلاع دے۔

لغت:اَمَّن : باب تفعیل سے ہے،امن سے مشتق ہے امن دے، اہل حصن : قلعہ والے، ینبذ الیھم : نبذ سے مشتق ہے پھینکنا، یہاں مراد ہے عہد توڑنا،اور اس کی اطلاع دینا۔

ترجمہ:لے جیسے خود امام امن دے پھر اس کو توڑنے میں مصلحت دیکھے[تو امام امن توڑ دے اور کفار کو اس کی اطلاع دے دے]اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے بیان کی۔

تشریح:امام نے امن دیا، پھر محسوس ہوا کہ اس میں مصلحت نہیں ہے تو امن کو توڑ کر کفار کو اس کی اطلاع دے گا،اسی طرح کسی عام مسلمان نے امن دیا، جو مصلحت کے خلاف ہے تو امام اس کو توڑ کر کفار کو اس کی اطلاع کرے گا۔مصالحت کے باب میں یہ گزرا کہ اس کی اطلاع اس لئے دیگا کہ وہ ہم کو دھوکہ باز نہ کہے۔

ترجمہ:۲ے اگر امام نے کسی قلعہ کا محاصرہ کیا،اور لشکر میں سے کسی نے امن دے دیا،اور اس میں فساد ہے تو امام اس امن کو توڑ دے گا،جیسا کہ ہم نے مصالحت کے باب میں ذکر کیا[کہ یہ صورت اور معنی دونوں اعتبار سے جہاد کو چھوڑنا ہے]اور امام اس امن دینے والے کو تنبیہ کرے گا اپنی رائے کو ترجیح دینے کی وجہ سے، بخلاف اگر اس امن دینے میں مصلحت ہوتو امن دینے والے کو تنبیہ نہیں کرے گا، کیونکہ تاخیر کرنے کی وجہ سے کبھی مصلحت فوت ہوسکتی ہے اس لئے امن دینے والا معذور تھا۔

تشریح:امام نے کسی قلعہ کا محاصرہ کیا اور اسی دوران کسی لشکری نے کفار کو امن دے دیا،اور امام اس کو مصلحت کے خلاف سمجھتا ہے تو اس امن کو توڑے گا اور کفار کو اس کی اطلاع بھی کرے گا،اور اس لشکری کو تنبیہ بھی کرے گا، کیونکہ اپنی رائے امام پر تھوپتا ہے،لیکن اگر یہ امن مصلحت کے موافق ہوتو اس کو تنبیہ نہیں کرے گا، کیونکہ اس نے اچھا ہی کیا ہے، ایسا ممکن ہے کہ امن دینے میں تاخیر ہوتی تو مصلحت فوت ہوجاتی،اسلئے امن دینے والا معذور ہے۔

ترجمہ:(۲۷۷۰)ذمی کا امان دینا جائز نہیں۔

ل لِأَنَّهُ مُتَّهَمٌ بِهِمْ، وَكَذَا لَا وِلَايَةَ لَهُ عَلَى الْمُسْلِمِينَ.

(۱۷۷۲) قَالَ: وَلَا أَسِيرٍ وَلَا تَاجِرٍ يَدْخُلُ عَلَيْهِمْ ل لِأَنَّهُمَا مَقْهُورَانِ تَحْتَ أَيْدِيهِمْ فَلَا يَخَافُونَهُمَا

ترجمہ: ل اس لئے کہ ذمی پر یہ تہمت ہے کہ وہ اپنے کافر کو امان دے رہا ہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ ذمی کو مسلمان پر ولایت نہیں ہے۔

تشریح: ہمارے دارالاسلام میں کوئی کافر ذمی بن کر رہ رہا ہو وہ کسی حربی کو امان دے تو اس کا امان دینا جائز نہیں ہے۔

وجہ: (۱) ذمی تو مسلمان نہیں ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ کوئی مسلمان حربی کو امان دے تو سب کو اس کا لحاظ کرنا چاہئے۔ اس لئے ذمی کے امان دینے کا اعتبار نہیں ہے (۲) حدیث میں اس کی وضاحت ہے۔ خطبنا علی بن ابی طالب قال ... وذمة المسلمين واحدة يسعى بها ادناهم. (۲) اور اگلی روایت میں یہ زیادتی ہے .فمن اخفر مسلما فعليه لعنة الله والملائكة والناس اجمعين. لا يقبل منه يوم القيامة صرف ولا عدل (مسلم شریف، باب فضل المدینۃ ودعاء النبی علیہ فیھا بالبرکۃ، ص ۴۴۰، نمبر ۱۳۷۰/۳۳۲۷/ بخاری شریف، باب ذمۃ المسلمین وجوارھم واحدۃ یسعی بھا ادناھم ،ص ۴۵۰، نمبر ۳۱۷۲) اس حدیث میں ہے ذمۃ المسلمین جس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کا امان قابل لحاظ ہے ذمی کا نہیں (۳) ذمی تو یوں بھی بلا وجہ حربی کی رعایت کرے گا اس طرح امان کا خیال رکھیں تو حربی سے جنگ ہی نہیں کر سکیں گے۔ اس لئے بھی ذمی کے امان کا اعتبار نہیں ہے۔ (۴) اور ایک بات یہ بھی ہے کہ ذمی کا مسلمان پر ولایت نہیں ہے اس لئے ذمی امن دے گا تو یہ امن مسلمان پر لاگو نہیں ہوگا، اس لئے ذمی کے امن دینے کا اعتبار نہیں ہے۔

ترجمہ: (۱۷۷۲) اور نہ قیدی کا اور نہ ایسے تاجروں کا جو ان کے یہاں جاتے ہوں۔

تشریح: ہمارا کوئی قیدی ان کے ہاتھوں میں قید ہو اور وہ کسی حربی کو امان دیدے تو اس کے امان کا اعتبار نہیں ہے۔ یا مسلمان تجارت کرنے کے لئے دار الحرب جاتا ہو وہ تاجران سے متأثر ہو کر کسی حربی کو امان دے تو اس امان کا اعتبار نہیں ہے۔

وجہ: قیدی کے امان کا اس لئے اعتبار نہیں کہ وہ ان کے ہاتھوں میں مجبور ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ وہ ہر حربی کو امان دے دیگا تو پھر جنگ کیسے کریں گے۔ اس لئے قیدی کے امان دینے کا اعتبار نہیں ہے۔ اسی طرح ہمارے تجار جو دار الحرب جاتے ہیں وہ ان سے متأثر ہو کر یا سامان چھیننے کے خوف سے امان دیں گے دل کی آزادگی اور دل کی خوشی سے امان نہیں دیں گے۔ اس لئے ان کے امان کا بھی اعتبار نہیں ہے۔

لغت: اسیر: قیدی۔

ترجمہ: ل اس لئے کہ یہ قیدی اور تاجر کافروں کے ہاتھ میں مجبور ہیں، تو کفار ان دونوں سے ڈر نہیں رہے ہیں، اور امن

وَالْأَمَانُ يَخْتَصُّ بِمَحَلِّ الْخَوْفِ وَلِأَنَّهُمَا يُجْبَرَانِ عَلَيْهِ فِيهِ فَيَعْرَى الْأَمَانُ عَنْ الْمَصْلَحَةِ، وَلِأَنَّهُمْ كُلَّمَا اشْتَدَّ الْأَمْرُ عَلَيْهِمْ يَجِدُونَ أَسِيرًا أَوْ تَاجِرًا فَيَتَخَلَّصُونَ بِأَمَانِهِ فَلَا يَنْفَتِحُ لَنَا بَابُ الْفَتْحِ.

۲۔ وَمَنْ أَسْلَمَ فِي دَارِ الْحَرْبِ وَلَمْ يُهَاجِرْ إلَيْنَا لَا يَصِحُّ أَمَانُهُ لِمَا بَيَّنَّا

(۲۷۷۲) وَلَا يَجُوزُ أَمَانُ الْعَبْدِ الْمَحْجُورِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ إلَّا أَنْ يَأْذَنَ لَهُ مَوْلَاهُ فِي الْقِتَالِ. وَقَالَ مُحَمَّدٌ يَصِحُّ ،

وہاں سے دیا جاتا ہے جہاں خوف ہو، اور ایک بات یہ بھی ہے کہ کفار ان دونوں کو امان دینے پر مجبور کریں گے، اس لئے یہ امن مصلحت سے خالی ہے، اور اس لئے کہ جب جب جنگ کا معاملہ شدت پکڑے گا تو یہ لوگ قیدی اور تاجر کو پکڑیں گے اور امن لیکر چھوٹ جائیں گے، اس طرح فتح کا دروازہ ہی نہیں کھلے گا۔

تشریح: کفار کے ہاتھ میں جو مسلمان قید ہے، یا جو مسلمان دار الحرب تجارت کے لئے گیا ہے، ان کی امان دینے کا اعتبار نہیں ہے، اس کی چار وجہ بیان کر رہے ہیں [۱] یہ دونوں کفار کے ہاتھ میں مجبور ہیں [۲] امن وہ دے جس سے خوف ہو، اور ان دونوں سے کفار خوف نہیں ہے، اس لئے انکے امن کا بھی اعتبار نہیں ہے [۳] کفار ان دونوں کو امن دینے پر مجبور کریں گے، اس لئے یہ امن مصلحت کے خلاف ہے، اور اوپر گزرا کہ جو امن مصلحت کے خلاف ہو اس کو توڑ دیا جائے گا۔ [۴] جب کبھی جنگ کا معاملہ سخت ہوگا تو کفار قیدی کو اور تاجر کو پکڑ کر امن لینے کی کوشش کرے گا اور مسلمان کے ہاتھ سے چھوٹ جائے تو اس طرح کبھی مسلمان کی فتح ہی نہیں ہو پائے گی۔ اس لئے ان چار وجہ سے ان لوگوں کے امان کا اعتبار نہیں ہے۔

ترجمہ: ۲۔ جو آدمی دار الحرب میں مسلمان ہوا اور ابھی تک دار الاسلام میں ہجرت نہیں کی اس کا امن دینا صحیح نہیں ہے اس دلیل کی بنا پر جو بیان کی، کہ وہ کفار کے ہاتھوں مجبور ہے۔

تشریح: جو آدمی دار الحرب میں مسلمان ہوا اور ابھی تک دار الاسلام میں ان کا امن دینا اوپر کی چار وجہ سے صحیح نہیں ہے۔

ترجمہ: (۲۷۷۲) امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مجور غلام کا امن دینا جائز نہیں ہے مگر یہ کہ اس کا آقا قتال کرنے کی اجازت دے۔ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ اس کا امن دینا صحیح ہے۔

تشریح: آقا اگر غلام کو جنگ کرنے کی اجازت دی ہو پھر وہ غلام کسی حربی کو امن دے تو اس کا لحاظ کیا جائے گا۔ اور اگر جنگ کی اجازت نہ دی ہو تو اس کے امان کا اعتبار نہیں ہے۔ یہ امام ابو حنیفہؒ کی نزدیک ہے۔

وجہ: (۱) جب وہ جنگ نہیں کر سکتا تو امان بھی نہیں دے سکتا۔ کیونکہ امن دینا جنگ کے عوارض میں سے ہے۔ اس لئے جب جنگ کا مجاز نہیں تو امان دینے کا مجاز نہیں ہونا چاہئے۔ (۲) مصنف نے ایک نکتہ بیان کیا تھا کہ امن وہ دے سکتا ہے جس سے

ل ٌ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ، وَأَبُو يُوسُفَ مَعَهُ فِيْ رِوَايَةٍ، وَمَعَ أَبِي حَنِيفَةَ فِيْ رِوَايَةٍ لِمُحَمَّدٍ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "أَمَانُ الْعَبْدِ أَمَانٌ" رَوَاهُ أَبُو مُوسَى الْأَشْعَرِيُّ، وَلِأَنَّهُ مُؤْمِنٌ مُمْتَنِعٌ فَيَصِحُّ أَمَانُهُ اعْتِبَارًا بِالْمَأْذُونِ لَهُ فِي الْقِتَالِ،

کفار کو خوف ہو، اور جب غلام کو جنگ کی اجازت نہیں ہے تو اس سے کفار کو خوف بھی نہیں ہے اس لئے وہ امن بھی نہیں دے سکتا۔ (۳) آگے ایک قول صحابی آرہا ہے جس میں ہے کہ **العبد لایقدر علی شیء** جس کا مطلب یہ ہوا کہ صحابہ جانتے تھے کہ غلام امان نہیں دے سکتا ہے۔

ترجمہ: ل یہی امام شافعیؒ کا قول ہے، اور امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت شافعیؒ کے ساتھ ہے، اور دوسری روایت ابوحنیفہؒ کے ساتھ ہے۔ امام محمدؒ کی دلیل حضور علیہ السلام کا قول ہے کہ غلام کا امن بھی امن ہے اس کو حضرت ابو موسی اشعریؓ نے روایت کی ہے، اور اس لئے بھی کہ وہ مومن ہے اور کفار سے دفعیہ کرنے والا ہے اس لئے اس کے امن کا اعتبار ہوگا، جیسے اس کو قتال کی اجازت ہوتی تو اس کو امن دینے کی اجازت ہوتی۔

تشریح: یہاں عبارت بہت پیچیدہ ہے۔ امام شافعیؒ اور امام محمدؒ کی رائے یہ ہے کہ غلام کو چاہے جنگ کی اجازت ہو یا نہ ہو ہر حال میں اس کو امن دینے کا حق ہے۔

وجہ: (۱) صاحب ہدایہ کا قول صحابی یہ ہے۔ **عن فضیل الرقاشی قال ... فقالوا امنتمونا واخرجوا الینا السہم، فیہ کتاب امانہم فقلنا ہذا عبد والعبد لا یقدر علی شیء قالوا لا ندری عبدکم من حرکم وقد خرجوا بامان قلنا فارجعوا بامان قالوا لا نرجع الیہ ابدا فکتبنا الی عمرؓ بعض قصتہم فکتب عمرؓ ان العبد المسلم من المسلمین امانہ امانہم** (مصنف عبد الرزاق، باب الجوار وجوار العبد والمرأۃ، ج خامس، ص ۱۵۲، نمبر ۹۴۹۹ رسنن للبیہقی، باب امان العبد، ج تاسع، ص ۱۶۰، نمبر ۱۸۱۷۰) (۲) وہ بھی مسلمان ہے اور مسلمان کے امان کا اعتبار ہے۔ اس لئے غلام کے امان کا اعتبار ہوگا، حدیث گزر چکی، **ذمۃ المسلمین واحدۃ یسعی بہا ادناہم** (مسلم شریف، باب فضل المدینۃ ودعاء النبی ﷺ فیہا بالبرکۃ، ص ۴۴۰، نمبر ۱۳۷۰) (۲) حدیث میں اس کی صراحت ہے۔ **عن علی بن ابی طالب قال رسول اللہ ﷺ لیس للعبد من الغنیمۃ شیء الاخرثیء المتاع وامانہ جائز اذا ہو اعطی القوم الامان** (سنن للبیہقی، باب امان العبد، ج تاسع، ص ۱۶۰، نمبر ۱۸۱۷۲ رمصنف ابن ابی شیبۃ ۱۳۴ فی امان المرأۃ والمملوک، ج سادس، ص ۵۱۴، نمبر ۳۳۳۸۳) اس حدیث میں صراحت ہے کہ غلام چاہے جنگ میں شریک نہ ہو اس کے امان کا اعتبار ہے۔ اس لئے غلام کے امان کا اعتبار ہوگا۔ (۳) جس طرح قتال کی اجازت والا غلام امن دے سکتا ہے اسی پر قیاس

۲؎ وَبِالْمُؤَيَّدِمِنْ الْأَمَانِ،۳؎ فَالْإِيمَانُ لِكَوْنِهِ شَرْطًالِلْعِبَادَةِ،وَالْجِهَادُ عِبَادَةٌ،۴؎ وَالامْتِنَاعُ لِتَحَقُّقِ إزَالَةِ الْخَوْفِ بِهِ،۵؎ وَالتَّأْثِيرُ إعْزَازُالدِّينِ وَإِقَامَةُ الْمَصْلَحَةِ فِي حَقِّ جَمَاعَةِ الْمُسْلِمِينَ،إذْالْكَلامُ فِي مِثْلِ هَذِهِ الْحَالَةِ،۶؎ وَإِنَّمَالَايَمْلِكُ الْمُسَايَفَةُ لِمَافِيهِ مِنْ تَعْطِيلِ مَنَافِعِ الْمَوْلَى وَلَاتَعْطِيلَ فِي مُجَرَّدِ الْقَوْلِ.

کر کے جس کو جنگ کی اجازت نہیں ہے وہ بھی کفار کو امن دے سکتا ہے۔

ترجمہ :۲؎ اور موبد امان پر قیاس کرتے ہوئے۔

تشریح : موبد امان: ہمیشہ کا امن۔ کافر نے مجور غلام سے ذمی بننے کی خواہش کی، غلام نے ذمی بننے کی خط تحریر کردی تو وہ ذمی بن جائے گا، اس کو موبد امان، کہتے ہیں، پس جس طرح مجور غلام موبد امان دے سکتا ہے اسی پر قیاس کر کے فوری امان بھی دے سکتا ہے، یہ امام محمدؒ کا قیاس ہے۔

ترجمہ :۳؎ ایمان عبادت کے لئے شرط ہے اور جہاد بھی عبادت ہے [اس لئے جب مجور غلام میں ایمان ہے تو وہ امن بھی دے سکتا ہے]

تشریح :اوپر مومن، ممتنع، کہا ہے اس کی تشریح کر رہے ہیں، کہ غلام میں مومن ہونے کی شرط اس لئے ہے کہ جہاد ایک عبادت ہے اور عبادت ادا ہونے کے لئے ایمان کی شرط ہے، اس لئے امن دینے والا غلام مومن ہو تب اس کا امن دینا جائز ہوگا۔

ترجمہ:۴؎ غلام میں دفعیہ کرنے کی طاقت ہو کیونکہ دفعیہ کرنے کی طاقت ہوگی تو اس کے امن دینے سے کفار کا خوف ختم ہوگا۔

تشریح :اوپر کہا تھا کہ غلام ممتنع ہو یعنی دفعیہ کرنے کی طاقت ہو کیونکہ دفعیہ کرنے کی طاقت ہوگی تو اسکے امن دینے سے خوف ختم ہوگا۔

ترجمہ :۵؎ اور اس کی تاثیر یہ ہے کہ دین کو بلند کرنا ہے اور مسلمان کی جماعت کے حق میں مصلحت کو قائم کرنا ہے، اس لئے اس قسم کی حالت کے بارے میں کلام ہے۔

تشریح :غلام بھی امن دے دے اس کا مقصد یہ ہے کہ دین کی بلندی حاصل ہو جائے، اور مسلمانوں کے بارے میں مصلحت کی رعایت ہو جائے۔

ترجمہ :۶؎ مجور غلام قتال اس لئے نہیں کر سکتا کہ اس سے آقا کے منافع ضائع ہوں گے، اور صرف بات سے امن دینے میں منافع ضائع نہیں ہوں گے۔

تشریح : یہ بھی امام محمدؒ کی دلیل ہے کہ مجور غلام قتال اس لئے نہیں کر سکتا کہ اس سے آقا کا حق ضائع ہوگا، اور امن دینے میں اس کا حق ضائع نہیں ہوتا ہے اس لئے امن دے سکتا ہے۔

ے وَلِأَبِی حَنِیفَةَ أَنَّهُ مَحجُورٌ عَنُ الْقِتَالِ فَلا یَصِحُّ أَمَانُهُ لِأَنَّهُمُ لا یَخافُونَهُ فَلَمُ یُلاقِ الْأَمَانُ مَحَلَّهُ، بِخِلَافِ الْمَأْذُونِ لَهُ فِيُ الْقِتَالِ لِأَنَّ الْخَوفَ مِنهُ مُتَحقِّقٌ،٨ وَلِأَنَّهُ إِنَّمَا لَا یَمْلِکُ الْمُسَایَفَةَ لِمَا أَنَّهُ تَصَرُّفٌ فِيُ حَقِّ الْمُوَلَّی عَلَی وَجْهٍ لَا یُعْرِی عَنُ احتِمَالِ الضَّرَرِ فِيُ حَقِّهِ، وَالْأَمَانُ نَوْعُ قِتَالٍ وَفِیهِ مَا ذَکَرْنَاهُ؛ لِأَنَّهُ قَدْ یُخطِءُ بَلْ هُوَ الظَّاهِرُ، وَفِیهِ سَدُّ بَابِ الِاسْتِغْنَامِ، ٩ بِخِلَافِ الْمَأْذُونِ لِأَنَّهُ رَضِیَ بِهِ وَالْخَطَأُ نَادِرٌ لِمُبَاشَرَتِهِ الْقِتَالَ، ١٠ وَبِخِلَافِ الْمُؤَبَّدِ لِأَنَّهُ خَلَفٌ عَنْ الْإِسْلَامِ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الدَّعْوَةِ إِلَیْهِ، وَلِأَنَّهُ مُقَابَلٌ بِالْجِزْیَةِ وَلِأَنَّهُ مَفْرُوضٌ عِنْدَ مَسْأَلَتِهِمْ ذَلِکَ، وَإِسْقَاطُ الْفَرْضِ نَفْعٌ فَافْتَرَقَا.

ترجمہ :ے اورامام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ قتال سے روکا گیا ہے تو اس کا امن دینا صحیح نہیں ہوگا اس لئے کہ کفار اس سے نہیں ڈرے گا تو امن دینا بھی اپنی جگہ پر نہیں ہے، بخلاف جس کو قتال کی اجازت دی ہو اس لئے کہ اس سے خوف متحقق ہے۔

تشریح :امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ جس غلام کو لڑنے کی اجازت نہیں ہے اس سے کفار کو خوف نہیں ہے، اس لئے اس کو امن دینا بھی جائز نہیں ہوگا، اور جس کو لڑنے کی اجازت ہے اس سے کفار کو خوف ہوگا تو اس سے امن دینا بھی برمحل ہوگا۔

ترجمہ :٨ اور اس لئے کہ مجور غلام قتال کا مالک نہیں ہے آقا کے حق میں ایسا تصرف ہوگا جو اس کو نقصان دے گا اور امن دینا بھی ایک قسم کا قتال ہے، اور اس بارے میں جیسا کہ ہم نے ذکر کیا کہ گلام غلطی کر سکتا ہے، بلکہ غلطی کا امکان زیادہ ہے، اور اس غلطی کی وجہ سے آقا کو مال غنیمت میں بھی حصہ نہیں ملے گا۔

اس لمبی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ، امن دینا بھی ایک قسم کا قتال ہے، اور آقا نے قتال کرنے سے منع کیا ہے اس لئے یہ امن بھی نہیں دے سکتا ہے، دوسری بات یہ کہہ رہے ہیں کہ مجور غلام امن دے گا تو کوئی نقصان ضرور کرے گا، کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی ایسا نقصان کرلے جس سے آقا کو مال غنیمت بھی نہ ملے اس لئے اس کو امن دینے کا اختیار نہیں دیا جائے گا۔

ترجمہ:٩ بخلاف جس کو قتال کی اجازت دی ہو تو اس کی غلطی پر آقا راضی ہے، اور قتال کرنے کی وجہ سے اس میں غلطی کم ہوتی ہے۔

تشریح :جس کو قتال کی اجازت دی ہے تو آقا اس کی غلطی پر راضی ہے، دوسری بات یہ ہے کہ قتال میں شرکت کی وجہ سے اس میں کم غلطی ہوتی ہے اس لئے اس کو امن دینے کا اختیار ہے۔

ترجمہ:١٠ بخلاف موبد، یعنی ذمی بنانے کو قبول کرنے کے، اس لئے کہ وہ قتال کا خلیفہ نہیں بلکہ اسلام لانے کا خلیفہ ہے اور اسلام کی دعوت دینے کے درجے میں ہے، اور اس لئے کہ اس کے مقابلے میں جزیہ آئے گا، بلکہ ذمی بننے کی درخواست کرے تو اس کو ذمی بنانا فرض ہے، اور فرض کو ساقط کرنے میں نفع ہے اس لئے امن دینے میں اور ذمی بنانے میں فرق ہوگیا۔

ا ا۔ وَلَوْ أَمِنَ الصَّبِيُّ وَهُوَ لا يَعْقِلُ لا يَصِحُّ كَالْمَجْنُونِ وَإِنْ كَانَ يَعْقِلُ وَهُوَ مَحْجُورٌ عَنْ الْقِتَالِ فَعَلَى الْخِلَافِ، وَإِنْ كَانَ مَأْذُونًا لَهُ فِي الْقِتَالِ فَالْأَصَحُّ أَنَّهُ يَصِحُّ بِالِاتِّفَاقِ.

تشریح : یہاں سے ذمی بنانے اور امن دینے میں تین فرق بیان کر رہے ہیں، اور امام محمدؒ کو جواب بھی دے رہے ہیں [۱] موبد کا معنی ہے ذمی بنانا، ذمی بنانا گویا کہ مستقبل میں اسلام کی دعوت دینا ہے جو ہر مسلمان کا فرض ہے، اس لئے مھجور غلام ذمی بنا سکتا ہے، جبکہ امن دینا اسلام کی دعوت دینا نہیں ہے، بلکہ کفار کو بے خوف کرنا ہے اس لئے مھجور غلام کو اس کی اجازت نہیں ہوگی [۲] ذمی بنانے سے جزیہ آئے گا جس میں صراصر مسلمانوں کا فائدہ ہے اس لئے مھجور غلام ایسا کر سکتا ہے، جبکہ امن دینا مصلحت کے خلاف ہو سکتا ہے اس لئے امن نہیں دے سکتا۔ [۳] ذمی بننے کی درخواست کرے تو اس کو ذمی بنانا فرض ہے اس لئے مھجور غلام کو اس فرض کی ادائیگی کی اجازت ہوگی، جبکہ امن دینا فرض نہیں ہے، اس لئے مھجور غلام کو امن دینے کا اختیار نہیں ہوگا۔

ترجمہ :اا اگر ایسے بچے نے امن دیا جو سمجھتا نہیں ہے تو تو اس کا امن دینا صحیح نہیں ہوگا جیسے مجنون کا امن دینا صحیح نہیں ہے اور اگر سمجھتا ہے، لیکن قتال سے روک دیا گیا ہے تو اس میں اوپر کا اختلاف ہے، اور اگر اس بچے کو قتال کی اجازت ہے تو صحیح بات یہ ہے کہ بالاتفاق اس کا امن دینا جائز ہے۔

تشریح : یہاں بچے کے بارے میں تین حالتیں بیان کر رہے ہیں [۱] اگر اتنا چھوٹا بچہ ہے کہ اس کو کوئی سمجھ ہی نہیں ہے تو اس کا امن دینا مجنون کی طرح جائز نہیں ہے۔ [۲] اور اگر وہ اتنا بڑا ہے کہ قتال کو سمجھتا ہے، لیکن والدین کی جانب سے قتال کی اجازت نہیں ہے تو اس بارے میں وہی اختلاف ہے جو مھجور غلام کے بارے میں ابھی گزرا۔ [۳] اور اگر وہ بچہ اتنا بڑا ہے کہ اس کو قتال کی بھی اجازت ہے تو صحیح بات یہ ہے اس کا امن دینا بالاتفاق جائز ہے۔

﴿بابُ الْغَنَائِمِ وَقِسْمَتِهَا﴾

(۲۷۷۳) وَإِذَا فَتَحَ الْإِمَامُ بَلْدَةً عَنْوَةً ۱؎ أَیْ قَهْرًا (۲۷) فَهُوَ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ قَسَّمَهُ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ [كَمَا فَعَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِخَيْبَرَ] (۲۷) وَإِنْ شَاءَ أَقَرَّ أَهْلَهُ عَلَيْهِ وَوَضَعَ عَلَيْهِمُ الْجِزْيَةَ وَعَلىٰ أَرَاضِيهِمُ الْخَرَاجَ ۱؎ كَذٰلِكَ فَعَلَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بِسَوَادِ الْعِرَاقِ بِمُوَافَقَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ وَلَمْ يُحْمَدْ مَنْ خَالَفَهُ، وَفِي كُلٍّ مِنْ ذٰلِكَ قُدْوَةٌ فَيَتَخَيَّرُ.

﴿باب الغنائم وقسمتها﴾

ترجمہ :(۲۷۷۳)اگرامام کسی شہرکوطاقت سے فتح کرے تواس کواختیار ہے چاہےاس کوغازیوں کے درمیان تقسیم کردے[جیسا کہ حضورؐ نے خیبر میں کیا]اور چاہے تو اس کے رہنے والے کواس پر برقرار رکھےاوران پر جزیہ مقرر کردے اور اس کی زمین پرخراج مقرر کردے۔

ترجمہ :۱؎ جیسا کہ حضرت عمرؓ نے عراق کی زمین میں صحابہ کے اتفاق سے کیا،اوران کے مخالفت جن لوگوں نے کی اس کی کوئی پذیرائی نہیں ہوئی۔ اور دونوں ہی طریقوں میں رہنمائی ہےاس لئے امام کودونوں کا اختیار ہوگا۔

تشریح :کسی شہرکوامام طاقت سے فتح کرے توان کواس کی زمین کے بارے میں دواختیار ہیں۔ایک تو یہ کہ اس کومجاہدین کے درمیان تقسیم کردے۔اور دوسری شکل یہ ہے کہ وہاں کے باشندے کواس زمین پر برقرار رکھےاور باشندوں پر ذمی ہونے کے اعتبار سے جزیہ مقرر کردےاورزمین پرخراج مقرر کردے۔

وجہ :(۱) آیت میں اس کا اشارہ ہے کہ امام کواس کا اختیار ہے۔ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القری فللہ وللرسول ولذی القربی والیتٰمی والمساکین وابن السبیل کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم وما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا (آیت ۷،سورۃ الحشر ۵۹)اس آیت میں ہے کہ جو مال غنیمت آیا وہ اللہ اوررسول کا ہے۔اس لئے اس کی جگہ جو امیر ہےاس کوتقسیم کرنے اور نہ کرنے کا اختیار ہوگا (۲) حدیث میں ہے کہ خیبر کی زمین طاقت سے فتح کی اوراس کوچھتیس حصوں مین تقسیم فرمایا۔اور پھر یہودوں کوہی کام کرنے کے لئے مقرر فرمایا۔اورمکہ مکرمہ کوبھی طاقت سے فتح کیا لیکن اس کی زمین کومجاہدین کے درمیان تقسیم نہیں فرمایا بلکہ وہاں کے لوگوں کواس پر برقرار رکھا۔بعد میں وہ لوگ ایمان لے آئے۔خیبر کی زمین طاقت سے فتح کی گئی اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن ابن عمرؓ ان النبی ﷺ

قاتل اھل خیبر فغلب علی الارض والنخل والجاھم الی قصرھم(۳) اوراس زمین کومجاہدین کے درمیان تقسیم کی اس کی دلیل یہ حدیث ہے جس کی طرف صاحب ہدایہ نے اشارہ کیا ہے۔**عن سھل بن ابی حثمة قال قسم رسول اللہ ﷺ خیبر نصفین،نصفا لنوائبہ وحاجتہ ونصفا بین المسلمین قسمھا بینھم علی ثمانیة عشر سھما** (۴) اور یہود کواس زمین پرکام کرنے دیااس کی دلیل یہ حدیث ہے۔**عن عبد اللہ بن عمرؓ قال لما افتتحت خیبر سألت یھود رسول اللہ ﷺ ان یقرھم علی ان یعملوا علی النصف مما خرج منھا فقال رسول اللہ ﷺ اقرکم فیھا علی ذلک ماشئنا** (ابوداؤدشریف، باب ماجاء فی حکم ارض خیبر، ج۲،ص ۶۸،نمبر۳۰۰۶ / ۳۰۰۸ / ۳۰۱۰ / بخاری شریف، باب معاملة النبی ﷺ اھل خیبر،ص ۶۰۹، نمبر ۴۲۴۸، باب غزوة خیبر،ص ۷۰۳، نمبر ۴۱۹۷، کتاب المغازی)ان حدیثوں سے تینوں باتیں ثابت ہوئیں۔

لوگوں کو برقرار رکھےاورخراج لگائے (۱)اس کی دلیل یہ عمل صحابہ ہے جس کی طرف صاحب ہدایہ نے اشارہ کیا ہے۔**ان عمر بن الخطاب بعث عثمان بن حنیف فمسح السواد فوضع علی کل جریب عامر او غامر حیث ینالہ الماء قفیزا و درھما** (سنن للبیہقی، باب قدر الخراج الذی وضع علی السواد، ج تاسع،ص۲۳۰،نمبر۱۸۳۸۳) حضرت عمرؓ نے سواد یعنی عراق کی زمین فتح کی اوراس کے لوگوں کو ذمی قرار دیااوران پرخراج مقرر کیا۔جس سے معلوم ہوا کہ باشندوں کو بحال رکھ کرخراج مقرر کرسکتے ہیں(۲) **عن عثمان بن ابی سلیمان ان النبی ﷺ بعث خالد بن ولید الی اکید ردومة فاخذوہ فاتوا بہ فحقن لہ دمہ وصالحہ علی الجزیة** (سنن للبیہقی، باب من قال تو خذ منھم الجزیة عربا کان اوعجما، ج تاسع،ص۳۱۴،نمبر۱۸۶۴۱) اس سے بھی معلوم ہوا کہ جزیہ لے سکتا ہے۔

مکہ مکرمہ طاقت سے فتح ہوا(۱)اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔**ان ابن عباس اخبرہ ان رسول اللہ ﷺ غزا غزوة الفتح فی رمضان** (بخاری شریف، باب غزوة الفتح فی رمضان،ص۶۱۲،نمبر۴۲۷۵/مسلم شریف، باب فتح مکة، ج۲،ص ۱۰۲،نمبر۱۷۸۰/۴۶۲۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فتح مکہ بزور طاقت ہوا۔اس کے باوجود وہاں کی زمین کومجاہدین کے درمیان تقسیم نہیں کی (۲) اسی طرح عراق کی زمین کوحضرت عمرؓ نے مجاہدین کے درمیان تقسیم نہیں کی اس سے معلوم ہوا کہ امام کو دونوں اختیار ہیں۔

۲؎ وَقِيلَ الْأَوْلَى هُوَ الْأَوَّلُ عِنْدَ حَاجَةِ الْغَانِمِينَ، وَالثَّانِي عِنْدَ عَدَمِ الْحَاجَةِ لِيَكُونَ عِدَّةً فِي الزَّمَانِ الثَّانِي، ۳؎ وَهَذَا فِي الْعَقَارِ. أَمَّا فِي الْمَنْقُولِ الْمُجَرَّدِ لَا يَجُوزُ الْمَنُّ بِالرَّدِّ عَلَيْهِمْ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَرِدْ بِهِ الشَّرْعُ فِيهِ. ۴؎ وَفِي الْعَقَارِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّ لِأَنَّ فِي الْمَنِّ إِبْطَالَ حَقِّ الْغَانِمِينَ أَوْ مِلْكِهِمْ فَلَا يَجُوزُ مِنْ غَيْرِ بَدَلٍ يُعَادِلُهُ، وَالْخَرَاجُ غَيْرُ مُعَادِلٍ لِقِلَّتِهِ،

لغت:عنوة : زبردستی کر کے لینا، غانمین : غانم کی جمع ہے،غنیمت حاصل کرنے والے مجاہدین۔سواد العراق:عراق کی جو سرسبز زمین ہے اس کو سواد عراق، کہا جاتا ہے، گویا کہ وہ کالی ہے۔

ترجمہ:۲؎ بعض حضرات نے فرمایا کہ تقسیم کرنا مجاہدین کی ضرورت کے وقت زیادہ بہتر ہے،اور دوسرا یعنی کفار کو اس کی زمین پر برقرار رکھنا ضرورت کے نہ ہونے کے وقت بہتر ہے تا کہ بعد میں کام آئے۔

تشریح :بعض حضرات نے فرمایا کہ مجاہدین کو مالی ضرورت ہو تو فتح کی ہوئی زمین مجاہدین میں تقسیم کرنا زیادہ بہتر ہے، اور مجاہدین کو زمین کی ضرورت نہ ہو تو کفار کو اس پر برقرار رکھنا زیادہ بہتر ہے تا کہ بعد میں یہ زمین کام آئے۔

لغت:عدة: تیار رہے۔فی الزمان الثانی:بعد کے زمانے میں۔

ترجمہ:۳؎ یہ بات زمین کے سلسلے میں ہے، بہر حال منقولی جائداد تو کفار پر احسان کر کے اس کو اس پر واپس کرنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ شریعت میں واپس کرنے کا ثبوت نہیں ہے۔

تشریح :اوپر کی رائے کہ تقسیم کرو یا نہ کرو، یہ زمین کے بارے میں ہے،لیکن منقولی جائداد کے بارے میں یہ ہے کہ اس کو کفار کی طرف واپس کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ حدیث میں اس قسم کی تصریح نہیں ہے کہ منقولی جائداد اس کی طرف واپس کی جائے۔من:احسان کرنا۔

ترجمہ :۴؎ اور زمین کے بارے میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے اس لئے کہ احسان کر کے کفار کو زمین پر برقرار رکھنے میں مجاہدین کے حق اور اس کی ملکیت کو باطل کرنا ہے،اور اس کے بالمقابل بدلے میں کچھ بھی نہیں ہے اس لئے یہ جائز نہیں ہوگا، اور خراج لینا قتل کرنے کے برابر نہیں ہے۔

تشریح: زمین کے سلسلے میں امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ کفار کو واپس دینا صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس میں مجاہدین کے حق کو اور اس کی ملکیت کو باطل کرنا ہے اور اس کے بدلے میں اس کو کچھ نہیں مل رہا ہے،اور جو خراج لیا جائے گا وہ قتال او جہاد کے مقابلے میں کوئی خاص چیز نہیں ہے۔

قدوری

۵ بِخِلَافِ الرِّقَابِ لِأَنَّ لِلْإِمَامِ أَنْ يُبْطِلَ حَقَّهُمْ رَأْسًا بِالْقَتْلِ، ۶ وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا رَوَيْنَاهُ، ۷ وَلِأَنَّ فِيهِ نَظَرًا؛ لِأَنَّهُمْ كَالْأُكْرَةِ الْعَامِلَةِ لِلْمُسْلِمِينَ الْعَالِمَةِ بِوُجُوهِ الزِّرَاعَةِ وَالْمُؤَنِ مُرْتَفِعَةٌ ۸ مَعَ مَا أَنَّهُ يَحْظَى بِهِ الَّذِينَ يَأْتُونَ مِنْ بَعْدُ، وَالْخَرَاجُ وَإِنْ قَلَّ حَالًا فَقَدْ جَلَّ مَآلًا لِدَوَامِهِ، ۹ وَإِنْ مَنَّ عَلَيْهِمْ بِالرِّقَابِ وَالْأَرَاضِي يَدْفَعُ إِلَيْهِمْ مِنْ الْمَنْقُولَاتِ بِقَدْرِ مَا يَتَهَيَّأُ لَهُمْ الْعَمَلُ لِيَخْرُجَ عَنْ حَدِّ الْكَرَاهَةِ.

ترجمہ:۵ بخلاف کفار کی گردن کے اس لئے کہ امام کو یہ حق ہے کہ سب کو قتل کر کے مجاہدین کا پورا حق باطل کر دے۔

تشریح: کفار کے مرد اور عورتیں جو قید ہوئے اس کو مجاہدین میں تقسیم نہ کرے تو امام کو اس کا اختیار ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ امام کو یہ بھی حق ہے کہ سب قیدیوں کو قتل کرا دے اور مجاہدین کو نہ دے، تو یہ بھی حق ہے کہ مجاہدین کے درمیان اس کو تقسیم نہ کرے۔

ترجمہ:۶ لیکن امام شافعیؒ پر وہ حدیث حجت ہے جس کو ہم نے روایت کی۔

تشریح: ابھی حضرت عمر کا قول نقل کیا کہ عراق کی زمین کو مجاہدین کے درمیان تقسیم نہیں کیا بلکہ کفار کو اس پر برقرار رکھا اس لئے حضرت عمر کا قول حضرت امام شافعیؒ پر حجت ہے۔

ترجمہ :۷ پھر دوسری بات یہ ہے کہ اس میں مسلمانوں کی مصلحت ہے، کیونکہ وہ مسلمانوں کے لئے کھیتی کریں گے، کیونکہ وہ کھیتی کرنا جانتے ہیں، اور ہمیں کھیتی کرنے کا اخراجات بھی نہیں دینا پڑے گا

تشریح : زمین کفار کو تقسیم کرنے میں مسلمانوں کا فائدہ ہے، کہ یہ لوگ کھیتی کرنا جانتے ہیں اور ہم کو کھیتی کے اخراجات بھی نہیں دینا پڑے گا اور غلہ آجائے گا۔

لغت :اکرۃ: کھیتی کرنے والے لوگ۔ والمؤنۃ مرتفعۃ: مؤنۃ: کھیتی کرنے کے اخراجات مرتفعۃ: دینا نہیں پڑے گا۔

ترجمہ :۸ ساتھ ہی یہ ہے کہ بعد میں آنے والے نسلوں کا حصہ ہوگا، اور ابھی جو خراج لیا جائے گا وہ اگر چہ کم ہے، لیکن چونکہ ہمیشہ آئے گا اس لئے مستقبل کے اعتبار سے بہت زیادہ ہے۔

تشریح : یہ زمین جو کفار کے پاس رہنے دیا یہ بعد میں آنے والی نسلوں کا حصہ ہوگا، یہ بہت بڑا فائدہ ہے۔ اور جو خراج آرہا ہے وہ اگر چہ ابھی کم ہے، لیکن ہمیشہ آتا رہے گا تو ہمیشہ کی وجہ سے بہت ہو جائے گا تو یہ بھی ایک فائدہ ہے۔

لغت: یحظی: حظ سے مشتق ہے، حصہ ہونا۔ جل: زید ہو جائے گا۔ مالا: میال کے اعتبار سے بعد کے اعتبار سے۔

ترجمہ :۹ اگر کفار کی گردنیں بھی چھوڑ دی اور زمینیں بھی چھوڑ دی تو ان کو اتنی منقولی جائداد دے دی جائے جو اس کے کام کرنے کے لئے مناسب ہوتا کہ کراہیت کی حد سے نکل جائے۔

تشریح : قید میں آئے ہوئے کفار کو چھوڑ دیا، اور اس کی زمین بھی اس کو حوالہ کر دیا تو منقولی جائداد میں سے اتنی اس کو دی

(۲۷۷۴)قَالَ: وَهُوَ فِي الْأُسَارَى بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ قَتَلَهُمْ ۱؎ "لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ قَدْ قَتَلَ"، وَلِأَنَّ فِيهِ حَسْمَ مَادَّةِ الْفَسَادِ وَإِنْ شَاءَ اسْتَرَقَّهُمْ ۱؎ لِأَنَّ فِيهَا دَفْعَ شَرِّهِمْ مَعَ وُفُورِ الْمَنْفَعَةِ لِأَهْلِ الْإِسْلَامِ ۲؎ وَإِنْ شَاءَ تَرَكَهُمْ أَحْرَارًا ذِمَّةً لِلْمُسْلِمِينَ لِمَا بَيَّنَّاه،

جائے گی جس سے وہ آسانی سے کھیتی باڑی کر سکے، تا کہ اس کو تنگی نہ ہو اور کراہیت نہ ہو۔

لغت :من علیہم بالرقاب: گردن کو چھوڑ کر اس پر احسان کیا۔ یتھیأ: تیار کر سکے،

ترجمہ :(۲۷۷۴)اورامام کو قیدیوں کے بارے میں اختیار ہے۔ چاہے ان کو قتل کر دے [اس لئے کہ حضورؐ نے قتل کیا ہے، اور اس میں فساد کے مادے کو ختم کرنا] اور چاہے ان کو غلام بنائیں۔

ترجمہ:۱؎ اس لئے کہ اس میں کفار کے شر کو دفع کرنا ہے، اور اہل اسلام کو اس میں بہت نفع ہے۔

تشریح :جو قیدی میدان جنگ میں ہاتھ آ گئے ان کے بارے میں امام کو تین اختیار ہیں۔ مصلحت کے مطابق ان میں سے ہر ایک کے ساتھ معاملہ کرے(۱) اگر بہت شریر ہو تو ان کو قتل کر دے تا کہ اس کی شرارت سے بچ سکے (۲) مناسب سمجھے تو قیدیوں کو غلام بنا کر رکھے (۳) اور مناسب سمجھے تو آزاد چھوڑ دے۔ لیکن ان کو مسلمانوں کے لئے ذمی بنا کر رکھے تا کہ خراج اور جزیہ ادا کرتا رہے۔

وجہ :(۱) احادیث میں تینوں کا ثبوت ہے۔ قیدیوں کو قتل کر دے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن ابی سعید الخدری** قال لما نزلت بنو قریظة علی حکم سعد بعث رسول الله ﷺ ... قال انی احکم ان تقتل المقاتلة وان تسبی الذریة قال لقد حکمت فیهم بحکم الملک (بخاری شریف، باب اذا نزل العدو علی حکم رجل، ص ۴۲۷، نمبر ۳۰۴۳ / مسلم شریف، باب جواز قتال من نقض العهد وجواز انزال اهل الحصن علی حکم حاکم عدل اهل للحکم، ص ۷۸۴، نمبر ۱۷۶۸ / ۴۵۹۶) (۲) دوسری حدیث میں ہے۔ عن انس بن مالک ان رسول الله ﷺ دخل عام الفتح وعلی رأسه المغفر فلما نزعه جاء رجل فقال ان ابن خطل متعلق باستار الکعبة فقال اقتلوه (بخاری شریف، باب قتل الاسیر وقتل الصبر، ص ۴۲۷، نمبر ۳۰۴۴ / مسلم شریف، باب جواز دخول مکة بغیر احرام، ص ۴۳۹، نمبر ۱۳۵۷ / ۳۳۰۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیدی کو مناسب سمجھیں تو قتل کر سکتے ہیں۔

اگر مناسب سمجھیں تو زندہ رکھ کر قیدی بنا سکتے ہیں اس کی دلیل اوپر کی حدیث بنی قریظہ میں یہ جملہ گزرا۔ وان تسبی الذریة (بخاری شریف، نمبر ۳۰۴۳ / مسلم شریف، نمبر ۱۷۶۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غلام اور باندی بھی قیدی کو بنا سکتے ہیں۔

ترجمہ :۲؎ اور چاہے تو ان کو مسلمانوں کے لئے ذمی بنا کر آزاد چھوڑ دے۔

(۲۷۷۵) إِلَّا مُشْرِكِي الْعَرَبِ وَالْمُرْتَدِّينَ لِ عَلَىٰ مَا نُبَيِّنُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالىٰ.

(۲۷۷۶) وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَرُدَّهُمْ إِلَى دَارِ الْحَرْبِ لِ لِأَنَّ فِيهِ تَقْوِيَتَهُمْ عَلَى الْمُسْلِمِينَ،

احسانا چھوڑ دیں اور ذمی بنا دیں اس کی دلیل یہ لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے۔ سمع ابا هريرة يقول بعث رسول الله ﷺ خيلا قبل نجد فجاءت برجل من حنيفة يقال له ثمامة بن اثال ... فقال ماذا عندك يا ثمامة فقال عندى ما قلت لك ان تنعم تنعم على شاكر وان تقتل تقتل ذا دم وان كنت تريد المال فسل تعط منه ما شئت فقال رسول الله ﷺ اطلقوا ثمامة (مسلم شریف، باب ربط الاسیر وحبسہ وجواز المن علیہ، ج ۲، ص ۹۳، نمبر ۱۷۶۴/۴۵۸۹) اس حدیث میں حضرت ثمامہ قیدی کو چھوڑ دیا قتل نہیں کیا۔ (۲) دوسری حدیث میں ہے۔ حدثنى عطية القرظى قال كنت من سبى بنى قريظة فكانوا ينظرون فمن انبت الثغر قتل ومن لم ينبت لم يقتل فكنت فيمن لم ينبت (ابوداؤد شریف، باب الغلام یصیب الحد، ص ۲۵۷، نمبر ۴۴۰۴، کتاب الحدود) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ احسان کے طور پر چھوڑ بھی سکتے ہیں۔ (۳) پہلے آیت گزر چکی ہے۔ فاما منا بعد واما فداء حتى تضع الحرب اوزارها (آیت ۴، سورہ محمد ۴۷) اس آیت سے بھی پتا چلا کہ احسان کرتے ہوئے چھوڑ سکتا ہے۔

ترجمہ: (۲۷۷۵) مگر عرب کا مشرک اور مرتد کو آزاد نہیں چھوڑا جائے گا۔

ترجمہ: لِ اس کے بارے میں ہم بعد میں ان شاء اللہ بیان کریں گے۔

تشریح: عرب کے مشرک سے اور مرتد سے جزیہ نہیں لیا جائے گا، ان کی ایک صورت ہے کہ ایمان لائے، یا پھر قتل ہونے کے لئے تیار ہو جائے۔ اس کی پوری بحث جزیہ کے باب میں آگے آرہی ہے۔

ترجمہ: (۲۷۷۶) البتہ یہ جائز نہیں ہے کہ ان کو دار الحرب کی طرف جانے دیں۔

ترجمہ: لِ اس لئے، اس صورت میں وہ مسلمان کے مقابلے میں قوی ہو جائیں گے۔

تشریح: مسلمان قیدیوں کے بدلے میں نہیں بلکہ یوں ہی کافر قیدیوں کو دار الحرب کی طرف واپس جانے دیں یہ جائز نہیں ہے۔

وجہ: (۱) پھر تو حربی مضبوط ہو جائیں گے اور دوبارہ جنگ کریں گے۔ اس لئے قیدیوں کو دار الحرب کی طرف واپس کرنا جائز نہیں ہے (۲) آیت گزر چکی ہے کہ قیدیوں کو مارو، تو اس کو دار الحرب بھیجنا کیسے درست ہوگا۔ ما كان لنبى ان يكون له اسرى حتى يثخن فى الارض تريدون عرض الدنيا والله يريد الآخرة (آیت ۶۷، سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں ہے کہ قیدیوں کو مارو اس لئے اس کو واپس بھیجنا درست نہیں ہوگا (۳) دوسری آیت میں ہے۔ فاذا انسلخ الاشهر الحرم فاقتلوا المشركين حيث وجدتموهم وخذوهم واحصروهم واقعدوا لهم كل مرصد (د) (آیت

۲؎ فَإِنْ أَسْلَمُوا لَا يَقْتُلُهُمْ لِانْدِفَاعِ الشَّرِّ بِدُونِهِ (۲۷۷۷) وَلَهُ أَنْ يَسْتَرِقَّهُمْ ۱؎ تَوْفِيرًا لِلْمَنْفَعَةِ بَعْدَ انْعِقَادِ سَبَبِ الْمِلْكِ بِخِلَافِ إِسْلَامِهِمْ قَبْلَ الْأَخْذِ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَنْعَقِدْ السَّبَبُ بَعْدُ (۲۷۷۸) وَلَا يُفَادٰى بِالْأُسَارٰى عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَقَالَا: يُفَادٰى بِهِمْ أُسَارٰى الْمُسْلِمِينَ

۵، سورۃ التوبۃ ۹) اس آیت میں بھی ہے کہ حربیوں کو قتل کرو اس لئے واپس بھیجنا اچھا نہیں ہے۔ بلکہ اس آیت کی وجہ سے **فاما منا بعد و اما فداء** (آیت ۴ سورۂ محمد ۴۷) والی آیت منسوخ ہے جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔

ترجمہ: ۲؎ پس اگر وہ قیدی مسلمان ہو گئے تو اسکو قتل نہیں کیا جائے گا اسلئے کہ بغیر قتل کئے ہوئے ہی اس کے شر سے محفوظ ہو گئے۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ :(۲۷۷۷) امام کے لئے جائز ہے کہ ان کو غلام بنا کر رکھے۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ غلامیت کا سبب منعقد ہونے کے بعد مسلمانوں کا بہت نفع ہے، بخلاف اگر پکڑے جانے سے پہلے مسلمان ہو گئے ہوں تو اب انکو غلام نہیں بنا سکتے، کیونکہ غلام بنانے کا سبب منعقد نہیں ہوا۔

تشریح: جو آدمی غلام اور باندی بن چکا ہے اس کے بعد اسلام لایا تو چونکہ غلام بننے کا سبب منعقد ہو چکا ہے، اس لئے امام کو اختیار ہے کہ اس کو غلام بنائے رکھے۔ اور پکڑے جانے سے پہلے کافر مسلمان ہو گیا تو اب اس کو غلام نہیں بنا سکتے، کیونکہ وہ پکڑے جانے سے پہلے مسلمان ہو چکا ہے اس لئے اب ان کو غلام نہیں بنا سکتے۔

ترجمہ:(۲۷۷۸) امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک قیدیوں سے فدیہ لیکر نہیں چھوڑنا چاہئے، اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ مسلمان قیدیوں کے بدلے میں فدیہ لیکر کافر کو چھوڑ سکتے ہیں۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کی رائے ہے کہ کافر سے فدیہ لیکر اس کو نہیں چھوڑنا چاہئے، اسی طرح مسلمان قیدی کافر کے قبضے میں ہو اس کے بدلے میں کافر قیدی کو نہیں چھوڑنا چاہئے۔ اور صاحبینؒ کی رائے ہے کہ مسلمان قیدی کے بدلے میں کافر قیدی کو چھوڑنا جائز ہے۔

وجہ :(۱): **عن عمران بن حصین ان النبی ﷺ فدی رجلین من المسلمین برجل من المشرکین** (ترمذی شریف، باب ماجاء فی قتل الاساری والفداء، ص ۲۸۵، نمبر ۱۵۶۸) (۲) مسلم شریف میں یوں ہے۔ **حدثنی ایاس بن سلمة حدثنی ابی قال غزونا فزاره وعلینا ابو بکر ... فبعث بها رسول الله ﷺ الی اهل مکة ففدی بها ناسا من المسلمین کانوا اسروا بمکة** (مسلم شریف، باب التنفیل وفداء المسلمین بالاساری، ص ۸۹، نمبر ۱۷۵۵) ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ قیدی کے بدلے قیدی رہا کر سکتے ہیں

۱؎ وَهُـوَ قَوْلُ الشَّافِعِيّ لِأَنَّ فِيهِ تَخْلِيصَ الْمُسْلِمِ وَهُوَ أَوْلىٰ مِنْ قَتْلِ الْكَافِرِ وَالِانْتِفَا عِ بِهِ. ۲؎ وَلَهُ أَنَّ فِيـهِ مَعُونَةً لِلْكَفَرَةِ؛ لِأَنَّهُ يَعُودُ حَرْبًا عَلَيْنَا، وَدَفْعُ شَرِّ حَرْبِهِ خَيْرٌ مِنْ اسْتِنْقَاذِ الْأَسِيرِ الْمُسْلِمِ؛ لِأَنَّهُ إذَا بَقِيَ فِي أَيْدِيهِمْ كَانَ ابْتِلَاءً فِي حَقِّهِ غَيْرَ مُضَافٍ إلَيْنَا، وَالْإِعَانَةُ بِدَفْعِ أَسِيرِهِمْ إلَيْهِمْ مُضَافٌ إلَيْنَا. ۳؎ أَمَّا الْمُفَادَاةُ بِمَالٍ يَأْخُذُهُ مِنْهُمْ لَا يَجُوزُ فِي الْمَشْهُورِ مِنْ الْمَذْهَبِ لِمَا بَيَّنَّا. وَفِي السِّيَرِ الْكَبِيرِ أَنَّهُ لَا بَأْسَ بِهِ إذَا كَانَ بِالْمُسْلِمِينَ حَاجَةٌ اسْتِدْلَالًا بِأُسَارَى بَدْرٍ،

وجہ:(۱)امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس سے کفار طاقت ور ہوں گے اور آگے چل کر مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں گے، اس لئے قیدی کو فدیہ لیکر، یا قیدی کے بدلے میں نہیں چھوڑنا چاہئے (۲) اس آیت میں بھی اس کا ثبوت ہے۔ ما کان لنبی ان یکون له أسری حتی یثخن فی الارض تریدون عرض الدنیا و الله یرید الآخرہ و الله عزیز حکیم۔(آیت ۶۷،سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں ہے کہ حضور کو قیدیوں سے فدیہ نہیں لینا چاہئے۔

ترجمہ:۱؎ اور یہی قول امام شافعیؒ کا ہے، اس لئے کہ اس میں مسلمان کو چھٹکارا دلوانا ہے، اور یہ کافر کو قتل کرنے، اور اس سے فائدہ اٹھانے سے زیادہ بہتر ہے۔

تشریح:واضح ہے۔

ترجمہ:۲؎ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ فدیہ لیکر واپس کرنے میں کافر کی مدد کرنا ہے کیونکہ وہ دوبارہ ہم سے جنگ کریں گے، اور مسلم قیدی کو چھڑانے سے جنگ کی شر کو دفع کرنا زیادہ بہتر ہے، اس لئے کہ وہ صرف اکیلا اس کے قبضے میں ہوگا تو صرف اس قیدی کو تکلیف ہوگی ہم مسلمانوں کو اس کی تکلیف نہیں ہوگی، اور کافر قیدی ان کو دے دیں تو اس کا نقصان ہم سب مسلمانوں پر آئے گا۔

تشریح :امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ کافر چھوٹ کر دار الحرب جائیں گے تو وہ دوبارہ مسلمانوں سے جنگ کریں گے، یہ نقصان اپنی قیدی چھڑانے سے زیادہ ہے اس لئے قیدی کے بدلے میں بھی کفار کے قیدی کو چھوڑنا جائز نہیں ہے، ہمارے قیدی اس کے ہاتھ میں ہوں گے تو صرف اس قیدی کو تکلیف ہوگی، لیکن جب کفار جنگ کریں گے تو مسلمانوں کا یہ نوصان بہت بڑا ہے۔

ترجمہ :۳؎ اگر مال کا فدیہ کافروں سے لیں تو ہمارا مشہور مذہب یہی ہے کہ وہ جائز نہیں ہے، لیکن سیر کبیر میں ہے کہ مسلمان کو مال کی ضرورت ہو تو کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ جنگ بدر کی قیدی سے فدیہ لیا گیا تھا۔

وجہ :(۱) صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن ابن عباس ان النبی ﷺ جعل فداء اهل الجاهلية يوم بدر

۴ وَلَوْ كَانَ أَسْلَمَ الْأَسِيرُ فِيْ أَيْدِينَا لَا يُفَادىٰ بِمُسْلِمٍ أَسِيرٌ فِيْ أَيْدِيهِمْ لِأَنَّهُ لَا يُفِيدُ إِلَّا إِذَا طَابَتْ نَفْسُهُ بِهِ وَهُوَ مَأْمُونٌ عَلَى إِسْلَامِهِ. (۲۷۷۹) قَالَ وَلَا يَجُوزُ الْمَنُّ عَلَيْهِمْ ۱ أَيْ عَلىٰ الْأُسَارىٰ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ فَإِنَّهُ يَقُولُ "مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلىٰ بَعْضِ الْأُسَارىٰ يَوْمَ بَدْرٍ. وَلَنَا قَوْلُهُ تَعَالىٰ ﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ﴾" وَلِأَنَّهُ بِالْأَسْرِ وَالْقَسْرِ ثَبَتَ حَقُّ الِاسْتِرْقَاقِ فِيهِ فَلَا يَجُوزُ إِسْقَاطُهُ بِغَيْرِ مَنْفَعَةٍ وَعِوَضٍ، وَمَا رَوَاهُ مَنْسُوخٌ بِمَا تَلَوْنَا.

اربعمأة ـ (ابوداود شریف، باب فی فداء السیر بالمال، ص ۳۹۰، نمبر ۲۶۹۱) اس حدیث میں ہے کہ بدر کی قیدی سے فدیہ لیا گیا تھا (۲) قال ابن عباس .....فقال ابو بکر یا نبی اللہ ھم بنو العم و العشیرة اری ان تاخذ منھم فدیة .... فھوی رسول اللہ ﷺ ما قال ابو بکر و لم یھو ما قلتُ ـ (مسلم شریف، باب الامداد بالملائکۃ فی غزوۃ بدر، ص ۷۸۲، نمبر ۱۷۶۳/۴۵۸۸) اس حدیث میں ہے کہ بدر کی قیدی سے فدیہ لیا گیا ہے۔

ترجمہ: ۴ اگر ہمارے قبضے کے قیدی مسلمان ہو گئے تو جو مسلمان قیدی کفار کے قبضے میں ہیں اس کے بدلے فدیہ دینا ٹھیک نہیں ہے اسلئے کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے، ہاں وہ اپنی خوشی سے جانا چاہے تو ٹھیک ہے کیونکہ وہ اپنے اسلام پر محفوظ ہے۔

تشریح: جو قیدی مسلمان ہو گیا ہے تو یہ بھی مسلمان ہے اور جو قیدی کفار کے ہاتھ میں ہے وہ بھی مسلمان ہے تو اس قیدی کے بدلے اس کو لینے میں کائی فائدہ نہیں ہے، ہاں یہ قیدی خوشی سے جانا چاہے تو کر سکتا ہے، کیونکہ اس کا اسلام محفوظ ہے۔

ترجمہ: (۲۷۷۹) قیدیوں پر احسان کر کے چھوڑ دینا جائز نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱ خلاف امام شافعیؒ کے وہ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے جنگ بدر کے دن بعض قیدیوں پر احسان کیا ہے ہماری دلیل اللہ تعالی کا قول ہے کہ جہاں کہیں پاؤ مشرکین کو قتل کرو، اور اس لئے کہ قید کرنے اور مجبور کرنے سے غلام بنانے کا حق ثابت ہو گیا ہے اب بغیر نفع کے اور بغیر بدلے کے اس کو ساقط کرنا جائز نہیں ہوگا، اور امام شافعیؒ نے جو بدر والی روایت پیش کی ہے وہ اوپر کی آیت سے منسوخ ہے۔

تشریح: ایک ہے قیدیوں سے فدیہ لیکر چھوڑ دینا اس کی تفصیل اوپر گزری، یہاں یہ صورت ہے کہ بغیر کچھ لئے کفار قیدی کو چھوڑ دینا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ آیت میں ہے کہ کفار کو جہاں کہیں پاؤ اس کو قتل کرو اسلئے اس کو بغیر معاوضے کے چھوڑ دیا جائز نہیں ہے

وجہ: (۱) صاحب ہدایہ کی آیت یہ ہے۔ فاذا انسلخ الاشھر الحرم فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم وخذوھم واحصروھم واقعدوا لھم کل مرصد (آیت ۵، سورۃ التوبۃ ۹) (۲) دلیل عقلی یہ ہے کہ بڑی مشکل سے

(۲۷۸۰) وَإِذَا أَرَادَ الْإِمَامُ الْعَوْدَ وَمَعَهُ مَوَاشٍ فَلَمْ يَقْدِرْ عَلَى نَقْلِهَا إِلَى دَارِ الْإِسْلَامِ ذَبَحَهَا وَحَرَقَهَا وَلَا يَعْقِرُهَا وَلَا يَتْرُكُهَا،

اس کو قید کیا ہے، اور اب اس پر غلام بنانے کا حق ثابت ہوا ہے تو اب بغیر کسی بدلے کے اس کو چھوڑ دینا جائز نہیں ہوگا۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس کو بغیر بدلے کے بھی چھوڑا جا سکتا ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ جنگ بدر کے موقع پر حضرت ابی العاص کو حضور نے بغیر بدلے کے چھوڑا تھا، اس لئے چھوڑنے کی گنجائش ہے، لیکن بغیر مصلحت کے ایسا کرنا مناسب نہیں ہے۔

وجه: امام شافعی کی حدیث یہ ہے۔ عن عائشه قالت .....و قال ان رأتم ان تطلقوا لها أسيرها و تردوا عليها الذى لها قالوا نعم ۔(ابوداود شریف، باب فی الفداء الاسیر بالمال، ص ۳۹۰، نمبر ۲۶۹۲) اس حدیث میں حضرت ابی العاص کو بغیر فدیہ لئے ہوئے چھوڑ دیا تھا ۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث اوپر والی آیت سے منسوخ ہے۔ یہ بھی سوچنے کی چیز ہے کہ حضرت ابو العاص کو مفت چھوڑنے کے لئے صحابہ سے چھوڑنے کی درخواست کرنی پڑی، ان حضرات نے قبول کیا تب انکو چھوڑا، جس سے معلوم ہوا کہ عام حالات میں قیدی کو مفت چھوڑنا جائز نہیں۔

لغت: اسر: قید کرنا۔ قسر: مجبور کرنا۔ استرقاق: رق سے مشتق ہے، غلام بنانا۔

ترجمه: (۲۷۸۰) اگر امام دار الاسلام کی طرف واپس آنا چاہے اور اس کے پاس مویشی ہو اور اس کو دار الاسلام منتقل کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو اس کو ذبح کر دے اور اس کو جلا دے نہ اس کا کونچ کاٹے اور نہ اس کو یوں ہی چھوڑ دے۔

تشریح: امام اور مجاہدین دار الحرب سے دار الاسلام جا رہے ہیں ان کے پاس دار الحرب کے کچھ مویشی ہیں اس کو دار الاسلام نہیں لے جا سکتا تو اس کو حربیوں کے فائدے کے لئے نہ چھوڑے بلکہ اس کو ذبح کرے اور گوشت کو جلا دے تا کہ اس سے حربی فائدہ نہ اٹھا سکے۔

وجه: (۱) کفار کو فائدہ نہ اٹھانے دے اس کی دلیل یہ آیت ہے۔ ما قطعتم من لينة او تركتموها قائمة على اصولها فباذن الله وليخزى الفاسقين (آیت ۵، سورۃ الحشر ۵۹) اس آیت میں ہے کہ کفار کے درختوں کو چھوڑ دو یا کاٹ دو یہ اللہ کے حکم سے ہو اور اصل مقصد یہ ہے کہ کافروں کو شرمندگی ہو (۲) عن ابن عمرؓ قال حرق رسول الله ﷺ نخل بنى النضير وقطع وهى البويرة (بخاری شریف، باب حدیث بنی النضیر ومخرج رسول اللہ ﷺ الیہم فی دیۃ الرجلین، ص ۶۷۴، نمبر ۴۰۳۱ رمسلم شریف، باب جواز قطع اشجار الکفار وتحریقھا، ج ۲، ص ۸۵، نمبر ۱۷۴۶/۴۵۵۲) اس حدیث میں ہے کہ کفار کو مجبور کرنے کے لئے بنی نضیر کا درخت جلایا اور اس کو ویران کیا۔ اسی طرح اس کے مویشی کو بھی قابل استفادہ نہ رہنے دیا جائے۔ لیکن اس کو زندہ جلانا جائز نہیں ہے اس لئے ذبح کر کے اس کے گوشت کو جلا دے یا دفن کر دے تا کہ اس سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔ حدیث

۱؎ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يَتْرُكُهَا؛ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "نَهٰى عَنْ ذَبْحِ الشَّاةِ إِلَّا لِمَأْكَلَةٍ". ۲؎ وَلَنَا أَنَّ ذَبْحَ الْحَيَوَانِ يَجُوزُ لِغَرَضٍ صَحِيحٍ، وَلَا غَرَضَ أَصَحُّ مِنْ كَسْرِ شَوْكَةِ الْأَعْدَاءِ، ثُمَّ يُحَرَّقُ بِالنَّارِ لِيَنْقَطِعَ مَنْفَعَتُهُ عَنِ الْكُفَّارِ وَصَارَ كَتَخْرِيبِ الْبُنْيَانِ بِخِلَافِ التَّحْرِيقِ قَبْلَ الذَّبْحِ لِأَنَّهُ مَنْهِيٌّ عَنْهُ،

میں ہے۔ عن ابن عباسؓ ان النبی ﷺ قال لا تتخذوا شیئا فیہ الروح غرضا (مسلم شریف، باب النھی عن صبر البہائم، ج ۲، ص ۱۵۳، نمبر ۱۹۵۷/۵۰۵۹) اس حدیث میں ہے کہ جانور کو تھوڑا تھوڑا کر کے نہیں مارنا چاہئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کو زندہ نہیں جلانا چاہئے اور نہ اس کی ٹانگ ہاتھ کاٹ کر چھوڑنا چاہئے۔ کیونکہ اس سے جانور کو تکلیف ہوگی۔ البتہ ذبح کرنا جائز ہے اور اس کے بعد گوشت جلانے میں جانور کو تکلیف نہیں ہوگی (۲) قول صحابی میں ہے کہ جانور کا ہاتھ پاؤں کاٹ کر نہ چھوڑے یہ مثلہ ہے اور مثلہ ناجائز ہے۔ قول صحابی یہ ہے۔ ان ابا بکرؓ لما بعث الجنود نحو الشام یزید بن ابی سفیان... ولا تغرقن نخلا ولا تحرقنھا ولا تعقروا بھیمۃ ولا شجرۃ تثمر (سنن للبیہقی، باب من اختار الکف عن القطع والتحریق الخ، ج تاسع، ص ۱۴۶، نمبر ۱۸۱۲۵) (۳) دوسری روایت میں ہے۔ ان ابا بکرؓ بعث یزید بن ابی سفیان الی الشام فمشی معہ فذکر الحدیث الی ان قال ولا تذبحوا بعیرا ولا بقرا الا لمأکل (سنن للبیہقی، باب تحریم قتل مالہ روح الا بان یذبح فیوکل، ج تاسع، ص ۱۴۷، نمبر ۱۸۱۳۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ذبح کر کے اس کو جلائے بغیر ذبح کئے نہ جلائے۔ کیونکہ فرمایا کہ ہاتھ اور ٹانگ کاٹ کر چھوڑ دینا اچھا نہیں ہے۔

لغت: یعقر : عقر سے مشتق ہے، کونچ کاٹنا یعنی پاؤں پر تلوار مار کر اس کو کاٹ دینا، مواش: جانور، ماشیۃ کی جمع ہے۔

ترجمہ: ۱؎ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ ذبح بھی نہ کرے بلکہ بغیر ذبح کئے ہوئے چھوڑ دے، اس لئے کہ حضورؐ نے کھانے کے علاوہ کے لئے جانور کو ذبح کرنے سے منع فرمایا۔

تشریح: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ذبح بھی نہ کرے بلکہ بغیر ذبح کئے ہوئے چھوڑ دے۔ کیونکہ حضورؐ نے کھانے کے علاوہ کے لئے ذبح کرنے سے منع فرمایا ہے۔

وجہ: صاحب ہدایہ کا قول صحابی یہ ہے ۔ان ابا بکرؓ بعث یزید بن ابی سفیان الی الشام فمشی معہ فذکر الحدیث الی ان قال ولا تذبحوا بعیرا ولا بقرا الا لمأکل (سنن للبیہقی، باب تحریم قتل مالہ روح الا بان یذبح فیوکل، ج تاسع، ص ۱۴۷، نمبر ۱۸۱۳۲) اس سے معلوم ہوا کہ دار الحرب کی مویشی کو ذبح نہ کرے یوں ہی چھوڑ دے۔

ترجمہ: ۲؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ صحیح غرض کے لئے حیوان کو ذبح کرنا جائز ہے اور دشمن کے شوکت کو توڑنے سے بہتر غرض اور کیا ہوگا، پھر اس کو آگ سے جلا دیا جائے تا کہ تا کہ کفار کا نفع منقطع ہو جائے، اور عمارت کو برباد کی طرح ہو گیا۔

۳ وَبِخِلَافِ الْعَقْرِ لِأَنَّهُ مُثْلَةٌ، ۴ وَتُحْرَقُ الْأَسْلِحَةُ أَيْضًا، وَمَا لَا يَحْتَرِقُ مِنْهَا يُدْفَنُ فِي مَوْضِعٍ لَا يَقِفُ عَلَيْهِ الْكُفَّارُ إِبْطَالًا لِلْمَنْفَعَةِ عَلَيْهِمْ.

(۲۷۸۱) وَلَا يُقَسِّمُ غَنِيمَةً فِي دَارِ الْحَرْبِ حَتَّى يُخْرِجَهَا إِلَى دَارِ الْإِسْلَامِ

تشریح : صحیح غرض کے لئے جانور کو ذبح کرنا جائز ہے، اوراس سے بہتر غرض کیا ہوگا کہ دشمن کی شوکت اور طاقت کو توڑنا ہے، پھراس کو آگ سے جلا دیا جائے تا کہ اس کے گوشت سے وہ فائدہ نہیں اٹھا سکے، البتہ ذبح سے پہلے جانور کو ذبح کرنا جائز نہیں ہے۔

وجہ: عن ابی ھریرۃ .....فقال انی کنت امرتکم ان تحرقوا فلانا و فلانا بالنار و ان النار لا یعذب بھا الا اللہ فان اخذتموھا فاقتلوا ھما ۔(بخاری شریف، باب التودیع، ص ۴۸۸، نمبر ۲۹۵۴) اس حدیث میں ہے کہ زندہ جانور کو نہیں جلانا چاہئے۔

ترجمہ : ۳ بخلاف کوچ کاٹنے کے اس لئے کہ یہ مثلہ ہے۔

تشریح: جانور کا ہاتھ پاؤں کاٹنا جائز نہیں، کیونکہ یہ مثلہ ہے اور اوپر حدیث گزری کہ مثلہ کرنا جائز نہیں ہے

وجہ : حضرت ابوبکر کا قول گزر چکا ہے ولا تعقروا بھیمۃ ولا شجرۃ تثمر (سنن للبیہقی، نمبر ۱۸۱۲۵) کہ جانور کا کوچ مت کاٹو۔

ترجمہ : ۴ اور اپنے ہتھیار کو بھی جلا دے، تا کہ دشمن اس سے فائدہ نہ اٹھا سکے، اور جس چیز کو نہ جلا سکے اس کو ایسی جگہ دفن کر دے کہ کفار اس پر مطلع نہ ہو سکے، کفار کے منفعت کو باطل کرنے کے لئے۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: (۲۷۸۱) دار الحرب میں غنیمت تقسیم نہ کرے یہاں تک کہ اس کو دار الاسلام تک نکال لائے۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ دار الحرب میں خطرہ ہے کہ کفارہ دوبارہ حملہ کر کے مال غنیمت واپس لے لے اس لئے ابھی اس کو تقسیم کرنا بہتر نہیں ہے۔

تشریح : مال غنیمت کو دار الحرب سے دار الاسلام میں لائے تب اس کو تقسیم کرے اس سے پہلے تقسیم نہ کرے۔

وجہ : (۱) دار الحرب کے اندر جب تک مال غنیمت ہے تو اس بات کا خطرہ ہے کہ کفار دوبارہ حملہ کر کے اس مال کو واپس لے لیں، چونکہ خطرہ ہے اس لئے مال مکمل طور پر مسلمانوں کا ہوا ہی نہیں۔ اس لئے اس کو مجاہدین کے درمیان ابھی تقسیم نہ کرے۔ (۲) دوسری حکمت یہ ہے کہ تقسیم ہونے کے بعد مجاہد اس کا مالک ہوگا اس لئے اس کی حفاظت میں لگا رہے گا۔ اور

۱؎ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَا بَأْسَ بِذَلِكَ. وَأَصْلُهُ أَنَّ الْمِلْكَ لِلْغَانِمِينَ لَا يَثْبُتُ قَبْلَ الْإِحْرَازِ بِدَارِ الْإِسْلَامِ عِنْدَنَا، وَعِنْدَهُ يَثْبُتُ وَيَبْتَنِي عَلَى هَذَا الْأَصْلِ عِدَّةٌ مِنَ الْمَسَائِلِ ذَكَرْنَاهَا فِي الْكِفَايَةِ.

اچانک کوئی جنگ ہوئی تو اس میں تن من دھن سے شریک نہیں ہو سکے گا۔ کیونکہ مال کی حفاظت میں اس کا دل لگا رہے گا۔ اور اگر مال مجموعی طور پر رہے گا تو کچھ جماعت اس کی حفاظت کرے گی اور باقی لوگ جنگ میں کود پڑیں گے۔ اس لئے دار الحرب میں مال غنیمت تقسیم نہ کرے۔ ہاں! اگر فتح کر کے دار الاسلام کے درجے میں لا چکا ہو اور دوبارہ کفار کے حملے کرنے کی امید نہ ہو تو چونکہ دار الاسلام کے درجے میں ہو گیا اس لئے وہاں مال غنیمت تقسیم کر سکتا ہے (۳) حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔ ان انسا اخبرہ قال اعتمر النبی ﷺ من الجعرانۃ حیث قسم غنائم حنین (بخاری شریف، باب من قسم الغنیمۃ فی غزوہ وسفرہ، ص ۴۳۱، نمبر ۳۰۶۶) اس حدیث میں ہے کہ جنگ حنین کی غنیمت جعرانہ میں تقسیم کی گئی اور جعرانہ مکہ مکرمہ سے قریب ہے۔ اور مکہ مکرمہ اس وقت دار الاسلام بن چکا تھا جس سے معلوم ہوا کہ مال غنیمت دار الاسلام میں تقسیم کرے (۴) خیبر میں جو مال تقسیم کیا وہ اس لئے کہ خیبر فتح کرنے کے بعد وہ دار الاسلام کے درجے میں ہو چکا تھا۔ اور دوبارہ یہودیوں کی جانب سے حملے کا خطرہ نہیں تھا۔ عبارت یوں ہے۔ عن ابن عمر ان النبی ﷺ قاتل اهل خیبر فغلب علی الارض والنخل والجأهم الی قصرهم (ابوداؤد شریف، باب ما جاء فی حکم ارض خیبر، ج ۲، ص ۶۸، نمبر ۳۰۰۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہودیوں کو اتنا مجبور کیا کہ وہ اپنے محل میں بند رہنے پر مجبور ہو گئے۔ جس سے معلوم ہوا کہ وہ دار الاسلام کے قریب ہو چکا تھا۔ اس لئے وہاں غنیمت تقسیم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱؎ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ دار الحرب میں مال غنیمت تقسیم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اصل قاعدہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے یہاں دار الاسلام میں مال غنیمت لانے سے پہلے مجاہدین کا حق ثابت نہیں ہوتا، اور امام شافعیؒ کے یہاں ثابت ہو جاتا ہے، اور اس اصول پر بہت سے مسائل متفرع ہوتے ہیں جس کو ہم نے کفایۃ المنتہی میں ذکر کیا ہے۔

تشریح: اصل قاعدہ یہ ہے کہ امام شافعیؒ کے یہاں دار الحرب میں مجاہدین کا حق مال غنیمت پر ثابت ہو جاتا ہے، اس لئے دار الحرب میں تقسیم کرنا جائز ہے، اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مال غنیمت پر ثابت نہیں ہوتا اس لئے وہاں تقسیم کرنا جائز نہیں ہے

وجہ: امام شافعیؒ کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن عمرؓ ان یهود النضیر وقریظة حاربوا رسول الله ﷺ ... فقتل رجالهم وقسم نساء هم واموالهم واولادهم بین المسلمین (ابوداؤد شریف، باب فی خبر النضیر، ص ۶۷، نمبر ۳۰۰۵) اس حدیث میں ہے کہ ان کے مال اور اولاد اور عورتوں کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ تقسیم کی جا سکتی ہے۔

۲؎ لَـهُ أَنَّ سَبَـبَ الْـمِلْكِ الِاسْتِيَلَاءُ إِذَا وَرَدَ عَلٰى مَالٍ مُبَاحٍ فِيْ الصَّيُودِ، وَلَا مَعْنَى لِلِاسْتِيَلَاءِ سِوَى إِثْبَاتِ الْيَدِ وَقَدْ تَحَقَّقَ. ۳؎ وَلَنَا أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "نَهَى عَنْ بَيْعِ الْغَنِيمَةِ فِيْ دَارِ الْحَرْبِ"، وَالْخِلَافُ ثَابِتٌ فِيهِ، وَالْقِسْمَةُ بَيْعٌ مَعْنًى فَتَدْخُلُ تَحْتَهُ، ۴؎ وَلِأَنَّ الِاسْتِيَلَاءَ إِثْبَاتُ الْيَدِ الْحَافِظَةِ وَالنَّاقِلَةِ وَالثَّانِي مُنْعَدِمٌ لِقُدْرَتِهِمْ عَلَى الِاسْتِنْقَاذِ وَوُجُودِهِ ظَاهِرًا.

ترجمہ: ۲؎ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ مباح مال پر قبضہ ہو جائے تو ملک ثابت ہو جاتا ہے، جیسے شکار پر ہوتا ہے اور استیلاء کا ترجمہ اس کے علاوہ نہیں ہے قبضہ ثابت ہو جائے اور وہ ہو چکا ہے۔

تشریح: امام شافعیؒ کی دلیل عقلی یہ ہے کہ مباح مال پر قبضہ ہو جائے تو ملکیت ثابت ہو جاتی ہے، جیسے شکار پر قبضہ ہو جائے تو اس پر ملکیت ثابت ہو جاتی ہے، اور یہاں کفار کے مال پر استیلاء یعنی قبضہ ہو چکا ہے اس لئے اس کی ملکیت ہوگئی اس لئے اس کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دینا جائز ہے۔

ترجمہ: ۳؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضورؐ نے دار الحرب میں مال غنیمت کو بیچنے سے منع فرمایا ہے، اور اس بارے میں اختلاف ہے، اور تقسیم کرنا بیچنے کے معنی میں ہے اس لئے تقسیم بیع کے تحت میں داخل ہوگی، یعنی تقسیم کرنا بھی ممنوع ہوگا۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ دار الحرب میں مال غنیمت کو بیچنے سے منع فرمایا، اور مال غنیمت کو تقسیم کرنا بھی بیچنے کے معنی میں ہے اس لئے اس کو تقسیم کرنا بھی جائز نہیں ہوگا۔

وجہ: ۔صاحب ہدایہ کی حدیث تقریبا یہ ہے۔عن عمران بن حصين قال نهى رسول الله ﷺ عن بيع السلاح في الفتنة (سنن للبیہقی، باب کراہیۃ بیع العصیر ممن یعصر الخمر والسیف ممن یعصی اللہ عز وجل بہ، ج خامس، ص ۵۳۵، نمبر ۱۰۷۸۱) اس حدیث مرسل میں ہے کہ فتنہ کے وقت ہتھیار بیچنے سے منع فرمایا۔

لغت: والخلاف ثابت فیہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ دار الحرب میں مال غنیمت کو بیچنا جائز ہے یا نہیں اس بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے، جس طرح اس بارے میں اختلاف ہے کہ دار الحرب میں مال غنیمت کو تقسیم کرنا جائز ہے یا نہیں۔

ترجمہ: ۴؎ اور اس لئے کہ استیلاء کا مطلب ہوتا ہے قبضے کو ثابت کرنا اور اس کو اپنی مرضی سے منتقل کرنا، لیکن یہاں منتقل کرنا ممکن نہیں ہے اس لئے کہ کفار اس کو واپس لینے پر قدرت رکھتا ہے، اور اس کا وجود ظاہر ہے۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے کہ استیلاء میں دو باتیں ضروری ہیں ایک ہے قبضہ کرنا، اور دوسرا ہے اپنی مرضی سے مال کو ایک جگہ سے دوسری جگہ تک منتقل کرنا، لیکن منتقل کرنا یہاں ممکن نہیں ہے، کیونکہ یہ دار الحرب ہے، یہاں کفار کا غلبہ ہے تو بہت ممکن ہے کہ کفار دوبارہ مال واپس لے لے، پس جب استیلاء نہیں ہوا تو مجاہدین مالک بھی نہیں بنا اسلئے اسکو تقسیم کرنا بھی ابھی جائز نہیں ہے۔

۵ ثُمَّ قِيلَ: مَوْضِعُ الْخِلَافِ تَرَتُّبُ الْأَحْكَامِ عَلَى الْقِسْمَةِ إذَا قَسَّمَ الْإِمَامُ لَا عَنْ اجْتِهَادٍ، لِأَنَّ حُكْمَ الْمِلْكِ لَا يَثْبُتُ بِدُونِهِ. ٦ وَقِيلَ الْكَرَاهَةُ، وَهِيَ كَرَاهَةُ تَنْزِيهٍ عِنْدَ مُحَمَّدٍ فَإِنَّهُ قَالَ عَلَى قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ لَا تَجُوزُ الْقِسْمَةُ فِي دَارِ الْحَرْبِ. وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ الْأَفْضَلُ أَنْ يُقَسِّمَ فِي دَارِ الْإِسْلَامِ. ۷ وَوَجْهُ الْكَرَاهَةِ أَنَّ دَلِيلَ الْبُطْلَانِ رَاجِحٌ، إلَّا أَنَّهُ تَقَاعَدَ عَنْ سَلْبِ الْجَوَازِ فَلَا يَتَقَاعَدُ عَنْ إيرَاثِ الْكَرَاهَةِ.

(۲۷۸۲) قَالَ: وَالرِّدْءُ وَالْمُقَاتِلُ فِي الْعَسْكَرِ سَوَاءٌ ۱ لِاسْتِوَائِهِمْ فِي السَّبَبِ وَهُوَ الْمُجَاوَزَةُ أَوْ شُهُودُ

لغت: استیلاء: قبضہ کرنا۔ الید الحافظ: حفاظت کرنے والا قبضہ۔ الناقلہ: مال غنیمت کو منتقل بھی کر سکتا ہو۔ ثانی معدوم: منتقل نہیں کر سکتا، کیونکہ یہ دار الحرب ہے جس میں کفار کا غلبہ ہے۔ استنقاذ: نقذ سے مشتق ہے، چھڑانا۔ وجودہ ظاہر: کفار کو مال غنیمت چھڑانے کی طاقت ہے، کیونکہ اس کا دار الحرب ہے

ترجمہ: ۵ پھر کہا گیا ہے کہ اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ اگر امام بغیر اجتہاد کے تقسیم کر دے تو تقسیم کے احکام بھی جاری ہوں گے یا نہیں، کیونکہ جب ملکیت ہی ثابت نہیں ہوئی تو ملک کیسے ہوگا۔

تشریح: امام نے اجتہاد کے بغیر مجاہدین میں مال غنیمت تقسیم کر دیا تو مجاہدین کی ملکیت ہوگی یا نہیں، اور اس پر ملکیت کے احکام جاری ہوں گے یا نہیں؟

ترجمہ: ٦ بعض حضرات نے کہا کہ مال غنیمت تقسیم کرنا مکروہ ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے، امام محمدؒ کے نزدیک تقسیم کرنا مکروہ تنزیہی ہے، چنانچہ انہوں نے سیر کبیر میں کہا کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دار الحرب میں تقسیم کرنا جائز نہیں ہے، اور امام محمدؒ کے نزدیک افضل یہ ہے کہ دار الاسلام میں تقسیم کرے۔

تشریح: بعض حضرات نے فرمایا کہ اختلاف کراہیت میں ہے، چنانچہ امام محمدؒ کے نزدیک تقسیم کرنا مکروہ تنزیہی ہے، اور شیخین کے نزدیک دار الحرب میں تقسیم کرنا جائز نہیں ہے، اور امام محمدؒ کے نزدیک افضل یہ ہے کہ دار الاسلام میں تقسیم کرے۔

ترجمہ: ۷ کراہیت کی وجہ یہ ہے کہ تقسیم باطل ہے یہ راجح ہے اور عدم جواز کی دلیل نہیں ہے تو کم سے کم کراہیت تو رہے گی۔

تشریح: یہ عبارت منطقی ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ تقسیم صحیح ہے، یا تقسیم باطل ہے، اس بارے میں تقسیم باطل ہے یہ راجح ہے، اور عدم جواز کی دلیل نہیں ہے تو کم از کم تقسیم کرنا مکروہ ضرور ہوگا۔

ترجمہ: (۲۷۸۲) مددگار اور قتال کرنے والے لشکر میں برابر ہیں۔

ترجمہ: ۱ کیونکہ دونوں کا سبب برابر ہے، یعنی سرحد کو پار کرنا اور جنگ میں شریک ہونا، جیسا کہ معلوم ہوا، اور ایسے ہی کوئی مرض کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے قتال نہیں کر سکا تو اس کو بھی حصہ ملے کیونکہ سرحد کے پار چلا گیا ہے۔

الْوَقْعَةِ عَلَى مَاعُرِفَ،وَكَذٰلِكَ إِذَالَمْ يُقَاتِلُ لِمَرَضٍ أَوْ غَيْرِهِ لِمَاذَكَرْنَا.

(۲۷۸۳)وَإِذَالَحِقَهُمُ الْمَدَدُفِي دَارِالْحَرْبِ قَبْلَ أَنْ يُخْرِجُواالْغَنِيمَةَ إِلَى دَارِالْإِسْلَامِ شَارَكُوهُمْ فِيهَا ،

تشریح: کچھ مجاہد باضابطہ قتال کریں اور کچھ ان کی مدد کریں تو مال غنیمت میں دونوں کا حصہ برابر برابر ہے۔کمی بیشی نہیں ہوگی۔

وجہ:(۱)ایسا ہوتا ہے کہ لشکر میں بعض کا کام جنگ کرنا ہوتا ہے اور بعض کا کام اس کی مدد کرنا۔اس لئے دونوں برابر کے حقدار سمجھے جائیں گے(۲)قول صحابی تو یہاں تک ہے کہ جنگ ختم ہونے کے بعد مال غنیمت تقسیم ہونے سے پہلے کوئی لشکر میں شامل ہو جائے تو ان کو بھی مال غنیمت میں برابر کا حصہ ملے گا۔سمعت طارق بن شهاب يقول : ان اهل البصرة غزوا اهل نهاوند فامدوهم باهل الكوفة وعليهم عمار بن ياسر فقدموا عليهم بعد ما ظهروا على العدو فطلب اهل الكوفة الغنيمة واراداهل البصرة ان لا يقسموا لاهل الكوفة من الغنيمة.فقال رجل من بنى تميم لعمار بن ياسر ايها الاجدع تريد ان تشاركنا فى غنائمنا قال وكانت اذن عمار جدعت مع رسول الله ﷺ فكتبوا الى عمر بن الخطابؓ فكتب اليهم ان الغنيمة لمن شهد الوقعة (سنن للبیہقی ،باب الغنیمۃ لمن شہد الوقعۃ ،ج تاسع ،ص ۸۶،نمبر ۱۷۹۵۳)اس قول صحابی میں جولوگ بعد میں لشکر میں شریک ہوئے ان کو بھی مال غنیمت ملا تو جو پہلے سے شریک ہیں البتہ خدمت کر رہے ہیں تو ان کو بھی برابر کا حصہ ملے گا(۳)غزوۂ حنین کے واقعہ پر نظر ڈالیں تو دیکھیں گے کہ حضرت عباسؓ حضورؐ کی سواری کی لگام پکڑے ہوئے ہیں اور دوسرے حضرات قتال کر رہے تھے پھر بھی حضرت عباسؓ کو برابر کا حصہ ملا۔پوری حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔قال عباسؓ شهدت مع رسول الله ﷺ يوم حنين ... قال عباس وانا آخذ بلجام بغلة رسول الله ﷺ اكفها ارادة ان لاتسرع .(۴)اور دوسری روایت کے اخر میں ہے۔حدثنى اياس بن سلمة هو ابن الاكواع قال غزونا مع رسول الله ﷺ حنينا ... وقسم رسول الله ﷺ غنائمهم بين المسلمين (مسلم شریف،باب غزوۃ حنین،ص ۹۹،نمبر ۱۷۷۵/۴۶۱۲/۱۷۷۷/۴۶۱۹)اس لئے سب کو حصے برابر ملیں گے(۵)ابوداؤد شریف میں بوڑھے اور جوان،مقاتل اور ردء کا واقعہ بیان کیا گیا ہے اور سب کو برابر حصہ دیا گیا۔عبارت یہ ہے قال : قسمها رسول الله ﷺ بالسواء(ابوداؤد شریف،باب فی النفل،ج ۲،ص ۱۹،نمبر ۲۷۳۹)

لغت:الردء : مددگار۔مجاوزۃ: پار کرنا،یہاں مراد ہے سرحد پار کرنا۔

ترجمہ:(۲۷۸۳)اگر ان کو مدد لاحق ہوئی دار الحرب میں غنیمت کو دار الاسلام میں لانے سے پہلے تو وہ اس میں شریک ہوں گے۔

تشریح:ایک لشکر پہلے سے دار الحرب میں جنگ کر رہا تھا۔جنگ ختم ہونے کے بعد لیکن مال غنیمت تقسیم کرنے سے پہلے اور

لے خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ بَعْدَ انْقِضَاءِ الْقِتَالِ ۲ے وَهُوَ بِنَاءً عَلَى مَا مَهَّدْنَاهُ مِنَ الْأَصْلِ، وَإِنَّمَا يَنْقَطِعُ حَقُّ الْمُشَارَكَةِ عِنْدَنَا بِالْإِحْرَازِ أَوْ بِقِسْمَةِ الْإِمَامِ فِي دَارِ الْحَرْبِ أَوْ بِبَيْعِهِ الْمَغَانِمَ فِيهَا، لِأَنَّ بِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهَا يَتِمُّ الْمِلْكُ فَيَنْقَطِعُ حَقُّ شَرِكَةِ الْمَدَدِ.

اس کو دار الاسلام تک لانے سے پہلے مجاہدین کی دوسری جماعت اس کی مدد کے لئے مل گئی تو ان کو بھی مال غنیمت میں برابر کا حصہ ملے گا۔

وجہ :(۱) اوپر حضرت عمرؓ کا فیصلہ گزر چکا ہے جس میں اہل کوفہ کو اہل بصرہ کے مال غنیمت میں حصہ دلوایا۔(سنن للبیہقی، نمبر ۱۷۹۵۳) پہ گزر چکا ہے۔(۲) دوسرا قول صحابی ہے۔ان ابا بکر الصدیقؓ بعث عکرمة بن ابی جھل فی خمس مائة من المسلمین مددا لزیاد بن لبید وللمھاجر بن ابی امیة فوافقھم الجند قد افتتحوا النجیر بالیمن فاشرکھم زیاد بن لبید وھو ممن شھد بدرا فی الغنیمة (سنن للبیہقی، باب الغنیمۃ لمن شھد الوقعۃ، ج تاسع، ص ۸۶، نمبر ۱۷۹۵۲) اس قول صحابی میں بھی ہے کہ جنگ ختم ہونے کے بعد مدد پہنچی تو اس کو بھی مال غنیمت میں حصہ دیا گیا۔

نوٹ : پہلے گزر چکا ہے کہ دار الحرب سے نکلنے سے پہلے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مال غنیمت تقسیم کرنا ٹھیک نہیں۔اس لئے مصنف کی عبارت میں یہ ہے کہ مال غنیمت دار الاسلام لانے سے پہلے کوئی جماعت مدد کے لئے لشکر کے ساتھ مل جائے تو ان کو حصہ ملے گا۔ورنہ اصلی قاعدہ یہ ہے کہ مال غنیمت تقسیم ہونے سے پہلے جماعت مل جائے تو ان کو حصہ ملے گا۔

ترجمہ: لے امام شافعیؒ اس کے خلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ جنگ ختم ہونے کے بعد مدد آئی [تو اسکو غنیمت میں حصہ نہیں ملے گا]

تشریح: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جنگ ختم ہونے کے بعد قافلہ شامل ہوا تو اس کو مال غنیمت میں حصہ نہیں ملے گا۔

وجہ : ان کی دلیل یہ قول صحابی ہے۔کتب عمرؓ الی سعد یوم القادسیة انی قد بعثت الیک اھل الحجاز واھل الشام فمن ادرک منھم القتال قبل ان یتفقؤا فاسھم لھم (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۰۹ فی القوم یجیؤن بعد الوقعۃ ھل لھم شیء، ج سادس، ص ۴۹۷، نمبر ۳۳۳۲۱) اس میں جنگ ختم ہونے سے پہلے شریک ہونے والے کو حصہ دلوایا۔

ترجمہ: ۲ے یہ مسئلہ اس بنیاد پر جو ہم قاعدہ بیان کر رہے ہیں کہ ہمارے نزدیک شرکت کا حق اس وقت ختم ہوگا جب دار الاسلام میں مال غنیمت جمع کر لے، یا دار الحرب میں امام تقسیم کر دے، یا دار الحرب میں مال غنیمت بیچ دے، اس لئے کہ ان تینوں سے مجاہدین کا حق مکمل ہو جاتا ہے اس لئے اب مدد والوں کی شرکت کا حق ختم ہو جائے گا۔

اصول: مال غنیمت میں مجاہدین کا حق ثابت ہو جائے تو مدد والوں کو اس میں حصہ نہیں ملے گا۔

تشریح: ہمارا قاعدہ یہ ہے کہ تین طریقے سے مجاہدین کا حق مال غنیمت میں ثابت ہو جاتا ہے، اور حق ثابت ہونے کے بعد،

(۲۷۸۴) قَالَ: وَلَا حَقَّ لِأَهْلِ سُوقِ الْعَسْكَرِ فِي الْغَنِيمَةِ إِلَّا أَنْ يُقَاتِلُوا، ۱؎ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ فِي أَحَدِ قَوْلَيْهِ: يُسْهِمُ لَهُمْ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "الْغَنِيمَةُ لِمَنْ شَهِدَ الْوَقْعَةَ" وَلِأَنَّهُ وَجَدَ الْجِهَادَ مَعْنًى بِتَكْثِيرِ السَّوَادِ،

مددوالے کوحصہ نہیں ملے گا[۱] مال غنیمت دارا سلام میں پہنچادے، مال غنیمت کودارالحرب ہی میں امام تقسیم کردے۔[۳] مال غنیمت کوامام نے بیچ دیا تواس سے سب کا حق ختم ہوگیا، اب مددوالوں کواس میں حصہ نہیں ملے گا۔

لغت:احراز: دارالاسلام میں مال غنیمت کومحفوظ کردے

ترجمہ :(۲۷۸۴)لشکر کے بازار والوں کوحق نہیں ہےغنیمت میں مگر یہ کہ وہ بھی قتال کریں۔

تشریح :لشکر میں شامل ہیں لیکن انکا مقصد قتال کرنا نہیں ہے اپنی دکان لگا کر تجارت کرنا ہے تو انکو مال غنیمت میں حصہ نہیں ملے گا۔

وجہ:(۱) قول صحابی میں ہے کہ جولوگ جنگ میں شریک ہوں ان کوحصہ ملے گا اور یہ لوگ نیت کے اعتبار سے جنگ میں شریک نہیں ہیں۔ یہ لوگ تو اپنی تجارت بڑھانے کے لئے آئے ہیں۔اس لئے ان کو مال غنیمت میں حصہ کیسے ملے گا؟ (۲) قول صحابی میں ہے۔ کتب عمرؓ بن الخطاب ان الغنیمة لمن شهد الوقعة (سنن للبیہقی ، باب الغنیمۃ لمن شھد الوقعۃ ، ج تاسع ، ص ۸۶،نمبر ۱۷۹۵۴)اس اثر میں ہے کہ غنیمت اس کے لئے ہے جو جنگ میں شریک ہوا ہو یا جنگ میں شرکت کی نیت سے شامل ہوا ہو۔اور یہ لوگ جنگ میں شرکت کی نیت سے شامل نہیں ہوئے ہیں اس لئے ان کو مال غنیمت میں حصہ نہیں ملے گا(۳) مسلم بن سلمۃ بن اکوع کی لمبی حدیث ہے کہ وہ اجیر تھے تو حصہ نہیں دیا لیکن جب اہل مکہ سے قتال کیا تو حضورؐ نے گھوڑے سوار کا حصہ دیا۔جس سے معلوم ہوا کہ ایسے لوگوں کے قتال کرنے سے حصہ ملے گا ورنہ نہیں۔حدثنی ایاس بن سلمة حدثنی ابی ... قال کنت تبیعا لطلحة بن عبید الله،اسقی فرسه واحسه واخدمه واکل من طعامه...اس لمبی حدیث کے اخیر میں ہے... ثم اعطانی رسول الله ﷺ سهمین سهم الفارس وسهم الراجل (مسلم شریف، باب غزوۃ ذی قرد وغیرھا،ص ۸۱۳، نمبر ۱۸۰۷/۴۶۷۸ رمصنف ابن ابی شیبۃ ، ۱۰۷ من قال للعبید والاجیر سھم ، ج سادس ،ص ۴۹۶، نمبر ۳۳۲۰۴)

لغت:اہل السوق : بازاروالے،دوکاندار۔

ترجمہ :۱؎ امام شافعیؒ نے اپنے ایک قول میں فرمایا کہ ان دکانداروں کوبھی حصہ دیا جائے گا،ان کی دلیل حضرت عمر کا قول ہے کہ جو جنگ میں شریک ہوئے اس کوحصہ ملے گا،ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ معنوی طور پر جہاد میں شریک ہوا کیونکہ اس نے لشکر کے تعداد کو بڑھایا۔

۲؎ وَلَنَا أَنَّهُ لَمْ تُوجَدُ الْمُجَاوَزَةُ عَلَى قَصْدِ الْقِتَالِ فَانْعَدَمَ السَّبَبُ الظَّاهِرُ فَيُعْتَبَرُ السَّبَبُ الْحَقِيقِيُّ وَهُوَ الْقِتَالُ فَيُفِيدُ الِاسْتِحْقَاقَ عَلَى حَسَبِ حَالِهِ فَارِسًا أَوْ رَاجِلًا عِنْدَ الْقِتَالِ، ۳؎ وَمَا رَوَاهُ مَوْقُوفٌ عَلَى عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ تَأْوِيلَهُ أَنْ يُشْهِدَهَا عَلَى قَصْدِ الْقِتَالِ.

(۲۷۸۵) وَإِنْ لَمْ تَكُنْ لِلْإِمَامِ حَمُولَةٌ تُحْمَلُ عَلَيْهَا الْغَنَائِمُ قَسَّمَهَا بَيْنَ الْغَانِمِينَ قِسْمَةَ إِيدَاعٍ لِيَحْمُوهَا إِلَى دَارِ الْإِسْلَامِ ثُمَّ يَرْتَجِعَهَا مِنْهُمْ فَيُقَسِّمَهَا،

تشریح: امام شافعیؒ کا ایک قول یہ ہے کہ دو کا ندار کو بھی غنیمت میں حصہ ملے گا۔

وجہ: وہ فرماتے ہیں کہ حصے کے لئے باضابطہ قتال کرنا ضروری نہیں بلکہ تجارت کر کے مجاہدین کا خدمت کرنا بھی حصے کے لئے کافی ہے، اور الغنیمۃ لمن شھد الوقعۃ: کا مطلب یہ بیان کیا کہ میدان کے اردگرد حاضری بھی جنگ کے درجے میں ہے، دوسری دلیل دی کہ اس سے مجاہدین کی تعداد میں کثرت ہوتی ہے اس لئے وہ قتال کے درجے میں ہے اس لئے اس کو مال غنیمت میں حصہ ملے گا۔

ترجمہ: ۲؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ جنگ کے ارادے سے سرحد پار نہیں کیا اس لئے قتال کا ظاہری سبب نہیں پایا گیا اس لئے حقیقی سبب، یعنی قتال میں باضابطہ شرکت کا اعتبار کیا جائے گا اور اس کی حالت کے اعتبار سے مستحق ہوگا، یعنی وہ گھوڑسوار ہے تو دوگنا، اور پیدل ہے تو ایک گنا ملے گا۔

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ تاجر قتال کی نیت سے سرحد پار نہیں کرتا ہے اس لئے جب تک وہ باضابطہ قتال نہیں کرے گا اس کو حصہ نہیں ملے گا، ہاں قتال کے بعد وہ گھوڑسوار ہے تو دو حصے ملیں گے، اور پیدل ہے تو ایک حصہ ملے گا

ترجمہ: ۳؎ اور امام شافعیؒ نے جو حدیث نقل کی وہ قول صحابی ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ باضابطہ جنگ میں شریک ہوگا تو اس کو حصہ ملے گا۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: (۲۷۸۵) اگر امام کے پاس اتنے جانور نہ ہوں جن پر مال غنیمت لادے تو اس کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دے امانت کی تقسیم تاکہ اس کو دار الاسلام لے آئیں۔ پھر ان سے واپس لے لے اور اس کو تقسیم کر دے۔

تشریح: امام کے پاس اتنے جانور نہیں ہیں کہ ان پر سارا مال غنیمت لاد کر دار الاسلام لا سکے۔ ایسی صورت میں مال غنیمت امانت کے طور پر تھوڑا تھوڑا کر کے مجاہدین کو دیدے تاکہ وہ اپنے جانوروں پر لاد کر دار الاسلام تک لائے۔ جب دار الاسلام لے آئے تو امام سب مال کو جمع کرے اور ہر مجاہد کو اس کے حصے کے مطابق تقسیم کر کے دے اور مالک بنا دے۔

وجہ: (۱) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک غنیمت دار الاسلام میں تقسیم کرنا ہے۔ اور دار الاسلام تک لانے کیلئے جانور میسر نہیں ہے تو

۱؎ قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ: هٰكَذَا ذُكِرَ فِيْ الْمُخْتَصَرِ، وَلَمْ يَشْتَرِطْ رِضَاهُمْ وَهُوَ رِوَايَةُ السِّيَرِ الْكَبِيرِ. ۲؎ وَالْجُمْلَةُ فِيْ هٰذَا أَنَّ الْإِمَامَ إِذَا وَجَدَ فِيْ الْمَغْنَمِ حَمُولَةً يَحْمِلُ الْغَنَائِمَ عَلَيْهَا لِأَنَّ الْحَمُولَةَ وَالْمَحْمُولَ مَالُهُمْ. وَكَذَا إِذَا كَانَ فِيْ بَيْتِ الْمَالِ فَضْلُ حَمُولَةٍ لِأَنَّهُ مَالُ الْمُسْلِمِينَ، ۳؎ وَلَوْ كَانَ لِلْغَانِمِينَ أَوْ لِبَعْضِهِمْ لَا يُجْبِرُهُمْ فِيْ رِوَايَةِ السِّيَرِ الصَّغِيرِ لِأَنَّهُ ابْتِدَاءُ إِجَارَةٍ وَصَارَ كَمَا إِذَا نَفَقَتْ دَابَّتُهُ فِيْ مَفَازَةٍ وَمَعَ رَفِيقِهِ فَضْلُ حَمُولَةٍ،

یہی صورت ہوسکتی ہے کہ مجاہدین کوتھوڑا تھوڑا کر کے لانے کیلئے کہے (۲) حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے حنین کی غنیمت جعرانہ میں تقسیم کی تو جعرانہ تک مجاہدین ہی مال غنیمت لائے ہوں گے۔ جس سے معلوم ہوا کہ مجاہدین کو مال غنیمت لانے کیلئے دے۔ حدیث یہ ہے۔ ان انسا اخبرہ قال اعتمر النبی ﷺ من الجعرانۃ حیث قسم غنائم حنین (بخاری شریف، باب من قسم الغنیمۃ فی غزوہ وسفرہ، ص ۴۳۱، نمبر ۳۰۶۶) اس حدیث میں ہے کہ جنگ حنین کی غنیمت جعرانہ میں تقسیم کی۔

لغت: حمولۃ: حمل سے مشتق ہے، سواری، ایداع: ودیعۃ سے مشتق ہے امانت کے طور پر۔

ترجمہ: ۱؎ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ قدوری میں اسی طرح کا ذکر ہے اور مجاہدین کی رضامندی کی شرط نہیں ہے، اور سیر کبیر کی روایت بھی یہی ہے۔

تشریح: صاحب ہدایہ یہ فرما رہے ہیں کہ قدوری میں یہ ذکر نہیں ہے کہ مجاہدین کی رضامندی سے مجاہدین میں تقسیم کرے، لیکن سیر صغیر کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ مجاہدین کی رضامندی ضروری ہے، کیونکہ یہ یا عاریت ہے یا اجرت پر لیجانا ہے، اور دونوں میں اس کی رضامندی ضروری ہے، اس لئے ان کی رضامندی چاہئے۔

ترجمہ: ۲؎ عبارت کا حاصل یہ ہے کہ مال غنیمت میں اٹھانے والے جانور موجود ہے تو امام اس پر مال غنیمت کو اٹھائے گا، اس لئے کہ جو مال اٹھایا جا رہا ہے اور جس پر اٹھایا جا رہا ہے وہ سب مجاہدین کا مال ہے، اسی طرح اگر بیت المال میں جانور ہے تو اس پر اٹھائے گا، کیونکہ یہ مسلمان کا مال ہے۔

تشریح: یہاں دو صورتیں بیان کر رہے ہیں [۱] مال غنیمت میں اتنا جانور موجود ہے جس پر سب مال اٹھایا جا سکتا ہے تو اس پر اٹھائے۔ [۲] بیت المال میں جانور موجود ہے تو اس پر اٹھائے، کیونکہ یہ سب مال عام مسلمانوں کا ہے۔

لغت: حمولۃ: وہ مال جسکو اٹھایا جا رہا ہے، اسی سے محمولۃ: جس جانور پر اٹھایا جا رہا ہے۔

ترجمہ: ۳؎ اگر مجاہدین کے پاس یا کسی اور کے پاس جانور ہے تو سیر صغیر کی روایت میں یہ ہے کہ اس کو اٹھانے پر مجبور نہیں کر سکتے اس لئے کہ یہ ابتدائی طور پر اجرت کا معاملہ ہے تو ایسا ہو گیا کہ جنگل میں جانور ضائع ہو گیا اور ساتھی کے پاس زیادہ جانور

۴ وَيُجبرُهُمْ فِي رِوَايَةِ السِّيَرِ الْكَبِيرِ لِأَنَّهُ دَفْعُ الضَّرَرِ الْعَامِّ بِتَحْمِيلِ ضَرَرٍ خَاصٍّ.

(۲۷۸۶) وَلَا يَجُوزُ بَيْعُ الْغَنَائِمِ قَبْلَ الْقِسْمَةِ فِي دَارِ الْحَرْبِ ۱ لِأَنَّهُ لَا مِلْكَ قَبْلَهَا، ۲ وَفِيهِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّ، وَقَدْ بَيَّنَّا الْأَصْلَ.

ہے[تواس کو اٹھانے پر مجبور نہیں کرسکتے۔

تشریح :مجاہدین کے پاس یا کسی اور کے پاس زیادہ جانور ہے تو اس کو اٹھانے پر مجبور نہیں کر سکتے، کیونکہ یہ ابتدائی طور پر اجرت کا معاملہ ہے اور اجرت میں مستاجر کی رضامندی ضروری ہے اس لئے یہاں بھی اس کی رضامندی ضروری ہوگی، اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ جنگل میں جانور ضائع ہو گیا، اور ساتھی کے پاس زیادہ جانور ہے تو سامان اٹھانے کے لئے اس کی رضامندی ضروری ہے اسی طرح یہاں بھی رضامندی ضروری ہوگی۔

ترجمہ :۴ اور سیر کبیر میں ہے کہ مال غنیمت اٹھانے کے لیے مجبور کیا جائے گا اس لئے کہ خاص نقصان کر کے عام نقصان کو دفع کرنا ہے۔

تشریح:واضح ہے۔

ترجمہ:(۲۷۸۶) دارالحرب میں تقسیم سے پہلے غنیمت کو بیچنا جائز نہیں ہے۔

ترجمہ :۱ اس لئے کہ دارالحرب سے باہر نکلنے سے پہلے مجاہد اس کا مالک نہیں ہے۔

تشریح :امام کو مجاہدین پر خرچ کرنے کے لئے بیچنے کی ضرورت پڑ جائے تو وہ بیچ کر اس کی قیمت مجاہد پر خرچ کر سکتا ہے، لیکن مجاہد اپنی ضرورت کے لئے دارالحرب میں مال غنیمت نہیں بیچ سکتا ہے، کیونکہ تقسیم سے پہلے وہ اس مال کا مالک نہیں ہے ۔البتہ استعمال کی چیز بقدر ضرورت استعمال کر سکتا ہے۔

وجہ:(۱) حدیث میں ہے۔**عن ابی سعید الخدریؓ قال نهی رسول الله ﷺ عن شراء المغانم حتی تقسم** (ترمذی شریف، باب کراہیۃ بیع المغانم حتی تقسم ،ص ۲۸۵،نمبر ۱۵۶۳/ابوداؤد شریف، باب فی وطء السبایا،ص ۳۰۰،نمبر ۲۱۵۸،کتاب النکاح رسنن للبیہقی ،باب بیع السبی وغیرہ فی دار الحرب، ج تاسع ،ص ۲۱۱،نمبر ۱۸۳۰۳)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تقسیم سے پہلے غنیمت کا بیچنا مجاہد کے لئے جائز نہیں ہے۔(۲) تقسیم سے پہلے ہر مجاہد کو بیچنے کی اجازت دے دی جائے تو ہر مجاہد بیچے گا تو مال غنیمت کے خرد برد ہونے کا خطرہ ہے۔

ترجمہ :۲ اس بارے میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے، اور اس کی بنیاد ہم نے پہلے بیان کی ہے[کہ جنگ ختم ہونے کے بعد مال غنیمت میں مجاہد کا حق ہو جاتا ہے۔

(۲۷۸۷)وَمَنْ مَاتَ مِنَ الْغَانِمِينَ فِي دَارِ الْحَرْبِ فَلَا حَقَّ لَهُ فِي الْغَنِيمَةِ، وَمَنْ مَاتَ مِنْهُمْ بَعْدَ إِخْرَاجِهَاإِلَى دَارِالْإِسْلَامِ فَنَصِيبُهُ لِوَرَثَتِهِ ۱؎ لِأَنَّ الْإِرْثَ يَجْرِي فِي الْمِلْكِ،وَلَا مِلْكَ قَبْلَ الْإِحْرَازِ، وَإِنَّمَاالْمِلْكُ بَعْدَهُ. ۲؎ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ:مَنْ مَاتَ مِنْهُمْ بَعْدَ اسْتِقْرَارِ الْهَزِيمَةِ يُورَثُ نَصِيبُهُ لِقِيَامِ الْمِلْكِ فِيهِ عِنْدَهُ وَقَدْ بَيَّنَّاهُ.

تشریح :امام شافعیؒ کے یہاں جنگ ختم ہونے کے بعد مال غنیمت میں مجاہد کا حق ہو جاتا ہے،اسلئے وہ اب اسکو بیچ سکتا ہے، اور امام ابو حنیفہؒ کے یہاں دار الاسلام میں آنے کے بعد امام مال غنیمت کو تقسیم کر دے تب جا کر مجاہد اسکا مالک بنے گا،اور اسکے بعد اسکو بیچ سکتا ہے۔

ترجمہ :(۲۷۸۷) مجاہد میں سے کوئی دار الحرب میں مر جائے تو تقسیم میں اس کا کوئی حق نہیں ہے۔اور مجاہدین میں سے کوئی دار الاسلام تک مال لانے کے بعد انتقال کر جائے تو اس کا حصہ اس کے ورثہ کے لئے ہوگا۔

تشریح :اگر جنگ کے درمیان کوئی شہید ہو گیا تو ان کو بالاتفاق حصہ نہیں ملے گا۔اور اگر جنگ ختم ہونے کے بعد لیکن غنیمت کو دار الاسلام لانے سے پہلے کوئی انتقال کر گیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کو بھی غنیمت میں حصہ نہیں ملے گا۔

وجہ :امام ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ دار الاسلام میں احراز کے بعد مجاہد غنیمت کا مالک ہوتا ہے۔اس لئے اس سے پہلے جو انتقال کر جائے اس کو مال غنیمت میں حصہ نہیں ملے گا۔جس طرح جنگ کے دوران کوئی شہید ہو جائے اس کو حصہ نہیں ملتا ہے۔

اصول :یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ دار الاسلام میں مال جمع ہونے کے بعد مجاہد کا حق ہوتا ہے۔اور دار الاسلام میں مال غنیمت جمع کیا اس کے بعد کسی مجاہد کا انتقال ہوا تو اس کو غنیمت میں حصہ ملے گا۔اور یہ حصہ اس کے ورثہ کو دے دیا جائے گا۔

وجہ :دار الاسلام تک آنے کے بعد احراز ہو گیا یعنی مال غنیمت محفوظ ہو گیا اور مجاہدین کا اس میں حق ہو گیا۔اس لئے جو اس کے بعد انتقال کیا وہ اس کا حصہ دار بن گیا۔اور چونکہ وہ انتقال کر چکا ہے اس لئے اس کا حصہ اس کے ورثہ کو دے دیا جائے گا۔

ترجمہ :۱؎ اس لئے کہ وراثت ملک میں جاری ہوتی ہے اور دار الاسلام میں جمع ہونے سے پہلے مجاہد کی ملکیت نہیں ہے اس لئے اس کے وارث کو کچھ نہیں ملے گا۔

تشریح:پہلے قاعدہ گزر چکا ہے کہ دار الاسلام میں احراز سے پہلے مجاہد کی ملکیت نہیں ہے اسلئے اس میں وراثت بھی جاری نہیں ہوگی۔

ترجمہ :۲؎ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ کافروں کی شکست کے مکمل ہونے کے بعد مرا ہو تو اس کے حصے کا وارث ہوگا اس لئے کہ انکے یہاں مجاہد کی ملکیت ہو جاتی ہے،اور اس مسئلے کو پہلے بیان کیا ہے۔

تشریح :پہلے بیان ہو چکا ہے کہ امام شافعیؒ کے یہاں جنگ ختم ہو گئی تو مجاہد مالک غنیمت کا مالک بن جاتا ہے اس لئے اس کا

(۲۷۸۸)قَالَ: وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَعْلِفَ الْعَسْكَرُ فِي دَارِ الْحَرْبِ وَيَأْكُلُوا مَا وَجَدُوهُ مِنَ الطَّعَامِ ،

حصہ اس کے وارث کو ملے گا۔

ترجمہ:(۲۷۸۸)اور کوئی حرج نہیں ہے کہ لشکر چارہ کھلائیں دار الحرب میں یا کھانے میں جو پائیں اس کو کھائیں

تشریح: میدان جنگ میں کفار کی کوئی چیز ملے اور اس کو استعمال کرنے کی ضرورت ہو تو بغیر تقسیم کئے اور بغیر اس میں خمس نکالے بھی استعمال کر سکتا ہے۔ مثلا کھانا مل جائے تو اس کو کھا سکتا ہے۔ لکڑی ملے اس کو جلا سکتا ہے، تیل مل جائے تو استعمال کر سکتا ہے یا ہتھیار ملے تو اس سے جنگ کر سکتا ہے۔ البتہ کسی چیز کی کمی ہو اور دوسرے ساتھیوں کو بھی اس کی ضرورت ہو تو پانے والا ہی سب نہ لے لے بلکہ مناسب انداز میں تقسیم کر کے لے تاکہ دوسرے ساتھیوں کی ضرورت بھی پوری ہو سکے۔

وجہ:(۱) یہ ضرورت کی چیزیں ہیں اور امیر کی جانب سے ایک گونہ ان کے استعمال کی اجازت ہوتی ہے۔ کیونکہ گھر سے دور میدان جنگ میں ہیں اس لئے ان کے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے (۲) حدیث میں ہے کہ ہم لوگ مال غنیمت میں سے ضرورت کے مطابق استعمال کر لیا کرتے تھے۔ **عن ابن عمرؓ قال کنا نصیب فی مغازینا العسل و العنب فنأکله و لا نرفعه** (بخاری شریف، باب مایصیب من الطعام فی ارض الحرب، ص ۴۴۶، نمبر ۳۱۵۴ رمسلم شریف، باب جواز الاکل من طعام الغنیمۃ فی دار الحرب، ج ۲، ص ۹۷، نمبر ۱۷۷۲/۴۶۰۵ رابوداؤد شریف، باب فی اباحۃ الطعام بارض العدو، ج ۲، ص ۱۳، نمبر ۲۷۰۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت کی چیز استعمال کر سکتا ہے (۳) ایک حدیث میں ہے کہ ابو جہل ہی کی تلوار سے اس کو مارا جس سے معلوم ہوا کہ مال غنیمت کی تلوار مل جائے اور اس کو استعمال کرنے کی ضرورت پڑے تو استعمال کر سکتا ہے۔ حدیث یہ ہے۔ **حدثنی ابو عبیدة عن ابیه عن ابیه قال: مررت فاذا ابو جهل صریع قد ضربت رجله فقلت یا عدو الله! یا ابا جهل! قد اخزی الله الآخر، قال و لا اهابه عند ذلک فقال ابعد من رجل قتله قومه فضربته بسیف غیر طائل فلم یغن شیئا حتی سقط سیفه من یده فضربته به حتی برد** (ابوداؤد شریف، باب فی الرخصۃ فی السلاح یقاتل بہ فی المعرکۃ، ص ۱۴، نمبر ۲۷۰۹) اس حدیث سے میں ہے کہ حتی سقط من یدہ فضربتہ بہ یعنی ابو جہل کی تلوار اس کے ہاتھ سے گری تو میں نے اسی کی تلوار سے اس کو مارا۔ جس سے معلوم ہوا کہ وقت ضرورت مال غنیمت کا ہتھیار استعمال کر سکتا ہے (۴) **عن عبد الله بن ابی اوفی قال قلت هل کنتم تخمسون یعنی الطعام فی عهد رسول الله ﷺ فقال اصبنا طعاما یوم خیبر فکان الرجل یجیئ فیأخذ منه مقدار ما یکفیه ثم ینصرف** (ابوداؤد شریف، باب فی النھی عن النھی اذا کان فی قلۃ فی ارض العدو، ج ۲، ص ۱۳، نمبر ۲۷۰۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے مطابق استعمال کرے اور باقی واپس کر دے۔

۱؎ قَالَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ: أَرْسَلَ وَلَمْ یُقَیِّدْہُ بِالْحَاجَۃِ، وَقَدْ شَرَطَھَا فِيْ رِوَایَۃٍ وَلَمْ یَشْتَرِطْھَا فِيْ أُخْرَی. وَجْہُ الْأُوْلیٰ أَنَّہُ مُشْتَرَکٌ بَیْنَ الْغَانِمِینَ فَلَایُبَاحُ الِانْتِفَاعُ بِہِ إِلَّا لِحَاجَۃٍ کَمَا فِيْ الثِّیَابِ وَالدَّوَابِّ.
۲؎ وَجْہُ الْأُخْرَی قَوْلُہُ عَلَیْہِ الصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ "فِي طَعَامِ خَیْبَرَ کُلُوھَا وَاعْلِفُوھَا وَلَا تَحْمِلُوھَا"

ضرورت سے زیادہ لوٹ کھسوٹ کر کے لینا جائز نہیں ہے۔

وجہ: (۱) حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔ عن عاصم یعنی ابن کلیب عن ابیہ عن رجل من الانصار قال خرجنا مع رسول اللہ ﷺ فی سفر فاصاب الناس حاجۃ شدیدۃ وجھد واصابوا غنما فانتھبوھا،فان قدورنا لتغلی اذ جاء رسول اللہ ﷺ یمشی علی قوسہ فاکفاء قدورنابقوسہ ثم جعل یرمل اللحم بالتراب ثم قال :ان النھبۃ لیست باحل من المیتۃ او ان المیتۃلیست باحل من النھبۃ ،شک ھناد (ابو داؤد شریف، باب فی النھی عن النھبی اذا کان فی الطعام قلۃ فی ارض العدو، ج ۲، ص ۱۳، نمبر ۲۷۰۵ / بخاری شریف، باب قسمۃ الغنم ص ۳۳۸، نمبر ۲۴۸۸، کتاب الشرکۃ) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لوٹ کھسوٹ کر لینا جائز نہیں ہے۔ صرف ضرورت کے مطابق دوسرے ساتھیوں کی رعایت کر کے لے سکتا ہے۔

لغت: یعلف : چارہ کھلائے، یدھن : تیل لگائے، سلاح : ہتھیار۔

ترجمہ: ۱؎ مصنف فرماتے ہیں کہ متن میں مطلقا کہا کہ کھاو اور ضرورت سے مقید نہیں کیا، اور امام محمدؒ کی ایک روایت میں اسکی بھی شرط ہے، اور دوسری روایت میں اسکی شرط نہیں ہے، پہلی روایت کی وجہ یہ ہے کہ یہ مال مجاہدین کے درمیان مشترک ہے اسلئے ضرورت کے بغیر نفع اٹھانا جائز نہیں ہوگا جیسے کپڑے اور جانور میں ہے کہ ضرورت کے بغیر اسکو استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

تشریح: متن میں اس بات کی قید نہیں لگائی کہ ضرورت ہو تو کھائے اور ضرورت نہ ہو تو نہ کھائے ، بلکہ اس کو مطلق چھوڑا کہ، یعنی ضرورت نہیں ہو تب بھی کھا سکتا ہے۔ جامع صغیر میں ضرورت کی شرط نہیں ہے، اور جامع کبیر میں ضرورت کی شرط ہے۔

وجہ: جامع کبیر میں ضرورت کی شرط ہے اس کی وجہ یہ ہے اس میں دیگر مجاہد کا بھی حق ہے اس لئے بغیر ضرورت کے استعمال کرنا مباح نہیں ہوگا، جیسے کپڑا اور سواری بغیر ضرورت کے استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۲؎ دوسری روایت کی وجہ یہ ہے کہ حضورؐ نے خیبر کے کھانے کے بارے میں فرمایا کہ کھاؤ اور جانور کو چارا کھلاؤ لیکن اس کو اٹھا کر نہ لیجاؤ۔

تشریح: حدیث میں ہے کہ کھاؤ اور جانور کو چارا کھلاؤ اس میں ضرورت کی قید نہیں ہے۔

٣؎ وَلِأَنَّ الْحُكْمَ يُدَارُ عَلَى دَلِيلِ الْحَاجَةِ وَهُوَ كَوْنُهُ فِي دَارِ الْحَرْبِ، لِأَنَّ الْغَازِيَ لَا يَسْتَصْحِبُ قُوتَ نَفْسِهِ وَعَلَفَ ظَهْرِهِ مُدَّةَ مُقَامِهِ فِيهَا وَالْمِيرَةُ مُنْقَطِعَةٌ، فَبَقِيَ عَلَى أَصْلِ الْإِبَاحَةِ لِلْحَاجَةِ ٤؎ بِخِلَافِ السِّلَاحِ لِأَنَّهُ يَسْتَصْحِبُهُ فَانْعَدَمَ دَلِيلُ الْحَاجَةِ، وَقَدْ تَمَسُّ إلَيْهِ الْحَاجَةُ فَتُعْتَبَرُ حَقِيقَتُهَا فَيَسْتَعْمِلُهُ ثُمَّ يَرُدُّهُ فِي الْمَغْنَمِ إذَا اسْتَغْنَى عَنْهُ، وَالدَّابَّةُ مِثْلُ السِّلَاحِ، وَالطَّعَامُ كَالْخُبْزِ وَاللَّحْمِ وَمَا يُسْتَعْمَلُ فِيهِ كَالسَّمْنِ وَالزَّيْتِ.

وجه:عن عبد الله بن عمر قال رسول الله یوم خیبر لوا واعلفوا ولا تحملوا ۔(سنن بیہقی، باب ما فضل فی یدہ من الطعام والعلف ، فی دار الحرب، ج تاسع، ص ۱۰۴، نمبر ۱۸۰۰۴)اس حدیث میں ہے کہ کھانا کھاؤ اور چارہ کھلاؤ، لیکن اٹھا کر ساتھ مت لیجاو۔

ترجمہ:٣؎ اور اس لئے کہ دار الحرب میں ہے اس لئے ضرورت تو ہے ہی اس لئے کہ مجاہد اپنا طویل زمانے تک رہنے کے لئے غلہ اور جانور کو چارا ساتھ نہیں لیجاتا ہے، اور وہاں غلہ ملتا نہیں ہے اس لئے اصل ضرورت تو ہے ہی۔

تشریح:متن میں ضرورت کی قید نہ لگانے کی یہ دلیل عقلی ہے۔مجاہد دار الحرب میں ہے اور جتنے زمانے تک وہاں رہنا ہے اس کا غلہ اور جانور کا چارا ساتھ نہیں لے گیا، اس لئے ہر مجاہد کو کھانے اور چارے کی ضرورت تو ہے ہی اس لئے متن میں ضرورت کی قید نہیں لگائی

لغت:علف: جانور کا چارا. تحملوھا:حمل سے مشتق ہے،اس کو ساتھ اٹھا کر نہ لیجاو۔میرۃ:اہل وعیال کا کھانا۔

ترجمہ:٤؎ بخلاف ہتھیار کے اس لئے کہ اس کو مجاہد اپنے ساتھ لیجاتا ہے اس لئے اس میں ضرورت کی دلیل نہیں ہے اور کبھی اس کی ضرورت پڑ جاتی ہے تو اس کو استعمال کرے، اور جب ضرورت پوری ہو جائے تو مال غنیمت میں واپس کر دے۔

تشریح : مجاہد ہتھیار ساتھ لیجاتا ہے اس لئے ہتھیار کی ضرورت نہیں ہے اس لئے اس میں قید ہے کہ ضرورت ہو تب ہی اس کو استعمال کرے اور جب ضرورت پوری ہو جائے تو مال غنیمت میں اس کو واپس کر دے۔

ترجمہ :٥؎ اور سواری کا جانور کا حکم ہتھیار کی طرح ہے، اور کھانا جیسے روٹی اور گوشت اور جو اس میں استعمال ہو جیسے گھی اور زیتون کا تیل۔

تشریح:سواری کا جانور ہتھیار کے حکم میں ہے کہ ضرورت ہو تب ہی اس کو استعمال کرے، اور ، روٹی، گوشت، گھی، تیل یہ کھانے کے حکم میں ہے، یعنی ضرورت نہ ہو تب بھی اس کو استعمال کر سکتا ہے۔

(۲۷۸۹) قَالَ: وَيَسْتَعْمِلُوا الْحَطَبَ ا؎ وَفِي بَعْضِ النُّسَخِ: الطِّيبَ، وَيُدْهِنُوا بِالدُّهْنِ وَيُوقِحُوا بِهِ الدَّابَّةَ، ا؎ لِمَسَاسِ الْحَاجَةِ إلىٰ جَمِيعِ ذٰلِكَ،

(۲۷۹۰) وَيُقَاتِلُوا بِمَا يَجِدُونَهُ مِنَ السِّلَاحِ، كُلُّ ذٰلِكَ بِلَا قِسْمَةٍ ا؎ وَتَأْوِيلُهُ إِذَا احْتَاجَ إِلَيْهِ بِأَنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ سِلَاحٌ وَقَدْ بَيَّنَّاهُ،

(۲۷۹۱) وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَبِيعُوا مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا وَلَا يَتَمَوَّلُونَهُ ا؎ لِأَنَّ الْبَيْعَ يَتَرَتَّبُ عَلَى الْمِلْكِ وَلَا مِلْكَ عَلَى مَا قَدَّمْنَاهُ، وَإِنَّمَا هُوَ إِبَاحَةٌ وَصَارَ كَالْمُبَاحِ لَهُ الطَّعَامُ،

ترجمہ:(۲۷۸۹)اور ایندھن استعمال کریں۔[اور بعض نسخے میں طیب، یعنی خوشبو کا ذکر ہے]اور تیل لگائے، اور جانور کے پیروں میں تیل مسل سکتا ہے

ترجمہ:ا؎ اس لئے کہ ان چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے۔

تشریح:مال غنیمت میں ایندھن پائے تو اس کو استعمال کر سکتا ہے، اور بعض نسخے میں حطب کے بجائے طیب کا لفظ ہے یعنی خوشبو پائے تو اس کو استعمال کر سکتا ہے، تیل پائے تو اس کو استعمال کر سکتا ہے اور اپنے جانور کے پیر پر بھی مل سکتا ہے، اس لئے کہ ان چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے

لغت:حطب: اندھن کی لکڑی۔ طیب: خوشبو۔ یوقحو: جانور کے پیر پر تیل ملنا۔

ترجمہ:(۲۷۹۰)اور جو ہتھیار پائے تقسیم کئے بغیر اس سے جنگ کر سکتا ہے۔

ترجمہ:ا؎ اس کی تاویل یہ ہے کہ جب اس کی ضرورت پڑ جائے اس طور پر ہتھیار نہ ہو اور اس کی دلیل ہم نے بیان کی ہے۔

تشریح:مال غنیمت میں ہتھیار ملا اور اس کی ضرورت ہے تو تقسیم سے پہلے بھی اس کو استعمال کر سکتا ہے۔، لیکن ضرورت نہ ہو تو استعمال نہ کرے۔

ترجمہ:(۲۷۹۱)اور نہیں جائز ہے کہ اس میں سے کچھ بیچے اور نہ ذخیرہ کرے۔

ترجمہ: ا؎ اس لئے کہ بیچنا ملک پر مرتب ہوتا ہے، اور یہاں ملک نہیں ہے اس لئے بیچنا بھی نہیں ہونا چاہئے جیسا کہ پہلے ذکر کیا صرف اس کو استعمال کرنا مباح ہے تو کھانے کی طرح ہو گیا۔

تشریح:مال غنیمت کے تقسیم کرنے سے پہلے بقدر ضرورت استعمال تو کر سکتا ہے لیکن اس کو بیچے یا اس کو اپنے لئے ذخیرہ کرے اس کی اجازت نہیں ہے۔ کیونکہ تقسیم سے پہلے ابھی تک مجاہد کی ملکیت نہیں ہوئی ہے، صرف ضرورت کے وقت استعمال کرنا مباح ہے۔

۲۔ وَقَوْلُهُ وَلا يَتَمَوَّلُونَهُ إشَارَةٌ إلَى أَنَّهُمْ لا يَبِيعُونَهُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْعُرُوضِ لِأَنَّهُ لا ضَرُورَةَ إلَى ذَلِكَ، فَإِنْ بَاعَهُ أَحَدُهُمْ رَدَّ الثَّمَنَ إلَى الْغَنِيمَةِ؛ لِأَنَّهُ بَدَلُ عَيْنٍ كَانَتْ لِلْجَمَاعَةِ.

وجه:(۱) اوپر بتلایا کہ بقدر ضرورت صرف استعمال کرسکتا ہے۔اور جو باقی بچے اس کو مال غنیمت میں واپس کردے۔عن عبد الله بن ابی اوفی قال قلت هل كنتم تخمسون يعنی الطعام فی عهد رسول الله ﷺ فقال اصبنا طعاما يوم خيبر فكان الرجل يجيئ فيأخذ منه مقدار ما يكفيه ثم ينصرف (ابوداؤدشریف، باب فی النہی عن النہی، ج۲،ص ۱۳، نمبر ۲۷۰۴)اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت سے زیادہ نہ لے اور ذخیرہ نہ کرے۔(۲)اور بیچنا ممنوع ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن ابی سعید الخدریؓ قال نهى رسول الله ﷺ عن شراء المغانم حتى تقسم (ترمذی شریف، باب فی کراہیۃ بیع المغانم حتی تقسم، ص ۲۸۵، نمبر ۱۵۶۳)اس حدیث میں ہے کہ مال غنیمت کو تقسیم ہونے سے پہلے اپنے لئے بیچنا جائز نہیں ہے۔(۳)تقسیم سے پہلے اپنے لئے مال جمع کرنا مال غنیمت میں خیانت کرنا ہے۔اور مال غنیمت میں خیانت کرنے والے کے لئے یہ وعید ہے۔عن عمرؓ بن الخطاب عن النبی ﷺ قال: اذا وجدتم الرجل قد غل فاحرقوا متاعه واضربوه (ابوداؤدشریف، باب فی عقوبۃ الغال، ج۲،ص۱۵، نمبر ۲۷۱۳)اس حدیث میں ہے کہ مال غنیمت میں خیانت کرنے والے کے سامان کو جلا دو اور مارو۔اور اپنے لئے مال جمع کرنا مال غنیمت میں خیانت کرنا ہے اس لئے یہ جائز نہیں ہوگا۔

لغت: لا یتمولونہ : تمول سے مشتق ہے، اپنے لئے مال جمع کرنا۔

ترجمہ :۲ متن میں قول ہے، یتمولونہ، اس سے اشارہ یہ ہے کہ سونے اور چاندی، اور سامان کے بدلے مال غنیمت کو نہ بیچے اس لئے کہ اس کی ضرورت نہیں ہے اور اگر بیچ دیا تو اس کی قیمت مال غنیمت میں ڈال دے اس لئے کہ یہ پوری جماعت کی مال کے بدلے میں ہے۔

تشریح :متن میں یتمولونہ ہے [مالدار نہ بنے] اس میں اشارہ ہے کہ مال غنیمت کو سونے، چاندی اور سامان کے بدلے نہ بیچے اور بیچ دیا ہے تو اس قیمت کو مال غنیمت میں واپس کردے، کیونکہ یہ پوری جماعت کا مال ہے۔اس تفصیل سے یہ محسوس ہوا کہ اگر ضرورت پڑ جائے تو مال غنیمت کو کھانے کے بدلے بیچ سکتا ہے۔

وجہ: عن هانی بن كلثوم ...... فكتب اليه عمران ادع الناس يأكلون و يعلفون فمن باع شيئا بذهب او فضة ففيه خمس الله و سهام المسلمين۔(سنن بیہقی، باب بیع الطعام فی دار الحرب، ج تاسع، ص ۱۰۳، نمبر ۱۸۰۰۲)اس قول صحابی میں ہے کہ سونے اور چاندی کے بدلے مال غنیمت بیچا تو وہ مسلمان کا مال ہے، یعنی اس کو مال غنیمت میں داخل کردینا چاہئے۔

۳؎ وَأَمَّا الثِّيَابُ وَالْمَتَاعُ فَيُكْرَهُ الِانْتِفَاعُ بِهَا قَبْلَ الْقِسْمَةِ مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ لِلِاشْتِرَاكِ، إلَّا أَنَّهُ يُقَسِّمُ الْإِمَامُ بَيْنَهُمْ فِي دَارِ الْحَرْبِ إذَا احْتَاجُوا إلَى الثِّيَابِ وَالدَّوَابِّ وَالْمَتَاعِ؛ لِأَنَّ الْمُحَرَّمَ يُسْتَبَاحُ لِلضَّرُورَةِ فَالْمَكْرُوهُ أَوْلَى، وَهَذَا لِأَنَّ حَقَّ الْمَدَدِ مُحْتَمَلٌ، وَحَاجَةُ هَؤُلَاءِ مُتَيَقَّنٌ بِهَا فَكَانَ أَوْلَى بِالرِّعَايَةِ، ۴؎ وَلَمْ يَذْكُرْ الْقِسْمَةَ فِي السِّلَاحِ، وَلَا فَرْقَ فِي الْحَقِيقَةِ لِأَنَّهُ إذَا احْتَاجَ وَاحِدٌ يُبَاحُ لَهُ الِانْتِفَاعُ فِي الْفَصْلَيْنِ، وَإِنْ احْتَاجَ الْكُلُّ يُقَسِّمُ فِي الْفَصْلَيْنِ، ۵؎ بِخِلَافِ مَا إذَا احْتَاجُوا إلَى السَّبْيِ حَيْثُ لَا يُقَسِّمُ لِأَنَّ الْحَاجَةَ إلَيْهِ مِنْ فُضُولِ الْحَوَائِجِ.

ترجمہ :۳؎ کپڑا اور سامان سے بغیر ضرورت کے تقسیم کرنے سے پہلے اس سے فائدہ اٹھانا مکروہ ہے، کیونکہ اس میں مجاہدین کی شرکت ہے، اگر کپڑے، اور سواری، اور سامان کی ضرورت مجاہدین کو پڑ جائے تو یہ ہوسکتا ہے کہ امام اس کو دار الحرب ہی میں تقسیم کردے کیونکہ ضرورت کی بنا پر حرام چیز مباح ہوجاتی ہے تو مکروہ چیز بدرجہ اولی مباح ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دار الاسلام سے مدد منگوانا ایک احتمالی چیز ہے اور مجاہدین کی ضرورت یقینی ہے اس لئے اس ضرورت کی رعایت کی جائے گی۔

تشریح :مال غنیمت کے کپڑے اور سامان سے بغیر ضرورت کے فائدہ اٹھانا مکروہ ہے، اگر واقعی ضرورت پڑ جائے تو بہتر یہ ہوگا کہ امام کپڑے اور سامان کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کردے۔

وجہ :(۱) اسکی وجہ یہ ہے کہ دار الحرب میں مال غنیمت تقسیم کرنا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مکروہ ہے، اور یہاں ضرورت پڑ گئی ہے، اور ضرورت کے وقت بعض حرام چیز بھی مباح ہوجاتی ہے، اسلئے مکروہ چیز بدرجہ اولی مباح ہوگی۔(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ دار الاسلام سے مدد منگوانا ایک احتمالی چیز ہے، اور مجاہدین کی ضرورت یقینی ہے اسلئے یقینی کی رعایت کرکے کپڑا اور سامان تقسیم کردیا جائے گا۔

ترجمہ :۴؎ سیر صغیر میں ہتھیار کی تقسیم کا تذکرہ نہیں ہے، لیکن حقیقت میں یہ کوئی فرق نہیں ہے اس لئے کہ کسی کو ہتھیار کی ضرورت پڑ جائے تو کپڑا اور ہتھیار دونوں سے فائدہ اٹھانا جائز ہے، اور سب غازیوں کو اس کی ضرورت پڑ جائے تو کپڑا اور ہتھیار دونوں کو دار الحرب میں تقسیم کرنا جائز ہے۔

تشریح: سیر صغیر میں ہتھیار کو تقسیم کرنے کے بارے کوئی ذکر نہیں ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ضرورت پڑ جائے تو کپڑا اور ہتھیار دونوں سے فائدہ اٹھانا جائز ہے اور دونوں کو دار الحرب میں تقسیم کرنا بھی جائز ہے۔

وجہ: کیونکہ ان دونوں سے فائدہ اٹھانا حاجت اصلیہ میں داخل ہے۔

ترجمہ :۵؎ بخلاف پکڑی ہوئی عورت کی ضرورت پڑ گئی تو اس کو تقسیم نہیں کرے گا اس لئے کہ عورت کی ضرورت حوائج اصلیہ میں نہیں ہے۔

(۲۷۹۲) قَالَ: وَمَنْ أَسْلَمَ مِنْهُمْ مَعْنَاهُ فِي دَارِ الْحَرْبِ أَحْرَزَ بِإِسْلَامِهِ نَفْسَهُ لِأَنَّ الْإِسْلَامَ يُنَافِي ابْتِدَاءَ الِاسْتِرْقَاقِ وَأَوْلَادَهُ الصِّغَارَ لِأَنَّهُمْ مُسْلِمُونَ بِإِسْلَامِهِ تَبَعًا وَكُلَّ مَالٍ هُوَ فِي يَدِهِ ا لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "مَنْ أَسْلَمَ عَلَى مَالٍ فَهُوَ لَهُ"

تشریح :جنگ میں پکڑی ہوئی عورت کی ضرورت پڑ گئی کہ اس سے جماع کیا جائے تو امام اس کو دار الحرب میں تقسیم نہیں کرے گا۔

وجہ :اس کی وجہ یہ ہے کہ کپڑا اور ہتھیار تو حاجت اصلیہ میں داخل ہے اور عورت سے جماع کرنا حاجت اصلیہ میں داخل نہیں ہے اس لئے اس کو دار الحرب میں تقسیم نہیں کرے گا۔

لغت: سبی: قید کی گئی عورت جو باندی بنانے کے قابل ہو۔

ترجمہ :(۲۷۹۲) کفار میں سے جو دار الحرب میں اسلام لے آئے تو وہ محفوظ کر لے گا اسلام کی وجہ سے اپنی جان اور اپنی چھوٹی اولاد اور وہ مال جو اس کے قبضے میں ہو۔

ترجمہ :ا حضورؐ کے قول کی وجہ سے جو اسلام لائے تو اس کا مال اسی کا ہو جائے گا۔

تشریح : کفار کو غلام بنانے سے پہلے مسلمان ہو جائے تو وہ خود بھی آزاد شمار کیا جائے گا اور اس کی چھوٹی اولاد بھی آزاد شمار کی جائے گی اور قتل سے محفوظ رہیں گے۔ اور جو اس کا مال ہے وہ مال غنیمت نہیں ہوگا بلکہ مالک کو دے دیا جائے گا۔ چاہے وہ مال اس کے قبضے میں ہو یا کسی مسلمان کے پاس امانت ہو۔ یا کسی ذمی کے پاس امانت ہو۔ البتہ جو مال حربی کے قبضے میں ہو وہ مال غنیمت شمار کیا جائے گا۔

وجہ:(۱) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ حدثنی عثمان بن ابی حازم عن ابیه عن جده صخر ان رسول الله ﷺ غزا ثقیفا ... یا صخر ! ان القوم اذا اسلموا احرزوا دماء هم واموالهم فادفع الی المغیرة عمته فدفعها الیه (ابوداؤد شریف، باب فی اقطاع الارضین، ج ۲، ص ۸۷، نمبر ۳۰۶۷، کتاب الخراج) (۲) دوسری حدیث میں ہے۔ان ابا هريرةؓ ... وقد قال رسول الله ﷺ امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لااله الا الله فمن قالها فقد عصم منی ماله ونفسه الا بحقه وحسابه علی الله (بخاری شریف، باب وجوب الزکوۃ، ص ۱۸۷، نمبر ۱۳۹۹ / مسلم شریف، باب الامر بقتال الناس حتی یقولوا لا اله الا الله محمد رسول الله الخ، ص ۶۷، نمبر ۱۲۴/۲۰ / ابوداؤد شریف، باب علی ما یقاتل المشرکون، ص ۳۶۱، نمبر ۲۶۴۰) ان احادیث میں ہے کہ اسلام لے آئے تو جان اور مال محفوظ ہو جائیں گے۔ (۴) صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن ابی هریرة ان رسول الله قال من اسلم علی شیء فهو له

۲؎ وَلِأَنَّهُ سَبقَتْ يَدَهُ الْحَقِيقِيَّةَ إِلَيْهِ يَدُ الظَّاهِرِينَ عَلَيْهِ (۲۷۹۳) أَوْ وَدِيعَةً فِيْ يَدِ مُسْلِمٍ أَوْ ذِمِّيٍّ ۱؎ لِأَنَّهُ فِيْ يَدٍ صَحِيحَةٍ مُحْتَرَمَةٍ وَيَدُهُ كَيَدِهِ. (۲۷۹۴) فَإِنْ ظَهَرْنَا عَلَى دَارِ الْحِرَابِ فَعَقَارُهُ فَيْءٌ ۱؎ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: هُوَ لَهُ لِأَنَّهُ فِيْ يَدِهِ فَصَارَ كَالْمَنْقُولِ.

۔(سنن بیہقی، باب من اسلم علی شیء فھو لہ، ج تاسع ،ص ۱۹۱،نمبر ۱۸۲۵۹) اس حدیث میں ہے کہ جو اسلام لایا اور اس کے پاس کوئی مال ہو تو وہ مال اس کا ہے۔ چھوٹی اولاد ماں باپ کے تابع ہوتی ہیں اور جو حکم باپ یا ماں کا ہوتا ہے وہی حکم چھوٹی اولاد کا بھی ہوتا ہے۔ اس لئے چھوٹی اولاد بھی آزاد ہوگی اور قتل سے محفوظ ہوگی۔

لغت: احرز : محفوظ کرلے گا، حرز سے مشتق ہے، ودیعۃ : امانت کی چیز۔

ترجمہ:۲؎ اور اس لئے کہ مسلمان ہونے والے کا حقیقی قبضہ ہے اس پر غلبہ ہونے والے سے پہلے۔

تشریح :یہ دلیل عقلی ہے۔ جو مسلمان ہوا ہے اس کا قبضہ پہلے ہے اور حقیقی ہے، اور جو مجاہد ہے اس کا قبضہ بعد میں ہے، اس لئے حقیقی قبضہ والے کا قبضہ موجود رہے گا۔

لغت :ید الظاہرین: غلبہ کرنے والے کا قبضہ۔ غلبۃ: غلبے کے طور پر۔

ترجمہ:(۲۷۹۳) یا مسلمان یا ذمی کے ہاتھ میں امانت ہو۔

ترجمہ :۱؎ اس لئے کہ امین کا قبضہ صحیح اور محترم قبضہ ہے، اور امین کا قبضہ مالک کے قبضے کی طرح ہے۔

تشریح :اس نومسلم کا مال کسی امانت دارے پاس ہو تو وہ مال اس نومسلم کا ہے اس لئے وہ بھی محفوظ ہو جائے گا، کیونکہ امین کا قبضہ مالک کے قبضے کی طرح ہے۔

ترجمہ:(۲۷۹۴) پس اگر ہم غالب آجائیں ان کے گھر پر تو اس کی زمین فئی ہوگی اور اس کی

تشریح :حربی مسلمان ہو جائے تو اس کی جان، اس کا منقول مال اور چھوٹی اولاد تو محفوظ ہو جائیں گے، لیکن اس کی زمین جو دار الحرب میں ہے وہ محفوظ نہیں ہوگی بلکہ اگر دار الحرب پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا تو وہ زمین مال غنیمت میں شمار ہوگی۔

وجہ :(۱) یہ لوگ اور یہ چیزیں مسلمان ہونے والے آدمی کے تابع نہیں ہیں اس لئے اس کے مسلمان ہونے سے یہ چیزیں محفوظ نہیں ہوں گی۔ مثلا زمین غیر منقولی چیز ہے اور اگر چہ مسلمان ہونے والے کی ملکیت ہے لیکن دار الحرب ہونے کی وجہ سے وہاں کے حاکم کی حکومت میں ہے۔ اور وہ زمین بھی دار الحرب کی زمین شمار کی جاتی ہے اس لئے وہ مال غنیمت ہوگی۔

ترجمہ :۱؎ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ یہ زمین نومسلم کی ہوگی اس لئے کہ اس زمین پر اس کا قبضہ ہے، جیسے منقولی جائداد نومسلم کی ہوتی ہے۔

۲؎ وَلَنَا أَنَّ الْعَقَارَ فِيْ يَدِ أَهْلِ الدَّارِ وَسُلْطَانِهَا إِذْ هُوَ مِنْ جُمْلَةِ دَارِ الْحَرْبِ فَلَمْ يَكُنْ فِيْ يَدِهِ حَقِيقَةً، وَقِيلَ هٰذَا قَوْلُ أَبِيْ حَنِيفَةَ وَأَبِيْ يُوسُفَ الْآخَرُ. ۳؎ وَفِيْ قَوْلِ مُحَمَّدٍ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي يُوسُفَ الْأَوَّلُ هُوَ كَغَيْرِهِ مِنْ الْأَمْوَالِ بِنَاءً عَلَى أَنَّ الْيَدَ حَقِيقَةً لَا تَثْبُتُ عَلَى الْعَقَارِ عِنْدَهُمَا، وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ تَثْبُتُ،

وجه :(۱) اوپر کی حدیث میں ہے کہ اسلام لانے سے اس کا مال اور اس کی جان محفوظ ہو جائے گی۔ اور زمین بھی اس کا مال ہے اس لئے وہ بھی محفوظ ہوگی (۲) حضرت صخر کی حدیث کے آخر میں ہے کہ حضرت مغیرہؓ کی قوم نے ایمان لایا تو پانی کا کنواں واپس کیا، اور کنواں زمین کا حصہ ہے جس سے معلوم ہوا کہ ایمان لانے سے زمین بھی محفوظ ہوگی۔ لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ حدثنی عثمان بن ابی حازم عن ابیه عن جده صخر ان رسول الله غزا ثقیفا ... یا صخر ان القوم اذا اسلموا احرزوا اموالهم ودماء هم فادفع الی القوم ماء هم ،قال نعم یا نبی الله ! فرأیت وجه رسول الله ﷺ یتغیر عند ذلک حمرة حیاء من اخذه الجاریة واخذه الماء (ابوداؤد شریف، باب فی اقطاع الارضین ص ۴۸۷، نمبر ۳۰۶۷، کتاب الخراج) اس حدیث میں پانی کا کنواں واپس کیا جس سے معلوم ہوا کہ ایمان لانے سے دار الحرب کی زمین بھی محفوظ ہو جائے گی (۳) حدیث میں ہے۔ عن سلیمان بن بریدة عن ابیه عن النبی ﷺ انه کان یقول فی اهل الذمة لهم مااسلموا علیه من اموالهم وعبیدهم ودیارهم وارضهم وماشیتهم ،لیس علیهم فیه الا الصدقة (سنن للبیہقی، باب من اسلم علی شیء فهو له، ج تاسع، ص ۱۹۱، نمبر ۱۸۲۶۱) اس حدیث میں ہے کہ ذمی کو زمین بھی ملے گی جس پر قیاس کر کے حربی کو بھی زمین ملے گی اگر وہ اسلام لے آئے۔

ترجمہ :۲؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ دار الحرب کے جو سلطان ہے زمین اس کے قبضے میں ہے اس لئے یہ دار الحرب کا حصہ ہے، اس لئے حقیقت میں مالک کے قبضے میں نہیں ہے۔ اس لئے یہ زمین مالک کو نہیں ملے گی۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کا دوسرا قول ہے

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ :۳؎ امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کا پہلا قول یہ ہے کہ منقولی جائداد کی طرح زمین کا بھی نو مسلم مالک ہوگا، اور اس کی بنیاد یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک زمین پر قبضہ نہیں ہوتا ہے، اور امام محمدؒ کے نزدیک قبضہ ہوتا ہے۔

تشریح: امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کا دوسرا قول یہ ہے کہ زمین بھی نو مسلم کی ملکیت میں رہے گی۔

وجه :اس کی اصل بنیاد یہ ہے کہ شیخین کے یہاں زمین پر قبضہ نہیں ہوتا، اور امام محمدؒ کے یہاں زمین پر بھی قبضہ ہوتا ہے اس لئے اس کی ملکیت میں رہے گی۔

(۲۷۹۵)وَزَوْجَتُهُ فَيْءٌ ١؎ لِأَنَّهَا كَافِرَةٌ حَرْبِيَّةٌ لَا تَتْبَعُهُ فِي الْإِسْلَامِ (۲۷۹۶)[الف]وَكَذَا حَمْلُهَا فَيْءٌ ١؎ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ. هُوَ يَقُولُ إنَّهُ مُسْلِمٌ تَبَعًا كَالْمُنْفَصِلِ. ٢؎ وَلَنَا أَنَّهُ جُزْؤُهَا فَيَرِقُّ بِرِقِّهَا وَالْمُسْلِمُ مَحَلٌّ لِلتَّمَلُّكِ تَبَعًا لِغَيْرِهِ ٣؎ بِخِلَافِ الْمُنْفَصِلِ لِأَنَّهُ حُرٌّ لِانْعِدَامِ الْجُزْئِيَّةِ عِنْدَ ذَلِكَ وَأَوْلَادُهُ الْكِبَارُ فَيْءٌ ١؎ لِأَنَّهُمْ كُفَّارٌ حَرْبِيُّونَ وَلَا تَبَعِيَّةَ. (۲۷۹۶)[ب]وَمَنْ قَاتَلَ مِنْ عَبِيدِهِ فَيْءٌ ١؎ لِأَنَّهُ لَمَّا تَمَرَّدَ عَلَى مَوْلَاهُ خَرَجَ مِنْ يَدِهِ فَصَارَ تَبَعًا لِأَهْلِ دَارِهِمْ،

ترجمہ:(۲۷۹۵)نومسلم کی بیوی فئی ہوگی

ترجمہ:١؎ [اس لئے کہ وہ کافرہ ہے اور حربیہ ہے اسلام میں شوہر کے تابع نہیں ہے۔

تشریح:نومسلم کی کافرہ بیوی شوہر کے تابع نہیں ہوگی، کیونکہ وہ عاقل اور بالغ ہے۔اس لئے وہ مال غنیمت میں شمار ہوگی۔

ترجمہ:(۲۷۹۶)اس کا حمل فئی ہوگا۔

تشریح:حربیہ عورت کا حمل بھی فئی ہوگا یعنی بعد میں جو بچہ پیدا ہوگا وہ مال کی طرح مال غنیمت میں شمار ہوگا۔

وجہ:(١)حمل ماں کا جز ہے اس لئے ماں مال غنیمت میں ہوگی تو اس کا حمل بھی مال غنیمت میں ہوگا(٢) قول تابعی میں موجود ہے۔قال سفیان ونحن لا نأخذ بذلک ،نقول اذا استثنی ما فی بطنها عتقت کلها انما ولدها کعضو منها (مصنف عبد الرزاق، باب الرجل یعتق امته ویستثنی ما فی بطنها والرجل یشتری ابنه، ج تاسع ص۱۷۲، نمبر ۱۶۸۰۰)اس قول تابعی میں ہے کہ بچہ ماں کے عضو کی طرح ہے اس لئے ماں حربیہ ہوگی تو اس کا حمل بھی حربی شمار ہوگا۔

ترجمہ:١؎ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ حمل باپ کے تابع ہوکر مسلمان ہوگا جیسے بچہ پیدا ہو چکا ہوتا تو وہ مسلمان ہوتا۔

تشریح:امام شافعیؒ کی رائے ہے کہ جس طرح بچہ پیدا ہونے کے بعد وہ باپ کے تابع ہوکر مسلمان ہوتا ہے اسی طرح حمل بھی باپ کے تابع ہوکر مسلمان ہوگا، مال غنیمت میں شمار ہوکر غلام نہیں بنے گا۔

ترجمہ:٢؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ حمل عورت کا جز ہے اس لئے عورت کے باندی بننے کی وجہ سے اس کے تابع ہوکر حمل بھی غلام بنے گا، اور تابع ہوکر مسلمان مملوک بننے کا محل ہے۔

تشریح:ہماری دلیل یہ ہے کہ حمل عورت کا جز ہے اسلئے اسکے تابع ہوکر مملوک بنے گا۔کیونکہ ایسا ممکن ہے کہ مسلمان دوسرے کا تابع ہوکر مملوک بن جائے، جیسے مسلمان نے دوسرے کی باندی سے نکاح کیا تو اس مسلمان کا بچہ ماں کے تابع ہوکر مملوک بنے گا۔

ترجمہ:٣؎ بخلاف بچہ پیدا ہو چکا ہو اس لئے کہ اب عورت کا جز نہ ہونے کی وجہ سے وہ آزاد ہے۔

تشریح:عورت کا بچہ پیدا ہو گیا ہے تو عورت سے جدا ہونے کی وجہ سے اب اسکا جز نہیں رہا اسلئے اب باپ کے تابع ہوکر وہ آزاد ہوگا۔

(۲۷۹۷) وَمَا كَانَ مِنْ مَالِهِ فِي يَدِ حَرْبِيٍّ فَهُوَ فَيْءٌ ۱؎ غَصْبًا كَانَ أَوْ وَدِيعَةً؛ لِأَنَّ يَدَهُ لَيْسَتْ بِمُحْتَرَمَةٍ (۲۷۹۸) وَمَا كَانَ غَصْبًا فِي يَدِ مُسْلِمٍ أَوْ ذِمِّيٍّ فَهُوَ فَيْءٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ. وَقَالَ مُحَمَّدٌ: لَا يَكُونُ فَيْئًا. ۱؎ قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ رَحِمَهُ اللّٰهُ: كَذَا ذُكِرَ الِاخْتِلَافُ فِي السِّيَرِ الْكَبِيرِ. وَذَكَرُوا فِي شُرُوحِ الْجَامِعِ الصَّغِيرِ: قَوْلَ أَبِي يُوسُفَ مَعَ مُحَمَّدٍ. لَهُمَا أَنَّ الْمَالَ تَابِعٌ لِلنَّفْسِ، وَقَدْ صَارَتْ

ترجمہ:(۲۷۹۷)اورنومسلم کی بڑی اولادفئی ہوگی۔

ترجمہ:۱؎اس لئے کہ وہ کافر ہے حربی ہے باپ کے تابع نہیں ہے۔

لغت :فئی : مال غنیمت، ظہرناعلی الدار : دارالحرب پر قبضہ ہوگیا، عقار : زمین۔

ترجمہ :(۲۷۹۶)اورنومسلم کے غلام نے مسلمانوں سے جنگ کی تو وہ بھی مال غنیمت میں شمار ہوگا۔

ترجمہ :۱؎ اس لئے کہ جب آقا کے خلاف سَرکشی کی تو آقا کے ہاتھ سے نکل گیا تو وہ دارالحرب کے تابع ہوگیا[اس لئے وہ مال غنیمت میں شمار ہوگا]

تشریح :نومسلم کا عاقل بالغ غلام تھا اس نے مسلمانوں سے جنگ میں حصہ لیا تو وہ اب آقا کی سرپرستی میں نہیں رہا، اب وہ دارالحرب کی سرپرستی میں ہے اس لئے اس پر قبضے کے بعد مال غنیمت شمار کیا جائے گا، آقا کی وجہ سے وہ آزاد نہیں ہوگا۔

ترجمہ:(۲۷۹۷)اگر نومسلم کا مال حربی کے قبضے میں ہے تو وہ مال غنیمت شمار ہوگا۔

ترجمہ :۱؎ چاہے وہ غصب کیا ہوا ہو، یا امانت کے طور پر ہو اس لئے کہ حربی کا ہاتھ محترم ہاتھ نہیں ہے۔

تشریح :نومسلم کا مال کسی حربی کے پاس ہو، چاہے وہ مال اس نے غصب کرلیا تھا، یا نومسلم نے امانت رکھنے دیا تھا تو وہ مال غنیمت شمار ہوگا، کیونکہ حربی کا جو قبضہ ہے وہ محترم نہیں ہے۔

ترجمہ :(۲۷۹۸)اور نومسلم کا جو مال غصب کیا ہوا ہو کسی مسلمان کے ہاتھ میں، یا ذمی کے ہاتھ تو وہ بھی مال غنیمت ہوگا، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک، اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ مال غنیمت نہیں ہوگا۔

تشریح :نومسلم کا مال کسی مسلمان نے غصب کرلیا تھا، یا کسی ذمی نے غصب کرلیا تھا تو یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مال غنیمت ہوگا، اور امام محمدؒ کے نزدیک یہ مال مال غنیمت نہیں ہوگا۔

وجہ :امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ مال مالک کے تابع ہوتا ہے اور اس کا مالک مسلمان ہے اس لئے اس کے تابع ہوکر مال غنیمت نہیں ہوگا بلکہ مالک کو مل جائے گا۔

ترجمہ :۱؎ صاحب ہدایہ نے کہا کہ سیر کبیر میں امام محمدؒ نے اختلاف ذکر کیا ہے، اور جامع صغیر کی شرح میں امام ابو یوسفؒ

مَعْصُومَةً بِإِسْلَامِهِ فَيَتْبَعُهَا مَالُهُ فِيهَا. ۲؎ ولـهُ أَنَّهُ مَالٌ مُبَاحٌ فَيُمْلَكُ بِالِاسْتِيلَاءِ وَالنَّفْسُ لَمْ تَصِرْ مَعْصُومَةً بِالْإِسْلَامِ؛ أَلَا تَرَى أَنَّهَا لَيْسَتْ بِمُتَقَوِّمَةٍ إِلَّا أَنَّهُ مُحَرَّمٌ التَّعَرُّضُ فِي الْأَصْلِ لِكَوْنِهِ مُكَلَّفًا وَإِبَاحَةُ التَّعَرُّضِ بِعَارِضِ شَرِّهِ وَقَدْ انْدَفَعَ بِالْإِسْلَامِ، بِخِلَافِ الْمَالِ؛ لِأَنَّهُ خُلِقَ عُرْضَةً لِلِامْتِهَانِ فَكَانَ مَحَلًّا لِلتَّمَلُّكِ وَلَيْسَتْ فِي يَدِهِ حُكْمًا فَلَمْ تَثْبُتْ الْعِصْمَةُ.

(۲۷۹۹) وَإِذَا خَرَجَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ دَارِ الْحَرْبِ لَمْ يَجُزْ أَنْ يَعْلِفُوا مِنْ الْغَنِيمَةِ وَلَا يَأْكُلُوا مِنْهَا، ۱؎ لِأَنَّ الضَّرُورَةَ قَدْ ارْتَفَعَتْ، وَالْإِبَاحَةُ بِاعْتِبَارِهَا،

کے قول کو امام محمدؒ کے ساتھ ذکر کیا ہے، ان دونوں حضرات کی دلیل یہ ہے کہ مال نفس کے تابع ہے اور نفس اسلام لانے کی وجہ سے محفوظ ہو گیا تو مال بھی اس کے تابع ہو کر محفوظ ہو جائے گا۔ اور مال غنیمت نہیں بنے گا۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۲؎ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ مال مباح ہے اس لئے جو بھی اس پر قبضہ کرے گا وہ مالک بن جائے گا، اور نفس اسلام کی وجہ سے معصوم نہیں ہوا کیا نہیں دیکھتے ہیں کہ نفس کی کوئی قیمت نہیں ہے، ہاں یہ بات ہے کہ اصل میں اس کو چھیڑنا حرام ہے، کیونکہ انسان مکلّف ہے، اس کے شر کی عارض کی وجہ سے جہاد میں اس کو چھیڑنا مباح قرار دیا گیا تھا اسلام کی وجہ سے وہ بھی ختم ہو گیا، بخلاف مال کے اس لئے کہ وہ استعمال کے لئے پیدا کیا گیا ہے اس لئے وہ مالک بننے کا محل ہے، اور غاصب کے قبضے میں ہونے کی وجہ سے حکما مالک کے قبضے میں نہیں ہے اس لئے مال محفوظ نہیں ہو پایا۔

تشریح: یہاں عبارت پیچیدہ ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ یہ مال غاصب کے قبضے میں ہے اس لئے گویا کہ اس کی ملکیت میں ہے، اس لئے مالک کے تابع ہو کر مالک کو نہیں ملے گا۔

لغت: استیلاء: قبضہ، غلبہ۔ امتہان: مہنۃ سے مشتق ہے، استعمال کرنے کے لئے۔ عصمۃ: محفوظ ہونے کے لئے۔

ترجمہ: (۲۷۹۹) اگر مسلمان دار الحرب سے نکلے تو نہیں جائز ہے کہ چارہ کھلائیں مال غنیمت سے اور نہ اس میں خود کھائیں۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ ضرورت پوری ہو گئی، اور یہاں استعمال کرنے کی گنجائش ضرورت کی وجہ سے تھا۔

تشریح: جب تک دار الحرب میں رہا مال غنیمت کا کھانا وغیرہ استعمال کر سکتا تھا۔ لیکن جب دار الحرب سے باہر چلے آئے تو اب اس میں سے استعمال نہیں کر سکتے۔

وجہ: (۱) دار الحرب سے نکلنے کے بعد یہ مال سب مجاہدین کا ہو گیا، اب فوری طور پر امام مال غنیمت کو تقسیم کریں گے اور مجاہد

۲؎ وَلِأَنَّ الْحَقَّ قَدْ تَأَكَّدَ حَتَّى يُوَرَّثَ نَصِيبُهُ وَلَا كَذٰلِكَ قَبْلَ الْإِخْرَاجِ إِلَى دَارِ الْإِسْلَامِ،

(۲۸۰۰) وَمَنْ فَضَلَ مَعَهُ عَلَفٌ أَوْ طَعَامٌ رَدَّهُ إِلَى الْغَنِيمَةِ ۱؎ مَعْنَاهُ إِذَا لَمْ تُقَسَّمْ. ۲؎ وَعَنِ الشَّافِعِيِّ مِثْلُ قَوْلِنَا. وَعَنْهُ أَنَّهُ لَا يَرُدُّ اعْتِبَارًا بِالْمُتَلَصِّصِ.

اب اپنے حصے کے مال میں سے کھائیں گے (۲) دار الحرب سے باہر جانے کے بعد غنیمت کو مجاہدین میں تقسیم کرنا ضروری ہے اس لئے اگر ہر ایک کے پاس کھانے پینے کی چیز رہ جائے گی تو مکمل طور پر تقسیم نہیں ہو سکے گی۔ اس لئے ان چیزوں کو غنیمت میں شامل کرنا ضروری ہے (۳) فقال معاذ غزونا مع رسول الله ﷺ خيبر فاصبنا فيها غنما فقسم فينا رسول الله ﷺ طائفة وجعل بقيتها في المغنم (ابوداؤد شریف، باب فی بیع الطعام اذا فضل عن الناس فی ارض العدو، ص ۱۳، نمبر ۲۷۰۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے مطابق ہی استعمال کرے اور باقی مال غنیمت میں شامل کرے (۴) قول صحابی میں ہے۔ ان عبد الله بن عباسؓ لم یر بأسا ان یأکل الرجل طعاما فی ارض الشرک حتی یدخل اهله (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۲۹ من قال یأکلون من الطعام ولا یحملون ومن رخص فیہ، ج سادس، ص ۵۰۹، نمبر ۳۳۴۳۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اہل یعنی دار الاسلام تک کھا سکتا ہے اس کے بعد واپس جمع کر دے۔

ترجمہ: ۲؎ اور اس لئے کہ مال غنیمت میں مجاہد کا حق موکد ہو گیا یہی وجہ ہے کہ مجاہد کے حصے کا وارث بنے گا، اور دار الاسلام تک لانے سے پہلے یہ بات نہیں تھی۔

تشریح: یہ دوسری دلیل ہے، کہ دار الاسلام میں لانے کے بعد اب مجاہد کا حق ہو گیا، یہی وجہ ہے کہ اگر تقسیم کرنے سے پہلے کوئی مجاہد مر جائے تو اس کا حصہ اس کا وارث لے گا، اس لئے اس مال کو اب نہ کھائے بلکہ اس کو مال غنیمت میں واپس کر دے۔

لغت: علف : چارہ۔

ترجمہ: (۲۸۰۰) اور جو اس کے ساتھ چارہ یا کھانا بچ جائے اس کو غنیمت میں واپس کر دے۔

ترجمہ: ۱؎ اس کا معنی یہ ہے کہ امام نے تقسیم نہ کیا ہو تو واپس کرے۔

تشریح: دو صورتیں ہیں [۱] امام نے دار الحرب میں مجاہد کو کھانا تقسیم کر کے نہ دیا ہو تو جو کھانا بچا ہے اس کو مال غنیمت میں واپس کر دے۔ [۲] اور اگر تقسیم کر کے دے دیا ہو تو اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

ترجمہ: ۲؎ امام شافعیؒ کا ایک قول یہی ہے کہ مال غنیمت میں واپس کر دے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ مال غنیمت میں واپس نہ کرے، جیسے کہ دار الحرب سے چرا کر لایا ہو تو واپس نہیں کرتا ہے۔

تشریح: متلصص: لص سے مشتق ہے، چرا کر لایا ہو، یعنی ایک دو مسلمان امام کی اجازت کے بغیر دار الحرب میں داخل ہوا

٣ وَلَنَا أَنَّ الِاخْتِصَاصَ ضَرُورَةُ الْحَاجَةِ وَقَدْ زَالَتْ، ٤ بِخِلَافِ الْمُتَلَصِّصِ؛ لِأَنَّهُ كَانَ أَحَقَّ بِهِ قَبْلَ الْإِحْرَازِ فَكَذَا بَعْدَهُ، ٥ وَبَعْدَ الْقِسْمَةِ تَصَدَّقُوا بِهِ إنْ كَانُوا أَغْنِيَاءَ، وَانْتَفَعُوا بِهِ إنْ كَانُوا مَحَاوِيجَ لِأَنَّهُ صَارَ فِي حُكْمِ اللُّقَطَةِ لِتَعَذُّرِ الرَّدِّ عَلَى الْغَانِمِينَ، ٦ وَإِنْ كَانُوا انْتَفَعُوا بِهِ بَعْدَ الْإِحْرَازِ تُرَدُّ قِيمَتُهُ إلَى الْمَغْنَمِ إنْ كَانَ لَمْ يُقَسَّمْ، وَإِنْ قُسِّمَتْ الْغَنِيمَةُ فَالْغَنِيُّ يَتَصَدَّقُ بِقِيمَتِهِ وَالْفَقِيرُ لَا شَيْءَ عَلَيْهِ لِقِيَامِ الْقِيمَةِ مَقَامَ الْأَصْلِ فَأَخَذَ حُكْمَهُ.

اورحربی کا مال چرا کر لایا تو یہ مال غنیمت نہیں ہے اور یہ مال چرانے والے کا ہوگا، اسی پر قیاس کرتے ہوئے مال غنیمت کا جو مال مجاہد کے پاس رہ گیا امام شافعیؒ کے نزدیک وہ بھی اسی کا ہوگیا۔

ترجمہ: ٣ ہماری دلیل یہ ہے کہ ضرورت کی وجہ سے کھانے کی اجازت تھی وہ اب پوری ہوگئی۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ٤ بخلاف چور کے اس لئے کہ دارالاسلام میں لانے سے پہلے ہی چور اس کا مالک تھا اس لئے دار اسلام میں لانے کے بعد بھی اس کا مالک رہے گا۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے، کہ چور جب دار الحرب میں تھا تب ہی اس چوری کے مال کا مالک تھا، اس لئے دار الحرب سے دار اسلام میں آنے کے بعد بھی اس کا مالک رہے گا، اور مال غنیمت کا معاملہ ایسا نہیں ہے بلکہ دار الحرب میں ضرورت کی بنیاد پر صرف کھانا مباح تھا وہ اس کا مالک نہیں بنا تھا، اور دارالاسلام میں آنے کے بعد کھانے کی ضرورت نہیں رہی بلکہ اب امام مال غنیمت جو تقسیم کر کے دے گا اب اس میں سے کھائے گا، اس لئے بچا تو اس کو مال غنیمت میں واپس کر دے۔

ترجمہ: ٥ امام نے دارالحرب میں کھانے کی چیز تقسیم کر کے دیدی تھی اس میں سے کھانا اور چارہ بچ گیا تو اگر یہ مالدار ہے تو اس کو صدقہ کر دے، اور اگر محتاج ہے تو اس سے فائدہ اٹھائے اسلئے کہ یہ لقطہ کے حکم میں ہوگیا اسلئے کہ مجاہدین پر واپس کرنا ناممکن ہے۔

تشریح: لقطہ: گرے ہوئے مال کو پایا تو اسکا حکم یہ ہے کہ اگر پانے والا مالدار ہے تو اسکو صدقہ کر دے، اور اگر خود غریب ہے تو اسکو خود استعمال کرلے، اسی طرح مجاہد کو امام نے کھانے کی چیز تقسیم کر کے دے دیا تھا اب اس میں سے کھانا بچا تو اگر یہ مالدار ہے تو اس بچے ہوئے کھانے کو صدقہ کر دے، اور اگر خود محتاج ہے تو اسکو خود استعمال کرے۔ اسلئے کہ اب ہر ہر مجاہد کو واپس کرنا مشکل ہے۔

ترجمہ: ٦ اور اگر دار اسلام میں لانے کے بعد استعمال کیا تو اسکی قیمت مال غنیمت میں داخل کرے، اور اگر مال غنیمت تقسیم ہو چکا ہو تو مالدار آدمی اسکی قیمت صدقہ کرے اور فقیر پر کچھ نہیں ہے، کیونکہ فقیر اصل کھانا کھا سکتا ہے تو اسکی قیمت بھی کھا سکتا ہے۔

تشریح: دارالاسلام میں لانے کے بعد مال غنیمت کا کھانا کھالیا، تو اگر یہ مال غنیمت کے تقسیم سے پہلے ہے تو اس کی قیمت

مال غنیمت میں واپس کرے، اور اگر تقسیم ہو چکا ہے اس کے بعد استعمال کیا ہے تو اگر یہ آدمی مالدار ہے تو اس کی قیمت فقیروں میں صدقہ کرے۔ اور اگر خود فقیر ہے تو جس طرح کھانا کھا سکتا ہے تو اس کی قیمت بھی کھا سکتا ہے اس لئے فقیر کو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، یہ اوپر میں لقطہ کے مال کی طرح ہو گیا۔

﴿فَصْلٌ فِيْ كَيْفِيَّةِ الْقِسْمَةِ﴾

(۲۸۰۱)قَالَ: وَيُقَسِّمُ الْإِمَامُ الْغَنِيمَةَ فَيُخْرِجُ خُمُسَهَا لِ لِقَوْلِهِ تَعَالَىٰ﴿ فَأَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهُ﴾اسْتَثْنَى الْخُمُسَ وَيُقَسِّمُ الْأَرْبَعَةَ الْأَخْمَاسِ بَيْنَ الْغَانِمِينَ لِ ''لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ قَسَّمَهَابَيْنَ الْغَانِمِينَ''

﴿فصل فی کیفیة القسمة﴾

ترجمہ:(۲۸۰۱)امام مال غنیمت تقسیم کرے۔پس اس میں سے پانچواں حصہ نکالے[اللہ تعالی کے قول کی وجہ سے کہ پانچواں اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہے،تو پانچواں حصے کو استثنی کیا]باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم کرے۔

ترجمہ:لِ اس لئے کہ رسول اللہ نے چار حصوں کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کیا۔

تشریح :مال غنیمت میں جو بھی آئے اس میں سے پانچواں حصہ خمس نکالے جو حضورؐ کے زمانے میں پانچ طبقوں میں تقسیم ہوتا تھا۔(۱) حضورؐ(۲) ان کے رشتہ دار (۳) یتیم (۴) مسکین (۵)اور مسافر کے درمیان۔اور باقی چار حصے مجاہدین کے درمیان تقسیم ہوتے تھے۔مثلا پچیس درہم مال غنیمت میں آیا تو ایک پانچواں حصہ پانچ درہم ہوئے۔ان پانچ درہم میں سے ایک درہم حضورؐ کے لئے،ایک درہم ان کے رشتہ دار کے لئے،ایک درہم یتیم کے لئے،ایک درہم مسکین کے لئے اور ایک درہم مسافر کے لئے ہوگا،باقی چار حصے یعنی بیس درہم تمام مجاہدین میں تقسیم ہوں گے۔

وجہ:(۱)صاحب ہدایہ کی آیت یہ ہے۔**واعلموا انما غنمتم من شیء فان لله خمسه وللرسول ولذی القربی والیتمی والمساکین وابن السبیل ان کنتم آمنتم بالله** (آیت ۴۱،سورۃ الانفال ۸)اس آیت میں پانچویں حصے کو پانچوں طبقوں میں تقسیم کرنے کا تذکرہ ہے(۲)حدیث میں ہے.**عن ابی العالیة قال کان رسول اللهؐ یوتی بالغنیمة فیقسمها علی خمسة فیکون اربعة لمن شهد ها ویأخذ الخمس فیضرب بیده فیه فما اخذ من شیء جعله للکعبة وهو سهم الله الذی سمی ثم یقسم مابقی علی خمسة فیکون سهم لرسول اللهؐ وسهم لذوی القربی وسهم للیتامی وسهم للمساکین وسهم لابن السبیل** (مصنف ابن ابی شیبة ۱۲۴،فی الغنیمة کیف یقسم،ج سادس،ص ۵۰۴،نمبر ۳۳۲۸۷/مصنف عبد الرزاق،باب الغنیمة والفئی مختلفان،ج خامس،ص ۲۰۹،نمبر ۹۴۷۸)اس حدیث سے پتا چلا کہ چار حصے مجاہدین کے لئے ہیں اور پانچواں حصہ یعنی خمس میں پانچ طبقے شریک ہیں۔(۳)**عن ابن عباس قال کان رسول الله ﷺ اذا بعث سریة فغنموا خمس الغنیمة فضرب ذالک الخمس فی خمسة ثم قرأ (واعلموا انما غنمتم من شیء فان لله خمسه ..الی قوله لله ما فی السموات والارض)**

(۲۸۰۲)ثُمَّ لِلْفَارِسِ سَهْمَانِ وَلِلرَّاجِلِ سَهْمٌ ۱؎ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ.وَقَالَا : لِلْفَارِسِ ثَلَاثَةُ أَسْهُمٍ ۱؎ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى، لِمَا رَوَى ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ "أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَسْهَمَ لِلْفَارِسِ ثَلَاثَةَ أَسْهُمٍ وَلِلرَّاجِلِ سَهْمًا"

فجعل سهم الله و سهم الرسول واحدا (و لذی القربی) فجعل هذین السهمین قوة فی الخیل و السلاح و جعل سهم الیتامی و المساکین و ابن السبیل ألا یعطیه غیرهم و جعل الاربعة الاسهم الباقیة للفرس سهمین و لراکبه سهم و للراجل سهم ۔(طبرانی الکبیر،الضحاک عن ابن عباس، ج ۱۲،ص ۹۷،نمبر ۱۲۶۶۰)
اس حدیث میں خمس کے سارے احکام ہیں۔

ترجمہ :(۲۸۰۲) گھوڑے سوار کے لئے دو حصے اور پیدل والے کے لئے ایک حصہ۔اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ گھوڑے سوار کے لئے تین حصے ہوں گے۔

ترجمہ :۱؎ امام شافعیؒ کی بھی یہی رائے ہے،اس لئے کہ ابن عمرؓ نے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے گھوڑے سوار کو تین حصے دئے اور پیدال والے کو ایک حصہ۔

تشریح :مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ خمس نکالنے کے بعد مجاہدین میں جو مال تقسیم ہوگا اس کی صورت یہ ہوگی کہ جو گھوڑ سوار ہے اس کو دو حصے ملیں گے ایک حصہ گھوڑے کا اور ایک حصہ سوار کا۔اور جو پیدل جہاد کر رہا ہے اس کو صرف ایک حصہ ملے گا آدمی کا۔یہ امام ابو حنیفہؒ کی رائے ہے۔

وجہ :(۱) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔حضورؐ نے خیبر کو چھتیس حصوں میں تقسیم فرمایا ان میں سے آدھا امور مسلمین کے لئے اور آدھا یعنی اٹھارہ سو حصے مجاہدین کے لئے۔اور مجاہدین پندرہ سو تھے۔جن میں سے تین سو گھوڑے سوار تھے تو گویا کہ وہ دو گنا ہو کر چھ سو ہو گئے تو بارہ سو پیدل اور چھ سو وہ تو اٹھارہ سو ہوئے۔اور گھوڑ سوار کو دو دو حصے دئیے۔حدیث یہ ہے۔ عن عمه مجمع بن جاریة انصاری ..... قال قسمت خیبر علی اهل الحدیبیة فقسمها رسول الله ﷺ علی ثمانیة عشر سهما و کان الجیش الفا و خمس مائة فیهم ثلاث مائة فارس،فاعطی الفارس سهمین واعطی الراجل سهما (ابو داؤد شریف،باب ماجاء فی حکم ارض خیبر،ص ۶۸،نمبر ۳۰۱۵ دار قطنی ،کتاب السیر ،ج رابع ص ۶۱،نمبر ۴۱۳۸)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھوڑ سوار کو صرف دو حصے ملیں گے اور پیدل کو ایک حصہ۔

فائدہ:صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ گھوڑ سوار کے لئے تین حصے ہیں۔

وجہ :(۱) حدیث میں اس کا ثبوت ہے جس کو صاحب ہدایہ نے ذکر کیا ہے۔عن ابن عمرؓ ان رسول الله ﷺ اسهم

۲ وَلِأَنَّ الِاسْتِحْقَاقَ بِالْغِنَاءِ وَغِنَاؤُهُ عَلٰی ثَلَاثَةِ أَمْثَالِ الرَّاجِلِ؛ لِأَنَّهُ لِلْكَرِّ وَالْفَرِّ وَالثَّبَاتِ، وَالرَّاجِلُ لِلثَّبَاتِ لَا غَيْرُ. ۳ وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی مَا رَوَى ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا "أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَعْطَى الْفَارِسَ سَهْمَيْنِ وَالرَّاجِلَ سَهْمًا" فَتَعَارَضَ فِعْلَاهُ، فَيُرْجَعُ إِلَى قَوْلِهٖ وَقَدْ قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "لِلْفَارِسِ سَهْمَانِ وَلِلرَّاجِلِ سَهْمٌ" كَيْفَ وَقَدْ رُوِيَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا "أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ قَسَّمَ لِلْفَارِسِ سَهْمَيْنِ" وَإِذَا تَعَارَضَتْ رِوَايَتَاهُ تُرَجَّحَ رِوَايَةُ غَيْرِهٖ،

لرجل ولفرسه ثلاثة اسهم سهما له وسهمين لفرسه (ابوداؤد شریف، باب فی سہمان الخیل ،ص۱۹، نمبر ۲۷۳۳ر ترمذی شریف، باب فی سہم الخیل ،ص۲۸۳، نمبر ۱۵۵۴ر بخاری شریف، باب سہام الفرس، ۴۷۴، نمبر ۲۸۶۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھوڑے کے دو حصے اور اس کے سوار کے لئے ایک حصہ مجموعہ تین حصے ہوں گے۔

لغت :فارس : فرس سے مشتق ہے گھوڑ سوار، سہم : حصہ۔

ترجمہ :۲ اور اس لئے کہ حصوں کا حقدار کام آنے کی وجہ سے ہوتا ہے اور گھوڑ سوار پیدل کے مقابلے پر تین طرح سے کام آتا ہے، اس لئے کہ حملہ کرنے کے لئے پلٹ کر بھاگنے کے لئے اور جم کر لڑنے کے لئے ،اور پیدل آدمی صرف جم کر لڑنے کے لئے ہوتا ہے۔

تشریح : یہ صاحبینؒ کی جانب سے دلیل عقلی ہے۔کہ گھوڑ سوار جنگ میں تین طرح کام آتے ہیں[۱] دشمن پر حملہ کرنے کے لئے [۲] فورا پلٹ کر بھاگنے کے لئے [۳] اور موقع ہو تو جم کر لڑنے کے ہے ہے اس لئے اس کو تین حصے ملنے چاہئے ،اور پیدل آدمی صرف جم کر لڑنے کے لئے ہے اس لئے اس کو مال غنیمت میں سے صرف ایک ہی حصہ ملنا چاہئے

لغت :غناء؛ کام آنا ،کافی ہونا۔کر:حملہ کرنا ،فر:فرار سے مشتق ہے، بھاگنا۔راجل: رجل سے مشتق ہے، پیدل آدمی۔ ثبات: جم کر لڑنا۔

ترجمہ :۳ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ حضورؐ نے سوار کو دو حصے دئے اور پیدل کو ایک حصہ دیا، تو ان کا دونوں فعل میں تعارض ہو گیا اس لئے اس کے قول کی طرف رجوع کیا ،اور حضورؐ نے فرمایا کہ سوار کو دو حصے دئے جائیں گے اور پیدل کو ایک حصہ دیا، اور حضرت ابن عمر سے بھی روایت ہے کہ حضورؐ نے سوار کو دو حصے دئے اور پیدل کو ایک حصہ دیا۔،اور جب دو روایتوں میں تعارض ہوا تو ہم نے دوسرے کی روایت سے ایک بات کو ترجیح دی۔

تشریح :اوپر جو حدیث ابن عباس کی پیش کی وہ حدیث مجمع بن حارثہ کی ہے اس لئے شارح حضرات نے یہاں بڑا اختلاف

۴؎ وَلِأَنَّ الْكَرَّ وَالْفَرَّ مِنْ جِنْسٍ وَاحِدٍ فَيَكُونُ غَنَاؤُهُ مِثْلَيْ غَنَاءِ الرَّاجِلِ فَيُفَضَّلُ عَلَيْهِ بِسَهْمٍ ۵؎ وَلِأَنَّهُ تَعَذَّرَ اعْتِبَارُ مِقْدَارِ الزِّيَادَةِ لِتَعَذُّرِ مَعْرِفَتِهِ فَيُدَارُ الْحُكْمُ عَلَى سَبَبٍ ظَاهِرٍ، وَلِلْفَارِسِ سَبَبَانِ النَّفْسُ وَالْفَرَسُ، وَلِلرَّاجِلِ سَبَبٌ وَاحِدٌ فَكَانَ اسْتِحْقَاقُهُ عَلَى ضِعْفِهِ.

کیا ہے، صحیح بات یہ ہے کہ حضرت ابن عمر کی دو حدیثیں ہیں ، ایک میں ہے کہ سوار کو تین حصے ملیں گے یہ حدیث اوپر صاحبین کے متدل میں گزر گئی ، اور دوسری حدیث میں ہے کہ سوار کو دو حصے ملیں گے یہ حدیث دار قطنی کی ہے جو آگے آرہی ہے اس لئے دونوں حدیثوں میں تعارض ہو گیا اس لئے ہم نے مجمع بن حارثہ کی حدیث کو ترجیح دی کہ سوار کو دو حصے ملیں گے۔

وجہ :(۱) یہ حدیث حضرت ابن عباس کی نہیں ہے بلکہ مجمع بن حارثہ کی ہے جس سے ہم نے دو حصے کو ترجیح دی ہے ۔ عن عمہ مجمع بن حارثه .....انه لفتح فقسمت خيبر عله اهل الحديبية فقسمها رسول الله على ثمانية عشر سهما و كان الجيش امفا و حمسمائة فيهم ثلاث مئاة فارس فاعطى الفارس سهمين و اعطى الراجل سهما ۔(ابو داود شریف، باب فیمن اسہم لہ سہما، ص ۳۹۸، نمبر ۲۷۳۶) اس حدیث میں ہے کہ گھوڑ سوار کو دو حصے دئے اور پیدل کو ایک حصہ دیا۔(۲) حضرت ابن عمرؓ کی دوسری حدیث یہ ہے۔ عن ابن عمر ان النبی ﷺ قسم للفارس سهمين و للراجل سهما. (دار القطنی، باب کتاب السیر، ج رابع ،ص ۶۱، نمبر ۴۱۳۸)اس حدیث میں ہے کہ سوار کو دو حصے دئے اور پیدل کو ایک حصہ دیا۔

ترجمہ :۴؎ اور اس لئے کہ حملہ کرنا اور پیچھے ہٹنا ایک ہی قسم کا کام ہے تو سوار کا کام پیدل کے کام سے دوگنا ہوا، اس لئے سوار کو ایک حصہ زیادہ ملا۔

تشریح : یہ امام صاحبینؒ کو جواب ہے، کہ حملہ کرنا اور پیچھے ہٹنا دو کام نہیں ہیں بلکہ ایک ہی کام ہے اس لئے سوار کا کام پیدل کے کام سے دوگنا ہوا اس لئے اس کو دوگنا ملنا چاہئے۔

ترجمہ :۵؎ اور اس لئے کہ سبب کے پہچاننے کے متعذر رہونے کی وجہ سے کس نے زیادہ کام کیا یہ پہچاننا متعذر رہے اس لئے ظاہری سبب پر حکم ہوگا، اور ہم دیکھتے ہیں کہ سوار کے لئے دو سبب ہیں ایک وہ خود اور دوسرا گھوڑا، اور پیدل والے کے لئے ایک سبب ہے اس لئے سوار کو پیدل کا دوگنا ملنا چاہئے۔

تشریح : جنگ میں کس نے زیادہ کام کیا یہ معلوم کرنا مشکل ہے، اس لئے ظاہری صورت پر فیصلہ کیا جائے، اس اعتبار سے سوار کی دو جانیں کام آئی ہیں، ایک آدمی اور دوسرا گھوڑا، اس لئے اس کو دو حصے ملنے چاہئے، اور پیدل کا ایک ہی آدمی ہے اس لئے اس کو ایک حصہ ملنا چاہئے، یہ ظاہری فیصلہ ہے۔

(۲۸۰۳) وَلَا یُسْهِمُ إِلَّا لِفَرَسٍ وَاحِدٍ ۱؎ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: يُسْهِمُ لِفَرَسَيْنِ، لِمَا رُوِیَ ''أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْهَمَ لِفَرَسَيْنِ'' وَلِأَنَّ الْوَاحِدَ قَدْ يَعْيَا فَيَحْتَاجُ إِلَى الْآخَرِ، ۲؎ وَلَهُمَا ''أَنَّ الْبَرَاءَ بْنَ أَوْسٍ قَادَ فَرَسَيْنِ فَلَمْ يُسْهِمْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا لِفَرَسٍ وَاحِدٍ''

ترجمہ:(۲۸۰۳) اور نہیں حصہ دیا جائے گا مگر ایک ہی گھوڑے کا،

تشریح: آدمی دو یا تین گھوڑے لیکر جہاد میں گیا ہو پھر بھی صرف ایک گھوڑے کا حصہ ملے گا باقی گھوڑوں کو حصہ نہیں ملے گا۔

وجہ: (۱) ایک آدمی بیک وقت ایک ہی گھوڑے پر سوار ہو کر جہاد کر سکتا ہے۔ اس لئے ایک ہی گھوڑے کا حصہ ملے گا (۲) کئی گھوڑوں کے حصے دیئے جائیں تو دوسرے مجاہدین کی حق تلفی ہوگی اس لئے ایک ہی گھوڑے کا حصہ دیا جائے گا (۲) حضرت زبیرؓ جنگ خیبر میں دو گھوڑے لیکر شریک ہوئے تھے اس کے باوجود ان کو ایک گھوڑے کا حصہ دیا گیا۔ عن عبد الله بن الزبيرؓ عن جده انه يقول ضرب رسول الله ﷺ عام خيبر للزبير بن العوام باربعة اسهم، سهما له وسهما لذى القربى لصفية بنت عبد المطلب وسهمين لفرسه (دار قطنی، کتاب السیر، ج رابع، ص ۶۲، نمبر ۴۱۴۳) اس میں دیکھئے ایک ہی گھوڑے کا حصہ ملا ہے۔

ترجمہ: ۱؎ امام ابو یوسفؒ نے کہا کہ دو گھوڑوں کا حصہ دیا جائے گا، اس لئے کہ روایت ہے کہ حضورؐ نے دو گھوڑوں کا حصہ دیا، اور اس لئے کہ ایک گھوڑا کبھی اپاہج ہو جاتا ہے تو دوسرے کی ضرورت پڑتی ہے۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر کئی گھوڑے لیکر شریک ہوا ہو تو دو گھوڑوں کے حصے ملیں گے۔

وجہ: (۱) ان کی دلیل یہ حدیث مرسل ہے۔ انه سمع مكحولا يرفعه الى النبى ﷺ يقول لا سهم من الخيل الا لفرسين وان كان معه الف فرس، اذا دخل بها ارض العدو (مصنف عبد الرزاق، باب السہام للخیل، ج خامس، ص ۱۲۶ نمبر ۹۳۷۹ / مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۰۵، فی الرجل یشھد بالفراس لکم یقسم منھا، ج سادس، ص ۴۹۵، نمبر ۳۳۱۹۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زیادہ بھی گھوڑے لیکر شریک ہوں تو دو گھوڑے کے حصے ملیں گے۔ (۲) عن جده بشير بن عمر بن محصن قال اسهم لى رسول الله ﷺ لفرسى اربعة اسهم و لى سهم فأخذت خمسة اسهم. (دار قطنی، باب کتاب السیر، ج رابع، ص ۵۹، نمبر ۴۱۳۱) اس حدیث میں ہے کہ دو گھوڑے کا حصہ دیا۔

لغت: راجل : پیدل چلنے والا، رجل سے مشتق ہے۔

ترجمہ: ۲؎ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ براء بن اوس دو گھوڑے لے کر گئے تو اس حضورؐ نے انکو ایک ہی گھوڑے کا حصہ دیا۔

٣ـ وَلِأَنَّ الْقِتَالَ لا يَتَحَقَّقُ بِفَرَسَيْنِ دَفْعَةً وَاحِدَةً فَلا يَكُونُ السَّبَبُ الظَّاهِرُ مُفْضِيًا إِلَى الْقِتَالِ عَلَيْهِمَا فَيُسْهِمُ لِوَاحِدٍ، وَلِهَذَا لا يُسْهِمُ لِثَلاثَةِ أَفْرَاسٍ، ٤ـ وَمَا رَوَاهُ مَحْمُولٌ عَلَى التَّنْفِيلِ كَمَا أَعْطَى سَلَمَةَ بْنَ الْأَكْوَعِ سَهْمَيْنِ وَهُوَ رَاجِلٌ.

(٢٨٠٤) وَالْبَرَاذِينُ وَالْعَتَاقُ سَوَاءٌ ١ـ لِأَنَّ الْإِرْهَابَ مُضَافٌ إِلَى جِنْسِ الْخَيْلِ فِي الْكِتَابِ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالَىٰ ﴿وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ﴾ وَاسْمُ الْخَيْلِ يَنْطَلِقُ عَلَى الْبَرَاذِينِ وَالْعِرَابِ وَالْهَجِينِ وَالْمُقْرِفِ إِطْلَاقًا وَاحِدًا، وَلِأَنَّ الْعَرَبِيَّ إِنْ كَانَ فِي الطَّلَبِ وَالْهَرَبِ أَقْوَى فَالْبِرْذَوْنُ أَصْبَرُ وَأَلْيَنُ عَطْفًا، فَفِي كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مَنْفَعَةٌ مُعْتَبَرَةٌ فَاسْتَوَيَا.

تشریح: یہ حدیث عبداللہ بن زبیر کے حوالے سے اوپر گزری۔

ترجمہ: ٣ـ اوراس لئے کہ بیک وقت دو گھوڑوں سے قتال نہیں کرتے اس لئے ظاہری طور پر دونوں سے قتال نہیں ہوتا ہے اس لئے ایک کا حصہ دیا جائے گا، یہی وجہ ہے کہ تین گھوڑوں کا حصہ نہیں دیا جاتا ہے۔

تشریح: دلیل عقلی یہ ہے کہ دو گھوڑوں پر بیک وقت قتال نہیں کیا جاتا ہے، بلکہ ایک وقت میں ایک ہی گھوڑے سے قتال ہوتا ہے، تو یوں سمجھو کہ ایک ہی گھوڑے سے قتال کیا ہے اس لئے ایک گھوڑے کا حصہ ملے گا، یہی وجہ ہے کہ تین گھوڑا لیکر گیا ہو تو تین گھوڑے کا حصہ نہیں ملتا ہے۔اس لئے ایک ہی گھوڑے کا حصہ ملے گا۔

ترجمہ: ٤ـ اور صاحبینؒ نے جو روایت کی ہے وہ نفلی طور پر دیا ہے، جیسے حضرت سلمہ بن اکوع کو دو حصے دئے حالانکہ وہ پیدل تھے۔

تشریح: یہ صاحبین کو جواب ہے کہ جس حدیث میں دو حصے دینے کی بات ہے وہ نفلی طور پر دیا گیا ہے، جیسے حضرت سلمہ بن اکوعؓ پیدل تھے لیکن انکو نفلی طور پر دو حصے دئے۔

ترجمہ: (٢٨٠٤) دیسی گھوڑے اور عربی گھوڑے برابر ہیں۔

ترجمہ: ١ـ اس لئے کہ گھوڑے کی جنس سے ڈرانا ہوتا ہے اس لئے کہ قرآن میں ہے، و من رباط الخیل ترهبون به عدو الله و عدوکم (آیت ٦٠، سورۃ الانفال ٨) اور براذین، عتاق، ہجین اور مقرف سب کو گھوڑا کہتے ہیں اس لئے سب کا حصہ برابر ہے، اور اس لئے کہ عربی حمل کرنے اور بھاگنے میں قوی ہے تو دیسی گھوڑا زیادہ صبر والا ہوتا ہے اور اس کی طبیعت میں نرمی ہوتی ہے، اس اعتبار سے ہر ایک گھوڑے میں الگ الگ نفع ہے اس لئے دونوں کا حکم برابر ہے۔

تشریح: ایسے گھوڑے جو جنگ کے کام آئے لیکن قد میں تھوڑے چھوٹے ہوں اس کو براذین یعنی دیسی گھوڑے کہتے

(۲۸۰۵) وَمَنْ دَخَلَ دَارَ الْحَرْبِ فَارِسًا فَنَفَقَ فَرَسُهُ اسْتَحَقَّ سَهْمَ الْفُرْسَانِ، وَمَنْ دَخَلَ رَاجِلًا فَاشْتَرَى فَرَسًا اسْتَحَقَّ سَهْمَ رَاجِلٍ ل وَجَوَابُ الشَّافِعِيِّ عَلَىٰ عَكْسِهِ فِيْ الْفَصْلَيْنِ، وَهٰكَذَا رَوَى ابْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ أَبِيْ حَنِيفَةَ فِيْ الْفَصْلِ الثَّانِي أَنَّهُ يَسْتَحِقُّ سَهْمَ الْفُرْسَانِ. وَالْحَاصِلُ أَنَّ الْمُعْتَبَرَ

ہیں۔اور لمبے قد کے گھوڑے کو عتاق یعنی عربی گھوڑے کہتے ہیں۔ چونکہ دونوں ہی گھوڑے ہیں اور دونوں ہی جنگ میں کام آتے ہیں اس لئے دونوں کے حصے برابر ہیں۔کسی کے کم نہیں۔

وجه :(۱) قول تابعی میں ہے۔ عن الحسن قال البرذون بمنزلة الفرس (مصنف ابن ابی شیبة ۱۰۳، فی البراذین مالها وکیف یقسم لها، ج سادس، ص ۴۹۴، نمبر ۳۳۱۷۶ رمصنف عبدالرزاق، باب السهام للخیل، ج خامس، ص ۱۲۶، نمبر ۹۳۸۱) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ دیسی گھوڑا اور عربی گھوڑا دونوں کے حصے برابر ہیں۔(۲) قرآن میں ہر قسم کے گھوڑے کے بارے میں کہا گیا ہے اس سے اللہ کے دشمن ڈرتے ہیں اس لئے ہر قسم کے گھوڑے کا حصہ برابر ہوگا، آیت یہ ہے۔و من رباط الخیل ترهبون به عدو الله و عدوکم (آیت ۶۰، سورۃ الانفال ۸)

لغت :عتاق: عربی گھوڑا۔ براذین: عجمی گھوڑا۔ ہجین: ایسا گھوڑا جس کا باپ عجمی ہو اور ماں عربی ہو۔ مقرف: جس کا باپ عربی ہو اور ماں عجمی گھوڑی ہو۔

ترجمہ :(۲۸۰۵) جو دار الحرب میں گھوڑا لیکر داخل ہوا پھر اس کا گھوڑا مر گیا تو وہ گھوڑے کے حصے کا مستحق ہوگا۔اور جو پیدل داخل ہوا پھر گھوڑا خریدا تو وہ پیدل کے حصے کا حقدار ہوگا۔

تشریح : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ دار الحرب میں داخل ہوتے وقت گھوڑ سوار تھا تو گھوڑ سوار کا حصہ یعنی دو یا تین حصے ملیں گے۔اور اس وقت پیدل داخل ہوا بعد میں گھوڑا خریدا تو پیدل کا ہی حصہ ملے گا۔

وجه :(۱) امیر داخل ہوتے وقت ہی تحقیق کرتا ہے اور رجسٹر لکھتا ہے کہ یہ کیسے داخل ہو رہا ہے، گھوڑے کے ساتھ یا پیدل۔اس لئے داخل ہوتے وقت ہی کا اعتبار ہوگا (۲) قول تابعی میں اس کا ثبوت ہے۔عن سلیمان بن موسی فی الامام اذا ادرب قال یکتب الفارس فارسا والراجل راجلا له (مصنف ابن ابی شیبة ۱۵۵، الفارس متی یکتب فارسا، ج سادس، ص ۵۲۷، نمبر ۳۳۵۰۲) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ دار الحرب میں داخل ہونے کے وقت کا اعتبار ہے۔

لغت:نفق : ہلاک ہوا، خرچ ہوا۔

ترجمہ : ل امام شافعیؒ کا مسلک دونوں صورتوں اس کا الٹا ہے، اور امام ابوحنیفہؒ سے حضرت ابن مبارک کی روایت دوسری فصل یعنی پیدل داخل ہوا اور گھوڑے پر جنگ کی] تو روایت امام شافعیؒ کی طرح ہے سوار کے حصے کا مستحق ہوگا، حاصل یہ ہے کہ

عِنْدَنَاحَالَةُ الْمُجَاوَزَةِ،وَعِنْدَهُ حَالَةُ انْقِضَاءِ الْحَرْبِ ۲ لَهُ أَنَّ السَّبَبَ هُوَ الْقَهْرُ وَالْقِتَالُ فَيُعْتَبَرُ حَالُ الشَّخْصِ عِنْدَهُ وَالْمُجَاوَزَةُ وَسِيلَةٌ إِلَى السَّبَبِ كَالْخُرُوجِ مِنْ الْبَيْتِ،۳ وَتَعْلِيقِ الْأَحْكَامِ بِالْقِتَالِ يَدُلُّ عَلَى إِمْكَانِ الْوُقُوفِ عَلَيْهِ،وَلَوْ تَعَذَّرَأَوْتَعَسَّرَتَعَلَّقَ بِشُهُودِالْوَقْعَةِ، لِأَنَّهُ أَقْرَبُ إِلَى الْقِتَالِ.

ہمارے نزدیک سرحد پار کرنے کی حالت کا اعتبار ہوگا،اور امام شافعیؒ کے نزدیک جنگ کے ختم ہونے کا اعتبار ہوگا۔

تشریح :امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ جنگ کرتے وقت اور جنگ کے بعد آدمی کی کیا حالت اس پر حصے کا اعتبار ہے، پس اگر وہ جنگ کے فورا بعد سوار ہے تو سوار کے دو حصے ملیں گے،اور پہلے وہ سوار والا تھا لیکن جنگ کے دوران اس کا گھوڑا ضائع ہو گیا،اور جنگ کے بعد وہ پیدل ہے تو اس کو پیدل کا حصہ ملے گا۔

اصول: جنگ کے بعد آدمی کی حالت کیا ہے اس کے اعتبار سے اس کو حصہ ملے گا۔

لغت :الفصل الثانی: دوسری فصل۔یعنی پیدل داخل ہوا اور درمیان میں گھوڑے پر سوار ہوکر قتال کی تو امام ابوحنیفہؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ اس کو سوار کا حصہ ملے گا

ترجمہ:۲ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ قہر اور قتال مال غنیمت حاصل کرنے کا اصل سبب ہے اس لئے قتال کے وقت کا اعتبار کیا جائے گا،اور سرحد پار کرنا قتال کا وسیلہ ہے، جیسے گھر سے نکلنا سرحد پار کرنے کا وسیلہ ہے۔

تشریح : جس طرح گھر سے نکلنا سرحد پار کرنے کا وسیلہ ہے۔اس کے باوجود گھر سے نکلنے کے وقت کا اعتبار نہیں کیا جاتا ہے، اسی طرح سرحد کا پار کرنا جنگ کا وسیلہ ہے اس لئے سرحد پار کرنے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، بلکہ قہر اور قتال جو اصل جنگ ہے اس وقت کی حالت کا اعتبار کیا جائے گا اور اسی کے مطابق حصہ دیا جائے گا۔

ترجمہ :۳ اور قتال پر احکام کو معلق کرنا اس پر واقف ہونے کی دلیل ہے،اور جنگ کی حالت پر واقف ہونا ناممکن ہو یو مشکل ہو تو جو جنگ میں شریک ہوئے ہیں ان کی گواہی پر حالت کا جاننا معلق ہوگا اسلئے کہ وہ لوگ قتال کے زیادہ قریب ہیں۔

تشریح :قتال کے وقت آدمی کی کیا حالت تھی اس پر معلق کرنے سے قتال کی حالت کی معلومات ہوگی،اور اس سے بھی معلومات نہ ہوسکی تو جنگ میں جو لوگ شریک ہوئے ہیں ان کی گواہی سے معلوم ہوگا کہ یہ آدمی پیدل تھا یا سوار تھا اور اس کے مطابق اس کو حصہ دیا جائے گا۔

لغت:تعسر : عسر سے مشتق ہے،مشکل ہو۔وقعۃ: جنگ،شہود الوقعۃ: جنگ میں جو لوگ شریک ہوئے ہوں۔

ترجمہ :۴ ہماری دلیل یہ ہے کہ سرحد پار کرنا بھی قتال ہے اسی سے دشمن کو خوف ہوتا ہے اور اس کے بعد کی حالت دوام کی حالت ہے اس کا اعتبار نہیں ہے،اور اصلی قتال پر واقف ہونا مشکل ہے، ایسے ہی جنگ میں جو شریک ہیں اس کو بھی پتہ نہیں ہوگا

۴؎ وَلَنَاأَنَّ الْمُجَاوَزَةَ نَفْسَهَاقِتَالٌ لِأَنَّهُ يَلْحَقُهُمُ الْخَوْفُ بِهَا وَالْحَالُ بَعْدَهَا حَالَةُ الدَّوَامِ وَلَا مُعْتَبَرَ بِهَا؛ وَلِأَنَّ الْوُقُوفَ عَلَى حَقِيقَةِ الْقِتَالِ مُتَعَسِّرٌ؛ وَكَذَا عَلَى شُهُودِ الْوَقْعَةِ لِأَنَّ حَالَ الْتِقَاءِ الصَّفَّيْنِ فَتُقَامُ الْمُجَاوَزَةُ مَقَامَهُ إِذْ هُوَ السَّبَبُ الْمُفْضِي إِلَيْهِ ظَاهِرًا إِذَا كَانَ عَلَى قَصْدِ الْقِتَالِ فَيُعْتَبَرُ حَالُ الشَّخْصِ بِحَالَةِ الْمُجَاوَزَةِ فَارِسًا كَانَ أَوْ رَاجِلًا. ۵؎ وَلَوْ دَخَلَ فَارِسًا وَقَاتَلَ رَاجِلًا لِضِيقِ الْمَكَانِ يَسْتَحِقُّ سَهْمَ الْفُرْسَانِ بِالِاتِّفَاقِ، ۶؎ وَلَوْ دَخَلَ فَارِسًا ثُمَّ بَاعَ فَرَسَهُ أَوْ وَهَبَ أَوْ أَجَّرَ أَوْ رَهَنَ فَفِي رِوَايَةِ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ يَسْتَحِقُّ سَهْمَ الْفُرْسَانِ اعْتِبَارًا لِلْمُجَاوَزَةِ. وَفِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ يَسْتَحِقُّ سَهْمَ الرَّجَّالَةِ لِأَنَّ الْإِقْدَامَ عَلَى هَذِهِ التَّصَرُّفَاتِ يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ مِنْ قَصْدِهِ بِالْمُجَاوَزَةِ الْقِتَالُ فَارِسًا.

کیونکہ دونوں صف کے ملنے کی حالت ہے اس لئے سرحد پار کرنا ہی جنگ کے قائم مقام ہے اس لئے کہ ظاہری طور پر سرحد پار کرنا ہی جنگ تک پہونچانے والا ہے اگر جنگ کے ارادے سے داخل ہوا ہو اس لئے سرحد پار کرتے وقت میں آدمی کی حالت کا اعتبار ہوگا کہ وہ سوار ہے یا پیدل ہے۔

تشریح : ہماری دلیل یہ ہے کہ سرحد جب پار کرتے ہیں اسی سے دشمن کو خوف ہو جاتا ہے اس لئے سرحد پار کرنا بھی جنگ کا حصہ ہے اس لئے اسی وقت کا اعتبار ہوگا، اور جو لوگ جنگ میں شریک ہوئے ہیں وہ تو قتال کے وقت بہت مصروف ہیں اس لئے اس کو کیا پتہ کہ کون پیدل ہے اور کون سوار ہے، اس لئے سرحد پار کرنے کے وقت کا اعتبار ہوگا، کہ وہ سوار ہے یا پیدل ہے۔

ترجمہ : ۵؎ اگر سوار ہو کر سرحد میں داخل ہوا اور مکان کے تنگ ہونے کی وجہ سے پیدل جنگ کی تو بالاتفاق وہ سوار کے حصے کا مستحق ہوگا۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۶؎ اگر سوار ہو کر سرحد میں داخل ہوا پھر گھوڑا بیچ دیا، یا اس کو اجرت پر رکھ دیا، یا گھوڑے کو اجرت پر رکھ دیا تو حضرت حسن سے امام ابو حنیفہؒ کی روایت یہ ہے کہ سوار کے حصے کا مستحق ہوگا سرحد پار کرتے وقت کا اعتبار کرتے ہوئے، لیکن ظاہر روایت میں یہ ہے کہ پیدل کے حصے کا مستحق ہوگا، اس لئے کہ ان باتوں پر اقدام کرنا اس بات پر دلالت کرتی ہے وہ قتال کے ارادے سے سوار ہو کر سرحد پار نہیں کیا ہے۔

تشریح: سوار ہو کر سرحد پار کیا، لیکن جنگ سے پہلے ہی گھوڑے کو بیچ دیا، یا اس کو اجرت پر رکھ دیا، یا اسکو رہن پر رکھ دیا تو ایک روایت یہ ہے کہ چونکہ یہ سوار ہو کر سرحد پار کیا ہے اسلئے اسکو سوار کا دو حصہ ملے گا۔ لیکن ظاہری روایت یہ ہے کہ ان باتوں پر

ے وَلَوْ بَاعَهُ بَعْدَ الْفَرَاغِ لَمْ يَسْقُطْ سَهْمُ الْفُرْسَانِ، ٨ وَكَذَا إِذَا بَاعَ فِي حَالَةِ الْقِتَالِ عِنْدَ الْبَعْضِ. وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ يَسْقُطُ لِأَنَّ الْبَيْعَ يَدُلُّ عَلَى أَنَّ غَرَضَهُ التِّجَارَةُ فِيهِ إِلَّا أَنَّهُ يَنْتَظِرُ عِزَّتَهُ.

(٢٨٠٦) وَلَا يُسْهِمُ لِمَمْلُوكٍ وَلَا امْرَأَةٍ وَلَا صَبِيٍّ وَلَا ذِمِّيٍّ وَلَكِنْ يَرْضَخُ لَهُمْ عَلَى حَسَبِ مَا يَرَى الْإِمَامُ ١ لِمَا رُوِيَ "أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ لَا يُسْهِمُ لِلنِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ وَالْعَبِيدِ وَكَانَ يَرْضَخُ لَهُمْ"، وَلَمَّا اسْتَعَانَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ بِالْيَهُودِ عَلَى الْيَهُودِ لَمْ يُعْطِهِمْ شَيْئًا مِنْ الْغَنِيمَةِ: يَعْنِي أَنَّهُ لَمْ يُسْهِمْ لَهُمْ،

اقدام کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ جنگ کے ارادے سے وہ سوار ہو کر سرحد پار نہیں کیا ہے اسلئے اسکو پیدل کا ایک حصہ ملے گا۔

ترجمہ: ے اور اگر جنگ سے فارغ ہونے کے بعد گھوڑا بیچا تو سوار کا حصہ ساقط نہیں ہوگا۔

وجہ: اس لئے کہ اس نے سوار ہو کر جنگ کیا ہے سوار کا حصہ ساقط نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ٨ ایسے ہی اگر قتال کی حالت میں گھوڑا بیچ دیا تو بعض کے نزدیک سوار کا حصہ ملے گا، لیکن صحیح روایت یہ ہے کہ اسکا سوار کا حصہ ساقط ہو جائے گا اسلئے بیچنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اسکی غرض تجارت تھی صرف قیمت بڑھنے کا انتظار کر رہا تھا۔

تشریح: قتال کی حالت میں گھوڑا بیچ دیا تو ایک روایت یہ ہے کہ اس کو سوار کے دو حصے ملیں گے، لیکن صحیح روایت یہی ہے کہ اس کو سوار کا حصہ نہیں ملے گا، کیونکہ قتال کے درمیان بیچنا اس بات کی دلیل یہ ہے کہ سوار ہو کر سرحد پار کرنا قتال کے ارادے سے نہیں تھا بلکہ گھوڑا بیچنا تھا، صرف اس بات کا انتظار تھا کہ قتال شروع ہو جائے تو گھوڑے کی قیمت بڑھ جائے تب بیچوں گا، اس لئے اس کو سوار کا حصہ نہیں ملے گا۔ عزۃ: قیمت بڑھ جانا۔

ترجمہ: (٢٨٠٦) نہ حصہ لگایا جائے غلام کے لئے اور نہ عورت کے لئے اور نہ ذمی کے لئے اور نہ بچے کے لئے، لیکن کچھ دیدے ان کو امام جو مناسب سمجھے۔

ترجمہ: ١ اس لئے کہ حضورؐ نے عورتوں، بچوں اور غلاموں کو حصہ نہیں دیتے تھے بلکہ انکے لئے کچھ انعام ہوتا تھا، اور جب حضور نے یہود سے یہود کے لئے مدد لی تو غنیمت میں اس کو کچھ نہیں دیا یعنی اس کا کوئی حصہ نہیں ہوا۔

تشریح: مال غنیمت میں جس طرح مرد مجاہد کا باضابطہ حصہ ہوتا ہے اس طرح غلام، عورت، ذمی اور بچے کا حصہ نہیں ہوگا۔ البتہ خدمت کے مطابق امام جو مناسب سمجھے اتنا ان کو دیدے۔

وجہ: (١) حدیث میں ہے جسکو صاحب ہدایہ نے ذکر کیا۔ کتب نجدة بن عامر الحروری الی ابن عباس یسأله عن العبد والمرأة یحضران المغنم هل یقسم لهما؟... انک کتبت تسألنی عن المرأة والعبد یحضران

۲؎ وَلِأَنَّ الْجِهَادَ عِبَادَةٌ، وَالذِّمِّيُّ لَيْسَ مِنْ أَهْلِ الْعِبَادَةِ، ۳؎ وَالصَّبِيُّ وَالْمَرْأَةُ عَاجِزَانِ عَنْهُ وَلِهَذَا لَمْ يَلْحَقْهُمَا فَرْضُهُ، وَالْعَبْدُ لَا يُمْكِنُهُ الْمَوْلَى وَلَهُ مَنْعُهُ، إلَّا أَنَّهُ يَرْضَخُ لَهُمْ تَحْرِيضًا عَلَى الْقِتَالِ مَعَ إظْهَارِ انْحِطَاطِ رُتْبَتِهِمْ،

المغنم هل يقسم لهما شیء؟ وانه ليس لهما شیء الا ان يحذيا (مسلم شریف، باب النساء الغازیات یرضخ لھن ولا یسھم الخ، ص ۱۱۶، نمبر ۱۸۱۲/۴۶۸۶/ابوداؤد شریف، باب فی المرأۃ والعبد یحذیان من الغنیمۃ، ج ۲، ص ۱۸، نمبر ۲۷۲۸/۲۷۳۰/ترمذی شریف، باب ھل یسھم للعبد، ص ۲۸۳، نمبر ۱۵۵۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت اور غلام کو باضابطہ حصہ نہیں ملے گا۔ البتہ امام کی رائے کے مطابق بطور خدمت کے کچھ دے دیا جائے گا (۲) یہ لوگ جہاد کے قابل بھی نہیں ہیں اس لئے بھی اس کا حصہ باضابطہ نہیں ہوگا۔

ذمی کے لئے باضابطہ حصہ نہیں ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے جس کی طرف صاحب ہدایہ نے اشارہ کیا کہ یہود سے یہود کے مقابلے کے لئے مدد لی تو اس کا کچھ انعام دیا۔ **عن ابن عباسؓ انه قال استعان رسول الله ﷺ بيهود بنی قينقاع فرضخ لهم ولم يسهم لهم** (سنن للبیہقی، باب الرضخ لمن یستعان بہ من اھل الذمۃ علی قتال المشرکین، ج تاسع ص ۹۲، نمبر ۱۷۰۹۷/ترمذی شریف، باب ماجاء فی اھل الذمۃ یغزون مع المسلمین ھل یسھم لھم، ص ۲۸۴، نمبر ۱۵۵۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذمی مدد کرے تو اس کو بھی باضابطہ حصہ نہیں دیا جائے گا۔

بچہ جہاد پورے طور پر نہیں کرسکتا اس لئے اس کو بھی پورا حصہ نہیں دیا جائے گا۔ قول صحابی میں ہے۔ **فسالوا ابا بصرة الغفاری وعقبة بن عامر الجهنی صاحبی رسول الله ﷺ فقالا انظروا فان كانت انبت الشعر فاقسموا له قال فنظر الی بعض القوم فاذا انا قد انبت فقسم لی** (المدونۃ، ج ۱، ص ۳۹۳/اعلاء السنن، نمبر ۳۹۴۱) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ بچے کو باضابطہ حصہ نہیں ملے گا۔

لغت: یرضخ : تھوڑا سا دینا۔

ترجمہ: ۲؎ اور اس لئے کہ جہاد عبادت ہے اور ذمی عبادت کا اہل نہیں ہے [اس لئے اس کو مال غنیمت میں حصہ بھی نہیں دیا جائے گا]

ترجمہ: ۳؎ بچہ اور عورت جنگ کرنے سے عاجز ہیں، اسی لئے ان دونوں پر جہاد فرض نہیں ہے، اور غلام کو اس کا آقا جہاد نہیں کرنے دیگا، اور کبھی جہاد کرنے دیا بھی تو بعد میں اس سے روک سکتا ہے، لیکن ان لوگوں کو جہاد کی ترغیب دینے کے لئے انعام دیا جائے گا لیکن اس کا درجہ بھی کم رکھا جائے گا۔

۴؎ وَالْمُكَاتَبُ بِمَنْزِلَةِ الْعَبْدِ لِقِيَامِ الرِّقِّ وَتَوَهُّمِ عَجْزِهِ فَيَمْنَعُهُ الْمُوَلَّى عَنِ الْخُرُوجِ إِلَى الْقِتَالِ ۵؎ ثُمَّ الْعَبْدُ إِنَّمَا يَرْضَخُ لَهُ إِذَا قَاتَلَ لِأَنَّهُ دَخَلَ لِخِدْمَةِ الْمُوَلَّى فَصَارَ كَالتَّاجِرِ، ۶؎ وَالْمَرْأَةُ يَرْضَخُ لَهَا إِذَا كَانَتْ تُدَاوِي الْجَرْحَى، وَتَقُومُ عَلَى الْمَرْضَى لِأَنَّهَا عَاجِزَةٌ عَنْ حَقِيقَةِ الْقِتَالِ فَيُقَامُ هٰذَا النَّوْعُ مِنَ الْإِعَانَةِ مَقَامَ الْقِتَالِ، بِخِلَافِ الْعَبْدِ؛ لِأَنَّهُ قَادِرٌ عَلَى حَقِيقَةِ الْقِتَالِ.

تشریح : بچہ اور عورت جہاد کرنے سے عاجز ہیں اسی لئے ان دونوں پر جہاد فرض نہیں کیا گیا ہے، اور غلام جہاد کر سکتا ہے، لیکن اس کا آقا اس سے روکے گا، اور کبھی اجازت دے دی تب بھی بعد میں اس کو منع کرنے کا حق ہے، کیونکہ اس کا غلام ہے، اس لئے اگر ان لوگوں نے جہاد میں شرکت کی تو تھوڑا سا انعام دے دیا جائے گا تا کہ جہاد میں ترغیب ہو جائے، لیکن مجاہدین سے ان لوگوں کا رتبہ کم رکھا جائے گا۔

ترجمہ :۴؎ مکاتب غلام کے درجے میں ہے، اس لئے کہ اس میں ابھی تک غلامیت موجود ہے، اور یہ بھی شک ہے کہ وہ مال کتابت ادا کرنے سے عاجز ہو جائے تو آقا جنگ میں نکلنے سے منع کر دے۔

تشریح : مکاتب اس غلام کو کہتے ہیں کہ مال کتابت دینے کی شرط پر آقا سے آزاد ہونے کا وعدہ لیا ہو، یہ جب تک پورا مال کتابت ادا نہ کیا ہو تو آزاد نہیں ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ مال دینے سے عاجز ہو جائے اور دوبارہ غلامیت میں آ جائے، تو یہ دوبارہ غلامیت میں آ سکتا ہے اس لئے اس کا حکم غلام کا حکم ہے، کہ اگر اس نے قتال کیا تو اس کو تھوڑا سا انعام دے دیا جائے گا۔

ترجمہ :۵؎ پھر غلام کو اس وقت انعام دیا جائے جبکہ وہ جنگ میں شریک ہو اس لئے کہ وہ آقا کی خدمت کے لئے سرحد میں داخل ہوا ہے اس لئے وہ تاجر کی طرح ہو گیا۔

تشریح : غلام نے جو سرحد پار کیا ہے وہ اپنے آقا کی خدمت کے لئے کیا ہے اس لئے وہ باضابطہ جنگ میں شرکت کرے گا تب اس کو انعام ملے گا، ورنہ یوں سمجھا جائے گا کہ آقا کی خدمت کے لئے آیا ہے، پس جس طرح تاجر کو باضابطہ جنگ میں شرکت کے بعد ہی حصہ ملتا ہے اسی طرح غلام کو بھی باضابطہ جنگ میں شرکت کے بعد انعام ملے گا۔

ترجمہ :۶؎ عورت کو اس وقت انعام دیا جائے گا جبکہ اس نے زخمیوں کی دوائی کی ہو، مریضوں کی تیمارداری کی ہو اس لئے کہ وہ حقیقت قتال سے عاجز ہے تو اس قسم کی مدد قتال کے قائم مقام ہوگی، بخلاف غلام کے کہ وہ حقیقت قتال پر قادر ہے اس لئے وہ قتال کرے گا تب ہی انعام دیا جائے گا۔

تشریح : عورت قتال سے عاجز ہے اس لئے مریضوں کی تیماری داری کرنے سے بھی انعام دیا جائے گا، اور غلام قتال پر قادر ہے اس لئے اس کے قتال کرنے پر انعام دیا جائے گا، اگر اس نے تیماری کی تو بہت کم انعام ملے گا۔

ے وَالـذِّمِّيُّ إِنَّـمَا يَرْضَخُ لَهُ إِذَا قَاتَلَ أَوْ دَلَّ عَلَى الطَّرِيقِ، وَلَمْ يُقَاتِلْ لِأَنَّ فِيهِ مَنْفَعَةً لِلْمُسْلِمِينَ، إِلَّا أَنَّـهُ يُزَادُ عَلَى السَّهْمِ فِي الدَّلَالَةِ إِذَا كَانَتْ فِيهِ مَنْفَعَةٌ عَظِيمَةٌ، ۸ وَلَا يَبْلُغُ بِهِ السَّهْمَ إِذَا قَاتَلَ؛ لِأَنَّهُ جِهَادٌ، وَالْأَوَّلُ لَيْسَ مِنْ عَمَلِهِ وَلَا يُسَوِّى بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْمُسْلِمِ فِي حُكْمِ الْجِهَادِ.

لغت: جرحی: جریح کی جمع ہے، زخمی لوگ۔ تقوم علی المرضی: قام علی المریض محارہ ہے، اس کا ترجمہ ہے بیماروں کی تیماری کرتی ہے۔

ترجمہ: ے ذمی کو انعام دیا جائے گا اگر اس نے قتال کیا ہو، یا قتال تو نہ کیا ہو لیکن راستے کی رہنمائی کی ہو اس لئے کہ اس میں مسلمانوں کا بہت فائدہ ہے۔ اگر راستہ بتانے میں بہت فائدہ ہو تو مجاہدین کے حصے سے بھی زیادہ دیا جا سکتا ہے۔

تشریح: ذمی کا درجہ مسلمان سے کم ہے، لیکن اگر راستہ بتایا ہے اور اس میں مسلمانوں کا بہت بڑا فائدہ ہے تو چونکہ یہ جہاد نہیں ہے اس لئے مجاہدین کے حصے سے زیادہ بھی دیا جا سکتا ہے۔

ترجمہ: ۸ ذمی قتال کرے تو ذمی کا حصہ مجاہد کے حصے تک نہیں پہنچنا چاہئے، اس لئے کہ یہ جہاد ہے اور پہلا راستہ بتانا جہاد نہیں ہے اور جہاد کے حکم میں مسلمان اور ذمی برابر نہیں ہونا چاہئے۔

تشریح: اس عبارت میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ قتال اور جہاد میں مسلمان اور ذمی دونوں شریک ہوئے تو چونکہ دونوں جہاد میں شریک ہوئے اور ذمی کا درجہ کم ہے وہ عبادت کا اہل نہیں ہے اس لئے اس کو مجاہد کے حصے سے کم دیا جائے گا، اور اوپر راستہ بتانے پر جو زیادہ دیا گیا ہے وہ اس لئے کہ راستہ بتانا جہاد نہیں ہے اس لئے اس میں زیادہ فائدہ ہو تو اس کو مجاہد کے حصے سے زیادہ دیا جا سکتا ہے۔

﴿فی احکام الخمس﴾

(۲۸۰۷) وَأَمَّا الْخُمُسُ فَيُقَسَّمُ عَلَى ثَلَاثَةِ أَسْهُمٍ: سَهْمٌ لِلْيَتَامَى وَسَهْمٌ لِلْمَسَاكِينِ وَسَهْمٌ لِابْنِ السَّبِيلِ يَدْخُلُ فُقَرَاءُ ذَوِي الْقُرْبَى فِيهِمْ وَيُقَدَّمُونَ، وَلَا يُدْفَعُ إِلَى أَغْنِيَائِهِمْ

﴿خمس تقسیم کرنے کے احکام﴾

ترجمہ: (۲۸۰۷) بہرحال خمس تو تقسیم کیا جائے گا اس کو تین حصوں میں۔ایک حصہ یتیموں کے لئے ،ایک حصہ مسکینوں کے لئے ،اور ایک حصہ مسافروں کے لئے۔حضورؐ کے رشتہ داروں کے فقیر لوگ فقراء میں داخل ہوں گے،البتہ حضور کے فقیر رشتہ دار کو پہلے دیا جائے گا،اور اس کے مالداروں کو نہیں دیا جائے گا۔

تشریح: حضورؐ کے زمانے میں خمس کو بھی پانچوں حصوں میں تقسیم فرماتے تھے۔لیکن حضورؐ کے پردہ فرمانے کے بعد اور آپؐ کے رشتہ داروں کے ختم ہونے کے بعد اب تین حصوں میں تقسیم ہوگا۔ایک یتیم دوسرا مسکین اور تیسرا مسافر، باقی حضورؐ اور ان کے رشتہ داروں کے حصے اب ساقط ہو گئے۔حضورؐ کے جو رشتہ دار غریب ہوں گے انکو غریب کے حصے میں سے دئے جائیں گے ،البتہ حضورؐ کے غریب کو پہلے دیا جائے گا،اس سے بچے گا تب دوسرے فقراء کو دیا جائے گا،اور حضور کے جو رشتہ مالدار ہوں انکو کچھ نہیں دیا جائے گا، کیونکہ یہ مال غربت کی وجہ سے دیا جا رہا ہے، حصے کے طور پر نہیں دیا جا رہا ہے۔

وجہ: (۱) اس قول صحابی میں اس کی وضاحت ہے۔ قال سألت الحسن بن محمد بن علی ابن الحنفية عن قول الله تعالى واعلموا انما غنمتم من شیء فان لله خمسه وللرسول ولذی القربی والیتمی والمساکین وابن السبیل (آیت ۴۱، سورۃ الانفال ۸) فقال هذا مفتاح کلام لِلّٰه تعالى ما فی الدنيا والآخرة ،قال اختلف الناس فی هذین السهمین بعد وفاة رسول الله ﷺ فقال قائلون سهم القربی لقرابة النبی ﷺ وقال قائلون لقرابة الخليفة وقال قائلون سهم النبی ﷺ للخليفة من بعده.فاجتمع رأيهم على ان يجعلوا هذين السهمين فی الخيل والعدة فی سبيل الله فكانا على ذلک فی خلافة ابی بکرؓ وعمرؓ (مستدرک للحاکم، کتاب قسم الفیء ، ج ثانی، ص ۱۴۰، نمبر ۲۵۸۵ / مصنف عبد الرزاق ، باب ذکر الخمس وسہم ذی القربی ، ج خامس، ص ۱۶۲، نمبر ۹۵۴۵) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کا حصہ اور ان کے رشتہ داروں کا حصہ ساقط ہو گیا۔اس لئے اب صرف تین حصوں میں مال غنیمت تقسیم ہوگا یتیم، مسکین اور مسافر۔اور حضورؐ کا حصہ امور مسلمین میں خرچ کیا جائے گا (۲) ایک حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ عن ابی هریرةؓ ان رسول الله ﷺ قال لا يقتسم ورثتی دينارا ماتركت بعد نفقة

ا وَقَالَ الشَّافِعِیُّ: لَهُمْ خُمُسُ الْخُمُسِ يَسْتَوِي فِيهِ غَنِيُّهُمْ وَفَقِيرُهُمْ، وَيُقَسَّمُ بَيْنَهُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ، وَيَكُونُ لِبَنِي هَاشِمٍ وَبَنِي الْمُطَّلِبِ دُونَ غَيْرِهِمْ لِقَوْلِهِ تَعَالَىٰ ﴿ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ﴾ مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ بَيْنَ الْغَنِيِّ وَالْفَقِيرِ.

نسائی ومؤنة عاملی فهو صدقة (بخاری شریف، باب نفقة نساء النبی ﷺ بعد وفاتہ،ص،نمبر ۳۰۹۶)اس حدیث میں ہے کہ میری بیویوں اور کام کرنے والوں کے خرچ نکالنے کے بعد سب صدقہ ہیں۔اس لئے جب آپؐ کے رشتہ دار نہ رہے تو آپؐ کا حصہ صدقہ اور امور مسلمین پر خرچ کیا جائیگا۔

حضورؐ کے رشتہ دار اب ساقط ہو گئے اس لئے ان کو مال غنیمت میں الگ سے حصہ نہیں دیا جائے گا۔البتہ اگر وہ یتیم، مسکین یا مسافر ہو تو ان کو ان تین طبقوں میں داخل کر کے دیا جائے گا بلکہ ان کو پہلے دیا جائے گا کیونکہ یہ حضورؐ کے رشتہ دار ہیں۔ان کو دینے کے بعد دوسرے یتیم اور مسافر کو دیا جائے گا۔

وجه: ان کے زیادہ حقدار ہونے کی دلیل اس قول صحابی ہے۔سمعت علیا یقول ولانی رسول الله ﷺ خمس الخمس فوضعته مواضعه حیاة رسول الله ﷺ وحیاة ابی بکرؓ وحیاة عمرؓ فاتی بمال فدعانی فقال خذه فقلت لا اریده فقال خذه فانتم احق به قلت قد استغنینا عنه فجعله فی بیت المال (ابوداؤد شریف، باب بیان مواضع قسم الخمس اسھم ذی القربی، ج ۲،ص ۶۰،نمبر ۲۹۸۳)اس اثر میں ہے خذه انتم احق بہ جس سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کے رشتہ دار زیادہ حقدار ہیں۔البتہ چونکہ حضورؐ کے رشتہ داروں کا حق ساقط ہو گیا اس لئے ان کے مالداروں کو نہیں ملے گا۔

ترجمه: ا امام شافعی نے فرمایا کہ حضورؐ کے رشتہ دار کو مال غنیمت میں حصہ ملے گا،اور مالدار اور فقیر دونوں برابر ہوں گے، اور مرد کو عورت کا دوگنا دیا جائے گا،اور صرف بنی ہاشم اور بنی مطلب کو ملے گا کیونکہ آیت میں آیت میں رشتہ داروں کو دینے کا حکم فرمایا،اور اس میں غریب اور مالدار میں کوئی فرق نہیں کیا۔

تشریح: جس طرح حضور کی زندگی میں حضور کے رشتہ داروں کو دیا جاتا تھا اسی طرح انکی وفات کے بعد بھی امام شافعیؒ کے یہاں دیا جائے گا،حضور کی وفات سے انکا حق ساقط نہیں ہوا،اس کے مالدار کو بھی ملے گا اور غریب کو بھی ملے گا،اور مرد کو عورت کا دوگنا ملے گا،اور صرف بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب کو ملے گا دوسرے رشتہ دار کو نہیں ملے گا۔

وجه: (۱)اس آیت میں حضور کے رشتہ دار کو دینے کے لئے کہا گیا ہے،اور مالدار اور غریب کا کوئی فرق نہیں ہے اس لئے دونوں کو ملے گا۔واعلموا انما غنمتم من شیء فان للہ خمسه وللرسول ولذی القربی والیتمی والمساکین وابن السبیل (آیت ۴۱،سورة الانفال ۸)(۲)اخبرنی جبیر بن مطعم .....و کان ابو بکر یقسم

۲ وَلَنَا أَنَّ الْخُلَفَاءَ الْأَرْبَعَةَ الرَّاشِدِينَ قَسَّمُوهُ عَلَى ثَلَاثَةِ أَسْهُمٍ عَلَى نَحْوِ مَا قُلْنَاهُ وَكَفَى بِهِمْ قُدْوَةً.
۳ وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "يَا مَعْشَرَ بَنِي هَاشِمٍ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَىٰ كَرِهَ لَكُمْ غُسَالَةَ النَّاسِ وَأَوْسَاخَهُمْ وَعَوَّضَكُمْ مِنْهَا بِخُمُسِ الْخُمُسِ" وَالْعِوَضُ إِنَّمَا يَثْبُتُ فِي حَقِّ مَنْ يَثْبُتُ فِي حَقِّهِ الْمُعَوَّضُ وَهُمُ الْفُقَرَاءُ.

الخمس نحو قسم رسول الله ﷺ غير انه لم يكن يعطى قربى رسول الله ﷺ ما كان النبی ﷺ يعطيهم قال فكان عمر بن الخطاب يعطيهم منه و عثمان بعده ۔(ابوداود شریف، باب فی بیان مواضع قسم الخمس و سہم ذی القربی، ص۴۳۴، نمبر ۲۹۷۸) اس حدیث میں حضرت ابوبکرؓ نے حضور کے رشتہ دار کو حصہ نہیں دیا اس لئے یہ امام ابو حنیفہؒ کا مستدل ہے، لیکن حضرت عمر اور حضرت عثمانؓ نے دیا ہے اس لئے یہ حدیث حضرت امام شافعیؒ کا بھی مستدل ہے۔

(۳) سمعت عليا يقول و لانی رسول الله ﷺ خمس الخمس فوضعته مواضعه حياة رسول الله ﷺ و حياة ابيبكر و حياة عمر فاتی بمال فدعانی فقال خذه فقلت قد استغنينا عنه فجعله فی بيت المال ۔(ابوداود شریف، باب فی بیان مواضع قسم الخمس و سہم ذی القربی، ص۴۳۵، نمبر ۲۹۸۳) اس حدیث میں ہے کہ حضرت علی کو خمس دیا لیکن ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے اس کو بیت المال میں داخل کر دیا، جس سے معلوم ہوا کہ حضور کے رشتہ دار کو خمس دیا جائے گا۔

ترجمہ: ۲ ہماری دلیل یہ ہے کہ خلفاء راشدین نے تین ہی حصوں میں تقسیمکیا جیسا کہ ہم نے کہا اور ان کی اقتداء ہمارے لئے کافی ہے۔

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ خلفاء راشدین نے تین ہی حصے کئے اور ہمارے لئے انکی اقتداء کافی ہے، یہ حدیث اوپر گزر چکی ہے۔

ترجمہ: ۳ حضورؐ نے فرمایا اے بنی ہاشم کے لوگو اللہ نے تمہارے لئے لوگوں کے دھوون اور اس کا میل مکروہ قرار دیا اور اس کے بدلے میں خمس کا خمس عطا کیا اور بدلہ اس کے حق میں ثابت ہوگا جس کے حق میں معوض ہوگا اور وہ فقراء ہیں۔

تشریح: یہ عبارت تھوڑا پیچیدہ ہے، کہنا یہ چاہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ لوگوں کا غسالہ یعنی دھوون اور میل یعنی زکوۃ مکروہ قرار دیا اور اس کے بدلے میں غنیمت کا خمس عطا کیا، اور زکوۃ غریبوں کے لئے ہے تو خمس بھی غریبوں کے لئے ہونا چاہئے، مالداروں کو نہیں ملنا چاہئے، اس لئے کہ معوض یعنی زکوۃ میں جو حقدار ہوگا عوض یعنی خمس میں بھی وہی حقدار ہوگا۔

وجہ: صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن ابن عباس ......فقال لهما نبی الله ﷺ لا يحل لكما اهل البيت

۴ وَالنَّبِيُّ عَلَيْهِ الصَّلاةُ وَالسَّلامُ أَعْطَاهُمْ لِلنُّصْرَةِ. أَلا تَرَى أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلاةُ وَالسَّلامُ عَلَّلَ فَقَالَ: "إِنَّهُمْ لَنْ يَزَالُوا مَعِي هَكَذَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَالْإِسْلَامِ، وَشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ" دَلَّ عَلَى أَنَّ الْمُرَادَ مِنَ النَّصْرِ قُرْبُ النُّصْرَةِ لَا قُرْبُ الْقَرَابَةِ.

(۲۸۰۸) قَالَ: فَأَمَّا ذِكْرُ اللّٰهِ تَعَالَىٰ فِي الْخُمُسِ فَإِنَّهُ لِافْتِتَاحِ الْكَلَامِ تَبَرُّكًا بِاسْمِهِ، وَسَهْمُ النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ سَقَطَ بِمَوْتِهِ كَمَا سَقَطَ الصَّفِيُّ ۱ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ يَسْتَحِقُّهُ بِرِسَالَتِهِ وَلَا رَسُولَ بَعْدَهُ.

من الصدقات شیء و لا غسالة الایدی ، ان لکم فی خمس الخمس لما یغنیکم او یکفیکم ۔(طبرانی کبیر، باب عکرمہ عن ابن عباس، ج ۱۱، ص ۱۷۴، نمبر ۱۱۵۴۳) اس حدیث میں ہے کہ اہل بیت کے لئے زکوۃ حلال نہیں ہے، اس کی جگہ خمس کا خمس دیا ہے۔

لغت: اوساخ: وسخ کی جمع ہے، میل کچیل۔ معوض: جس کا بدلہ ہو۔

ترجمہ: ۴ حضورؐ نے رشتہ دار کو انکی مدد کی وجہ سے دیا [اور اب حضورؐ دنیا میں نہیں رہے اور ان کی مدد کی بھی ضرورت نہیں رہی اس لئے اب خمس میں بھی حصہ نہیں دیا جائے گا] کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ حضور نے خمس دینے کی علت بیان کی کہ وہ لوگ [بنو مطلب اور بنو ہاشم زمانہ جاہلیت اور اسلام میں ہمارے ساتھ رہے ہیں اور انگلیوں کو ایک دوسرے میں گھسا کر دیکھایا، یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مدد کی قربت کی وجہ سے خمس دیا گیا ہے، رشتہ داری کی قربت کی وجہ سے نہیں دی ہے

وجہ: اخبرنی جبیر بن مطعم قال لما کان یوم خیبر وضع رسول اللہ ﷺ سھم ذی القربی فی بنی ھاشم و بنی المطلب ....فقال رسول اللہ ﷺ انا و بنو المطلب لا نفترق فی جاھلیة و لا اسلام و انما نحن و ھم شیء واحد و شبک بین اصابعہ ﷺ ۔ (ابوداود شریف، باب فی بیان مواضع قسم الخمس وسہم ذی القربی، ص ۴۳۴، نمبر ۲۹۸۰) اس حدیث میں بتایا کہ بنو ہاشم اور بنو مطلب کی مدد کی وجہ سے حضور نے انکو خمس دیا، اور اب حضور نہیں رہے، اور ان کی مدد کی بھی ضرورت نہیں رہی اس لئے اب انکو خمس میں بھی حصہ نہیں دیا جائے گا۔

ترجمہ: (۲۸۰۸) خمس کے بارے میں اللہ کا جو ذکر ہے وہ اس کے نام کے ساتھ کلام کی برکت کے لئے ہے۔ اور حضورؐ کا حصہ آپ کی وفات کی وجہ سے ساقط ہو گیا، جیسے صفی اپ کی وفات سے ساقط ہو گیا۔

ترجمہ: ۱ اسلئے کہ حضور رسول ہونے کی وجہ سے صفی کا مستحق ہوتے تھے، اور آپ کے بعد کوئی رسول نہیں ہیں اسلئے اب کسی کو صفی کے طور پر لینے کا حق نہیں ہے۔ حضورؐ مال غنیمت میں سے اپنے لئے منتخب کر لیتے تھے، مثلا زرہ، تلوار، اور باندی وغیرہ۔

وَالصَّفِيُّ شَيْءٌ كَانَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ يَصْطَفِيهِ لِنَفْسِهِ مِنُ الْغَنِيمَةِ مِثْلَ دِرْعٍ أَوْ سَيْفٍ أَوْ جَارِيَةٍ.
۲۔ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يُصْرَفُ سَهْمُ الرَّسُولِ إِلَى الْخَلِيفَةِ، وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا قَدَّمْنَاه.

تشریح : یہاں تین مسئلے بیان کئے ہیں۔[۱] آیت میں اللہ کا نام برکت کے طور لیا گیا ہے، خمس میں اللہ کا کوئی حصہ نہیں ہے ۔[۲] حضورؐ کا حصہ آپ کی وفات کی وجہ سے ساقط ہو گیا۔[۳] حضورؐ صفی لیتے تھے، صفی کا ترجمہ ہے، چننا، اس کا مطلب یہ ہے کہ مال غنیمت جب آتا تو حضور کو جو چیز پسند آتی اسکو آپ اپنے لئے منتخب فرما لیتے، اسکے بعد مال غنیمت تقسیم فرماتے، اس منتخب فرمانے کو صفی، کہتے ہیں، چونکہ آپ کے رسول ہونے کی وجہ سے اس کا حق تھا اور اب کوئی رسول نہیں ہے اسلئے صفی کا حق ساقط ہو گیا، اسی طرح رسول کا حصہ آپ کی وجہ سے تھا اور آپ نہیں رہے تو آپ کا حصہ بھی ختم ہو گیا، اب یہ حصہ آپ کے خلیفہ کو نہیں ملے گا۔

وجه: اس قول تابعی میں ہے کہ آیت میں اللہ کا نام برکت کے طور پر ہے، اس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا ہے۔ سألت الحسن بن محمد عن قول الله تعالى واعلموا انما غنمتم من شيء فان لله خمسه وللرسول (آیت ۴۱ سورۃ الانفال ۸) فقال هذا مفتاح كلام لله ما في الدنيا والآخرة (مستدرک للحاکم، کتاب قسم الفئ، ج ثانی، ص ۱۴۰، نمبر ۲۵۸۵ رمصنف عبد الرزاق، باب ذکر الخمس وسہم ذی القربی، ج خامس، ص ۱۶۲، نمبر ۹۵۴۵) اس قول تابعی میں ہے کہ اللہ کا ذکر برکت کے لئے ہے۔

حضور کو صفی کے طور پر لینے کا حق تھا اس کی دلیل یہ حدیث ہے

وجه : صفی کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن عامر الشعبي قال كان للنبيؐ سهم يدعى الصفى ان شاء عبدا وان شاء امة وان شاء فرسا يختاره قبل الخمس (ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی سہم الصفی، ص ۶۴، نمبر ۲۹۹۱ ر بخاری شریف، باب غذوۃ خیبر، ص ۷۰۳، نمبر ۴۲۱۱) اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ حضورؐ کو صفی کا حق تھا۔ اور کان للنبی سے معلوم ہوا کہ منتخب کرنے کا حق نبوت کی وجہ سے تھا اس لئے اب نبوت نہیں رہی تو یہ حق بھی خلیفہ کے لئے ساقط ہو گیا۔ اور اسی نبوت پر قیاس کر کے خمس میں خلیفہ کا حق بھی ساقط ہو گیا۔ کیونکہ آیت میں للرسول کا لفظ ہے۔ جب بعد میں رسول نہیں رہے تو ان کا حصہ بھی ساقط ہو جائے گا۔

ترجمه :۲ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ رسول کا حصہ اب خلیفہ کو ملے گا اور اس کے خلاف حجت وہ حدیث ہے جس کو ہم نے پہلے ذکر کیا۔

تشریح : امام شافعیؒ کے یہاں رسول والا حصہ اب خلیفہ کو دیا جائے گا، لیکن اس کے خلاف ابھی طبرانی والی حدیث بیان کی جس میں تھا کہ خلفائے رشدین نے مال غنیمت کا صرف تین حصے کئے، اور رسول کا حصہ نہیں کیا جس سے معلوم ہوا کہ رسول کا

(۲۸۰۹) وَسَهْمُ ذَوِي الْقُرْبَى كَانُوا يَسْتَحِقُّونَهُ فِي زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنُّصْرَةِ ﴿ لِمَا رَوَيْنَا. قَالَ وَبَعْدَهُ بِالْفَقْرِ. ﴿ قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ عَصَمَهُ اللّٰهُ: هٰذَا الَّذِي ذَكَرَهُ قَوْلُ الْكَرْخِيِّ. وَقَالَ الطَّحَاوِيُّ: سَهْمُ الْفَقِيرِ مِنْهُمْ سَاقِطٌ أَيْضًا لِمَا رَوَيْنَا مِنَ الْإِجْمَاعِ،

حصہ ساقط ہو چکا ہے۔

ترجمہ:(۲۸۰۹) رشتہ داروں کا حصہ حضورؐ کے زمانے میں مستحق ہوتے تھے مدد کی وجہ سے اور آپ کے بعد فقر کی وجہ سے۔

تشریح: حضورؐ کے زمانے میں آپؐ کے رشتہ داروں کو خمس میں سے ایک حصہ اس لئے دیا جاتا تھا کہ وہ آپؐ کی ہر وقت مدد فرماتے تھے۔ لیکن آپؐ کی وفات کے بعد مدد کا سلسلہ ختم ہو گیا اس لئے رشتہ داروں کا حصہ بھی ختم ہو گیا۔ اب رشتہ داری کی بنا پر نہیں دیا جائے گا۔ البتہ ان میں سے کوئی یتیم یا مسکین یا مسافر ہو تو یتیم ہونے یا مسکین ہونے یا مسافر ہونے کی بنا پر دیا جائے گا۔ البتہ ان کو پہلے دیا جائے گا کیونکہ یہ حضورؐ کے رشتہ دار ہیں۔ اور اب تو وہ بھی نہیں رہے۔

وجہ: (۱) تعاون کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **اخبرنی جبیر بن مطعم قال لما كان يوم خيبر وضع رسول الله ﷺ سهم ذی القربی فی بنی هاشم وبنی المطلب وترک بنی نوفل وبن عبد شمس، فانطلقت انا وعثمان بن عفان حتی اتینا النبی ﷺ فقلنا یا رسول الله! هؤلاء بنو هاشم لا ننکر فضلهم للمواضع الذی وضعک الله به منهم، فما بال اخواننا بنی المطلب اعطیتهم وترکتنا وقرابتنا واحدة؟ فقال رسول الله ﷺ انا وبنو المطلب لا نفترق فی جاهلیة ولا اسلام وانما نحن وهم شیء واحد وشبک بین اصابعه صلی الله علیه وسلم** (ابوداؤد شریف، باب فی مواضع قسم الخمس وسهم ذی القربی، ج ۲، ص ۶۰، نمبر ۲۹۸۰)

اس حدیث میں آپؐ نے اشارہ فرمایا کہ زمانہ جاہلیت اور زمانہ اسلام دونوں میں بنو مطلب نے ہماری مدد کی ہے جس کی وجہ سے اس کے لئے خمس میں ایک حصہ ہے۔ اور آپؐ کی وفات کے بعد مدد کی ضرورت نہیں ہے اس لئے ان کا حصہ ساقط ہو جائے گا (۲) اوپر مستدرک للحاکم کا بھی اثر گزرا جس میں تھا کہ اب آپ کے رشتہ داروں کے حصے ساقط ہونے پر صحابہ کا اتفاق ہو گیا۔ عبارت یہ تھی **فاجتمع رأیهم علی ان یجعلوا هذین السهمین فی الخیل والعدة فی سبیل الله فکانا علی ذالک فی خلافة ابی بکر وعمر** (مستدرک للحاکم، کتاب قسم الفیئ، ج ثانی، ص ۱۴۰، نمبر ۲۵۸۵ / مصنف عبد الرزاق، باب ذکر الخمس وسهم ذی القربی، ج خامس، ص ۱۶۲، نمبر ۹۵۴۵)

ترجمہ: ﴿ مصنفؒ فرماتے ہیں کہ یہ جو ذکر کیا گیا یہ امام کرخیؒ کا قول تھا، اور امام طحاویؒ نے فرمایا کہ حضور رشتہ داروں میں جو فقیر ہیں ان کا حصہ بھی ساقط ہے، کیونکہ اوپر اجماع والی حدیث ذکر کی۔

۲؎ وَلِأَنَّ فِيهِ مَعْنَى الصَّدَقَةِ نَظَرًا إِلىٰ الْمَصْرِفِ فَيُحَرِّمُهُ كَمَا حَرَّمَ الْعِمَالَةَ. ۳؎ وَجْهُ الْأَوَّلِ وَقِيلَ هُوَ الْأَصَحُّ مَا رُوِيَ أَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَعْطَى الْفُقَرَاءَ مِنْهُمْ، ۴؎ وَالْإِجْمَاعُ انْعَقَدَ عَلَى سُقُوطِ حَقِّ الْأَغْنِيَاءِ، أَمَّا فُقَرَاؤُهُمْ فَيَدْخُلُونَ فِي الْأَصْنَافِ الثَّلَاثَةِ.

تشریح: اوپر جوذکر کیا کہ حضور کے جو رشتہ دار ہیں انکے فقراء کو غنیمت کا مال دیا جائے گا یہ امام کرخی کا قول ہے، ورنہ امام طحاوی کا قول یہ ہے کہ ان کے فقراء بھی ساقط ہو گئے ہیں، کیونکہ اوپر مستدرک حاکم کی حدیث گزری جس میں تھا کہ صحابہ نے صرف تین ہی حصے کئے اور رشتہ داروں کا حصہ بالکل ختم کر دیا اس لئے رشتہ داروں کا حصہ ساقط ہو جائے گا۔

ترجمہ: ۲؎ دوسری وجہ یہ ہے کہ مصرف کو دیکھتے ہوئے اس میں صدقہ کا معنی ہے تو جس طرح بنو ہاشم کے عامل کو صدقہ کا مال لینا جائز نہیں ہے اسی طرح مال غنیمت میں صدقہ کا مال لینا جائز نہیں ہوگا۔

تشریح: یہاں رشتہ دار کے فقراء کو دینا ہے اس لئے ایسا لگتا ہے کہ یہ صدقہ کا مال ہے، اور صدقہ کا مال جس طرح بنو ہاشم کے عامل یعنی صدقہ وصول کرنے والے آدمی کے لئے لینا جائز نہیں اسی طرح بنو ہاشم کے فقیروں کو بھی لینا جائز نہیں ہونا چاہئے۔

نوٹ: یہاں صاحب ہدایہ کو سہو ہوا ہے، یہ مال تو غنیمت کا ہے صدقہ کا ہے ہی نہیں اس لئے فقراء کو بھی لینا جائز ہوگا۔

ترجمہ: ۳؎ پہلے قول کی وجہ جو صحیح ہے یہ ہے کہ روایت میں گزرا کہ حضرت عمر فقراء کو دیا کرتے تھے،

تشریح: بنو ہاشم اور بنو مطلب کے فقراء کو ملے گا یہی صحیح روایت ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عمر اور حضرت عثمانؓ انکے فقراء کو دیا کرتے تھے اس لئے اس کو دینا جائز ہوگا وہ ساقط نہیں ہوا ہے۔

وجہ: (۱) **اخبرنی جبیر بن مطعم .....و کان ابو بکر یقسم الخمس نحو قسم رسول الله ﷺ غیر انہ لم یکن یعطی قربی رسول الله ﷺ ما کان النبی ﷺ یعطیھم قال فکان عمر بن الخطاب یعطیھم منہ و عثمان بعدہ** ۔ (ابوداود شریف، باب فی بیان مواضع قسم الخمس وسہم ذی القربی، ص۴۳۴، نمبر ۲۹۷۸) اس حدیث میں ہے کہ حضرت عمر اور حضرت عثمانؓ فقراء کو دیا کرتے تھے۔

ترجمہ: ۴؎ مالدار کے حق ساقط ہونے پر اجماع ہوا ہے فقیر تو تینوں قسموں میں داخل ہیں۔

تشریح: یہ امام طحاوی کو جواب ہے، کہ صحابہ کا جو اجماع ہوا ہے وہ بنو ہاشم کے مالدار کو ساقط کرنے کے لئے ہوا ہے، فقیر تو تینوں قسموں میں داخل ہیں، یعنی غریب ہیں تو غریب میں داخل ہیں، اور یتیم ہیں تو یتیم میں داخل ہیں اور مسافر ہیں تو مسافر میں داخل ہے اور ان لوگوں کو ان تینوں میں حصہ ملے گا۔

(۲۸۱۰) وَإِذَا دَخَلَ الْوَاحِدُ أَوْ الِاثْنَانِ دَارَ الْحَرْبِ مُغِيرَيْنِ بِغَيْرِ إِذْنِ الْإِمَامِ فَأَخَذُوا شَيْئًا لَمْ يُخَمَّس ۱؎ لِأَنَّ الْغَنِيمَةَ هُوَ الْمَأْخُوذُ قَهْرًا وَغَلَبَةً لَا اخْتِلَاسًا وَسَرِقَةً، وَالْخُمُسُ وَظِيفَتُهَا، ۲؎ وَلَوْ دَخَلَ الْوَاحِدُ أَوْ الِاثْنَانِ بِإِذْنِ الْإِمَامِ فَفِيهِ رِوَايَتَانِ، وَالْمَشْهُورُ أَنَّهُ يُخَمَّسُ لِأَنَّهُ لَمَّا أَذِنَ لَهُمْ الْإِمَامُ فَقَدْ الْتَزَمَ نُصْرَتَهُمْ بِالْإِمْدَادِ فَصَارَ كَالْمَنَعَةِ.

ترجمہ: (۲۸۱۰) اگر ایک یا دو آدمی دار الحرب میں لوٹ مار کرتے ہوئے داخل ہو جائیں بغیر امام کی اجازت کے اور وہ کچھ لے لیں تو خمس نہیں لیا جائیگا۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ غنیمت اس مال ہے جو غلبہ اور قہر سے لیا ہو، اچک کر اور چوری کر کے نہیں لیا ہو اور اس صورت میں اس کا وظیفہ خمس ہے۔

تشریح: بغیر امام کی اجازت کے ایک دو آدمی لوٹ مار کرتے ہوئے داخل ہو جائیں اور حربیوں کا کچھ مال لوٹ لائیں تو اس میں سے امام خمس نہیں لے گا۔

وجہ: (۱) غنیمت اس مال کو کہتے ہیں جو غلبہ کر کے لیا ہو، اچک کر اور چوری کر کے نہیں لیا ہو یہاں یہ لوگ امام کی اجازت کے بغیر دار الحرب میں داخل ہوئے ہیں، اور دوسری بات یہ ہے کہ ان لوگوں کا کوئی غلبہ نہیں ہے، بلکہ ایک انداز ے سے چوری کرنا اور اچک کر لینا ہے اس مال کو نہ مال غنیمت قرار دیا جائے گا اور نہ اس میں خمس ہوگا۔ یہ چوری کا مال ہے اس لئے چاہے حربی سے لیا ہو یہ مال مغبوض ہے۔ (۲) حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔ عن ابن عمرؓ ان رسول الله ﷺ قال ان الغادر ینصب له لواء یوم القیامة فیقال هذه غدرة فلا ن بن فلان (ابوداؤد شریف، باب فی الوفاء بالعهد، ص ۲۳، نمبر ۲۷۵۶ / بخاری شریف، باب اثم الغادر للبر والفاجر، ص ۴۵۲، نمبر ۳۱۸۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عہد کو پورا کرنا چاہئے۔ اور ایک دو آدمیوں نے گویا کہ چوری کر کے عہد کو توڑا اس لئے اس میں خمس نہیں لیا جائے گا۔

لغت: مغیرین : اغار سے مشتق ہے رات کو دھاوا بولنا، غارت گیری کرنا۔

ترجمہ: ۲؎ اگر امام کی اجازت سے ایک دو آدمی دار الحرب میں داخل ہوا تو اس کے مال کے بارے میں دو روایتیں ہیں، مشہور روایت یہ ہے کہ اس میں خمس لیا جائے گا اس لئے کہ جب امام کی اجازت سے داخل ہوا تو امام نے اس کی مدد کا التزام کیا تو گویا کہ اس ایک دو آدمیوں کو بھی قوت ہوگئی۔

تشریح: امام کی اجازت سے ایک دو آدمی دار الحرب میں داخل ہوئے، اور حربیوں کا مال لیا تو اس میں خمس لیا جائے گا یا نہیں اس بارے میں دو رویتیں ہیں [۱] ایک روایت یہ ہے کہ اس ایک دو آدمیوں کو قوت اور طاقت نہیں ہے، اس لئے چاہے امام کی

(۲۸۱۱) فَإِنْ دَخَلَتْ جَمَاعَةٌ لَهَا مَنعَةٌ فَأَخَذُوا شَيْئًا خُمِّسَ وَإِنْ لَمْ يَأْذَنْ لَهُمُ الْإِمَامُ ١ لِأَنَّهُ مَأْخُوذٌ قَهْرًا وَغَلَبَةً فَكَانَ غَنِيمَةً،

اجازت سے یہ چوری جیسا مال ہے اس لئے اس میں خمس نہیں لیا جائے گا۔[۲] دوسری روایت یہ ہے کہ اس میں خمس لیا جائے گا۔

وجہ :جب یہ امام کی اجازت سے ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ امام اس کی مدد کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہے اس لئے گویا کہ اس کو قوت اور غلبہ ہے اس لئے یہ غنیمت کا مال ہوا اس لئے اس میں خمس لیا جائے گا (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ جب امام کی اجازت سے کیا تو یہ چوری کا مال نہیں ہوا، بلکہ غنیمت کا مال ہو گیا اس لئے اس میں خمس لیا جائے گا۔

لغت:منعۃ: روکنے کی طاقت،قوت اور طاقت۔

ترجمہ :(۲۸۱۱)اور اگر قوت والی جماعت داخل ہوئی اور انہوں نے کوئی چیز لی تو خمس لیا جائے گا چاہے امام نے ان کو اجازت نہ دی ہو۔

ترجمہ :ا اس لئے کہ جو کچھ ان لوگوں نے لیا ہے وہ غلبہ اور قہر سے لیا ہے اس لئے یہ مال غنیمت ہوگا۔

تشریح:قوت والی جماعت سے مراد مجاہدین کا دستہ ہے غارت گیری کرنے والی جماعت نہیں ہے۔پس اگر مجاہدین کا دستہ امام کی اجازت کے بغیر دار الحرب چلی جائے اور جہاد کر کے مال غنیمت لے آئے تو اس میں خمس ہے۔

وجہ:(۱) یہ غارت گیری نہیں ہے بلکہ جہاد ہی ہے۔صرف اتنی بات ہے کہ امام کی اجازت کے بغیر ہے۔کیونکہ یہ دستہ ان لوگوں سے غنیمت حاصل کیا ہے جو حربی ہیں اور جن سے جنگ جاری ہے (۲) اگرچہ امام کی جانب سے ظاہری اجازت نہیں ہے لیکن اندرونی طور پر اجازت ہے کیونکہ ایسے حالات میں امام تو چاہتے ہی ہیں کہ حربیوں کو شکست ہو اور جانی اور مالی نقصان ہو۔اور اس دستے نے وہ کر دیا اس لئے اشارۃ اجازت موجود ہے اس لئے اس سے خمس لیا جائے گا (۳) حدیث میں حضرت سلمۃ بن اکوع کی لمبی حدیث ہے جس میں انہوں نے اہل مکہ سے حضورؐ کی اجازت کے بغیر جنگ کی ہے۔اور حضورؐ کے اونٹ کو بھی چھڑایا اور اہل مکہ کے سامان کو بھی مال غنیمت میں حاصل کیا۔پھر حضورؐ نے ان کو گھوڑ سوار اور پیدل دونوں کا حصہ عنایت فرمایا۔جس سے معلوم ہوا کہ امام کی مراد سمجھ کر اس کی اجازت کے بغیر کوئی جماعت مال غنیمت لے آئے تو اس میں خمس لیا جائے گا۔کیونکہ وہ غنیمت کا مال ہے چوری کا مال نہیں ہے۔حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔**حدثنی ایاس بن سلمة عن ابیه قال اغار عبد الرحمن ابن عیینة علی ابل رسول الله ﷺ ... فاذا نبی الله فی خمس مائة فاعطانی سهم الفارس والراجل** (ابوداؤد شریف، باب السریۃ ترد علی اہل العسکر ،ص۲۲،نمبر ۲۷۵۲ر مسلم شریف، باب غزوۃ ذی قرد وغیرھا،ج ۲، ص۱۱۳،نمبر ۱۸۰۷/ ۴۶۷۸)اس حدیث میں حضورؐ کی اجازت کے بغیر موقع کا جہاد کیا۔آپؐ نے اس سے خمس بھی لیا ہوگا۔اور

۲ وَلِأَنَّهُ يَجِبُ عَلَى الْإِمَامِ أَنْ يَنْصُرَهُمْ إذْ لَوْ خَذَلَهُمْ كَانَ فِيهِ وَهْنُ الْمُسْلِمِينَ، بِخِلَافِ الْوَاحِدِ وَالِاثْنَيْنِ؛ لِأَنَّهُ لَا يَجِبُ عَلَيْهِ نُصْرَتُهُمْ.

صحابی کو پیدل اور گھوڑ سوار کے حصے عنایت فرمائے۔(۳) قول تابعی میں اس کا ثبوت ہے۔عن الحسن قال اذا رحلوا باذن الامام اخذ الخمس و کان لھم ما بقی و اذا رحلوا بغیر اذن الامام فھو اسوة الجیش (مصنف ابن ابی شیبة ،۱۱۲ فی السریة تخرج بغیر اذن الامام فتغنم ،ج سادس،ص ۴۹۹، نمبر ۳۳۲۳۱) اس قول تابعی میں ہے کہ جیش کے برابر ہوگا یعنی خمس لیا جائے گا۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ امام کا منشا سمجھ کر کام کیا تو خمس لیا جائے گا اور وہ کام جائز ہوگا۔اور اگر چوری اور غارت گری کا مال ہو تو یہ ناجائز مال ہے،اس میں خمس نہیں لیا جائے گا۔

ترجمه :۲ اور اس لئے کہ امام پر اس کی مدد واجب ہے اس لئے کہ اگر وہ ناکام ہوئے تو اس میں مسلمانوں کی کمزوری ظاہر ہوگی، بخلاف ایک دو آدمی کے اس لئے امام پر اس کی مدد واجب نہیں ہے۔

تشریح : یہ مجاہد کی ایک جماعت ہے اس لئے اس کو قہر اور غلبہ ہے،اور اگر قہر اور غلبہ نہ بھی ہو اور امام کی اجازت کے بغیر گئی ہو تب بھی امام پر اس کی مدد واجب ہے، کیونکہ اگر یہ ناکام ہوئی تو اس میں مسلمان کی کمزوری کا اظہار ہے اس لئے گویا کہ اس کو غلبہ ہے اور امام کی اجازت ہے اس لئے یہ مال غنیمت کا ہے،اس میں خمس لیا جائے گا۔

﴿فَصْلٌ فِيْ التَّنْفِيلِ﴾

(۲۸۱۲) قَالَ: وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يُنَفِّلَ الْإِمَامُ فِي حَالِ الْقِتَالِ وَيُحَرِّضَ بِهِ عَلَى الْقِتَالِ فَيَقُولَ "مَنْ قَتَلَ قَتِيلًا فَلَهُ سَلَبُهُ" (۲۸۱۳) وَيَقُولَ لِلسَّرِيَّةِ قَدْ جَعَلْتُ لَكُمُ الرُّبُعَ بَعْدَ الْخُمُسِ ل؎ مَعْنَاهُ بَعْدَمَا رَفَعَ الْخُمُسَ لِأَنَّ التَّحْرِيضَ مَنْدُوبٌ إِلَيْهِ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالىٰ ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ﴾ وَهَذَا نَوْعُ تَحْرِيضٍ،

﴿فصل فی التنفیل﴾

ترجمہ :(۲۸۱۲)اور کوئی حرج نہیں ہے کہ امام جنگ کی حالت میں انعام کا وعدہ کرے اور انعام دے کر قتال پر ابھارے۔ اور کہے کہ جو جس کو قتل کرے اس کا ساز وسامان اسی کے لئے ہے۔

تشریح :مال غنیمت میں حصے کے علاوہ مزید انعام دے کر مجاہدین کو قتل پر ابھارنا جائز ہے۔اور یہ بھی کہے کہ جو جس کو قتل کرے گا اس کا ساز وسامان اسی کے لئے ہوگا۔

وجہ:(۱) آیت میں اس کی ترغیب ہے۔یا ایھا النبی حرض المؤمنین علی القتال (آیت ۶۵،سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں ہے کہ اے نبی ایمان والوں کو قتال پر ابھاریئے (۲) حدیث میں ہے کہ جنگ بدر کے موقع پر آپ نے یہ کہہ کر ابھارا تھا کہ جو جس کو قتل کرے گا اس کا ساز وسامان اسی کے لئے ہے۔حدیث یہ ہے۔عن ابی قتادۃ قال قال رسول اللہ ﷺ من قتل قتیلا لہ علیہ بینۃ فلہ سلبہ (ترمذی شریف، باب ما جاء فیمن قتل قتیلا فلہ سلبہ، ص ۲۵۸، نمبر ۱۵۶۲/ ابوداؤد شریف، باب فی النفل، ج ۲، ص ۱۹، نمبر ۲۷۳۸/ مسلم شریف، باب استحقاق القاتل سلب القتیل، ج ۲، ص ۸۶، نمبر ۴۵۶۸/۱۷۵۱/ بخاری شریف، باب من لم یخمس الاسلاب، ص ۴۴۴، نمبر ۳۱۴۲، کتاب فرض الخمس) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مزید انعام کا وعدہ کرنا جائز ہے۔

لغت:حرض : قتال پر ابھارنا، نفل : مزید انعام، سلب : چھینا ہوا مال، سلب سے مشتق ہے چھیننا۔

ترجمہ:(۲۸۱۳) یا کہے دستہ سے کہ میں نے تمہارے لئے چوتھائی کی خمس نکالنے کے بعد۔

ترجمہ :ل؎ اس کا معنی یہ ہے کہ خمس کے نکالنے کے بعد۔

تشریح :بڑے لشکر کے اندر سے کوئی چھوٹا لشکر جس کو دستہ کہتے ہیں وہ کسی جگہ جنگ کے لئے جا رہا ہے اس کی ہمت

۲؎ ثُمَّ قَدْ يَكُونُ التَّنْفِيلُ بِمَا ذَكَرَ وَقَدْ يَكُونُ بِغَيْرِهِ، إِلَّا أَنَّهُ لَا يَنْبَغِي لِلْإِمَامِ أَنْ يُنَفِّلَ بِكُلِّ الْمَأْخُوذِ لِأَنَّ فِيهِ إِبْطَالَ حَقِّ الْكُلِّ، فَإِنْ فَعَلَهُ مَعَ السَّرِيَّةِ جَازَ؛ لِأَنَّ التَّصَرُّفَ إِلَيْهِ وَقَدْ يَكُونُ الْمَصْلَحَةُ فِيهِ

بڑھانے کے لئے امام کہے کہ جتنا مال غنیمت میں لاؤ گے اس میں سے خمس نکالنے کے بعد جو بچے گا اس میں سے چوتھائی تم لوگوں کو انعام دیں گے۔اس کے بعد اس کو مال غنیمت کے طور پر لشکر میں تقسیم کریں گے۔مثلا بیس اونٹ غنیمت میں لایا اس میں سے پانچواں حصہ خمس نکالا جو چار اونٹ ہونگے۔باقی سولہ اونٹ میں سے چوتھائی یعنی چار اونٹ انعام میں دیئے جائیں گے اور باقی بارہ اونٹ تمام مجاہدین پر بطور مال غنیمت تقسیم کریں گے۔

وجہ: حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن حبیب بن سلمة ان رسول الله ﷺ کان ینفل الربع بعد الخمس والثلث بعدالخمس اذا قفل** (ابوداؤد شریف، باب فیمن قال الخمس قبل النفل، ص ۲۱، نمبر ۲۷۴۹ر ترمذی شریف، باب فی النفل، ص ۲۸۴، نمبر ۱۵۶۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ موقع محل کے اعتبار سے امام انعام کا اعلان کرسکتا ہے۔

لغت: السریۃ : چھوٹا لشکر، دستہ۔

ترجمہ : ۲؎ اس لئے کہ قتل پر ابھارنا مستحب ہے اللہ تعالی نے فرمایا کہ مومن کو قتال پر ابھارئے اور انعام دیکر ابھارنا یہ بھی ایک قسم کا ابھارنا ہے۔

تشریح : اوپر آیت گزر گئی جس میں قتال پر ابھارنے کا حکم تھا۔

پھر انعام دینے کا طریقہ وہ بھی ہے جس کا ذکر گزرا، اور کبھی دوسرے طریقے سے بھی ہوتا ہے، لیکن امام کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ جتنا مال لایا ہے سب انعام میں دے دے، اس لئے کہ صورت میں سب مجاہدین کا حق مارنا ہے، لیکن چھوٹی جماعت کے ساتھ کر لیا تو جائز ہے، کیونکہ اس بارے میں امام کے تصرف کا اعتبار ہے، اور کبھی پورا مال دینے میں مصلحت ہوتی ہے۔

تشریح: یہاں تین باتیں بتا رہے ہیں [۱] انعام دینے کا ایک طریقہ وہ ہے جو اوپر گزرا، من قتل قتیلا فلہ سلبہ، جو جس کو قتل کرے گا اس کا سامان اس کو دیا جائے گا، اس کے علاوہ بھی انعام دینے کا طریقہ ہے، مثلا کہے کہ اگر تم نے فلان کو قتل کیا تو دو ہزار درہم انعام دیا جائے گا۔[۲] دوسری بات یہ ہے کہ، مجاہد نے جتنا مال جہاد کر کے لایا سب مال مجاہد کو دے دے یہ مناسب نہیں ہے، کیونکہ اس مال میں دوسرے مجاہد کا بھی حق ہے، اس طرح اس کا حق باطل کرنا لازم آئے گا۔[۳] تیسری بات یہ ہے کہ لیکن اگر امام نے دے دیا تو وہ دے سکتا ہے، کیونکہ امام کو اس کا اختیار ہے، اور بعض مرتبہ ایسا کرنے میں مصلحت ہوتی ہے، اس لئے وہ سب مال بھی دے سکتا ہے، تاہم ہمیشہ ایسا نہیں کرنا چاہئے۔

(۲۸۱۴)وَلا يُنَفِّلُ بَعْدَ إِحْرَازِ الْغَنِيمَةِ بِدَارِ الْإِسْلَامِ ۱؎ لِأَنَّ حَقَّ الْغَيْرِ قَدْ تَأَكَّدَ فِيهِ بِالْإِحْرَازِ. قَالَ: إِلَّا مِنْ الْخُمُسِ لِأَنَّهُ لا حَقَّ لِلْغَانِمِينَ فِي الْخُمُسِ،

ترجمه:(۲۸۱۴)اورانعام نہ دے دارالاسلام میں غنیمت جمع کرنے کے بعدمگرخمس سے۔

ترجمه:۱؎ اس لئے کہ دارالاسلام میں جمع کرنے کے بعددوسرے مجاہد کا بھی حق متاکد ہوگیا ہے،اورخمس میں کسی مجاہد کاحق نہیں ہے۔

تشریح :جنگ ختم ہوگئی۔لوگوں نے مال غنیمت بھی جمع کرلیااوردارالاسلام میں لاچکا ہے۔اب اس میں سے کسی کوانعام دیناجائزنہیں ہے۔اوراگردیناہی ہےتوپورے مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ خمس نکالا ہےاس میں سےانعام دے۔

وجه :(۱)مال غنیمت جمع ہونے کے بعدسب مجاہدین کاحق لاحق ہوگیا ہے۔اب اس میں سے کسی کوانعام دیناصحیح نہیں ہے۔اس لئے اگردیناہی ہوتوخمس جونکالا ہےاس میں سے کسی کوانعام دے۔ہاں!حالت جنگ میں کسی کے لئے انعان کاوعدہ کیاتھا تووہ پورے مال غنیمت میں سے دیگا(۲)اس حدیث میں اس کااشارہ ہے۔سمعت عمرو بن عبسة قال صلی بنا رسول الله ﷺ الی بعیر من المغنم فلما سلم اخذ وبرة من جنب البعیر ثم قال ولا یحل لی من غنائکم مثل هذا الا الخمس والخمس مردود فیکم (ابوداؤدشریف،باب الامام یستأثر بشیء من الفیء لنفسہ،ج ۲،ص۲۳،نمبر۲۷۵۵)اس حدیث میں جب حضورؐفرماتے ہیں کہ خمس کےعلاوہ میں مال غنیمت کامالک نہیں ہوں۔توجب مال غنیمت میں مجاہدین کاحق ثابت ہوگیاتواب دوسرےکوانعام کیسے دے سکیں گے(۳)قول صحابی میں ہے کہ حضرت انسؓ کو حضرت عبیداللہ بن ابی بکرۃ مال غنیمت میں سےانعام دیناچاہتے تھےتوانہوں نےانکارفرمایااورفرمایاکہ اگردیناہی ہوتوخمس جو نکالا ہےاس میں سے دو۔قول صحابی یہ ہے۔ان انس بن مالک کان مع عبید الله بن ابی بکرة فی غزاة غزاها فاصابوا سبیا فاراد عبید الله ان یعطی انسا من السبی قبل ان یقسم فقال انس لا ولکن اقسم ثم اعطنی من الخمس قال فقال عبید الله لا الا من جمیع الغنائم فابی انس ان یقبل منه وابی عبیدالله ان یعطیه من الخمس شیئا (طحاوی شریف،باب النفل بعدالفراغ من قتال العدوواحرازالغنیمۃ،ج ثانی،ص۱۳۳۲رمصنف عبدالرزاق، باب لانفل الامن الخمس ولانفل من الذهب والفضۃ،ج خامس،ص۱۳۱،نمبر۹۴۰۴)اس قول صحابی میں ہے کہ خمس میں سے انعام دے۔

لغت: احراز : مال جمع کرنا۔

(۲۸۱۵) وَإِذَا لَمْ يَجْعَلِ السَّلَبَ لِلْقَاتِلِ فَهُوَ مِنْ جُمْلَةِ الْغَنِيمَةِ، وَالْقَاتِلُ وَغَيْرُهُ فِي ذٰلِكَ سَوَاءٌ لِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: السَّلَبُ لِلْقَاتِلِ إِذَا كَانَ مِنْ أَهْلِ أَنْ يُسْهَمَ لَهُ وَقَدْ قَتَلَهُ مُقْبِلًا لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "مَنْ قَتَلَ قَتِيلًا فَلَهُ سَلَبُهُ" وَالظَّاهِرُ أَنَّهُ نَصْبُ شَرْعٍ لِأَنَّهُ بَعَثَهُ لَهُ،

ترجمہ:(۲۸۱۵)اگر سامان قاتل کے لئے نہیں کیا تو وہ غنیمت میں ہوگا اور اس میں قاتل اور غیر قاتل برابر ہوگا۔

تشریح: اگر امام نے مزید انعام دینے کا اعلان کیا تب تو مقتول کا ساز وسامان قاتل کے لئے ہوگا۔اور اگر یہ اعلان نہیں کیا تو مقتول کا ساز وسامان قاتل کے لئے نہیں ہوگا۔اس کو مال غنیمت میں شامل کر دیا جائے گا۔اور اس سامان میں قاتل اور غیر قاتل سب کا حصہ برابر ہوگا۔

وجہ: (۱) جنگ حنین کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ باضابطہ امام انعام کا اعلان کرے اور قاتل قتل کرنے پر گواہ پیش کرے تب اس کو سلب اور انعام دیا جائے گا ورنہ نہیں۔حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔**عن ابی قتادةؓ قال خرجنا مع رسول الله ﷺ عام حنین ... وجلس النبی ﷺ فقال من قتل قتیلا له علیه بینة فله سلبه فقمت فقلت من یشهد لی؟ ثم جلست ثم قال من قتل قتیلا له علیه بینة فله سلبه فقمت فقلت من یشهد لی؟** (بخاری شریف، باب من لم یخمس الاسلاب، ص۴۴۴، نمبر ۳۱۴۲ رمسلم شریف، باب استحقاق القاتل سلب القتیل، ص ۸۶، نمبر ۱۷۵۱ / ۴۵۶۸) اس حدیث کے انداز سے معلوم ہوا کہ امام انعام کا اعلان کرے گا تو مقتول کا سامان قاتل کو ملے گا ورنہ نہیں (۲) کیونکہ ابوبکرؓ نے انعام دینے سے انکار فرمایا۔**فقال ابو بکرؓ لا ها الله اذا لایعمد الی اسد من اسد الله یقاتل عن الله ورسوله یعطیک سلبه** (بخاری شریف، نمبر ۳۱۴۲ رمسلم شریف، نمبر ۱۷۵۱) اس اثر میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے عام حالات میں انعام دینے سے انکار فرمایا۔جس سے معلوم ہوا کہ امام انعام دینے کا وعدہ کرے گا تو سلب دیا جائے گا ورنہ نہیں۔

ترجمہ: لِ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اگر قتل کرنے والے کو مال غنیمت میں حصہ ملتا ہو اور سامنے سے حملہ کرنے والے کفار کو قتل کیا تو قتل کرنے والے مجاہد کو کفار کا سامان ملے گا، کیونکہ حضورؐ نے فرمایا کہ جس نے مقتول کو قتل کیا تو اس کا سامان قاتل کو ملے گا، اور ظاہر یہ ہے کہ آپ نے یہ ہمیشہ کے لئے قانون بنایا ہے اس لئے کہ حضور اسی کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔

تشریح: امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ امام نے انعام دینے کا اعلان کیا ہو یا نہ کیا ہو، اگر دو شرطیں پائی جائیں تو قاتل کو مقتول کا سامان ملے گا [۱] ایک شرط یہ ہے کہ قتل کرنے والا ایسا ہو کہ اس کو مال غنیمت میں حصہ ملتا ہو، عورت اور بچہ نہ ہو جسکو حصہ نہیں ملتا ہے۔[۲] دوسری شرط یہ ہے کہ کافر سامنے سے حملہ اور ہوا ہو اس کو قتل کیا ہو۔ پیچھے سے حملہ اور نہیں ہوا اور نہ بھاگتے ہوئے بکو قتل کیا ہو۔

۲۔ وَلِأَنَّ الْقَاتِلَ مُقْبِلًا أَكْثَرَ غِنَاءً فَيَخْتَصُّ بِسَلَبِهِ إِظْهَارًا لِلتَّفَاوُتِ بَيْنَهُ وَبَيْنَ غَيْرِهِ. ۳۔ وَلَنَا أَنَّهُ مَأْخُوذٌ بِقُوَّةِ الْجَيْشِ فَيَكُونُ غَنِيمَةً فَيُقَسَّمُ الْغَنَائِمِ كَمَا نَطَقَ بِهِ النَّصُّ. ۴۔ وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِحَبِيبِ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ "لَيْسَ لَكَ مِنْ سَلَبِ قَتِيلِكَ إِلَّا مَا طَابَتْ بِهِ نَفْسُ إِمَامِكَ"

وجہ:(۱) حدیث میں ہے کہ جس سے مقتول کو قتل کیا تو اس کو مقتول کا سامان ملے گا ، یہ حدیث ہمیشہ کے لئے ہے امام نے دینے کا اعلان کیا ہو یا نہ کیا۔ حدیث یہ ہے **عن ابی قتادۃ قال قال رسول اللہ ﷺ من قتل قتیلا لہ علیہ بینۃ فلہ سلبہ** (ترمذی شریف، باب ماجاء فیمن قتل قتیلا فلہ سلبہ ،ص ۲۵۸، نمبر ۱۵۶۲/ ابوداؤد شریف، باب فی النفل، ج ۲،ص ۱۹، نمبر ۲۷۳۸)۔

لغت :قتلہ مقبلا: کافر سامنے سے حملہ آور ہوا ہو اس کو مجاہد نے قتل کیا ہو۔ **الظاھر انہ نصب شرع لانہ بعث لہ**: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے حدیث میں، من قتل قتیلا، کا جملہ وقتی انعام کے لئے بیان نہیں کیا ہے، بلکہ ہمیشہ کے لئے قانون بنا دیا ہے، اس لئے کہ آپ قانون بنانے کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔

ترجمہ :۲۔ اور اس لئے کہ سامنے سے حملہ کرنے والے کو قتل کرنا بہت فائدہ مند ہے اس لئے اس کے درمیان اور دوسرے کے درمیان فرق پیدا کرنے کے لئے مقتول کا سامان دیکر امتیاز بخشا جائے۔

تشریح : کافر سامنے سے حملہ آور ہو رہا ہے اس کو قتل کرنا بڑی بات ہے اور اس میں مسلمانوں کا بہت فائدہ ہے اس لئے مقتول کا سامان دیکر اس کو امتیاز بخشا جائے، اس لئے اس کو مقتول کا سامان دینا چاہئے۔

ترجمہ :۳۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ مقتول کا جو سامان لیا گیا ہے وہ پورے لشکر کی قوت کی وجہ سے لیا گیا ہے اس لئے یہ مال غنیمت میں جائے گا اس لئے غنیمت کی طرح تقسیم کیا جائے گا جیسا کہ آیت میں ہے۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے۔ یہ جو قاتل نے مقتول کا سامان لیا ہے، یہ اس کی ذاتی قوت نہیں ہے بلکہ لشکر کی قوت کی وجہ سے وہ اس قابل ہوا کہ کافر کو قتل کر کے اس کا سامان چھین لیا اس لئے یہ سامان مال غنیمت کی تقسیم سب میں تقسیم ہوگا، کیونکہ آیت میں ہے کہ جو کچھ بھی مال غنیمت میں آئے اس کو سب میں تقسیم کرو۔

وجہ: یہ آیت گزر چکی ہے۔ **واعلموا انما غنمتم من شیء فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربی والیتمی والمساکین وابن السبیل ان کنتم آمنتم باللہ** (آیت ۴۱، سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں ہے کہ جو کچھ غنیمت میں آئے اس کو اس پانچ قسموں میں تقسیم کرو۔

ترجمہ :۴۔ حضور ﷺ نے حبیب مسلمہ سے کہا تھا کہ تم کو اتنا ہی ملے گا جتنا امام نے چاہا۔

تشریح: یہ دوسری دلیل ہے کہ حضور نے حبیب مسلمہ سے کہا تھا امام جتنا چاہے گا وہی ملے گا، مقتول کا پورا سامان نہیں ملے گا۔

۵؎ وَمَا رَوَاهُ يَحْتَمِلُ نَصْبَ الشَّرْعِ وَيَحْتَمِلُ التَّنْفِيلَ فَنَحْمِلُهُ عَلَى الثَّانِي لِمَا رَوَيْنَاهُ. وَزِيَادَةُ الْغِنَاءِ لَا تُعْتَبَرُ فِي جِنْسٍ وَاحِدٍ كَمَا ذَكَرْنَاهُ.

(۲۸۱۶)وَالسَّلَبُ مَا عَلَى الْمَقْتُولِ مِنْ ثِيَابِهِ وَسِلَاحِهِ وَمَرْكَبِهِ، وَكَذَا مَا كَانَ عَلَى مَرْكَبِهِ مِنَ السَّرْجِ وَالْآلَةِ، وَكَذَا مَا مَعَهُ عَلَى الدَّابَّةِ مِنْ مَالِهِ فِي حَقِيبَتِهِ أَوْ عَلَى وَسَطِهِ وَمَا عَدَا ذٰلِكَ فَلَيْسَ بِسَلَب.

وجه: حدیث یہ ہے۔فبلغ حبیب بن مسلمه .....فان رسول الله جعل السلب للقاتل ، فقال معاذ یا حبیب انی سمعتُ رسول الله ﷺ یقول انما للمرء ما طابت به نفس امامه ۔(طبرانی کبیر، باب حبیب بن مسلمہ الفہری ،ج ۴،ص ۲۱،نمبر ۳۵۳۳) اس حدیث میں ہے کہ امام جتنا چاہے دے سکتا ہے، ہر قاتل کے لئے سلب نہیں ہے۔

ترجمہ: ۵؎ اور امام شافعیؒ نے جو، من قتل قتیلا فله سلبه، والی حدیث روایت کی ہے وہ احتمال رکھتا ہے کہ وہ قانون کے لئے ہو اور احتمال رکھتا ہے کہ وہ انعام دینے کے لئے ہو، اس لئے حبیب بن مسلمہ کی حدیث کی وجہ سے ہم اس کو انعام پر حمل کریں گے۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کی حدیث کا جواب ہے، امام شافعیؒ نے جو من قتل قتلا فله سلبه، والی حدیث روایت کی ہے، اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ ہمیشہ کے لئے قانون بنانے کے لئے ذکر کی کہ جب کافر کو سامنے سے قتل کرے گا تو قاتل کو اس کا سامان ملے گا، اور دوسری صورت یہ ہے کہ انعام دینے کے لئے یہ حدیث ذکر کی ہو، لیکن اوپر حبیب بن مسلمہ کی حدیث کی وجہ سے ہم اس کو انعام دینے پر محمول کریں گے، ہمیشہ دینے پر محمول نہیں کریں گے۔

ترجمہ: ۶؎ اور زیادہ فائدہ حملے کی صرف ایک صورت میں نہیں ہے، جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا۔

تشریح: یہ بھی امام شافعیؒ کو جواب ہے۔ انہوں نے کہا تھا کہ سامنے سے حملہ آور کو قتل کرنا زیادہ فائدہ مند ہے اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ بعض مرتبہ بھاگتے ہوئے کو قتل کرنا زیادہ فائدہ مند ہو تو ہے اس لئے سامنے والے کو ہی سامان دینا مخصوص نہیں رہا۔

ترجمہ: (۲۸۱۶) مقتول پر جو اس کا کپڑا ہو، ہتھیار رہو اور سواری ہو وہ سلب ہیں۔ ایسے ہی سواری پر جو زین اور آلات [لگام]وغیرہ، ایسے ہی سواری پر جو تھیلی ہو اس میں جو مال ہو، یا اس کے پیٹ پر جو تھیلی وغیرہ ہو [وہ سب سلب ہیں] اور اس کے علاوہ سلب نہیں ہے۔

تشریح: سلب میں کون کون سے سامان داخل ہیں، تو فرماتے ہیں کہ مقتول پر جو کپڑا ہے یا مقتول پر جو ہتھیار ہے اور مقتول جس سواری پر سوار ہے، پھر سواری کا لگام، اس پر جو بڑی تھیلی ہے وہ اور جو کچھ تھیلی میں سامان ہیں وہ سب سلب میں داخل ہیں، اور اس کے علاوہ جو کچھ ہیں وہ سلب میں داخل نہیں ہیں۔ امام کے 'من قتل قتیلا فله سلبه' کہنے سے یہ سب سلب میں داخل ہوں گے۔ اور امام پر یہ سب دینا لازم ہوگا۔

لے وَمَا كَانَ مَعَ غُلَامِهِ عَلَى دَابَّةٍ أُخْرَى فَلَيْسَ بِسَلَبِهِ

وجه:(۱) ہتھیار شامل ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن عبد الله بن مسعود قال نفلنی رسول الله ﷺ یوم بدر سیف ابی جهل کان قتله (ابوداؤد شریف، باب من اجاز علی جریح مثخن ینفل من سلبه، ج ۲،ص ۱۷،نمبر ۲۷۲۲)اس میں ابوجہل کی تلوار نفل میں دیا جس سے معلوم ہوا کہ ہتھیار سلب میں داخل ہے۔(۲) سوار سلب میں داخل ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن عبد الله قال بعثنا رسول الله ﷺ فی سریة فبلغت سهماننااثنی عشر بعیرا ونفلنا رسول الله ﷺ بعیرا بعیرا (ابوداؤد شریف، باب فی النفل للسریة تخرج من العسکر ،ج ۲،ص ۲۰،نمبر ۲۷۴۵)اس حدیث میں اونٹ نفل میں دیا جس سے معلوم ہوا کہ سواری سلب میں داخل ہے۔(۳) کپڑا، لگام، گھوڑے کا زین وغیرہ بھی سلب میں داخل ہیں اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ ان مددیا رافقهم فی غزوة موتة وان رومیا کان یشد علی المسلمین ویغری بهم فتلطف له ذلک المددی فقعد له تحت صخرة فلما مر به عرقب فرسه وخر الرومی فعلاه بالسیف فقتله فاقبل بفرسه وسیفه وسرجه ولجامه ومنطقته وسلاحه کل ذلک مذهب بالذهب والجوهر الی خالد بن الولید فاخذ منه خالد طائفة ونفله بقیته ،فقلت یا خالد ماهذا ؟ اما تعلم ان رسول الله ﷺ نفل القاتل سلب کله قال بلی ولکنی استکثرته (طحاوی شریف، باب الرجل یقتل قتیلا فی دار الحرب هل یکون له سلبه ام لا؟، ج ثانی، ص ۱۲۷)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھوڑا، زین، لگام، پٹکا اور ہتھیار وغیرہ سب سلب میں داخل ہیں۔البتہ نقدی، سونا، چاندی مقتول کے پاس ہو تو وہ سلب میں داخل نہیں ہیں۔

وجه:اس کی دلیل حضرت عمرؓ کے اثر کا یہ ٹکڑا ہے۔فکتب الی عمرؓ ان دع الناس یأکلون ویعلفون فمن باع شیئا بذهب او فضة فقد وجب فیه خمس الله وسهام المسلمین (مصنف ابن ابی شیبة ۱۲۷، فی الطعام والعلف یوخذ منه الشیء فی ارض العدو، ج سادس، ص ۵۰۸، نمبر ۳۳۳۱۹)اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ سونے چاندی میں سب مجاہدین کا حق ہے۔وہ سلب میں داخل نہیں ہے۔

لغت :سلب: چھینا ہوسامان، یہاں مراد ہے مقتول کا چھینا ہوا سامان۔سلاح: ہتھیار۔مرکب: سواری۔سرج: زین۔الآلة: آلات سے مراد سواری کا لگام وغیرہ مراد ہے حقیبة: تھیلی، گھوڑے پر بڑی تھیلی ہوتی ہے جس میں سوار اپنا سامان رکھتا ہے۔وسط: گھوڑے کے درمیان میں یعنی اس کے پیٹ پر ایک تھیلی لگی ہوتی ہے جس میں سامان ہوتا ہے، یہ سب سلب میں داخل ہیں۔

ترجمه:لے اور دوسرے سواری پر مقتول کے غلام کے ساتھ سامان ہو وہ سلب میں داخل نہیں ہے۔

تشریح:اس لئے کہ وہ اس مقتول کے تابع نہیں ہے۔

۲؎ ، ثُمَّ حُكْمُ التَّنْفِيلِ قَطَعَ حَقَّ الْبَاقِينَ، ۳؎ فَأَمَّا الْمِلْكُ فَإِنَّمَا يَثْبُتُ بَعْدَ الْإِحْرَازِ بِدَارِ الْإِسْلَامِ لِمَا مَرَّ مِنْ قَبْلُ، حَتّٰى لَوْ قَالَ الْإِمَامُ مَنْ أَصَابَ جَارِيَةً فَهِيَ لَهُ فَأَصَابَهَا مُسْلِمٌ وَاسْتَبْرَأَهَا لَمْ يَحِلَّ لَهُ وَطْؤُهَا، وَكَذَا لَا يَبِيعُهَا. وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ. وَقَالَ مُحَمَّدٌ: لَهُ أَنْ يَطَأَهَا وَيَبِيعَهَا، لِأَنَّ التَّنْفِيلَ يَثْبُتُ بِهِ الْمِلْكُ عِنْدَهُ كَمَا يَثْبُتُ بِالْقِسْمَةِ فِي دَارِ الْحَرْبِ وَبِالشِّرَاءِ مِنَ الْحَرْبِيِّ، ۴؎ وَوُجُوبُ الضَّمَانِ بِالْإِتْلَافِ قَدْ قِيلَ عَلَى هٰذَا الِاخْتِلَافِ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

ترجمہ :۲؎ پھر نفلی دینے کے حکم سے دوسرے مجاہدین کا حق ساقط ہوجائے گا۔

تشریح: جوسامان سلب کا ہے امام کے انعام دینے کے اعلان کے بعد وہ صرف قاتل کو ملے گا، دوسرے مجاہدین کو اب نہیں ملے گا۔

ترجمہ :۳؎ قاتل کی ملکیت ثابت ہوگی دارالاسلام میں جمع ہوجانے کے بعد جیسے کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر امام نے کہا کہ جس کو باندی ملے تو وہ اسی کی ہے، اب ایک مسلمان نے باندی پائی اور اس کو پاک بھی کرلیا تو اس سے وطی کرنا حلال نہیں ہے، اور ایسے ہی اس کو بیچنا جائز نہیں ہے، یہ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے۔

اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ اس باندی سے وطی کرنا بھی جائز ہے اور اس کا بیچنا بھی جائز ہے، اور اس لئے کہ امام محمدؒ کے یہاں دار الحرب میں ہی قاتل کی ملکیت ہوجاتی ہے، جیسے دار الحرب میں امام تقسیم کر کے دے تو مجاہد کی ملکیت ہوجاتی ہے، اور حربی سے باندی خرید لے تو ملکیت ہوجاتی ہے۔

تشریح :امام نے سلب کا اعلان کردیا، اور قاتل نے مقتول کا سلب جمع بھی کرلیا، لیکن اس پر قاتل کی ملکیت اس وقت ہوگی جب اس سامان کو دارالاسلام میں جمع کرے گا، یہ شیخینؒ کے نزدیک ہے۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک دار الحرب میں ہی ملکیت ہو جاتی ہے، چنانچہ امام نے کہا کہ قیدی باندی جس نے پکڑی وہ اس کی ہے، اب زید نے قیدی پکڑی اور اس کو حیض سے پاک بھی کرلیا تو امام محمدؒ کے یہاں دار الحرب میں بھی اس سے وطی کرنا جائز ہوگا، کیونکہ وہ قیدی اس مجاہد کی مملوکہ بن چکی ہے، اور شیخینؒ کے یہاں جب تک دار الاسلام میں نہیں لائے گا اس سے وطی کرنا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ وہ ابھی تک مملوکہ نہیں بنی ہے۔ اسی طرح امام محمدؒ کے نزدیک مجاہد اس باندی کو دار الحرب میں دوسرے سے بیچ سکتا ہے، کیونکہ وہ اس کی مملوک بن چکی ہے، اور شیخینؒ کے نزدیک اس کو ابھی بیچ نہیں سکتا، کیونکہ مجاہد اس کا مالک نہیں بنا ہے۔

ترجمہ :۴؎ اور اس باندی کو کوئی ہلاک کردے تو بعض حضرات نے فرمایا کہ وہ بھی اسی اختلاف پر ہے۔

تشریح: باندی کو اس مجاہد سے لیکر کسی نے ضائع کردیا، تو امام محمدؒ کے نزدیک مجاہد ہی اس کا ضمان لیگا، کیونکہ اس کی مملوکہ کو ضائع کیا ہے، اور شیخینؒ کے نزدیک مجاہد اس کا ضمان نہیں لے گا امام اس کا ضمان لیگا، کیونکہ انکے یہاں مجاہد اس کا مالک نہیں بنا ہے۔

﴿بابُ اسْتِیلَاءِ الْکُفَّارِ﴾

(۲۸۱۷) وَإِذَا غَلَبَ التُّرْکُ عَلَی الرُّومِ فَسَبَوْهُمْ وَأَخَذُوا أَمْوَالَهُمْ مَلَکُوهَا؛ ۱؎ لِأَنَّ الِاسْتِیلَاءَ قَدْ تَحَقَّقَ فِيْ مَالٍ مُبَاحٍ وَهُوَ السَّبَبُ عَلٰی مَا نُبَیِّنُهُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالیٰ .

﴿باب استیلاء الکفار﴾

ترجمہ :(۲۸۱۷) اگر ترکی لوگ روم والوں پر غالب آجائیں اور ان کو قید کر لیں اور ان کے مال کو لے لیں تو وہ اس کے مالک ہوجائیں گے۔

ترجمہ :۱؎ اس لئے کہ مباح مال پر غلبہ ہوگیا اور مالک بننے کا سبب یہی ہے، جیسا کہ ہم بعد میں بیان کریں گے۔

تشریح :ترک اور اہل روم سے مراد کافر ہیں۔یعنی ایک کافر ملک کے لوگ دوسرے کافر ملک کے لوگوں پر غالب آجائیں اور ان کے لوگوں کو قید کر لیں اور ان کے مال پر قبضہ کر لیں تو وہ اس کے مالک ہوجائیں گے۔

وجہ :(۱) جب مسلمان کے مال پر کافر قبضہ کر لیتے ہیں تو وہ مالک ہوجاتے ہیں تو کافر کے ملک پر قبضہ کریں گے تو کیوں مالک نہیں ہوں گے؟ (۲) مالک ہونے کی وجہ غلبہ ہونا اور اپنے ملک کے اندر لے جانا ہے اور یہ پایا گیا اس لئے وہ مالک ہو جائیں گے۔

لغت : سبو : سبی سے مشتق ہے قید کرنا، ترک :ترکی، ایک ملک ہے جو پہلے کافر ملک تھا، اب وہ مسلمان ملک ہے، روم : ترک کے پاس ایک ملک ہے جو ابھی تک کافر ملک ہی ہے۔

اصول :حربی کا مملوک چیزیں مباح ہیں اس لئے اس پر کوئی دوسرا حربی قبضہ کر لے تو وہ اس کا مالک بن جائے گا، اور اس پر اگر مسلمانوں کا قبضہ ہوجائے تو مسلمان اس کا مالک بن جائے گا۔

اصول :جن کافروں سے اسلام کی جنگ چل رہی ہو وہ حربی ہے اس کی چیزوں پر قبضہ کرنے سے مالک بنے گا، لیکن جن حربیوں سے جنگ نہیں چل رہی ہو اس کی چیز پر زبردستی قبضہ کرنا جائز نہیں ہے، اور اس پر قبضہ کرنے سے مسلمان اس کا مالک نہیں بنے گا۔

اصول :مسلمان کسی کافر ملک میں امن لیکر کر رہا ہو، تو اس کو دارالامن، کہتے ہیں، وہاں کے لوگوں کی چیزوں پر زبردستی قبضہ کرنے سے اس چیز کا مالک نہیں بنے گا، اور نہ اس پر زبردستی قبضہ کرنا جائز ہے۔

(۲۸۱۸) فَإِنْ غَلَبْنَا عَلَى التُّرْكِ حَلَّ لَنَا مَا نَجِدُهُ مِنْ ذٰلِكَ لِ اعْتِبَارًا بِسَائِرِ أَمْلَاكِهِمْ.
(۲۸۱۹) وَإِذَا غَلَبُوا عَلَى أَمْوَالِنَا وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ وَأَحْرَزُوهَا بِدَارِهِمْ مَلَكُوهَا.

ترجمہ:(۲۸۱۸)اورہم ترک پرغالب ہوجائیں تو حلال ہے ہمارے لئے وہ جو ہم ان میں سے پائیں۔
ترجمہ:لے اس کی ساری ملکیت پر قیاس کرتے ہوئے۔
تشریح: ہم حملہ کر کے ترک پر غالب ہوگئے تو جو مال ترک والوں نے روم سے لیا تھا وہ سب مال مسلمانوں کے ہاتھ آئے تو ہم اس کا بھی مالک بن جائیں گے۔اور ترک والوں کے اصلی مال جو کچھ ہمارے ہاتھ میں آئے ہم اس کا بھی مالک بن جائیں گے۔
وجہ :(۱) جہاد میں غلبہ ہونے کے بعد وہ سب مال غنیمت ہیں اور مال غنیمت مسلمانوں کی ملکیت ہوتی ہے۔اس لئے جہاد میں ترک کا اپنا مال ہو یا روم والوں کے مال پر قبضہ شدہ ہو یعنی حربی کا اپنا مال ہو یا کسی اور حربی پر قبضہ شدہ مال ہو دونوں پر مسلمان کی ملکیت ہو جائے گی (۲) آیت میں اس کا ثبوت ہے۔ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القری فللہ وللرسول ولذی القربی والیتمٰی والمساکین وابن السبیل کی لا یکون دولہ بین الاغنیاء منکم (آیت ۷،سورۃ الحشر ۵۹) اس آیت میں ہے کہ اللہ نے جو فیئ یعنی مال غنیمت دیا وہ تم لوگوں کی ملکیت ہے (۳) دوسری آیت میں ہے۔ فکلوا مما غنمتم حلالا طیبا واتقوا اللہ ان اللہ غفور رحیم (آیت ۶۹،سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں ہے جو مال غنیمت تم کو ملا اس کو کھاؤ وہ تمہارے لئے حلال ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ حربی کے مال پر قبضہ کرنے سے مسلمان مالک ہو جائیں گے (۴) حضورؐ نے خیبر کی زمین کو مجاہدین میں تقسیم فرمائی کیونکہ مجاہد اس کا مالک بن چکے تھے۔عن سھل بن ابی حثمۃ قال قسم رسول اللہ ﷺ خیبر نصفین نصفا لنوائبہ و حاجتہ و نصفا بین المسلمین قسمھا علی ثمانیۃ عشر سھما (ابوداؤد شریف، باب ما جاء فی حکم ارض خیبر، ج ۲، ص ۶۸، نمبر ۳۰۱۰)
ترجمہ:(۲۸۱۹) اور اگر وہ ہمارے مال پر غالب آجائیں اور دار الحرب میں لے جائیں اور اس کو دار الحرب لے کر چلے جائیں تو وہ اس کے مال ہو جائیں گے۔
وجہ :(۱) پہلے بتایا کہ غلبہ کر کے اپنے ملک میں لے جانے سے مالک بن جاتے ہیں اس لئے حربی مالک ہو جائیں گے (۲) آیت میں اس کا اشارہ ہے۔للفقراء المھاجرین الذین اخرجوا من دیارھم واموالھم یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا (آیت ۸،سورۃ الحشر ۵۹) اس آیت میں مکہ مکرمہ کے مہاجرین کو فقراء کہا گیا۔حالانکہ ان کے پاس مال تھا پھر بھی فقراء کہنا اس بات پر دلالت ہے کہ اس کے مال پر کفار کا قبضہ ہو گیا اور وہ اس کا مالک بن گئے۔اسی لئے تو مہاجرین کو فقراء

ل وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لا يَمْلِكُونَهَا؛ لِأَنَّ الِاسْتِيلَاءَ مَحْظُورٌ ابْتِدَاءً وَانْتِهَاءً وَالْمَحْظُورُ لا يَنْتَهِضُ سَبَبًا لِلْمِلْكِ عَلَى مَا عُرِفَ مِنْ قَاعِدَةِ الْخَصْمِ.

کہا گیا ہے (۳) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن اسامة بن زيدؓ انه قال يا رسول الله ! اين تنزل فى دارک بمكة ؟ فقال وهل ترک عقيل من رباع ودور** (بخاری شریف، باب توریث دور مکة وبیعھا وشرائھا الخ، ص ۲۱۶، نمبر ۱۵۸۸، کتاب الحج رمسلم شریف، باب نزول الحاج بمکة وتوریث دورھا، ص ۴۳۶، نمبر ۱۳۵۱/۳۲۹۴) اس حدیث میں حضورؐ نے سوال کے طور پر پوچھا کیا عقیل نے کوئی گھر یا زمین کا ٹکڑا ہمارے لئے چھوڑا ہے جہاں میں ٹھہروں؟ جس سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کی زمین اور مکان پر حضرت عقیل جو اس وقت کافر تھے قبضے کے بعد وہ مالک ہو گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کفار ہمارے مال پر قبضہ کر لے تو وہ مالک ہو جائیں گے۔

ترجمہ: ل امام شافعیؒ نے فرمایا کہ کافر ہماری چیزوں کا مالک نہیں بنے گا اس لئے کہ دار الاسلام میں مالک نہیں بن سکتا ہے تو انتہاء، یعنی دار الحرب میں لیجا کر بھی مالک نہیں بنے گا، کیونکہ جو چیز محظور ہوتی ہے وہ ملک کا سبب نہیں بنتا، جیسا کہ خصم کے قاعدہ گزر چکا ہے۔

تشریح: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ کفار ہمارے مالوں کے مالک نہیں بنیں گے۔

وجہ: (۱) دار الاسلام میں کافر ہماری چیزوں پر قبضہ کر لے تو وہ مالک نہیں بنے گا، جب ابتداء مالک نہیں بنے گا تو انتہاء، یعنی دار الحرب میں لیجانے سے بھی مالک نہیں بنے گا۔ (۲) وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ کا غلام دشمن کی طرف بھاگا اور اس نے اس پر قبضہ بھی کر لیا پھر اس پر غلبہ پایا تو اس غلام کو حضورؐ نے حضرت ابن عمرؓ کی طرف واپس کر دیا۔ اور اس کو مسلمانوں میں تقسیم نہیں فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دار الحرب کے زمانے میں بھی غلام حضرت ابن عمرؓ کی ملکیت رہی، حربی اس کا مالک نہ بن سکا۔ **ان غلاما لابن عمرؓ آبق الى العدو فظهر عليه المسلمون فرده رسول الله ﷺ الى ابن عمرؓ ولم يقسم** (ابوداؤد شریف، باب فی المال یصیبہ العدو من المسلمین ثم یدرکہ صاحبہ فی الغنیمة، ج ۲، ص ۱۸، نمبر ۲۶۹۸ / بخاری شریف، باب اذا غنم المشرک مال المسلم ثم وجده المسلم، ص ۴۳۱، نمبر ۳۰۶۸) اس حدیث میں غلام حضرت ابن عمرؓ کو واپس کیا جس سے معلوم ہوا کہ حربی اس کا مالک نہیں بن سکا۔

لغت: احرز: جمع کرنا، ایک ملک سے دوسرے ملک میں مال لے جانا۔ استیلاء: غلبہ کرنا، قبضہ کرنا۔ ابتداء: یہاں ابتداء سے مراد ہے کہ دار الاسلام میں رہتے ہوئے۔ اور انتہاء سے مراد ہے کہ دار الحرب میں لیجا کر جمع کر لیا۔

۲۔ وَلَنَا أَنَّ الِاسْتِيلَاءَ وَرَدَ عَلَى مَالٍ مُبَاحٍ فَيَنْعَقِدُ سَبَبًا لِلْمِلْكِ دَفْعًا لِحَاجَةِ الْمُكَلَّفِ كَاسْتِيلَائِنَا عَلَى أَمْوَالِهِمْ، ۳۔ وَهَذَا لِأَنَّ الْعِصْمَةَ تَثْبُتُ عَلَى مُنَافَاةِ الدَّلِيلِ ضَرُورَةَ تَمَكُّنِ الْمَالِكِ مِنَ الِانْتِفَاعِ، فَإِذَا زَالَتِ الْمُكْنَةُ عَادَ مُبَاحًا كَمَا كَانَ، ۴۔ غَيْرَ أَنَّ الِاسْتِيلَاءَ لَا يَتَحَقَّقُ إِلَّا بِالْإِحْرَازِ بِالدَّارِ؛ لِأَنَّهُ عِبَارَةٌ عَنِ الِاقْتِدَارِ عَلَى الْمَحَلِّ حَالًا وَمَآلًا.

ترجمہ :۲۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ مباح مال پر غلبہ ہوا ہے اس لئے انسانوں کی ضرورت کو پوری کرنے کے لئے ملک کا سبب بنے گا، جیسے ہم کفار کے مال پر غلبہ کرتے ہیں تو ہم مالک بن جاتے ہیں۔

تشریح :اس عبارت میں یہ تصور پیش کیا گیا ہے کہ بنیادی طور پر مال مسلمان اور کافر ہر ایک کے لئے مباح ہے، اس کو کوئی بھی استعمال کر سکتا ہے، ہاں کسی کی ملکیت شرعی طور پر کسی مال پر ثابت ہو جائے تو وہ مال اس کا ہوگا۔ اب مسلمان کا مال کافر دار الحرب لے گیا تو اب مسلمان کی شرعی ملکیت اس پر نہیں رہی، اب وہ مال اپنی بنیادی حیثیت کی وجہ سے کافر کے لئے بھی مباح ہو گیا، اور قاعدہ یہ ہے کہ مباح مال پر کسی کا قبضہ ہو جائے تو وہ اس کا ہو جاتا ہے، یہاں مباح مال پر کافر کا قبضہ ہو گیا اس لئے وہ اس کا مالک بن جائے گا۔ جیسے مسلمان کافر کے مال پر قبضہ کر لے تو مسلمان مالک بن جاتا ہے۔

ترجمہ :۳۔ اور ہر ایک کے لئے مال کے مباح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ دلیل کے منافی کے باوجود عصمت ثابت ہے کیونکہ مالک کو فائدہ اٹھانے کی قدرت ہو، پس جب مالک کی قدرت ختم ہو گئی تو مال جیسے پہلے ہر ایک کے لئے مباح تھا پھر مباح ہو گیا۔

تشریح :یہ عبارت پیچیدہ ہے۔ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ آیت میں ہے کہ تم انسانوں کے لئے زمین کی تمام چیزیں پیدا کی ہیں، جس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر انسان کے لئے ہر چیز جائز ہے، اور ہر ایک کے لئے مباح ہے۔ آیت یہ ہے۔ **هو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا** ۔(آیت ۲۹، سورۃ البقرۃ ۲) اس دلیل کے باوجود مسلمانوں کو مال پر خصوصی قدرت دی گئی تا کہ وہ اس سے نفع اٹھائے، لیکن دار الحرب میں لیجانے کی وجہ سے اس مال پر سے مسلمانوں کی قدرت ختم ہو گئی تو مال بنیادی طور پر مباح ہو گیا، اب اس پر کافر نے قبضہ کیا تو وہ اس کا مالک بن جائے گا۔۔ مکنۃ: قدرت۔

ترجمہ :۴۔ یہ اور بات ہے کہ دار الحرب لیجائے گا تب کافر کا غلبہ شمار کیا جائے گا اس لئے کہ استیلاء کا مطلب ہے کہ ابھی بھی قدرت ہو اور بعد میں بھی استعمال کرنے کی قدرت ہو۔

تشریح: کفار کی ملکیت اس وقت شمار کی جائے گی جب مال کو دار الحرب لے گیا ہو۔

وجہ :اس کی وجہ یہ ہے کہ دار الاسلام میں مال ہو تو یہ خطرہ ہے کہ مسلمان اس پر حملہ کر کے واپس لے لے، اور غلبہ کا مطلب ہے کہ کفار ابھی استعمال کرے اور بعد میں بھی استعمال کر سکے، اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ دار الحرب میں مال جمع کر لیا ہو۔

۵ے وَالْمَحْظُورُ لِغَيْرِهِ إذَا صَلُحَ سَبَبًا لِكَرَامَةٍ تَفُوقُ الْمِلْكَ وَهُوَ الثَّوَابُ الْآجِلُ فَمَا ظَنُّكَ بِالْمِلْكِ الْعَاجِلِ؟.

(۲۸۲۰) فَإِنْ ظَهَرَ عَلَيْهَا الْمُسْلِمُونَ فَوَجَدَهَا الْمَالِكُونَ قَبْلَ الْقِسْمَةِ فَهِيَ لَهُمْ بِغَيْرِ شَيْءٍ، وَإِنْ وَجَدُوهَا بَعْدَ الْقِسْمَةِ أَخَذُوهَا بِالْقِيمَةِ إنْ أَحَبُّوا لے لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِيهِ "إنْ وَجَدْتَه قَبْلَ الْقِسْمَةِ فَهُوَ لَكَ بِغَيْرِ شَيْءٍ،

لغت :الاقتدار علی المحل حالا ومالا: ابھی بھی اس مال پر غلبہ ہو اور بعد میں بھی غلبہ ہو۔

ترجمہ:۵ے محظور لغیرہ ملکیت سے اوپر کرامت کا سبب ہو یعنی بعد میں ثواب تو فوری ملکیت ختم ہو جائے تو آپ کا کیا گمان ہے۔

تشریح : یہ عبارت بھی پیچیدہ ہے۔ مسلمان ابھی مال کی ملکیت چھوڑ دے گا تو اس کو آخرت میں اس کا ثواب ملے گا، دوسری بات یہ ہے کہ ابھی اوپر آیت گزری جس کا مطلب یہ تھا کہ کسی چیز پر خصوصی ملکیت ایک محظور چیز ہے، اس لئے اس کو چھوڑ دے گا، تو چیز مباح ہو جائے گی اور مباح چیز پر کافر کا غلبہ ہوگا تو وہ اس کا مالک بن جائے گا۔

ترجمہ :(۲۸۲۰) اگر اس پر مسلمان غالب آجائیں اور اس کو تقسیم سے پہلے پائیں تو وہ ان کے لئے ہوگا بغیر کسی عوض کے، اور اگر اس کو تقسیم کے بعد پایا تو اس کو قیمت سے لے اگر چاہیں۔

ترجمہ :لے اس بارے میں حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ اگر تم تقسیم ہونے سے پہلے اپنی چیز پاؤ تو بغیر کسی بدلے کے وہ تمہاری ہے، اور اگر تقسیم کے بعد پاؤ تو قیمت سے تم لے سکتے ہو۔

تشریح :حربیوں نے ہمارے مال پر قبضہ کیا تھا اب مسلمانوں نے اس پر دھاوا بول کر مال واپس لے لیا تو اگر تقسیم ہونے سے پہلے مالک نے اس مال کو پالیا تو اس کو مالک لے لے گا اور اس کے بدلے میں کچھ نہیں دے گا۔ اور اگر تقسیم ہو چکا تو جس کے ہاتھ میں گیا اس کو قیمت دے کر اپنی چیز لے۔ اور اگر قیمت دے کر نہ لینا چاہے تو نہ لے۔

وجہ :(۱) تقسیم ہونے سے پہلے مال غنیمت کا مال ہے کسی مجاہد کی ملکیت نہیں ہوئی ہے اس لئے اس کو بغیر کسی قیمت سے لے لینے میں حرج نہیں ہے (۲) چونکہ پہلے اس کی چیز تھی اس لئے اس کو ہی دے دی جائے گی (۳) اس کی دلیل یہ حدیث ہے جس کو صاحب ہدایہ نے ذکر کی ہے۔ **عن ابن عباسؓ عن النبی ﷺ قال فیما احرز العدو فاستنقذه المسلمون منهم او اخذه صاحبه قبل ان یقسم فهو احق، فان وجده وقد قسم، فان شاء اخذه بالثمن** (دار قطنی، کتاب السیر، ج رابع، ص ۶۴، نمبر ۴۱۵۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر تقسیم نہیں ہوئی ہے تو بغیر قیمت کے لیگا اور تقسیم ہو چکی ہو تو قیمت سے واپس لے۔ (۴) اوپر کی حدیث میں اس کا ثبوت تھا۔ **عن ابن عمرؓ ان غلاما لابن عمرؓ ابق الی العدو**

۲؎ وَإِنْ وَجَدْتَه بَعْدَالْقِسْمَةِ فَهُوَلَکَ بِالْقِيمَةِ"وَلِأَنَّ الْمَالِکَ الْقَدِيمَ زَالَ مِلْکُهُ بِغَيْرِرِضَاهُ فَكَانَ لَهُ حَقُّ الْأَخْذِ نَظَرًالَهُ،إلَّاأَنَّ فِي الْأَخْذِ بَعْدَالْقِسْمَةِ ضَرَرًابِالْمَأْخُوذِمِنْهُ بِإِزَالَةِ مِلْكِهِ الْخَاصِّ فَيَأْخُذُهُ بِالْقِيمَةِ؛لِيَعْتَدِلَ النَّظَرُ مِنْ الْجَانِبَيْنِ،۳؎ وَالشَّرِكَةُ قَبْلَ الْقِسْمَةِ عَامَّةٌ فَيَقِلُّ الضَّرَرُفَيَأْخُذُهُ بِغَيْرِ قِيمَةٍ.

(۲۸۲۱) وَإِنْ دَخَلَ دَارَ الْحَرْبِ تَاجِرٌ فَاشْتَرَى ذٰلِکَ وَأَخْرَجَهُ إلَى دَارِ الْإِسْلَامِ فَمَالِكُهُ الْأَوَّلُ بِالْخِيَارِ إنْ شَاءَ أَخَذَهُ بِالثَّمَنِ الَّذِی اشْتَرَاهُ بِهِ، وَإِنْ شَاءَ تَرَكَهُ ؛ ا؎ لِأَنَّهُ يَتَضَرَّرُ بِالْأَخْذِ مَجَّانًا؛ أَلَا تَرَى أَنَّهُ قَدْ دَفَعَ الْعِوَضَ بِمُقَابَلَتِهِ فَكَانَ اعْتِدَالُ النَّظَرِ فِيمَا قُلْنَاهُ،

فظهر عليه المسلمون فرده رسول الله ﷺ الى ابن عمرؓ ولم يقسم (ابوداؤدشریف، باب المال یصیبہ العدو من المسلمین، ج ۲،ص۱۲،نمبر ۲۶۹۸ ربخاری شریف، اذا غنم المشرکون مال المسلم ثم وجدہ المسلم ،ص ۴۳۱، نمبر ۳۰۶۷)اس حدیث میں تقسیم سے پہلے مالک نے مال پایا تو اس کو مالک کی طرف واپس کر دیا گیا۔

ترجمہ :۲؎ اوراس لئے کہ پرانے مالک کی ملک اس کی رضامندی کے بغیر زائل ہوئی ہے تو اس کی مصلحت کے لئے لینے کا حق زیادہ ہے، مگر تقسیم کے بعد جس نے لیا اس کو نقصان ہے کیونکہ اس کی خاص ملکیت زائل ہوتی ہے اس لئے پرانا مالک قیمت دیکر لے گا تا کہ دونوں جانب مصلحت ہو۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے۔ پرانے مالک کی ملکیت بغیر اس کی رضامندی کے زائل ہوئی ہے اس لئے تقسیم سے پہلے وہ زیادہ حقدار ہے، اور تقسیم ہو کر مثلا زید کے پاس یہ چیز گئی ہے تو اب زید سے لینے میں زید کا نقصان ہے، کیونکہ اس کی ملکیت ہو چکی ہے، اس لئے اس سے لیگا تو قیمت دیکر لیگا تا کہ پرانے مالک کی بھی رعایت ہو جائے اور نئے مالک کو بھی نقصان نہ ہو۔

ترجمہ :۳؎ تقسیم سے پہلے سب کی شرکت ہے اس لئے کم نقصان ہے اس لئے پرانا مالک بغیر قیمت کے لیگا، [اور تقسیم کے بعد خاص آدمی کی ملکیت ہے اس لئے اس کو قیمت دیکر لیگا]

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ : (۲۸۲۱) اگر ہمارا تاجر دارالحرب میں داخل ہوا اور اس کو خرید کر دارالاسلام لائے تو اس کے پہلے مالک کو اختیار ہے چاہے تو اتنی قیمت سے جتنے میں تاجر نے خریدا ہے لے اور چاہے تو چھوڑ دے۔

ترجمہ : ا؎ اس لئے کہ مفت لینے میں تاجر کو نقصان ہوگا، کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ تاجر نے اس کے مقابلے میں قیمت دی ہے اس لئے جو کچھ ہم نے کہا اس میں دونوں کا فائدہ ہے۔

تشریح :کسی مسلمان کا مال حربی لے گیا تھا، ہمارے مسلمان تاجر نے اس سے خرید کر دارالاسلام لایا تو مالک چاہے تو جتنی

۲۔ وَلَوْ اشْتَرَاهُ بِعَرَضٍ يَأْخُذُهُ بِقِيمَةِ الْعَرَضِ، ۳۔ وَلَوْ وَهَبُوهُ لِمُسْلِمٍ يَأْخُذُهُ بِقِيمَتِهِ؛ لِأَنَّهُ ثَبَتَ لَهُ مِلْكٌ خَاصٌّ فَلَا يُزَالُ إِلَّا بِالْقِيمَةِ، ۴۔ وَلَوْ كَانَ مَغْنُومًا وَهُوَ مِثْلِيٌّ يَأْخُذُهُ قَبْلَ الْقِسْمَةِ وَلَا يَأْخُذُهُ بَعْدَهَا؛ لِأَنَّ الْأَخْذَ بِالْمِثْلِ غَيْرُ مُفِيدٍ.

قیمت دے کرتا جرلایا ہے اتنی قیمت تاجر کو دے کر اپنا مال لے لے اور قیمت نہ دینا چاہے تو چھوڑ دے۔

وجہ:(۱) تاجر نے رقم دی ہے اس لئے اس سے مفت لینے میں اس کا گھاٹا ہے جو لاضرر ولا ضرار حدیث کے خلاف ہے۔البتہ جتنی قیمت دی ہے اتنی قیمت دے کر اس کا بھی نقصان نہیں ہے اور مالک کا بھی فائدہ ہے۔اس لئے قیمت دے کر مال لے ورنہ چھوڑ دے(۲)اوپر کی حدیث میں تھا۔فان شاء اخذه بالثمن (دارقطنی،کتاب السیر،ج رابع،ص۶۴،نمبر ۴۱۵۵)اس میں بالثمن سے اشارہ ہے کہ جتنی قیمت دی ہے وہ ادا کرے۔کیونکہ ثمن کہتے ہیں پہلی دی ہوئی قیمت کو،جس سے اشارہ ہوتا ہے کہ پہلے جو قیمت دی ہے اتنی ہی دے کر واپس لے۔

ترجمہ:۲۔ اور اگر اس چیز کو سامان کے بدلے خریدا تو سامان کی قیمت دے کر لے گا۔

تشریح: یہاں سے چار مسئلے بیان کر رہے ہیں[۱] مثلا زید نے حربی سے عمر کی تلوار سامان یعنی ایک من آٹا کے بدلے خریدا تو عمر اب ایک من آٹے کی قیمت دیکر تلوار خریدے گا،کیونکہ زید نے آٹا کے بدلے تلوار لی تھی۔

ترجمہ:۳۔ اور اگر حربی نے مسلمان کو ہبہ کر دیا تو پرانا مالک اس کو اس کی قیمت دیکر لے گا،کیونکہ مسلمان کی ملکیت ثابت ہو چکی ہے تو قیمت کے بغیر اس کی ملکیت زائل نہیں ہوگی۔

اصول: کسی کی خاص ملکیت ہوگئی ہو تو اس کو قیمت دئے بغیر اس کی ملکیت ختم نہیں ہوگی۔

تشریح:[۲] یہ دوسرا مسئلہ ہے۔مثلا حربی نے زید کو عمر کی تلوار ہبہ کر دی،تو عمر اب زید کو تلوار کی قیمت دے گا اور لیگا،کیونکہ حربی کے ہبہ کرنے کی وجہ سے زید کی ملکیت ہوگئی ہے اس لئے قیمت کے بغیر اس کی ملکیت ختم نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ۴۔ اور اگر مثلی چیز مال غنیمت میں آئی ہے تو تقسیم سے پہلے اس کو پرانا مالک مفت لے لے گا،اور تقسیم کے بعد لینے میں فائدہ نہیں ہے،کیونکہ مثل دیکر لے گا۔

تشریح:[۳] یہ تیسرا مسئلہ ہے۔مثلا عمر کا ایک من آٹا حربی لے گیا تھا،مسلمانوں نے وہ ایک من آٹا واپس دار الاسلام لایا،تو تقسیم سے پہلے عمر اپنے آٹے کو مفت لیگا،لیکن اگر یہ آٹا تقسیم ہو گیا اور زید کے حصے میں آیا،تو آٹا چونکہ مثلی ہے،یعنی آٹے کے بدلے میں آٹا ہی دینا پڑتا ہے،اس لئے عمر ایک من آٹا زید کو دے گا،اور اپنا ایک من آٹا لیگا تو اس میں عمر کو کوئی فائدہ نہیں ہے،اس لئے بہتر یہ ہے کہ عمر اپنے آٹا واپس نہ لے۔

۵ وَكَذَا إِذَا كَانَ مَوْهُوبًا لا يَأْخُذُهُ لِمَا بَيَّنَّا. ٦ وَكَذَا إِذَا كَانَ مُشْتَرًى بِمِثْلِهِ قَدْرًا وَوَصْفًا.

(۲۸۲۲) قَالَ: فَإِنْ أَسَرُوا عَبْدًا فَاشْتَرَاهُ رَجُلٌ وَأَخْرَجَهُ إِلَى دَارِ الْإِسْلَامِ فَفُقِئَتْ عَيْنُهُ وَأَخَذَ أَرْشَهَا فَإِنَّ الْمَوْلَى يَأْخُذُهُ بِالثَّمَنِ الَّذِي أُخِذَ بِهِ مِنَ الْعَدُوِّ ۱ أَمَّا الْأَخْذُ بِالثَّمَنِ فَلِمَا قُلْنَا. وَلا يَأْخُذُ الْأَرْشَ؛ لِأَنَّ الْمِلْكَ فِيهِ صَحِيحٌ، فَلَوْ أَخَذَهُ أَخَذَهُ بِمِثْلِهِ وَهُوَ لا يُفِيدُ.

لغت:مغنوما:غنیمت میں۔مثلی:سونا،چاندی،غلہ،مثلاآٹا چاول وغیرہ یہ مثلی ہیں،یعنی آٹا کے بدلے اتنا ہی آٹا لازم ہوتا ہے، کم بیش نہیں کرسکتا ورنہ سود لازم ہوگا،جوحرام ہے۔

ترجمہ:۵ ایسے ہی مثلی چیز ہبہ کیا ہوتو اس کو نہ لے،کیونکہ اس میں فائدہ نہیں ہے۔

تشریح:[۴] عمر کی مثلی چیز،مثلا ایک من آٹا حربیوں نے لے لیا،بعد میں یہ آٹا زید کو ہبہ کر دیا،تو اب عمر اپنے آٹے کو لینا چاہے گا تو چونکہ یہ مثلی ہے اس لئے عمر کو ایک من آٹا ہی دینا ہوگا،تو ایک من آٹا دیکر ایک من آٹا لینے میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔

ترجمہ:٦ ایسے ہی اگر مقدار اور وصف میں برابری سے خریدا ہو تو لینے میں فائدہ نہیں ہے۔

تشریح:[۵]یہ پانچواں مسئلہ ہے۔عمر کا ایک من آٹا حربیوں نے لیا،زید نے اس ایک من کو ایک من آٹا دیکر لایا تو،اب عمر اپنے آٹے کو لینا چاہے تو ایک من آٹا زید کو دے اور اپنا ایک من آٹا واپس لے،اب اس لینے میں کوئی فائدہ نہیں ہے اس لئے بہتر ہے کہ نہ لے۔

لغت:قدرا و وصفا:مقدار کے اعتبار سے مثلا ایک من آٹا کے بدلے میں ایک من آٹا دیکر لایا ہو،اور وصفا کے اعتبار سے مثلا اعلی آٹا کے بدلے میں اعلی آٹا دیا،اس کو وصف کی برابری،کہتے ہیں۔

ترجمہ:(۲۸۲۲)اگر کفار غلام کو قید کر کے لے گئے،پھر کسی آدمی نے اس کو خریدا اور دار الاسلام لے آیا،اب دار الاسلام میں اس کی آنکھ پھوڑ دی اور خریدنے والے اس تاوان لیا،تو پہلا مالک اس قیمت سے لیگا جو حربی کو دیا ہے۔

ترجمہ:۱ قیمت اس لئے دے گا جسکی دلیل پہلے گزر چکی ہے[یعنی خریدنے والے نے حربی کو قیمت دی ہے اس لئے پہلا مالک اس کو قیمت دیکر خریدے گا۔]اور مالک اول تاوان نہیں لے گا کیونکہ غلام میں دوسرے مالک کی ملکیت صحیح ہے

تشریح:عمر کے غلام کو حربی دار الحرب لے گئے،زید نے حربی سے ایک ہزار درہم میں اس غلام کو خریدا،اس درمیان زید کے یہاں کسی نے غلام کی آنکھ پھوڑ دی،اور زید نے ایک سو درہم آنکھ کا تاوان لیا،اب عمر اس غلام کو زید سے لینا چاہتا ہے تو ایک ہزار دے کر لیگا،اور زید نے ایک سو آنکھ کا تاوان لیا ہے وہ کم بھی نہیں ہوگا،اور زید سے وہ رقم وصول نہیں کرے گا۔

وجہ:یہاں دو باتیں یاد رکھیں[۱] زید کی ملکیت صحیح ملکیت ہے اس لئے جو کچھ آنکھ کا تاوان ملا زید اس کا مالک بن گیا ہے،اس

۲؎ وَلَا يُحَطُّ شَيْءٌ مِنَ الثَّمَنِ؛ لِأَنَّ الْأَوْصَافَ لَا يُقَابِلُهَا شَيْءٌ مِنَ الثَّمَنِ، ۳؎ بِخِلَافِ الشُّفْعَةِ؛ لِأَنَّ الصَّفْقَةَ لَمَّا تَحَوَّلَتْ إلَى الشَّفِيعِ صَارَ الْمُشْتَرَى فِي يَدِ الْمُشْتَرِي بِمَنْزِلَةِ الْمُشْتَرَى شِرَاءً فَاسِدًا، وَالْأَوْصَافُ تُضْمَنُ فِيهِ كَمَا فِي الْغَصْبِ، أَمَّا هَاهُنَا الْمِلْكُ صَحِيحٌ فَافْتَرَقَا.

لئے یہ تاوان عمر کی طرف حوالے کرنے ضرورت نہیں ہے [۲] دوسری بات یہ ہے کہ آنکھ کا پھوٹنا ایک صفت ہے، اور صفت کی کوئی قیمت نہیں ہوتی، اس لئے زید نے جو تاوان لیا ہے اس کو عمر کی طرف کی دینے کی ضرورت نہیں ہے، عمر غلام کو لینا چاہئے تو جو ایک ہزار حربی کو دیا ہے وہی ادا کر کے غلام لے۔

لغت: فلو اخذہ بمثلہ وھو لا یفید: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اگر تاوان درہم اور دینار مثلی چیز ہے تو عمر وہی چیز دی گا، پھر وہی چیز لیگا تو اس میں اس کا فائدہ نہیں ہے۔

ترجمہ: ۲؎ اور غلام کی قیمت میں سے کچھ کم نہیں ہوگا اس لئے کہ آنکھ کا پھوٹنا صفت ہے اور صفت کے بدلے میں قیمت نہیں ہوتی۔

تشریح: غلام کی آنکھ پھوٹی وہ صفت ہے اور اس کا تاوان لینا یہ بھی صفت ہے، اور صفت کے مقابلے پر کوئی قیمت نہیں ہوتی ،اس لئے آنکھ پھوٹنے سے غلام کی قیمت کم نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ۳؎ بخلاف شفعہ کے اس لئے کہ خریدنے والے سے جب شفیع کی طرف خریداری منتقل ہوئی تو مشتری کا خریدنا گویا کہ شراء فاسد ہوئی، اور شراء فاسد میں وصف کی قیمت ہوتی ہے، جیسا کہ غصب میں ہوتا ہے، اور یہاں ملک صحیح ہے اس لئے تاوان کی قیمت نہیں دے گا۔

اصول: ملک صحیح ہو تو آدمی تاوان کا مالک بن جاتا ہے۔ اور ملک ہی نہ ہو، یا ملک فاسد ہو تو آدمی تاوان کا مالک نہیں بنتا ہے۔

تشریح: زید نے عمر کا گھر ایک ہزار میں خریدا، کسی نے گھر کا دروازہ توڑ دیا، جسکی وجہ سے زید نے توڑنے والے سے ایک سو درہم وصول کیا، اب خالد نے حق شفعہ کے ذریعہ اس گھر کو ایک ہزار میں لیا تو زید پر لازم ہوگا کہ دروازے کا جو ایک سو لیا تھا وہ بھی خالد کی طرف واپس کرے، کیونکہ جب خالد نے اس گھر کو حق شفعہ کے ذریعہ لیا تو معلوم ہوا کہ زید اس گھر کا مالک صحیح نہیں تھا بلکہ ملک فاسد تھی، اور قاعدہ یہ ہے کہ ملک فاسد کے ذریعہ کسی رقم کو وصول کیا ہو تو اس رقم کو واپس کرنا پڑتا ہے، اور اوپر میں زید کی ملک صحیح تھی اس لئے آنکھ کا تاوان واپس کرنے کے لئے نہیں کہا گیا۔

اس کے لئے غصب کی ایک مثال دی ہے، مثلا زید نے عمر کی باندی غصب کی، زید کے یہاں کسی نے باندی کی آنکھ پھوڑ دی، زید نے پھوڑنے والے سے ایک سو درہم تاوان لیا، اب زید نے باندی کو عمر کی طرف واپس کیا تو وہ ایک سو درہم تاوان کا بھی

(۲۸۲۳)[الف]وَإِنْ أَسَرُوا عَبْدًا فَاشْتَرَاهُ رَجُلٌ بِأَلْفِ دِرْهَمٍ فَأَسَرُوهُ ثَانِيًا وَأَدْخَلُوهُ دَارَ الْحَرْبِ فَاشْتَرَاهُ رَجُلٌ آخَرُ بِأَلْفِ دِرْهَمٍ فَلَيْسَ لِلْمَوْلَى الْأَوَّلِ أَنْ يَأْخُذَهُ مِنَ الثَّانِي بِالثَّمَنِ ؛ ا لِأَنَّ الْأَسْرَ مَا وَرَدَ عَلَى مِلْكِهِ. (۲۸۲۳)[ب]وَلِلْمُشْتَرِي الْأَوَّلِ أَنْ يَأْخُذَهُ مِنَ الثَّانِي بِالثَّمَنِ؛ ا لِأَنَّ الْأَسْرَ وَرَدَ عَلَى مِلْكِهِ ثُمَّ يَأْخُذُهُ الْمَالِكُ الْقَدِيمُ بِأَلْفَيْنِ إِنْ شَاءَ؛ ا لِأَنَّهُ قَامَ عَلَيْهِ بِالثَّمَنَيْنِ فَيَأْخُذُهُ بِهِمَا،

واپس کرے گا، کیونکہ زید اس تاوان کا مالک نہیں ہوگا، کیونکہ باندی پر زید کی ملکیت ہی نہیں تھی۔

ترجمہ :(۲۸۲۳)اگر دارالحرب والوں نے ایک غلام کو قید کیا، پھر ایک آدمی نے اس کو ہزار درہم میں خریدا، پھر دوبارہ اس کو دارالحرب والے قید کر کے لے گئے پھر دوسرے آدمی نے ایک ہزار میں اس کو خرید کر لائے ،تو پہلے آقا کو دوسرے خریدار سے قیمت دیکر لینے کا اختیار نہیں ہے، [اس لئے کہ پہلے آقا کی ملکیت پر قید نہیں ہوا ہے، اور پہلے خریدار کو یہ حق ہوگا کہ دوسرے خریدار سے قیمت دیکر لے [اس لئے کہ اس کی ملکیت پر قید ہوا ہے] پھر پہلا چاہے تو دو ہزار میں لے۔

ترجمہ:اس لئے کہ پہلے خریدار کو دو ہزار میں پڑا ہے اس لئے دو ہزار میں لیگا۔

ترجمہ :۲ ایسی طرح اگر دوسرا خریدار غائب ہو تو پہلے خرید کو لینے کا حق نہیں ہے، جیسے دوسرا خریدار موجود ہوتا تو پہلے خریدار کو لینے کا حق نہیں ہے۔

اصول:جس کی ملکیت سے دارالحرب والا لے گیا ہو اس کو خریدار سے لینے کا حق ہے۔

اصول :غلام جتنے میں پڑا ہے، پہلے آقا کو اتنی ہی قیمت دینی ہوگی تب اس غلام کو لے سکے گا، مثلا غلام دو مرتبہ ہزار ہزار میں بکا تو پہلے آقا کو دو ہزار دیکر لینا ہوگا

تشریح :یہاں آقا سے مراد ہے پہلا آقا، اور پہلے خریدار سے مراد ہے جسنے پہلی مرتبہ دارالحرب سے خرید کر لایا۔ اور دوسرے خریدار سے مراد ہے جس نے دوسری مرتبہ دارالحرب سے خرید کر لایا۔ اس محاورے کو سمجھنے کے بعد اب مسئلہ سمجھیں۔

عمر کا غلام تھا جس کو حربی قید کر کے دارالحرب لے گئے، اب زید نے اس کو ایک ہزار میں خرید کر دارالاسلام لایا، پھر زید کے پاس سے دوبارہ حربی لوگ غلام کو قید کر کے لے گئے، پھر اس کو خالد ایک ہزار میں خرید کر لایا، تو زید کو حق ہے کہ خالد سے ایک ہزار میں خرید لے، کیونکہ زید کے پاس سے حربی لے گیا تھا، لیکن عمر خالد کے پاس سے خریدنا چاہے تو نہیں خرید سکتا ہے، کیونکہ اس دوسری مرتبہ میں عمر کے پاس سے حربی نہیں لے گیا ہے، بلکہ زید کے پاس سے لے گیا ہے۔ ہاں زید خالد کے پاس سے ایک ہزار میں خریدے، اب عمر چاہے تو زید کے پاس سے دو ہزار میں خریدے، کیونکہ زید کو پہلے ایک ہزار لگا تھا، اب دوبارہ ایک ہزار لگا، مجموعہ دو ہزار ہو گئے اس لئے اگر عمر خریدنا چاہے تو زید کے پاس سے دو ہزار میں خریدے، نوٹ یہ استحبابی مسئلہ ہے، لیکن اگر خالد عمر کے

۲۔ وَكَذَا إِذَا كَانَ الْمَأْسُورُ مِنْهُ الثَّانِي غَائِبًا لَيْسَ لِلْأَوَّلِ أَنْ يَأْخُذَهُ اعْتِبَارًا بِحَالِ حَضْرَتِهِ.

(۲۸۲۴) وَلَا يَمْلِكُ عَلَيْنَا أَهْلُ الْحَرْبِ بِالْغَلَبَةِ مُدَبَّرِينَا وَأُمَّهَاتِ أَوْلَادِنَا وَمُكَاتَبِينَا وَأَحْرَارَنَا وَنَمْلِكُ عَلَيْهِمْ جَمِيعَ ذَلِكَ؛

ہاتھ میں غلام بیچ دے اور زید کو کوئی اعتراض نہ ہو تو عمر پہلا آقا خرید سکتا ہے۔

ترجمہ :۲؎ اور ایسے ہی دوسرا آدمی جس سے قید کر کے لے گیا ہے وہ غائب ہو تو پہلے آقا کو لینے کا حق نہیں ہے، جیسے وہ موجود ہوتا تو لینے کا حق نہیں ہوتا۔

تشریح: مثال مذکور میں زید پہلا خریدار غائب ہے اس دوران عمر پہلا آقا اپنے غلام کو خالد سے لینا چاہتا ہے تو قاعدے کے اعتبار سے نہیں لے سکتا، کیونکہ اس مرتبہ عمر کے پاس سے قید نہیں ہوا ہے، جیسے زید حاضر ہوتا تو عمر خالد سے نہیں خرید سکتا اسی طرح اس کی غیر حاضری میں عمر خالد سے نہیں خرید سکتا۔ ہاں زید کو کوئی اعتراض نہ ہو تو عمر خالد سے خرید سکتا ہے۔

ترجمہ :(۲۸۲۴) اہل حرب ہمارے اوپر غلبہ کرنے کی وجہ سے ہمارے مدبر غلام اور ام ولد اور ہمارے مکاتب اور ہمارے آزاد کے مالک نہیں ہوں گے۔ اور ہم ان کے ان تمام کے مالک ہو جائیں گے۔

اصول :مسلمان اور اس کا ایسا غلام جس میں آزادگی کا شائبہ آچکا ہو وہ فطری طور پر آزاد ہے، اس لئے کافر کے غلبے سے وہ غلام باندی نہیں بنیں گے۔

اصول: کافر اللہ کی نافرمانی کرنے کی وجہ سے فطری طور پر غیر محفوظ ہے اس لئے اس پر غلبہ ہوگا تو وہ مملوک ہو جائیں گے۔

تشریح :اگر حربیوں نے غلبہ کر کے ہمارے مدبر غلام، ام ولد، ہمارے مکاتب غلام اور ہمارے آزاد پر قبضہ کر لیا تو وہ ان لوگوں کے مالک نہیں ہوں گے۔ یوں مجبور کر کے رکھیں گے ضرور لیکن جب کبھی ہمارے پاس واپس آئیں گے تو یہ لوگ آزاد شمار کئے جائیں گے کسی کی ملکیت نہیں ہوگی۔ زیادہ سے زیادہ پرانے مالک کے مدبر، ام ولد اور مکاتب شمار کئے جائیں گے۔

وجہ :(۱) آزاد مسلمان کسی کی ملکیت میں نہیں ہوتا اس لئے اس پر قبضہ کرنے کی وجہ سے بھی کوئی مالک نہیں ہوگا۔ اسی طرح جن غلاموں میں آزادگی کا شائبہ آچکا ہے جیسے مدبر غلام، ام ولد کہ یہ دونوں آقا کے مرنے کے بعد آزاد ہو جائیں گے۔ مکاتب مال کتابت ادا کرنے کے بعد آزاد ہو جائے گا۔ اس لئے ان غلاموں میں بھی آزادگی کا شائبہ آچکا ہے۔ اس لئے ان لوگوں پر حربیوں نے قبضہ کر لیا تو وہ ان کے مالک نہیں بنیں گے۔ زبردستی یرغمال بنائے رکھے یہ اور بات ہے (۲) قول تابعی میں ہے۔ قلت لعطاء نساء حرائر اصابهن العدو فابتاعهن رجل أيصيبهن ؟ قال: لا! ولا يسترقهن ولكن يعطيهن انفسهن بالذی اخذهن به ولا یرد علیهن (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۵۷ الحرائر یسبین ثم یشترین، ج سادس، ص ۵۲۸،

۱؎ لِأَنَّ السَّبَبَ إِنَّمَا يُفِيدُ الْمِلْکَ فِي مَحَلِّهِ، وَالْمَحَلُّ الْمَالُ الْمُبَاحُ، وَالْحُرُّ مَعْصُومٌ بِنَفْسِهِ، وَكَذَا مَنْ سِوَاهُ؛ لِأَنَّهُ تَثْبُتُ الْحُرِّيَّةُ فِيهِ مِنْ وَجْهٍ، بِخِلَافِ رِقَابِهِمْ؛ لِأَنَّ الشَّرْعَ أَسْقَطَ عِصْمَتَهُمْ جَزَاءً عَلَى جِنَايَتِهِمْ وَجَعَلَهُمْ أَرِقَّاءَ وَلَا جِنَايَةَ مِنْ هَؤُلَاءِ.

(۲۸۲۵) وَإِذَا أَبَقَ عَبْدٌ لِمُسْلِمٍ فَدَخَلَ إِلَيْهِمْ فَأَخَذُوهُ لَمْ يَمْلِكُوهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَقَالَا يَمْلِكُونَهُ؛

نمبر ۳۳۵۰۶) اس قول تابعی میں ہے کہ آزاد عورت کو قید کرے تو اس سے حربی نہ وطی کر سکتا ہے اور نہ اس کو باندی بنا سکتا ہے۔ اور یہی حال ان غلاموں کا ہے جن میں آزادگی کا شائبہ آچکا ہے۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ ملک کا فائدہ اس وقت ہوگا جبکہ اس کے محل میں ہو، اور ملک کا محل مباح مال ہے اور آزاد آدمی خود محفوظ ہے [یعنی بنیادی طور پر آزاد ہے] ایسے ہی آزاد کے علاوہ جس مین آزدگی کا شائبہ آچکا ہو [وہ بھی بنیادی طور پر آزاد ہے]، بخلاف کفار کی ذات [وہ بنیادی طور پر مملوک ہے] اس لئے کہ ان لوگوں کے جرم کے بدلے میں اس کی عصمت ساقط کر دی ہے اور ان کو غلام بنا دیا ہے، اور مسلمانوں کا جرم نہیں ہے۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے۔ مباح مال ہو اس پر قبضہ کرے تو وہ مملوک بنتا ہے، مسلمان بنیادی طور پر آزاد ہے وہ مباح مال نہیں ہے اس لئے اس پر قبضہ کرنے سے مملوک نہیں بنے گا، اسی طرح جس غلام میں آزادگی کا شائبہ آچکا ہو وہ بھی مملوک نہیں بنے گا، اس کے برخلاف کافر اللہ کی نافرمانی کرنے کی وجہ سے بنیادی طور پر غلام ہے اور مباح مال ہے اس لئے اس پر غلبہ ہونے سے وہ غلام بن جائے گا۔

لغت: معصوم: محفوظ، بنیادی طور پر آزاد۔

ترجمہ: (۲۸۲۵) اگر مسلمان کا غلام بھاگ جائے اور دار الحرب میں داخل ہو جائے اور وہ اس کو پکڑ لیں تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کا مالک نہیں بنیں گے۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مالک بن جائیں گے۔

وجہ: (۱) امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جب غلام دار الاسلام سے نکلا تو اب وہ خود اپنی ذات کا مالک بن گیا اس لئے وہ اب آزاد کی طرح ہو گیا۔ اور آزاد کا حربی مالک نہیں ہوتا اسی طرح غلام کا بھی مالک نہیں ہوگا (۲) قول صحابی میں اس کا اشارہ ہے۔ کتب الی عمر بن الخطابؓ فی عبد اسرہ المشرکون ثم ظھر علیہ المسلمون بعد ذلک قال صاحبہ احق بہ مالم یقسم فاذا قسم مضی (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۳۰ فی العبد یاسرہ المسلمون ثم ظھر علیہ العدو، ج سادس، ص ۵۱۰، نمبر ۳۳۳۴۰) اس قول صحابی میں ہے کہ تقسیم سے پہلے مالک کو دے دیا جائے جس سے معلوم ہوا کہ حربی اس کا ماک نہیں ہوگا۔

فائدہ: صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ حربی غلام کا مالک ہو جائے گا۔

ا۔ لِأَنَّ الْعِصْمَةَ لِحَقِّ الْمَالِكِ لِقِيَامِ يَدِهِ وَقَدْ زَالَتْ، وَلِهَذَا لَوْ أَخَذُوهُ مِنْ دَارِ الْإِسْلَامِ مَلَكُوهُ.

۲۔ وَلَهُ أَنَّهُ ظَهَرَتْ يَدُهُ عَلَى نَفْسِهِ بِالْخُرُوجِ مِنْ دَارِنَا؛ لِأَنَّ سُقُوطَ اعْتِبَارِهِ لِتَحَقُّقِ يَدِ الْمَوْلَى عَلَيْهِ تَمْكِينًا لَهُ مِنَ الِانْتِفَاعِ وَقَدْ زَالَتْ يَدُ الْمَوْلَى فَظَهَرَتْ يَدُهُ عَلَى نَفْسِهِ وَصَارَ مَعْصُومًا بِنَفْسِهِ فَلَمْ يَبْقَ مَحِلًّا لِلْمِلْكِ،

وجه:(۱) وہ مال کے درجے میں ہے اور مال پر حربی کا قبضہ ہو جاتا ہے تو وہ مالک ہو جاتا ہے اسی طرح مسلمان کے غلام پر غلبہ ہو جائے گا تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا (۲) اوپر کے اثر میں ہے کہ اگر غلام پر مسلمانوں کا دوبارہ قبضہ ہو گیا اور وہ تقسیم بھی ہو گیا تو جس کے حصے میں گیا وہ مجاہد اس کا مالک ہو جائے گا۔ جس سے معلوم ہوا کہ حربی اس کا مالک ہو چکا تھا تب ہی تو حربی کے مال پر قبضے کے بعد مسلمان اس کا مالک بن گیا (۳) قول صحابی میں ہے۔ عن قتادة قال علیؓ هو للمسلمین عامة لانه کان لهم مالا (مصنف ابن ابی شیبة ۔۱۳۰ فی العبد یاسره المسلمون ثم ظهر علیه العدو، ج سادس، ص ۵۱۰، نمبر ۳۳۳۴۲) اس قول صحابی میں ہے کہ وہ غلام حربی کا مال بن گیا اس لئے اس پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا تو تمام مسلمانوں کا مال غنیمت ہوگا۔

لغت: ابق : بھاگ گیا۔

ترجمہ: ا۔ اس لئے کہ غلامیت مالک کے حق کی وجہ سے تھا، اور دار الحرب جانے کی وجہ سے اس کا حق زائل ہو گیا [اس لئے حربی مالک ہو جائے گا] جیسے حربی دار الاسلام سے غلام کو پکڑ کر لیجاتا تو وہ مالک بن جاتا [اسی طرح یہاں بھی مالک بن جائے گا۔

تشریح: یہ صاحبینؒ کی دلیل ہے۔ غلام مالک کے حق کی وجہ سے غلام تھا، اب دار الحرب جانے کی وجہ سے اس کی ملکیت زائل ہوگئی اس لئے اب کافر اس کا مالک بن جائے گا، اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ حربی دار الاسلام سے اس غلام کو پکڑ لیتا تو وہ مالک بن جاتا، اسی طرح دار الحرب سے پکڑے گا تو وہ مالک بن جائے گا۔

ترجمہ: ۲۔ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ غلام جب دار الاسلام سے نکلا تو خود وہ اپنا مالک بن گیا، اس لئے کہ آقا کا قبضہ تھا اس لئے غلامیت باقی رہی تا کہ آقا فائدہ اٹھا سکے، اور آقا کا قبضہ زائل ہو گیا تو غلام کا اپنی ذات پر قبضہ ظاہر ہو گیا اور وہ آزاد ہو گیا اس لئے وہ ملک کا محل باقی نہیں رہا۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ غلام جب تک دار اسلام میں تھا تو اس کے آقا کا قبضہ اس پر تھا، تا کہ آقا اس غلام سے فائدہ اٹھا سکے، اور جب وہ دار الاسلام سے نکل گیا تو آقا کا قبضہ زائل ہو گیا، اور غلام کا قبضہ خود اپنے اوپر ہو گیا، اور وہ مسلمان ہے اس لئے وہ ذاتی طور پر آزاد ہو گیا، اور پہلے گزر چکا کہ مسلمان پر کسی کافر کا قبضہ ہو تو وہ اس کا مالک نہیں بنتا اس لئے کافر اس غلام کا مالک نہیں بنے گا۔

۳؎ بِخلَافِ الْمُتَرَدِّدِ؛لِأَنَّ يَدَ الْمَوْلَى بَاقِيَةٌ عَلَيْهِ لِقِيَامِ يَدِأَهْلِ الدَّارِفَمَنَعَ ظُهُورَ يَدِهِ. ۴؎ وَإِذَا لَمْ يَثْبُتْ الْمِلْكُ لَهُمْ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ يَأْخُذُهُ الْمَالِكُ الْقَدِيمُ بِغَيْرِشَيْءٍ مَوْهُوبًا كَانَ أَوْ مُشْتَرًى أَوْ مَغْنُومًا قَبْلَ الْقِسْمَةِ وَبَعْدَالْقِسْمَةِ يُؤَدَّى عِوَضُهُ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ؛لِأَنَّهُ لَايُمْكِنُ إعَادَةُ الْقِسْمَةِ لِتَفَرُّقِ الْغَانِمِينَ وَتَعَذُّرِ اجْتِمَاعِهِمْ ۵؎ وَلَيْسَ لَهُ عَلَى الْمَالِكِ جُعْلُ الْآبِقِ؛لِأَنَّهُ عَامِلٌ لِنَفْسِهِ إذْ فِي زَعْمِهِ أَنَّهُ مِلْكُهُ.

لغت: ظهرت يده على نفسه: غلام کا قبضہ اپنی ذات پر ہو گیا۔ صار معصوما بنفسه: وہ اپنی ذات سے آزاد ہو گیا۔

ترجمہ :۳؎ بخلاف اگر غلام دار الاسلام میں ادھر ادھر بھٹک رہا ہو [تو حربی کا غلام نہیں بنے گا] اس لئے کہ آقا کا قبضہ ابھی باقی ہے کیونکہ دار الاسلام کا قبضہ باقی ہے اس لئے حربی کا قبضہ ظاہر نہیں ہوگا۔

تشریح: غلام دار الاسلام میں ادھر ادھر بھٹک رہا تھا کہ حربی اس کو پکڑ کر دار الحرب لے گیا تو حربی اس کا مالک نہیں بنے گا۔

وجہ: یہاں آقا کا قبضہ بھی ہے اور دار الاسلام کا بھی قبضہ ہے اس لئے حربی کا قبضہ نہیں ہو سکے گا۔

ترجمہ :۴؎ اور جب امام ابو حنیفہؒ کے یہاں حربیوں کی ملک ثابت نہیں ہوئی تو پرانا مالک غلام کو مفت لیگا چاہے حربی نے ہبہ کر دیا، یا کسی مسلمان نے خرید کر لایا ہو، یا تقسیم سے پہلے غنیمت میں آ گیا ہو، اور تقسیم کے بعد بیت المال اس کی قیمت ادا کرے گا، اس لئے کہ تقسیم تو دوبارہ ہو نہیں سکتی کیونکہ مجاہدین منتشر ہو چکے ہیں، اور ان کا دوبارہ جمع ہونا ناممکن ہے۔

تشریح :امام ابو حنیفہؒ کے یہاں حربی غلام کا مالک نہیں بنا اس لئے کسی بھی طرح سے غلام دار الاسلام واپس آئے گا تو اس کے مالک کو مفت ملے گا، واپس آنے کی چار صورتیں یہاں بیان کر رہے ہیں۔ [۱] حربی نے کسی مسلمان کو یہ غلام ہبہ کر دیا تو مالک اس سے مفت لے گا [۲] کسی مسلمان نے حربی سے خرید لیا تو مالک اس کو مفت لیگا، کیونکہ حربی اس کا مالک نہیں بنا تھا اس لئے اس کا بیچنا ہی صحیح نہیں ہوا۔ [۳] غلام مال غنیمت میں دوبارہ دار الاسلام آ گیا تو تقسیم سے پہلے مالک اس کو مفت لیگا۔ [۴] غلام مال غنیمت میں آیا اور تقسیم بھی ہو گیا تو یہ غلام مالک کو مفت دیا جائے گا، کیونکہ اسی کا غلام ہے، اور جس آدمی کے حصے میں آیا ہے اس کو اس کی قیمت بیت المال سے دیا جائے گا، تا کہ اس کو نقصان نہ ہو، کیونکہ اس تقسیم کو اب توڑ نہیں سکتے کیونکہ مجاہد بکھر چکے ہیں تو یہی شکل باقی رہی کہ عوام کی رقم یعنی بیت المال سے قیمت دی جائے۔

ترجمہ:۵؎ بھاگنے والے غلام کو جس نے واپس لایا تو واپس لانے کی مزدوری مالک پر لازم نہیں ہوگی۔، کیونکہ جس نے لایا ہے وہ اپنے لئے لایا ہے۔

تشریح: ہبہ سے لایا ہو، یا خرید کر لایا ہو، یا مال غنیمت میں لایا ہو، ان کو لانے کی مزدوری نہیں ملے گی۔

وجہ : کیونکہ لاتے وقت اس کا گمان یہ تھا کہ یہ غلام اپنے لئے لا رہا ہوں، مالک کے لئے نہیں لایا ہے اس لئے مالک سے اس

(۲۸۲۶) وَإِنْ نَدَّ بَعِيرٌ إِلَيْهِمْ فَأَخَذُوهُ مَلَكُوهُ ﴿١﴾ لِتَحَقُّقِ الِاسْتِيلَاءِ إِذْ لَا يَدَ لِلْعَجْمَاءِ لِتَظْهَرَ عِنْدَ الْخُرُوجِ مِنْ دَارِنَا، بِخِلَافِ الْعَبْدِ عَلَىٰ مَا ذَكَرْنَا.

(۲۸۲۷) وَإِنْ اشْتَرَاهُ رَجُلٌ وَأَدْخَلَهُ دَارَ الْإِسْلَامِ فَصَاحِبُهُ يَأْخُذُهُ بِالثَّمَنِ إِنْ شَاءَ ﴿١﴾ لِمَا بَيَّنَّا

کو لانے کی مزدوری نہیں دلوائی جائے گی ۔۔جعل: مزدوری۔

ترجمہ:(۲۸۲۶) اگر کوئی اونٹ بدک کران کی طرف چلا جائے اور وہ اس کو پکڑ لیں تو وہ مالک ہو جائیں گے۔

تشریح : جنگ چل رہی تھی ایسی حالت میں اونٹ بدک کر اس کی طرف چلا گیا تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا۔

وجہ :(۱) یہ انسان نہیں ہے مال ہے۔اور پہلے گزر چکا ہے کہ مسلمانوں کے مال پر حربی کا قبضہ ہو جائے تو وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے(۲)ان علیا کان یقول فیما احرز العدو من اموال المسلمین انه بمنزلة اموالهم ، قال و کان الحسن یقضی بذالک ۔(مصنف ابن ابی شیبة ، باب فی العبد یاسرہ المسلمون ثم ظہر علیہ العدو، ج سادس، ص ۵۱۰، نمبر ۳۳۳۴۳)اس قول صحابی میں ہے کہ حربی ہمارے مال پر قبضہ کر لے تو وہ اس کا مالک بن جائے گا۔

لغت : ند: اونٹ کا بدکنا۔

ترجمہ:﴿١﴾ اس لئے کہ اونٹ پر کفار کا قبضہ ہو گیا ہے اور جانور کو اپنا قبضہ نہیں ہے کہ دار الاسلام سے نکلے تو یہ قبضہ ظاہر ہو، بخلاف غلام کے، جسکو ہم نے پہلے ذکر کیا۔

تشریح : غلام پر سے مالک کا قبضہ ختم ہوتا ہے تو چونکہ وہ انسان ہے اس لئے اس کو اپنا قبضہ ہو جاتا ہے اس لئے وہ کفار کا مملوک نہیں بنتا، اور جانور کو اپنا قبضہ نہیں ہے، اس لئے جب مسلمان مالک کا قبضہ ختم ہوا تو کفار کا قبضہ ہو جائے گا اور وہ اس کا مملوک بن جائے گا۔ عجماء: جو بول نہ سکتا ہو، مراد ہے جانور۔

ترجمہ :(۲۸۲۷) اگر اس اونٹ کو کسی آدمی نے خرید لیا اور دار الاسلام لے آیا تو اس کے مالک کو اختیار ہوگا کہ چاہے تو قیمت دیکر لے۔

ترجمہ:﴿١﴾ جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا۔[کہ تاجر اس کا مالک بن چکا ہے]

اصول: کافر مسلمان کی چیزوں کا مالک بن جاتا ہے، مسلمان انسان کا مالک نہیں بنتا۔

تشریح :اونٹ کافر کی ملکیت میں جا چکا ہے اور وہ اس کا مالک بھی بن چکا ہے، اب اس کو کسی مسلمان نے خرید کر لایا تو پہلا مالک اگر چاہے تو خریدی ہوئی قیمت دیکر لے، تا کہ اس کو نقصان نہ ہو۔

(۲۸۲۸) فَإِنْ أَبَقَ عَبْدٌ إِلَيْهِمْ وَذَهَبَ مَعَهُ بِفَرَسٍ وَمَتَاعٍ فَأَخَذَ الْمُشْرِكُونَ ذٰلِكَ كُلَّهُ وَاشْتَرٰى رَجُلٌ ذٰلِكَ كُلَّهُ، وَأَخْرَجَهُ إِلَى دَارِ الْإِسْلَامِ فَإِنَّ الْمَوْلَى يَأْخُذُ الْعَبْدَ بِغَيْرِ شَيْءٍ وَالْفَرَسَ وَالْمَتَاعَ بِالثَّمَنِ، وَهٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَقَالَا: يَأْخُذُ الْعَبْدَ وَمَا مَعَهُ بِالثَّمَنِ إِنْ شَاءَ لِ اعْتِبَارًا لِحَالَةِ الِاجْتِمَاعِ بِحَالَةِ الِانْفِرَادِ وَقَدْ بَيَّنَّا الْحُكْمَ فِي كُلِّ فَرْدٍ.

(۲۸۲۹) وَإِذَا دَخَلَ الْحَرْبِيُّ دَارَنَا بِأَمَانٍ وَاشْتَرٰى عَبْدًا مُسْلِمًا وَأَدْخَلَهُ دَارَ الْحَرْبِ عَتَقَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَقَالَا: لَا يُعْتَقُ ؛ لِ لِأَنَّ الْإِزَالَةَ كَانَتْ مُسْتَحَقَّةً بِطَرِيقٍ مُعَيَّنٍ وَهُوَ الْبَيْعُ وَقَدِ انْقَطَعَتْ وِلَايَةُ الْجَبْرِ عَلَيْهِ فَبَقِيَ فِي يَدِهِ عَبْدًا.

ترجمہ :(۲۸۲۸)اگر مسلمان غلام حربی کی طرف بھاگا اور اپنے ساتھ گھوڑا اور سامان لے گیا اور مشرکوں نے یہ سب لے لیا، پھر مسلمان نے یہ سب خریدا اور دار الاسلام لے آیا تو آقا غلام کو مفت لے گا اور گھوڑا اور سامان قیمت سے لیگا، اور صاحبینؒ نے کہا کہ غلام اور سامان اگر چاہے تو قیمت سے لیگا۔

ترجمہ :لِ اجتماعی حالت انفرادی حالت پر قیاس کیا جائے گا، اور ہر ایک کا حکم ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔

تشریح :پہلے گزر چکا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے یہاں حربی مسلمان غلام کا مالک نہیں بنے گا اس لئے پہلا آقا اس کو مفت لیگا، اور صاحبینؒ کے نزدیک حربی غلام کا مالک بن جاتا ہے اس لئے پہلا آقا غلام کو قیمت سے لیگا، اور حربی سامان کا مالک سب کے نزدیک ہو جاتا ہے اس لئے پہلا آقا اس کو قیمت سے لیگا۔ جو حال انفرادی کا ہے وہی حال اجتماعی کا ہوگا۔

ترجمہ :(۲۸۲۹) حربی دار الاسلام میں امن لیکر داخل ہوا اور مسلمان غلام کو خریدا اور دار الحرب لے گیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک غلام آزاد ہو جائے گا، اور صاحبین نے فرمایا کہ آزاد نہیں ہوگا۔

اصول :امام ابو حنیفہؒ کا نظریہ یہ ہے کہ مسلمان کسی حال میں حربی کا مملوک نہیں ہوگا اس لئے وہ آزاد ہو جائے گا، اور صاحبینؒ کا نظریہ ہے کہ غلام حربی کا مملوک ہو سکتا ہے اس لئے وہ غلام ہی باقی رہے گا۔

تشریح :حربی امن لیکر دار الاسلام میں گیا اور یہاں مسلمان غلام خریدا اور دار الحرب لے گیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وہ غلام آزاد ہو جائے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان کو حربی کی ذلت سے بچانا ضروری ہے اس لئے وہ آزاد ہو جائے گا۔ اور صاحبینؒ کے یہاں وہ حربی کا غلام باقی رہے گا، اس کی وجہ یہ ہے وہ خرید کر لے گیا، اور ہے بھی غلام اس لئے غلامیت باقی رہے گی۔

ترجمہ :لِ اس لئے کہ غلامیت کو زائل کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اس کو بیچوائے، اور دار الاسلام سے باہر ہونے کی وجہ سے یہ بھی نہیں کروا سکتا ہے، اس لئے حربی کے ہاتھ میں غلام رہے گا۔

٢ وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ تَخْلِيصَ الْمُسْلِمِ عَنْ ذُلِّ الْكَافِرِ وَاجِبٌ، فَيُقَامُ الشَّرْطُ وَهُوَ تَبَايُنُ الدَّارَيْنِ مَقَامَ الْعِلَّةِ وَهُوَ الْإِعْتَاقُ تَخْلِيصًا لَهُ، كَمَا يُقَامُ مُضِيُّ ثَلَاثِ حِيَضٍ مَقَامَ التَّفْرِيقِ فِيمَا إذَا أَسْلَمَ أَحَدُ الزَّوْجَيْنِ فِي دَارِ الْحَرْبِ.

(٢٨٣٠) وَإِذَا أَسْلَمَ عَبْدٌ لِحَرْبِيٍّ ثُمَّ خَرَجَ إلَيْنَا أَوْ ظُهِرَ عَلَى الدَّارِ فَهُوَ حُرٌّ، وَكَذَلِكَ إذَا خَرَجَ عَبِيدُهُمْ إلَى عَسْكَرِ الْمُسْلِمِينَ فَهُمْ أَحْرَارٌ ١ لِمَا رُوِيَ "أَنَّ عَبِيدًا مِنْ عَبِيدِ الطَّائِفِ أَسْلَمُوا وَخَرَجُوا إلَى رَسُولِ اللّٰهِ – صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ – فَقَضَى بِعِتْقِهِمْ وَقَالَ: هُمْ عُتَقَاءُ اللّٰهِ" وَلِأَنَّهُ أَحْرَزَ نَفْسَهُ بِالْخُرُوجِ إلَيْنَا مُرَاغِمًا لِمَوْلَاهُ أَوْ بِالِالْتِحَاقِ بِمَنَعَةِ الْمُسْلِمِينَ، إذَا ظُهِرَ عَلَى الدَّارِ، وَاعْتِبَارُ يَدِهِ أَوْلَى مِنْ اعْتِبَارِ يَدِ الْمُسْلِمِينَ؛ لِأَنَّهَا أَسْبَقُ ثُبُوتًا عَلَى نَفْسِهِ، فَالْحَاجَةُ فِي حَقِّهِ إلَى زِيَادَةِ تَوْكِيدٍ وَفِي حَقِّهِمْ إلَى إثْبَاتِ الْيَدِ ابْتِدَاءً فَلِهَذَا كَانَ أَوْلَى، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

تشریح: یہ صاحبینؒ کی دلیل ہے، کہ حربی کے ہاتھ سے غلام کو نکالنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ قاضی کے ذریعہ اسکو بیچنے پر مجبور کرے، لیکن چونکہ وہ دار الاسلام سے باہر ہے اسلئے اسکو بیچنے پر مجبور نہیں کر سکتا، اسلئے اب حربی کے ہاتھ میں غلام باقی رہے گا۔

ترجمہ: ٢ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ مسلمان کو کافر کی ذلت سے نکالنا واجب ہے اس لئے غلام کو چھٹکارا دلانے کے لئے شرط یعنی اختلاف دارین کو آزادگی کا قائم مقام قرار دے دیا جائے، جیسے تین حیض گزرنے کو تفریق کے قائم مقام کرتے ہیں جبکہ دار الحرب میں میاں بیوی میں سے ایک مسلمان ہو جائے۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ مسلمان غلام کو کافر کی ذلت سے بچانا ضروری ہے، اور اسکی ایک ہی صورت ہے کہ اختلاف دارین یعنی دار الحرب میں داخل ہونے کو آزادگی کا سبب مان لیا جائے اور دار الحرب میں جانے سے غلام کو آزاد قرار دیا جائے، اسکی ایک مثال دیتے ہیں کہ دار الحرب میں میاں بیوی میں سے ایک مسلمان ہو جائے تو تین حیض گزرنے سے تفریق ہو جاتی ہے، اور تین حیض کو تفریق کے قائم مقام قرار دیا اسی طرح یہاں دار الحرب میں جانے کو آزاد ہونے کا سبب قرار دے دیا جائے۔

ترجمہ: (٢٨٣٠) حربی کا غلام مسلمان ہو گیا اور ہماری طرف آ گیا، یا دار الحرب پر ہم غلبہ پا گئے تو غلام آزاد ہو جائے گا، ایسے ہی حربیوں کا غلام مسلمان کے لشکر کی طرف آ گیا تو وہ آزاد ہو جائے گا۔

ترجمہ: ١ کیونکہ روایت ہے کہ طائف کے کچھ غلام مسلمان ہوئے اور حضورؐ کی طرف آئے تو آپ نے ان کو آزاد کرنے کا فیصلہ کیا، اور یوں فرمایا کہ یہ اللہ کے آزاد شدہ ہیں۔

اصول: قاعدہ یہ ہے کہ مسلمان ہونے سے پہلے حربیوں پر قبضہ کرلے تو وہ غلام بن جاتا ہے، لیکن قبضہ کرنے سے پہلے وہ مسلمان ہوجائے تو وہ آزاد ہوگا، حربی کے ان غلاموں پر قبضہ کرنے سے پہلے مسلمان ہوگئے ہیں اسلئے یہ آزاد شمار کئے جائیں گے۔

تشریح: حربی کا غلام مسلمان ہوگیا، اور وہ دار الاسلام آگیا، یا ہم دار الحرب پر قابض ہوگئے، یا غلام مسلمانوں کے لشکر میں آگیا تو ان صورتوں میں غلام آزاد ہوجائے گا، کیونکہ حدیث میں کہ طائف کے موقعہ پر حربی کے غلام کو آزاد قرار دیا۔

وجہ: صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **عن ابن عباس ان عبدین خرجا یوم الطائف و النبی ﷺ محاصرھم فاعتقھما رسول اللہ ﷺ**۔ (طبرانی، باب مقسم عن ابن عباس، ج ۱۱، ص ۳۰۹، نمبر ۱۲۰۹۲) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے غلام کو آزاد کردیا۔

ترجمہ: ۲ اس لئے کہ آقا کو چھوڑ کر ہماری طرف نکلنے کی وجہ سے اپنے آپ کو محفوظ کرلیا، اس لئے کہ اس کی ذات پر پہلے قبضہ ہے، اس کے حق میں زیادہ موکد ہونے کی ضرورت ہے، اور پہلے ہی سے غلام کے حق میں قبضہ ثابت کرنا زیادہ بہتر ہے۔

تشریح: غلام آقا کو چھوڑ کر ہماری طرف آیا تو اس پر مسلمانوں کا قبضہ ہونے سے پہلے وہ مسلمان ہوگیا ہے اس لئے اب اس کو غلام نہیں بنایا جاسکتا ہے۔

وجہ: کیونکہ اس پر مسلمانوں کا قبضہ ہونے سے پہلے اس کا قبضہ اپنی ذات پر ہوچکا ہے، صرف اتنی بات تھی کہ اس قبضے کو موکد کیا جائے، پس مسلمانوں کے غلبہ ہونے کی وجہ سے غلام کا قبضہ موکد ہوگیا اس لئے وہ آزاد ہوجائے گا۔

لغت: **احرز نفسہ**: اپنے آپ کو محفوظ کرلیا۔ مراغما: رغم سے مشتق ہے، اس کو چھوڑ دیا۔ منعۃ المسلمین: مسلمانوں کا لشکر۔ **و فی حقھم الی اثبات الید ابتداء فکان اولی**: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ غلام کا اپنی ذات پر قبضہ پہلے ہے اور اس پر مسلمانوں کا قبضہ بعد میں ہے، اس لئے غلام کا قبضہ برقرار رکھا جائے، یہ زیادہ بہتر ہے، اس کی وجہ سے وہ آزاد ہوجائے گا۔

﴿بابُ الْمُسْتَأْمَنِ﴾

(۲۸۳۱)وَإِذَا دَخَلَ الْمُسْلِمُ دَارَالْحَرْبِ تَاجِرًافَلَايَحِلُّ لَهُ أَنْ يَتَعَرَّضَ لِشَيْءٍ مِنْ أَمْوَالِهِمْ وَلَامِنْ دِمَائِهِمْ ؛ ا لِأَنَّهُ ضَمِنَ أَنْ لَايَتَعَرَّضَ لَهُمْ بِالِاسْتِئْمَانِ،فَالتَّعَرُّضُ بَعْدَ ذٰلِكَ يَكُونُ غَدْرًاوَالْغَدْرُ حَرَامٌ،إلَّاإذَاغَدَرَ بِهِمْ مَلِكُهُمْ فَأَخَذَ أَمْوَالَهُمْ أَوْحَبَسَهُمْ أَوْ فَعَلَ غَيْرُهُ بِعِلْمِ الْمَلِكِ وَلَمْ يَمْنَعْهُ؛ لِأَنَّهُمْ هُمُ الَّذِينَ نَقَضُوا الْعَهْدَ.

﴿باب المستامن﴾

ترجمہ:(۲۸۳۱)اگر مسلمان دارالحرب میں تاجر بن کر داخل ہوا تو ان کے لئے حلال نہیں ہے کہ مال یا جان کو چھیڑے۔

ترجمہ :ا اسلئے کہ ضمان لیا ہے کہ ہم اسکو نہیں چھیڑیں گے،اسلئے اسکے بعد اسکو چھیڑنا غدر ہوگا،اور غدر حرام ہے،ہاں حربیوں کا بادشاہ مسلمانوں کے ساتھ غدر کرے،اور انکے مال کو لے لے،اور انکو قید کر دے،یا بادشاہ کے جانتے ہوئے کوئی دوسرا آدمی غدر کرے اور بادشاہ اسکو نہ روکے [تو مسلمان امن کے خلاف ورزی کر سکتا ہے] کیونکہ انہوں نے ہی عہد توڑا ہے۔

تشریح :مسلمان تاجر دارالحرب میں امن لیکر گیا تو اس کو چاہئے کہ ان لوگوں کے مال کو اور جان کو نہ چھیڑے اور نہ نقصان پہونچائے،کیونکہ امن لیتے وقت اس کا عہد کیا ہے،اگر ایسا کیا تو یہ دھوکا ہوگا،اور دھوکا کرنا شریعت میں حرام ہے،ہاں حربیوں کا بادشاہ مسلمان تاجروں کے ساتھ دھوکا کرے،یا کوئی حربی دھوکا کرے،مثلا تاجر کے مال کو لے لے،یا تاجر کو قید کر لے،اور باشاہ کو اس کا علم ہو پھر بھی نقصان پہونچانے والے کو نہ روکے تو اب تاجر کے لئے اپنے عہد پر قائم رہنا ضروری نہیں ہے کیونکہ ان لوگوں نے ہی پہلے عہد توڑا ہے۔

وجہ :(۱) آیت میں اس کا ثبوت ہے۔و اما تخافن من قوم خیانة فانبذ الیهم علی سواء۔(آیت ۵۸،سورة الانفال ۸)اس آیت میں ہے کہ اگر وہ خیانت کرے تو تم اس کو بتلا کر عہد توڑ دو۔(۲) غدر نہ کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن سلیمان بن بریدة عن ابیه قال کان رسول الله ﷺ اذا امر امیرا علی جیش ... قاتلوا من کفر بالله اغزوا ولا تغلوا ولا تغدروا ولا تمثلوا ولا تقتلوا ولیدا (مسلم شریف،باب تامیر الامام الامراء علی البعوث ووصیتہ ایاھم بآداب الغزو وغیرھا،ج ۲،ص ۸۲،نمبر ۱۷۳۱/۴۵۲۲/ابوداؤد شریف،باب فی دعاء المشرکین،ص ۳۶۱،نمبر ۲۶۱۳)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دارالحرب میں بھی غدر اور دھوکا نہیں کرنا چاہئے۔

۲؎ بِخِلَافِ الْأَسِيرِ؛لِأَنَّهُ غَيْرُ مُسْتَأْمَنٍ فَيُبَاحُ لَهُ التَّعَرُّضُ ،وَإِنْ أَطْلَقُوهُ طَوْعًا.

(۲۸۳۲)فَإِنْ غَدَرَ بِهِمْ ۱؎ أَعْنِي التَّاجِرُ فَأَخَذَ شَيْئًا وَخَرَجَ بِهِ مَلَكَهُ مِلْكًا مَحْظُورًا ا؎ لِوُرُودِ الِاسْتِيلَاءِ عَلَى مَالٍ مُبَاحٍ، إلَّا أَنَّهُ حَصَلَ بِسَبَبِ الْغَدْرِ فَأَوْجَبَ ذٰلِکَ خُبْثًا فِيهِ.

ترجمہ :۲؎ بخلاف قیدی کے اس لئے کہ اس نے امن نہیں لیا ہے اس لئے اس کے لئے تعارض کرنے کی گنجائش ہوگی، چاہے حربی اس کو خوشی سے چھوڑ دیا۔

تشریح :حربی مسلمانوں کو قید کر کے دار الحرب لے گیا، تو اس نے امن نہیں لیا ہے، اور نہ تعارض کرنے کا عہد لیا ہے، بلکہ یہ تو قیدی ہے اس لئے اس کے لئے تعارض کرنے کی گنجائش ہوگی

ترجمہ :(۲۸۳۲) پس اگر ان سے غداری کی اور کچھ لے لیا تو اس کا مالک بن جائے گا ممنوع طریقہ پر اور حکم دیا جائے گا کہ اس کو صدقہ کر دے۔

ترجمہ :۱؎ اس لئے کہ مباح مال پر قبضہ ہو گیا[اس لئے تاجر مالک بن جائے گا] لیکن غدر کے سبب سے حاصل ہوا ہے اس لئے اس میں خباثت ہوگئی اس لئے صدقہ کرنے کا حکم دیا جائے گا۔

تشریح :تاجر کو غدر نہیں کرنا چاہئے ،لیکن غدر کر کے حربیوں کا مال دار الاسلام لے آیا تو تاجر اس کا مالک بن جائے گا ،لیکن چونکہ محظور طریقے سے لایا ہے اس لئے اس کو صدقہ کرنے کا حکم دیا جائے گا۔

وجہ :(۱)اور حربیوں کے مال کو غدر کر کے لیا تو ملک محظور ہوگا اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن المسور بن مخرمة قال خرج رسول الله ﷺ زمن الحديبية فى بضع عشرة مائة من اصحابه ... و كان المغيرة صحب قوما فى الجاهلية فقتلهم و اخذ اموالهم ثم جاء فاسلم فقال النبى ﷺ اما الاسلام فقد قبلنا و اما المال فانه مال غدر لا حاجة لنا فيه** (ابو داؤد شریف، باب فی صلح العدو، ج ۲، ص ۲۴، نمبر ۲۷۶۵ / بخاری شریف، باب الشروط فی الجہاد و المصالحۃ مع اہل الحرب و کتابۃ الشروط، ص ۴۷۷، نمبر ۲۷۳۱) اس حدیث میں ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ نے اپنے کافر ساتھیوں کو دھوکا دے کر قتل کیا اور ان کے مالوں کو ساتھ لیکر حضورؐ کے پاس آئے تو آپؐ نے فرمایا اسلام تو قبول ہے۔ لیکن مال دھوکے کا ہے اس لئے مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ اور آپؐ نے اس میں سے خمس لینے سے بھی انکار کر دیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ اس کی ملکیت محظور ہے۔ پھر آپؐ نے اس مال کو مالک کے ورثہ کی طرف واپس کرنے کا حکم نہیں دیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ مسلمان مالک ہو گیا (۲) پہلے گزر چکا ہے کہ مسلمان حربیوں کے مال کا مالک بن جائے تو وہ مالک ہو جاتا ہے کیونکہ وہ مال غنیمت کے درجے میں ہے۔ جس طرح حربی مسلمان کے مال کا مالک بن جائے تو مالک ہو جاتا ہے (۳) دار الحرب لے جا کر

۲؎ فَيُؤْمَرُ بِالتَّصَدُّقِ بِهِ وَهَذَا: لِأَنَّ الْحَظْرَ لِغَيْرِهِ لَا يَمْنَعُ انْعِقَادَ السَّبَبِ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ.

(۲۸۳۳) وَإِذَا دَخَلَ الْمُسْلِمُ دَارَ الْحَرْبِ بِأَمَانٍ فَأَدَانَهُ حَرْبِيٌّ أَوْ أَدَانَ هُوَ حَرْبِيًّا أَوْ غَصَبَ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ ثُمَّ خَرَجَ إِلَيْنَا وَاسْتَأْمَنَ الْحَرْبِيُّ لَمْ يُقْضَ لِوَاحِدٍ مِنْهُمَا عَلَى صَاحِبِهِ بِشَيْءٍ ۱؎ أَمَّا الْإِدَانَةُ فَلِأَنَّ الْقَضَاءَ يَعْتَمِدُ الْوِلَايَةَ وَلَا وِلَايَةَ وَقْتَ الْإِدَانَةِ أَصْلًا وَلَا وَقْتَ الْقَضَاءِ عَلَى الْمُسْتَأْمَنِ؛ لِأَنَّهُ مَا الْتَزَمَ حُكْمَ الْإِسْلَامِ فِيمَا مَضَى مِنْ أَفْعَالِهِ وَإِنَّمَا الْتَزَمَ ذٰلِكَ فِي الْمُسْتَقْبَلِ.

واپس کرنا بھی ایک مشکل کام ہے اس میں جان کا خطرہ ہے اس لئے بھی مسلمان کو مالک قرار دے دیا جائے گا۔لیکن ملک صحیح نہیں ہے اس لئے مال کو صدقہ کرنے کا حکم دیا جائے گا۔

لغت: تعرض : عرض سے مشتق ہے چھیڑنا، غدر : دھوکا دینا، محظور : خبیث۔

ترجمہ :۲؎ صدقہ کرنے کا حکم اس لئے دیا جائے گا غیر کی وجہ سے ممانعت آئی ہے اس لئے سبب منعقد ہونے سے نہیں روکے گا۔

تشریح :غدر نہیں کرنا چاہئے ،لیکن کرلیا تو مال کا مالک بن جائے گا،لیکن چونکہ یہ محظور ہے اس لئے اس کو صدقہ کرنے کا حکم دیا جائے گا۔

ترجمہ :(۲۸۳۳)مسلمان امن لیکر دار الحرب گیا، پھر حربی نے قرضہ دیا، یا اس نے حربی کو قرضہ دیا، یا دونوں میں سے ایک نے دوسرے کا مال غصب کیا پھر یہ مسلمان دار الاسلام آیا اور حربی بھی امن لیکر دار الاسلام آیا تو قاضی دونوں میں سے کسی پر فیصلہ نہیں کرے گا۔

ترجمہ :۱؎ بہر حال قرض کا معاملہ تو قضا کا معاملہ ولایت پر ہے اور قرض لیتے وقت بالکل ولایت نہیں ہے،اور امن لیکر آنے والے حربی پر بھی ولایت نہیں ہے اس لئے کہ قرض دیتے وقت اسلام کا حکم لازم نہیں کیا ہے،صرف مستقبل میں فیصلے کا معاملہ لازم کیا ہے۔

اصول : یہاں دو مسئلے دار الحرب میں پیش آئے ہیں اور دار الحرب میں قاضی کی ولایت نہیں ہے اس لئے قاضی اس مسئلے میں کوئی فیصلہ نہیں دے پائے گا۔

تشریح : یہاں دو مسئلے ہیں [۱] ایک ہے باہمی رضا مندی سے قرض کے لین دین کا۔ پھر اس کی بھی تین شکلیں ہیں (۱) ایک مسلمان بن کر قاضی کے پاس آئے اور دوسرا حربی بن کر قاضی کے پاس آئے (۲) دونوں حربی بن کر قاضی کے پاس آئے۔(۳) دونوں مسلمان بن کر قاضی کے پاس آئے [۲] اور دوسرا ہے غصب کرنے کا۔

۲؎ وَأَمَّا الْغَصْبُ فَلِأَنَّهُ صَارَ مِلْكًا لِلَّذِي غَصَبَهُ وَاسْتَوْلَى عَلَيْهِ لِمُصَادَفَتِهِ مَالًا غَيْرَ مَعْصُومٍ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ، ۳؎ وَكَذَلِكَ لَوْ كَانَا حَرْبِيَّيْنِ فَعَلَا ذَلِكَ ثُمَّ خَرَجَا مُسْتَأْمَنَيْنِ لِمَا قُلْنَا (۲۸۳۴) وَلَوْ خَرَجَا مُسْلِمَيْنِ قُضِيَ بِالدَّيْنِ بَيْنَهُمَا وَلَمْ يُقْضَ بِالْغَصْبِ ۱؎ أَمَّا الْمُدَايَنَةُ فَلِأَنَّهَا وَقَعَتْ صَحِيحَةً لِوُقُوعِهَا بِالتَّرَاضِي، وَالْوِلَايَةُ ثَابِتَةٌ حَالَةَ الْقَضَاءِ لِالْتِزَامِهِمَا الْأَحْكَامَ بِالْإِسْلَامِ.

[۱]مسلمان امن لیکر دارالحرب میں داخل ہوا اور حربی کو قرض دیا یا حربی سے قرض لیا، پھر مسلمان دارالاسلام آیا اور حربی بھی امن لیکر دار اسلام آیا اور قاضی کے سامنے قرض کا مقدمہ پیش کیا تو قاضی کچھ فیصلہ نہیں کرے گا۔

وجہ:(۱) یہ معاملہ دارالحرب میں پیش آیا ہے اور وہاں قاضی کی ولایت نہیں ہے، اس لئے فیصلہ نہیں دیگا۔(۲) دوسری بات یہ ہے کہ حربی امن لیکر آیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ گزشتہ زمانے میں قاضی کا فیصلہ ماننے کے حق میں نہیں ہے، البتہ آج کے بعد آئندہ کے بارے میں جب تک دار اسلام میں رہے گا اس وقت تک قاضی کا فیصلہ ماننے کا وعدہ کرتا ہے، تاہم قرض دیتے وقت فیصلہ ماننے کے لئے تیار نہیں تھا اس لئے قاضی اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں دے گا۔

ترجمہ:۲؎ بہر حال غصب کا معاملہ۔ مسلمان نے غصب کیا تو وہ مالک بن گیا ہے، اس لئے کہ غیر محفوظ مال پر اس کا قبضہ ہو گیا، جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔

تشریح:مسلمان تاجر کو حربی کا مال غصب نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ وہ امن لیکر داخل ہوا ہے، لیکن اگر کر لیا تو وہ مالک بن جائے گا، کیونکہ حربی کا مال مسلمان کے حق میں غیر محفوظ ہے اس لئے اس پر قبضہ کرنے سے مالک بن جائے گا، اگر چہ محظور مال ہوگا۔

۔غیر معصوم: محفوظ نہیں ہے۔

ترجمہ:۳؎ اگر دو حربیوں نے یہ کام کیا [قرضہ لیا یا دیا] پھر وہ دونوں امن لیکر دارالاسلام آئے تو [تو فیصلہ نہیں کیا جائے گا]

تشریح:[۲] یہ قرض کا دوسرا مسئلہ ہے] دو حربی آپس میں قرض کا لین دین کئے، اس میں دونوں کا اختلاف ہو گیا، پھر دونوں امن لیکر دارالاسلام آئے اور قاضی کے سامنے مقدمہ رکھا تو وہ کوئی فیصلہ نہیں دیں گے، کیونکہ یہ مسئلہ دارالحرب میں پیش آیا تھا اور وہاں قاضی کی ولایت نہیں ہے۔

ترجمہ:(۲۸۳۴) اگر دونوں مسلمان ہو کر ہمارے پاس آئے تو دونوں کے درمیان قرض کا تو فیصلہ کیا جائے گا، لیکن غصب کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔

ترجمہ:۱؎ قرض کا فیصلہ اس لئے کیا جائے گا کہ دونوں کی رضامندی سے صحیح واقع ہوا ہے اور فیصلے کے وقت قاضی کی ولایت ثابت ہے کیونکہ دونوں کے مسلمان ہونے کی وجہ سے ولایت مان بھی رہا ہے۔

۲؎ وَأَمَّا الْغَصْبُ فَلِمَا بَيَّنَّا أَنَّهُ مِلْكُهُ وَلَا خُبْثَ فِي مِلْكِ الْحَرْبِيِّ حَتَّى يُؤْمَرَ بِالرَّدِّ.

(۲۸۳۵) وَإِذَا دَخَلَ الْمُسْلِمُ دَارَ الْحَرْبِ بِأَمَانٍ فَغَصَبَ حَرْبِيًّا ثُمَّ خَرَجَا مُسْلِمَيْنِ أُمِرَ بِرَدِّ الْغَصْبِ وَلَمْ يُقْضَ عَلَيْهِ ۱؎ أَمَّا عَدَمُ الْقَضَاءِ فَلِمَا بَيَّنَّا أَنَّهُ مَلَكَهُ، وَأَمَّا الْأَمْرُ بِالرَّدِّ وَمُرَادُهُ الْفَتْوَى بِهِ فَلِأَنَّهُ فَسَدَ الْمِلْكُ لِمَا يُقَارِنُهُ مِنَ الْمُحَرَّمِ وَهُوَ نَقْضُ الْعَهْدِ.

تشریح: دونوں مسلمان بن کر دارالاسلام آئے تو قاضی قرض کا فیصلہ کرے گا۔

وجہ: دونوں کے مسلمان ہونے کی وجہ سے فیصلے کے وقت دونوں قاضی کی ولایت مان رہے ہیں اس لئے قاضی قرض کے بارے میں فیصلہ کرے گا۔

ترجمہ: ۲؎ بہرحال غصب کے بارے میں مسلمان کی ملکیت ہو جائے گی اور حربی کے مال پر ملکیت ہونے میں کوئی خبث نہیں ہے اس لئے اس کو واپس کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔

تشریح: یہاں صورت حال یہ ہے کہ مسلمان نے حربی کے مال کو دارالحرب میں غصب کیا، پھر حربی مسلمان ہو گیا، اور دونوں مسلمان بن کر قاضی کے پاس آئے، تو مسلمان جس وقت حربی کے مال پر قبضہ کر رہا تھا اس وقت وہ غیر محفوظ مال تھا اس لئے مسلمان کی ملکیت ہو گئی، اس لئے اب اس کو لوٹانے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔

ترجمہ: (۲۸۳۵) مسلمان دارالحرب میں امن لیکر داخل ہوا پھر حربی کا مال غصب کر لیا پھر مسلمان ہو کر دونوں قاضی کے پاس آئے تو دیانۃ غصب شدہ مال کو لوٹانے کا حکم دیا جائے گا، لیکن اس کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔

ترجمہ: ۱؎ لوٹانے کا فیصلہ اس لئے نہیں کیا جائے گا کہ مسلمان غیر محفوظ مال کا مالک بنا ہے، لیکن دیانۃ مال لوٹانے کا حکم اس لئے دیا جائے گا کہ فاسد طریقے سے مسلمان مالک بنا ہے کیونکہ اس نے عہد توڑا ہے۔

تشریح: اس مسئلے کی صورت اوپر بیان کی ہے، کہ مسلمان نے دارالحرب میں حربی کا مال کا مال غصب کیا، پھر حربی مسلمان ہو گیا، اور دونوں مسلمان ہو کر قاضی سے فیصلہ چاہا تو قاضی مال لوٹانے کا فیصلہ نہیں کرے گا، لیکن دیانت کے طور پر کہے گا کہ اس کے مال کو حربی کی طرف واپس کرو۔

وجہ: فیصلہ اس لئے نہیں کرے گا کہ حربی کا غیر معصوم مال پر مسلمان کا قبضہ ہوا ہے اس لئے وہ اس کا مالک بن گیا ہے، لیکن مسلمان نے عہد توڑ کر ایسا کیا ہے اس لئے محظور طریقے سے مالک بنا ہے اس لئے دیانت کے طور پر کہا جائے گا کہ مال کو حربی کی طرف واپس کرو۔

لغت: مرادہ الفتوی بہ: امام محمدؒ کی مراد یہ ہے کہ لوٹانے کا فتوی نہیں دیا جائے گا، لیکن دیانۃ لوٹانے کے لئے کہا جائے گا۔

(۲۸۳۶)وَإِذَا دَخَلَ مُسْلِمَانِ دَارَ الْحَرْبِ بِأَمَانٍ فَقَتَلَ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ عَمْدًا أَوْ خَطَأً فَعَلَى الْقَاتِلِ الدِّيَةُ فِي مَالِهِ وَعَلَيْهِ الْكَفَّارَةُ فِي الْخَطَإِ لے أَمَّا الْكَفَّارَةُ فَلِإِطْلَاقِ الْكِتَابِ، وَأَمَّا الدِّيَةُ فَلِأَنَّ الْعِصْمَةَ الثَّابِتَةَ بِالْإِحْرَازِ بِدَارِ الْإِسْلَامِ لَا تَبْطُلُ بِعَارِضِ الدُّخُولِ بِالْأَمَانِ، وَإِنَّمَا لَا يَجِبُ الْقِصَاصُ؛ لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُ اسْتِيفَاؤُهُ إِلَّا بِمَنَعَةٍ، وَلَا مَنَعَةَ دُونَ الْإِمَامِ وَجَمَاعَةِ الْمُسْلِمِينَ، وَلَمْ يُوجَدْ ذٰلِكَ فِي دَارِ الْحَرْبِ، وَإِنَّمَا تَجِبُ الدِّيَةُ فِي مَالِهِ فِي الْعَمْدِ؛ لِأَنَّ الْعَوَاقِلَ لَا تَعْقِلُ الْعَمْدَ؛ وَفِي الْخَطَإِ لِأَنَّهُ لَا قُدْرَةَ لَهُمْ عَلَى الصِّيَانَةِ مَعَ تَبَايُنِ الدَّارَيْنِ وَالْوُجُوبُ عَلَيْهِمْ عَلَى اعْتِبَارِ تَرْكِهَا.

ترجمہ: (۲۸۳۶) دومسلمان امن لیکر دار الحرب گئے، اور ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا، جان کر قتل کیا ہو، یا بھول میں تو قاتل پر اس کے مال میں دیت لازم ہوگی، اور قتل خطاء کی صورت میں کفارہ بھی لازم ہوگا۔

ترجمہ: لے کفارہ اس لئے لازم ہوگا کہ آیت میں مطلق ہے [یعنی دار الاسلام، اور دار الحرب کی قید نہیں ہے۔ اور دیت اس لئے لازم ہوگی کہ وہ پہلے سے دار الاسلام میں تھا، جو امن لیکر دار الحرب میں داخل ہونے سے ختم نہیں ہوگا، اور قصاص اس لئے لازم نہیں ہوگا، کہ اس کے وصول کرنے کے لئے مضبوط اسلامی حکومت چاہئے، اور دار الحرب میں جماعت مسلمین اور امام نہیں ہے [اس لئے قصاص وصول کون کرے گا] اور قتل عمد میں دیت قاتل کے مال میں لازم ہوگا، کیونکہ عمد کی دیت خاندان والوں پر لازم نہیں ہوتی۔ اور قتل خطاء میں بھی دیت قاتل کے مال ہی پر لازم ہوگی [خاندان والوں پر اس لئے لازم نہیں ہو گی] کہ دار الحرب کی وجہ سے قتل سے بچانے کی خاندان والوں کو قدرت نہیں ہے۔ اور خاندان والوں پر اسی لئے دیت لازم ہوتی ہے کہ اس نے قتل کرنے سے روکا نہیں۔

تشریح: یہاں دو مسئلے ہیں سب کے احکام اور دلیل سمجھیں۔

[۱] دو مسلمان دار الحرب میں داخل ہوئے اور ایک نے دوسرے کو قتل عمد کر دیا، تو قاعدے کے اعتبار سے اس پر قصاص لازم ہونا چاہئے، لیکن قصاص وصول کرنے کے لئے قاضی چاہئے اور دار الحرب میں قاضی نہیں ہے اس لئے قصاص لازم نہیں ہوگا، لیکن دیت لازم ہوگی، اس کی وجہ ہے کہ دونوں مسلمان ہیں اس لئے دیت کے احکام کو قاتل بھی اپنے اوپر لازم کیا ہوا ہے اس لئے دیت [جان کی قیمت] لازم ہوگی۔ لیکن یہ دیت خود قاتل کے مال میں لازم ہوگی، کیونکہ قتل عمد کی دیت عاقلہ [خاندان] پر لازم نہیں ہوتی۔ دوسری بات یہ ہے کہ مقتول کی جان مفت میں نہ چلی جائے اس لئے قاتل پر کم سے کم دیت تو لازم ہوگی۔

[۲] اگر قتل خطاء [غلطی] سے قتل کیا تو اس میں دو چیزیں لازم ہوتی ہیں دیت اور کفارہ۔ کفارہ اس لئے لازم ہوگا کہ آیت میں

(۲۸۳۷) وَإِنْ كَانَا أَسِيرَيْنِ فَقَتَلَ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ أَوْ قَتَلَ مُسْلِمٌ تَاجِرٌ أَسِيرًا فَلَا شَيْءَ عَلَى الْقَاتِلِ إِلَّا الْكَفَّارَةُ فِي الْخَطَإِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَقَالَا: فِي الْأَسِيرَيْنِ الدِّيَةُ فِي الْخَطَإِ وَالْعَمْدِ ؛ ا لِأَنَّ الْعِصْمَةَ لَا تَبْطُلُ بِعَارِضِ الْأَسْرِ كَمَا لَا تَبْطُلُ بِعَارِضِ الِاسْتِئْمَانِ عَلَىٰ مَا بَيَّنَّاهُ، وَامْتِنَاعُ الْقِصَاصِ؛ لِعَدَمِ الْمَنَعَةِ وَيَجِبُ الدِّيَةُ فِي مَالِهِ لِمَا قُلْنَا. وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ بِالْأَسْرِ صَارَ تَبَعًا لَهُمْ؛ لِصَيْرُورَتِهِ مَقْهُورًا فِي أَيْدِيهِمْ، وَلِهَذَا يَصِيرُ مُقِيمًا بِإِقَامَتِهِمْ وَمُسَافِرًا بِسَفَرِهِمْ فَيَبْطُلُ بِهِ الْإِحْرَازُ أَصْلًا وَصَارَ كَالْمُسْلِمِ الَّذِي لَمْ يُهَاجِرْ إِلَيْنَا، وَخَصَّ الْخَطَأَ بِالْكَفَّارَةِ؛ لِأَنَّهُ لَا كَفَّارَةَ فِي الْعَمْدِ عِنْدَنَا.

کفارہ لازم کیا ہے، اوراس میں یہ قید نہیں ہے کہ دار الحرب میں نہ ہو اس لئے دار الحرب میں قتل کیا تب بھی کفارہ لازم ہوگا دوسری بات یہ ہے کہ قاتل مسلمان ہے جس نے دار الحرب میں بھی اپنے اوپر کفارہ لازم کیا ہے، اس کے لئے آیت یہ ہے۔ و من قتل مومنا خطاء فتحرير رقبة مومنة و دية مسلمة الى اهله۔ (آیت ۹۲، سورۃ النساء۴) اس آیت میں دیت کا بھی ذکر ہے اور کفارے کا بھی ذکر ہے۔

قتل خطاء میں قاعدے کے اعتبار سے عاقلہ یعنی قاتل کے خاندان والوں پر دیت لازم ہوتی ہے، اوراس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے قاتل کو قتل سے نہیں روکا، لیکن یہاں خود قاتل کے مال میں دیت لازم ہوگی، کیونکہ عاقلہ دار الحرب جا کر قتل سے نہیں روک سکتا اس لئے اس پر دایت لازم نہیں ہوگی۔

ترجمہ: (۲۸۳۷) اگر دونوں قیدی ہوں اور ایک نے دوسرے کو قتل کیا، یا مسلمان تاجر نے قیدی کو قتل کیا تو قاتل پر کچھ نہیں ہوگا، ہاں قتل خطاء میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کفارہ لازم ہوگا، اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ دونوں قیدی ہوں تو قتل خطاء اور قتل عمد میں دیت لازم ہوگی۔

ترجمہ: ا اس لئے کہ قید کی وجہ سے مقتول کی عصمت باطل نہیں ہوتی، جیسا کہ امن لینے کی وجہ سے عصمت باطل نہیں ہوتی، جیسا کہ پہلے بیان کیا۔ قصاص تو اس لئے نہیں لیا جائے گا کہ اسلامی حکومت نہیں ہے، اور دیت قاتل کے مال میں لازم ہوگی، اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے پہلے بیان کیا۔

اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ قید کی وجہ سے دار الحرب کا تابع ہوگیا، اس لئے کہ اس کے ہاتھ میں مجبور ہوگیا، یہی وجہ ہے کہ اس کے قابض کے مقیم ہونے سے یہ مقیم ہوگا، اوراس کے مسافر ہونے سے یہ مسافر ہوگا، اس لئے دار الاسلام کی حفاظت باطل ہوگئی، اوراس مسلمان کی طرح ہوگیا جو دار الاسلام تک ہجرت نہیں کی، اور قتل خطاء میں کفارہ اس لئے ہے کہ قتل عمد میں ہمارے نزدیک کفارہ نہیں ہے۔

اصول : یہاں امام ابوحنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ قید ہونیکی وجہ سے یہ قتل کے قانون میں دار الحرب کے تابع ہو گیا، اب اس پر حرب کا قانون چلے گا اسلامی قانون نہیں چلے گا، البتہ چونکہ یہ مسلمان ہے اس لئے قتل خطاء میں کفارہ لازم ہوگا۔

اصول : صاحبینؒ کا اصول یہ ہے کہ قید ہونے کے باوجود چونکہ یہ مسلمان ہے اس لئے قتل میں اسلامی قانون چلے گا، اور قاتل کو دیت دینی ہوگی۔ اور قتل خطاء میں کفارہ بھی دینا ہوگا۔

تشریح : دو مسلمان آدمی قید ہو کر دار الحرب گئے، اب ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نہ قتل عمد میں دیت لازم ہوگی، اور نہ قتل خطاء میں دیت لازم ہوگی، صرف قتل خطاء میں کفارہ لازم ہوگا۔

وجہ : جب یہ دار الحرب والوں کے ہاتھ میں قید ہو گیا تو وہ حربی قانون کے تحت میں مجبور ہو گیا، اس لئے اب اس پر حربی قانون کی بنیاد پر قتل کی قیمت وغیرہ دینی ہوگی، اسلامی قانون کی بنیاد پر نہ قتل خطاء کی دیت ہے، اور نہ قتل عمد کا قصاص ہے، اور نہ اس کی دیت ہے۔ اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ۔ اگر دار الحرب میں کوئی مسلمان ہو جائے اور قتل کر دے تو اس پر دیت لازم نہیں ہے۔ ایسے ہی یہاں ہوگا۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ، جس طرح دار الحرب میں امن لینے سے اسلامی قانون ختم نہیں ہوتا اسی طرح قید ہونے سے بھی اس سے اسلامی قانون ختم نہیں ہوگا، اس لئے اسلامی قانون کے تحت قاتل کو قتل عمد کی دیت ہوگی، کیونکہ دار الحرب میں قاضی نہ ہونے کی وجہ سے قصاص نہیں لیا جا سکتا ہے، اس لئے مفت جان نہ جائے اس لئے اس کی دیت لازم ہوگی، اور قتل خطاء میں کفارہ لازم ہوگا، اور دیت خود قاتل پر لازم ہوگی، اور اس کے خاندان پر لازم نہیں ہوگی، کیونکہ وہ دار الحرب میں قتل سے روکنے نہیں جا سکیں گے۔

﴿فَصْلٌ فِيْ حُكْمِ الْمُسْتَأمِنِ﴾

(٢٨٣٨) قَالَ: وَإِذَا دَخَلَ الْحَرْبِيُّ إِلَيْنَا مُسْتَأْمَنًا لَمْ يُمَكَّنْ أَنْ يُقِيمَ فِيْ دَارِنَا سَنَةً وَيَقُوْلُ لَهُ الْإِمَامُ: إِنْ أَقَمْتَ تَمَامَ السَّنَةِ وَضَعْتُ عَلَيْكَ الْجِزْيَةَ.

﴿فصل فی بیان حکم المستامن من اہل الحرب﴾

ترجمہ: (٢٨٣٨) اگر حربی ہمارے ملک میں امن لے کر آیا تو ممکن نہیں ہے کہ وہ ہمارے ملک میں ایک سال ٹھہرے۔اور امام اس کو کہے کہ اگر تم سال بھر ٹھہرے تو تم پر جزیہ مقرر کروں گا۔

تشریح: حربی کو دارالاسلام میں زیادہ دیر تک ٹھہرانے سے وہ جاسوسی کر سکتا ہے اور دارالاسلام کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔لیکن آنے جانے کا راستہ بالکل بند کر دیا جائے تو تجارت بند ہو سکتی ہے اسلئے امن لیکر آ تو سکتا ہے۔لیکن سال بھر تک نہیں ٹھہر سکتا اس سے پہلے دارالحرب چلا جائے۔اور اگر سال بھر ٹھہر گیا تو اس کو اب ذمی بنا لیا جائے گا اور اس پر جزیہ مقرر کر دیا جائے گا۔اور واپس دارالحرب جانے کی اجازت نہیں ہوگی۔

وجہ: (١) حربی قلبی اعتبار سے نجس ہے۔اس کا ہمارے یہاں ٹھہرنا اچھا نہیں۔اس کا ثبوت اس آیت میں ہے۔**یا ایھا الذین آمنوا انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا** (آیت ٢٨، سورۃ التوبۃ ٩) اس آیت میں ہے کہ مشرک ناپاک ہے اسکو مسجد حرام کے قریب نہ ہونے دو۔اس سے معلوم ہوا کہ دارالاسلام میں بھی نہیں آنے دینا چاہئے۔(٢) اس حدیث میں مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکالنے کا حکم ہے۔**سمع ابن عباسؓ یقول یوم الخمیس وما یوم الخمیس ... فامرھم بثلاث قال اخرجوا المشرکین من جزیرۃ العرب** (بخاری شریف، باب اخراج الیہودی من جزیرۃ العرب، ص ٤٤٩، نمبر ٣١٦٨ر مسلم شریف، باب اخراج الیہود والنصاری من جزیرۃ العرب، ج ٢، ص ٩٤، نمبر ١٧٦٧ر ٤٥٩٤) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ مشرکین دارالاسلام میں نہ رہیں (٣) قول صحابی میں ہے۔**ان عمرؓ بن الخطاب ضرب للیھود والنصاری والمجوس بالمدینۃ اقامۃ ثلاثۃ ایام یتسوقون بھا ویقضون حوائجھم ولا یقیم احد منھم فوق ثلاث لیال** (سنن للبیہقی، باب الذمی یمر بالحجاز مار الا یقیم ببلد منھا اکثر من ثلاث لیال، ج تاسع، ص ٣٥٣، نمبر ١٨٧٦٢) اس اثر میں ہے کہ نصاری اور مجوس تین دن سے زیادہ نہ ٹھہرے (٤) اور سال ٹھہرنے پر ذمی بنا لیا جائے گا اسکی دلیل یہ قول صحابی ہے۔**عن زیاد بن حدیر قال کتبت الی عمر فی اناس من اھل العرب یدخلون ارضنا ارض الاسلام فیقیمون قال فکتب الیّ عمرؓ ان اقاموا ستۃ اشھر فخذ منھم العشر وان اقاموا سنۃ فخذ منھم نصف العش** (سنن للبیہقی، باب ما یؤخذ من الذمی اذا اتجر فی غیر

۱؎ وَالْأَصْلُ أَنَّ الْحَرْبِيَّ لَا يُمَكَّنُ مِنْ إِقَامَةٍ دَائِمَةٍ فِي دَارِنَا إِلَّا بِالِاسْتِرْقَاقِ أَوْ الْجِزْيَةِ؛ لِأَنَّهُ يَصِيرُ عَيْنًا لَهُمْ وَعَوْنًا عَلَيْنَا فَتَلْتَحِقُ الْمَضَرَّةُ بِالْمُسْلِمِينَ، وَيُمَكَّنُ مِنْ الْإِقَامَةِ الْيَسِيرَةِ؛ لِأَنَّ فِي مَنْعِهَا قَطْعَ الْمِيرَةِ وَالْجَلَبِ وَسَدَّ بَابِ التِّجَارَةِ، فَفَصَلْنَا بَيْنَهُمَا بِسَنَةٍ؛ لِأَنَّهَا مُدَّةٌ تَجِبُ فِيهَا الْجِزْيَةُ فَتَكُونُ الْإِقَامَةُ لِمَصْلَحَةِ الْجِزْيَةِ، ۲؎ ثُمَّ إِنْ رَجَعَ بَعْدَ مَقَالَةِ الْإِمَامِ قَبْلَ تَمَامِ السَّنَةِ إِلَى وَطَنِهِ فَلَا سَبِيلَ عَلَيْهِ، وَإِذَا مَكَثَ سَنَةً فَهُوَ ذِمِّيٌّ؛ لِأَنَّهُ لَمَّا أَقَامَ سَنَةً بَعْدَ تَقَدُّمِ الْإِمَامِ إِلَيْهِ صَارَ مُلْتَزِمًا الْجِزْيَةَ فَيَصِيرُ ذِمِّيًّا،

بلدہ والحربی اذا دخل بلا دالاسلام بامان، ج تاسع، ص۳۵۴، نمبر ۱۸۱۷۷) اس اثر میں ہے کہ اگر حربی سال بھر ٹھہر جائے تو اس پر نصف عشر یعنی بیسواں حصہ لازم کرو۔ اور بیسواں ذمی سے لیا جاتا ہے۔ اور دسواں حصہ حربی سے لیا جاتا ہے۔ اسلئے سال بھر ٹھہرنے سے بیسواں حصہ اور چھ ماہ ٹھہرنے سے دسواں حصہ لینے کا مطلب یہ ہوا کہ چھ مہینے تک میں حربی رہے گا اور سال بھر رہنے میں ذمی بن جائے گا۔ اور جو ذمی بن جاتا ہے اسکو ہمیشہ دار الاسلام میں رہنا پڑتا ہے۔ دار الحرب جانے کی اجازت نہیں ہوتی۔

ترجمہ: ۱؎ اصل بات یہ ہے کہ حربی کو دار الاسلام میں ہمیشہ ٹھہرانا ممکن نہیں ہے مگر غلام بنا کر یا جزیہ مقرر کر کے، اس لئے کہ وہ ہمارے خلاف جاسوس بن سکتا ہے، اور ہمارے خلاف مدد کر سکتا ہے جس سے مسلمانوں کو نقصان ہوگا، اور تھوڑی دیر تک رہنے کی اجازت دی جا سکتی ہے اس لئے کہ اس سے منع کرنے میں غلے کی کمی ہوگی، اور حیوانات کے آنے میں کمی آجائے گی اور تجارت کا دروازہ بند ہو جائے گا، اس لئے ہم نے ایک سال کی حد مقرر کی ہے، اس لئے کہ یہ مدت اتنی ہے جس میں جزیہ واجب ہوتا ہے، اس لئے اس کا ٹھہرنا جزیہ کی مصلحت کی وجہ سے ہے۔

تشریح: اصل بات یہ ہے کہ حربی کو دار الاسلام میں نہیں رہنے دینا چاہئے، کیونکہ وہ ہمارے خلاف جاسوسی کر سکتا ہے اور ہمارے خلاف مدد کر سکتا ہے، جس سے مسلمانوں کو نقصان ہوگا، لیکن مکمل بند کرنے میں غلہ کہاں سے آئے گا، حیوانات کا آنا بند ہو جائے اور تجارت کا دروازہ بند ہو جائے گا، اس لئے کچھ دنوں تک رہنے کی اجازت دی جا سکتی ہے، اور اس کی مدت ایک سال مقرر کی گئی ہے، کیونکہ ایک سال میں جزیہ لازم ہوتا ہے۔

لغت: عین: جاسوس: آنکھ۔ عونا علینا: ہمارے خلاف مدد کر سکتا ہے۔ میرۃ: کھانا، غلہ جسکو ذخیرہ کر کے رکھے۔ جلب: جو چیز ہانک کر دوسرے ملکوں سے لایا جائے، مثلا گھوڑا، بکری وغیرہ۔ سد: بند کرنا۔

ترجمہ: ۲؎ پھر اگر امام کے کہنے کے بعد سال پورا ہونے سے پہلے دار الحرب چلا گیا تو اس پر کچھ نہیں ہوگا اور اگر سال بھر ٹھہر گیا تو وہ ذمی ہے، اسلئے کہ امام کے کہنے کے بعد سال بھر تک ٹھہرا رہا تو اس نے خود ہی جزیہ لازم کر لیا اسلئے وہ ذمی ہو جائے گا۔

تشریح: امام کے کہنے کے بعد حربی دار الحرب چلا گیا تو کوئی بات نہیں ہے، لیکن کہنے کے باوجود ایک سال تک رہ گیا تو گویا

۳؎ وَلِلْإِمَامِ أَنْ يُؤَقِّتَ فِي ذٰلِكَ مَا دُونَ السَّنَةِ كَالشَّهْرِ وَالشَّهْرَيْنِ.

(۲۸۳۹) وَإِذَا أَقَامَهَا بَعْدَ مَقَالَةِ الْإِمَامِ يَصِيرُ ذِمِّيًّا لِمَا قُلْنَا ثُمَّ لا يُتْرَكُ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى دَارِ الْحَرْبِ؛ ۱؎ لِأَنَّ عَقْدَ الذِّمَّةِ لا يُنْقَضُ، كَيْفَ وَأَنَّ فِيهِ قَطْعَ الْجِزْيَةِ وَجَعْلَ وَلَدِهِ حَرْبًا عَلَيْنَا وَفِيهِ مَضَرَّةٌ بِالْمُسْلِمِينَ.

(۲۸۴۰) فَإِنْ دَخَلَ الْحَرْبِيُّ دَارَنَا بِأَمَانٍ وَاشْتَرَى أَرْضَ خَرَاجٍ فَإِذَا وُضِعَ عَلَيْهِ الْخَرَاجُ فَهُوَ ذِمِّيٌّ؛

کہ خود اپنے سے جزیہ لازم کیا ہے، اس لئے وہ ذمی بن جائے گا۔

لغت: تقدم الیہ: اس کو اس کا حکم دیا۔

ترجمہ: ۳؎ امام کو یہ بھی حق ہے کہ سال سے کم کی مدت متعین کر دے، مثلا ایک ماہ دو ماہ کے اندر اندر دار الحرب چلے جاؤ۔

تشریح: سال کی مدت تو زیادہ سے زیادہ ہے، لیکن امام کو یہ بھی حق ہے کہ ایک دو ماہ کی مدت متعین کرے اور کہے کہ اس کے اندر اندر دار الحرب چلے جاؤ۔

ترجمہ: (۲۸۳۹) پس اگر سال بھر ٹھہرا تو اس سے جزیہ لیا جائے گا اور وہ بھی ذمی ہوگا۔ اور اب دار الحرب واپس ہونے کی اجازت نہیں دے گا۔

ترجمہ: ۱؎ پھر عقد ذمہ ٹوٹتا نہیں ہے، اور کیسے توڑیں اس سے جزیہ کم ہو جائے گا، اور اس کی نسل حربی بن جائے گی جس میں مسلمانوں کا نقصان ہے۔

تشریح: امام کے کہنے کے باوجود حربی ایک سال تک دار الاسلام میں رہ گیا تو یہ اب خود ہی ذمی بن گیا، اب اس کو دار الحرب کو جانے کی اجازت نہیں ہوگی۔

وجہ: (۱) کیونکہ دار الحرب جائے گا تو اس سے جزیہ کم ہو جائے گا۔ اس کی نسل پھر حربی بن جائے گی جس کی وجہ سے مسلمانوں کا نقصان ہوگا، اس لئے اس کو دوبارہ دار الحرب جانے کی اجازت نہیں ہوگی (۲) ذمی پر جزیہ لازم کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے۔

عن معاذ ان النبی ﷺ لما وجهه الی الیمن امره ان یاخذ من کل حالم یعنی محتلما دینارا او عدله من المعافری ثیاب تکون بالیمن (ابو داؤد شریف، باب فی اخذ الجزیۃ، ص ۴۴۷، نمبر ۳۰۳۸ / بخاری شریف، باب الجزیۃ والموادعۃ مع اهل الذمۃ والحرب، ص ۴۴۶، نمبر ۳۱۵۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذمی کے سر پر جزیہ لازم کیا جائے گا۔

نوٹ: جو ذمی ہوتا ہے اس کے سر پر جزیہ لازم ہوتا ہے جو ہر سال میں ایک دینار ہے۔ اور اس کی تجارت کے مال میں بیسواں حصہ خراج لازم ہوگا۔ اور مسلمانوں کی تجارت کے مال میں چالیسواں حصہ زکوۃ لازم ہوتی ہے۔

ترجمہ: (۲۸۴۰) حربی دار الاسلام میں امن لیکر داخل ہوا اور اس نے خراجی زمین خریدی اور اس پر خراج لازم کر دیا گیا تو

لے لِأَنَّ خَرَاجَ الْأَرْضِ بِمَنْزِلَةِ خِرَاجِ الرَّأْسِ،فَإِذَاالْتَزَمَهُ صَارَمُلْتَزِمًاالْمَقَامَ فِيْ دَارِنَا.أَمَّابِمُجَرَّدِ الشِّرَاءِ لَايَصِيرُذِمِّيًّا؛لِأَنَّهُ قَدْ يَشْتَرِيهَالِلتِّجَارَةِ، ۲ وَإِذَا لَزِمَهُ خَرَاجُ الْأَرْضِ فَبَعْدَ ذٰلِكَ تَلْزَمُهُ الْجِزْيَةُ لِسَنَةٍ مُسْتَقْبَلَةٍ؛ لِأَنَّهُ يَصِيرُ ذِمِّيًّا بِلُزُومِ الْخَرَاجِ فَتُعْتَبَرُ الْمُدَّةُ مِنْ وَقْتِ وُجُوبِهِ. وَقَوْلُهُ فِيْ الْكِتَابِ فَإِذَا وُضِعَ عَلَيْهِ الْخَرَاجُ فَهُوَ ذِمِّيٌّ تَصْرِيحٌ بِشَرْطِ الْوَضْعِ فَيَتَخَرَّجُ عَلَيْهِ أَحْكَامٌ جَمَّةٌ فَلَا تَغْفُلُ عَنْهُ.

(۲۸۴۱)وَإِذَادَخَلَتْ حَرْبِيَّةٌ بِأَمَانٍ فَتَزَوَّجَتْ ذِمِّيًّاصَارَتْ ذِمِّيَّةً ؛ لے لِأَنَّهَاالْتَزَمَتْ الْمُقَامَ تَبَعًالِلزَّوْجِ.

حربی ذمی بن گیا۔

ترجمہ:لے اس لئے کہ زمین پرخراج سر پر خراج لازم کرنے کے درجے میں ہے،پس جب خراج لازم کرلیا تو دارالاسلام میں رہنے کا ٹھان لیا،صرف خراجی زمین خریدنے سے ذمی نہیں بنے گا اس لئے کہ کبھی تجارت کے لئے بھی خراجی زمین خریدتا ہے۔

اصول: یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ خراجی زمین خریدنے اوراس پرخراج واجب کرنے سے بھی حربی ذمی بن جاتا ہے۔جس طرح ایک سال ٹھہرنے سے ذمی بنتا ہے۔

تشریح:حربی ہمارے یہاں آیا اور خراجی زمین خریدی اوراس پرخراج واجب کیا تو جس وقت خراج واجب کیا اسی وقت سے وہ ذمی بن گیا،محض خراجی زمین خریدنے سے ذمی نہیں بنے گا کیونکہ کبھی تجارت کے لئے بھی خراجی زمین خریدتا ہے،ہاں خراج واجب کرے گا تب جا کر وہ ذمی بنے گا اوراس پر ذمی کے سارے احکام لاگو ہوں گے۔

ترجمہ:۲ اور جب زمین پرخراج لازم ہوا تو اس کے بعد اگلے سال کا جزیہ بھی لازم ہوجائے گا،اس لئے کہ خراج لازم ہونے سے ذمی ہو گیا تو خراج واجب ہونے کے وقت سے جزیہ کا اعتبار ہوگا۔

تشریح: جب سے خراج لازم ہوا اس وقت سے یہ ذمی بن گیا،اوراس وقت سے اگلے سال تک میں ایک سال پورا ہوگا، اور ذمی پر ایک سال کا جزیہ لازم ہوگا۔

ترجمہ:۳ جامع صغیر میں یہ جملہ ہے کہ جب خراج لازم ہوا تو وہ ذمی بن گیا یہ اس بات کی تصریح ہے کہ خراج واجب ہونے کی شرط سے ذمی بن جاتا ہے،اوراس پر ذمی کے بہت سے احکام متفرع ہوں گے اس لئے اس نکتہ کو نہیں بھولنا چاہئے۔

تشریح:متن میں ہے۔فاذا وضع علیہ الخراج فھو ذمی: یہ قاعدہ کلیہ ہے،کہ جب حربی پرخراج لازم ہوا تو وہ ذمی بن گیا،اور جب سے ذمی بنا تو اس وقت سے اس پر ذمی کے تمام احکام نافذ ہوں گے،اس لئے یہ جملہ قاعدہ کلیہ ہے اس کو بھولنا نہیں چاہئے۔

ترجمہ:(۲۸۴۱) اگر حربی عورت امن لیکر دارالاسلام داخل ہوئی اور کسی ذمی سے نکاح کرلیا تو وہ ذمیہ بن جائے گی۔

ترجمہ:لے اسلئے کہ شوہر کے تابع ہو کر یہاں رہنے کا التزام کرلیا[اس لئے وہ ذمی ہوجائے گی]

(۲۸۴۲) وَإِذَا دَخَلَ حَرْبِيٌّ بِأَمَانٍ فَتَزَوَّجَ ذِمِّيَّةً لَمْ يَصِرْ ذِمِّيًّا؛ لِ لِأَنَّهُ يُمْكِنُهُ أَنْ يُطَلِّقَهَا فَيَرْجِعُ إِلَى بَلَدِهِ فَلَمْ يَكُنْ مُلْتَزِمًا الْمُقَامَ.

(۲۸۴۳) وَلَوْ أَنَّ حَرْبِيًّا دَخَلَ دَارَنَا بِأَمَانٍ ثُمَّ عَادَ إِلَى دَارِ الْحَرْبِ وَتَرَكَ وَدِيعَةً عِنْدَ مُسْلِمٍ أَوْ ذِمِّيٍّ أَوْ دَيْنًا فِي ذِمَّتِهِمْ فَقَدْ صَارَ دَمُهُ مُبَاحًا بِالْعَوْدِ؛ لِأَنَّهُ أَبْطَلَ أَمَانَهُ

اصول: ذمی کے تابع ہوجائے تب بھی ذمی بن جائے گی۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: (۲۸۴۲) حربی امن لیکر دارالاسلام میں داخل ہوا اور ذمیہ سے شادی کی تو ذمی نہیں ہوگا۔

ترجمہ: لے اس لئے کہ ممکن ہے کہ اس کو طلاق دے دے اور اپنے شہر [دارالحرب] کی طرف لوٹ جائے اس لئے یہاں رہنے کا التزام نہیں کیا ہے [اس لئے وہ ذمی نہیں بنے گا]

اصول: مرد عورت کے تابع نہیں ہوتا اس لئے ذمیہ سے شادی کرنے سے حربی ذمی نہیں بنے گا، ہاں سال بھر تک رہ جائے گا تو اس سال بھر کے رہنے سے ذمی بن جائے گا۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: (۲۸۴۳) اگر دارالحرب لوٹ گیا اور مسلمان یا ذمی کے پاس امانت چھوڑ گیا یا ان کے ذمہ قرض چوڑ گیا تو واپس جانے کی وجہ سے اس کا خون مباح ہوگا۔

ترجمہ: لے کیونکہ دارالحرب جانے کی وجہ سے اس کا امن ختم ہوگیا۔

تشریح: جو حربی دارالاسلام میں آکر ذمی بن گیا اس کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ دارالحرب واپس نہ جائے۔ لیکن اگر چلا گیا تو شرط توڑنے کی وجہ سے ذمی نہیں رہا بلکہ حربی ہوگیا اور اس کا خون مباح ہوگیا۔

وجہ: (۱) ذمی کو دارالحرب میں گھر بنانے کی اجازت دی جائے تو وہ جاسوسی کرے گا اور ہمارے خلاف تعاون کرے گا اس لئے یا ذمی بن کر دارالاسلام میں ہمیشہ رہے یا دارالحرب میں رہائش پذیر ہوجائے اور حربی ہوجائے۔ پس اگر وہ حربی ہوگیا تو اس پر حربی کا حکم جاری ہوگا اور وہ یہ کہ اس کو قتل کرنا حلال ہوگا (۲) شرط کے خلاف کرنے سے مباح الدم ہوجاتا ہے حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن ابن عمرؓ ان النبی ﷺ قاتل اهل خيبر فغلب على الارض والنخل والجأهم الى قصرهم فصالحوه على ان لرسول الله ﷺ الصفراء والبيضاء والحلقة ولهم ما حملت ركابهم على ان لا يكتموا ولا يغيبوا شيئا فان فعلوا فلا ذمة لهم ولا عهد فغيبوا مسكا لحيى بن اخطب ... فوجدوا

(۲۸۴۴) وَمَا فِيْ دَارِ الْإِسْلَامِ مِنْ مَالِهِ عَلَى خَطَرٍ، فَإِنْ أُسِرَ أَوْ ظُهِرَ عَلَى الدَّارِ فَقُتِلَ سَقَطَتْ دُيُوْنُهُ وَصَارَتْ الْوَدِيعَةُ فَيْئًا.

المسک فقتل ابن ابی الحقیق وسبی نساء ھم وذراریھم (ابوداؤد شریف، باب ما جاء فی حکم ارض خیبر، ص ۶۸، نمبر ۳۰۰۶) اس حدیث میں حی بن اخطب کے مشک کو چھپا کر عہد کی خلاف ورزی کی تو ابن ابی حقیق کو قتل کیا گیا اور اس کی اولاد کو قید کر لیا گیا۔ اسی طرح یہاں ذمی نے عہد کی خلاف ورزی کی تو وہ حربی بن جائے گا اور اس کا خون مباح ہو جائے گا (۳) قول تابعی میں ہے۔ سئل عن عطاء عن الرجل من اھل الذمۃ یوخذ فی اھل الشرک وقد اشترط علیھم ان لا یأتیھم فیقول لم اردعونھم فکرہ قتلہ الا ببینۃ فقال لہ بعض اھل العلم اذا نقض شیئا واحدا مما علیہ فقد نقض الصلح (مصنف عبد الرزاق، باب المشرک یأتی المسلم بغیر عھد، ج خامس، ص ۱۹۸، نمبر ۹۷۱۷) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ ذمی حربیوں کے درمیان چلا جائے تو عہد ٹوٹ گیا اس لئے وہ حربی ہو گیا اور اس کا خون حربیوں کی طرح مباح ہو گیا۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جو دار الحرب بھاگ گیا وہ حربی ہو گیا اور اس کا خون اور اس کا مال مباح ہو گیا۔

لغت: ودیعۃ : امانت۔

ترجمہ: (۲۸۴۴) اور جو دار الاسلام میں اس کا مال ہو وہ خطرے میں ہو گیا۔ پس اگر قید کر لیا گیا یا دار الحرب پر غلبہ ہو گیا اور قتل کیا گیا تو اس کا قرض ساقط ہو جائے گا اور امانت غنیمت ہو جائے گی۔

تشریح: اس حربی کی دو حالتیں ہیں، اور دونوں کا حکم الگ الگ ہے اس کو ملاحظہ فرمائیں

[۱] پہلی حالت۔ یہاں دار الحرب مجاہدین کے قبضے میں آ گیا اس لئے حربی کا جو مال دار الاسلام میں تھا وہ سب مال غنیمت میں آیا گیا، پھر حربی نے مجاہدین سے جنگ کیا تھا اور اس میں قتل بھی ہوا ہے اس لئے وہ محکوم ہوا اور اس کے تابع ہو کر اس کا مال بھی غنیمت میں شمار ہو گیا، اس لئے جو مال امانت کا تھا وہ مال غنیمت ہو گیا، اور جو قرض کا تھا وہ مقروض کے پاس ہی رہ جائے گا۔

وجہ: (۱) قرض کا مال قرض والے کے پاس اس لئے رہ جائے گا کہ مال مباح پر جس کا قبضہ ہو جائے وہ اسی کا ہو جاتا ہے۔ یہاں قرض والے کا پہلے سے قبضہ ہے اس لئے قرض والے کے پاس ہی رہ جائے گا۔ اس سے واپس لیکر مال غنیمت میں تقسیم نہیں کیا جائے گا (۲) حدیث میں ہے۔ عن ابیھا اسمر بن مضرس قال اتیت النبی ﷺ فبایعتہ فقال من سبق الی ما لم یسبقہ الیہ سلم فھو لہ (ابوداؤد شریف، باب فی اقطاع الارضین، ص ۸۷، نمبر ۳۰۷۱) اس حدیث میں ہے کہ جس کا پہلے قبضہ ہو جائے وہ مال اسی کا ہے۔

۱؎ أَمَّاالْوَدِيعَةُ فَلِأَنَّهَا فِيْ يَدِهِ تَقْدِيرًا؛لِأَنَّ يَدَالْمُودَ عِ كَيَدِهِ فَيَصِيرُ فَيْئًاتبَعًا لِنَفْسِهِ، ۲؎ وَأَمَّا الدَّيْنُ فَلِأَنَّ إِثْبَاتَ الْيَدِ عَلَيْهِ بِوَاسِطَةِ الْمُطَالَبَةِ وَقَدْ سَقَطَتْ، وَيَدُ مَنْ عَلَيْهِ أَسْبَقُ إِلَيْهِ مِنْ يَدِ الْعَامَّةِ فَيَخْتَصُّ بِهِ.

(۲۸۴۵)وَإِنْ قُتِلَ وَلَمْ يُظْهَرْ عَلَى الدَّارِفَالْقَرْضُ الْوَدِيعَةُ لِوَرَثَتِهِ ۱؎ وَكَذَلِكَ إِذَا مَاتَ؛ لِأَنَّ نَفْسَهُ لَمْ تَصِرْ مَغْنُومَةً فَكَذَلِكَ مَالُهُ، وَهَذَا لِأَنَّ حُكْمَ الْأَمَانِ بَاقٍ فِيْ مَالِهِ فَيُرَدُّ عَلَيْهِ أَوْ عَلىٰ وَرَثَتِهِ مِنْ بَعْدِهِ.

اورامانت کا مال کسی کے قبضے میں نہیں ہے وہ تو حقیقت میں حربی ہی کا ہے اس لئے وہ غنیمت میں آکر مجاہدین میں تقسیم ہوگا۔

وجه:اوپر ابن ابی الحقیق والی حدیث میں گزرا کہ عہد توڑنے کی وجہ سے وہ قتل کیا گیا اوراس کی اولاد اور بیوی قید کر لی گئی۔ عن ابن عمرؓ ان النبی ﷺ قاتل اهل خيبر فغلب على الارض والنخل ... فوجدوا المسک فقتل ابن ابی الحقيق وسبى نساء هم وذراريهم (ابوداؤد شریف، باب ما جاء فی حکم ارض خیبر، ص ۶۸، نمبر ۳۰۰۶) اس حدیث میں ہے کہ عہد توڑنے والے کا مال غنیمت ہوگا۔ کیونکہ یہودیوں کے ساتھ شرط یہ تھی کہ کوئی چیز چھپائے نہیں۔ اور ابن ابی الحقیق نے حیی بن اخطب کا مشک چھپایا اور عہد توڑا اس لئے وہ قتل کیا گیا۔

ترجمه:۱؎ امانت کے بارے میں صورت یہ ہے کہ امین کا قبضہ گویا کہ حربی کا قبضہ ہے، اس لئے مال حربی کے تابع ہوکر غنیمت ہو جائے گا۔

تشریح:حربی نے جس کے پاس امانت رکھا تھا اس امین کا قبضہ گویا کہ حربی کا قبضہ ہے اس لئے حربی کے تابع ہوکر یہ مال بھی غنیمت میں شامل ہو جائے گا۔

ترجمه:۲؎ اورقرضہ کے بارے میں حکم یہ ہے کہ جس کے پاس قرضہ ہے اسکا قبضہ ثابت ہے مطالبہ کی وجہ سے اور ربی کی موت کی وجہ سے اسکا مطالبہ ختم ہوگیا، اور عام لوگوں کے قبضے کی بنسبت مقروض کا قبضہ پہلے ہے اسلئے چیز اسی کی رہ جائے گی۔

تشریح:حربی مطالبہ کرے گا تو قرضے والے کے پاس سے قرضہ ملے گا، اور حربی کی موت کی وجہ سے اس کا مطالبہ ساقط ہو گیا، اس لئے جس کے پاس رقم تھی اسی کی رہ گئی، دوسری وجہ یہ ہے کہ مجاہدین کا قبضہ بعد میں ہے اور مقروض کا قبضہ پہلے ہے اس لئے مقروض کو رقم مل جائے گی۔

ترجمه:(۲۸۴۵) اور اگر دار الحرب پر قبضہ نہیں ہوا، اور وہ حربی قتل کیا گیا تو قرض اور امانت کا مال حربی کے ورثہ کو ملے گا۔

ترجمه:۱؎ ایسے ہی حربی خود بخود مر گیا اور اس کا مال غنیمت نہیں بنا تو اس کا مال اس کے ورثہ کو ملے گا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ امن کا حکم اس کے مال کے بارے میں کسی نہ کسی درجے میں باقی ہے، اس لئے مال حربی کو لوٹا دیا جائے گا، اور اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثہ کو ملے گا۔

(۲۸۴۶)قَالَ: وَمَا أَوْجَفَ الْمُسْلِمُونَ عَلَيْهِ مِنْ أَمْوَالِ أَهْلِ الْحَرْبِ بِغَيْرِ قِتَالٍ يُصْرَفُ فِي مَصَالِحِ الْمُسْلِمِينَ كَمَا يُصْرَفُ الْخَرَاجُ ۱؎ قَالُوا: هُوَ مِثْلُ الْأَرَاضِي الَّتِي أَجْلَوْا أَهْلَهَا عَنْهَا وَالْجِزْيَةِ وَلَا خُمُسَ فِي ذَلِكَ.

اصول: دار الحرب پر قبضہ نہیں ہوا تو اس حربی کا مال غنیمت نہیں ہوا اس لئے اس کا مال اس کے ورثہ کو ملے گا۔

تشریح: [۲] یہ دوسری صورت ہے۔ دار الحرب پر قبضہ نہیں ہوا اس لئے حربی کی جان اور اس کا مال غنیمت نہیں ہوئی، اس لئے حربی قتل کیا گیا ہو، یا اپنی موت مرا ہو دونوں صورتوں میں اس کا مال اس کے ورثہ کو ملے گا۔

وجہ: کیونکہ پچھلے امن لینے کا اثر ابھی بھی باقی ہے، اس لئے حربی زندہ ہے اس کو ملے گا، اور وہ مر گیا ہے تو اس کے ورثہ کو ملے گا۔

لغت: اسرو : قید کیا گیا، مشتق ہے اسیر سے، فیئا : مال غنیمت۔

ترجمہ: (۲۸۴۶) مسلمانوں نے جو کچھ اہل حرب کا مال لیا بغیر قتال کے تو وہ مسلمانوں کی مصلحت میں خرچ کیا جائے گا، جیسے کہ خراج کا مال خرچ کیا جاتا ہے۔

ترجمہ: ۱؎ علماء نے فرمایا جیسے وہ زمین جس سے وہاں کے لوگوں کو بھگا دیا گیا، یا جزیہ کا مال، اور اس میں خمس نہیں ہے۔

اصول: اس متن میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جس مال کو مجاہدین لڑ کر حاصل نہ کیا ہو بلکہ بغیر لڑے حاصل ہوا ہو اس میں خمس بھی نہیں ہے، اور وہ مال مجاہدین میں بھی تقسیم نہیں ہوگا، پورا مال مسلمانوں کی مصلحت میں خرچ ہوگا۔

تشریح: قتال کے بغیر صرف رعب سے وہ لوگ جھک گئے اور صلح کر لی تو اس مال کو فیئ کہتے ہیں۔ اس میں سے پانچواں حصہ نکال کر باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم نہیں کریں گے۔ بلکہ پورا مال بیت المال میں جمع کر دیا جائے گا اور مسلمانوں کی مصلحت میں خرچ کیا جائے گا۔ جس طرح خراج کا مال مسلمانوں کی مصلحتوں میں خرچ کیا جاتا ہے۔

وجہ: (۱) مال غنیمت اور مال فیئ کا فرق اس قول تابعی میں مذکور ہے۔ عن الثوری قال الفیئ و الغنیمة مختلفان، اما الغنیمة فما اخذ المسلمون فصار فی ایدیھم من الکفار و الخمس فی ذلک الی الامیر، یضعه حیث ما امر الله، والاربعة الاخماس الباقیة للذین غنموا الغنیمة، والفیئ ماوقع من صلح بین الامام و الکفار فی اعناقھم وارضھم وزرعھم وفیما صولحوا علیه مما لم یأخذه المسلمون عنوة، ولم یحوزوه ولم یقهروه علیه حتی وقع فیه بینھم صلح، قال فذلک الصلح الی الامام یضعه حیث امر الله (مصنف عبد الرزاق، باب الغنیمة والفیئ مختلفان، ج خامس، ص ۲۰۹، نمبر ۹۷۷۸) اس قول تابعی میں مال غنیمت اور مال فیئ کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے اور بتایا کہ صلح کے مال کو مال فیئ کہتے ہیں۔ مال فیئ کو امور المسلمین میں خرچ کرے (۱) اس کی دلیل یہ آیت ہے۔ ما افاء الله علی رسوله من

۲؎ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: فِيهِمَا الْخُمُسُ اعْتِبَارًا بِالْغَنِيمَةِ. ۳؎ وَلَنَا مَا رُوِيَ " أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَخَذَ الْجِزْيَةَ " وَكَذَا عُمَرُ وَمُعَاذٌ، وَوُضِعَ فِي بَيْتِ الْمَالِ وَلَمْ يُخَمَّسْ،

اهل القرى فلله وللرسول ولذى القربى واليتمٰى والمساكين وابن السبيل كى لا يكون دولة بين الاغنياء منكم (آیت ۷، سورۃ الحشر ۵۹) اس آیت میں ہے۔اللہ نے جوفئی دیاوہ رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ اس میں خمس بھی نہیں ہے۔اور مجاہدین میں بھی تقسیم نہیں کیا جائے گا، بلکہ امت کی مصلحت میں خرچ کیا جائے گا (۲) حدیث میں اس کی تائید ہے۔عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال ايماقرية افتتحها الله ورسوله فهى لله ولرسوله ،وايما قرية افتتحها المسلمون عنوة فخمسها لله ولرسوله وبقيتها لم قاتل عليها (ج) (سنن للبیہقی، باب من رای قسمۃ الاراضی المغنومۃ ومن لم یرھا، ج تاسع، ص ۲۳۴، نمبر ۱۸۳۹۳) اس حدیث میں ہے جس کو مجاہدین نے فتح کیا اس میں مجاہدین کے چار حصے ہیں، اور جس کو مجاہدین نے فتح نہیں کیا بلکہ مسلمانوں کے رعب سے دشمن نے صلح کر لی وہ سب مال نوائب المسلمین کے لئے ہوگا اور اس کی مصلحتوں میں خرچ کیا جائے گا (۳) حدیث میں ہے جس کی طرف صاحب ہدایہ نے اشارہ کیا ہے۔ عن ابن عباسؓ قال صالح رسول الله ﷺ اهل نجران على الفئ حلة النصف فى صفر والنصف فى رجب يودونها الى المسلمين (ابوداؤد شریف، باب فی اخذ الجزیۃ، ج ۲، ص ۷۴، نمبر ۳۰۴۱) اس حدیث میں ہے کہ اہل نجران سے جو صلح ہوئی تھی اس مال میں خمس نہیں لیا جاتا تھا۔اور نہ مجاہدین میں تقسیم ہوتا تھا۔ بلکہ پورا مال مسلمانوں کے کام آتا تھا۔(۴) اس کی طرف بھی صاحب ہدایہ نے اشارہ کیا ہے۔ان عمر بن عبد العزيز كتب ان من سال عن مواضع الفئى فهو ما حكم فيه عمر ابن الخطاب فراه المومنون عدلا موافقا لقول النبى ﷺ جعل الله الحق على لسان عمر و قلبه ، فرض الاعطية للمسلمين و عقد لاهل الاديان ذمة بما فرض عليهم من الجزية لم يضرب فيها بخمس و لا مغنم ۔(ابوداود شریف، باب فی تدوین العطاء، ص ۴۳۰، نمبر ۲۹۶۱) اس حدیث میں ہے کہ جو مال غنیمت کا نہ ہو اس میں خمس نہیں ہے اور مجاہدین میں بھی تقسیم نہیں کیا جائے گا۔

لغت: اوجف : گھوڑا دوڑانا، یہاں مراد ہے دوڑ کر مال جمع کر لینا۔

ترجمہ: ۲؎ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اس مال میں خمس ہوگا مال غنیمت پر قیاس کرتے ہوئے۔

تشریح: حضرت امام شافعیؒ اس مال میں بھی خمس کے قائل ہیں، جس طرح مال غنیمت میں خمس دیا جاتا ہے۔

ترجمہ: ۳؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضورؐ نے مقام ہجر کے مجوس سے جزیہ لیا تھا، ایسے ہی حضرت عمر نے اہل عراق سے جزیہ لیا تھا، اور حضورؐ نے حضرت معاذؓ کو جزیہ لینے کا حکم دیا تھا اور اس کو بیت المال میں رکھا اور اس میں خمس نہیں لیا گیا۔

۴؎ وَلِأَنَّهُ مَالٌ مَأْخُوذٌ بِقُوَّةِ الْمُسْلِمِينَ مِنْ غَيْرِ قِتَالٍ، بِخِلَافِ الْغَنِيمَةِ؛ لِأَنَّهُ مَمْلُوكٌ بِمُبَاشَرَةِ الْغَانِمِينَ وَبِقُوَّةِ الْمُسْلِمِينَ فَاسْتَحَقَّ الْخُمُسَ بِمَعْنًى وَاسْتَحَقَّهُ الْغَانِمُونَ بِمَعْنًى، وَفِي هٰذَا السَّبَبِ وَاحِدٌ، وَهُوَ مَا ذَكَرْنَاهُ فَلَا مَعْنَى لِإِيجَابِ الْخُمُسِ.

(۲۸۴۷) وَإِذَا دَخَلَ الْحَرْبِيُّ دَارَنَا بِأَمَانٍ وَلَهُ امْرَأَةٌ فِي دَارِ الْحَرْبِ وَأَوْلَادٌ صِغَارٌ وَكِبَارٌ وَمَالٌ أَوْدَعَ بَعْضَهُ ذِمِّيًّا وَبَعْضَهُ حَرْبِيًّا وَبَعْضَهُ مُسْلِمًا فَأَسْلَمَ هَاهُنَا ثُمَّ ظُهِرَ عَلَى الدَّارِ فَذَلِكَ كُلُّهُ فَيْءٌ ا؎ أَمَّا الْمَرْأَةُ وَأَوْلَادُهُ الْكِبَارُ فَظَاهِرٌ؛ لِأَنَّهُمْ حَرْبِيُّونَ كِبَارٌ وَلَيْسُوا بِأَتْبَاعٍ، وَكَذَلِكَ مَا فِي بَطْنِهَا لَوْ

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ حضورؐ نے حضرت عمرؓ نے اور حضرت معاذؓ نے جزیہ لیا اور اسکو بیت المال میں رکھا اور اس میں خمس نہیں نکالا، اسی طرح وہ مال جو بغیر لڑے حاصل ہوا ہے اس میں خمس نہیں نکالا جائے گا، بلکہ پورا مال مسلمانوں کی مصلحت میں صرف کیا جائے گا۔

وجہ: حضورؐ نے ہجر کے مجوس سے جزیہ لیا، حضرت معاذ نے اہل یمن سے جزیہ لیا اسکا ذکر اس حوالے میں ہے (ابوداود شریف، باب فی اخذ الجزیہ، ص ۴۴۵، نمبر ۳۰۴۱/ ۳۰۳۸/ ابوداود شریف، باب فی اخذ الجزیہ من المجوس، ص ۴۴۵، نمبر ۳۰۴۳)

ترجمہ: ۴؎ اور اس لئے کہ یہ مال بغیر قتال کے مسلمانوں کی قوت سے لیا گیا ہے، بخلاف غنیمت کے اس لئے کہ وہ مجاہدین کی شرکت سے آئی ہے اور مسلمانوں کی قوت سے بھی آئی ہے اس لئے اس میں خمس کا مستحق ہوا اور ایک معنی سے مجاہد بھی اس کے مستحق ہوئے، اور یہاں فیئ میں ایک ہی سبب ہے اور وہ ہے جس کو ہم نے ذکر کیا اس لئے خمس کے واجب کرنے کا کوئی معنی نہیں ہے۔

تشریح: اس لمبی عبارت میں یہ کہہ رہے ہیں۔ مال غنیمت دو آدمیوں کی کوشش سے حاصل ہوتا ہے، ایک ہے مسلم امہ کا رعب، اور دوسرا ہے مجاہدین کا قتال، چونکہ یہ دونوں کی شراکت سے مال غنیمت حاصل ہوتا ہے، اس لئے ایک خمس مسلم امہ کو دیا گیا، اور باقی چار حصے مجاہدین کو دیا گیا۔ اور فیئ کا مال صرف مسلم امہ کے رعب سے حاصل ہوتا ہے، اس لئے اس میں خمس نہیں ہے، پورا مال مسلم امہ کو دیا جائے گا۔

ترجمہ: (۲۸۴۷) اگر کوئی حربی دار الاسلام میں داخل ہو جائے اور اس کی بیوی، اور چھوٹی اولاد، اور بڑی اولا دار الحرب میں ہیں۔ اور مال ذمی کے پاس، اور حربی کے پاس، اور مسلمان کے پاس امانت رکھا اور حربی دار الاسلام میں مسلمان ہو گیا پھر دار الحرب پر قبضہ ہو گیا تو سب مال غنیمت ہو جائے گا۔

ترجمہ: ا؎ بیوی اور بڑی اولا د تو اس لئے کہ وہ حربی ہیں بڑے ہیں اور باپ کے تابع نہیں ہیں، ایسے ہی جو حمل ماں کے پیٹ میں ہے وہ بھی ماں کے تابع ہے اس لئے دلیل کی وجہ سے جو ہم نے کہا [کہ یہ باپ کے تابع نہیں ہے] اور چھوٹی اولا د اس

كَانَتْ حَامِلًا لِمَا قُلْنَا مِنْ قَبْلُ. وَأَمَّا أَوْلَادُهُ الصِّغَارُ فَلِأَنَّ الصَّغِيرَ إِنَّمَا يَصِيرُ مُسْلِمًا تَبَعًا لِإِسْلَامِ أَبِيهِ إِذَا كَانَ فِي يَدِهِ وَتَحْتَ وِلَايَتِهِ، وَمَعَ تَبَايُنِ الدَّارَيْنِ لَا يَتَحَقَّقُ ذَلِكَ، وَكَذَا أَمْوَالُهُ لَا تَصِيرُ مُحْرَزَةً بِإِحْرَازِهِ نَفْسَهُ لِاخْتِلَافِ الدَّارَيْنِ فَيَبْقَى الْكُلُّ فَيْئًا وَغَنِيمَةً.

(۲۸۴۸) وَإِنْ أَسْلَمَ فِي دَارِ الْحَرْبِ ثُمَّ جَاءَ فَظَهَرَ عَلَى الدَّارِ فَأَوْلَادُهُ الصِّغَارُ أَحْرَارٌ مُسْلِمُونَ ۱؎ تَبَعًا لِأَبِيهِمْ؛ لِأَنَّهُمْ كَانُوا تَحْتَ وِلَايَتِهِ حِينَ أَسْلَمَ إِذْ الدَّارُ وَاحِدَةٌ.

وقت مسلمان کے تابع ہوتی ہے جب اس کے قبضے میں ہو اور اس کی ولایت میں ہو اور یہاں چھوٹی اولا د دار الحرب میں ہے اس لئے تابع نہیں ہوگی، ایسے ہی اپنی ذات کو محفوظ کرنے سے مال محفوظ نہیں ہوگا اس لئے کہ اختلاف دارین ہے اس لئے سب فئی اور غنیمت ہو جائے گی۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ حربی دار الاسلام میں مسلمان ہونے کی وجہ سے دار الحرب کی کوئی چیز اس کے تابع نہیں ہو گی، اس لئے دار الحرب پر قبضہ ہونے کی وجہ سے سب مال غنیمت ہو جائے گی۔

تشریح: حربی امن لیکر دار الاسلام آیا اور یہاں مسلمان ہو گیا، اب اس کی بیوی، اس کی بڑی اولا د، اس کی چھوٹی اولا د دار الحرب میں ہیں، اور اس کا مال کچھ ذمی کے پاس، کچھ حربی کے پاس اور کچھ مسلمان کے پاس دار الحرب میں امانت ہے، اس دوران دار الحرب پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا، تو یہ سب فئی ہو جائے گی۔ یہاں پانچ قسم کی چیزیں ہیں پانچوں کے احکام سنیں۔

وجہ: [۱] بیوی تو دار الحرب میں ہونے کی وجہ سے اس کے تابع نہیں ہے، [۲] اسی طرح بڑی اولا د بڑی ہونے کی وجہ سے اس کے تابع نہیں ہیں، اس لئے دار الحرب جب مال غنیمت ہوا تو یہ دونوں بھی مال غنیمت میں شمار ہوں گے۔ [۳] اور چھوٹی اولا د اس وقت اس کے تابع ہوتی جب وہ دار الاسلام میں ہوتی، وہ تو دار الحرب میں ہیں اس لئے وہ دار الحرب کے تابع ہو کر غنیمت ہوں گی [۴] بیوی کے اندر جو حمل ہے وہ بھی بیوی کے تابع ہے اس لئے وہ بھی بیوی کے ساتھ فئی ہوگی [۵] جو مال ہے وہ بھی دار الحرب میں ہونے کی وجہ سے اس مسلمان کے تابع نہیں ہے اور محفوظ نہیں ہے اس لئے دار کے ساتھ وہ بھی فئی ہو جائے گا۔

ترجمہ: (۲۸۴۸) اگر حربی نے دار الحرب میں اسلام لایا پھر وہ دار الاسلام چلا آیا بعد میں اس کے ملک پر قبضہ ہو گیا تو چھوٹی اولا د آزاد ہوگی اور باپ کے تابع ہو کر مسلمان ہوگی۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ باپ جب دار الحرب میں مسلمان ہوا بچہ اس کی ولایت میں تھی، کیونکہ وہ دار الحرب ہی میں تھا۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ باپ کے مسلمان ہوتے وقت چھوٹی اولا د اس کی ولایت میں ہو تو وہ مسلمان ہو گئی اس لئے بعد میں بھی وہ باپ کے تابع ہو کر مسلمان ہوگی۔

(۲۸۴۹) وَمَا كَانَ مِنْ مَالٍ أَوْدَعَهُ مُسْلِمًا أَوْ ذِمِّيًّا فَهُوَ لَهُ ؛ ا لِأَنَّهُ فِي يَدٍ مُحْتَرَمَةٍ وَيَدُهُ كَيَدِهِ

(۲۸۵۰) وَمَا سِوَى ذَلِكَ فَيْءٌ ا أَمَّا الْمَرْأَةُ وَأَوْلَادُهُ الْكِبَارُ فَلِمَا قُلْنَا .وَأَمَّا الْمَالُ الَّذِي فِي يَدِ الْحَرْبِي ؛ فَلِأَنَّهُ لَمْ يَصِرْ مَعْصُومًا ؛ لِأَنَّ يَدَ الْحَرْبِيِّ لَيْسَتْ يَدًا مُحْتَرَمَةً.

(۲۸۵۱) وَإِذَا أَسْلَمَ الْحَرْبِيُّ فِي دَارِ الْحَرْبِ فَقَتَلَهُ مُسْلِمٌ عَمْدًا أَوْ خَطأً وَلَهُ وَرَثَةٌ مُسْلِمُونَ هُنَاكَ فَلا شَيْءَ عَلَيْهِ إِلَّا الْكَفَّارَةُ فِي الْخَطَأ

تشریح :حربی باپ دارالحرب ہی میں مسلمان ہوا،اس لئے اس چھوٹا بچہ مسلمان شمار کیا گیا،اس لئے اب دارالحرب پر قبضے کے بعد بچہ مسلمان سمجھا جائے گا اور آزاد ہوگا، کیونکہ مسلمان کو غلام نہیں بنایا جاتا ہے۔

ترجمه :(۲۸۴۹)مسلمان اور ذمی کے پاس جو مال امانت ہے وہ اس آدمی کا ہوگا۔

ترجمه:ا کیونکہ مسلمان اور ذمی کا قبضہ محترم قبضہ ہے۔

تشریح :حربی دارالحرب میں مسلمان ہوا تھا اور اس کا مال مثلا زید مسلمان اور عمر ذمی کے پاس امانت ہے تو مسلمان کا اور ذمی کا قبضہ محترم ہے اس لئے ان دونوں کا قبضہ حربی مسلمان کے قبضے کی طرح محفوظ ہے اس لئے یہ مال حربی مسلمان کو مل جائے گا،دارالحرب کے مقبوض کی وجہ مال فئی نہیں بنے گا۔

ترجمه:(۲۸۵۰)اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ فئی ہوگا۔

ترجمه:ا بہر حال بیوی اور بڑی اولا د تو فئی ہوگی اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے کہا کہ [وہ حربی مسلمان کے تابع نہیں ہے] اور مال جو حربی کے قبضے میں ہے تو محفوظ نہیں ہے اس لئے کہ حربی کا قبضہ محترم قبضہ نہیں ہے۔

تشریح :بیوی اور بڑی اولاد حربی مسلمان کے تابع نہیں ہیں اس لئے دارالحرب کے تابع ہو کر وہ فئی بنے گی،اور جو مال حربی کے پاس امانت ہے،تو حربی کا قبضہ محترم قبضہ نہیں ہے اس لئے وہ بھی حربی کے تابع ہو کر فئی بن جائے گا۔ یہ مال حربی مسلمان کے تابع نہیں ہے اس لئے یہ فئی بنے گا۔

ترجمه :(۲۸۵۱) حربی آدمی دارالحرب میں مسلمان ہو گیا،اور اس کو کسی مسلمان نے جان کر قتل کر دیا،یا غلطی سے قتل کر دیا ،اور دارالحرب میں اس کا مسلمان ورثہ موجود ہے تو قاتل پر نہ قصاص ہے اور نہ دیت ہے،صرف قتل خطاء میں کفارہ ہے۔

اصول :امام ابوحنیفہؒ کا اصول۔چونکہ دارالحرب میں مسلمان ہوا ہے اور دارالحرب ہی میں قتل ہوا ہے اس لئے دارالاسلام کا قانون قصاص یا دیت لازم نہیں ہوگا، بلکہ دارالحرب کا قانون لازم ہوگا،البتہ چونکہ قاتل مسلمان ہے اس لئے مسلمان ہونے کی وجہ سے اس پر قتل خطاء میں کفارہ لازم ہوگا۔

ل وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: تَجِبُ الدِّيَةُ فِي الْخَطَإِ وَالْقِصَاصُ فِي الْعَمْدِ؛ لِأَنَّهُ أَرَاقَ دَمًا مَعْصُومًا لِوُجُودِ الْعَاصِمِ وَهُوَ الْإِسْلَامُ لِكَوْنِهِ مُسْتَجْلِبًا لِلْكَرَامَةِ، وَهَذَا؛ لِأَنَّ الْعِصْمَةَ أَصْلُهَا الْمُؤْثِمَةُ؛ لِحُصُولِ أَصْلِ الزَّجْرِ بِهَا وَهِيَ ثَابِتَةٌ إجْمَاعًا، وَالْمُقَوِّمَةُ كَمَالٌ فِيهِ لِكَمَالِ الِامْتِنَاعِ بِهِ فَيَكُونُ وَصْفًا فِيهِ فَتَتَعَلَّقُ بِمَا عُلِّقَ بِهِ الْأَصْلُ.

اصول: امام شافعیؒ کا اصول یہ ہے کہ چونکہ قتل کرنے والا مسلمان ہے، اور مقتول بھی مسلمان ہے اس لئے اسلام کا قانون دار الحرب میں بھی چلے گا، اور قاتل پر قتل عمد میں دیت لازم ہوگی اور قتل خطاء میں دیت بھی لازم ہوگی اور کفارہ بھی لازم ہوگا۔

تشریح: حربی دار الحرب میں اسلام لایا، اس کو کسی مسلمان نے قتل کر دیا اور دار الحرب میں اس کا ورثہ بھی موجود ہے تو قتل عمد میں قاتل پر قصاص لازم نہیں ہوگا اور نہ دیت لازم ہوگی، اور قتل خطاء میں دیت لازم نہیں ہوگی، صرف قتل خطاء میں کفارہ لازم ہوگا۔

وجہ: (۱) اوپر بتایا کہ یہ قتل دار الحرب میں ہوا ہے اس لئے وہاں کا قانون چلے گا، وہاں اسلام کا قانون نہیں چلے گا۔ (۲) آیت میں ہے کہ دوسری قوم یعنی دار الحرب میں ہوا اور قتل ہو گیا تو اس کا تاوان صرف غلام آزاد کرنا کفارہ ہے، دیت نہیں ہے، آیت یہ ہے۔ فان کان من قوم عدو لکم و هو مومن فتحریر رقبة مومنة (آیت ۹۲، سورۃ النساء ۴)

ترجمہ: ل امام شافعیؒ نے فرمایا کہ قتل خطاء میں دیت لازم ہوگی، اور قتل عمد میں قصاص لازم ہوگا اس لئے کہ معصوم خون کو بہایا ہے کیونکہ وہ مسلمان ہے، کیونکہ اسلام عزت کو کھینچتا ہے، اس لئے کہ عصمت کی اصل ہے کہ وہ گنہگار ہوگا، کیونکہ اسلام کی وجہ سے اس کو گناہ سے روکنے والی چیز موجود ہے، اور یہی اجماعا ثابت ہے، اور قیمت کا لازم ہونا اس میں کمال ہے کیونکہ اسلام کی وجہ سے اس میں امتناع کمال ہے اس لئے کہ قیمت لازم ہونا صفت بنے گی، اور جس پر اصل معلق ہے اس پر صفت بھی معلق ہوگی۔

تشریح: یہاں عبارت پیچیدہ ہے۔ امام شافعیؒ کے یہاں چونکہ قاتل مسلمان ہے اس لئے دار الحرب میں بھی اسلامی قانون نافذ ہوگا، اور قتل عمد میں قصاص اور قتل خطاء میں دیت لازم ہوگی۔

وجہ: قاتل مسلمان ہے اور مقتول بھی مسلمان ہے، اس لئے قتل کرنے کی وجہ سے گناہ ہوگا، اور گناہ کو دھونے کے لئے قصاص اور دیت لازم ہوگی۔

لغت: معصوم: یہاں تین الفاظ استعمال ہوئے ہیں اسکی وضاحت یہ ہے۔ معصوم: محفوظ، یعنی اس اسلام کی وجہ سے اسکا خون بہانا گناہ ہے۔ مؤثمۃ: اثم سے مشتق ہے، گناہ کی چیز۔ مقومۃ: جس کی قیمت لگتی ہو، مسلمان کی جان کی قیمت لگتی ہے یعنی اسکی دیت یا قصاص ہے اسلئے وہ مقومۃ ہے۔ فیتعلق بما علق بہ الاصل: اصل جس سے متعلق ہے، یعنی گناہ، اسی سے وصف بھی

۲؎ وَلَنَا قَوْلُه تَعَالیٰ ﴿فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ﴾ اَلْآيَةَ. جَعَلَ التَّحْرِيرَ كُلَّ الْمُوجِبِ رُجُوعًا إِلَى حَرْفِ الْفَاءِ أَوْ إِلَى كَوْنِهِ كُلَّ الْمَذْكُورِ فَيَنْتَفِي غَيْرُهُ، ۳؎ وَلِأَنَّ الْعِصْمَةَ الْمُؤْثِمَةَ بِالْآدَمِيَّةِ لِأَنَّ الْآدَمِيَّ خُلِقَ مُتَحَمِّلًا أَعْبَاءَ التَّكْلِيفِ، وَالْقِيَامُ بِهَا بِحُرْمَةِ التَّعَرُّضِ، وَالْأَمْوَالُ تَابِعَةٌ لَهَا. أَمَّا الْمُقَوَّمَةُ فَالْأَصْلُ فِيهَا الْأَمْوَالُ؛ لِأَنَّ التَّقَوُّمَ يُؤْذِنُ بِجَبْرِ الْفَائِتِ وَذَلِكَ فِي الْأَمْوَالِ دُونَ النُّفُوسِ؛ لِأَنَّ مِنْ شَرْطِهِ التَّمَاثُلَ، وَهُوَ فِي الْمَالِ دُونَ النَّفْسِ فَكَانَتِ النُّفُوسُ تَابِعَةً، ثُمَّ الْعِصْمَةُ الْمُقَوَّمَةُ فِي الْأَمْوَالِ بِالْإِحْرَازِ بِالدَّارِ؛ لِأَنَّ الْعِزَّةَ بِالْمَنَعَةِ فَكَذَلِكَ فِي النُّفُوسِ.

متعلق ہوگا، یعنی قیمت لازم ہوگی۔

ترجمہ :۲؎ ہماری دلیل اللہ تعالی کا قول ہے۔ فان کان من قوم عدو لکم و ھو مومن فتحریر رقبة مومنة(آیت ۹۲، سورۃ النساء ۴)اس آیت میں غلام آزاد کرنے کو پورا بدلہ قرار دیا ہے، کیونکہ فتحریر رقبۃ، میں حرف فاء ہے، یا اس وجہ سے کہ پورا بدلہ یہی بیان کیا ہے تو دوسرے کی نفی ہو جائے گی۔

تشریح :اس آیت میں فتحریر رقبۃ، کہا ہے یعنی فا استعمال کیا جس کا مطلب یہ ہوا کہ دار الحرب میں قتل کی سزا صرف غلام آزاد کرنا ہے، اور یہ بھی واضح ہوا کہ صرف یہی سزا ہے، اور دوسرے کی نفی ہے، اس لئے دیت اور قصاص لازم نہیں ہوگی۔

ترجمہ :۳؎ اور اس لئے کہ گناہ والی حفاظت آدمی کے ساتھ ہے اس لئے کہ آدمی اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ احکام شرع کو بجالائے اور اس پر قائم رہے اس طرح کہ تعرض کرنا اپنے اوپر حرم سمجھے اور مال اس کے تابع ہوتا ہے اور قیمت میں اصل مال ہے کیونکہ کسی چیز کی قیمت مقرر کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو چیز جاتی رہے اس کو پورا کیا جائے، اور یہ مال میں ہوتا ہے جان میں نہیں ہوتا، اس لئے کہ اس کی شرط یہ ہے کہ برابری ہو اور وہ مال مین ہوتا ہے جان میں نہیں ہوتا اس لئے یہاں نفس تابع ہے۔ پھر مال کی جو قیمت لگتی ہے وہ دار الاسلام کی وجہ سے دی جاتی ہے اس لئے کہ عزت قوت کی وجہ سے ہوتی ہے، اسی طرح جان کی قیمت دار الاسلام کی وجہ سے ہوگی۔

تشریح :عبارت پیچیدہ ہے۔ یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے، آدمی کو اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ شریعت کی پابندی کرے، اور قتل کرنے کو حرام جانے، اور اس کی قیمت میں اصل مال ہے اور نفس اس کا تابع ہے، اور مال نفس کے برابر نہیں ہے اس لئے نفس کے بدلے میں مال لازم نہیں ہونا چاہئے، لیکن دار الاسلام کی وجہ سے مال سے قیمت لگتی ہے اور اسی طرح جان کی بھی قیمت ہوتی ہے، اور دار الحرب دار الاسلام نہیں ہے اس لئے جان کی قیمت نہیں لگے گی۔

۴ إلَّا أَنَّ الشَّرۡعَ أَسۡقَطَ اعۡتِبَارَ مَنَعَةِ الۡكَفَرَةِ؛ لِمَا أَنَّهُ أَوۡجَبَ إِبۡطَالَهَا. وَالۡمُرۡتَدُّ وَالۡمُسۡتَأۡمَنُ فِيۡ دَارِنَا مِنۡ أَهۡلِ دَارِهِمۡ حُكۡمًا لِقَصۡدِهِمَا الِانۡتِقَالَ إِلَيۡهَا.

(۲۸۵۲) وَمَنۡ قَتَلَ مُسۡلِمًا خَطَأً لَا وَلِيَّ لَهُ أَوۡ قَتَلَ حَرۡبِيًّا دَخَلَ إِلَيۡنَا بِأَمَانٍ فَأَسۡلَمَ فَالدِّيَةُ عَلَى عَاقِلَتِهِ لِلۡإِمَامِ وَعَلَيۡهِ الۡكَفَّارَةُ؛ ۱ لِأَنَّهُ قَتَلَ نَفۡسًا مَعۡصُومَةً خَطَأً فَتُعۡتَبَرُ بِسَائِرِ النُّفُوسِ الۡمَعۡصُومَةِ، وَمَعۡنَى قَوۡلِهِ لِلۡإِمَامِ أَنَّ حَقَّ الۡأَخۡذِ لَهُ؛ لِأَنَّهُ لَا وَارِثَ لَهُ.

(۲۸۵۳) وَإِنۡ كَانَ عَمۡدًا فَإِنۡ شَاءَ الۡإِمَامُ قَتَلَهُ، وَإِنۡ شَاءَ أَخَذَ الدِّيَةَ ؛ ۱ لِأَنَّ النَّفۡسَ مَعۡصُومَةٌ، وَالۡقَتۡلَ

ترجمہ: ۴ مگر شریعت نے کافر کی عزت کو ساقط کیا ہے اس لئے کہ اس کی عزت کو باطل کیا ہے اور مرتد اور امن لیکر دار الاسلام میں آنے والا حربی حکما دار الحرب کا ہے، کیونکہ اس کا واپس جانے کا ارادہ ہے۔

تشریح: شریعت نے کافر کی عزت نہیں رکھی ہے اس لئے اس کی دیت نہیں ہے، اور مرتد اور جو حربی امن لیکر آیا ہے وہ بھی دار الحرب لوٹنے کا ارادہ رکھتا ہے اس لئے اس کی بھی قیمت نہیں ہے یعنی اس کی دیت نہیں ہے۔

ترجمہ: (۲۸۵۲) کسی نے مسلمان کو قتل کر دیا اور اس کا ولی نہیں ہے، یا ہمارے یہاں امن لیکر حربی داخل ہوا پھر اسلام لایا تو قاتل کے خاندان پر جو دیت ہوگی وہ امام وصول کرے گا، اور قاتل پر کفارہ لازم ہوگا۔

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ معصوم نفس کو غلطی سے قتل کیا ہے اس لئے اور معصوم نفس پر قیاس کیا جائے گا، اور اس کے قول کا معنی یہ ہے کہ امام کو دیت وصول کرنے کا حق ہوگا اس لئے کہ مقتول کا وارث نہیں ہے۔

اصول: یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جس مقتول کا وارث نہیں ہو اس کی دیت امام وصول کرے گا، اور قصاص بھی وصول کرے گا، لیکن بہتر یہ ہوگا کہ قاتل سے صلح کر کے دیت لے لے کیونکہ مال لینے میں مسلمانو کا زیادہ فائدہ ہے۔

تشریح: مالمان نے ایسے آدمی کو غلطی سے قتل کر دیا جس کا کوئی وارث نہیں ہے، یا حربی دار الاسلام آیا اور یہاں آ کر مسلمان ہوا، جس کی وجہ سے یہاں اس کا کوئی وارث نہیں ہے اس کو کسی مسلمان نے قتل کر دیا تو اسکی دیت امام وصول کرے گا۔

وجہ: یہ بھی معصوم نفس ہے اس لئے اس کا قصاص بھی لیا جائے گا، اور قتل خطاء میں اس کی دیت بھی لی جائے گی، اور قاتل چونکہ مسلمان ہے اس لئے قاتل پر کفارہ بھی لازم ہوگا۔

ترجمہ: (۲۸۵۳) اگر قتل عمد کیا ہے تو امام چاہے تو قصاص میں قاتل کو قتل کر دے، اور چاہے تو دیت لے۔

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ نفس معصوم ہے اور قتل عمد ہے اور ولی معلوم ہے۔ اور وہ ہے عام لوگ اور بادشاہ، کیونکہ حضورؐ نے فرمایا کہ جس کا ولی نہیں بادشاہ اس کا ولی ہے۔

عَمْدٌ،وَالْوَلِيَّ مَعْلُومٌ وَهُوَالْعَامَّةُ أَوِالسُّلْطَانُ.قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ''السُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَاوَلِيَّ لَهُ''

۲؎ وَقَولُهُ وَإِنْ شَاءَ أَخَذَ الدِّيَةَ مَعْنَاهُ بِطَرِيقِ الصُّلْحِ؛ لِأَنَّ مُوجِبَ الْعَمْدِ وَهُوَ الْقَوَدُ عَيْنًا، وَهَذَا؛ لِأَنَّ الدِّيَةَ أَنْفَعُ فِي هَذِهِ الْمَسْأَلَةِ مِنَ الْقَوَدِ فَلِهَذَا كَانَ لَهُ وِلَايَةُ الصُّلْحِ عَلَى الْمَالِ. ۳؎ وَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَعْفُوَ؛ لِأَنَّ الْحَقَّ لِلْعَامَّةِ وَوِلَايَتُهُ نَظَرِيَّةٌ وَلَيْسَ مِنَ النَّظَرِ إِسْقَاطُ حَقِّهِمْ مِنْ غَيْرِ عِوَضٍ.

تشریح: اگراس مسلمان کو جان کر قتل کر دیا تو امام اس کا قصاص لے گا کیونکہ اس کا کوئی ولی اور وارث نہیں ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قاتل سے صلح کر کے دیت لے لے کیونکہ اس میں مسلمانوں کا مالی فائدہ ہے۔

وجہ: صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔عن عائشة..... فان تشاجروا فالسلطان ولی من لاولی له.(ابوداؤد شریف، باب فی الولی ص۲۹۱ نمبر۲۰۸۳) اس حدیث میں ہے کہ جس کا کوئی ولی نہ ہو اس کا ولی بادشاہ ہے۔

ترجمہ: ۲؎ اور متن میں جو کہا کہ، چاہے تو دیت لے، اس کا مطلب یہ ہے کہ صلح کر کے دیت لے اس لئے قتل عمد کا سبب تو صرف قصاص ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس مسئلے میں قصاص سے زیادہ فائدہ دیت میں ہے اس لئے امام کو صلح کر کے دیت لینا زیادہ بہتر ہے۔

تشریح: قتل عمد کا اصل بدلہ تو قصاص ہے، لیکن متن میں کہا کہ امام دیت لینے کو ترجیح دے تو اس کا مطلب بتایا کہ قاتل سے صلح کر کے دیت لے سکتا ہے، اور اس میں زیادہ فائدہ اس طرح ہے کہ وارث کے دل کو ٹھنڈا کرنے کے لئے قصاص لیا جاتا ہے، اور یہاں وارث نہیں ہے اس لئے یہ دیکھا جائے گا کہ مسلمانوں کو مالی فائدہ مال میں ہے اس لئے دیت لینے کو ترجیح دے سکتا ہے۔

ترجمہ: ۳؎ امام کو معاف کرنے کا حق نہیں ہے، اس لئے کہ یہ حق عام لوگوں کے لئے ہے، اور اس کی جگہ پر امام کی ولایت مصلحت کے لئے ہے، اور بغیر بدلے کے حق ساقط کرنا مصلحت کا تقاضہ نہیں ہے۔

تشریح: قتل میں وارث کو یہ بھی حق ہے کہ دیت، یا قصاص معاف کر دے، لیکن امام کی ولایت چونکہ مصلحت کے لئے ہے اس لئے بغیر بدلے کے معاف نہیں کر سکتا، کم سے دیت ضرور لے گا۔۔نظریۃ: مصلحت۔

﴿بابُ الْعُشْرِ وَالْخَرَاجِ﴾

(۲۸۵۴) قَالَ: أَرْضُ الْعَرَبِ كُلُّهَا أَرْضُ عُشْرٍ، وَهِيَ مَا بَيْنَ الْعُذَيْبِ إِلَى أَقْصَى حَجَرٍ بِالْيَمَنِ بِمَهْرَةَ إِلَى حَدِّ الشَّامِ وَالسَّوَادُ أَرْضُ خَرَاجٍ، وَهُوَ مَا بَيْنَ الْعُذَيْبِ إِلَى عَقَبَةِ حُلْوَانَ، وَمِنَ الثَّعْلَبِيَّةِ. وَيُقَالُ مِنَ الْعَلَثِ إِلَى عَبَّادَانَ؛

﴿باب العشر والخراج﴾

﴿ عشری اور خراجی زمین کے احکام ﴾

ترجمہ :(۲۸۵۴)عرب کی زمین کل کی کل عشری ہیں۔ وہ عذیب سے لیکر یمن میں جو مقام حجر ہے وہاں تک ہے اور مہرہ سے لیکر شام کی حد تک ہے، اور سواد عراق کی کل زمین خراجی ہے جو مقام عذیب سے مقام عقبہ حلوان تک اور ثعلبہ اور بعض لوگ کہتے ہیں مقام علث سے عبادان تک۔

تشریح :اس متن میں تین مسئلے ہیں [۱] عرب کی زمین عشری ہے۔[۲] دوسری بات یہ ہے کہ عرب کی زمین لمبائی میں کہاں سے کہاں تک ہے، اور چوڑائی میں کہاں سے کہاں تک ہے [۳] اور تیسری بات یہ ہے کہ عراق کی زمین خراجی ہے، پھر اس کی لمبائی کیا ہے اور چوڑائی کیا ہے۔ ان سب کی تفصیل سمجھیں۔

[۱] عرب کی زمین عشری ہے اس کی تفصیل۔ عرب میں دوسرا دین رکھنا جائز نہیں ہے۔ اور خراج اس وقت ہوتا ہے جب وہاں کافر رہائش پذیر ہو اور عرب میں کافر کا رکھنا جائز نہیں۔ اس لئے اس پر خراج لگانا بھی جائز نہیں۔ اس لئے وہ ساری زمینیں عشری ہیں۔

وجہ:(۱) حدیث میں ہے کہ جزیرۂ عرب سے تمام مشرکین کو نکال دو۔ عن ابن عباسؓ انه قال یوم الخمیس و ما یوم الخمیس ... اخرجوا المشرکین من جزیرة العرب (بخاری شریف، باب هل یستشفع الی اهل الذمة ومعاملتهم، ص ۴۲۹، نمبر ۳۰۵۳ رمسلم شریف، باب ترک الوصیة لمن لیس له شیء یوصی فیه، ص ۴۲، نمبر ۱۶۳۷/۴۲۳۲) اس حدیث میں ہے کہ مشرکین کو عرب سے نکال دو اس لئے وہ عشری ہے (۲) حدیث میں ہے۔ سمع عمر بن عبد العزیز یقول بلغنی انه کان آخر ما تکلم به رسول الله ﷺ ان قال قاتل الله الیهود و النصاری اتخذوا قبور انبیائهم مساجد، لا یبقین دینان بارض العرب (سنن للبیہقی، باب لا یسکن ارض الحجاز مشرک، ج تاسع، ص ۳۵۰، نمبر ۱۸۷۵۰) اس حدیث مرسل سے بھی تائید ہوتی ہے کہ عرب کی زمین عشری ہے۔ یعنی اس زمین میں خراج نہیں لیا جائے گا بلکہ اس کی

۱ۦ لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَالْخُلَفَاءَ الرَّاشِدِينَ لَمْ يَأْخُذُوا الْخَرَاجَ مِنْ أَرَاضِي الْعَرَبِ،

پیداوار میں دسواں حصہ لیا جائے گا۔ **عن عمر بن الخطاب قال قال رسول الله ﷺ لئن عشت لاخرجن اليهود و النصارى من جزيرة العرب لا اترك فيها الا مسلما** ۔(سنن بیہقی، باب لا یسکن ارض الحجاز مشرک، ج تاسع، ص ۳۴۹، نمبر ۱۸۷۴۸) اس حدیث میں ہے کہ عرب میں اسلام کے علاوہ کوئی دین قابل قبول نہیں ہے۔

نوٹ: ابھی تو ساری زمین امریکی ہوگئی ہے وہ جیسا چاہتا ہے کرتا ہے۔

[۲] عرب کی زمین کہاں سے کہاں تک ہے۔ اور وہ مقام عذیب سے انتہائے حجر یمن تک ہے۔ اور مہرہ سے مشارق شام کی حد تک ہے۔

تشریح: جزیرۂ عرب کہاں سے کہاں تک ہے اس کی تفصیل ہے۔ تو فرماتے ہیں کہ مقام عذیب سے لیکر یمن میں ایک مقام حجر ہے وہاں تک ہے۔ یہ چوڑائی کی مقدار ہوئی۔ اور لمبائی میں مہرہ سے لیکر شام کی حد تک ہے۔ یہ دکھن سے اتر ہوا۔

وجہ: (۱) قول تابعی میں اس کی تصریح اس طرح ہے۔ **قال سعيد بن عبد العزيز جزيرة العرب ما بين الوادى الى اقصى اليمن الى تخوم العراق الى البحر** (۲) دوسری روایت میں ہے۔ **وقال الاصمعى جزيرة العرب من اقصى عدن ابين الى ريف العراق فى الطول واما العرض فمن جدة وما والاها من ساحل البحر الى اطراف الشام** (سنن للبیہقی، باب ما جاء فی تفسیر ارض الحجاز و جزیرۃ العرب، ج تاسع، ص ۳۵۱، نمبر ۱۸۷۵۵/۱۸۷۵۶) ان دونوں روایتوں کا حاصل تقریبا ایک ہی ہے کہ عرب کی حد لمبائی میں شام سے لیکر یمن تک اور چوڑائی میں بحرین سے لیکر جدہ تک ہے۔ اس حد میں کافروں کو مستقل رہائش دینا ناجائز ہے۔ اور اس میں ذمی رکھنا بھی ناجائز ہے اور یہ زمین عشری ہے۔

لغت: عذیب : یہ عراق کے پاس ہے اور عراق کے حاجی وہاں سے گزرتے تھے۔

[۳] عراق کی زمین خراجی ہے اس کی تفصیل۔۔ اور سواد عراق کی کل زمین خراجی ہے جو مقام عذیب سے مقام عقبہ حلوان تک اور ثعلبہ اور بعض لوگ کہتے ہیں مقام علث سے عبادان تک۔

تشریح: اس زمانے میں عراق کی زمین میں کاشت بہت ہوتی تھی اس لئے اس کو زرخیز یعنی کالا کہتے تھے۔ عراق کی حد عذیب سے عقبہ حلوان تک اور علث سے عبادان تک تھی۔ اس پر مسلمانوں کا قبضہ تھا اور یہ زمین خراجی سمجھی جاتی تھی۔

لغت: سواد : کالا، یہاں مراد ہے زرخیز زمین۔

ترجمہ: ۱ۦ اس لئے کہ حضورؐ نے اور خلفاء راشدین نے عرب کی زمین سے خراج نہیں لیا۔

تشریح: حضورؐ اور خلفاء راشدین نے عرب کی زمین سے خراج نہیں لیا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عرب کی زمین عشری ہے۔

۲؎ وَلِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الْفَيْءِ فَلا يَثْبُتُ فِيْ أَرَاضِيهِمْ كَمَالَايَثْبُتُ فِيْ رِقَابِهِمْ، ۳؎ وَهَذَا؛لِأَنَّ وَضْعَ الْخَرَاجِ مِنْ شَرْطِهِ أَنْ يُقَرَّ أَهْلُهَا عَلَى الْكُفْرِ كَمَا فِيْ سَوَادِ الْعِرَاقِ وَمُشْرِكُو الْعَرَبِ لَا يُقْبَلُ مِنْهُمْ إِلَّا الْإِسْلَامُ أَوْ السَّيْفُ، وَعُمَرُ حِينَ فَتَحَ السَّوَادَ وَضَعَ الْخَرَاجَ عَلَيْهَا بِمَحْضَرٍ مِنْ الصَّحَابَةِ، وَوَضَعَ عَلَى مِصْرَ حِينَ افْتَتَحَهَا عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ، وَكَذَا اجْتَمَعَتْ الصَّحَابَةُ عَلَى وَضْعِ الْخَرَاجِ عَلَى الشَّامِ.

(۲۸۵۵) قَالَ: وَأَرْضُ السَّوَادِ مَمْلُوكَةٌ لِأَهْلِهَا يَجُوزُ بَيْعُهُمْ لَهَا وَتَصَرُّفُهُمْ فِيهَا؛

ترجمہ:۲؎ اوراس لئے کہ عرب کی زمین فئی کی طرح ہے اس لئے اس کی زمین پرخراج نہیں ہوگا، جیسے اس کے لوگوں پر جزیہ لازم نہیں ہوگا۔

تشریح:عرب کی زمین مال غنیمت اورفئی کی طرح ہے اس لئے جیسے وہاں کے رہنے والے لوگوں پر جزیہ نہیں ہے اسی طرح وہان کی زمین پرخراج نہیں ہے۔

ترجمہ:۳؎ اوراس کی وجہ یہ ہے کہ خراج کی شرط میں سے یہ ہے کہ وہاں کے رہنے والوں کو کفر پر برقرار رکھا جائے جیسے کہ عراق میں ہوا، اور عرب کے مشرک اسلام لائیں یا تلوار سے قتل کر دئے جائیں گے اس کے علاوہ کوئی چیز قبول نہیں ہے، اور حضرت عمر نے جس وقت عراق فتح کیا تو صحابہ کی موجودگی میں ان پرخراج متعین کیا، اور جس وقت مصر فتح کیا تو حضرت عمر بن العاص نے خراج لازم کیا ایسے ہی شام کے اوپر خراج لازم کرنے پر صحابہ کا اتفاق ہے۔

تشریح:زمین پرخراج متعین کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہاں کے رہنے والے کو کفر پر برقرار رہنے دیا جائے، اور عرب کے باشندے کے بارے میں ہے کہ یا وہ اسلام قبول کریں یا پھر تلوار سے قتل کر دیا جائے گا، چونکہ ان کو کفر پر باقی نہیں رکھا جائے گا اس لئے ان پرخراج بھی لاگو نہیں کر سکتے۔اس کی مثال دیتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے صحابہ کی موجودگی میں عراق پرخراج لازم کیا اسی طرح مصر پر اور شام پرخراج لازم کیا، اگر عرب کی زمین پرخراج ہوتا تو یہ حضرات ضرور لازم کرتے، لیکن نہیں کیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ عرب عشری ہے۔

وجہ:عراق پرخراج کی روایت یہ ہے۔ ان عمر بن الخطاب بعث عمار بن یاسر .... و مسح سواد الکوفة من ارض اهل الذمة فجعل علی الجریب من النخل عشرة درهم . الخ۔(مصنف عبدالرزاق، باب ما اخذ من الارض عنوة، ج سادس، ص ۸۰، نمبر ۱۰۱۶۴)اس روایت میں ہے کہ کوفہ کی زمین پرخراج لازم کیا تھا۔

ترجمہ:(۲۸۵۵)عراق کی زمین وہاں کے باشندوں کی ملکیت ہے۔ان کے لئے اس کا بیچنا اوراس میں تصرف کرنا جائز ہے۔

لے لِأَنَّ الْإِمَامَ إِذَا فَتَحَ أَرْضًا عَنْوَةً وَقَهْرًا لَهُ أَنْ يُقِرَّ أَهْلَهَا عَلَيْهَا وَيَضَعَ عَلَيْهَا وَعَلَى رُءُوسِهِمُ الْخَرَاجَ فَتَبْقَى الْأَرَاضِي مَمْلُوكَةً لِأَهْلِهَا وَقَدْ قَدَّمْنَاهُ مِنْ قَبْلُ.

ترجمہ : لے اس لئے کہ امام جب زبردستی فتح کرتا ہے تو اس کے باشندے کو اس پر برقرار رکھتا ہے اور اس کی زمین اور اس کی ذات پر خرج واجب کرتا ہے اس لئے زمین اس کی مملوک ہوتی ہے، اس کی تفصیل ہم نے پہلے بیان کیا۔

تشریح : عراق کی زمین کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں۔ بعض سے پتا چلتا ہے کہ اس کی زمین مجاہدین کے درمیان تقسیم کی تھی۔ اور بعض سے پتا چلتا ہے کہ تقسیم نہیں کی تھی۔ اور جو حصہ تقسیم کی تھی اس کو بھی بعد میں واپس لے لیا اور مسلمانوں کے فائدے کے لئے چھوڑ دیا۔ اور تمام زمین پر خراج مقرر کیا۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ کوئی کسی زمین کا مالک ہو اور اس کا خراج ادا کرتا ہو تو اس زمین کو بیچ سکتا ہے اور تصرف کر سکتا ہے۔

وجہ : (۱) اس کی دلیل یہ قول تابعی ہے۔ عن ابن سيرين قال السواد منه صلح ومنه عنوة، فما كان منه عنوة فهو للمسلمين وما كان منه صلح فلهم اموالهم (سنن للبیہقی، باب السواد، ج تاسع، ص ۲۲۵، نمبر ۱۸۳۵۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عراق کا بعض حصہ غلبہ سے فتح ہوا تھا اور بعض حصہ صلح سے۔ جو غلبہ سے فتح ہوا تھا اس کو مسلمانوں کے لئے تقسیم کر دیا۔ اور جو صلح سے فتح ہوا تھا وہ مالک کا مال رہا۔ اور جب مالک کا مال رہا تو اس کو بیچ بھی سکتا ہے (۲) عن عمرؓ انه اراد ان يقسم اهل السواد بين المسلمين وامر بهم ان يحصوا فوجدوا الرجل المسلم يصيبه ثلاثة من الفلاحين يعني العلوج فشاور اصحاب النبي ﷺ في ذلك فقال عليؓ دعهم يكونون مادة للمسلمين فبعث عثمان بن حنيف فوضع عليهم ثمانية واربعين، واربعة وعشرين واثنى عشر (سنن للبیہقی، باب السواد، ج تاسع، ص ۲۲۶، نمبر ۱۸۳۷۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ کے مشورے سے عراق کی زمین تقسیم نہیں کی گئی۔ اس لئے وہاں کے لوگ اس کے مالک رہے۔

عراق وغیرہ کے لوگ بعد میں مسلمان ہو گئے اس لئے ان سے اب خراج ساقط ہو گیا۔

وجہ : اثر میں ہے۔ قال كتب عمر بن عبد العزيزؒ الى عبد الحميد بن عبد الرحمن فذكره فقال فيه ولا خراج على من اسلم من اهل الارض (سنن للبیہقی، باب من اسلم اهل الصلح سقط الخراج عن ارضه، ج تاسع ص ۲۳۸، نمبر ۱۸۴۰۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے صلح کی اس کا پورا ملک مسلمان ہو جائے تو ان سے خراج ساقط ہو جائے گا۔ اور زمین عشری ہو جائے گی۔ اس لئے عراق وغیرہ کی زمین ابھی عشری ہے۔

لغت : عنوة، وقہرة: زبردستی فتح کیا ہو۔

(۲۸۵۶) قَالَ: وَكُلُّ أَرْضٍ أَسْلَمَ أَهْلُهَا أَوْ فُتِحَتْ عَنْوَةً وَقُسِّمَتْ بَيْنَ الْغَانِمِينَ فَهِيَ أَرْضُ عُشْرٍ ؛ لِ لِأَنَّ الْحَاجَةَ إِلَى ابْتِدَاءِ التَّوْظِيفِ عَلَى الْمُسْلِمِ وَالْعُشْرُ أَلْيَقُ بِهِ لِمَا فِيهِ مِنْ مَعْنَى الْعِبَادَةِ، وَكَذَا هُوَ أَخَفُّ حَيْثُ يَتَعَلَّقُ بِنَفْسِ الْخَارِجِ.

ترجمه:(۲۸۵۶) جس زمین کے باشندے اسلام لے آئے یا بزور بازو فتح کی گئی ہو اور مجاہدین کے درمیان تقسیم کردی گئی ہو تو وہ عشری زمین ہے۔

ترجمه: لِ اس لئے کہ مسلمان پر ابتدائی طور پر عشر واجب کرنا زیادہ لائق ہے، اس لئے کہ اس مین عبادت کا معنی ہے، اور ایسے ہی وہ زیادہ آسان ہے، کیونکہ جو پیداوار ہوتی ہے اس پر عشر ہے۔

تشریح: خراج مقرر کرنے سے پہلے کسی ملک کے باشندے مسلمان ہو جائیں تو اس کی زمین پر عشر لازم کریں گے۔ یا اس ملک کو بزور بازو فتح کیا ہو اور اس زمین کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دیا تو اس صورت میں بھی اس زمین پر عشر لازم کیا جائے گا۔

وجه: (۱) اگر مسلمان خراجی زمین خریدے تب تو اس پر خراج لازم ہوگا۔ لیکن ابتدائی طور پر مسلمان کی زمین پر خراج مقرر کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ذلت کی چیز ہے۔ **عن نافع ان عبد الله بن عمرؓ کان اذا سئل عن الرجل من اهل الاسلام یأخذ الارض من اهل الذمة بما علیها من الخراج یقول لا یحل لمسلم او لا ینبغی لمسلم ان یکتب علی نفسه الذل و الصغار** (سنن للبیہقی، باب الارض اذا کانت صلحا رقابها لاهلها وعلیها خراج یؤ دونه فاخذها منهم مسلم بکراء، ج تاسع، ص ۲۳۶، نمبر ۱۸۳۹۷) اس اثر میں ہے کہ خراجی زمین خریدنا ذلت کی چیز ہے۔ اس لئے مسلمانوں پر ابتدائی طور پر خراج لازم کرنا صحیح نہیں ہے (۲) حدیث میں ہے۔ **عن العلاء بن الحضرمی قال بعثنی رسول الله ﷺ الی البحرین او الی هجر فکنت آتی الحائط یکون بین الاخوة یسلم احدهم فآخذ من المسلم العشر ومن المشرک الخراج** (ابن ماجہ شریف، باب العشر والخراج، ص ۲۶۲، نمبر ۱۸۳۱) اس حدیث میں ہے کہ مسلمان سے عشر اور مشرک سے خراج لیا جائے گا۔ اس لئے جو زمین مجاہدین کے درمیان تقسیم ہوگئی ہو اس پر عشر لازم ہوگا۔ (۳) **حتی یعطو الجزیة عن ید و هم صاغرون** (آیت ۲۹، سورۃ التوبۃ ۹) اس آیت میں ہے کہ جزیہ دینا ذلت کی چیز ہے اس لئے مسلمان پر ابتدائی طور پر جزیہ یا خراج لازم نہیں کرنا چاہئے

کوئی مسلمان ہو جائے تو اس سے خراج ساقط ہو جائے گا اس کی دلیل یہ قول تابعی ہے۔ **کتب عمر بن عبد العزیزؒ الی عبد الحمید بن عبد الرحمن فذکره فقال فیه ولا خراج علی من اسلم من اهل الارض** (سنن للبیہقی، باب من اسلم من اهل الصلح سقط الخراج علی ارضه، ج تاسع، ص ۲۳۸، نمبر ۱۸۴۰۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ کوئی ملک والا مسلمان

(۲۸۵۷) وَكُلُّ أَرْضٍ فُتِحَتْ عَنْوَةً فَأُقِرَّ أَهْلُهَا عَلَيْهَا فَهِيَ أَرْضُ خَرَاجٍ لـ وَكَذَا إِذَا صَالَحَهُمْ؛ لِأَنَّ الْحَاجَةَ إِلَى ابْتِدَاءِ التَّوْظِيفِ عَلَى الْكَافِرِ وَالْخَرَاجُ أَلْيَقُ بِهِ، وَمَكَّةُ مَخْصُوصَةٌ مِنْ هَذَا، فَإِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَحَهَا عَنْوَةً وَتَرَكَهَا لِأَهْلِهَا، وَلَمْ يُوَظِّفْ الْخَرَاجَ.

ہو جائے تو اس پر خراج نہیں ہے۔

ترجمہ: (۲۸۵۷) جس زمین کو بزور طاقت فتح کیا ہو اور اس کے باشندے کو وہیں رکھا ہو تو وہ خراجی زمین ہے۔

تشریح: کسی زمین کو طاقت سے فتح کیا یا رعب سے فتح کیا لیکن اس زمین کو مجاہدین کے درمیان تقسیم نہیں کی بلکہ اس پر کفار ہی کا قبضہ بحال رہنے دیا تو اس زمین پر خراج لازم ہوگا۔

وجہ: (۱) عشر ایک قسم کی عبادت ہے اور کفار عبادت کا اہل نہیں ہے اس لئے ان پر خراج لازم ہوگا (۲) او پر ابن ماجہ شریف کی حدیث گزری۔ عن العلاء بن الحضرمی ... فاخذ من المسلم العشر ومن المشرک الخراج (ابن ماجہ شریف، باب العشر والخراج، ص۲۶۲، نمبر۱۸۳۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مشرک کی زمین پر خراج ہے (۳) عراق کے لوگ مشرک تھے اور ان کو اس کی زمین پر بحال رکھا گیا تھا تو اس کی زمین پر حضرت عمرؓ نے خراج مقرر کیا۔ (سنن للبیہقی، باب قدر الخراج الذی وضع علی السواد، ج تاسع ص۲۳۰، نمبر۱۸۳۸۲)

ترجمہ: لـ ایسے ہی اگر ملک والوں سے صلح ہوئی ہو [تو خراج لازم کیا جائے گا] اس لئے کہ کافر پر ابتدائی طور پر وظیفہ مقرر کیا جا رہا ہے اور خراج اس کے زیادہ لائق ہے، اور اس سے مکہ مکرمہ مخصوص ہے اس لئے کہ حضورؐ نے اس کو بزور طاقت فتح کیا تھا پھر وہاں کے لوگوں کو اس پر قابض چھوڑ دیا اور ان پر خراج لازم نہیں کیا۔

تشریح: ملک والوں سے صلح ہوئی، اور صلح کر کے فتح کیا، اور وہ لوگ کافر ہیں تو ان پر خراج لازم کیا جائے گا، کیونکہ کافر پر ابتدائی طور پر ٹیکس متعین کیا جا رہا ہے تو اس کے لائق خراج ہی ہے۔ البتہ مکہ مکرمہ اس سے مخصوص ہے، کیونکہ اس کو بزور طاقت فتح کیا پھر بھی اس پر خراج لازم نہیں کیا۔

وجہ: صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن ابی هريرة قال وفدت وفود الی معاوية وذالک فی رمضان .....فقال یارسول الله أبيحت خضراء قريش ل قريش بعداليوم ثم قال من دخل دار ابی سفيان فهو آمن۔ (مسلم شریف، باب فتح مکہ، ص۷۹۲، نمبر۱۷۸۰/۴۶۲۲) اس حدیث میں ہے کہ اگر قریش کے لوگوں کا خون مباح کر دیا جائے تو وہ ختم ہو جائیں گے، جس سے معلوم ہوا کہ مکہ بزور طاقت فتح ہوا ہے، اسکے باوجود اس پر خراج لازم نہیں کیا، بلکہ وہ عشری رہا۔

(۲۸۵۸) وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ: كُلُّ أَرْضٍ فُتِحَتْ عَنْوَةً فَوَصَلَ إِلَيْهَا مَاءُ الْأَنْهَارِ فَهِيَ أَرْضُ خَرَاجٍ، وَمَا لَمْ يَصِلْ إِلَيْهَا مَاءُ الْأَنْهَارِ وَاسْتُخْرِجَ مِنْهَا عَيْنٌ فَهِيَ أَرْضُ عُشْرٍ؛ ا؎ لِأَنَّ الْعُشْرَ يَتَعَلَّقُ بِالْأَرْضِ النَّامِيَةِ، وَنَمَاؤُهَا بِمَائِهَا فَيُعْتَبَرُ السَّقْيُ بِمَاءِ الْعُشْرِ أَوْ بِمَاءِ الْخَرَاجِ.

(۲۸۵۹) قَالَ: وَمَنْ أَحْيَا أَرْضًا مَوَاتًا فَهِيَ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ مُعْتَبَرَةٌ بِحَيِّزِهَا، فَإِنْ كَانَتْ مِنْ حَيِّزِ أَرْضِ الْخَرَاجِ ا؎ وَمَعْنَاهُ بِقُرْبِهِ فَهِيَ خَرَاجِيَّةٌ،

ترجمہ: (۲۸۵۸) جامع صغیر میں ہے کہ ہر وہ زمین جو زبردستی فتح ہوئی ہو اور اس میں نہر کا پانی پہنچا تو وہ زمین خراجی ہے، اور اگر اس میں نہر کا پانی نہیں پہنچا بلکہ زمین میں ہی کنواں نکال کیا گیا تو وہ عشری زمین ہے۔

ترجمہ: ا؎ اس لئے کہ عشر کا تعلق پیداوار سے ہے اور پیداوار پانی سے ہوتی ہے اس لئے عشری پانی سے پیدا ہو تو زمین عشری ہے، اور خراجی پانی سے پیدا ہو تو زمین خراجی ہے۔

اصول: پہلے بتایا کہ امیر نے خراج متعین کیا ہو تو زمین خراجی ہوگی، اب بتا رہے ہے کہ دو اور طریقے سے زمین خراجی، یا عشری ہوتی ہے [۱] خراجی پانی سے زمین سیراب ہو تو زمین خراجی ہوتی ہے، اور عشری پانی سے زمین سیراب کیا ہو تو زمین عشری ہوگی، یعنی پانی کا اعتبار ہے [۲] اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ پڑوس میں زمین خراجی ہے تو یہ زمین بھی خراجی ہو جائے گی، اور پڑوس میں زمین عشری ہے تو یہ زمین بھی عشری ہو جائے گی، یعنی پڑوس کی زمین کا اعتبار ہوگا۔

تشریح: زبردستی زمین فتح کیا اور امیر نے اس پر خراج متعین نہیں کیا تو اسمیں کافروں کا کھودا ہوا نہر کے پانی سے زمین سیراب کی تو اس پر خراج لازم ہوگا، اور اگر زمین میں کنواں کھودا یا تالاب کھودا اور اس سے سیراب کیا تو زمین عشری ہوگی، کیونکہ کنوان اور تالاب کا پانی عشری پانی شمار کیا جاتا ہے۔

وجہ: غلہ پانی سے پیدا ہوتا ہے اس لئے پانی کا اعتبار ہے وہ عشری ہو تو عشر اور وہ خراجی ہو تو خراج لازم ہوگا۔

لغت: انہار: اس لامی حکومت سے پہلے کافر لوگوں نے بڑا بڑا نہر کھودا تھا، چونکہ وہ کافر کا نہر تھا اس لئے اس کا پانی خراجی پانی ہے۔ عین: کنواں، چشمہ، اس کا پانی عشری پانی سمجھا جاتا ہے

ترجمہ: (۲۸۵۹) جس نے مردہ زمین کو زندہ کیا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس کا اعتبار برابر والی زمین سے ہوگا۔ پس اگر برابر والی زمین خراجی ہے تو وہ بھی خراجی ہوگی۔ اور اگر برابر والی زمین عشری ہو تو وہ بھی عشری ہوگی۔ اور بصرہ ان کے نزدیک عشری ہے اجماع صحابہ کی وجہ سے۔

تشریح: مردہ زمین کو زندہ کیا اور آباد کیا تو اس کو عشری قرار دیں یا خراجی قرار دیں؟ اس سلسلے میں امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ

لے وَإِنْ كَانَتْ مِنْ حَيِّزِ أَرْضِ الْعُشْرِ فَهِيَ عُشْرِيَّةٌ. وَالْبَصْرَةُ عِنْدَهُ عُشْرِيَّةٌ بِإِجْمَاعِ الصَّحَابَةِ؛ لِأَنَّ حَيِّزَ الشَّيْءِ يُعْطَى لَهُ حُكْمُهُ، كَفِنَاءِ الدَّارِ يُعْطَى لَهُ حُكْمُ الدَّارِ حَتَّى يَجُوزَ لِصَاحِبِهَا الِانْتِفَاعُ بِهِ. وَكَذَا لَا يَجُوزُ أَخْذُ مَا قَرُبَ مِنَ الْعَامِرِ،

ہے کہ کون سے پانی سے سیراب کرتے ہیں اس کا اعتبار نہیں ہے بلکہ اس کے قریب میں کیسی زمین ہے اس کا اعتبار ہے۔اگر مردہ زمین کے قریب میں خراجی زمین ہے تو یہ بھی خراجی ہوگی۔اور اگر وہ عشری زمین کے درمیان ہے تو یہ بھی عشری ہوگی۔

وجہ: اس زمین کا پہلے سے کوئی ریکارڈ نہیں ہے اس لئے وہ ملک کیسا ہے یا وہ ایریا کیسا ہے اس کا اعتبار ہے۔اگر قریب کی زمین مجاہدین کی ملکیت ہوگی یا مسلمان کی ملکیت ہوگی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ مردہ زمین بھی مجاہدین کی ملکیت تھی اس لئے اس پر بھی عشر لازم ہوگا۔اور اگر وہ ملک کفار کی ملکیت رہا ہے جس کی وجہ سے اس پر خراج لازم ہے تو یہ مردہ زمین بھی کسی نہ کسی درجہ میں کفار ہی کی ملکیت ہے اس لئے اس پر بھی خراج لازم ہونا چاہئے۔

اصول: مردہ زمین کی اصلیت کا اندازہ برابر کی زمین کیسی ہے خراجی، یا عشری اس سے لگایا جائے گا۔

بصرہ ان کے یہاں عشری زمین ہے۔اس کا اشارہ اس اثر سے ملتا ہے۔**عن محمد بن عبید الله الثقفی ، قال خرج رجل من اهل البصر ة من ثقیف یقال له نافع ابو عبد الله، وكان اول من افتلا الفلا ،فقال لعمر بن الخطابؓ ان قبلنا ارضابالبصرة لیست من ارض الخراج ولا تضر باحد من المسلمین، فان رأیت ان تقطعنیها اتخذ فیها قضبا لخیلی فافعل،قال فکتب عمر الی ابی موسی الاشعری ... فان لم تکن ارض جزیة ولا ارضا یجری الیها ماء جزیة فاعطها ایاه** (رواہ عبید فی الاموال،ص ۲۷۷،اعلاء السنن، باب من احیاء ارضا مواتا بماء الخراج فخراجیۃ والافعشریۃ،ج الثانی عشر،ص ۴۲۵،نمبر ۴۰۹۱) اس اثر میں ہے کہ جزیہ کی زمین نہ ہو اس سے معلوم ہوا کہ بصرہ خراجی زمین نہیں تھی۔اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مردہ زمین میں خراجی پانی جائے تو وہ زمین بھی خراجی ہو جائے گی۔اس سے معلوم ہوا کہ اگلے مسئلے میں امام محمد کی رائے کہ جس پانی سے سیراب کیا جائے زمین وہی شمار کی جائیگی۔

لغت: حیز : اردگرد، برابر کی زمین۔

ترجمہ: لے اس لئے کہ کسی چیز کے قریب ہو اس کو اس کا حکم دیا جاتا ہے، جیسے گھر کے انگن کو گھر کا حکم دیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ گھر والوں کو اس سے نفع اٹھانا جائز ہوتا ہے،اور ایسے ہی آبادی کے جو قریب زمین ہو اس کو آباد کرنا جائز نہیں ہے۔

تشریح: قاعدہ یہ ہے کہ جو چیز جس کے قریب ہوتی ہے اس کو اس کا حکم دیا جاتا ہے، جیسے گھر کے پاس جگہ ہو جس کو فناء دار کہتے ہیں اس کا حکم گھر کا حکم ہے، یہی وجہ ہے کہ گھر والا اس کو استعمال کر سکتا ہے، اسی طرح آبادی گاوں کے قریب خالی جگہ ہو

۲ؕ وَكَانَ الْقِيَاسُ فِي الْبَصْرَةِ أَنْ تَكُونَ خَرَاجِيَّةً؛ لِأَنَّهَا مِنْ حَيِّزِ أَرْضِ الْخَرَاجِ، إِلَّا أَنَّ الصَّحَابَةَ وَظَّفُوا عَلَيْهَا الْعُشْرَ فَتُرِكَ الْقِيَاسُ لِإِجْمَاعِهِمْ.

(۲۸۶۰) وَقَالَ مُحَمَّدٌ: إِنْ أَحْيَاهَا بِبِئْرٍ حَفَرَهَا أَوْ بِعَيْنٍ اسْتَخْرَجَهَا أَوْ مَاءِ دِجْلَةَ أَوْ الْفُرَاتِ أَوْ الْأَنْهَارِ الْعِظَامِ الَّتِي لَا يَمْلِكُهَا أَحَدٌ فَهِيَ عُشْرِيَّةٌ وَكَذَا إِنْ أَحْيَاهَا بِمَاءِ السَّمَاءِ وَإِنْ أَحْيَاهَا بِمَاءِ الْأَنْهَارِ الَّتِي احْتَفَرَهَا الْأَعَاجِمُ مِثْلَ نَهْرِ الْمَلِكِ وَنَهْرِ يَزْدَجِرْدَ فَهِيَ خَرَاجِيَّةٌ ۱ؕ لِمَا ذَكَرْنَا مِنْ اعْتِبَارِ الْمَاءِ إِذْ هُوَ السَّبَبُ لِلنَّمَاءِ.

تو وہ آبادی کے حکم میں ہے اور گاوں والے اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اس لئے اس زمین میں گھر وغیرہ نہیں بنا سکتے وہ بھی آبادی کے حکم میں ہے، جس طرح یہاں پاس والے کا حکم دیا گیا ہے اسی طرح برابر میں خراجی زمین ہو تو اس کو خراج کا حکم دیا جائے گا، اور عشری زمین ہو تو اس کو عشر کا حکم دیا جائے گا۔

لغت: حیز: جو قریب میں ہو۔ فناء الدار: گھر کے پاس جو چھوٹی ہوئی زمین ہوتی ہے اس کو فناء الدار، کہتے ہیں۔ عامر: آبادی۔

ترجمہ: ۲ؕ اور بصرہ کے بارے میں قیاس یہ تھا کہ وہ خراجی ہو کیونکہ وہ کوفہ کے قریب ہے جو خراجی ہے، مگر صحابہ نے اس پر عشر متعین کیا اس لئے ان کے اجماع کی وجہ سے قیاس چھوڑ دیا گیا۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: (۲۸۶۰) امام محمدؒ نے فرمایا اگر زمین کو زندہ کیا کنواں کھود کر یا چشمہ نکال کر یا دجلہ یا فرات یا ان بڑی نہروں کے پانی سے جن کا کوئی مالک نہیں ہے تو وہ عشری ہے۔ اور اگر زندہ کیا ان نہروں کے پانی سے جن کو عجمیوں نے کھودا ہے جیسے نہر ملک اور نہر یزدجرد تو وہ خراجی ہے۔

ترجمہ: ۱ؕ جیسے کہ پہلے ذکر کیا کہ پانی پلانے کا اعتبار ہے اس لئے کہ وہی پیداوار کا سبب ہے۔

تشریح: امام محمدؒ کا قاعدہ یہ ہے کہ پانی کس قسم کا استعمال کرتا ہے اس کے اعتبار سے مردہ زمین خراجی یا عشری ہوگی۔ پس اگر خراجی پانی ڈال کر مردہ زمین کو زندہ کیا تو وہ زمین خراجی ہوگی چاہے وہ عشری زمین کے درمیان ہو۔ اور اگر عشری پانی ڈال کر زندہ کیا تو وہ عشری ہوگی۔ آگے تفصیل ہے کہ کون سا پانی عشری ہے اور کون سا خراجی ہے۔ کسی نے خود کنوان کھودا یا چشمہ نکالا تو ان دونوں کا پانی عشری ہے۔ اس سے مردہ زمین زندہ کیا تو زمین عشری ہوگی۔ یا نہر دجلہ، نہر فرات یا وہ نہر جن کا کوئی مالک نہیں اس کا پانی عشری ہے اس لئے اس پانی سے جو مردہ زمین زندہ کرے گا وہ عشری ہوگی۔ اور وہ نہر جس کو عجمیوں نے کھودا ہو جیسے نہر ملک اور نہر یزدجردان کا پانی خراجی ہے۔ اس پانی سے مردہ زمین زندہ کرے گا تو وہ خراجی ہوگی۔

۲؎ وَلِأَنَّهُ لا يُمكِنُ تَوظِيفُ الخَرَاجِ ابتِدَاءً عَلَى المُسلِمِ كَرهًا فَيُعتَبَرُ فِي ذٰلِکَ المَاءُ؛ لِأَنَّ السَّقىَ بِمَاءِ الخَرَاجِ دَلالَةُ التِزَامِهٖ.

(۲۸۶۱) قَالَ: وَالخَرَاجُ الَّذِى وَضَعَهُ عُمَرُ عَلَى أَهلِ السَّوَادِ مِن كُلِّ جَرِيبٍ يَبلُغُهُ المَاءُ قَفِيزٌ هَاشِمِىٌّ وَهُوَ الصَّاعُ وَدِرهَمٌ، وَمِن جَرِيبِ الرَّطبَةِ خَمسَةُ دَرَاهِمَ وَمِن جَرِيبِ الكَرمِ المُتَّصِلِ وَالنَّخِيلِ المُتَّصِلِ عَشرَةُ دَرَاهِمَ ١؎ وَهٰذَا هُوَ المَنقُولُ عَن عُمَرَ، فَإِنَّهُ بَعَثَ عُثمَانَ بنَ حُنَيفٍ حَتَّى يَمسَحَ سَوَادَ العِرَاقِ، وَجَعَلَ حُذَيفَةَ مُشرِفًا عَلَيهِ، فَمَسَحَ فَبَلَغَ سِتًّا وَثَلاثِينَ أَلفَ أَلفِ جَرِيبٍ وَوَضَعَ عَلَىٰ ذٰلِکَ مَا قُلنَا. وَكَانَ ذٰلِکَ بِمَحضَرٍ مِنَ الصَّحَابَةِ مِن غَيرِ نَكِيرٍ فَكَانَ إِجمَاعًا مِنهُم.

وجه: اوپر حضرت عمرؓ کا قول گزرا۔ فان لم تكن ارض جزية ولا ارضا يجرى اليها ماء جزية فاعطها اياه (رواہ عبید فی الاموال، ص ۷۷ ۲، اعلاء السنن، نمبر ۴۰۹۱) اس قول صحابی میں ہے کہ بصرہ کی اس زمین میں جزیہ یعنی خراجی پانی نہ جاتا ہو تو نافع ابو عبید اللہ کو دے دو۔ اس سے اشارہ ہوتا ہے خراجی زمین بننے میں پانی کا اعتبار ہے قرب وجوار کا اعتبار نہیں۔

لغت: احتفر : حفر سے مشتق ہے کھودنا۔

ترجمہ : ۲؎ اس لئے کہ ابتداء مسلمان پر خراج لازم کرنا مکروہ ہے اس لئے پانی پلانے کا اعتبار کیا جائے گا اس لئے کہ خراج کا پانی پلانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے اوپر خراج لازم کر رہا ہے۔

تشریح : یہ پانی کے اعتبار کرنے کی دلیل ہے۔ مسلمان پر ابتداء خراج لازم کرنا مکروہ ہے، اس لئے پانی پلانے کا اعتبار کیا جائے گا، کیونکہ وہ خراجی پانی پلا رہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خود ہی اپنے اوپر خراج لازم کر رہا ہے، حکومت اس پر خراج لازم نہیں کر رہی ہے اس لئے پانی پلانے کا اعتبار ہوگا۔

ترجمہ: (۲۸۶۱) وہ خراج جو حضرت عمرؓ نے اہل عراق پر مقرر کیا وہ ایک جریب جس میں پانی پہنچا ہو اور کھیتی کے قابل ہو ایک قفیز ہاشمی یعنی ایک صاع اور ایک درہم اور ترکاریوں کے ایک جریب میں پانچ درہم اور انگور اور کھجور جو گھنے ہوں دس درہم۔

ترجمہ : ١؎ یہی حضرت عمرؓ سے منقول ہے، اس لئے کہ انہوں نے حضرت عثمان بن حنیفؓ کو عراق کی زمین ناپنے کے لئے بھیجا اور حضرت حذیفہؓ کو اس پر نگراں بنایا پھر انہوں نے ناپا تو 36000000 تین کڑور ساٹھ لاکھ جریب زمین ہوئی، اور اس پر وہ خراج مقرر کیا جس کو ہم نے پہلے ذکر کیا، اور یہ بات صحابہ کے سامنے بغیر انکار کے ہوئی اس لئے اس پر اجماع ہو گیا۔

تشریح: حضرت عمرؓ نے صحابہؓ کے مشورے سے اہل عراق پر جو خراج مقرر کیا اس کی تفصیل یہ ہے کہ کھیتی کی زمین جس میں

پانی جاتا ہو اور زراعت کے قابل ہو ایک جریب میں ایک صاع [3.538 کیلو] غلہ اور ایک درہم یعنی 3.061 گرام چاندی یا اس کی قیمت لازم ہوگی۔ اور ترکاریوں کی زمین میں پانچ درہم یعنی 15.305 گرام چاندی یا اس کی قیمت اور انگور یا کھجور جو گھنے ہوں اس کی ایک جریب زمین میں دس درہم یعنی 61 .30 گرام چاندی یا اس کی قیمت خراج ہے۔

وجه : ان عمر بن الخطابؓ بعث عثمان بن حنيف على السواد فوضع على كل جريب عامر او غامر يناله الماء درهما وقفيزا يعني الحنطة والشعير وعلى جريب الكرم عشرة وعلى جريب الرطاب خمسة (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۲۷ ما قالوا فی الخمس والخراج کیف یوضع، ج سادس، ص ۴۳۹، نمبر ۳۲۷۰۶ رسنن للبیہقی، باب قدر الخراج الذی وضع علی السواد، ج تاسع، ص ۲۳۰، نمبر ۱۸۳۸۳) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ عام کھیتی میں ایک صاع اور ایک درہم، ترکاری کی کھیتی میں پانچ درہم اور انگور اور کھجور کے باغ میں دس درہم خراج ہے۔ گویا کہ ایک جریب عام کی کھیتی میں ایک صاع غلہ اور ایک درہم یعنی 3.061 گرام چاندی یا اس کی قیمت اور ترکاری کی کھیتی میں پانچ درہم یعنی 15.305 گرام چاندی یا اس کی قیمت اور انگور اور کھجور کی باغ میں دس درہم یعنی 30.61 گرام چاندی یا اس کی قیمت خراج لازم ہوگا۔

نوٹ : چاندی کا حساب اپنے اپنے سکوں سے کر لیں۔

نوٹ : مصنف ابن ابی شیبہ کے دوسرے اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ پانچ درہم کے ساتھ پانچ صاع غلہ اور دس درہم کے ساتھ دس صاع غلہ بھی خراج میں لازم ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۲۷ ما قالوا فی الخمس والخراج کیف یوضع، ج سادس، ص ۴۳۸، نمبر ۳۲۷۰۲)

لغت : الرطبۃ : تر، یہاں ترکاری مراد ہے، الکرم : انگور، المتصل : ملا ہوا یعنی گھنا باغ، قفیز ہاشمی : ایک صاع ہوتا ہے۔ ایک صاع 3.538 یعنی تین کیلو اور 538 گرام کا ایک صاع ہوتا ہے۔

﴿ جریب اور ایک ایکڑ کی تحقیق ﴾

جریب کتنی لمبی چوڑی ہے اس کے بارے میں رد المحتار علی الدر المختار میں لکھا ہے کہ کسری کے ہاتھ سے 60 ہاتھ لمبی اور 60 ہاتھ چوڑی زمین ہو تو وہ ایک جریب ہوتی ہے۔ اور 60 ہاتھ کو 60 ہاتھ میں ضرب دیں تو مجموعہ 3600 مربع ہاتھ ایک جریب ہوگی۔ عبارت یہ ہے كما وضع عمر رضي الله عنه على السواد لكل جريب هو ستون ذراعا في ستين بذراع كسرى (سبع قبضات) (رد المحتار مطلب فی خراج المقاسمۃ، کتاب الجہاد، ج سادس، ص ۲۹۲)

ایک قبضہ 3 انچ کا ہوتا ہے اس لئے 7 قبضے 21 انچ ہوئے۔یعنی اس کا ایک ہاتھ 1.75 پونے دو فٹ کا ہوا۔اور ساٹھ ہاتھ 105 فٹ کا ہوا۔گویا کہ 105 فٹ لمبی اور 105 فٹ چوڑی مجموعہ 11025 مربع فٹ کی ایک جریب ہوئی۔اور تین فٹ کا ایک گز ہوتا ہے اس لئے اس کو گز میں لے جائیں تو 35 گز لمبی اور 35 گز چوڑی مجموعہ 1225 مربع گز کی ایک جریب ہوئی۔

(میٹر کے حساب سے جریب کی تحقیق)

2.54 سینٹی میٹر کا ایک انچ ہوتا ہے اس لئے 21 انچ کا 53.34 سینٹی میٹر ہوا۔گویا کہ کسری کا ایک ہاتھ 53.34 سینٹی میٹر کا ہوا۔اب اس کو ساٹھ ہاتھ میں ضرب دیں تو 32.004 میٹر لمبی ہوئی۔اور وہی 32.004 چوڑی بھی ہے۔اس لئے 32.004 کو 32.004 میں ضرب دیں تو مجموعہ 1024.25 مربع میٹر کی ایک جریب ہوگی۔

(ایکڑ اور جریب میں فرق)

آج کل پوری دنیا میں ایکڑ کا حساب رائج ہے۔اسی سے زمین کی پیمائش کرتے ہیں اس لئے ایکڑ اور جریب میں موازنہ کرنا ضروری ہے۔تاکہ معلوم ہو کہ ایک ایکڑ میں کتنا خراج لازم ہوگا۔

63.614 میٹر لمبا اور 63.614 میٹر چوڑا مجموعہ 4046.856 مربع میٹر کا ایک ایکڑ ہوتا ہے۔

اسی طرح 69.57 گز لمبا اور 69.57 گز چوڑا مجموعہ 4840 مربع گز کا ایک ایکڑ ہوتا ہے۔

جریب چونکہ ایکڑ سے چھوٹا ہوتا ہے اس لئے ایک جریب 1024.25 مربع میٹر کو ایک ایکڑ 4046.856 مربع میٹر میں تقسیم دیں تو 3.951 گنا بڑا ایکڑ جریب سے ہوگا۔اس لئے ایک ایکڑ زمین میں اگر عام کاشتکاری ہو تو 3.951 صاع غلہ اور 3.951 درہم خراج لازم ہوگا۔جس کا وزن 12.094 گرام چاندی یا اس کی قیمت ہوگی۔

(عام آدمی کا ہاتھ)

عام آدمی کا ہاتھ چھ قبضہ ہوتا ہے۔اور ایک قبضہ 3 انچ کا ہے اس لئے ایک ہاتھ 18 انچ یعنی 1.50 ڈیڑھ فٹ کا ہوگا۔

چونکہ ایک انچ 2.54 سینٹی میٹر کا ہوتا ہے اس لئے 18 انچ کا 45.72 سینٹی میٹر ایک ہاتھ ہوا۔

نوٹ: پوری تفصیل آئندہ صفحات پر دیکھئے۔

﴿جریب اور ایکڑ کا حساب ایک نظر میں﴾

کیا	کتنے کا ہوتا ہے
ایک انچ	2.54 سینٹی میٹر کا ہوتا ہے۔
ایک میٹر	39.37 انچ کا ہوتا ہے۔
ایک عام ہاتھ	18 انچ کا ہوتا ہے۔
ایک عام ہاتھ	1.50 ڈیڑھ فٹ کا ہوتا ہے۔
ایک فٹ	12 انچ کا ہوتا ہے۔
ایک گز	36 انچ کا ہوتا ہے۔
ایک قبضہ	3 انچ کا ہوتا ہے۔
ایک قبضہ	7.62 سینٹی میٹر کا ہوتا ہے۔
ایک عام ہاتھ	45.72 سینٹی میٹر کا ہوتا ہے۔

﴿کسری کا ہاتھ﴾

کیا	کتنے کا ہوتا ہے
کسری کا ہاتھ	7 قبضے کا ہوتا ہے۔
کسری کا ہاتھ	21 انچ کا ہوتا ہے۔
کسری کا ہاتھ	1.75 پونے دو فٹ کا ہوتا ہے۔
کسری کا ہاتھ	53.34 سینٹی میٹر کا ہوتا ہے۔
ایک میٹر	100 سینٹی میٹر کا ہوتا ہے۔

﴿کسری جریب کتنی ہوتی ہے﴾

جریب	لمبائی	ضرب	چوڑائی	برابر	مربع	فٹ یا گز
ایک جریب	60ہاتھ	×	60ہاتھ	=	3600	مربع کسری ہاتھ
ایک جریب	105فٹ	×	105فٹ	=	11025	مربع فٹ کا ہوتا ہے
ایک جریب	35 گز	×	35 گز	=	1225	مربع گز کا ہوتا ہے
ایک جریب	32.004میٹر	×	32.004میٹر	=	1024.25	مربع میٹر کا ہوتا ہے

﴿ایکڑ کتنا ہوتا ہے﴾

ایکڑ	لمبائی	ضرب	چوڑائی	برابر	مربع	فٹ یا گز کا ہوتا ہے
ایک ایکڑ	69.57 گز	×	69.57 گز	=	4840	مربع گز کا ہوتا ہے
ایک ایکڑ	63.614میٹر	×	63.614میٹر	=	4046.856	مربع میٹر کا ہوتا ہے
ایک ڈسمل	6.3614میٹر	×	6.3614میٹر	=	40.4685	مربع میٹر کا ہوتا ہے

نوٹ:100 سوڈسمل کا ایک ایکڑ ہوتا ہے۔

﴿جھارکھنڈ کا سیکر﴾

میرے صوبہ جھارکھنڈ میں لوہے کی ایک لمبی زنجیر سے زمین کی پیمائش کرتے ہیں جس کو سیکر کہتے ہیں۔اور بعض لوگ جریب بھی کہتے ہیں۔انگریزی میں اس کوChain کہتے ہیں۔

اس سیکر میں 100 کڑی ہوتی ہے

ایک کڑی کی لمبائی 7.92 انچ ہوتا ہے

ایک کڑی کی لمبائی 20.11 سینٹی میٹر ہوتا ہے

پورے سیکر کی لمبائی 22 گز ہوتا ہے

پورے سیکر کی لمبائی 66 فٹ ہوتا ہے

پورے سیکر کی لمبائی20.116 میٹر ہوتا ہے۔

۲ وَلِأَنَّ الْمُؤَنَ مُتَفَاوِتَةٌ فَالْكَرْمُ أَخَفُّهَا مُؤْنَةً وَالْمَزَارِعُ أَكْثَرُهَا مُؤْنَةً وَالرِّطَابُ بَيْنَهُمَا، وَالْوَظِيفَةُ تَتَفَاوَتُ بِتَفَاوُتِهَا فَجُعِلَ الْوَاجِبُ فِي الْكَرْمِ أَعْلَاهَا وَفِي الزَّرْعِ أَدْنَاهَا وَفِي الرَّطْبَةِ أَوْسَطَهَا.

دس سیکر لمبا اور ایک سیکر چوڑا، گویا کہ 100000 ایک لاکھ کڑی کا ایک ایکڑ ہوتا ہے

ایک ایکڑ 4840 مربع گز کا ہوتا ہے۔

ایک ایکڑ 4046.856 مربع میٹر کا ہوتا ہے

دس سیکر لمبا اور ایک سیکر چوڑا ایک ایکڑ ہوتا ہے۔اور سیکر کی لمبائی 20.1168 میٹر ہے۔اس طرح 20.1168 چوڑا اور 201.168 لمبا کو ضرب دیں تو مجموعہ 4046.856 مربع میٹر ہوتا ہے جو ایک ایکڑ کا رقبہ ہے۔اور گز کے اعتبار سے ایک سیکر 22 گز لمبا ہوتا ہے۔اس کو دس سیکر یعنی 220 گز میں ضرب دیں تو 4840 مربع گز نکل آئے گا جو ایک ایکڑ کا رقبہ ہے۔

﴿ سیکر کا حساب ﴾

سیکر	لمبائی	ضرب	چوڑائی	برابر	مربع	فٹ یا گز
ایک سیکر	20.1168 میٹر ہے	-	-	-	-	-
ایک سیکر	22 گز کا ہوتا ہے	-	-	-	-	-
ایک ایکڑ	20.1168 میٹر	×	201.168 میٹر	=	4046.86	مربع میٹر ایک ایکڑ
ایک ایکڑ	22 گز	×	220 گز	=	4840	مربع گز ایک ایکڑ

نوٹ: طلبہ کی معلومات کے لئے میں نے ہر جگہ فارمولوں اور حسابات کو تفصیل سے ذکر کیا ہے۔کلکیو لیٹر سے حساب کرلیں۔

ثمیر الدین غفرلہ

ترجمہ: ۲ اور اس لئے کہ محنت کا خرچ متفاوت ہے، انگور میں کم محنت ہے، اور کاشتکاری میں زیادہ محنت ہے اور سبزی میں درمیانی محنت ہے اس لئے محنت کے تفاوت سے خراج میں تفاوت ہوتا ہے، اس لئے انگور میں زیادہ خراج لازم کیا، اور کاشتکاری میں کم اور سبزی میں درمیانی خراج لازم کیا۔

تشریح: خراج کا معاملہ محنت پر ہے، انگور کو ایک مرتبہ لگا دو تو کئی سال چلتا ہے، اس لئے اس میں محنت کم ہے اس لئے اس میں خراج اعلی یعنی دس درہم ہے، دوسری بات یہ ہے کہ انگور قیمتی چیز ہوتی ہے اس لئے بھی اس میں خراج زیادہ ہے۔اور کاشتکاری میں محنت زیادہ ہے اور اس کی قیمت کم ہوتی ہے اس لئے اس میں خراج ادنی، یعنی ایک درہم ہے۔اور سبزی اور پھل فروٹ میں محنت

(۲۸۶۲) قَالَ: وَمَا سِوَی ذٰلِکَ مِنَ الْأَصْنَافِ کَالزَّعْفَرَانِ وَالْبُسْتَانِ وَغَیْرِہِ یُوضَعُ عَلَیْھَا بِحَسَبِ الطَّاقَۃِ؛ لِ لِأَنَّہُ لَیْسَ فِیہِ تَوْظِیفُ عُمَرَ وَقَدْ اعْتَبَرَ الطَّاقَۃَ فِي ذٰلِکَ فَنَعْتَبِرُھَا فِیمَا لَا تَوْظِیفَ فِیہِ.

درمیانی ہے، اوراس کی قیمت بھی انگور اور غلہ سے درمیانی ہے اس لئے اس پر خراج درمانی یعنی پانچ درہم ہے۔

لغت: مؤن: محنت کا خرچ، اخراجات۔ کرم: انگور۔ مزارع: کاشتکاری۔ رطاب: سبزی اور پھل فروٹ۔

ترجمہ: (۲۸۶۲) اس کے علاوہ جو اور قسم کی چیز ہے، مثلا زعفران اور باغات وغیرہ اس میں طاقت کے مطابق خراج لگایا جائے گا۔

ترجمہ: لِ اس لئے کہ اس میں حضرت عمر کا مقرر کردہ وظیفہ نہیں ہے اور اس میں زمین کی طاقت کا اعتبار کیا ہے تو جس میں وظیفہ متعین نہیں کیا ہے اس میں ہم طاقت کا اعتبار کریں گے۔

تشریح: اوپر جو متعین کردہ مقدار زمین کی عام پیداوار کے اعتبار سے ہے۔ اس لئے اگر اس سے کم پیداوار ہو تو کم خراج متعین کیا جا سکتا ہے۔ اور جو متعین کیا ہے اگر رعیت اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو امام اس سے کم بھی کر سکتا ہے۔

وجہ: (۱) حضرت عمرؓ نے خراج متعین کرنے کے بعد حضرت حذیفہ بن الیمان اور عثمان بن حنیف سے دریافت کیا کہ یہ خراج کہیں زیادہ تو نہیں ہے؟ اس پر حضرت عثمان بن حنیف نے فرمایا کہ اس سے زیادہ بھی رکھیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ رأیت عمرؓ بن الخطاب قبل ان یصاب بایام المدینۃ و وقف علی حذیفۃ بن الیمان و عثمان بن حنیف قال کیف فعلتما حملناھا امرا ھی لہ مطیقۃ ما فیھا کبیر فضل قال انظرا ان تکونا حملتما الارض مالا تطیق قال قالا لا (بخاری شریف، باب قصۃ البیعۃ والاتفاق علی عثمان بن عفان، ص ۵۲۳، نمبر ۳۷۰۰ رمصنف ابن ابی شیبۃ ۲۷، ما قالوا فی الخمس والخراج کیف یوضع، ج سادس، ص ۴۳۹، نمبر ۳۲۷۰۸) اس اثر میں ہے کہ اگر زیادہ ہو گیا ہو تو دیکھ لو۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اس مقدار سے کم بھی کیا جا سکتا ہے۔ اور زمین کی پیداوار کے مطابق خراج لازم کیا جائے گا (۲)، مصنف ابن ابی شیبۃ کے اثر میں حضرت حذیفہؓ کا یہ جملہ بھی ہے 'لو شئت لاضعفت ارضی'، جس سے معلوم ہوا کہ اگر چاہیں تو اس سے زیادہ بھی خراج متعین کر سکتے ہیں۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اس سے زیادہ متعین نہیں فرمایا۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ طاقت سے زیادہ ہو جائے تو کم بھی کیا جا سکتا ہے (۳) دوسرے قول صحابی میں ہے۔ فوضع عثمان علی الجریب من الکرم عشر ۃ دراھم وعلی جریب النخل ثمانیۃ دراھم وعلی جریب القصب ستۃ دراھم یعنی الرطبۃ وعلی جریب البر اربعۃ دراھم وعلی جریب الشعیر درھمین (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۲۷ ما قالوا فی الخمس والخراج کیف یوضع، ج سادس، ص ۴۳۹، نمبر ۳۲۷۰۴ رسنن للبیہقی، باب قدر الخراج الذی وضع علی السواد، ج تاسع، ص ۲۳۰، نمبر

۲ قَالُوا: وَنِهَايَةُ الطَّاقَةِ أَنْ يَبْلُغَ الْوَاجِبُ نِصْفَ الْخَارِجِ لَا يُزَادُ عَلَيْهِ؛ لِأَنَّ التَّنْصِيفَ عَيْنُ الْإِنْصَافِ لِمَا كَانَ لَنَا أَنْ نُقَسِّمَ الْكُلَّ بَيْنَ الْغَانِمِينَ. ۳ وَالْبُسْتَانُ كُلُّ أَرْضٍ يَحُوطُهَا حَائِطٌ وَفِيهَا نَخِيلٌ مُتَفَرِّقَةٌ وَأَشْجَارٌ أُخَرُ، ۴ وَفِي دِيَارِنَا وَظَّفُوا مِنْ الدَّرَاهِمِ فِي الْأَرَاضِي كُلِّهَا وَتُرِكَ كَذَلِكَ؛ لِأَنَّ التَّقْدِيرَ يَجِبُ أَنْ يَكُونَ بِقَدْرِ الطَّاقَةِ مِنْ أَيِّ شَيْءٍ كَانَ.

(۲۸۶۳) قَالَ فَإِنْ لَمْ تُطِقْ مَا وُضِعَ عَلَيْهَا نَقَصَهُمْ الْإِمَامُ ۱ وَالنُّقْصَانُ عِنْدَ قِلَّةِ الرِّيعِ جَائِزٌ بِالْإِجْمَاعِ؛ أَلَا تَرَى إلَى قَوْلِ عُمَرَ: لَعَلَّكُمَا حَمَّلْتُمَا الْأَرْضَ مَا لَا تُطِيقُ، فَقَالَا: لَا بَلْ حَمَّلْنَاهَا مَا تُطِيقُ، وَلَوْ زِدْنَا لَأَطَاقَتْ. وَهَذَا يَدُلُّ عَلَى جَوَازِ النُّقْصَانِ،

۱۸۳۸۲)اس قول صحابی میں مختلف پیداوار کا خراج مختلف ہے جس سے معلوم ہوا کہ خراج کم بیش کر سکتا ہے۔

ترجمہ: ۲ علماء نے فرمایا کہ زیادہ سے زیادہ طاقت یہی خراج میں آدھی کاشت لے اس سے زیادہ نہ لے اس لئے کہ آدھا صحیح انصاف ہے، کیونکہ یہ بھی ہوسکتا تھا کہ پوری زمین مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دے۔

تشریح: علماء نے فرمایا کہ زیادہ سے زیادہ جو خراج لیا جا سکتا ہے وہ آدھا غلہ ہے، اس سے زیادہ خراج نہ لے، کیونکہ یہ عین انصاف ہے، کیونکہ ہماری زمین ہے اور اس کی محنت ہے، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس زمین کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دے، اس لئے جب محنت اس کی ہے تو آدھا غلہ اس کو دینا چاہئے

ترجمہ: ۳ باغ وہ زمین ہے جس کی چاروں طرف دیوار ہو، اس میں کھجور کا درخت اور دوسرے درخت ہوں۔

تشریح: متن میں بستان کا لفظ ہے یہ اس کی تشریح ہے۔

ترجمہ: ۴ اور ہمارے ملک میں تمام زمینوں کا خراج درہم سے لیتے ہیں اور اسی پر چھوڑ دیا ہے، اس لئے کہ اندازہ یہ ہے کہ زمین کی طاقت کے مطابق ہو چاہے کسی چیز سے ہو۔

تشریح: صاحب ہدایہ کا ملک فرغانہ ہے جو ابھی ازبکستان میں ہے جس میں تمام خراج درہم سے لیا کرتے تھے۔ ابھی ساری دنیا میں یہی حال ہے کہ روپے سے محصول لیا جاتا ہے۔

ترجمہ: (۲۸۶۳) غلہ کم پکتا ہو تو بالا جماع خراج کم لگایا جائے گا۔

ترجمہ: ۱ کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت حذیفہ اور ابن حنیف سے فرمایا کہ ایسا تو نہیں کیا کہ زمین جس کی طاقت نہیں رکھتی ہو اتنا خراج مقرر کر دیا، تو ان دونوں حضرات نے کہا کہ ہم نے اتنا ہی مقرر کیا جتنی طاقت رکھتی ہو، اگر

۲؎ وَأَمَّا الزِّيَادَةُ عِنْدَ زِيَادَةِ الرِّيعِ يَجُوزُ عِنْدَ مُحَمَّدٍ اعْتِبَارًا بِالنُّقْصَانِ، وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ لَا يَجُوزُ؛ لِأَنَّ عُمَرَ لَمْ يَزِدْ حِينَ أُخْبِرَ بِزِيَادَةِ الطَّاقَةِ.

(۲۸۶۴) وَإِنْ غَلَبَ عَلَى أَرْضِ الْخَرَاجِ الْمَاءُ أَوْ انْقَطَعَ الْمَاءُ عَنْهَا أَوْ اصْطَلَمَ الزَّرْعَ آفَةٌ فَلَا خَرَاجَ عَلَيْهِ ا؎ لِأَنَّهُ فَاتَ التَّمَكُّنُ مِنْ الزِّرَاعَةِ، وَهُوَ النَّمَاءُ التَّقْدِيرِيُّ الْمُعْتَبَرُ فِي الْخَرَاجِ،

اس سے زیادہ مقرر کریں تو زمین میں اس کی بھی طاقت ہے، یہ جملہ دلالت کرتا ہے کہ خراج کم ہوسکتا ہے۔

تشریح :اگر زمین میں طاقت کم ہے تو حضرت عمر نے جو خراج متعین کیا ہے اس سے کم بھی ہوسکتا ہے، کیونکہ انہوں نے حضرت حذیفہ بن یمان اور عثمان بن حنیف سے پوچھا تھا کہ خراج کہیں زیادہ تو نہیں رکھ دیا، تو انہوں نے کہا تھا اس سے زیادہ کی طاقت ہے، تو اس جملے سے پتہ چلتا ہے کہ خراج اس سے کم بھی ہوسکتا ہے۔

وجہ :صاحب ہدایہ کی لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ رأيت عمرؓ بن الخطاب قبل ان يصاب بايام المدينة ووقف على حذيفة بن اليمان وعثمان بن حنيف قال كيف فعلتما حملتماها امرا هی له مطيقة ما فيها كبير فضل قال انظرا ان تكونا حملتما الارض مالا تطيق قال قالا لا (بخاری شریف، باب قصة البيعة والاتفاق علی عثمان بن عفان ،ص۵۲۳، نمبر ۳۷۰۰ رمصنف ابن ابی شیبۃ ۲۷، ما قالوا فی الخمس والخراج کیف یوضع ،ج سادس، ص ۴۳۹، نمبر ۳۲۷۰۸) اس اثر میں ہے کہ اگر زیادہ ہوگیا ہو تو دیکھ لو۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اس مقدار سے کم بھی کیا جا سکتا ہے۔ اور زمین کی پیداوار کے مطابق خراج لازم کیا جائے گا۔ ۔ ریع: غلہ، پیداوار۔

ترجمہ :۲؎ غلہ زیادہ ہو تو خراج زیادہ کرنا امام محمدؒ کے یہاں جائز ہے، وہ نقصان پر قیاس کرتے ہیں، اور امام ابو یوسفؒ کے یہاں زیادہ کرنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ حضرت عمر کو زیادہ طاقت رکھنے کی خبر دی گئی تو انہوں نے زیادہ نہیں کیا۔

تشریح : کھیت میں غلہ زیادہ ہو تو حضرت عمر کے مقرر کردہ خراج سے زیادہ کرنا بھی امام محمدؒ کے یہاں جائز ہے، جیسے غلہ کم ہو تو خراج کم بھی کیا جا سکتا ہے۔ امام ابو یوسفؒ کے یہاں زیادہ نہیں کیا جا سکتا۔

وجہ : وہ فرماتے ہیں کہ حضرت حذیفہؓ نے جب حضرت عمرؓ کو خبر دی کہ زمین اس سے زیادہ کی طاقت رکھتی ہے تب بھی انہوں نے خراج زیادہ نہیں کیا، جس سے معلوم ہوا کہ غلہ زیادہ ہو تب بھی خراج کو زیادہ کرنا جائز نہیں ہے۔

ترجمہ: (۲۸۶۴) اگر خراجی زمین پر پانی غالب آ گیا یا اس سے پانی منقطع ہوگیا یا آفت نے کھیتی برباد کر دی تو ان پر خراج نہیں ہے۔

ترجمہ :ا؎ اس لئے کہ کھیتی کرنے کی قدرت ختم ہوگئی اور وہ ہے تقدیری بڑھوتری، خراج میں یہی معتبر ہے۔

۲؎ وَفِيمَا إِذَا اصْطَلَمَ الزَّرْعَ آفَةٌ فَاتَ النَّمَاءُ التَّقْدِيرِيُّ فِي بَعْضِ الْحَوْلِ وَكَوْنُهُ نَامِيًا فِي جَمِيعِ الْحَوْلِ شَرْطٌ كَمَا فِي مَالِ الزَّكَاةِ أَوْ يُدَارُ الْحُكْمُ عَلَى الْحَقِيقَةِ عِنْدَ خُرُوجِ الْخَارِجِ.

(۲۸۶۵) قَالَ: وَإِنْ عَطَّلَهَا صَاحِبُهَا فَعَلَيْهِ الْخَرَاجُ؛ ۱؎ لِأَنَّ التَّمَكُّنَ كَانَ ثَابِتًا وَهُوَ الَّذِي فَوَّتَهُ.

تشریح: پہلے قاعدہ گزر چکا ہے کہ پیداوار کے مطابق خراج ہوگا۔اس قاعدے پر قیاس کرتے ہوئے اگر کسی مصیبت کی وجہ سے کھیتی ہی نہیں ہو پائی تو خراج ساقط ہو جائے گا۔مثلا سیلاب نے کھیتی برباد کر دی۔یا بارش ہی نہیں ہوئی یا کوئی آفت آ گئی جس کی وجہ سے کھیتی اجڑ گئی تو اہل خراج پر خراج نہیں ہوگا۔

وجہ:(۱) جب کھیتی ہی نہیں ہوئی تو خراج کہاں سے دے گا(۲) اوپر کے اثر میں تھا کہ طاقت کے مطابق خراج ہو اور یہاں آفت کی وجہ سے طاقت باقی نہیں رہی اس لئے خراج ساقط ہو جائے گا(۳) اوپر کے اثر کے علاوہ یہ اثر بھی ہے۔ قال الحسن واما اراضیهم فعلیها الخراج الذی وضعه عمر بن الخطابؓ فان احتملوا اکثر من ذلک فلا یزاد علیهم وان عجزوا عن ذلک خفف عنهم ولا یکلفون فوق طاقتهم کما قال عمرؓ (رواہ یحیی بن آدم فی الخراج، ص ۳۳، نمبر ۲۸، اعلاء السنن، ج ثانی عشر، ص ۴۳۷، نمبر ۴۱۰۰) اس اثر میں ہے کہ اگر خراج دینے والا عاجز ہو جائے تو اس سے کم کیا جائے۔یہاں کھیتی ہوئی ہی نہیں اس لئے اس سے خراج معاف ہو جائے گا۔

لغت: اصطلم : صلم سے مشتق ہے جڑ سے اکھیڑنا، کھیتی برباد ہونا، الزرع : کھیتی۔

ترجمہ: ۲؎ اور جس صورت میں آفت نے کھیتی برباد کر دی تو بعض سال میں تقدیری بڑھوتری ختم ہوگئی حالانکہ پورے سال میں بڑھوتری ہونا خراج کے لئے شرط ہے، جیسے کہ زکوۃ میں ہوتا ہے، اور حکم کا دار مدار پیداوار نکلنے کی حقیقت پر ہے۔

تشریح: اس عبارت میں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حقیقت میں پیداوار کا امکان ہو تب خراج ہے، اور یہاں آفت نے پیداوار کے امکان کو ختم کر دیا اس لئے خراج نہیں ہوگا۔

ترجمہ: (۲۸۶۵) اور اگر بیکار چھوڑ دیا زمین کے مالک نے تو اس پر خراج ہے۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ پیداوار کی قدرت ثابت تھی لیکن خود زمین والے نے اس کو ختم کیا ہے [اس لئے اس پر خراج لازم ہوگا]

تشریح: کھیتی کرنے کی تمام سہولتیں میسر تھیں لیکن زمین کے مالک نے سستی کی وجہ سے کھیتی ہی نہیں کی تو اس پر خراج ہوگا۔

وجہ:(۱) اس سے اس کی سستی دور ہوگی (۲) غلطی خود مالک زمین کی ہے اس لئے خراج ساقط نہیں ہوگا۔

اصول: مالک زمین کی غلطی ہو تو خراج ساقط نہیں ہوگا۔

لغت: عطل : بیکار چھوڑ دیا۔

۲ قَالُوا: مَنْ انْتَقَلَ إِلَى أَخَسِّ الْأَمْرَيْنِ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ فَعَلَيْهِ خَرَاجُ الْأَعْلَى؛ لِأَنَّهُ هُوَ الَّذِي ضَيَّعَ الزِّيَادَةَ، وَهٰذَا يُعْرَفُ وَلَا يُفْتَى بِهِ كَيْ لَا يَتَجَرَّأَ الظَّلَمَةُ عَلَى أَخْذِ أَمْوَالِ النَّاسِ.

(٢٨٦٦) وَمَنْ أَسْلَمَ مِنْ أَهْلِ الْخَرَاجِ أُخِذَ مِنْهُ الْخَرَاجُ عَلَى حَالِهِ؛ ١ لِأَنَّ فِيهِ مَعْنَى الْمُؤْنَةِ فَيُعْتَبَرُ مُؤْنَةً فِي حَالَةِ الْبَقَاءِ فَأَمْكَنَ إِبْقَاؤُهُ عَلَى الْمُسْلِمِ.

ترجمہ: ۲ علماء نے فرمایا کہ بغیر عذر کے کوئی ادنی کاشتکاری کی طرف منتقل ہوا تو اس پر اعلی کاشتکاری کا خراج لازم ہوگا اس لئے کہ اس نے زیادہ غلے کو ضائع کیا ہے، اس کا علم ہونا چاہئے لیکن اس کا فتوی نہیں دینا چاہئے تا کہ ظالم لوگ مال لینے پر جرأت نہ کریں۔

تشریح: مثلا کوئی کھیت میں زعفران بوتا تھا جس پر زیادہ خراج تھا، اب بغیر کسی عذر کے اس نے گیہوں بو دیا تو اس سے زعفران کا ہی خراج لیا جائے گا، کیونکہ بغیر کسی عذر کے زیادہ پیداوار کو ضائع کیا ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اس کا علم تو علماء کو ہونا چاہئے، لیکن اس کا فتوی نہیں دینا چاہئے، کیونکہ ظالم حکمراں لوگوں سے زیادہ خراج وصول کرنے کے لئے تنگ کریں اور ظلم کریں گے۔

ترجمہ: (٢٨٦٦) اگر خراج دینے والا مسلمان ہو جائے تو اس سے بدستور خراج لیا جائے گا۔

وجہ: (۱) مسلمانوں پر ابتدائی طور پر خراج لازم کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ لیکن اگر پہلے سے خراج لازم ہے اور زمین کا مالک مسلمان ہو گیا تو خراج لازم ہی رہے گا (۲) قول صحابی میں ہے۔ عن عمرؓ و علیؓ قالا اذا اسلم وله ارض وضعنا عنه الجزية واخذنا خراجها (مصنف ابن ابی شیبۃ، ٦٥ ما قالوا فی الرجل من اهل الذمۃ یسلم من قال یرفع عنہ الجزیۃ، ج سادس، ص ٤٦٧، نمبر ٣٢٩٣٢) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ مسلمان ہونے سے جزیہ تو ساقط ہو جائے گا لیکن خراج ساقط نہیں ہوگا (۳) کیونکہ جزیہ کافر کے سر پر ہے جو ذلت کی چیز ہے، اور خراج اس کی زمین پر ہے جو اتنی ذلت کی چیز نہیں ہے۔

اصول: ابتداء تو مسلمان پر خراج صحیح نہیں ہے، لیکن بقاء ہو سکتا ہے، اسی طرح خراج کا سبب اختیار کرے، مثلا خراجی زمین خریدے تب بھی خراج ہو سکتا ہے، کیوں کہ مسلمان نے خود ہی اپنے اوپر خراج لازم کیا ہے۔

ترجمہ: ١ اس لئے کہ خراج میں محصول کا معنی ہے اس لئے بقاء کی حالت میں محصول کا معنی کا اعتبار کیا جائے گا اس لئے مسلمان پر خراج باقی رکھنا ممکن ہے۔

تشریح: بقاء کی حالت میں مسلمان پر خراج صحیح ہونے کی دلیل عقلی ہے۔ خراج کا دوسرا معنی محصول کے ہیں اس لئے بقاء کی حالت میں محصول مسلمان پر ہو سکتا ہے۔

(۲۸۶۷)وَيَجُوزُ أَنْ يَشْتَرِيَ الْمُسْلِمُ أَرْضَ الْخَرَاجِ مِنَ الذِّمِّيِّ وَيُؤْخَذَمِنْهُ الْخَرَاجُ لِمَا قُلْنَا، ۱؎وَقَدْ صَحَّ أَنَّ الصَّحَابَةَ اشْتَرَوْاأَرَاضِيَ الْخَرَاجِ وَكَانُوايُؤَدُّونَ خَرَاجَهَا،فَدَلَّ عَلَى جَوَازِالشِّرَاءِ وَأَخْذِ الْخَرَاجِ وَأَدَائِهِ لِلْمُسْلِمِ مِنْ غَيْرِ كَرَاهَةٍ(۲۸۶۸) ۵وَلَا عُشْرَ فِي الْخَارِجِ مِنْ أَرْضِ الْخَرَاجِ.

ترجمہ:(۲۸۶۷) جائز ہے کہ مسلمان ذمی سے خراجی زمین خریدے اوراس سے خراج لیا جائے۔

ترجمہ :۱؎ اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے پہلے کہا[کہ خراج کا معنی محصول کے ہےاس لئے مسلمان پر بقاء ہوسکتا ہے]اور صحیح روایت میں ہے کہ صحابہ نے خراج کی زمین خریدی اوروہ خراج ادا کیا کرتے تھے، یہ دلالت کرتا ہے کہ خریدنا جائز ہے،اور خراج کا لینااور مسلمانوں کا خراج ادا کرنا بغیر کراہیت کے ٹھیک ہے۔

تشریح:خراجی زمین کوخریدنا جائز ہے، کیونکہ صحابہ نے اس کوخریدا ہےاور خراج ادا کیا ہے۔

وجہ :(۱)صاحب ہدایہ کاعمل صحابہ یہ ہے۔ **عن ابن ابی لیلی قال اشتری الحسن بن علیؓ ملحة او ملحا واشتری الحسین بن علی بریدین من ارض الخراج وقال قد رد الیهم عمرؓ ارضهم وصالحهم علی الخراج** (سنن للبیہقی ،باب من رخص فی شراء ارض الخراج، ج تاسع ،ص ۲۳۷،نمبر ۱۸۴۰۵)اس اثر سے معلوم ہوا کہ صحابہ نے خراجی زمین خریدی اور حضرت عمرؓ نے اس پر خراج لازم فرمایا۔قال اشتری عبداللہ [بن الحسن] ارضا من ارض خراج۔ (سنن للبیہقی ،باب من رخص فی شراء ارض الخراج، ج تاسع ،ص ۲۳۷،نمبر ۱۸۴۰۳) اس عمل صحابہ سے معلوم ہوا کہ صحابہ نے خراجی زمین خریدی۔جس سے معلوم ہوا کہ ابتدائی طور پر مسلمان پر خراج لازم کرنا صحیح نہیں ،لیکن خراجی زمین خریدے گا تو اس کے واسطے سے مسلمان پر خراج لازم ہوجائے گا۔

فائدہ:حضرت عمرؓ خراجی زمین خریدنے کو ناپسند فرماتے تھے۔**عن نافع ان عبد الله بن عمرؓ کان اذا سئل عن الرجل من اهل الاسلام یأخذ الارض من اهل الذمة بما علیها من الخراج یقول لا یحل لمسلم او لا ینبغی لمسلم ان یکتب علی نفسه الذل والصغار** (سنن للبیہقی ،باب الارض اذا کانت صلحا رقابہا لاھلھا وعلیھا خراج یؤدونھا فاخذھا منھم مسلم بکراء، ج تاسع ،ص ۲۳۶،نمبر ۱۸۳۹۷)اس قول صحابی میں ہے کہ خراجی زمین خریدنا ذلت کی چیز ہے۔

ترجمہ:(۲۸۶۸)خراجی زمین کی پیداوار میں عشر نہیں ہے۔

وجہ:(۱) خراجی زمین میں خراج بھی لازم ہواور عشر بھی لازم ہوتو دوگنی رقم ہوجائے گی جو جائز نہیں (۲)اور خراج ساقط کر کے عشر لازم نہیں کر سکتے جیسا کہ پہلے گزرا۔اس لئے اس پر خراج ہی لازم ہوگا (۳) قول تابعی میں ہے جس کو آگے صاحب ہدایہ نے ذکر کیا ہے۔ **عن الشعبی قال لا یجتمع خراج وعشر فی ارض** (مصنف ابن ابی شیبۃ ،باب ۱۱۱

۱؎ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يُجْمَعُ بَيْنَهُمَا؛ لِأَنَّهُمَا حَقَّانِ مُخْتَلِفَانِ وَجَبَا فِي مَحِلَّيْنِ بِسَبَبَيْنِ مُخْتَلِفَيْنِ فَلَا يَتَنَافَيَانِ. ۲؎ وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "لَا يَجْتَمِعُ عُشْرٌ وَخَرَاجٌ فِي أَرْضِ مُسْلِمٍ"، ۳؎ وَلِأَنَّ أَحَدًا مِنْ أَئِمَّةِ الْعَدْلِ وَالْجَوْرِ لَمْ يَجْمَعْ بَيْنَهُمَا، وَكَفَى بِإِجْمَاعِهِمْ حُجَّةً؛ ۴؎ وَلِأَنَّ الْخَرَاجَ يَجِبُ فِي أَرْضٍ فُتِحَتْ عَنْوَةً قَهْرًا، وَالْعُشْرُ فِي أَرْضٍ أَسْلَمَ أَهْلُهَا طَوْعًا، وَالْوَصْفَانِ لَا يَجْتَمِعَانِ فِي أَرْضٍ وَاحِدَةٍ، ۵؎ وَسَبَبُ الْحَقَّيْنِ وَاحِدٌ وَهُوَ الْأَرْضُ النَّامِيَةُ إِلَّا أَنَّهُ يُعْتَبَرُ فِي الْعُشْرِ تَحْقِيقًا وَفِي الْخَرَاجِ تَقْدِيرًا، وَلِهَذَا يُضَافَانِ إِلَى الْأَرْضِ،

من قال لا تجتمع خراج وعشر علی ارض، ج ثانی ص ۴۱۹، نمبر ۱۰۶۰۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ خراجی زمین میں عشر نہیں ہے۔

ترجمہ :۱؎ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ عشر اور خراج دونوں جمع ہو سکتے ہیں اس لئے کہ دونوں مختلف حق ہیں محل بھی دو ہیں اور سبب بھی دو ہیں اس لئے دونوں میں تنافی نہیں ہے۔

تشریح: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ایک ہی زمین پر عشر اور خراج لازم ہو سکتے ہیں۔

وجہ :عشر اس غلے میں لازم ہوتا ہے، جو پیدا ہو چکا ہے اس میں دسواں حصہ ہے، اور خراج زمین پر لازم ہوتا ہے، اس لئے دونوں کی جگہ الگ الگ ہیں اس لئے دونوں چیزیں لازم ہو سکتی ہیں۔

ترجمہ :۲؎ ہماری دلیل حضورؐ کا قول ہے کہ مسلمان کی زمین میں خراج اور عشر جمع نہیں ہو سکتے۔

تشریح: یہ قول صحابی اوپر گزر چکا ہے۔

ترجمہ :۳؎ اور اس لئے کہ کسی عادل یا ظالم حکمراں نے دونوں کو جمع نہیں کیا اور ان حضرات کی اجماع ہی ہمارے لئے حجت کافی ہے۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ :۴؎ اور اس لئے کہ خراج اس زمین واجب ہوتا ہے جس کو زبردستی فتح کیا ہو اور عشر اس زمین میں ہوتا ہے جس کے لوگ خوشی سے اسلام لائے ہوں، اور دونوں صفت ایک زمین میں جمع نہیں ہو سکتی۔

تشریح :یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے، کہ یہاں دونوں دو صفتیں ہیں جو ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتی۔ خراج کی وجہ زمین پر زبردستی قبضہ کرنا ہے اور عشر کی وجہ خوشی سے اسلام لانا ہے، اور دونوں ایک زمین میں جمع نہیں ہو سکتی، اسلئے دونوں ایک ساتھ لازم نہیں ہوں گے۔

ترجمہ:۵؎ دونوں کا حق ایک ہے اور وہ ہے پیدا کرنے والی زمین، البتہ عشر اس وقت ہوگا جب واقعی غلہ پیدا ہو چکا ہو، اور خراج اس وقت لازم ہوتا ہے جبکہ زمین میں پیدا کرنے کی صلاحیت ہو، یہی وجہ ہے کہ دونوں کو زمین کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

۶ وَعَلٰى هٰذَا الْخِلَافِ الزَّكَاةُ مَعَ أَحَدِهِمَا.

(۲۸۶۹) وَلَا يَتَكَرَّرُ الْخَرَاجُ بِتَكَرُّرِ الْخَارِجِ فِيْ سَنَةٍ؛ ۱ لِأَنَّ عُمَرَ لَمْ يُوَظِّفْهُ مُكَرَّرًا، بِخِلَافِ الْعُشْرِ؛ لِأَنَّهُ لَا يَتَحَقَّقُ عُشْرًا إِلَّا بِوُجُوبِهِ فِيْ كُلِّ خَارِجٍ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

تشریح: یہ بھی امام شافعیؒ کو جواب ہے، انہوں نے کہا تھا کہ عشر اور خراج دو حق ہیں، اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ دونوں زمین ہی کا حق ہے، البتہ عشر میں واقعی پیدا ہو چکا ہو تب لازم ہوتا ہے، اور خراج میں پیدا ہونا ممکن ہو تو لازم ہو جاتا ہے، لیکن دونوں حق زمین کا ہی ہے، اس لئے ایک ہی زمین میں دو حق جمع نہیں ہو سکتے۔

ترجمہ: ۶ اسی اختلاف پر عشر اور خراج کے ساتھ زکوۃ ہے۔

تشریح: ایک آدمی نے تجارت کی نیت سے عشری زمین خریدی تو تجارت کی نیت کی وجہ سے زکوۃ لازم ہو، اور وہ زمین عشری ہے اس لئے عشر بھی لازم ہو، امام شافعیؒ کے یہاں یہ دونوں ایک ساتھ لازم ہو سکتے ہیں، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یا زکوۃ لازم ہو گی، یا عشر لازم ہوگا، دونوں لازم نہیں ہوں گے۔ دوسری صورت۔ ایک آدمی نے تجارت کی نیت سے خراجی زمین خریدی تو تجارت کی نیت کی وجہ سے زکوۃ لازم ہو، اور وہ زمین خراجی ہے اس لئے خراج بھی لازم ہو، امام شافعیؒ کے یہاں یہ دونوں ایک ساتھ لازم ہو سکتے ہیں، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یا زکوۃ لازم ہو گی، یا خراج لازم ہوگا، دونوں لازم نہیں ہوں گے۔

ترجمہ: (۲۸۶۹) سال میں دو مرتبہ پیداوار ہونے کی وجہ سے دو مرتبہ خراج لازم نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ حضرت عمرؓ نے زمین کا وظیفہ مکرر نہیں کیا، بخلاف عشر کے، اس لئے کہ عشر تو پیداوار میں ہوتا ہے [اس لئے دو مرتبہ پیداوار ہو گی تو دو مرتبہ عشر لازم ہوگا۔

تشریح: سال میں دو مرتبہ پیداوار ہوئی تو دو مرتبہ خراج نہیں لیا جائے گا، بلکہ سال میں ایک ہی مرتبہ خراج لازم ہوگا، البتہ عشر چونکہ پیداوار میں ہوتا ہے اس لئے جتنی مرتبہ پیداوار ہو گی اتنی ہی مرتبہ عشر لازم ہوگا۔

وجہ: (۱) حضرت عمر نے دو مرتبہ خراج نہیں لیا اس لئے دو مرتبہ خراج نہیں لیا جائے گا۔ (۲) قول صحابی میں ہے۔ **جاء نصرانی الی عمر فقال ان عاملک عشر فی السنة مرتین فقال من انت ؟فقال انا الشیخ النصرانی فقال له عمر و انا الشیخ الحنیف فکتب الی عامله ان لا تعشر فی السنة الا مرة** (مصنف ابن ابی شیبة، باب من کان لا یری العشور فی السنة الا مرة، ج ثانی، ص ۴۱۸، نمبر ۱۰۵۸۹) اس قول صحابی میں ہے کہ سال میں ایک ہی مرتبہ خراج لیا جائے گا، یہاں قول صحابی میں عشر سے مراد خراج ہے، کیونکہ نصرانی پر عشر لازم نہیں ہوتا۔

﴿بَابُ الْجِزْيَةِ﴾

(۲۸۷۰) وَهِيَ عَلٰى ضَرْبَيْنِ: جِزْيَةٌ تُوضَعُ بِالتَّرَاضِي وَالصُّلْحِ فَتَتَقَدَّرُ بِحَسَبِ مَا يَقَعُ عَلَيْهِ الِاتِّفَاقُ ۱؎ كَمَا "صَالَحَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَهْلَ نَجْرَانَ عَلَى أَلْفٍ وَمِائَتَيْ حُلَّةٍ"، ۲؎ وَلِأَنَّ الْمُوجِبَ هُوَ التَّرَاضِي فَلَا يَجُوزُ التَّعَدِّي إلَى غَيْرِ مَا وَقَعَ عَلَيْهِ الِاتِّفَاقُ.

﴿ جزیہ کے احکام ﴾

ضروری نوٹ : زمین پر جوٹیکس مقرر ہو اس کو خراج کہتے ہیں، اور انسان کی ذات پر جوٹیکس مقرر ہو اس کو جزیہ کہتے ہیں۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے۔ قاتلوا الذین لا یومنون باللہ ولا بالیوم الآخر ولا یحرمون ماحرم اللہ ورسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتاب حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون (آیت ۲۹، سورۃ التوبۃ ۹) اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار پر جزیہ مقرر کیا جائے گا

ترجمہ: (۲۸۷۰) جزیہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک جزیہ وہ کہ رضامندی اور صلح سے مقرر کرے، پس مقرر کیا جائے گا جس پر اتفاق ہو جائے۔

ترجمہ :۱؎ جیسے حضورؐ نے نجران والوں سے بارہ سو حلے پر صلح کی تھی۔

تشریح: امیر المومنین اور ذمی کے درمیان جزیہ کے جس مقدار پر صلح ہو جائے اتنا جزیہ جائز ہو جائے گا۔

وجہ: قبیلہ نجران سے حضورؐ نے دو ہزار حلے کے جزیے پر صلح فرمائی تھی صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن ابن عباسؓ قال صالح رسول اللہ ﷺ اھل نجران علی الفئ حلۃ النصف فی صفر والنصف فی رجب یؤدونھا الی المسلمین (ابوداؤد شریف، باب فی اخذ الجزیۃ، ص، نمبر ۳۰۴۱) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے اہل نجران سے دو ہزار حلے پر صلح کی، اور یہی جزیہ مقرر رہا۔

ترجمہ :۲؎ اور اس لئے کہ جزیہ کا سبب رضامندی ہے اس لئے جس پر اتفاق ہوا ہے اس سے آگے نہیں بڑھنا چاہئے۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے کہ یہ معاملہ رضامندی سے طے ہوا ہے اس لئے جس پر اتفاق ہو جائے وہی لازم ہوگا اس سے آگے نہیں بڑھنا چاہئے۔

(۲۸۷۱) وَجِزْيَةٌ يَبْتَدِئُ الْإِمَامُ وَضْعَهَا إِذَا غَلَبَ الْإِمَامُ عَلَى الْكُفَّارِ، وَأَقَرَّهُمْ عَلَى أَمْلَاكِهِمْ، فَيَضَعُ عَلَى الْغَنِيِّ الظَّاهِرِ الْغِنَى فِي كُلِّ سَنَةٍ ثَمَانِيَةً وَأَرْبَعِينَ دِرْهَمًا يَأْخُذُ مِنْهُمْ فِي كُلِّ شَهْرٍ أَرْبَعَةَ دَرَاهِمَ. وَعَلَى وَسَطِ الْحَالِ أَرْبَعَةً وَعِشْرِينَ دِرْهَمًا فِي كُلِّ شَهْرٍ دِرْهَمَيْنِ، وَعَلَى الْفَقِيرِ الْمُعْتَمِلِ اثْنَيْ عَشَرَ دِرْهَمًا فِي كُلِّ شَهْرٍ دِرْهَمًا ۱؎ وَهٰذَا عِنْدَنَا. ۲؎ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يَضَعُ عَلَى كُلِّ حَالِمٍ دِينَارًا أَوْ مَا يَعْدِلُ الدِّينَارَ، وَالْغَنِيُّ وَالْفَقِيرُ فِي ذٰلِكَ سَوَاءٌ "لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِمُعَاذٍ خُذْ مِنْ كُلِّ حَالِمٍ وَحَالِمَةٍ دِينَارًا أَوْ عِدْلَهُ مَعَافِرَ" مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ.

ترجمہ:(۲۸۷۱)اوروہ جزیہ جو امام ابتداءً مقرر کرے جب وہ غالب آئے کفار اور مالکوں کو ان کی ملکیتوں پر برقرار رکھے تو ظاہری مالدار پر ہر سال اڑتالیس درہم مقرر کرے، اور اس سے ہر مہینے میں چار درہم لے۔ اور اوسط درجے کے آدمی پر چوبیس درہم، ہر مہینے میں دو درہم۔ اور مزدوری کرنے والے فقیر پر بارہ درہم، ہر مہینے میں ایک درہم لے۔

ترجمہ:۱؎ یہ ہمارے یہاں ہے۔

تشریح:اگر کفار سے جزیہ کے بارے میں بات طے نہ ہوئی ہو اور امام کفار پر غلبہ کرنے کے بعد اپنے طور پر جزیہ مقرر کرے تو اس کی مقدار یہ ہو کہ جو اچھا مالدار ہے اس پر سالانہ اڑتالیس درہم اور ہر ماہ میں چار درہم وصول کرے۔ اور درمیانی حال والے پر چوبیس درہم ہر ماہ میں دو درہم وصول کرے۔ اور مزدوری کرنے والے فقیر پر بارہ درہم ہر ماہ میں ایک درہم وصول کرے۔

وجہ:(۱) جزیہ مقرر کرے اس کی دلیل یہ آیت ہے۔ قاتلوا الذین لا یومنون باللہ ولا بالیوم الآخر ولا یحرمون ماحرم اللہ ورسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتاب حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون (آیت ۲۹، سورۃ التوبۃ ۹) اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار پر جزیہ مقرر کیا جائے گا (۲) اور مقدار کے بارے میں یہ قول صحابی ہے۔ قال وضع عمر بن الخطاب فی الجزیۃ علی رء وس الرجال علی الغنی ثمانیۃ و اربعین درھما وعلی الوسط اربعۃ وعشرین وعلی الفقیر اثنی عشر درھما (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۷۱ ما قالوا فی وضع الجزیۃ والقتال علیھا، ج سادس، ص ۴۳۲، نمبر ۳۲۶۳۳ رسنن للبیہقی، باب الزیادۃ علی الدینار بالصلح، ج تاسع، ص ۳۲۹، نمبر ۱۸۶۸۵) اس اثر سے مقدار کی تفصیل معلوم ہوئی (۳) اس میں مالدار اور فقیر کی رعایت ہے کہ مالدار پر زیادہ ہے اور فقیر پر کم ہے۔

لغت: المعتمل : عمل سے مشتق ہے کام کرنے والا۔

ترجمہ:۲؎ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ ہر بالغ پر ایک دینار لازم ہوگا، یا دینار کی قیمت کے جو برابر ہوگا وہ لازم ہوگا اور اس میں فقیر اور مالدار برابر ہے، حضرت معاذ کو حضورؐ نے فرمایا۔ بالغ مرد اور بالغ عورت سے ایک دینار لو یا اس کے برابر معافر کپڑا

۳؎ وَلِأَنَّ الْجِزْيَةَ إِنَّمَا وَجَبَتْ بَدَلًا عَنْ الْقَتْلِ حَتَّى لَا تَجِبَ عَلَى مَنْ لَا يَجُوزُ قَتْلُهُ بِسَبَبِ الْكُفْرِ كَالذَّرَارِيِّ وَالنِّسْوَانِ، وَهَذَا الْمَعْنَى يَنْتَظِمُ الْفَقِيرَ وَالْغَنِيَّ. ۴؎ وَمَذْهَبُنَا مَنْقُولٌ عَنْ عُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِيٍّ، وَلَمْ يُنْكِرْ عَلَيْهِمْ أَحَدٌ مِنْ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ؛ ۵؎ وَلِأَنَّهُ وَجَبَ نُصْرَةً لِلْمُقَاتِلَةِ فَتَجِبُ عَلَى التَّفَاوُتِ بِمَنْزِلَةِ خَرَاجِ الْأَرْضِ، ۶؎ وَهَذَا لِأَنَّهُ وَجَبَ بَدَلًا عَنْ النُّصْرَةِ بِالنَّفْسِ وَالْمَالِ وَذَلِكَ يَتَفَاوَتُ بِكَثْرَةِ الْوَفْرِ وَقِلَّتِهِ، فَكَذَا مَا هُوَ بَدَلُهُ،

لو، اس میں غریب اور مالدار کا فرق نہیں ہے۔

تشریح: امام شافعیؒ کے یہاں غریب اور مالدار کا فرق نہیں ہے، بلکہ دونوں سے سالانہ ایک دینار لیا جائے گا، یا دینار کی قیمت میں جو معافیر کپڑا آتا ہو وہ لیا جائے گا۔

وجہ: حدیث میں ہے جس کو صاحب ہدایہ نے ذکر کی ہے۔ **عن معاذ ان النبی ﷺ لما وجھہ الی الیمن امرہ ان یاخذ من کل حالم یعنی محتلما دینارا او عدلہ من المعافری ثیاب تکون بالیمن.** (ابو داؤد شریف، باب فی اخذ الجزیۃ، ص ۴۴۷، نمبر ۳۰۳۸ / ترمذی شریف، باب ما جاء فی زکوۃ البقر، ص ۱۶۱، نمبر ۶۲۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر مرد پر سالانہ ایک دینار لازم ہوگا چاہے مالدار ہو یا غریب۔

ترجمہ: ۳؎ اور اس لئے کہ جزیہ قتل کے بدلے میں واجب ہے، یہی وجہ ہے کہ کفر کی وجہ سے جس کا قتل کرنا واجب نہیں جیسے بچہ اور عورت ان پر جزیہ واجب نہیں ہے، اور یہ معنی فقیر اور مالدار دونوں کو شامل ہے۔

تشریح: یہ شافعیؒ کی دلیل عقلی ہے کہ، جزیہ قتل کی وجہ سے واجب ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ کفر کی وجہ سے جسکو قتل کرنا جائز نہیں، جیسے بچے اور عورتیں ان پر جزیہ واجب نہیں ہے، اور قتل میں مالدار اور غریب برابر ہیں اسلئے دونوں پر ایک ساں جزیہ واجب ہوگا۔

ترجمہ: ۴؎ اور ہمارا مذہب حضرت عمر، عثمان اور علیؓ سے منقول ہے اور ان پر کسی مہاجر اور انصار نے انکار نہیں کیا۔

تشریح: اس کے بارے میں حضرت عمر کا قول پہلے ذکر کر چکا ہوں۔

ترجمہ: ۵؎ اور اس لئے کہ یہ جزیہ مجاہدین کی مدد کے لئے واجب ہوا ہے اس لئے زمین کے خراج کی طرح [غریب اور مالدار میں] فرق کے ساتھ وجب ہوگا۔

تشریح: ہمارا نظریہ یہ ہے کہ جزیہ مجاہدین کی مدد کے لئے واجب ہوا ہے، اس لئے جس طرح خراج میں انگور میں دس درہم اور غلے میں ایک درہم ہے تا کہ مجاہدین کی مدد ہو سکے اسی طرح جزیہ میں فرق ہونا چاہئے۔

ترجمہ: ۶؎ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ جزیہ نفس اور مدد کی حفاظت کے بدلے میں ہے اور یہ مال کسی کے پاس زیادہ ہوتا ہے

ے وَمَا رَوَاهُ مَحْمُولٌ عَلَى أَنَّهُ كَانَ ذٰلِكَ صُلْحًا، وَلِهٰذَا أَمَرَهُ بِالْأَخْذِ مِنَ الْحَالِمَةِ وَإِنْ كَانَتْ لَا يُؤْخَذُ مِنهَا الْجِزْيَةُ.

(۲۸۷۲)قَالَ: وَتُوضَعُ الْجِزْيَةُ عَلَى أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمَجُوسِ ا لِقَوْلِهِ تَعَالٰى ﴿مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ﴾ الْآيَةَ، "وَوَضَعَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجِزْيَةَ عَلَى الْمَجُوسِ".

اور کسی کے پاس کم ہوتا ہے، اس لئے اس بدلہ [جزیہ] بھی کم بیش ہوگا۔

تشریح : یہ امام ابو حنیفہؒ کی جانب سے دلیل عقلی ہے، کہ جزیہ نفس اور مال کی حفاظت کے بدلے میں ہے، اور مال کسی کے پاس زیادہ ہوتا ہے اور کسی کے پاس کم ہوتا ہے اس لئے جزیہ میں بھی فرق ہونا چاہئے۔

ترجمہ : ے اور امام شافعیؒ نے جو حدیث پیش کی ہے وہ صلح پر محمول ہے، کہ اسی پر صلح ہوئی ہوگی یہی وجہ ہے کہ حدیث میں عورتوں سے بھی لینے کا حکم ہے، حالانکہ عورتوں سے جزیہ نہیں لیا جاتا ہے۔

تشریح: امام شافعیؒ نے جو حدیث پیش کی ہے ہوسکتا ہے کہ اسی پر صلح ہوئی ہو، یہی وجہ ہے کہ اس حدیث میں حالمہ کا لفظ ہے کہ عورت سے بھی جزیہ لیا جائے۔ حالانکہ عورت سے جزیہ نہیں لیا جاتا ہے۔

نوٹ: امام شافعیؒ نے جو حضرت معاذ والی حدیث پیش کی ہے وہ صلح کے طور پر نہیں ہے، بلکہ حضورؐ نے اس کو یہ لینے کا حکم دیا ہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ عام حدیث میں حالمہ کا لفظ نہیں ہے، صرف حالم کا لفظ ہے، دار قطنی میں معمر کے قول میں حالمہ کا لفظ ہے۔ دار قطنی کی حدیث یہ ہے۔ **عن معاذ بن جبل .....و من كل حالم دينارا او عدله معافر....** اور دوسری حدیث میں ہے۔ **و قال معمر حالمة** ۔ (دار قطنی، کتاب الزکوۃ، ج ثانی ص ۸۷، نمبر ۱۹۱۸، نمبر ۱۹۱۹) یہاں دوسری حدیث میں معمر کا ایک قول حالمہ کی ہے۔

ترجمہ: (۲۸۷۲) جزیہ مقرر کیا جائے گا اہل کتاب پر اور مجوسیوں پر اور عجم کے بت پرستوں پر۔

ترجمہ : ا اللہ تعالی کے قول کی وجہ سے کہ وہ لوگ جو اہل کتاب ہیں ان سے یہاں تک قتال کرو کہ وہ جزئی دینے پر مجبور ہو جائیں۔ اور حضورؐ نے ہجر کے مجوس پر جزیہ مقرر کیا۔

تشریح : یہود اور نصاری اور مجوسی چاہے عرب میں رہتے ہوں یا عجم میں رہتے ہوں۔ اگر وہ ذمی بن کر رہنا چاہیں تو ان پر جزیہ مقرر ہوگا۔ اسی طرح عجم کے بت پرست ذمی بن کر رہنا چاہیں تو ان کے سروں پر جزیہ مقرر ہوگا۔ البتہ عرب کے بت پرستوں پر جزیہ نہیں ہے یا وہ اسلام لائیں یا قتل کے لئے تیار رہیں ذمی بن کر عرب میں نہیں رکھا جا سکے گا۔

(۲۸۷۳) قَالَ: وَعَبَدَةِ الْأَوْثَانِ مِنَ الْعَجَمِ ١ وَفِيهِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّ. هُوَ يَقُولُ: إِنَّ الْقِتَالَ وَاجِبٌ لِقَوْلِهِ تَعَالَىٰ ﴿وَقَاتِلُوهُمْ﴾ إِلَّا أَنَّا عَرَفْنَا جَوَازَ تَرْكِهِ فِي حَقِّ أَهْلِ الْكِتَابِ بِالْكِتَابِ وَفِي حَقِّ الْمَجُوسِ بِالْخَبَرِ فَبَقِيَ مَنْ وَرَاءَ هُمْ عَلَى الْأَصْلِ.

وجه: (۱) اہل کتاب کیلئے جزیہ کیلئے یہ آیت ہے۔ قاتلوا الذین لایومنون باللہ ولاباليوم الآخر ولا يحرمون ماحرم اللہ ورسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتاب حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون (آیت ۲۹، سورۃ التوبۃ ۹) اس آیت میں ہے کہ اہل کتاب یعنی یہودی اور نصاری سے اس وقت تک قتال کیا جائے جب تک وہ جزیہ نہ دینے لگیں۔ اور یہ عرب اور غیر عرب کے قید سے عام ہے اس لئے عرب کے اہل کتاب پر بھی جزیہ مقرر کیا جا سکتا ہے۔ مجوسی سے جزیہ لینے کیلئے یہ حدیث ہے۔ سمعت عمرا قال ... فاتانا کتاب عمر بن الخطاب قبل موتہ بسنۃ فرقوا بین کل ذی محرم من المجوس ولم یکن عمر اخذ الجزیۃ من المجوس حتی شھد عبد الرحمن بن عوفؓ ان رسول اللہ ﷺ اخذھا من مجوس ھجر (بخاری شریف، باب الجزیۃ والموادعۃ مع اہل الذمۃ، ص ۴۴۶، نمبر ۳۱۵۶ / ۳۱۵۷ / ابوداؤد شریف، باب اخذ الجزیۃ من المجوس، ص ۵۷، نمبر ۳۰۴۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مجوس ہجر سے آپؐ نے جزیہ لیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ عرب کے مجوس سے جزیہ لیا جا سکتا ہے (۳) عن ابن عباس قال صالح رسول اللہ ﷺ اھل نجران علی الفیٔ حلۃ النصف فی صفر والنصف فی رجب یؤدونھا الی المسلمین (ابوداؤد شریف، باب فی اخذ الجزیۃ، ص، نمبر ۳۰۴۱) اہل نجران عرب کے عیسائی تھے ان سے جزیہ لیا جس سے معلوم ہوا کہ عرب کے اہل کتاب سے جزیہ لیا جا سکتا ہے۔

ترجمہ: (۲۸۷۳) اور عجم کے بت پرست سے جزیہ لیا جائے گا۔

وجه: عجم کے مشرکوں سے جزیہ لیا جائے اس کی دلیل لمبی حدیث کا یہ ٹکڑا ہے۔ قال بعث عمرؓ الناس فی افناء الامصار یقاتلون المشرکین ... فامرنا نبینا رسول ربنا صلی اللہ علیہ وسلم ان نقاتلکم حتی تعبدوا اللہ وحدہ او تؤدوا الجزیۃ (بخاری شریف، باب الجزیۃ والموادعۃ مع اہل الذمۃ والحرب، ص ۴۴۶، نمبر ۳۱۵۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عجم کے مشرکوں سے جزیہ لیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ افناء الامصار سے معلوم ہوا کہ عجم کے بت پرستوں سے جہاد کرنے گئے تھے۔

لغت: عبدالاوثان : وثن کی جمع ہے، بت کے بندے یعنی بت پرست، المجوس : جو قوم آگ کی پوجا کرتی ہے۔

ترجمہ: ١ اس بارے میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے، وہ فرماتے ہیں کہ عجم کے بت پرستوں سے قتال واجب ہے، کیونکہ اللہ تعالی نے فرمایا ان لوگوں سے قتال کرو، مگر اہل کتاب کے حق میں ہم کو آیت سے معلوم ہوا کہ قتال نہ کریں، اور مجوس کے حق

۲ وَلَنَا أَنَّهُ يَجُوزُ اسْتِرْقَاقُهُمْ فَيَجُوزُ ضَرْبُ الْجِزْيَةِ عَلَيْهِمْ إِذْ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يَشْتَمِلُ عَلَى سَلْبِ النَّفْسِ مِنْهُمْ فَإِنَّهُ يَكْتَسِبُ وَيُؤَدِّي إِلَى الْمُسْلِمِينَ وَنَفَقَتُهُ فِي كَسْبِهِ.

میں حدیث سے معلوم ہوا تو باقی لوگ اپنی اصل پر باقی رہے کہ ان سے قتال کیا جائے۔

تشریح: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ عجم کے بت پرستوں سے جزیہ نہیں لیا جائے گا، بلکہ وہ یا اسلام قبول کریں یا قتال کے لئے تیار ہو جائیں، جیسے عرب کے بت پرستوں کے بارے میں ہے کہ یا وہ اسلام قبول کریں یا وہ قتال کے لئے تیار ہو جائیں۔

وجه: ان کا استدلال کا طریقہ یہ ہے کہ ہم کو آیت میں یہ کہا گیا ہے کہ اہل کتاب، بت پرست، اور مجوس سے قتال کرو، پھر اوپر آیت سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب سے جزیہ لے سکتے ہو، اور حدیث میں گزری کہ حضورؐ نے مجوس سے جزیہ لیا اس لئے یہ دونوں قتال سے نکل گئے، تو اب بت پرست رہ گئے جس سے قتال واجب رہا، چاہے وہ عجم کے بت پرست ہوں چاہے وہ عرب کے بت پرست ہوں۔

وجه: (۱) اس آیت میں ہے کہ بت پرست، اہل کتاب اور مجوس سے قتال کرو۔ و قاتلوهم حتى لا تكون فتنة و يكون الدين لله۔ (آیت ۱۹۳، سورۃ البقرۃ ۲) (۲) و قاتلوهم حتى لا تكون فتنة و يكون الدين كله لله۔ (آیت ۳۹، سورۃ الانفال ۸)

ترجمہ: ۲ ہماری دلیل یہ ہے کہ جب عجم کے بت پرستوں کو غلام بنا کر رکھنا جائز ہے تو اس پر جزیہ بھی مقرر کرنا جائز ہو گا، اس لئے کہ غلام بنانے اور جزیہ وصول کرنے دونوں میں اس کے نفس کو چھیننا ہے اس لئے کہ وہ کماتا ہے اور اپنی کمائی میں سے مسلمان کو نفقہ ادا کرتا ہے۔

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ جب عجم کے بت پرستوں کو غلام بنا کر رکھنا جائز ہے تو اس پر جزیہ متعین کرنا بھی جائز ہوگا، کیونکہ غلام بھی کما کر مسلمان آقا کو دیتا ہے، اور جزیہ والا بھی کما کر مسلمان کو دیتا ہے اس لئے جب غلام بنا سکتے ہیں تو اس پر جزیہ مقرر کرنا بھی جائز ہوگا۔

وجه: ۔عجمیوں سے جزیہ لینے کی حدیث یہ ہے۔ قال بعث عمرؓ الناس فی افناء الامصار یقاتلون المشرکین ... فامرنا نبینا رسول ربنا صلی الله علیه وسلم ان نقاتلکم حتی تعبدوا الله وحده او تؤدوا الجزیة (بخاری شریف، باب الجزیۃ والموادعۃ مع اہل الذمۃ والحرب، ص ۴۴۶، نمبر ۳۱۵۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عجم کے مشرکوں سے جزیہ لیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ افناء الامصار سے معلوم ہوا کہ عجم کے بت پرستوں سے جہاد کرنے گئے تھے۔

(۲۸۷۴) وَإِنْ ظُهِرَ عَلَيْهِمْ قَبْلَ ذٰلِکَ فَهُمْ وَنِسَاؤُهُمْ وَصِبْيَانُهُمْ فَيْءٌ؛ ل لِجَوَازِ اسْتِرْقَاقِهِم

(۲۸۷۵) وَلَا تُوضَعُ عَلَى عَبَدَةِ الْأَوْثَانِ مِنَ الْعَرَبِ وَلَا الْمُرْتَدِّينَ ل لِأَنَّ كُفْرَهُمَا قَدْ تَغَلَّظَ، أَمَّا مُشْرِكُو الْعَرَبِ فَلِأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَشَأَ بَيْنَ أَظْهُرِهِمْ وَالْقُرْآنُ نَزَلَ بِلُغَتِهِمْ فَالْمُعْجِزَةُ فِي حَقِّهِمْ أَظْهَرُ.

ترجمہ :(۲۸۷۴) اگر جزیہ مقرر کرنے سے پہلے عجم کے بت پرستوں پر غالب آجائے تو ان کی عورتیں اور انکے بچے مال غنیمت میں آجائیں گے۔

ترجمہ:ل کیونکہ ان کو غلام بنانا جائز ہے۔

تشریح :آگے آرہا ہے کہ عرب کے بت پرست یا اسلام لائیں یا قتل کردئے جائیں، ان کو غلام بنا کر رکھنا جائز نہیں ہے، لیکن عجم کے بت پرست پر جزیہ مقرر کرنے سے پہلے قبضہ ہو جائے تو انکے بچے اور عورتیں مال غنیمت میں آجائیں گے، کیونکہ ان کو غلام بنا کر رکھنا جائز ہے۔ دلیل اوپر گزر چکی ہے۔

ترجمہ:(۲۸۷۵) اور جزیہ مقرر نہیں کیا جائے گا عرب کے بت پرستوں پر اور نہ مرتد پر۔

ترجمہ :ل کیونکہ ان لوگوں کا کفر شدید ہے، عرب کے مشرک کا تو اس لئے کہ حضورؐ انکے سامنے پیدا ہوئے اور ان کی زبان میں قرآن نازل ہوا اس لئے انکے حق میں معجزہ بہت ظاہر ہے [پھر بھی ایمان نہ لائیں تو بہت بڑی غلطی ہے، اور مرتد کا کفر اس لئے شدید ہے کہ اسلام لانے کے بعد اور اس کے محاسن جاننے کے بعد اس نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا، اس لئے سزا میں زیادتی کے لئے یا تو وہ اسلام لائیں یا تلوار سے قتل کردئے جائیں۔

وجہ :(۱) آیت سے اشارہ ملتا ہے کہ عرب کے مشرکین یا تو اسلام قبول کریں یا قتل کے لئے تیار رہیں۔ ذمی بن کر جزیہ دینا اس کے لئے قابل قبول نہیں ہے۔ اس لئے ان سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔ آیت میں ہے۔ **فاذا انسلخ الاشهر الحرم فاقتلوا المشركين حيث وجدتموهم وخذوهم واحصروهم واقعدوا لهم كل مرصد فان تابوا واقاموا الصلوة وآتوا الزكوة فخلوا سبيلهم** (آیت ۵، سورۃ التوبۃ ۹) اس آیت میں ہے کہ نماز قائم کرنے یعنی اسلام لانے تک قتال کرتے رہو اور یہ مشرکین عرب کے بارے میں ہے۔ اس لئے مشرکین عرب کو جزیہ دیکر جزیرۂ عرب میں رہنے کا حق نہیں ہے (۲) دوسری آیت میں بھی اس کی تائید ہے۔ **وقاتلوهم حتى لا تكون فتنة ويكون الدين كله لله** (آیت ۳۹، سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں کفار عرب کے بارے میں اشارہ ہے کہ ان سے اتنا قتال کرو کہ پورا دین صرف اللہ کا ہو جائے۔ اس لئے بھی ان سے جزیہ نہیں لیا جائے گا (۳) حدیث میں ہے۔ **عن ابن عباسؓ انه عليه السلام قال لا يقبل**

۲؎ وَأَمَّا الْمُرْتَدُّ؛ فَلِأَنَّهُ كَفَرَ بِرَبِّهِ بَعْدَمَا هُدِيَ لِلْإِسْلَامِ وَوَقَفَ عَلَى مَحَاسِنِهِ فَلَا يُقْبَلُ مِنَ الْفَرِيقَيْنِ إِلَّا الْإِسْلَامُ أَوْ السَّيْفُ زِيَادَةً فِي الْعُقُوبَةِ. وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ يُسْتَرَقُّ مُشْرِكُو الْعَرَبِ، وَجَوَابُهُ مَا قُلْنَا (۲۸۷۶) وَإِذَا ظُهِرَ عَلَيْهِمْ فَنِسَاؤُهُمْ وَصِبْيَانُهُمْ فَيْءٌ ۱؎ لِأَنَّ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اسْتَرَقَّ نِسْوَانَ بَنِي حَنِيفَةَ وَصِبْيَانِهِمْ لَمَّا ارْتَدُّوا وَقَسَّمَهُمْ بَيْنَ الْغَانِمِينَ.

من مشركی العرب الا الاسلام او السیف (فتح القدیر، ج خامس، ص۲۹۳/اعلاء السنن، نمبر۴۱۷۳)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مشرکین عرب سے قتل یا اسلام دونوں میں سے ایک ہے اس لئے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔

مرتد پر جزیہ اس لئے نہیں ہے کہ اگر مرد ہے تو یا دوبارہ اسلام قبول کرے یا اس کو تین دن کے بعد قتل کر دیا جائے گا۔ اور جزیہ کا مطلب یہ ہے کہ کفر کی حالت میں جزیہ دے کر زندہ رہے حالانکہ اسکو زندہ رہنے کا حق نہیں ہے اس لئے اس سے جزیہ بھی نہیں لیا جائے گا۔ چاہے عرب کا مرتد ہو چاہے عجم کا مرتد ہو۔

وجہ: (۱) اسلام کو سمجھنے کے بعد مرتد ہونا کفر سے بھی اغلظ ہے اس لئے اس کو تو بدرجہ اولی قتل کیا جائے گا یا پھر اسلام لے آئے (۲) قتل کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن عكرمة قال اتی علی بزنادقة فاحرقهم فبلغ ذلک ابن عباسؓ فقال لو كنت انا لم احرقهم لنهی رسول الله ﷺ لا تعذبو بعذاب الله، ولقتلتهم لقول رسول الله ﷺ من بدل دینه فاقتلوه (بخاری شریف، باب حکم المرتد والمرتدۃ واستتابتھم، ص۱۰۲۲، نمبر۶۹۲۲)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرتد کو تین دن کے بعد قتل کر دیا جائے گا۔ اگر مرتدہ عورت ہو تو توبہ کرنے تک قید میں رکھا جائے گا۔ اور کفر کی حالت میں رہنے نہیں دیا جائے گا۔ اس لئے اس سے بھی جزیہ نہیں لیا جائے گا۔ (۳) بخاری کی آگے دوسری حدیث ہے۔ ثم اتبعه معاذ بن جبل ... قال لا اجلس حتی يقتل قضاء الله ورسوله ثلاث مرات (بخاری شریف، نمبر۶۹۲۳) کہ مرتد کے قتل کرنے تک میں نہیں بیٹھوں گا۔

ترجمہ: ۲؎ امام شافعیؒ کے یہاں عرب کے مشرک کو غلام بنا کر رکھنا جائز ہے، اور اس کا جواب ہم نے پہلے دیا۔

تشریح: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اہل عرب کے مشرکین سے بھی جزیہ لیا جا سکتا ہے۔

وجہ: وہ فرماتے ہیں کہ عرب کے اہل کتاب سے جزیہ لیا جا سکتا ہے اسی پر قیاس کر کے اہل عرب کے مشرکین سے بھی جزیہ لیا جا سکتا ہے۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ ان کا کفر بہت شدید ہے اس لئے اس کو جزیہ لیکر نہیں چھوڑا جا سکتا ہے۔

ترجمہ: (۲۸۷۶) اگر ان لوگوں پر غلبہ ہو جائے تو اس کی عورتیں اور بچے مال غنیمت ہوں گے۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ حضرت ابو بکرؓ نے بنی حنیف کی عورتوں اور انکے بچوں کو غلام بنایا جب وہ مرتد ہوئے اور انکو مجاہدین کے

(۲۸۷۷)وَمَنْ لَمْ يُسْلِمْ مِنْ رِجَالِهِمْ قُتِلَ لِمَا ذَكَرْنَا. (۲۸۷۸) وَلَا جِزْيَةَ عَلَى امْرَأَةٍ وَلَا صَبِيٍّ لِأَنَّهَا وَجَبَتْ بَدَلًا عَنْ الْقَتْلِ أَوْ عَنْ الْقِتَالِ وَهُمَا لَا يُقْتَلَانِ وَلَا يُقَاتِلَانِ لِعَدَمِ الْأَهْلِيَّةِ.

درمیان تقسیم کر دیا۔

تشریح :عرب کے بت پرستوں اور مرتدوں پر غلبہ ہو جائے تو انکی عورتوں اور بچوں کو باندی اور غلام بنالیا جائے گا۔اور مردوں کو قتل کر دیا جائے گا۔

وجه :حضرت ابو بکر کے زمانے میں قبیلہ بنی حنیفہ کے لوگ مرتد ہو گئے تھے تو حضرت خالد بن ولیدؓ کو اس کی سرزنس کے لئے بھیجا وہ لوگ مغلوب ہوئے تو اس کی عورتوں کو باندی بنالیا اور اس کے مال کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دیا، روایت یہ ہے۔ ان ابا بکرؓ ارسل الیھم خالد بن ولیدفی جماعة من ا؛مسلمین ....ثم قسم السبی قسمین (واقدی فی کتاب الردة، بحوالہ نصب الرأیۃ، کتاب السیر ، باب الجزیۃ ، ج ۳، ص ۶۷۶) اس میں ہے کہ بنی حنیفہ کے فئی کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔

ترجمه:(۲۸۷۷)اور جو مرد مسلمان نہ ہو اس کو قتل کر دیا جائے گا۔

تشریح :عرب کے بت پرست اور مرتد ہونے والوں کے مرد مسلمان نہ ہو تو اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ کیونکہ اوپر گزرا کہ ان کے لئے یا اسلام لانا ہے یا قتل کر دیا جائے گا۔

ترجمه:(۲۸۷۸)اور نہیں جزیہ ہے عورت پر اور نہ بچے پر

وجه:(۱)عورت اور بچہ کما نہیں سکتے تو وہ جزیہ کہاں سے دیں گے، جزیہ تو ان لوگوں پر ہوتا ہے جو کما سکتا ہو۔(۲)عورت، اور بچے پر جزیہ نہ ہونے کی دلیل یہ قول صحابی ہے۔ان عمرؓ بن الخطاب کتب الی عماله ان لا یضربوا الجزیة علی النساء والصبیان ولا یضربوھا الا علی من جرت علیه المواسی (سنن للبیہقی، باب الزیادۃ علی الدینار بالصلح، ج تاسع، ص ۳۲۹، نمبر ۱۸۶۸۳/مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۷ ما قالوا فی وضع الجزیۃ والقتال علیھا، ج سادس، ص ۴۳۱، نمبر ۳۲۶۲۶) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ عورتوں اور بچوں پر جزیہ نہیں ہے۔(۳) عن معاذ ان النبی ﷺ لما وجهه الی الیمن امره ان یاخذ من کل حالم یعنی محتلما دینارا او عدله من المعافری ثیاب تکون بالیمن. (ابوداؤد شریف، باب فی اخذ الجزیۃ، ص ۴۷، نمبر ۳۰۳۸/ترمذی شریف، باب ماجاء فی زکوۃ البقر، ص ۱۶۱، نمبر ۶۲۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر مرد پر سالانہ ایک دینار لازم ہوگا جس سے معلوم ہوا کہ عورت پر جزیہ نہیں ہے اور بچے پر بھی جزیہ نہیں ہے۔

ترجمه: اسلئے کہ جزیہ قتل کے بدلے میں واجب ہوتا ہے، یا وہ قتال کرے اسکی وجہ سے جزیہ واجب ہوتا ہے، اور عورت اور بچے کو قتل نہیں کیا جاتا، اور نہ یہ دونوں قتال کرتے ہیں اسلئے کہ ان میں قتال کی اہلیت نہیں ہے[اسلئے ان دونوں پر جزیہ بھی نہیں ہے۔

(۲۸۷۹)قَالَ وَلَا زَمِنٍ وَلَا أَعْمٰى ١؎ وَكَذَا الْمَفْلُوجُ وَالشَّيْخُ الْكَبِيرُ لِمَا بَيَّنَّا. ٢؎ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ تَجِبُ إذَا كَانَ لَهُ مَالٌ لِأَنَّهُ يُقْتَلُ فِي الْجُمْلَةِ إذَا كَانَ لَهُ رَأْيٌ (۲۸۸۰) وَلَا عَلٰى فَقِيرٍ غَيْرِ مُعْتَمِلٍ.

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے۔ جزیہ اس لئے واجب ہوتا ہے کہ اس کو قتل کرنا تھا اس کے بدلے میں جزیہ واجب ہوتا ہے، اور عورت اور بچے کو قتل نہیں کیا جاتا اس لئے ان پر جزیہ بھی واجب نہیں ہوگا، دوسری وجہ ہے کہ وہ خود قتال کرتے ہوں اس کی وجہ سے اس پر جزیہ واجب ہوتا ہے، اور عورت اور بچے خود قتال نہیں کرتے کیونکہ ان میں قتال کرنے کی اہلیت نہیں ہوتی اس لئے ان پر جزیہ بھی واجب نہیں ہوگا۔

اصول: جو کام نہیں کر سکتے ان پر جزیہ نہیں ہے۔

ترجمہ:(۲۸۷۹) اور نہ اپاہج پر اور نہ اندھے پر

ترجمہ :١؎ ایسے ہی مفلوج پر اور بہت بوڑھے پر جزیہ نہیں ہے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کیا کہ وہ قتل نہیں کیا جاتا۔

تشریح: اپاہج، اندھا اور بہت بوڑھا پر جزیہ نہیں ہے۔

وجہ :(۱) ان لوگوں کو قتل نہیں کیا جاتا ہے، اور جزیہ قتل کا بدلہ ہے اس لئے ان لوگوں پر جزیہ بھی نہیں ہے۔(۲) بوڑھے پر جزیہ نہیں ہے اس کی دلیل یہ قول صحابی ہے۔ قال ابصر عمرؓ شیخا کبیرا من اهل الذمة یسأل فقال له مالک؟ قال لیس لی مال وان الجزیة توخذ منی فقال له عمرؓ ما انصفناک اکلنا شبیبتک ثم ناخذ منک الجزیة ثم کتب الی عماله ان لا یأخذوا الجزیة من شیخ کبیر (رواۃ زنجویۃ فی الاموال/اعلاء السنن، باب لا جزیۃ علی صبی ولا امرأۃ الخ، ج ثانی عشر، ص ۵۰۹، نمبر ۴۱۷۵) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ بہت بوڑھے سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔ اور اسی پر اپاہج اور اندھے کو قیاس کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ دونوں بھی کما نہیں سکتے ہیں۔

ترجمہ :٢؎ امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ اگر بوڑھے کے پاس مال ہو تو اس سے جزیہ لیا جائے گا، اس لئے کہ اگر اس کی رائے ہو تو اس کو قتل بھی کیا جاتا ہے [اس لئے جزیہ بھی لیا جائے گا]

تشریح : امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ بوڑھے کے پاس مال ہو تو اس سے جزیہ لیا جائے گا، اور اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں اگر بوڑھا جنگ میں رائے دیتا ہو تو ایسے بوڑھے کو قتل کیا جاتا ہے، اس کا مطلب یہ نکلا کہ کسی نہ کسی درجے میں بوڑھے کو قتل کیا جاتا ہے اس لئے اس سے جزیہ بھی لیا جائے گا

ترجمہ:(۲۸۸۰) اور نہ ایسے فقیر پر جو کام نہ کرتا ہو۔

وجہ: قال ابصر عمر شیخا کبیرا من اهل الذمة یسأل فقال له مالک ؟ قال لیس لی مال و ان الجزیة

۱؎ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ. لَهُ إِطْلَاقُ حَدِيثِ مُعَاذٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ. ۲؎ وَلَنَا أَنَّ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَمْ يُوَظِّفْهَا عَلَى فَقِيرٍ غَيْرِ مُعْتَمِلٍ وَكَانَ ذٰلِكَ بِمَحْضَرٍ مِنَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ، ۳؎ وَلِأَنَّ خَرَاجَ الْأَرْضِ لَا يُوَظَّفُ عَلَى أَرْضٍ لَا طَاقَةَ لَهَا فَكَذَا هٰذَا الْخَرْجُ، ۴؎ وَالْحَدِيثُ مَحْمُولٌ عَلَى الْمُعْتَمِلِ.

توخذ منی فقال له عمر ما انصفناک أكلنا شيبتک ثم ناخذ منک الجزية ثم كتب الى عماله ان لا يأخذ وا الجزية من شيخ كبير۔ (روی ابن زنجویۃ فی کتاب الاموال، بحوالہ نصب الرأیۃ، باب کتاب السیر، باب الجزیۃ، ج ثالث، ص ۶۷۹) اس میں ہے کہ بہت بوڑھے پر جزیہ نہیں ہے کیونکہ وہ کما نہیں سکتا ہے اس لئے کام نہ کرنے والے پر جزیہ نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۱؎ خلاف امام شافعیؒ کے معاذؓ کی حدیث کے مطلق ہونے کی وجہ سے۔

تشریح: اوپر حضرت معاذؓ کی حدیث گزری جس میں ہے کہ ہر مرد سے ایک دینار جزیہ لیا جائے گا، چونکہ اس میں فقیر اور مالدار کا فرق نہیں ہے اس لئے فقیر سے بھی جزیہ لیا جائے گا۔

وجہ: قال وضع عمر بن الخطاب فی الجزية على رء وس الرجال على الغنى ثمانية و اربعين درهما وعلى الوسط اربعة وعشرين وعلى الفقير اثنى عشر درهما (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۷ ما قالوا فی وضع الجزیۃ والقتال علیہا، ج سادس، ص ۴۳۲، نمبر ۳۲۶۳۳ رسنن للبیہقی، باب الزیادۃ علی الدینار بالصلح، ج تاسع، ص ۳۲۹، نمبر ۱۸۶۸۵) اس قول صحابی میں ہے کہ فقیر پر بارہ درہم جزیہ ہے۔

ترجمہ: ۲؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ عثمان بن حنیفؓ جو فقیر کام نہ کرنے والا ہو اس پر جزیہ متعین نہیں کیا تھا اور یہی صحابہ کے سامنے تھا جس سے صحابہ کا اجماع ہو گیا ہے۔

تشریح: حضرت عثمان بن حنیف نے کام نہ کرنے والے فقیر پر جزیہ متعین نہیں کیا جس سے معلوم ہوا کہ اس پر جزیہ مقرر نہیں کیا جائے گا۔

ترجمہ: ۳؎ اور اس لئے کہ جس زمین میں اگانے کی طاقت نہیں اس پر خراج مقرر نہیں کیا جاتا اسی طرح یہ جزیہ کا معاملہ ہے۔

تشریح: جزیہ کو خراج پر قیاس کیا جائے، جس زمین میں اگانے کی طاقت نہ ہو اس پر خراج نہیں ہے، اسی طرح جس آدمی میں کمانے کی طاقت نہ ہو اس پر جزیہ لازم نہیں کرنا چاہئے۔

ترجمہ: ۴؎ اور امام شافعیؒ نے جو حدیث بیان کی ہے کہ فقیر پر خراج ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کام کرنے والا فقیر ہے۔

تشریح: واضح ہے۔

(۲۸۸۱) وَلَا تُوضَعُ عَلَى الْمَمْلُوكِ وَالْمُكَاتَبِ وَالْمُدَبَّرِ وَأُمِّ الْوَلَد لِ لِأَنَّهُ بَدَلٌ عَنِ الْقَتْلِ فِي حَقِّهِمْ وَعَنِ النُّصْرَةِ فِي حَقِّنَا، وَعَلَى اعْتِبَارِ الثَّانِي لَا تَجِبُ فَلَا تَجِبُ بِالشَّكِّ (۲۸۸۲) وَلَا يُؤَدِّي عَنْهُمْ مَوَالِيهِمْ لِ لِأَنَّهُمْ تَحَمَّلُوا الزِّيَادَةَ بِسَبَبِهِم (۲۸۸۳) وَلَا تُوضَعُ عَلَى الرُّهْبَانِ الَّذِينَ لَا يُخَالِطُونَ النَّاسَ لِ كَذَا ذَكَرَ هَاهُنَا.

ترجمہ:(۲۸۸۱) مملوک پر مکاتب پر، مدبر پر اور ام ولد پر جزیہ نہیں ہے۔

تشریح: یہ لوگ مملوک ہیں ان لوگوں کے پاس اپنا پیسہ نہیں ہوتا اس لئے ان لوگوں پر جزیہ بھی واجب نہیں ہے۔

ترجمہ: لِ اس لئے کہ یہ ان لوگوں کے حق میں قتل کا بدلہ ہے اور ہمارے حق میں وہ لوگ مدد کریں اس کا بدلہ ہے اور دوسرے اعتبار سے واجب نہیں ہوتا ہے اس لئے شک کی بنیاد پر جزیہ واجب نہیں ہوگا۔

تشریح: دو وجہ سے جزیہ واجب ہوتا ہے، [۱] قتل نہیں کیا اس کے بدلے میں جزیہ ہے، اس اعتبار سے دیکھا جائے تو ہم کفار کے غلاموں کو قتل کرتے ہیں اب ان کو چھوڑ دیا اس لئے اس پر جزیہ ہونا چاہئے [۲] دوسری وجہ ہے کہ ہم جزیہ سے مجاہدین کی مدد کرتے ہیں، لیکن ان مملوک کے پاس تو مال ہی نہیں ہے اس لئے یہ جزیہ کیا ادا کریں گے، اس اعتبار سے ان پر جزیہ واجب نہیں ہونا چاہئے اس لئے ان پر جزیہ واجب نہیں ہوگا۔

ترجمہ:(۲۸۸۲) اور ان غلاموں کی جانب سے ان کے مالک بھی ادا نہیں کریں گے۔

ترجمہ: لِ اس لئے کہ ان مالکوں پر زیادہ بوجھ ہو جائے گا۔

ترجمہ:(۲۸۸۳) اور نہ ایسے راہب پر جو لوگوں سے نہ ملتا ہو۔

ترجمہ: لِ امام محمدؒ نے ایسا ہی ذکر کیا ہے

وجہ:(۱): جو راہب لوگوں سے اختلاط نہ کرتا ہو وہ بھی کما نہیں سکتا ہے اسلئے اس سے بھی جزیہ نہیں لیا جائے گا (۲) قول تابعی میں اسکا ثبوت ہے۔ عن خالد بن ولید انه صالح اهل الحيرة على تسعين ومائة الف درهم تقبل كل سنة جزاء عن ايديهم فى الدنيا رهبانهم وقسيسهم الا من كان غير ذى يد حبيسا عن الدنيا تاركا لها وسائحا تاركا للدنيا (مختصر رواه الطبری فی تاریخه، ج رابع، ص ۱۴/اعلاء السنن، باب لا توضع الدنيا على الرهبان لا يخالطون الناس، ج ثانی عشر، ص ۵۱۳، نمبر ۴۱۷۹) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ جو راہب لوگوں سے اختلاط نہ کرتا ہو اس پر جزیہ نہیں ہے۔

لغت: زمن: اپاہج، الرہبان: راہب کی جمع ہے، یخالطون: خلط سے ہے ملنا جلنا۔

۲؎ وَذَكَرَ مُحَمَّدٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ يُوضَعُ عَلَيْهِمْ إِنْ كَانُوا يَقْدِرُونَ عَلَى الْعَمَلِ، وَهُوَ وَقَوْلُ أَبِي يُوسُفَ. وَجْهُ الْوَضْعِ عَلَيْهِمْ أَنَّ الْقُدْرَةَ عَلَى الْعَمَلِ هُوَ الَّذِي ضَيَّعَهَا فَصَارَ كَتَعْطِيلِ الْأَرْضِ الْخَرَاجِيَّةِ. ۳؎ وَوَجْهُ الْوَضْعِ عَنْهُمْ أَنَّهُ لَا قَتْلَ عَلَيْهِمْ إِذَا كَانُوا لَا يُخَالِطُونَ النَّاسَ، وَالْجِزْيَةُ فِي حَقِّهِمْ لِإِسْقَاطِ الْقَتْلِ، ۴؎ وَلَا بُدَّ أَنْ يَكُونَ الْمُعْتَمِلُ صَحِيحًا وَيَكْتَفِي بِصِحَّتِهِ فِي أَكْثَرِ السَّنَةِ.

(۲۸۸۴) وَمَنْ أَسْلَمَ وَعَلَيْهِ جِزْيَةٌ سَقَطَتْ عَنْهُ ۱؎ وَكَذَلِكَ إِذَا مَاتَ كَافِرًا.

ترجمہ:۲؎ امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اگر راہب کام کرسکتا ہوتو اس پر جزیہ متعین کیا جائے گا، اور امام ابو یوسفؒ کا بھی یہی قول ہے، اور اس پر جزیہ متعین کرنے کی وجہ یہ ہے کہ کام کرنے پر قدرت تھی لیکن اس نے خود اس کو ضائع کر دیا، تو جیسے خراجی زمین کو ضائع کر دے تو اس پر خراج لازم ہوتا ہے ویسے ہی یہاں ہوگا۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ:۳؎ اور جزیہ نہ متعین کرنے کی وجہ یہ ہے کہ راہب کو قتل نہیں کیا جائے گا، کیونکہ وہ لوگوں سے ملتا نہیں ہے، اس لئے اس پر قتل نہیں ہے تو جزیہ بھی نہیں ہے۔

تشریح: راہب پر جزیہ نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام میں اس کو قتل کرنا جائز نہیں ہے، جب قتل نہیں ہے تو اس کے بدلے میں جزیہ بھی نہیں ہے۔

ترجمہ:۴؎ اور کام کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ سال کے اکثر حصے میں تندرست ہو۔

تشریح: یہاں مصنف فقیر غیر معتمل: کا مطلب بیان کررہے ہیں کہ سال کے اکثر حصے میں کام کرنے کی صلاحیت ہو تو اس پر جزیہ لازم ہوگا، اور اگر اکثر حصے میں بیمار ہو تو اس پر جزیہ لازم نہیں ہوگا۔

ترجمہ:(۲۸۸۴) کوئی ایسا آدمی اسلام لائے کہ اس پر جزیہ ہو تو وہ ساقط ہو جائے گا۔

ترجمہ:۱؎ ایسے ہی کافر مر جائے تو اس سے جزیہ ساقط ہو جاتا ہے۔

تشریح: پہلے ذمی تھا جس کی وجہ سے اس کے سر پر جزیہ تھا اب وہ مسلمان ہو گیا تو جزیہ ساقط ہو جائے گا۔ البتہ اگر اس کی زمین پر خراج تھا تو وہ باقی رہے گا۔ اسی طرح مثلا ایک سال سے کافر نے جزیہ نہیں دیا تھا اب وہ مر گیا تو اب اس کی وراثت سے جزیہ نہیں لیا جائے گا وہ معاف ہو جائے گا۔

وجہ:(۱) یہ کفر کی وجہ سے اس کی ذلت کی چیز ہے اور مسلمان ہونے کے بعد اس ذلت کا اہل نہیں رہا اس لئے ساقط ہو جائے گا (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن ابن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ لیس علی مسلم جزیة سئل

۲ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ فِيهِمَا. لَهُ أَنَّهَا وَجَبَتْ بَدَلًا عَنِ الْعِصْمَةِ أَوْ عَنِ السُّكْنٰى وَقَدْ وَصَلَ إِلَيْهِ الْمُعَوَّضُ فَلَا يَسْقُطُ عَنْهُ الْعِوَضُ بِهٰذَا الْعَارِضِ كَمَا فِي الْأُجْرَةِ وَالصُّلْحِ عَنْ دَمِ الْعَمْدِ. ۳ وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "لَيْسَ عَلَى مُسْلِمٍ جِزْيَةٌ" ۴ وَلِأَنَّهَا وَجَبَتْ عُقُوبَةً عَلَى الْكُفْرِ وَلِهٰذَا تُسَمّٰى جِزْيَةً وَهِيَ وَالْجَزَاءُ وَاحِدٌ، وَعُقُوبَةُ الْكُفْرِ تَسْقُطُ بِالْإِسْلَامِ وَلَا تُقَامُ بَعْدَ الْمَوْتِ،

سفیان عن تفسیر هذا فقال اذا اسلم فلا جزیة علیه (ابوداؤد شریف، باب فی الذمی الذی یسلم فی بعض السنة هل علیه جزیة ،ص ۷۷، نمبر ۳۰۵۳ / ترمذی شریف، باب ماجاء لیس علی المسلمین جزیة ،ص ۱۳۸، نمبر ۶۳۳، کتاب الزکوۃ) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذمی مسلمان ہوجائے تو اس پر سے جزیہ ساقط ہوجائے گا۔

ترجمہ: ۲ دونوں کے بارے میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ خون کی حفاظت کے بدلے میں جزیہ واجب ہوا ہے، یا دار الاسلام میں رہنے کے بدلے میں واجب ہوا ہے، اور ان کو عوض پہنچ چکا ہے اس لئے اس عارض [مسلمان ہونے اور موت ہونے سے] بدل ساقط نہیں ہوگا، جیسے اجرت ساقط نہیں ہوتی ہے یا دم عمد کے بارے میں صلح کی تو ساقط نہیں ہوتا ہے۔

تشریح: امام شافعیؒ کی رائے ہے کہ کافر مسلمان ہونے سے، یا مرجانے سے جزیہ ساقط نہیں ہوگا۔

وجہ :(۱) ان کی دلیل یہ ہے کہ خون کی حفاظت کی اس لئے جزیہ واجب ہوتا ہے، یا دار الاسلام میں رہا ہے اس لئے جزیہ واجب ہوتا ہے، اور اس کے خون کی حفاظت ہوئی، یا دار اسلام میں رہا اس لئے اس کا بدلہ جزیہ ساقط نہیں ہوگا (۲) اس ی دو مثالیں دیتے ہیں ایک یہ کہ اجرت پر کسی چیز کو لیا تو مرنے سے یا مسلمان ہونے سے اجرت ساقط نہیں ہوتی اسی طرح جزیہ بھی ساقط نہیں ہوگا۔ یا جان کر خون کیا اور اس کے بدلے میں مال پر صلح کر لیا، تو مرنے سے یا مسلمان ہونے سے یہ مال ساقط نہیں ہوتا اسی طرح جزیہ بھی ساقط نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۳ ہماری دلیل حضورؐ کا قول ہے کہ مسلمان پر جزیہ نہیں ہے۔

تشریح: یہ حدیث ابھی اوپر گزر گئی۔

ترجمہ: ۴ اور اس لئے کہ جزیہ کفر پر سزا کے لئے واجب ہوا ہے اسی لئے اس کا نام جزیہ ہے، یعنی کفر کا بدلہ، اور کفر کا بدلہ اسلام لانے سے ساقط ہوجاتا ہے، اور موت کے بعد باقی نہیں رہتا۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے، کہ جزیہ یہ کفر کی سزا ہے، اسی لئے اس کو جزیہ یعنی بدلہ قرار دیا، اور جب مسلمان ہوگیا تو یہ بدلہ ختم ہوجائے گا کیونکہ اب کفر ہی نہیں رہا تو اس کا بدلہ کیسا، اور موت ہوگئی تو یہ بدلہ اب جاری نہیں رہے گا، اس لئے اسلام لانے اور مرجانے سے جزیہ ساقط ہوجائے گا۔

۵ وَلِأَنَّ شَرْعَ الْعُقُوبَةِ فِي الدُّنْيَا لا يَكُونُ إِلَّا لِدَفْعِ الشَّرِّ وَقَدْ انْدَفَعَ بِالْمَوْتِ وَالْإِسْلَامِ؛ ٦ وَلِأَنَّهَا وَجَبَتْ بَدَلًا عَنْ النُّصْرَةِ فِي حَقِّنَا وَقَدْ قَدَرَ عَلَيْهَا بِنَفْسِهِ بَعْدَ الْإِسْلَامِ. ٧ وَالْعِصْمَةُ تَثْبُتُ بِكَوْنِهِ آدَمِيًّا وَالذِّمِّيُّ يَسْكُنُ مِلْكَ نَفْسِهِ فَلَا مَعْنَى لِإِيجَابِ بَدَلِ الْعِصْمَةِ وَالسُّكْنَى.

(۲۸۸۵) وَإِنْ اجْتَمَعَتْ عَلَيْهِ الْحَوْلَانِ تَدَاخَلَتْ.

ترجمہ: ۵ اوراس لئے کہ جزیہ دنیا میں سزا کے لئے مشروع ہوا ہے،اوراس کی شرارت کودفع کرنے کے لئے مشروع ہوا ہے،اوروہ مرگیا، یا مسلمان ہوگیا تواس کی شرارت ختم ہوگئی اس لئے اب جزیہ بھی ساقط ہوجائے گا۔

تشریح: یہ دوسری دلیل عقلی ہے۔ کہ کفار پر جزیہ اس لئے مشروع کیا کہ وہ شرارت نہ کرسکے،اور جب مسلمان ہوگیا تو اس کی شرارت ختم ہوگی،اسی طرح جب وہ مرگیا تو اس کی شرارت ختم ہوگئی اس لئے اب جزیہ بھی ساقط ہوجائے گا۔

ترجمہ: ٦ اوراس لئے کہ ہمارے حق میں مدد کے بدلے میں جزیہ واجب ہوا ہے اوراسلام کے بعد وہ خود مدد پر قادر ہوگیا ہے [اس لئے جزیہ ساقط ہوجائے گا]

تشریح: یہ تیسری دلیل ہے کہ جب تک وہ کافر رہا اس بات کا محتاج رہا کہ ہم اس کی مدد کریں اوراس کے بدلے میں جزیہ لیں،لیکن جب وہ مسلمان ہوگیا تو اپنی حفاظت پر قادر ہوگیا،اس لئے اس سے جزیہ بھی ساقط ہوجائے گا۔

ترجمہ: ٧ اورکافر آدمی ہے اس لئے حفاظت ثابت ہے،اور ذمی اپنی ملکیت میں رہتا ہے،اس لئے عصمت اور رہنے کے بدلے کے واجب کرنے کا کوئی معنی نہیں ہے۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے،انہوں نے کہا تھا کہ جزیہ حفاظت اور رہنے کا بدلہ ہے اس لئے مسلمان ہونے کے بعد وہ ساقط نہیں ہوگا،اس کا جوب دیا جارہا ہے کہ آدمی ہونے کی وجہ سے وہ خود ہی محفوظ ہے،اوراپنی ملکیت کی زمین میں رہا ہے اس لئے سکونت کے بدلے کی ضرورت نہیں ہے،اس لئے جزیہ عصمت اور سکونت کا بدلہ ہے ہی نہیں۔

ترجمہ:(۲۸۸۵) اگراس پر دوسال کا جزیہ چڑھ جائے توان میں تداخل ہوجائے گا۔

تشریح: اگر دوسال تک جزیہ نہیں دے سکا تو اب ایک سال کا جزیہ ساقط ہوجائے گا۔اورایک سال ہی کا جزیہ لازم ہوگا۔

وجہ:(۱) قول تابعی میں ہے۔ عن طاؤس انه قال اذا تداركت الصدقات فلا توخذ الاولى كالجزية (مصنف ابن ابی شیبۃ،۱۳۲ من قال لاتوخذ الصدقۃ فی السنۃ الامرۃ واحدۃ،ج ثانی،ص ۴۳۱،نمبر ۱۰۷۳۳)(۲) ایک اورقول تابعی میں ہے۔ عن الزهری قال لم يبلغنا من احد من ولاة هذه الامة الذين كانوا بالمدينة ابوبكر وعمر وعثمان انهم كانوا لايثنون العشور لكن يعثون عليها كل عام فی الخصب والجدب لان اخذها سنة من رسول الله ﷺ

لے وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ: وَمَنْ لَمْ يُؤْخَذْ مِنْهُ خَرَاجُ رَأْسِهِ حَتَّى مَضَتْ السَّنَةُ وَجَاءَتْ سَنَةٌ أُخْرَى لَمْ يُؤْخَذْ. وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ. وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللَّهُ: يُؤْخَذُ مِنْهُ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ.

(۲۸۸۶) وَإِنْ مَاتَ عِنْدَ تَمَامِ السَّنَةِ لَمْ يُؤْخَذْ مِنْهُ فِي قَوْلِهِمْ جَمِيعًا، وَكَذَلِكَ إِنْ مَاتَ فِي بَعْضِ السَّنَةِ لے أَمَّا مَسْأَلَةُ الْمَوْتِ فَقَدْ ذَكَرْنَاهَا.

(مصنف ابن ابی شیبة، من قال لاتوخذ الصدقة فی السنة الامرة واحدة، ج ثانی، ص ۴۳۱، نمبر ۱۰۷۳۲) اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ ایک سال میں دو مرتبہ عشر نہیں لیتے تھے۔ اور دو سال کا ایک سال میں لیں گے تو دو مرتبہ جزیہ لینا ہوگا۔ اسلئے ایک جزیہ ساقط ہوگا اور ایک جزیہ لازم ہوگا (۳) اس میں ذمی کیلئے سہولت ہے جسمیں اسلام میں بڑا خیال رکھا گیا ہے۔

ترجمہ: لے جامع صغیر میں ہے، کسی سے جزیہ نہیں لیا گیا یہاں تک کہ سال گزر گیا اور دوسرا سال آگیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس سے پچھلے سال کا جزیہ نہیں لیا جائے گا، اور صاحبینؒ نے فرمایا اس سے پچھلے سال کا جزیہ بھی لیا جائے گا، اور یہی قول امام شافعیؒ کا ہے۔

تشریح: جامع صغیر کی عبارت یہ ہے۔ ومن لم یوخذ منہ خراج رأسہ حتی مضت السنۃ لم یوخذ بہ، وقال یعقوب ومحمدؒ یوخذ بہ۔ (جامع صغیر، باب کتاب الخراج، ص ۲۷۰) اس عبارت میں ہے کہ سال گزر جائے تو ابا حنیفہؒ کے نزدیک پچھلے سال کا جزیہ ساقط ہو جائے گا، اور صاحبین فرماتے ہیں کہ ساقط نہیں ہوگا

وجہ: امام شافعیؒ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ دو سال کا جمع ہوا ہے اس لئے دو سال کا جزیہ لیا جائے گا۔ ورنہ حکومت کو نقصان ہوگا اور ذمی ساقط کرنے کے لئے خواہ مخواہ ٹال مٹول کرے گا۔

ترجمہ: (۲۸۸۶) اگر سال کے پورا ہونے پر ذمی مر گیا تو سب کے نزدیک جزیہ نہیں لیا جائے گا، اسی طرح اگر سال کے درمیان میں مر گیا تب بھی جزیہ نہیں لیا جائے گا۔

اصول: امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جزیہ کفر کی سزا ہے اور مر جائے تو سزا ساقط ہو جاتی ہے اس لئے جزیہ ساقط ہو جائے گا۔

اصول: صاحبینؒ کا اصول یہ ہے کہ جزیہ نصرت کا بدلہ ہے اس لئے مر گیا تب بھی مدد کرنے بدلہ لیا جائے گا۔

تشریح: سال پورا ہوا اور ذمی کا انتقال ہو گیا تو یہ جزیہ ساقط ہو جائے گا، اسی طرح سال کے درمیان میں ذمی مر گیا تو اس کا جزیہ ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ مرنے سے سزا ساقط ہو جاتی ہے۔ اور جزیہ کفر کی سزا ہے اس لئے یہ ساقط ہو جائے گا۔

ترجمہ: لے بہر حال موت کے مسئلے کے بارے میں یہ بات گزر چکی ہے کہ مرنے سے جزیہ ساقط ہو جاتا ہے۔

تشریح: واضح ہے۔

۲؎ وَقِيلَ خَرَاجُ الْأَرْضِ عَلَى هٰذَاالْخِلَافِ.وَقِيلَ لَاتَدَاخُلَ فِيهِ بِالِاتِّفَاقِ. ۳؎ لَهُمَا فِي الْخِلَافِيَّةِ أَنَّ الْخَرَاجَ وَجَبَ عِوَضًا،وَالْأَعْوَاضُ إِذَااجْتَمَعَتْ وَأَمْكَنَ اسْتِيفَاؤُهَاتُسْتَوْفَى،وَقَدْ أَمْكَنَ فِيمَا نَحْنُ فِيهِ بَعْدَ تَوَالِي السِّنِينَ، ۴؎ بِخِلَافِ مَاإِذَاأَسْلَمَ؛لِأَنَّهُ تَعَذَّرَاسْتِيفَاؤُهُ. ۵؎ وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهَاوَجَبَتْ عُقُوبَةً عَلَى الْإِصْرَارِعَلَى الْكُفْرِعَلَى مَابَيَّنَّاهُ،وَلِهَذَا لَا يُقْبَلُ مِنْهُ لَوْ بَعَثَ عَلَى يَدِ نَائِبِهِ فِي أَصَحِّ الرِّوَايَاتِ، بَلْ يُكَلَّفُ أَنْ يَأْتِيَ بِهِ بِنَفْسِهِ فَيُعْطِيَ قَائِمًا، وَالْقَابِضُ مِنْهُ قَاعِدٌ.وَفِي رِوَايَةٍ: يَأْخُذُ بِتَلْبِيبِهِ وَيَهُزُّهُ هَزًّا وَيَقُولُ: أَعْطِ الْجِزْيَةَ يَا ذِمِّيُّ فَثَبَتَ أَنَّهُ عُقُوبَةٌ، وَالْعُقُوبَاتُ إِذَا اجْتَمَعَتْ تَدَاخَلَتْ كَالْحُدُودِ.

ترجمہ :۲؎ کہا گیا ہے کہ خراج بھی اسی اختلاف پر ہے،اور کہا گیا ہے کہ خراج میں بالاتفاق تداخل نہیں ہوگا۔

تشریح:خراج کے بارے میں بعض حضرات نے کہا کہ اس میں اختلاف ہے،اور بعض حضرات نے فرمایا کہ درمیان سال میں مرنے سے خراج ساقط ہو جائے گا،اور بعض حضرات نے فرمایا کہ بالاتفاق ساقط نہیں ہے، کیونکہ یہ زمین کا بدلہ ہے جو ابھی موجود ہے۔

ترجمہ :۳؎ اختلافی صورت میں صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ جزیہ مدد کرنے کے بدلے میں لیا جاتا ہے اور وبدلہ جب جمع ہو جائے اور اس کا وصول کرنا بھی ممکن ہو تو وصول کیا جائے گا اور ہم جس مسئلے کے بارے میں بات کر رہے ہیں اس میں کئی سال گزر جانے کے بعد بھی وصول کرنا ممکن ہے اس لئے وصول کیا جائے گا۔

تشریح: جزیہ کے بارے میں صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ یہاں جزیہ ذمی کو زندہ رکھنے کے بدلے میں ہے،اور کئی سالوں کا خراج وصول کرنا ممکن ہے اس لئے وصول کیا جائے گا۔

ترجمہ :۴؎ بخلاف جبکہ مسلمان ہو جائے۔کہ اب وصول کرنا ممکن نہیں رہا۔

تشریح:اگر ذمی مسلمان ہو جائے تو چونکہ جزیہ ذلت کی چیز ہے اسلئے اب اسکا وصول کرنا ناممکن ہے اسلئے وہ ساقط ہو جائے گا۔

ترجمہ :۵؎ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ جزیہ کفر پر اصرار کے بدلے میں واجب ہوا ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا،اسی لئے اگر نائب کے ہاتھ سے بھیجا تو قبول نہیں کیا جائے گا صحیح روایت یہی ہے بلکہ ذمی کو اس بات کا مکلّف بنایا جائے گا کہ جزیہ دینے کے لئے خود آئے اور کھڑے ہو کر دیں،اور لینے والا بیٹھا ہو،اور ایک روایت میں ہے کہ سینے کے پاس اس کا کپڑا پکڑ کر ہلائے گا اور کہے گا کہ اے ذمی جزیہ دو!اور بعض نے کہا کہ یوں کہے گا کہ اے اللہ کے دشمن! جزیہ دو،اس سے ثابت ہوا کہ جزیہ سزا ہے اور سزا جب جمع ہو جائے تو حدود کی طرح اس میں تداخل ہو جائے گا[یعنی ایک ہی جزیہ لازم ہوگا]

تشریح :امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جزیہ سزا ہے، جیسے حدود سزا ہے،اور عقوبات کا قاعدہ یہ ہے کہ کئی جمع ہو جائیں تو ایک ہی

۶ وَلِأَنَّهَا وَجَبَتْ بَدَلًا عَنِ الْقَتْلِ فِيْ حَقِّهِمْ وَعَنِ النُّصْرَةِ فِيْ حَقِّنَا كَمَا ذَكَرْنَا، لَكِنْ فِيْ الْمُسْتَقْبَلِ لَا فِيْ الْمَاضِي؛ لِأَنَّ الْقَتْلَ إِنَّمَا يُسْتَوْفَى لِحِرَابٍ قَائِمٍ فِيْ الْحَالِ لَا لِحِرَابٍ مَاضٍ، وَكَذَا النُّصْرَةُ فِيْ الْمُسْتَقْبَلِ؛ لِأَنَّ الْمَاضِيَ وَقَعَتْ الْغُنْيَةُ عَنْهُ. ۷ ثُمَّ قَوْلُ مُحَمَّدٍ فِيْ الْجِزْيَةِ فِيْ الْجَامِعِ الصَّغِيرِ وَجَاءَتْ سَنَةٌ أُخْرَى، حَمَلَهُ بَعْضُ الْمَشَايِخِ عَلَى الْمُضِيِّ مَجَازًا. وَقَالَ: الْوُجُوبُ بِآخِرِ السَّنَةِ، فَلَا بُدَّ مِنَ الْمُضِيِّ لِيَتَحَقَّقَ الِاجْتِمَاعُ فَتَتَدَاخَلَ. وَعِنْدَ الْبَعْضِ هُوَ مُجْرًى عَلَى حَقِيقَتِهِ، وَالْوُجُوبُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ بِأَوَّلِ الْحَوْلِ فَيَتَحَقَّقُ الِاجْتِمَاعُ بِمُجَرَّدِ الْمَجِيءِ. وَالْأَصَحُّ أَنَّ الْوُجُوبَ عِنْدَنَا فِيْ ابْتِدَاءِ الْحَوْلِ، وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ فِيْ آخِرِهِ اعْتِبَارًا بِالزَّكَاةِ. وَلَنَا أَنَّ مَا وَجَبَ بَدَلًا عَنْهُ لَا يَتَحَقَّقُ إِلَّا فِيْ الْمُسْتَقْبَلِ عَلَى مَا قَرَّرْنَاهُ فَتَعَذَّرَ إِيجَابُهُ بَعْدَ مُضِيِّ الْحَوْلِ فَأَوْجَبْنَاهُ فِيْ أَوَّلِهِ.

لازم ہوتی ہے اس لئے کئی جزیہ جمع ہو جائیں تو تداخل ہو کر ایک ہی جزیہ لازم ہوگا، سزا ہونے کی مثال بتائی کہ جزیہ لیتے وقت خود آدمی کو بلائے اور اس کے سینے کے پاس کپڑا پکڑ کر ہلائے اور کہے کہ اے ذمی جزیہ دو یہ سزا ہونے کی دلیل ہے۔

لغت: یہزہ: ہزہ سے مشتق ہے، ہلانا، یہاں مراد ہے کپڑا پکڑ کر ہلانا۔ تلبیب: لب سے مشتق ہے ، گریبان۔

ترجمہ: ۶ اور اس لئے کہ کفار کے حق میں قتل کے بدلے میں جزیہ واجب ہے، اور ہمارے حق میں مدد کے بدلے میں جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا، لیکن مستقبل میں قتل نہ کرے اس پر جزیہ ہے، ماضی میں قتل نہیں کیا اس پر جزیہ نہیں ہے اس لئے کہ جو جنگ قائم ہے اس میں قتل کیا جاتا ہے جو جنگ گزر گئی اس میں قتل نہیں کیا جاتا اس لئے کہ ماضی کی بات تو ختم ہو گئی۔

تشریح: یہ عبارت پیچیدہ ہے۔ یہ صاحبین کو جواب ہے، انہوں نے کہا تھا کہ نصرت کے بدلے اور قتل نہ کرنے کے بدلے میں ہم جزیہ لیتے ہیں تو اسکا جواب دیا جا رہا ہے کہ آئندہ قتل نہ کرے اسکے بدلے جزیہ ہے جو زمانہ گزر گیا اسکے بدلے جزیہ نہیں ہے وہ بات تو ختم ہو گئی اسلئے گزرے ہوئے وقت کا جزیہ ساقط ہو جائے گا۔ حراب: جنگ۔ غنیۃ عنہ: اس کے بارے میں تو بات بن چکی ہے۔

ترجمہ: ۷ پھر جزیہ کے بارے میں جامع صغیر میں یہ جو جملہ ہے، وجائت سنۃ اخری، بعض مشائخ نے اس کا ترجمہ کیا کہ دوسرا سال بھی گزر چکا ہو اور یہ بھی کہا کہ سال گزر جانے کے بعد جزیہ واجب ہوتا ہے، اس لئے دوسرے سال کا گزر جانا بھی ضروری ہے تا کہ دو سال جمع ہو جائیں تا کہ دوسرا سال پہلے میں داخل ہو جائیں۔ اور بعض کے نزدیک وجائت سنۃ اخری، کا جملہ حقیقت پر ہے، یعنی دوسرا سال شروع ہو گیا، اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک سال کے شروع ہونے پر جزیہ واجب ہو جاتا ہے اس لئے سال کے آجانے یعنی شروع ہونے پر دونوں سالوں کا اجتماع ہو جائے گا۔

اور صحیح بات یہ ہے کہ ہمارے نزدیک سال کے شروع میں جزیہ واجب ہو جاتا ہے۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک زکوۃ پر قیاس کرتے ہوئے سال کے آخر میں جزیہ واجب ہوتا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ جزیہ قتل کے بدلے میں واجب ہوا ہے اس لئے وہ آیندہ کے بدلے میں واجب ہوگا جیسا کہ ہم نے پہلے ثابت کیا اس لئے سال گزرنے پر واجب کرنا مشکل ہے اس لئے سال کے شروع میں واجب کیا۔

تشریح: متن نمبر ۲۸۸۵، کی شرح میں تھا، و جائت سنة اخری ۔ یہ جملہ جامع صغیر میں نہیں ہے، یہ عبارت صاحب ہدایہ نے لگائی ہے۔

اس عبارت کا دو مطلب ہیں [۱] ایک یہ کہ دوسرا سال بھی گزر گیا ہو تب دو سالوں کا جزیہ جمع ہوگا اور تداخل ہو کر ایک سال کا جزیہ لازم ہوگا، امام شافعی کے یہاں یہی مطلب ہے، کیونکہ انکے یہاں سال گر جانے پر جزیہ واجب ہوتا ہے۔ [۲] اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ دوسرا سال ابھی شروع ہوا ہو تو دو سال کا جزیہ جمع ہو گیا، اس صورت میں جزیہ سال کے شروع میں واجب ہوگا، امام ابو حنیفہؒ کا یہی مسلک ہے کہ سال کے شروع ہوتے ہی جزیہ واجب ہو جاتا

وجہ: اس کی دلیل یہ ہے کہ جزیہ قتل کے بدلے میں ہے ،یعنی سال کے شروع میں قتل نہیں کیا اس کے بدلے میں جزیہ واجب ہے اور یہ بات سال کے شروع ہوتے ہی ہو سکتی ہے۔

﴿فَصْلٌ فِيمَا يَنبَغِي الذِّمَّةِ﴾

(۲۸۸۷)وَلَا يَجُوزُ إِحْدَاثُ بِيعَةٍ وَلَا كَنِيسَةٍ فِي دَارِ الْإِسْلَامِ . لِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "لَا خِصَاءَ فِي الْإِسْلَامِ وَلَا كَنِيسَةَ" وَالْمُرَادُ إِحْدَاثُهَا (۲۸۸۸)وَإِنْ انْهَدَمَتْ الْبِيَعُ وَالْكَنَائِسُ الْقَدِيمَةُ أَعَادُوهَا.

﴿فصل فی بیان ما یجوز لھم ان یفعلوا﴾

ترجمہ:(۲۸۸۷) دارالاسلام میں یہودی اور نصرانی کا نیا عبادت خانہ بنانا جائز نہیں ہے۔

ترجمہ:لِ حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ اسلام میں انسان کا خصی کرنا نہیں نہے اور نہ کنیسہ بنانا ہے، اور یہاں حدیث میں کنیسہ بنانا مراد ہے۔

تشریح: دارالاسلام کے شہروں میں یہودی کا اور نصرانی کا نیا عبادت خانہ نہ بنانے دیا جائے۔

وجہ :(۱) اس سے اس کی شوکت بڑھے گی اور دوسرے دین کی اشاعت ہوگی۔ اس لئے ان کا نیا عبادت خانہ بنانے کی اجازت نہیں ہوگی۔ (۲) صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **عن ابن عباس ان رسول اللہ قال لا اخصاء فی الاسلام و لا بنیان کنیسة**۔ (سنن بیہقی، باب کراہیۃ خصاء البہائم، ج عاشر، ص ۴۱، نمبر ۱۹۷۹۳) اس حدیث میں ہے کہ کنیسہ کو نہ بنائے۔ (۳) حدیث میں ہے۔ **عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ ﷺ لا تصلح قبلتان فی ارض واحدة ولیس علی المسلمین جزیة**۔ (ترمذی شریف، باب ماجاء لیس علی المسلمین جزیۃ، ص ۱۳۸، نمبر ۶۳۳، کتاب الزکوۃ) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذمیوں کو بہت زیادہ اس کے دین کی اشاعت کی اجازت نہیں ہوگی۔ اور نیا کنیسہ یا بیعہ بنانا دین کی اشاعت ہے اس لئے اس کی اجازت نہیں ہوگی (۵) قول صحابی میں ہے۔ **عن ابن عباسؓ قال کل مصر مصره المسلمون لا یبنی فیه بیعة ولا کنیسة ولا یضرب فیه بناقوس ولا یباع فیه لحم خنزیر** (سنن للبیہقی، باب یشترط علیھم ان لا یحدثوا فی امصار المسلمین کنیسۃ ولا مجمعا لصلواتھم ولا صوت ناقوس ولا حمل خنزیر ولا ادخال خنزیر، ج تاسع، ص ۳۳۹، نمبر ۱۸۷۱۴/ مصنف ابن ابی شیبۃ، ۷۰ ما قالوا فی ھدم البیع والکنائز و بیوت النار، ج سادس، ص ۴۷۱، نمبر ۳۲۹۷۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جس شہر کو مسلمانوں نے بسایا ہے اس میں ذمیوں کا نیا عبادت خانہ نہ بنانے دیا جائے۔

لغت: بیعۃ: یہودی کا عبادت خانہ، کنائس : کنیسۃ کی جمع ہے نصرانی کا عبادت خانہ۔

ترجمہ:(۲۸۸۸) اگر پھر منہدم ہو جائیں پرانی گر جائیں تو دوبارہ بنا سکتے ہیں۔

۱؎ لِأَنَّ الْأَبْنِيَةَ لَاتَبْقَى دَائِمًا، وَلَمَّاأَقَرَّهُمُ الْإِمَامُ فَقَدْعَهِدَإِلَيْهِمُ الْإِعَادَةَ إِلَّاأَنَّهُمْ لَايُمَكَّنُونَ مِنْ نَقْلِهَا، لِأَنَّهُ إِحْدَاثٌ فِي الْحَقِيقَةِ، ۲؎ وَالصَّوْمَعَةُ لِلتَّخَلِّي فِيهَابِمَنْزِلَةِ الْبِيعَةِ، بِخِلَافِ مَوْضِعِ الصَّلَاةِ فِي الْبَيْتِ، لِأَنَّهُ تَبَعٌ لِلسُّكْنَى، ۳؎ وَهَذَافِي الْأَمْصَارِدُونَ الْقُرَى، لِأَنَّ الْأَمْصَارَ هِيَ الَّتِي تُقَامُ فِيهَاالشَّعَائِرُفَلَا تُعَارَضُ بِإِظْهَارِمَايُخَالِفُهَا.

ترجمہ : ۱؎ اس لئے کہ عمارت ہمیشہ باقی نہیں رہتی اور جب امام نے اس کو اسلامی ملک میں رکھا ہے تو اس سے عہد کیا کہ عمارت دوبارہ بنانے کی اجازت دیں گے، لیکن اس کو دوسری جگہ منتقل کرنے کی اجازت نہیں دیں گے، اس لئے کہ یہ حقیقت میں نئی عبادت گاہ بنانا ہے۔

تشریح : یہودی یا نصرانی کی پرانی عبادت خانہ گرگئی تو اس کو دوبارہ بنائی جاسکتی ہے۔ البتہ اسی عبادت گاہ کو دوسری جگہ بنانا چاہے تو اس کی اجازت نہیں ہوگی، کیونکہ یہ گویا کہ نئی عبادت گاہ بنانا ہے جس کی اجازت نہیں ہوگی۔

وجہ :(۱) جو پہلے سے ہے اس کی حفاظت کی ذمہ داری مسلمانوں پر ہے۔ اس لئے اس کو دوبارہ بنائی جاسکتی ہے (۲) حدیث میں ہے اہل نجران سے صلح میں یہ بات طے ہوئی تھی کہ گرجا ئیں نہیں گرائیں گے۔ ان کے راہبوں کو نہیں نکالیں گے۔ اور ان کے دین کے بارے میں فتنے میں نہیں ڈالیں گے۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **عن ابن عباسؓ قال صالح رسول الله ﷺ اهل نجران على الفئ حلة ... على ان لا تهدم لهم بيعة ولا يخرج لهم قس ولا يفتنوا عن دينهم مالم يحدثوا حدثا او يأكلوا الربا** (ابوداؤد شریف، باب فی اخذ الجزیۃ، ص ۴۷، نمبر ۳۰۴۱ / سنن للبیہقی، باب لاتہدم لھم کنیسۃ ولا بیعۃ، ج تاسع، ص ۳۳۹، نمبر ۱۸۷۱۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پرانی عبادت گاہیں بنا سکتے ہیں۔

ترجمہ : ۲؎ اور صومعہ جو تنہائی میں عبادت کرنے کی جگہ ہوتی ہے وہ بیعہ کی طرح ہے [یعنی اس کو بنانے کی اجازت نہیں ہو گی، بخلاف گھر میں عبادت کرنے کی جگہ وہ گھر کے تابع ہے۔

تشریح : عیسائیوں کے یہاں صومعہ ہوتی ہے، جس میں تنہائی میں عبادت کرتے ہیں، اس کا حکم کنیسہ کی طرح ہے، یعنی شہر میں اس کو نئی بنانے کی اجازت نہیں ہوگی، البتہ کوئی عیسائی اپنے گھر میں عبادت کرنے کی جگہ بنائے تو اس کی اجازت ہوگی، کیونکہ وہ گھر کے تابع ہے، اور گھر بنانے کی اجازت ہے تو شہر میں گھر کے اندر عبادت کی جگہ بنانے کی بھی اجازت ہوگی۔

وجہ : گھر کے اندر عبادت کی جگہ ہے تو اس کا اظہار مسلمانوں کے سامنے نہیں ہوگا، اور نہ وہ عیسائیت پھیلانے کا ذریعہ بنے گا اس لئے اس کی اجازت ہوگی، تاکہ عیسائی اپنی عبادت گھر کے اندر کر سکے۔

ترجمہ : ۳؎ یہ بات کہ نئی بیعہ بنانے کی اجازت نہیں ہوگی، یہ شہر میں ہے دیہات میں نہیں ہے اس لئے کہ شہر میں اسلامی

۴؎ وَقِيلَ فِي دِيَارِنَا يُمْنَعُونَ مِنْ ذٰلِكَ فِي الْقُرَى أَيْضًا؛ لِأَنَّ فِيهَا بَعْضَ الشَّعَائِرِ. ۵؎ وَالْمَرْوِيُّ عَنْ صَاحِبِ الْمَذْهَبِ فِي قُرَى الْكُوفَةِ لِأَنَّ أَكْثَرَ أَهْلِهَا أَهْلُ الذِّمَّةِ. ۶؎ وَفِي أَرْضِ الْعَرَبِ يُمْنَعُونَ مِنْ ذٰلِكَ فِي أَمْصَارِهَا وَقُرَاهَا لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ ''لَا يَجْتَمِعُ دِينَانِ فِي جَزِيرَةِ الْعَرَبِ''.

شعائر ہوتے ہیں، اس لئے شہر کے مخالف دیہات میں نئی کنیسہ بنانے میں کوئی معارض نہیں ہے۔

وجه :شہر میں اسلامی شعائر زیادہ واضح ہوتے ہیں، اور یہ اسلامی دعوت کا ذریعہ ہوتے ہیں اس لئے شہر میں نئی کنیسہ بنانے کی اجازت نہیں ہوگی۔

نوٹ:اس وقت پوری دنیا میں یہود اور نصاری کا غلبہ ہے، اور اسلامی حکومت برائے نام ہے اس لئے اس پر عمل کرنا بہت مشکل ہے۔

ترجمه :۴؎ شمس الائمہ سرخسی نے فرمایا کہ ہمارے دیہات میں نئی کنیسہ بنانے سے روکا جائے گا اس لئے دیہات میں کچھ شعائر موجود ہیں۔

تشریح:واضح ہے۔

ترجمه :۵؎ اور صاحب مذہب یعنی امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ کوفہ کی دیہات میں نئی کنیسہ بنانا جائز ہے اس لئے کہ وہاں اکثر لوگ ذمی ہیں۔

ترجمه :۶؎ اور عرب کی زمین میں اس کی دیہات اور شہر میں نئی کنیسہ بنانے سے روکا جائے گا اسلئے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جزیرۃ العرب میں دو دین جمع نہیں ہو سکتے۔

وجه :(۱) عرب کی سرزمین کے بارے میں حضورؐ نے فرمایا کہ وہاں سے یہود اور نصاری کو نکال دو اس لئے وہاں کے شہر اور دیہات میں کنیسہ بنانا جائز نہیں ہے۔ حدیث یہ ہے۔ **اخبر عمر بن الخطابؓ انه سمع رسول الله ﷺ يقول لاخرجن اليهود و النصارى من جزيرة العرب فلا اترک فيها الامسلما** ۔(ابوداود شریف، باب فی اخراج الیہود من جزیرۃ العرب، ص ۴۴۴، نمبر ۳۰۳۰) اس حدیث میں ہے کہ یہود اور نصاری کو جزیرۃ عرب سے نکال دو۔ (۳) **سمع عمر بن عبد العزيز يقول آخر ما تكلم به رسول الله ﷺ قال قاتل الله اليهود و النصارى اتخذوا قبور انبيائهم مسجدا ، لا يبقى او لا يجتمع با رض العرب دينان** ۔(مصنف عبد الرزاق، باب اجلاء الیہود من المدینۃ، ج سادس، ص ۴۴، نمبر ۲۷۸۲) اس حدیث میں ہے کہ عرب میں دو دین نہیں ہو اس لئے نہ یہود اور نصاری کو رکھا جائے گا اور نہ اس کی عبادت گاہ بنانے کی اجازت ہوگی۔ (۴) **عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ لا تكون**

(۲۸۸۹) قَالَ: وَيُؤْخَذُ أَهْلُ الذِّمَّةِ بِالتَّمَيُّزِ عَنِ الْمُسْلِمِينَ فِي زِيِّهِمْ وَمَرَاكِبِهِمْ وَسُرُوجِهِمْ وَقَلانِسِهِمْ فَلا يَرْكَبُونَ الْخَيْلَ وَلا يَعْمَلُونَ بِالسِّلاحِ. وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ: وَيُؤْخَذُ أَهْلُ الذِّمَّةِ بِإِظْهَارِ الْكُسْتِيجَاتِ وَالرُّكُوبِ عَلَى السُّرُوجِ الَّتِي هِيَ كَهَيْئَةِ الْأُكُفِّ.

قبلتان فی بلد واحد ۔(ابوداود شریف، باب فی اخراج الیہود من جزیرۃ العرب، ص۴۴۴، نمبر ۳۰۳۲ ر ترمذی شریف، باب ماجاء لیس علی المسلمین جزیۃ، ص ۱۳۸، نمبر ۶۳۳، کتاب الزکوۃ) اس حدیث میں ہے کہ جزیرہ عرب میں دو قبلہ نہ ہوں، یعنی دو قسم کی عبادت گائیں نہ ہوں، اس لئے عرب میں یہود اور نصاری کی عبادت گاہ نہیں بنانے دیا جائے گا۔

ترجمہ:(۲۸۸۹) عہد لیا جائے گا ذمیوں سے ممتاز رہنے کا مسلمانوں سے پوشاک میں سواریوں میں زمینوں میں اور ٹوپیوں میں۔ اور وہ سوار نہ ہوں گے گھوڑوں پر اور نہ ہتھیار اٹھائیں گے۔

تشریح :ذمیوں کو دار الاسلام میں رکھا جائے گا لیکن وہ ہر اعتبار سے مسلمانوں سے متمیز رہے تا کہ کوئی مسلمان ان پر سلام نہ کرے ان کیلئے دعائیں نہ کرے۔ اور ایک انداز ے میں ذلت کے ساتھ رہے تا کہ اسکو احساس ہو اور جلدی مسلمان ہو جائے۔

وجہ:(۱) حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔ عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال لا تبدوا الیہود و لا النصاری بالسلام و اذا لقیتم احدھم فی طریق فاضطروہ الی اضیقہ (مسلم شریف، باب النہی عن ابتداء اہل الکتاب بالسلام وکیف یرد علیہم، ص ۲۱۳، نمبر ۲۱۶۷ ر ابوداؤد شریف، باب فی السلام علی اہل الذمۃ، ص ۳۶۰، نمبر ۵۲۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذمی کو ابتدائی طور پر سلام نہ کرے۔ اور اس کو راستے کے کنارے سے چلنے کے لئے کہے تا کہ اس کی شان و شوکت کا اظہار نہ ہو (۲) قول صحابی میں ہے کہ ذمیوں پر مہر لگائے تا کہ دور سے پتا چل جائے کہ وہ ذمی ہے۔ اثر یہ ہے۔ کتب عمرؓ الی امراء الاجناد ان اختموا رقاب اھل الجزیۃ فی اعناقھم (سنن للبیہقی، باب یشترط علیہم ان یفرقوا بین ہیئتہم وہیئۃ المسلمین، ج تاسع، ص ۳۴۰، نمبر ۱۸۷۱۸)(۳) حضرت عمرؓ نے اہل شام سے صلح کی تو اس میں شرط لگائی کہ لباس، ٹوپی، عمامہ، جوتے میں متمیز رہے۔ باتوں میں بھی متمیز رہے۔ قول صحابی کا ٹکڑا یہ ہے۔ عن عبد الرحمن بن غنم قال کتبت لعمر بن الخطابؓ حین صالح اھل الشام بسم اللہ الرحمن الرحیم ... و ان نوقر المسلمین و ان نقوم لھم من مجالسنا ان ارادوا جلوسا و لا نتشبہ بھم فی شیء من لباسھم من قلنسوۃ و لا عمامۃ و لا نعلین و لا فرق شعر و لا نتکلم بکلامھم و لا نتکنی بکناھم و لا نرکب السروج و لا نتقلد السیوف و لا نتخذ شیئا من السلاح و لا نحملہ معنا و لا ننقش خواتیمنا بالعربیۃ (سنن للبیہقی، باب الامام یکتب کتاب الصلح علی الجزیۃ، ج تاسع، ص ۳۳۹، نمبر ۱۸۷۱۷) ان دونوں اثروں سے معلوم ہوا کہ ذمی ہر اعتبار سے مسلمانوں

۱؎ وَإِنَّمَا يُؤْخَذُونَ بِذَلِكَ إِظْهَارًا لِلصَّغَارِ عَلَيْهِمْ وَصِيَانَةً لِضَعَفَةِ الْمُسْلِمِينَ؛ وَلِأَنَّ الْمُسْلِمَ يُكْرَمُ، وَالذِّمِّيُّ يُهَانُ، ۲؎ وَلَا يُبْتَدَأُ بِالسَّلَامِ وَيُضَيَّقُ عَلَيْهِ الطَّرِيقُ، فَلَوْ لَمْ تَكُنْ عَلَامَةٌ مُمَيِّزَةٌ فَلَعَلَّهُ يُعَامَلُ مُعَامَلَةَ الْمُسْلِمِينَ وَذَلِكَ لَا يَجُوزُ.

سے متمیز رہے۔اور ہتھیار اس لئے نہ اٹھائے کہ کہیں دوبارہ جنگ کرنے کی صلاحیت نہ پیدا کر لے۔اور مسلمانوں کے لئے مشکلات نہ پیدا کرے۔

نوٹ: افسوس کہ عالم عرب پر امریکیوں نے اس طرح قبضہ کر لیا کہ یہ سب مسائل خواب وخیال بن گئے۔

لغت: زیھم : ہیئت،لباس، مراکب : مرکب کی جمع ہے رکب سے مشتق ہے سوار، سروج : سرج سے مشتق ہے زین، قلانس : قلنسوۃ سے مشتق ہے ٹوپی۔

ترجمہ: ۱؎ اور جامع صغیر میں ہے کہ ذمی پر دباوڈالا جائے گا کہ وہ اپنی زنار ظاہر کریں اور ایسی زینوں پر سوار جو خچروں اور گدھوں کے پالان کی صورت میں ہو،اور دباو محض اس لئے ڈالا جائے گا کہ ان کا حقیر ہونا ظاہر ہو اور مسلمانوں کی کمزوری کی حفاظت ہو سکے اس لئے کہ مسلمانوں کی عزت کی جاتی ہے اور ذمی کی توہین کی جاتی ہے

تشریح: جامع صغیر میں یہ عبارت نہیں ہے۔ذمیوں کو ذلت کا سامنا ہے،اور مسلمانوں کی عزت ہے اس لئے دارالاسلام میں ذمیوں پر ایسی ہیت ہو جس سے ذلت کا اظہار ہو،اس لئے ان چیزوں کی ضرورت ہے

نوٹ: یہ سب چیزیں مصنف نے اپنے زمانے کے دارالاسلام کے لئے لکھی ہے جو واجب نہیں ہیں،اس وقت پوری دنیا میں ہیومن رائیٹ ہے، کہ سب کو برابر کے حقوق دو اس لئے یہ نہ کر سکے تو اس پر کوئی شرعی گرفت نہیں ہے۔

لغت: کستیجات: کالی ٹوپی اور اون کے موٹے دھاگے کے زنار کو کستیجات، کہتے ہیں۔ زنار :اون کا موٹا دھاگا ہوتا ہے جس کو ذمی لوگ اپنی کمر پر باندھتے ہیں،اس کو زنو، کہتے ہیں، یہ ہندو ہونے کی علامت ہوتی ہے۔ اکف: یہ گھوڑے کا پالان کی طرح خوبصورت اور شاندار نہیں ہوتا، بلکہ گدھے کے پالان کی طرح ہوتا ہے، گدھے کا زین۔

ترجمہ: ۲؎ اور انکو پہلے سلام نہ کرے،اور ان کا راستہ تنگ رکھا جائے، کیونکہ اگر ذمی پر واضح علامت نہ ہو تو ہو سکتا ہے کہ انکے ساتھ مسلمان کے جیسا معاملہ کرے جو جائز نہیں ہے۔

وجہ: عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال لا تبدوا الیہود ولا النصاری بالسلام واذا لقیتم احدھم فی طریق فاضطروہ الی اضیقہ (مسلم شریف، باب النھی عن ابتداء اھل الکتاب بالسلام وکیف یرد علیھم ،ص ۹۶۳،نمبر ۲۱۶۷/ ابوداؤد شریف، باب فی السلام علی اھل الذمۃ ،ص ۷۶۰ ،نمبر ۵۲۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذمی کو ابتدائی طور پر سلام نہ

۳ وَالْعَلَامَةُ يَجِبُ أَنْ تَكُونَ خَيْطًا غَلِيظًا مِنْ الصُّوفِ يَشُدُّهُ عَلَى وَسَطِهِ دُونَ الزُّنَّارِ مِنْ الْإِبْرَيْسَمِ فَإِنَّهُ جَفَاءٌ فِي حَقِّ أَهْلِ الْإِسْلَامِ. ۴ وَيَجب أَنْ يَتَمَيَّزَ نِسَاؤُهُمْ عَنْ نِسَائِنَا فِي الطُّرُقَاتِ وَالْحَمَّامَاتِ، وَيُجْعَلُ عَلَى دُورِهِمْ عَلَامَاتٌ كَيْ لَا يَقِفَ عَلَيْهَا سَائِلٌ يَدْعُوَ لَهُمْ بِالْمَغْفِرَةِ. ۵ قَالُوا: الْأَحَقُّ أَنْ لَا يُتْرَكُوا أَنْ يَرْكَبُوا إلَّا لِلضَّرُورَةِ. وَإِذَا رَكِبُوا لِلضَّرُورَةِ فَلْيَنْزِلُوا فِي مَجَامِعِ الْمُسْلِمِينَ، فَإِنْ لَزِمَتْ الضَّرُورَةُ اتَّخَذُوا سُرُوجًا بِالصِّفَةِ الَّتِي تَقَدَّمَتْ،

کرے۔اوراس کوراستے کے کنارے سے چلنے کے لئے کہے تاکہ اس کی شان وشوکت کا اظہار نہ ہواگر وہ سلام کردے تو وعلیکم، کہہ دے، یا اطال اللہ حیاتک واکثر مالک، جیسے الفاظ کہہ دے، یا غیر مسلم کی زبان میں جورائج ہووہ کہہ دے، مثلاً گڈ مورننگ۔

ترجمہ: ۳ اور علامت یہ ہے کہ اُون کا موٹا دھاگہ [زنار] ہوجس کو اپنی کمر پر باندھے ، ریشم کی زنار نہ ہوا لئے کہ وہ مسلمان کے حق میں ظلم ہے [کیونکہ اس سے ذمی کی بڑائی ظاہر ہوگی]

تشریح: ذمی کی کمر پر اون، یا سوت کے موٹے کی زنار ہو، وہ ریشم کی نہ ہو، کیونکہ ریشم کے دھاگے میں اس کی عظمت ہے جو مسلمانوں کے ظلم کی چیز ہے اس لئے ریشم کی زنار نہ ہو

وجہ: عن عبد الرحمن بنغنم قال کتبت لعمر بن الخطابؓ حین صالح اهل الشام بسم الله الرحمن الرحیم ...و ان نشد الزنانیر علی اوساطنا و ان لا نظهر صلبنا و کتبنا فی شیء من طریق المسمین و لا اسواقهم (سنن للبیہقی، باب الامام یکتب کتاب الصلح علی الجزیۃ، ج تاسع، ص۳۳۹، نمبر۱۸۷۱۷) اس قول صحابی میں ہے کہ ہم ذمی کمر پر زنار باندھیں گے۔

ترجمہ: ۴ یہ بھی ضروری ہے کہ ان کی عورتیں ہماری عورتوں سے راستے اور حمام میں متمیز ہوں، ان کے گھروں پر علامات لگا دئے جائیں تاکہ سائل اس کے پاس کھڑا ہوکر اس کے لئے مغفرت کی دعا نہ کرنے لگیں۔

تشریح: واضح ہے۔ انکے دلائل پہلے گر چکے ہیں

ترجمہ: ۵ علماء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ وہ ضرورت کے بغیر وہ گھوڑے پر سوار نہ ہوں، اور ضرورت کی وجہ سے گھوڑے پر سوار ہوں تو جہاں مجمع ہو تو وہاں اتر جائیں، پھر کسی کو لازمی ضرورت ہو جائے تو وہ اکاف کی صورت کی زین پر بیٹھے۔

وجہ: اس قول صحابی میں ہے۔ عن عبد الرحمن بنغنم قال کتبت لعمر بن الخطابؓ حین صالح اهل الشام بسم الله الرحمن الرحیم ... ولا نرکب السروج ولا نتقلد السیوف ولا نتخذ شیئا من السلاح ولا نحمله معنا ولا ننقش خواتیمنا بالعربیة (سنن للبیہقی، باب الامام یکتب کتاب الصلح علی الجزیۃ، ج تاسع، ص۳۳۹،

٦ وَيُمْنَعُونَ عَنْ لِبَاسٍ يَخْتَصُّ بِهِ أَهْلُ الْعِلْمِ وَالزُّهْدِ وَالشَّرَفِ.

(۲۸۹۰) وَمَنْ امْتَنَعَ مِنْ الْجِزْيَةِ أَوْ قَتَلَ مُسْلِمًا أَوْ سَبَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَوْ زَنَى بِمُسْلِمَةٍ لَمْ يُنْتَقَضْ عَهْدُهُ ،

نمبر۱۸۷۱۷)اس قول صحابی میں ہے کہ ہم ذمی گھوڑے کے پالان پر نہیں بیٹھیں گے۔

ترجمہ :٦ اہل علم اور اہل زہد اور شرف کی طرح لباس سے بھی منع کئے جائیں۔

تشریح :جو لباس اہل علم کے لئے خاص ہے، یا زہد وتقوی والے کے لئے خاص ہے وہ لباس ذمی نہ پہنے، تا کہ لوگ اس کو اہل علم یا اہل تقوی سمجھ کر تعظیم نہ کریں

ترجمہ:(۲۸۹۰) کوئی جزیہ کی ادائیگی سے باز رہے یا مسلمان کو قتل کر دے یا حضورؐ کو گالی دے یا مسلمان عورت سے زنا کرلے تو اس کا عہد نہیں ٹوٹے گا۔

تشریح :کوئی جزیہ دینے کا اقرار تو کرتا ہے لیکن جزیہ دیتا نہیں ہے تو اس سے ذمی ہونے سے خارج نہیں ہوگا۔اسی طرح کسی مسلمان کو قتل کر دے یا حضور کو گالی دے یا مسلمان عورت سے زنا کر لے تو اس سے ذمی ہونے کا عہد نہیں ٹوٹے گا۔البتہ ان جرموں کی سزا کا مستحق ہوگا۔مثلا جزیہ ادا نہیں کرتا ہے تو جزیہ وصول کیا جائے گا۔مسلمان کے قتل کے بدلے اس کو قتل کیا جائے گا۔یا حضور کو گالی دینے سے وہ خود مباح الدم ہو جائے گا۔اور مسلمہ سے زنا کرنے کی وجہ سے حد زنا کا مستحق ہوگا۔

وجہ :(۱) عہد ٹوٹتا ہے جنگ پر اتر آنے سے، یا کسی چیز کی شرط لگائی تھی اور اس نے اس کے خلاف کیا تو عہد ٹوٹے گا ورنہ نہیں (۲) حدیث میں ہے کہ اہل قریظہ جنگ پر اتر آئے تب ان کا عہد ٹوٹا اور حضورؐ نے قتال کر کے ان کو قتل کیا۔اور ان کی عورتوں کو باندی بنایا۔حدیث یہ ہے۔**عن ابن عمرؓ حاربت قريظة والنضير فاجلى بنى النضير واقر قريظة ومنّ عليهم حتى حاربت قريظة فقتل رجالهم وقسم نسائهم واولادهم واموالهم بين المسلمين** (بخاری شریف، باب حدیث بنی النضیر ومخرج رسول اللہ ﷺ الیھم فی دیۃ الرجلین وارادوا من الغدر برسول اللہ ﷺ،ص۶۷۴،نمبر ۴۰۲۸ر مسلم شریف، باب اجلاء الیہود من الحجاز،ص۹۴،نمبر۱۷۶۶/۴۵۹۲)اس حدیث میں ہے کہ قریظہ نے محاربت کی تب ان کا عہد ٹوٹا۔اور اوپر کے مسئلے میں ذمی نے محاربت نہیں کی ہے اس لئے ان کا عہد نہیں ٹوٹے گا۔

البتہ حضور کو اعلانیہ گالی دے گا تو اس کو قتل کیا جائے گا اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔**عن عليؓ ان يهودية كانت تشتم النبي ﷺ وتقع فيه فخنقها رجل حتى ماتت فابطل رسول الله ﷺ دمها** (ابوداؤد شریف، باب الحکم فیمن سب النبی ﷺ۔ص۲۵۱،نمبر۴۳۶۲)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کوئی حضور کو گالی دے تو وہ مباح الدم ہو جاتا ہے۔

ا لِأَنَّ الْغَايَةَ الَّتِي يَنْتَهِي بِهَاالْقِتَالُ الْتِزَامُ الْجِزْيَةِ لاأَدَاؤُهَاوَالِالْتِزَامُ بَاقٍ. ٢ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ:سَبُّ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُونُ نَقْضًا .لِأَنَّهُ يَنْقُضُ إيمَانَهُ فَكَذَا يَنْقُضُ أَمَانَهُ إذْ عَقْدُالذِّمَّةِ خَلَفٌ عَنْهُ. ٣ وَلَنَاأَنَّ سَبَّ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُفْرٌ مِنْهُ،وَالْكُفْرُ الْمُقَارِنُ لَايَمْنَعُهُ فَالطَّارِءُ لَايَرْفَعُهُ.

(۲۸۹۱)قَالَ:وَلَا يُنْقَضُ الْعَهْدُ إلَّا أَنْ يَلْحَقَ بِدَارِالْحَرْبِ أَوْ يَغْلِبُواعَلَى مَوْضِعٍ فَيُحَارِبُونَنَا. ا لِأَنَّهُمْ صَارُوا حَرْبًاعَلَيْنَافَيُعَرَّى عَقْدُالذِّمَّةِ عَنْ الْفَائِدَةِ وَهُوَدَفْعُ شَرِّالْحِرَابِ.

لغت:سب : گالی دینا۔

ترجمہ :ا اس لئے کہ جزیہ کے لازم کرنے سے قتال رکتا ہے،اس کوادا کرنے کوئی مطلب نہیں ہےاور لازم کرنا ابھی باقی ہےاس لئے ذمی کا عہد نہیں ٹوٹے گا۔

تشریح :یہ دلیل عقلی ہے۔حربی سے جنگ ختم ہوئی تھی وہ اس لئے ہوئی تھی کہ وہ جزیہ دینا قبول کرلیں،اوراس نے جزیہ دینا قبول کیا ہے گر چہ دے نہیں رہا ہےاس لئے ابھی اس کا عہد نہیں ٹوٹے گا۔

ترجمہ :۲ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ حضور کو گالی دینے سے بھی ذمی کا عہد ٹوٹ جائے گا،اس لئے کہ اگر مومن ہوتا تو حضورؐ کو گالی دینے سے ایمان ختم ہوجاتا ایسے ہی ذمی کا عہد ٹوٹ جائے گا اس لئے کہ ذمی کا عہد ایمان کے قائم مقام ہے۔

تشریح:امام شافعیؒ نے فرمایا کہ حضور کو گالی دینے سے اس کا عہد ٹوٹ جائے گا۔

وجہ :وہ فرماتے ہیں کہ مسلمان حضورؐ کو گالی دےتو اس کا ایمان ختم ہو جاتا ہےاور دارالاسلام میں امن دینا ایمان کے قائم مقام ہےاس لئے حضور کو گالی دینے سے امن دینے کا عہد ٹوٹ جائے گا۔

ترجمہ :۳ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضورؐ کو گالی دینے سے کافر ہوجائے گا ذمی کے دل میں تو پہلے سے کفر ہے پھر بھی جزیہ کا عہد ہوا تو اب کفر ہونے سے عہد کیسے ٹوٹے گا۔

تشریح :ہمارا جواب یہ ہے کہ ذمی کے دل میں پہلے سے کفر تھا پھر بھی اس کو امن ملا تو اب گالی دینے سے مزید کفر آئے گا تو عہد کیسے ٹوٹے گا۔

ترجمہ:(۲۸۹۱)اور عہد نہیں ٹوٹے گا مگر یہ کہ دارالحرب چلا جائے یا کسی جگہ پر غلبہ پا کر ہم سے جنگ کرے۔

ترجمہ :ا اس لئے کہ ہم سے جنگ کرنے کی وجہ سے اب ذمی بنانے سے کوئی فائدہ نہیں ہے،کیونکہ ذمی بنانے کا مطلب یہ تھا کہ جنگ نہ ہو[اوراس نے جنگ کر ہی لیا تو ذمی بننے کا کوئی فائدہ نہیں رہا،اس لئے اب عہد ٹوٹ جائے گا]

تشریح :ذمی کا عہد دو وجہ سے ٹوٹتا ہے[۱]ایک دارالحرب چلا جائے اور وہاں بس جائے۔[۲]دوسرا دارالاسلام میں ہی

(۲۸۹۲) وَإِذَا نَقَضَ الذِّمِّيُّ الْعَهْدَ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْمُرْتَدِّ ۱؎ مَعْنَاهُ فِي الْحُكْمِ بِمَوْتِهِ بِاللَّحَاقِ؛ لِأَنَّهُ الْتَحَقَ بِالْأَمْوَاتِ، ۲؎ وَكَذَا فِي حُكْمِ مَاحَمَلَهُ مِنْ مَالِهِ،إِلَّا أَنَّهُ لَوْأُسِرَ يُسْتَرَقُّ بِخِلَافِ الْمُرْتَدِّ.

ذمیوں کا جتھا بنا کر مسلمانوں سے جنگ کرنے لگ جائے۔

وجه :(۱)ذمی بننے کا مطلب یہ تھا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ نہیں کرے گا،اور وہ جتھا بنا کر جنگ کرنے لگا تو اب امن دینے سے کیا فائدہ ہوگا،یا دارالحرب چلا گیا تو گویا کہ وہ جنگ کرنے والوں کا ساتھی بن گیا تو بھی امن دینے سے کیا فائدہ ہوگا اس لئے اب عہد ٹوٹ جائے گا۔(۲)اوپر قریظہ کی حدیث گزری کہ وہ جنگ کے لئے تیار ہوئے تو عہد ٹوٹ گیا۔پھر حضورؐ نے اس پر چڑھائی کی اوران کی عورتوں کو باندی بنایا اور مال تقسیم کرلیا۔عن ابن عمرؓ ... حتی حاربت قریظة فقتل رجالهم وقسم نسائهم واولادهم واموالهم بین المسلمین (بخاری شریف،نمبر ۴۰۲۸رمسلم شریف،نمبر ۴۵۹۲/۱۷۶۶)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ محاربت سے عہد ٹوٹ جاتا ہے۔

اوردارالحرب چلا جائے تو عہد ٹوٹ جائے گا اس کی دلیل یہ قول تابعی ہے۔ سئل عن عطاء عن الرجل من اهل الذمة یوخذ فی اهل الشرک وقد اشترط علیهم ان لا یأتیهم فیقول لم اردعونهم فکره قتله الا ببینة فقال له بعض اهل العلم اذا نقض شیئا واحدا مما علیه فقد نقض الصلح (مصنف عبدالرزاق،باب المشرک یأتی المسلم بغیر عهد،ج خامس،ص ۱۹۸،نمبر ۹۷۱۷)اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ ذمی حربیوں کے درمیان چلا جائے تو عہد ٹوٹ جائے گا۔اس لئے کہ وہ حربی ہوگیا اوراس کا خون حربیوں کی طرح مباح ہوگیا۔

لغت: یلحق : لاحق ہوجائے،چلا جائے۔

ترجمہ:(۲۸۹۲)جب ذمی کا عہد ٹوٹ گیا تو اس کا حکم مرتد کی طرح ہوگیا۔

ترجمہ:۱؎ یعنی گویا کہ وہ مرگیا[اس لئے اس کی جائداد اس کے ورثہ میں تقسیم کردیا جائے گا]

تشریح :جب ذمی کا عہد ٹوٹ گیا تو وہ مرتد کی طرح ہوگیا،اور مرتد کا حکم یہ ہے کہ اس کو مردہ شمار کیا جاتا ہے،اوراس کی جائداد اس کے وارثین میں تقسیم کردی جاتی ہے،اس کی بیوی بائنہ ہوجاتی ہے،اسی طرح اس ذمی کا جو مال دارالاسلام میں رہ گیا اس کو وارثین کے درمیان تقسیم کردیا جائے گا۔اوراس کی بیوی بائنہ ہوجائے گی۔

ترجمہ:۲؎ ایسے ہی جو مال وہ ساتھ لیکر دارالحرب گیا[اس پر غلبہ ہونے پر مجاہدین کے درمیان تقسیم ہوجائے گا]

تشریح:ذمی جو مال لیکر دارالحرب گیا ہے اگر وہ مجاہدین کے قبضے میں آجائے تو حربی کے مال کی طرح اس مال کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کردیا جائے گا،کیونکہ وہ مال غنیمت ہوگیا،کیونکہ ذمی عہد ٹوٹ چکا ہے اور وہ حربی بن چکا ہے

ترجمه :۳۲ یہ اور بات ہے کہ اگر ذمی قید ہوا تو اس کو غلام بنایا جائے گا، اور مرتد کو غلام نہیں بنایا جاتا، بلکہ یا تو وہ اسلام لائے ورنہ قتل کر دیا جائے گا، اس کو غلام بنا کر زندہ نہیں چھوڑا جائے گا۔

وجه : حدیث یہ ہے۔ **عن ابن عمرؓ حاربت قریظة والنضیر فاجلی بنی النضیر واقر قریظة ومنَّ علیهم حتی حاربت قریظة فقتل رجالهم وقسم نسائهم واولادهم واموالهم بین المسلمین** (بخاری شریف، باب حدیث بنی النضیر ومخرج رسول اللہ ﷺ الیھم فی دیۃ الرجلین وارادوا من الغدر برسول اللہ ﷺ، ص ۶۷۴، نمبر ۴۰۲۸ رمسلم شریف، باب اجلاء الیہود من الحجاز، ص ۹۴، نمبر ۱۷۶۶ر۴۵۹۲) اس حدیث میں ہے کہ عہد کے ٹوٹنے کے بعد اس کی عورتوں کو باندی بنادی گئی اور بچے کو غلام بنا دیا گیا، اور اس کا مال غنیمت کا مال ہے اس لئے اس کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دیا جائے گا۔

﴿فَصْلٌ﴾

(۲۸۹۳) وَنَصَارٰى بَنِي تَغْلِبَ يُؤْخَذُ مِنْ أَمْوَالِهِمْ ضِعْفُ مَا يُؤْخَذُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ مِنَ الزَّكَاةِ ؛ ا لِأَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ صَالَحَهُمْ عَلَى ذٰلِكَ بِمَحْضَرٍ مِنَ الصَّحَابَةِ (۲۸۹۴) وَيُؤْخَذُ مِنْ نِسَائِهِمْ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْ صِبْيَانِهِمْ ا لِأَنَّ الصُّلْحَ وَقَعَ عَلَى الصَّدَقَةِ الْمُضَاعَفَةِ، وَالصَّدَقَةُ تَجِبُ عَلَيْهِنَّ دُونَ الصِّبْيَانِ فَكَذَا الْمُضَاعَفُ.

﴿فصل فی نصاری بنی تغلب﴾

ترجمہ:(۲۸۹۳) بنی تغلب کے نصاری سے اس کے مال میں دوگنا لیا جائے گا جتنی مسلمانوں سے زکوۃ لی جاتی ہے۔

ترجمہ:ا صحابہ کے سامنے حضرت عمر نے اسی پر ان لوگوں سے صلح کی تھی۔

تشریح :مسلمانوں سے زکوۃ چالیس درہم میں ایک درہم یعنی ڈھائی فی صد ہے تو بنی تغلب سے اس کا دوگنا لیا جائے گا یعنی بیس درہم میں ایک درہم یعنی پانچ فی صد لیا جائے گا۔ کیونکہ حضرت عمر نے اپنے زمانے میں اسی پر صلح کی تھی۔۔اس دور میں بنی تغلب نہیں رہے۔

وجہ:صاحب ہدایہ کا قول صحابی یہ ہے۔عن عمر بن الخطابؓ انه صالح نصاری بنی تغلب علی ان تضعف علیهم الزکوة مرتین وعلی ان لا ینصروا صغیرا وعلی ان لا یکرهوا علی دین غیرهم (مصنف ابن ابی شیبۃ ،۱۰۵ فی نصاری بنی تغلب ما یوخذ منھم ،ج ثانی ،ص ۴۱۷ ،نمبر ۱۰۵۸۱) اس قول صحابی میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے زکوۃ کے دوگنے پر صلح فرمائی۔

ترجمہ:(۲۸۹۴) بنی تغلب کی عورتوں سے یہ جزیہ لیا جائے گا لیکن اس کے بچوں سے نہیں لیا جائے گا۔

ترجمہ :ا اس لئے کہ دوگنا صدقے پر صلح ہوئی تھی اور صدقہ عورتوں پر واجب ہوتا ہے، بچوں پر واجب نہیں ہوتا، ایسے ہی جو دوگنا ہے وہ بھی عورتوں پر واجب ہوگا، بچوں پر واجب نہیں ہوگا۔

تشریح :یہاں یہ بحث ہے کہ بنی تغلب سے جو کچھ لیا جا رہا ہے وہ زکوۃ ہے یا جزیہ ہے، اگر وہ زکوۃ ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ نے کہا تو زکوۃ عورتوں سے بھی لی جاتی ہے یہ جزیہ بھی ان کی عورتوں سے لیا جاۓ گا۔اور اگر وہ جزیہ ہے جیسا کہ امام زفرؒ اور امام شافعیؒ نے فرمایا تو جزیہ عورتوں سے نہیں لیا جاتا اس لئے ان کی عورتوں سے نہیں لیا جائے گا۔

۲؎ وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَا يُؤْخَذُ مِنْ نِسَائِهِمْ أَيْضًا، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ؛ لِأَنَّهُ جِزْيَةٌ فِي الْحَقِيقَةِ عَلَى مَا قَالَ عُمَرُ: هَذِهِ جِزْيَةٌ فَسَمُّوهَا مَا شِئْتُمْ، وَلِهَذَا تُصْرَفُ مَصَارِفَ الْجِزْيَةِ وَلَا جِزْيَةَ عَلَى النِّسْوَانِ. ۳؎ وَلَنَا أَنَّهُ مَالٌ وَجَبَ بِهِ الصُّلْحُ، وَالْمَرْأَةُ مِنْ أَهْلِ وُجُوبِ مِثْلِهِ عَلَيْهَا.

وجہ :اوپر کے قول صحابی میں اس کو زکوۃ کہا اس لئے ان کی عورتوں سے بھی لی جائے گی ،قول صحابی یہ ہے۔عن عمر بن الخطابؓ انه صالح نصارى بنى تغلب على ان تضعف عليهم الزكوة مرتين وعلى ان لا ينصروا صغيرا وعلى ان لا يكرهوا على دين غيرهم (مصنف ابن ابی شیبة ،۱۰۵ فی نصاری بنی تغلب مایوخذ منھم ،ج ثانی ،ص ۴۱۷، نمبر ۱۰۵۸۱) اس میں ہے کہ زکوۃ کے دوگنے پر صلح ہوئی ،اور جب زکوۃ ہے تو بنی تغلب کی عورتوں پر بھی واجب ہوگی۔

ترجمہ :۲؎ امام زفرؒ نے فرمایا کہ بنی تغلب کی عورتوں سے بھی جزیہ نہیں لیا جائے گا ،اور یہی قول امام شافعیؒ کا ہے ،ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ حقیقت میں جزیہ ہے جیسا کہ حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہ جزیہ ہے اب تم لوگ اس کا جو نام دے لو ،اسی لئے یہ جزیہ کے مصرف میں خرچ ہوتا ہے ،اور عورت پر جزیہ نہیں ہے۔

تشریح :امام زفر اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ یہ جزیہ ہے اور عورتوں سے جزیہ نہیں لیا جاتا ہے اس لئے بنو تغلب کی عورتوں سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔

وجہ :اس کی دو دلیلیں دیتے ہیں (۱) حضرت عمر نے اس کو جزیہ کہا ہے اس لئے یہ جزیہ ہے ،اس کا اشارہ اس قول صحابی میں ہے جس کی طرف صاحب ہدایہ نے اشارہ کیا ہے۔ و ساقوه احسن من هذ السياق فقالوا رامهم على الجزية فقالو نحن عرب لا نودى ما يودى العجم و لكن خذ منا كما يأخذبعضكم من بعض يعنون الصدقة فقال عمرؓ لا هذا فرض على المسلمين فقالوا فزد ما شئت بهذا الاسم لا باسم الجزية ففعل فتراضى هو و هم على ضعف عليهم الصدقة ۔(سنن بیہقی ،باب نصاری العرب تضعف علیھم الصدقہ ،ج تاسع ،ص ۳۶۳ ،نمبر ۱۸۷۹۷) اس میں ہے کہ اس صدقے کے نام سے تم جتنا زیادہ دے دو۔(۲) اور دوسری دلیل یہ ہے کہ یہ رقم جزیہ کے مصرف میں خرچ ہوتی ہے اس لئے یہ جزیہ ہے۔

ترجمہ :۳؎ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ مال صلح کے ذریعہ سے واجب ہوا ہے اور عورت پر بھی صلح کا اطلاق ہوتا ہے [اس لئے عورت پر بھی یہ جزیہ لازم ہوگا]

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ مال صلح کے ذریعہ واجب ہوا ہے ،اور عورت بھی صلح میں شریک ہوسکتی ہے اس لئے عورت پر بھی واجب ہوگا۔

ؒ وَالْمَصْرِفُ مَصَالِحُ الْمُسْلِمِينَ؛ لِأَنَّهُ مَالُ بَيْتِ الْمَالِ وَذَلِكَ لَا يَخْتَصُّ بِالْجِزْيَةِ؛ أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَا يُرَاعَى فِيهِ شَرَائِطُهَا.

(۲۸۹۵)وَيُوضَعُ عَلَى مَوْلَى التَّغْلِبِيِّ الْخَرَاجُ ا أَيْ الْجِزْيَةُ(۲۸)وَخَرَاجُ الْأَرْضِ بِمَنْزِلَةِ مَوْلَى الْقُرَشِيِّ ا وَقَالَ زُفَرُ: يُضَاعَفُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "إِنَّ مَوْلَى الْقَوْمِ مِنْهُمْ"؛ أَلَاتَرَى أَنَّ مَوْلَى

ترجمہ :ؒ اوراس مال کومسلمانوں کی مصلحت میں خرچ کیا جاتا ہے اسلئے کہ یہ بیت المال کا مال ہے،اورکوئی ضروری نہیں ہے کہ جزیہ ہی کا مال بیت المال میں ہو،آپ نہیں دیکھتے کہ اس مال کو لیتے وقت جزیہ کی شرائط ملحوظ نہیں رکھتے [مثلا دینے والا خود جا کر دے، لینے والا دینے والے کے سینے پر ہاتھ رکھے،ان سب کی رعایت نہیں ہے،جس کا مطلب نکلا کہ یہ جزیہ نہیں ہے بلکہ دوگنا صدقہ ہے۔

تشریح :یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے،انہوں نے کہا تھا کہ یہ مال جزیہ کے مصرف میں خرچ ہوتا ہے،تو اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ یہ مال مسلمان کی مصلحت میں خرچ کیا جاتا،کیونکہ یہ بیت المال کا مال ہو گیا،اس لئے یہ جزیہ ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ آگے دوسری بات فرماتے ہیں کہ اس مال کے وصول کرتے وقت جزیہ کی شرائط نہیں لگاتے،جس سے معلوم ہوا کہ یہ مال جزیہ کا نہیں ہے،اس لئے عورت سے بھی لیا جائے گا،مثلا جزیہ دینے والا خود جا کر جزیہ دے یہ شرط ہے لیکن اس مال کے دیتے وقت یہ بھی جائز ہے کہ نائب کے ذریعہ بھیج دے،یا جزیہ لینے والا امام جزیہ دینے والے کے سینے پر ہاتھ رکھ کر ہلائے،اور کہے کہ اے اللہ کا دشمن جزیہ دو،لیکن اس مال کے دیتے وقت ایسا کرنا ضروری نہیں ہے،جس سے معلوم ہوا کہ یہ جزیہ کا مال نہیں ہے۔

لغت: بنی تغلب : ایک قوم کا نام ہے جن سے حضرت عمرؓ نے دوگنی زکوۃ پر صلح کی تھی،اب یہ قوم نہیں رہی۔

ترجمہ :(۲۸۹۵)اور تغلبی کے آزاد کردہ غلام پر ایک گنا جزیہ لازم کیا جائے گا،اور زمین پر بھی خراج ہوگا،جیسے قریشی کے آزاد کردہ غلام پر ایک گنا جزیہ لازم کیا جاتا ہے۔

تشریح:یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہمارے یہاں تغلبی کے آزاد کردہ غلام سے دوگنا جزیہ نہیں لیا جائے گا بلکہ ایک گنا جزیہ لیا جائے گا اور ایک گنا خراج لیا جائے گا،جس طرح ہاشمی کے آزاد کردہ غلام سے ایک گنا جزیہ اور ایک گنا خراج لیا جاتا ہے۔ اور امام زفرؒ کے یہاں جس طرح تغلبی سے دوگنا لیا جاتا ہے اسی طرح اس کے غلام سے بھی دوگنا جزیہ لیا جائے گا۔

اصول:امام ابوحنیفہؒ کے یہاں۔جزیہ واجب کرنے میں غلام آقا کی طرح نہیں ہوگا۔

اصول:امام زفرؒ کے یہاں جزیہ واجب کرنے میں غلام آقا کی طرح ہوگا۔

ترجمہ:ا اور امام زفرؒ نے فرمایا کہ دوگنا جزیہ لازم ہوگا،کیونکہ حضورؐ نے فرمایا کہ قوم کا آزاد کردہ غلام کا حکم اس کے آقا کی

الْهَاشِمِيِّ يَلْحَقُ بِهِ فِي حَقِّ حُرْمَةِ الصَّدَقَةِ. ٢ وَلَنَا أَنَّ هٰذَا تَخْفِيفٌ وَالْمَوْلَى لا يَلْحَقُ بِالْأَصْلِ فِيهِ، وَلِهٰذَا تُوضَعُ الْجِزْيَةُ عَلَى مَوْلَى الْمُسْلِمِ إِذَا كَانَ نَصْرَانِيًّا، ٣ بِخِلَافِ حُرْمَةِ الصَّدَقَةِ لِأَنَّ الْحُرُمَاتِ تَثْبُتُ بِالشُّبُهَاتِ فَأُلْحِقَ الْمَوْلَى بِالْهَاشِمِيِّ فِي حَقِّهِ، ٤ وَلا يَلْزَمُ مَوْلَى الْغَنِيِّ حَيْثُ لا تَحْرُمُ عَلَيْهِ الصَّدَقَةُ، لِأَنَّ الْغَنِيَّ مِنْ أَهْلِهَا، وَإِنَّمَا الْغِنَى مَانِعٌ وَلَمْ يُوجَدْ فِي حَقِّ الْمَوْلَى. أَمَّا الْهَاشِمِيُّ فَلَيْسَ بِأَهْلٍ لِهٰذِهِ الصِّلَةِ أَصْلًا لِأَنَّهُ صِينَ لِشَرَفِهِ وَكَرَامَتِهِ عَنْ أَوْسَاخِ النَّاسِ فَأُلْحِقَ بِهِ مَوْلَاهُ.

طرح ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ہاشمی کا غلام زکوۃ کے حرام ہونے میں ہاشمی کے ساتھ ہوتا ہے۔

وجه : صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔عن ابی رافع ان رسول اللہ ﷺ بعث رجلا من بنی مخزوم علی الصدقة ... فقال ان الصدقة لا تحل لنا و ان موالی القوم من انفسهم (ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراہیۃ الصدقۃ للنبی واہل بیتہ ومموالیہ ص۱۴۲ نمبر ۶۵۷ /ابوداود شریف، باب الصدقۃ علی بنی ہاشم، ص۲۴۵، نمبر ۱۶۵۰) اس سے معلوم ہوا کہ آزاد کردہ غلام کا شمار اسی قوم میں ہوتا ہے۔اس لئے بنی تغلب سے دوگنا جزیہ لیا جاتا ہے، اس لئے اس کے آزاد کردہ غلام سے بھی دوگنا جزیہ لیا جائے گا۔

ترجمه :٢ ہماری دلیل یہ ہے کہ جزیہ میں تخفیف ہے اسلئے آزاد کردہ غلام اس بارے میں آقا کے ساتھ ملحق نہیں ہوگا یہی وجہ ہے کہ مسلمان کا آزاد کردہ غلام نصرانی ہو تو اس پر جزیہ واجب ہوتا ہے، کیونکہ اس بارے میں غلام آقا کے ساتھ ملحق نہیں ہوتا ہے۔

تشریح : جزیہ میں تخفیف ہوتا ہے اس لئے اس بارے میں غلام آقا کے ساتھ نہیں ملے گا، اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ آقا مسلمان ہو تو اس پر جزیہ نہیں ہوگا، لیکن اس کا غلام نصرانی ہو تو اس پر جزیہ ہوگا، دیکھئے یہاں غلام آقا کے تابع نہیں ہوا اسی طرح تغلبی میں غلام آقا کے تابع نہیں ہوگا۔

ترجمه :٣ بخلاف زکوۃ کے حرام ہونے کے اس لئے کہ اس لئے کہ حرمات شبہ کی وجہ سے بھی ثابت ہو جاتی ہے، اس لئے زکوۃ کے بارے میں ہاشمی کا آزاد کردہ غلام ہاشمی کے ساتھ ملحق ہو جائے گا۔

تشریح : یہ امام زفر کو جواب ہے، کہ زکوۃ شبہ سے بھی حرام ہوتی ہے اسلئے جس طرح ہاشمی پر زکوۃ حرام ہے اسی طرح اسکے آزاد کردہ غلام پر بھی زکوۃ حرام کر دی گئی، لیکن جزیہ کے بارے میں یہ بات نہیں ہے کہ تغلبی کے تحت میں اسکے غلام شامل کیا جائے۔

ترجمه :٤ اور مالدار کے غلام پر زکوۃ حرام نہیں ہے اسلئے کہ مالدار بھی بنیادی طور پر زکوۃ لے سکتا ہے، صرف مالداری کی وجہ سے نہیں لے رہا ہے اسلئے اس کا غلام بھی زکوۃ لے گا اور ہاشمی کا حال یہ ہے کہ وہ بنیادی طور پر زکوۃ لینے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا ہے، اسلئے کہ انکی شرافت کی وجہ سے لوگوں کے میل کچیل سے محفوظ رکھا گیا ہے، تو اسکے آزاد کردہ غلام کو بھی اس میں شامل کر لیا گیا ہے۔

(۲۸۹۶) قَالَ: وَمَا جَبَاهُ الْإِمَامُ مِنَ الْخَرَاجِ وَمِنْ أَمْوَالِ بَنِي تَغْلِبَ وَمَاأَهْدَاهُ أَهْلُ الْحَرْبِ إِلَى الْإِمَامِ وَالْجِزْيَةُ يُصْرَفُ فِي مَصَالِحِ الْمُسْلِمِينَ كَسَدِّ الثُّغُورِ وَبِنَاءِ الْقَنَاطِرِ وَالْجُسُورِ، وَيُعْطَى قُضَاةُ الْمُسْلِمِينَ وَعُمَّالُهُمْ وَعُلَمَاؤُهُمْ مِنْهُ مَا يَكْفِيهِمْ، وَيُدْفَعُ مِنْهُ أَرْزَاقُ الْمُقَاتِلَةِ وَذَرَارِيِّهِمْ؛ لِ لِأَنَّهُ مَالُ بَيْتِ الْمَالِ فَإِنَّهُ وَصَلَ إِلَى الْمُسْلِمِينَ مِنْ غَيْرِ قِتَالٍ وَهُوَ مُعَدٌّ لِمَصَالِحِ الْمُسْلِمِينَ وَهَؤُلَاءِ عَمَلَتُهُمْ وَنَفَقَةُ الذَّرَارِيِّ عَلَى الْآبَاءِ، فَلَوْ لَمْ يُعْطَوْا كِفَايَتَهُمْ لَاحْتَاجُوا إِلَى الِاكْتِسَابِ فَلَا يَتَفَرَّغُونَ لِلْقِتَالِ.

تشریح: یہ بھی ایک اشکال کا جواب ہے، اشکال یہ ہے کہ مالدار کے لئے زکوۃ لینا حرام ہے تو شبہ کی وجہ سے اس کے آزاد کردہ غلام کے لئے بھی زکوۃ لینا حرام ہونا چاہئے،، تو اس کو جواب دیا جا رہا ہے مالدار آدمی بنیادی طور پر زکوۃ لے سکتا ہے، لیکن چونکہ ابھی مالدار ہے اس لئے اس مالداری کی وجہ سے ابھی زکوۃ نہیں لے سکتا ہے، پس چونکہ بنیادی طور پر زکوۃ لے سکتا ہے اس لئے اس کا آزاد کردہ غلام غریب ہے تو زکوۃ لے سکتا ہے۔ اس کے برخلاف ہاشمی آدمی میں حدیث کی بنیاد پر زکوۃ لینے کی صلاحیت ہی نہیں ہے اس لئے اس کے غلام کو بھی زکوۃ لینے کا حق نہیں ہوگا، چاہے وہ غریب ہو۔

ترجمہ: (۲۸۹۶) امام نے جو کچھ جمع کیا خراج سے، بنی تغلب کے مال سے، اور جو امام کو اہل حرب نے ہدیہ دیا، اور جزیہ دیا وہ خرچ کرے گا مسلمانوں کی مصلحت میں۔ پس اس سے سرحدیں بند کی جائیں گی، پل بنائیں جائیں گے۔ اور اس سے مسلمانوں کے قاضیوں کو، ان کے عاملوں کو اور ان کے علماء کو جتنا ان کو کافی ہو دیا جائے گا۔ اور دیا جائے گا اس سے غازیوں اور ان کی اولاد کا روزینہ۔

ترجمہ: لے اسلئے کہ یہ بیت المال کا مال ہے مسلمانوں کو بغیر قتال کے ملا ہے، اور بیت المال مسلمان کی مصلحتوں کے لئے بنایا گیا ہے، اور اوپر کے جو لوگ ذکر کئے گئے ہیں وہ مسلمانوں کے لئے کام کرنے والے ہیں، اور بچوں کا نفقہ ان کے باپ پر ہے، تو اگر ان لوگوں کو اتنا مال نہ دو جوان کے لئے کافی ہو تو یہ لوگ مال کمانے میں مشغول ہو جائیں گے اور قتال کے لئے فارغ نہیں ہوں گے۔

تشریح: خراج کا مال، بنی تغلب کا مال، حربیوں کا ہدیہ اور جزیہ وغیرہ عشر کی طرح عبادت والا مال نہیں ہے اس لئے ان مالوں کو مسلمانوں کے فائدے میں خرچ کرے۔ مثلا کفار کے ساتھ جو سرحدیں ہیں ان کو بند کرے، پل بنائے، مسلمانوں کے قاضیوں کو اتنی روزی اور وظیفہ دے کہ ان کے لئے اور ان کی اولاد کے لئے کافی ہو جائے۔ اسی طرح جو لوگ مسلمانوں کے لئے کام کرتے ہوں یا وہ علماء جو تبلیغ دین کا کام کرتے ہوں یا جو مجاہدین جہاد میں مشغول ہیں ان کے لئے اور ان کی اولاد کے لئے جتنی روزی کافی ہو وہ ادا کرے۔

وجہ: (۱) کیونکہ یہ لوگ مسلمانوں کے فائدے کے لئے کام کر رہے ہیں۔ اور اوپر کے سب مال انہیں کاموں میں خرچ کئے

(۲۸۹۷) وَمَنْ مَاتَ فِي نِصْفِ السَّنَةِ فَلَا شَيْءَ لَهُ مِنَ الْعَطَاءِ لِأَنَّهُ نَوْعُ صِلَةٍ وَلَيْسَ بِدَيْنٍ؛ وَلِهَذَا سُمِّيَ عَطَاءً فَلَا يُمْلَكُ قَبْلَ الْقَبْضِ وَيَسْقُطُ بِالْمَوْتِ،

جاتے ہیں۔ان سب کاموں کونوائب المسلمین کہتے ہیں(۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔عن بشیر بن یسار مولی الانصار ... وعزل النصف الباقی لمن نزل به من الوفود والامور ونوائب الناس (ابوداؤدشریف،باب ماجاء فی حکم ارض خیبر،ص ۶۸، نمبر۳۰۱۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مال غنیمت بھی نوائب المسلمین کے لئے رکھا جا سکتا ہے۔اس لئے اس پر قیاس کرتے ہوئے خراج کا مال وغیرہ بھی امور مسلمین میں خرچ کیا جائے گا۔

لغت :جباہ : وصول کیا،جمع کیا، تسد : سد سے مشتق ہے بند کرنا، الثغور : ثغر کی جمع ہے سرحد، القناطر : قنطرۃ کی جمع ہے پل، جسر : پل، مقاتلۃ : قتال سے مشتق ہے جہاد کرنے والے، ذراری : ذریۃ سے مشتق ہے اولاد۔

ترجمہ:(۲۸۹۷) کوئی کارکن درمیان سال میں مرجائے تو اس کو کوئی عطیہ نہیں ملے گا۔

ترجمہ :۱ اس لئے کہ یہ ایک قسم کا صلہ ہے قرض نہیں ہے اسی لئے تو اس کو عطیہ، کہتے ہیں اس لئے اس پر قبضہ کرنے سے پہلے مالک نہیں بنے گا اور قبضہ سے پہلے مرنے سے عطیہ ساقط ہو گیا۔

اصول :یہاں دو وصول ہیں ایک تو یہ کہ عطیہ سال بھر کام کرنے کے بعد دیا جاتا ہے۔[۲] اور دوسرا اصول یہ ہے کہ یہ ہبہ کا مال ہے قرض کا مال نہیں اس پر قبضہ کرنے کے بعد مالک ہوگا اس سے پہلے مالک نہیں ہوگا۔

وجہ:(۱)ان احادیث میں عطیہ کا ثبوت ہے۔ان عبد الله بن عمر دخل علی معاویۃؓ فقال حاجتک یا ابا عبد الرحمن فقال عطاء المحررین فانی رأیت رسول الله ﷺ اول ما جاء شیء بدأ بالمحررین۔(ابوداود شریف،باب فی قسم الفیئ،ص۴۲۹،نمبر۲۹۵۱)اس حدیث میں ہے کہ تحریر کرنے والے کو عطیہ دے۔(۲)قال کان رسول الله ﷺ یقول انا اولی بالمؤمنین من انفسهم من ترک مالا فلاهله و من ترک دینا او ضیاعا فالی وعلی ۔(ابوداودشریف،باب فی ارزاق الذریۃ،ص۴۲۹،نمبر۲۹۵۴)اس حدیث میں ہے کہ جو غریب ہے اس کو بیت المال سے مال دو(۳)ان عمر بن عبد العزیز کتب .....جعل الله الحق علی لسان عمر و قلبه ، فرض الاعطیة للمسلمین و عقد لاهل الادیان ذمة بما فرض علیهم من الجزیة لم یضرب فیها بخمس و لا مغنم۔(ابوداودشریف،باب فی تدوین العطایا ،ص۴۳۰،نمبر۲۹۶۱)اس حدیث میں ہے کہ مسلمانوں کو عطیہ دو۔

۲ وَأَهْلُ الْعَطَاءِ فِي زَمَانِنَا مِثْلُ الْقَاضِي وَالْمُدَرِّسِ وَالْمُفْتِي، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

ترجمہ: ۲ اور ہمارے زمانے میں عطیہ دینے کے لائق لوگ قاضی ہے، مدرس ہے اور مفتی ہے۔

تشریح: یہ لوگ قوم کی خدمت کرتے ہیں اس لئے یہ حضرات عطیہ کے حقدار ہیں۔

﴿بَابُ أَحْكَامِ الْمُرْتَدِّينَ﴾

(۲۸۹۸) قَالَ: وَإِذَا ارْتَدَّ الْمُسْلِمُ عَنِ الْإِسْلَامِ وَالْعِيَاذُ بِاللَّهِ عُرِضَ عَلَيْهِ الْإِسْلَامُ، فَإِنْ كَانَتْ لَهُ شُبْهَةٌ كُشِفَتْ عَنْهُ لِ ١ لِأَنَّهُ عَسَاهُ اعْتَرَتْهُ شُبْهَةٌ فَتُزَاحُ، وَفِيهِ دَفْعُ شَرِّهِ بِأَحْسَنِ الْأَمْرَيْنِ، إِلَّا أَنَّ الْعَرْضَ عَلَى مَا قَالُوا غَيْرُ وَاجِبٍ؛ لِأَنَّ الدَّعْوَةَ بَلَغَتْهُ.

(۲۸۹۹) قَالَ: وَيُحْبَسُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، فَإِنْ أَسْلَمَ وَإِلَّا قُتِلَ. وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ: الْمُرْتَدُّ يُعْرَضُ عَلَيْهِ الْإِسْلَامُ فَإِنْ أَبَى قُتِلَ.

﴿مرتد کا بیان﴾

ترجمہ: (۲۸۹۸) کوئی مسلمان اسلام سے مرتد ہو جائے تو اس پر اسلام پیش کیا جائے گا۔ پس اگر اس کو کوئی شبہ ہو تو دور کیا جائے گا۔

ترجمہ: ١ اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ اس کو کوئی شبہ پیش آیا ہو تو اس کو دور کیا جائے گا، اور قتل کرنے سے سمجھا کر حل کرنا زیادہ بہتر ہے۔

وجہ: قول صحابی میں ہے۔ عن علیؓ انه اتی بمستورد العجلی وقد ارتد فعرض علیه الاسلام فابی قال فقتله وجعل میراثه بین ورثته المسلمین (مصنف ابن ابی شیبة ،۳۲ ما قالوا فی المرتد ما جاء فی میراثه، ج سادس، ص ۴۴۵، نمبر ۳۲۷۵۴ رسنن للبیہقی، باب من قال فی المرتد یستتاب مکانه فان تاب والا قتل، ج ثامن، ص ۳۵۸، نمبر ۱۶۸۸۵) اس قول صحابی میں ہے کہ حضرت علیؓ نے مرتد پر اسلام پیش کیا اور اس کے شبے کو دور کیا۔

ترجمہ: ٢ یہ بات بھی کہی ہے کہ مرتد کو دعوت پہنچ چکی ہے اس لئے دوبارہ دعوت پیش کرنا واجب نہیں ہے۔ مستحب ہے۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: (۲۸۹۹) تین دن قید رکھا جائے گا، پس اگر اسلام لائے تو ٹھیک ہے ورنہ قتل کر دیا جائے گا۔ اور جامع صغیر میں ہے کہ مرتد پر اسلام پیش کیا جائے گا چاہے وہ آزاد ہو یا غلام، پھر اگر اسلام لانے سے انکار کر دے تو قتل کر دیا جائے گا۔، اور اس کی تاویل یہ ہے کہ مرتد مہلت مانگے تو تین دن کی مہلت دی جائے گی، اس لئے کہ یہ مدت ایسی ہے جو عذر کو آزمانے کے لئے متعین کی گئی ہے۔

ا وَتأويلُ الْأَوَّلِ أَنَّهُ يَسْتَمْهِلُ فَيُمْهَلُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ لِأَنَّهَا مُدَّةٌ ضُرِبَتْ لِإِبْلَاءِ الْأَعْذَارِ. ۲ وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يُسْتَحَبُّ أَنْ يُؤَجِّلَهُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ طَلَبَ ذٰلِکَ أَوْ لَمْ يَطْلُبْ. ۳ وَعَنْ الشَّافِعِيِّ أَنَّ عَلَى الْإِمَامِ أَنْ يُؤَجِّلَهُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، وَلَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَقْتُلَهُ قَبْلَ ذٰلِکَ؛ لِأَنَّ ارْتِدَادَ الْمُسْلِمِ يَكُونُ عَنْ شُبْهَةٍ ظَاهِرًا فَلَا بُدَّ مِنْ مُدَّةٍ يُمْكِنُهُ التَّأَمُّلُ فَقَدَّرْنَاهَا بِالثَّلَاثَةِ.

تشریح : جامع صغیر میں یہ عبارت نہیں ہے۔متن میں جوعبارت ہے کہ تین دن کی مہلت دی جائے اسکا مطلب بیان کررہے ہیں کہ مرتد کو تین دن کی مہلت مانگے تو اسکو تین دن کی مہلت دے دی جائے کیونکہ عذر کو ختم کرنے کیلئے یہ مہلت کافی ہے۔

وجہ :(۱) تین دن اس لئے قید رکھا جائے گا تا کہ اتنے دنوں میں سمجھایا جا سکے اور مرتد کو سوچنے کا موقع مل سکے۔امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تین دن کی مہلت دینا مستحب ہے ضروری نہیں (۲) قول صحابی میں ہے۔عن علیؓ قال یستتاب المرتد ثلاثا (مصنف ابن ابی شیبۃ ،۳۰ ما قالوا فی المرتد کم یستتاب ، ج سادس ،ص ۴۴۴ ،نمبر ۳۲۷۴۷ رسنن للبیہقی ، باب من قال یحبس ثلاثۃ ایام ، ج ثامن ،ص ۳۵۹ ،نمبر ۱۶۸۸۷)اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ تین دن تک مہلت دے۔

مرتد کو تین دن کے بعد قتل کر دے (۱)اس کا اشارہ آیت میں ہے۔ومن یرتدد منکم عن دینہ فیمت وھو کافر فاولئک حبطت اعمالھم فی الدنیا والآخرۃ واولئک اصحاب النار ھم فیھا خالدون (آیت ۲۱۷،سورۃ البقرۃ ۲)اس آیت میں ہے کہ مرتد ہوا تو اس کے سب اعمال ضائع ہو گئے اور وہ کافر کے درجے میں ہو گیا۔اور پہلے گزر چکا ہے کہ حربی مباح الدم ہوتا ہے اور مرتد حربی سے بھی زیادہ سخت ہے اس لئے یہ بھی مباح الدم ہوگا (۲) حدیث میں ہے۔قال اتی علیؓ بزنادقۃ فاحرقھم ... لقول رسول اللہ ﷺ من بدل دینہ فاقتلوہ (۳)دوسری روایت میں ہے کہ حضرت معاذؓ نے فرمایا مرتد کو فوراً قتل کرو تو بیٹھوں گا ورنہ نہیں۔حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔عن ابی موسیٰؓ قال... ثم اتبعہ معاذ بن جبل فلما قدم علیہ القیٔ لہ وسادۃ قال انزل فاذا رجل عندہ موثق،قال ماھذا؟ قال کان یھودیا فاسلم ثم تھود،قال اجلس !قال لا اجلس حتی یقتل قضاء اللہ ورسولہ ثلاث مرات فامر بہ فقتل (بخاری شریف، باب حکم المرتد والمرتدۃ واستتابتھم ،ص ۱۰۲۲ ،نمبر ۶۹۲۲ ر۶۹۲۳)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرتد کو قتل کیا جائے گا۔

ترجمہ :۲ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ تین دن کی مہلت دینا مستحب ہے چاہے مرتد یہ مہلت مانگے یا نہ مانگے۔

ترجمہ :۳ امام شافعیؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ امام پر تین دن کی مہلت دینا واجب ہے اور اس سے پہلے قتل کرنا حلال نہیں ہے اسلئے کہ مسلمان کا مرتد ہونا کسی شبہ سے ہوتا ہے اسلئے اتنی مدت ضرور ہو جس میں وہ غور کر سکے اسلئے ہم نے تین دن متعین کیا۔

۴ؐ وَلَنَا قَوْله تَعَالىٰ ﴿ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ﴾ مِنْ غَيْرِ قَيْدِ الْإِمْهَالِ، وَكَذَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ ''مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ'' وَلِأَنَّهُ كَافِرٌ حَرْبِيٌّ بَلَغَتْهُ الدَّعْوَةُ فَيُقْتَلُ لِلْحَالِ مِنْ غَيْرِ اسْتِمْهَالٍ، وَهَذَا؛ لِأَنَّهُ لَا يَجُوزُ تَأْخِيرُ الْوَاجِبِ لِأَمْرٍ مَوْهُومٍ.

تشریح: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ کوئی مسلمان اسی وقت مرتد ہوتا ہے جبکہ اس کو کوئی شبہ ہوتا ہے اس لئے اس کے شبہ کو دور کرنے کے لئے تین دن کی مہلت دینا ضروری ہے۔

وجہ: حضرت عمرؓ تین دن نہ کرنے پر سختی کی ہے۔ لما قدم علی عمر فتح تستر وتستر من ارض البصرة سألهم هل من مغربة ؟قالوا رجل من المسلمين لحق بالمشركين فاخذناه،قال ما صنعتم به؟ قالوا قتلناه ،قال : قال افلا ادخلتموه بيتا واغلقتم عليه بابا و اطعمتموه كل يوم رغيفا ثم استبتموه ثلاثا .فان تاب والا قتلتموه ثم قال اللهم لم اشهد ولم آمر ولم ارض اذا بلغني (مصنف ابن ابی شیبۃ ،۳۰ ما قالوا فی المرتد کم یستتاب ،ج سادس ،ص ۴۴۴ ،نمبر ۳۲۷۴۴ رسنن للبیہقی ، باب من قال تحبس ثلاثۃ ایام ، ج ثامن ،ص ۳۵۹ ،نمبر ۱۶۸۸۷) اس اثر میں تین دن سے پہلے قتل کرنے پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اے اللہ نہ میں اس میں حاضر ہوں اور نہ میں نے اس کا حکم دیا اور نہ میں اس سے راضی ہوں۔ جس سے معلوم ہوا کہ تین دن تک مہلت دینا ضروری ہے۔

ترجمہ: ۴ؐ ہماری دلیل یہ ہے کہ آیت میں ہے کہ مشرکین کو قتل کرو، اور اس میں مہلت دینے کی قید نہیں ہے، اسی طرح حدیث میں ہے کہ جس نے دین کو بدلا اس کو قتل کرو [اور اس میں مہلت دینے کی بات نہیں ہے اس لئے بغیر مہلت دئے بھی قتل کرنا جائز ہوگا] اور اس لئے بھی کہ یہ حربی ہے اس کو دعوت پہنچ چکی ہے اس لئے بغیر مہلت دئے ہوئے اس کو فی الحال قتل کر دیا جائے۔ کیونکہ یہ وہمی بات ہے کہ وہ ایمان لائے اس لئے وہمی بات کے لئے واجب کو موخر کرنا جائز نہیں ہے۔

تشریح: مرتد کو مہلت دینا واجب نہیں مستحب ہے اس کی تین دلیل پیش کر رہے ہیں

وجہ: (۱) آیت میں ہے کہ مشرکین کو قتل کرو، اور اس میں یہ نہیں ہے کہ مہلت دو اس کے بعد قتل کرو، اس لئے مہلت دینا واجب نہیں ہوگا آیت یہ ہے۔ فاذا انسلخ الاشهر الحرم فاقتلوا المشركين حيث وجدتموهم (آیت ۵،سورۃ التوبۃ ۹) و اقتلوهم حيث ثقفتموهم ۔(آیت ۱۹۱،سورۃ البقرۃ ۲) ان دونوں آیتوں میں ہے کہ مشرکین کو قتل کرو (۲) حدیث میں ہے کہ جو دین بدلے اس کو قتل کردو۔ حدیث یہ ہے۔ قال اتى عليؓ بزنادقة فاحرقهم ... لقول رسول الله ﷺ من بدل دينه فاقتلوه (بخاری شریف، باب حکم المرتد والمرتدۃ واستتابتھم ،ص ۱۰۲۲،نمبر ۶۹۲۲) اس لئے بھی فوری قتل کرنا چاہئے۔ (۳) مرتد حربی ہو گیا ہے اور اس کو اسلام کی دعوت پہنچ چکی ہے، اور دعوت دینے کے بعد اسلام

۵ؐ وَلا فَرْقَ بَيْنَ الْحُرِّ وَالْعَبْدِ لِإِطْلَاقِ الدَّلَائِلِ. ۶ؐ وَكَيْفِيَّةُ تَوْبَتِهِ أَنْ يَتَبَرَّأَ عَنْ الْأَدْيَانِ كُلِّهَا سِوَى الْإِسْلَامِ؛ لِأَنَّهُ لا دِينَ لَهُ، وَلَوْ تَبَرَّأَ عَمَّا انْتَقَلَ إِلَيْهِ كَفَاهُ لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ.

(۲۹۰۰)قَالَ: فَإِنْ قَتَلَهُ قَاتِلٌ قَبْلَ عَرْضِ الْإِسْلَامِ عَلَيْهِ كُرِهَ، وَلَا شَيْءَ عَلَى الْقَاتِلِ ۱ؐ وَمَعْنَى الْكَرَاهِيَةِ هَاهُنَا تَرْكُ الْمُسْتَحَبِّ وَانْتِفَاءُ الضَّمَانِ؛ لِأَنَّ الْكُفْرَ مُبِيحٌ لِلْقَتْلِ، وَالْعَرْضُ بَعْدَ بُلُوغِ الدَّعْوَةِ غَيْرُ وَاجِبٍ.

لانا ایک وہی چیز ہے اس لئے وہی بات کے لئے قتل کو موخر کرنا واجب نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۵ؐ دلائل کے مطلق ہونے کی وجہ سے آزاد اور غلام میں کوئی فرق نہیں ہے۔

تشریح : مرتد کوئی بھی ہو غلام ہو یا آزاد ہو ہر حال میں اس کو دعوت دینے کے بعد اسلام نہ لائے تو اس کو قتل کیا جائے گا، کیونکہ دلائل مطلق ہیں۔

ترجمہ :۶ؐ مرتد کے توبہ کا طریقہ یہ ہے کہ اسلام کے علاوہ ہر دین سے توبہ کرے اس لئے کہ مرتد کا کوئی دین نہیں ہے ۔لیکن جس دین کی طرف وہ منتقل ہوا ہے [مثلا ہندو بنا ہے] تو صرف اس سے ہی توبہ کر لے تب بھی کافی ہے اس لئے کہ مقصود حاصل ہو گیا، کیونکہ وہ مسلمان ہو گیا۔

تشریح : مرتد کے توبہ کرنے کے دو طریقے ہیں [۱] ایک یہ کہ سب دین سے تبراء کرے اور اسلام کا اقرار کرے [۲] دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جس دین کی طرف گیا ہے اس سے تبراء کرے اور اسلام کا اقرار کرے اتنا بھی کافی ہے۔

ترجمہ: (۲۹۰۰) پس اگر کسی نے اس کو قتل کر دیا اس پر اسلام پیش کرنے سے پہلے تو یہ مکروہ ہے لیکن قاتل پر کچھ نہیں ہے۔

ترجمہ :۱ؐ کراہیت کا مطلب یہ ہے کہ مستحب کو چھوڑ نا ہوا اور قتل کا ضمان لازم نہیں ہوگا اس لئے کہ کفر سے قتل کرنا مباح ہو جاتا ہے، اور دعوت پہنچنے کے بعد دوبارہ دعوت پیش کرنا واجب نہیں ہے۔

تشریح : مرتد پر تین دین اسلام پیش کرنا چاہئے، انکار کرنے پر قتل کرنا چاہئے۔لیکن اگر اسلام پیش کرنے سے پہلے کسی نے قتل کر دیا تو ایسا کرنا مکروہ ہے۔لیکن قاتل سے قصاص نہیں لیا جائے گا اور نہ اس پر دیت لازم ہوگی۔

وجہ :(۱) اسلام پیش کرنا مستحب ہے اور قاتل نے استحباب کے خلاف کیا ہے اس لئے قاتل سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔کیونکہ مرتد مباح الدم ہو چکا ہے (۲) مسئلہ نمبر ۲۸۹۹ میں حضرت عمر کا اثر گزرا جس میں قاتل نے امیر المومنین حضرت عمرؓ کے حکم کے بغیر اسلام پیش کرنے سے پہلے قتل کر دیا تو حضرت عمرؓ نے قاتل سے قصاص نہیں لیا اور نہ دیت لی، صرف **اللھم لم اشھد ولم آمر** کہہ کر افسوس کا اظہار فرمایا۔جس سے معلوم ہوا کہ قاتل سے قصاص نہیں لیا جائے گا (۳) حضرت معاذؓ والی

(۲۹۰۱)وَأَمَّا الْمُرْتَدَّةُ فَلا تُقْتَلُ ۱؎ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ تُقْتَلُ لِمَارَوَيْنَا. ۲؎ وَلِأَنَّ رِدَّةَ الرَّجُلِ مُبِيحَةٌ لِلْقَتْلِ مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ جِنَايَةٌ مُتَغَلَّظَةٌ فَتُنَاطُ بِهَا عُقُوبَةٌ مُتَغَلَّظَةٌ وَرِدَّةُ الْمَرْأَةِ تُشَارِكُهَا فِيهَا فَتُشَارِكُهَا فِي مُوجِبِهَا. ۳؎ وَلَنَا ''أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَهَى عَنْ قَتْلِ النِّسَاءِ''،

حدیث میں بھی مرتد پر اسلام پیش کرنے کا تذکرہ نہیں ہے بلکہ فوری طور پر قتل کرنے کا مطالبہ کیا۔جس سے معلوم ہوا کہ ارتداد کے بعد مباح الدم ہو گیا (بخاری شریف،نمبر ۶۹۲۳)

ترجمہ:(۲۹۰۱)عورت اگر مرتدہ ہو جائے تو قتل نہیں کی جائے گی لیکن اسلام لانے تک قید رکھی جائے گی۔

وجہ:قول صحابی میں اس کا ثبوت ہے۔ عن ابن عباسؓ قال لا تقتل النساء اذا ارتددن عن الاسلام ولکن یحبسن ویدعین الی الاسلام ویجبرن علیہ (مصنف ابن ابی شیبۃ،۳۳ ما قالوا فی المرتدۃ عن الاسلام،ج سادس،ص ۴۴۶،نمبر ۳۲۷۶۳ سنن للبیہقی،باب قتل من ارتد عن الاسلام اذا ثبت علیہ رجلا کان او امرأۃ،ج ثامن،ص ۳۵۳،نمبر ۱۶۸۶۹) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ مرتدہ عورت قتل نہیں کی جائے گی،بلکہ اس کو توبہ کرنے تک قید کیا جائے گا۔

ترجمہ:۱؎ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ عورت قتل کی جائے گی اس حدیث کی بنا پر جس میں ہے کہ مرتد قتل کیا جائے گا۔

تشریح:امام شافعیؒ نے فرمایا کہ عورت مرتد ہو جائے تو اس کو بھی قتل کر دیا جائے گا،کیونکہ حدیث میں ہے کہ جو دین بدلے اس کو قتل کر دو۔

وجہ:یہ حدیث گزر چکی ہے۔لقول رسول اللہ ﷺ من بدل دینہ فاقتلوہ (بخاری شریف،باب حکم المرتد والمرتدۃ واستتابتھم،ص ۱۰۲۲،نمبر ۶۹۲۲)

ترجمہ:۲؎ اور اس لئے کہ مرد مرتد ہو جائے تو اس کو قتل کرنا مباح ہو جاتا ہے اس لئے کہ مغلظ جنایت ہے پس عورت مرتد ہو جائے تو وہ بھی اس میں شریک ہوگی،تو اس کی سزا میں بھی شریک ہونی چاہئے۔

تشریح:یہ امام شافعیؒ کی دلیل عقلی ہے،کہ مرتد ہونا مغلظ جنایت ہے جس کی وجہ سے مرد کا خون مباح ہو جاتا ہے اس لئے عورت مرتد ہوگی تو اس نے بھی مغلظ جنایت کی اس لئے اس کو بھی قتل کرنا چاہئے۔

ترجمہ:۳؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضورؐ نے عورتوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔

وجہ:حدیث یہ ہے۔حدثنی انس بن مالکؓ ان رسول اللہ ﷺ قال.....ولا تقتلوا شیخا فانیا ولا طفلا ولا صغیرا ولا امرأۃ.(ابوداؤد شریف،باب فی دعاء المشرکین،ص ۳۶۱،نمبر ۲۶۱۴)

٢ وَلِأَنَّ الْأَصْلَ تَأْخِيرُ الْأَجْزِيَةِ إِلَى دَارِ الْآخِرَةِ إِذْ تَعْجِيلُهَا يُخِلُّ بِمَعْنَى الِابْتِلَاءِ، وَإِنَّمَا عُدِلَ عَنْهُ دَفْعًا لِشَرٍّ نَاجِزٍ وَهُوَ الْحِرَابُ، وَلَا يَتَوَجَّهُ ذٰلِكَ مِنَ النِّسَاءِ؛ لِعَدَمِ صَلَاحِيَّةِ الْبِنْيَةِ، بِخِلَافِ الرِّجَالِ فَصَارَتِ الْمُرْتَدَّةُ كَالْأَصْلِيَّةِ (٢٩٠٢) قَالَ وَلَكِنْ تُحْبَسُ حَتَّى تُسْلِمَ؛ ١ لِأَنَّهَا امْتَنَعَتْ عَنْ إِيفَاءِ حَقِّ اللّٰهِ تَعَالىٰ بَعْدَ الْإِقْرَارِ فَتُجْبَرُ عَلىٰ إِيفَائِهِ بِالْحَبْسِ كَمَا فِي حُقُوقِ الْعِبَادِ.

(٢٩٠٣) وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ: وَتُجْبَرُ الْمَرْأَةُ عَلَى الْإِسْلَامِ حُرَّةً كَانَتْ أَوْ أَمَةً. وَالْأَمَةُ يُجْبِرُهَا مَوْلَاهَا ١ أَمَّا الْجَبْرُ فَلِمَا ذَكَرْنَا، وَمِنَ الْمَوْلَى؛ لِمَا فِيهِ مِنَ الْجَمْعِ بَيْنَ الْحَقَّيْنِ، وَيُرْوَى تُضْرَبُ فِي كُلِّ أَيَّامٍ مُبَالَغَةً فِي الْحَمْلِ عَلَى الْإِسْلَامِ.

ترجمہ: ٢ اوراس لئے کہ اصل یہ ہے کہ بدلہ میں تاخیر ہواس لئے کہ دنیا میں سزا دینے سے سزا کم ہوتی ہے لیکن پھر بھی شرارت کو دفع کرنے کے لئے جلدی سزا دی جاتی ہے اور وہ جنگ کرنا، اور عورتوں میں جنگ کرنے کی صلاحیت نہیں ہے، بخلاف مرد کے تو مرتد عورت اصلی حربی عورت کی طرح ہوگئی۔

تشریح: یہاں عبارت پیچیدہ ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ آخرت میں سزا ملے تو یہ بھاری سزا ہوتی ہے، اس کے باوجود دنیا میں سزا اس لئے دی جاتی ہے کہ شرارت کم ہو، اور وہ شرارت جنگ کرنا ہے، اور عورت میں جنگ کرنے کی صلاحیت نہیں ہے، چونکہ عورت میں جنگ کرنے کی صلاحیت نہیں اس لئے میدان جنگ میں حربی عورت ہو تو اس کو قتل نہیں کیا جاتا تو مرتدہ کو بھی قتل نہیں کرنا چاہئے۔

ترجمہ: (٢٩٠٢) لیکن مرتدہ کو قید کر دینا چاہئے یہاں تک کہ اسلام لے آئے۔

ترجمہ: ١ اس لئے کہ وہ توحید کے اقرار کے بعد اللہ کے حق کو پورا کرنے سے رکی ہے، تو قید کر کے اس کو پورا کرنے پر مجبور کیا جائے گا، جیسے حقوق العباد میں ہوتا ہے۔

تشریح: مرتدہ کو قتل تو نہیں کیا جائے گا، لیکن اس وقت تک قید میں رکھا جائے گا کہ وہ دوبارہ اسام لے آئے۔

وجہ: اس کی دلیل عقلی یہ ہے کہ حقوق العباد میں یہ قاعدہ ہے کہ جیسا کرو گے اس کا بدلہ اسی طرح سے دیا جائے گا، اقرار کے بعد اس عورت نے عہد پورا کرنے سے انکار کیا ہے، اب قید کر کے اس عہد کو پورا کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔

ترجمہ: (٢٩٠٣) جامع صغیر میں ہے عورت کو اسلام لانے پر مجبور کرے گا آزاد ہو یا باندی، اور باندی کو اس آقا مجبور کرے گا۔

ترجمہ: ١ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ عورت کو دوبارہ اسلام لانے پر مجبور کرے گا، اور باندی آقا مجبور کرے گا اسلئے کہ اس

(۲۹۰۴) قَالَ: وَيَزُولُ مِلْكُ الْمُرْتَدِّ عَنْ أَمْوَالِهِ بِرِدَّتِهِ زَوَالًا مُرَاعًى، فَإِنْ أَسْلَمَ عَادَتْ عَلَى حَالِهَا، قَالُوا: هٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَعِنْدَهُمَا لَا يَزُولُ مِلْكُهُ.

میں دونوں حق کو جمع کرنا ہے [کہ نفقہ بھی دے رہا ہے اور دین کی بھی ترغیب دے رہا ہے] اور ایک روایت میں ہے کہ آقا ہر روز باندی کو ہلکی مار مارے گا تا کہ اسلام پر مجبور کرنے پر مبالغہ ہو۔

تشریح: جامع صغیر میں ہے کہ آزاد ہو یا باندی ہر ایک کو اسلام لانے پر مجبور کیا جائے گا، کیونکہ اسلام آخرت کے بننے کا ضامن ہے، اور یہ بھی ہے آقا باندی کو مجبور کرے گا، کیونکہ بندے کا حق بھی ادا کر رہا ہے کہ باندی کو نفقہ دے رہا ہے اور اللہ کا حق بھی ادا کر رہا ہے کہ اس کو دین کی ترغیب دے رہا ہے اس لئے دونوں حقوق جمع ہو گئے۔ اور یہ جو ہے کہ ہر روز مارے گا تو اس سے مراد ہے کہ ہلکی مار مارے گا تا کہ وہ اسلام لانے میں مجبور ہو، اس میں اس کا آخرت کا زبردست فائدہ وہ نہیں سمجھ رہی ہے۔ اس لئے اس کے فائدے کے لئے علماء نے یہ ترکیب اختیار کرنے کے لئے کہا ہے، یہ زور زبردستی نہیں ہے۔

ترجمہ: (۲۹۰۴) مرتد کی ملکیت زائل ہو جائے گی اس کے مال سے مرتد ہونے کی وجہ سے محفوظ زوال، پس اگر اسلام لایا تو اپنی حالت پر لوٹ جائیگی۔

تشریح: مرتد ہونے کی وجہ سے اس کی ملکیت زائل ہو جائے گی۔ لیکن اس انداز میں زائل ہوگی کہ اگر دوبارہ اسلام لے آیا تو ملکیت بحال رہے گی۔ اور اگر مر گیا تو وہ مال مسلمان ورثہ میں تقسیم ہو جائے گا۔

وجہ: (۱) حدیث میں ہے کہ سوتیلی ماں سے نکاح کر کے مرتد ہوا تو اس کو قتل کرنے اور اس کے مال کو لے لینے کا حکم دیا۔ حدیث یہ ہے۔ عن یزید بن البراء عن ابیه قال لقینی عمی وقد اعتقد رایة فقلت این ترید قال بعثنی رسول الله ﷺ الی رجل نکح امرأة ابیه ان اضرب عنقه و آخذ ماله (سنن للبیہقی، باب مال المرتد اذا مات اوقتل علی الردة، ج ثامن، ص ۳۶۱، نمبر ۱۶۸۹۳/ ابن ماجۃ شریف، باب من تزوج امرأة ابیہ من بعدہ، ص ۳۷۵، نمبر ۲۶۰۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرتد ہو جائے تو اس کو قتل کیا جائے گا اور مال لے لیا جائے گا (۲) قول صحابی میں ہے۔ عن علیؓ انه اتی بمستورد العجلی وقد ارتد فعرض علیه الاسلام فابی قال فقتله وجعل میراثه بین ورثته المسلمین (مصنف ابن ابی شیبۃ ۳۲، ما قالوا فی المرتد ما جاء فی میراثہ، ج سادس، ص ۴۴۵، نمبر ۳۲۷۵۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مرتد ہوتے ہی اس کی ملکیت زائل ہو جائے گی۔

مرتد دوبارہ اسلام لے آئے تو اس کا مال واپس دیا جائے گا۔

وجہ: (۱) بنو قریظہ نے قتال کیا تو آپؐ نے سب کو قتل کیا۔ لیکن جو حضورؐ کے ساتھ مل گئے اور دوبارہ ایمان لائے تو آپؐ نے

۱؎ لِأَنَّهُ مُكَلَّفٌ مُحْتَاجٌ، فَإِلَىٰ أَنْ يُقْتَلَ يَبْقَى مِلْكُهُ كَالْمَحْكُومِ عَلَيْهِ بِالرَّجْمِ وَالْقِصَاصِ. ۲؎ وَلَهُ أَنَّهُ حَرْبِيٌّ مَقْهُورٌ تَحْتَ أَيْدِينَا حَتَّى يُقْتَلَ، وَلَا قَتْلَ إِلَّا بِالْحِرَابِ، وَهٰذَا يُوجِبُ زَوَالَ مِلْكِهِ وَمَالِكِيَّتِهِ، ۳؎ غَيْرَ أَنَّهُ مَدْعُوٌّ إِلَى الْإِسْلَامِ بِالْإِجْبَارِ عَلَيْهِ وَيُرْجَى عَوْدُهُ إِلَيْهِ فَتَوَقَّفْنَا فِي أَمْرِهِ، فَإِنْ أَسْلَمَ جُعِلَ الْعَارِضُ كَأَنْ لَمْ يَكُنْ فِي حَقِّ هٰذَا الْحُكْمِ وَصَارَ كَأَنْ لَمْ يَزَلْ مُسْلِمًا وَلَمْ يَعْمَلِ السَّبَبُ.

اس کو قتل نہیں کیا اور نہ اس کے مال کو غنیمت میں تقسیم کیا۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ عن ابن عمرؓ ... حتی حاربت قریظة فقتل رجالهم وقسم نساء هم و اولادهم و اموالهم بين المسلمين الا بعضهم لحقوا بالنبی ﷺ فآمنهم واسلموا (بخاری شریف، حدیث بنی النضیر ومخرج رسول اللہ ﷺ الیھم فی دیۃ الرجلین ص ۶۷۵، نمبر ۴۰۲۸) اس حدیث میں ہے جو یہودی مسلمان ہو گئے اس کے مال کو تقسیم نہیں کیا بلکہ واپس دے دیا۔ اسی طرح مرتد مسلمان ہو جائے تو اس کے مال کو تقسیم نہیں کریں گے بلکہ واپس دے دیا جائے گا۔

لغت: مراعی: رعایت سے مشتق ہے رعایت کی جائے گی یعنی معاملہ موقوف رہے گا۔

ترجمہ: ۱؎ یہ بات کی مرتد کی ملکیت اسلام لانے تک زائل ہو جائے گی یہ امام ابو حنیفہؒ کے یہاں ہے، اور صاحبینؒ کے یہاں ملکیت زائل نہیں ہوگی اس لئے کہ وہ مکلّف ہے محتاج ہے اس لئے جب تک قتل نہ ہو جائے اس کی ملکیت باقی رہے گی جیسے جس پر رجم، اور قصاص کا حکم لگا دیا گیا ہو۔

تشریح: صاحبینؒ کی رائے یہ ہے کہ مرتد کی ملکیت اس کے قتل ہونے تک باقی رہے گی۔

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مکلّف ہے اور محتاج بھی ہے، اس لئے جس طرح جس کو رجم کرنے اور قصاص میں قتل کرنے کا حکم دیا گیا تو اس کی ملکیت باقی رہتی ہے اسی طرح مرتد کی بھی ملکیت باقی رہے گی۔

ترجمہ: ۲؎ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ حربی بن چکا ہے اور ہمارے ہاتھ میں قتل تک مقہور ہے اور حربی ہونے کے بغیر قتل نہیں ہوتا اور حربی ہونے سے ملکیت زائل ہو جاتی ہے،

تشریح: ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ مرتد ہونے کی وجہ سے حربی بن چکا ہے، اس لئے اس کی ملکیت ختم ہو جائے گی، ہمارے ہاتھ میں حربی ہو تو اس کی ملکیت زائل ہو جاتی ہے۔

ترجمہ: ۳؎ یہ اور بات ہے کہ مجبور کر کے اسلام کی طرف بلایا جا رہا ہے اس لئے واپس لوٹنے کی امید ہے اس لئے اس کے معاملے کو موقوف رکھا اگر اسلام لے آتا ہے تو سمجھا جائے گا کہ مرتد ہوا ہی نہیں، اور ایسا سمجھا جائے گا یہ ہمیشہ مسلمان ہی رہا ہے اور ارتداد کا سبب عمل نہیں کرے گا۔

ﮰ وَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ عَلَى رِدَّتِهِ أَوْ لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ وَحُكِمَ بِلَحَاقِهِ اسْتَقَرَّ كُفْرُهُ فَيَعْمَلُ السَّبَبُ عَمَلَهُ وَزَالَ مِلْكُهُ.

(۲۹۰۵)قَالَ: وَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ عَلَى رِدَّتِهِ انْتَقَلَ مَا اكْتَسَبَهُ فِي إِسْلَامِهِ إِلَى وَرَثَتِهِ الْمُسْلِمِينَ، وَكَانَ مَا اكْتَسَبَهُ فِي حَالِ رِدَّتِهِ فَيْئًا ﺍﻟ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ: كِلَاهُمَا لِوَرَثَتِهِ.

تشریح:اگر مرتد مسلمان ہوگیا تو ایسا سمجھا جائے گا کہ وہ کافر ہوا ہی نہیں تھا،اس لئے اس کی ملکیت بحال رہے گی۔

ترجمہ :ﮰ اوراگراسی حال میں مرگیا یا مرتد کی حالت میں قتل کیا گیا، یا دارالحرب میں چلا گیا اور قاضی نے اس کے چلے جانے کا حکم لگا دیا تو اس کا کفر برقرار رہے گا اور ارتداد عمل کرے گا اور اس کی ملکیت زائل رہے گی۔

تشریح :مرتد ہونے کی حالت میں مرگیا۔یا مرتد ہونے کی حالت میں قتل کیا گیا، یا وہ دارالحرب بھاگ گیا اور قاضی نے یہ فیصلہ کردیا کہ وہ دارالحرب میں شامل ہوگیا ہے تو جیسے پہلے سے اس کی ملکیت زائل ہو چکی تھی ابھی بھی زائل ہی رہے گی، کیونکہ وہ گویا کہ حربی ہونے کی حالت میں مرا ہے۔

ترجمہ :(۲۹۰۵)اگر وہ مرگیا یا مرتد ہونے کی حالت میں قتل کیا گیا تو اسلام کی حالت میں جو کچھ کمایا وہ اس کے مسلمان ورثہ میں منتقل ہو جائے گا،اور اس کی کمائی مرتد ہونے کی حالت میں غنیمت ہوگی۔

ترجمہ:ﺍﻟ یہ امام ابوحنیفہؒ کی رائے ہے،اور صاحبین نے فرمایا کہ دو قسم کے مال ورثہ کے لئے ہوں گے۔

تشریح:مرتد ہونے کی حالت میں مرگیا یا مرتد ہونے کی حالت میں قتل کیا گیا تو جو کچھ مسلمان ہونے کی حالت میں کمایا تھا وہ اس کے مسلمان ورثہ میں تقسیم ہوگا۔اور جو کچھ مرتد ہونے کی حالت میں کمایا تھا وہ مال غنیمت شمار ہوگا۔

وجہ :(۱)مسلمان ہونے کی حالت کی کمائی مسلمان ورثہ میں تقسیم ہوگی اس کی دلیل یہ اوپر کے قول صحابی میں گزر گئی۔ عن علی ... قال فقتله وجعل میراثه بین ورثته المسلمین (مصنف ابن ابی شیبۃ، نمبر ۳۲۷۵۴)اس قول صحابی میں ہے کہ مرتد کی کمائی مسلمان ورثہ کے درمیان تقسیم ہوگی (۲) مرتد ہونا گویا کہ مرجانا ہے۔اور مرنے کے بعد اس کا مال ورثہ میں تقسیم ہوتا ہے۔اس لئے اس کا مال بھی ورثہ میں تقسیم ہوگا۔

مرتد کے زمانے میں جو مال کمایا وہ غنیمت ہوگا۔

وجہ:(۱) مرتد ہونے کے بعد وہ حربی ہوگیا اور حربی کا کمایا ہوا مال ہاتھ آجائے تو وہ غنیمت کا مال شمار ہوتا ہے اس لئے مرتد کے زمانے کا مال غنیمت ہوگا (۲) مسئلہ نمبر ۲۹۰۴ میں حدیث گزری کہ سوتیلی ماں سے نکاح کر کے مرتد ہوا تھا تو اس کو قتل کیا اور اس کا مال لے لیا گیا۔حدیث کا ٹکڑا یہ تھا۔بعثنی رسول اللہ ﷺ الی رجل نکح امرأة ابیه ان اضرب عنقه

۲؎ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: كِلاهُمَا فَيْءٌ؛ لِأَنَّهُ مَاتَ كَافِرًا وَالْمُسْلِمُ لا يَرِثُ الْكَافِرَ، ثُمَّ هُوَ مَالُ حَرْبِيٍّ لا أَمَانَ لَهُ فَيَكُونُ فَيْئًا. ۳؎ وَلَهُمَا أَنَّ مِلْكَهُ فِي الْكَسْبَيْنِ بَعْدَ الرِّدَّةِ بَاقٍ عَلٰى مَا بَيَّنَّاهُ فَيَنْتَقِلُ بِمَوْتِهِ إِلَى وَرَثَتِهِ وَيَسْتَنِدُ إِلَى مَا قُبَيْلَ رِدَّتِهِ إِذْ الرِّدَّةُ سَبَبُ الْمَوْتِ فَيَكُونُ تَوْرِيثَ الْمُسْلِمِ مِنَ الْمُسْلِمِ. ۴؎ وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ يُمْكِنُ الِاسْتِنَادُ فِي كَسْبِ الْإِسْلَامِ لِوُجُودِهِ قَبْلَ الرِّدَّةِ، وَلَا يُمْكِنُ الِاسْتِنَادُ فِي كَسْبِ الرِّدَّةِ لِعَدَمِهِ قَبْلَهَا. وَمِنْ شَرْطِهِ وُجُودُهُ،

و آخذ ماله (سنن للبیہقی ،نمبر ۱۶۸۹۳) جس میں تھا کہ اس کا مال لیکر غنیمت بنالیا جائے۔

ترجمہ :۲؎ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ دونوں حالتوں کا مال غنیمت ہو جائے گا اس لئے کہ کافر ہو کر مرا ہے اور مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا، پھر دوسری بات یہ ہے کہ وہ حربی کا مال ہے جس کو امن بھی نہیں ہے اس لئے مال غنیمت ہوگا۔

تشریح :امام شافعیؒ کی رائے ہے کہ مرتد ہونے سے پہلے جو مال کمایا ہے، اور مرتد ہونے کے بعد جو مال کمایا ہے دونوں مال فئی [مال غنیمت] ہو جائے گا

وجہ :(۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حربی ہو گیا تھا اس لئے اس کا سارا مال فئی ہوگا۔(۲) یہ کافر ہو کر مرا تھا اور کافر کے مال کا وارث مسلمان نہیں ہوتا اس لئے کوئی مسلمان اس وارث نہیں ہوگا، بلکہ سارا مال فئی ہو جائے گا۔(۳) یہ ایسا حربی تھا جس نے مسلمان سے امن بھی نہیں لیا تھا اس لئے بھی اس کا سارا مال فئی ہوگا۔

ترجمہ :۳؎ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ مرتد ہونے کے بعد دونوں کمائی میں موت تک اس کی ملکیت تھی جیسا کہ پہلے بیان کیا اس لئے موت کے بعد مال اس کے وارث کی طرف منتقل ہو جائے گا، اور یوں سمجھا جائے گا کہ وارث مرتد ہونے سے پہلے ہی اس مال کا وارث بنا ہے، اس لئے کہ مرتد ہونا موت کا سبب ہے، اس لئے یوں ہو گیا کہ مسلمان مسلمان کا وارث بنا۔

تشریح :صاحبینؒ کا قاعدہ پہلے گزرا کہ مرتد کی موت تک وہ اپنے مال کا مالک رہے گا، کیونکہ انکے یہاں مرتد حربی نہیں بنا، اس لئے مرتد ہونے سے پہلے جو کمایا تھا، اور مرتد ہونے کے بعد جو کمایا تھا وہ دونوں کا مالک ہے اس لئے وارث دونوں مالوں کا وارث بنے گا، اور یوں سمجھا جائے گا کہ مرتد ہونے سے پہلے پہلے مال وارث کی طرف منتقل ہو گیا اس لئے گویا کہ مسلمان کا وارث مسلمان بنا۔

ترجمہ :۴؎ اور امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اسلام کی حالت میں کمائی کو وارثین کی طرف منسوب کرنا ممکن ہے کیونکہ مرتد ہونے سے پہلے یہ کمائی پائی گئی ہے، اور مرتد ہونے کے بعد کمائی کو منسوب کرنا ممکن نہیں، اس لئے کہ مرتد ہونے سے پہلے یہ کمائی نہیں تھی، حالانکہ وارثت کی شرط یہ ہے کہ مرتد ہونے سے پہلے یہ کمائی پائی جائے۔

۵ ثُمَّ إِنَّمَا يَرِثُهُ مَنْ كَانَ وَارِثًا لَهُ حَالَةَ الرِّدَّةِ وَبَقِيَ وَارِثًا إِلَى وَقْتِ مَوْتِهِ فِي رِوَايَةٍ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ اعْتِبَارًا لِلاسْتِنَادِ. ٦ وَعَنْهُ أَنَّهُ يَرِثُهُ مَنْ كَانَ وَارِثًا لَهُ عِنْدَ الرِّدَّةِ، وَلَا يَبْطُلُ اسْتِحْقَاقُهُ بِمَوْتِهِ بَلْ يَخْلُفُهُ وَارِثُهُ؛ لِأَنَّ الرِّدَّةَ بِمَنْزِلَةِ الْمَوْتِ.

تشریح : یہاں عبارت ذرا پیچیدہ ہے۔ایک قاعدہ گزرا کہ مسلمان مسلمان کا وارث ہوتا ہے،مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا ،اس قاعدے پر مرتد ہونے سے پہلے وہ مسلمان تھا اس لئے مسلمان اس کا وارث ہوگا،اور مرتد ہونے کے بعد وہ کافر ہو گیا، اب اس وقت میں جو کمایا وہ کفر کا مال ہے اس لئے مسلمان اس کا وارث نہیں ہوگا،وہ مال فئی ہو جائے گا۔

اسی کو ہدایہ کی عبارت میں کہا ہے۔کہ اسلام کی حالت میں جو مال تھا وہ مسلمان کی طرف منسوب ہوگا،اور مرتد ہونے کی حالت میں جو مال کمایا وہ مسلمان کی طرف منسوب نہیں ہوگا

ترجمہ :۵ امام ابوحنیفہؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ صرف وہ آدمی وارث بنے گا جو مرتد کی حالت میں وارث تھا اور موت تک وہ وارث رہا،تا کہ مرتد کی طرف منسوب کیا جا سکے۔

تشریح :اوپر یہ تھا کہ مرتد کے کس مال کا وارث ہوگا۔یہاں سے یہ بیان کر رہے ہیں کہ کون کون سا آدمی وارث بنے گا۔ اس کے لئے امام ابوحنیفہؒ کی تین روایتیں ہیں۔

[۱] امام ابوحنیفہ سے امام ابو یوسفؒ کی روایت یہ ہے کہ،مرتد ہونے سے پہلے جو وارث تھا اور مرتد کی موت تک وہ وارث رہا وہی وارث بنے گا،یعنی دونوں حالتوں میں موجود ہو۔مثلا زید جنوری کی پہلی تاریخ کو مرتد ہوا،اور چوتھی تاریخ کو قتل کر دیا گیا، دوسری تاریخ کو زید کو ساجد لڑکا پیدا ہوا ،اور تیسری تاریخ کو اس کا بڑا لڑکا حامد کا انتقال ہو گیا،تو اس روایت کے اعتبار سے ساجد اس لئے وارث نہیں بنے گا کہ وہ مرتد ہوتے وقت نہیں تھا بعد میں پیدا ہوا ہے۔اور حامد اس لئے وارث نہیں بنے گا کہ زید کی موت کے وقت موجود نہیں تھا۔

ترجمہ :٦ ان سے دوسری روایت یہ ہے کہ وہ آدمی وارث ہوگا جو مرتد ہوتے وقت وارث تھا،وہ وارث مر بھی جائے تو اس کا حق باطل نہیں ہوگا بلکہ اس میت کا وارث وارث بنے گا،اس لئے کہ مرتد ہونا گویا کہ اسی وقت مر جانا ہے۔

تشریح :[۲] امام ابوحنیفہؒ کی دوسری روایت یہ ہے کہ مرتد ہونے سے پہلے وارث تھا وہ وارث بنے گا،جو بعد میں پیدا ہوا وہ وارث نہیں بنے گا۔اوپر کی مثال میں حامد وارث بنے گا،کیونکہ وہ زید کے مرتد ہوتے وقت وارث تھا،اور تیسری تاریخ کو مر گیا تو حامد کا جو وارث ہوگا وہ زید کا مال لے جائے گا۔البتہ ساجد جو دوسری تاریخ کو پیدا ہوا تھا وہ وارث نہیں بنے گا کیونکہ زید کے مرتد ہوتے وقت وہ موجود نہیں تھا،وہ بعد میں پیدا ہوا ہے۔

۷ وَعَنْهُ أَنَّهُ يُعْتَبَرُ وُجُودُ الْوَارِثِ عِنْدَ الْمَوْتِ لِأَنَّ الْحَادِثَ بَعْدَ انْعِقَادِ السَّبَبِ قَبْلَ تَمَامِهِ كَالْحَادِثِ قَبْلَ انْعِقَادِهِ بِمَنْزِلَةِ الْوَلَدِ الْحَادِثِ مِنَ الْمَبِيعِ قَبْلَ الْقَبْضِ. ۸ وَتَرِثُهُ امْرَأَتُهُ الْمُسْلِمَةُ إِذَا مَاتَ أَوْ قُتِلَ عَلَى رِدَّتِهِ وَهِيَ فِي الْعِدَّةِ؛ لِأَنَّهُ يَصِيرُ فَارًّا، وَإِنْ كَانَ صَحِيحًا وَقْتَ الرِّدَّةِ.

ترجمہ :۷ امام ابوحنیفہؒ سے تیسری روایت یہ ہے کہ مرتد کی موت کے وقت میں جو وارث ہے اس کا اعتبار کیا جائے گا، اس لئے کہ سبب کے منعقد ہونے کے بعد اس کے پورا ہونے سے پہلے جو پیش آیا ہے وہ گویا کہ سبب سے پہلے پیش آیا ہے [یعنی مرتد ہونے کے بعد مرنے سے پہلے جو بات پیش آئی گویا کہ وہ مرتد ہونے سے پہلے ہی پیش آئی ہے]، جیسے بیع کے بعد قبضہ کرنے سے پہلے باندی کو بچہ پیدا ہو جائے تو وہ بیع سے پہلے کا بچہ سمجھا جائے گا۔

تشریح :اس روایت میں یہ ہے کہ مرتد کے موت کے وقت جو ہے وہ وارث بنے گا، اس سے پہلے جو مر گیا وہ وارث نہیں بنے گا۔ اوپر کی مثال میں ساجد وارث بنے گا، کیونکہ وہ زید کی موت کے وقت موجود تھا، لیکن حامد وارث نہیں بنے گا کیونکہ وہ زید کی موت کے موجود نہیں تھا وہ پہلے ہی مر گیا تھا۔

وجہ :اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ مرتد ہونا وارثت کا سبب ہے، یہ سبب مرتد کی موت کے وقت پورا ہوتا ہے تو یوں سمجھا جائے گا کہ موت کے وقت مرتد ہوا اس لئے موت سے پہلے جو لوگ موجود ہیں وہ وارث ہوں گے ۔اس کی ایک مثال دیتے ہیں، مثلا زید نے پہلی جنوری کو ایک باندی خریدی، اور چار جنوری کو اس پر قبضہ کیا، اس درمیان دو جنوری کو ایک بچہ پیدا ہو گیا، تو یہ بچہ زید کا ہوگا، اور یوں سمجھا جائے گا کہ خریدنے سے پہلے یہ بچہ پیدا ہوا ہے، کیونکہ خریداری پوری ہوگی قبضہ کرتے وقت اس لئے گویا کہ پہلی تاریخ کو نہیں خریدا بلکہ چار تاریخ کو قبضہ کے وقت خریدا، اسی طرح یہاں گویا کہ موت کے وقت زید مرتد ہوا۔ اس لئے اس سے پہلے کا آدمی وارث بنے گا۔

ترجمہ:۸ اگر مرتد مر جائے یا مرتد کی حالت میں قتل کیا جائے تو مسلمان بیوی اس کا وارث ہوگی اگر وہ اس کی عدت گزار رہی ہے تو چاہے مرتد ہوتے وقت وہ تندرست تھا اس لئے کہ مرتد ہو کر اس عورت کو وراثت سے محرام کرنا چاہتا ہے۔

تشریح :مرتد ہوتے وقت وہ تندرست تھا پھر بھی اگر مرتد کی موت ہوئی، یا وہ مرتد کی حاکت میں قتل کیا گیا اور اس کی مسلمان بیوی اس کی عدت گزار رہی تو وہ وارث ہوگی ۔

وجہ :ایک تو وہ اس کی بیوی ہے، اور بیوی وارث ہوتی ہے اس لئے وہ وارث ہوگی ۔(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ مرتد ہو کر بیوی کو حق نہیں دینا چاہتا ہے، جس کو فار، کہتے ہیں اس لئے شریعت اس کو وراثت دلوائی گی ۔

۹ وَالْمُرْتَدَّةُ كَسْبُهَا لِوَرَثَتِهَا؛ لِأَنَّهُ لَا حِرَابَ مِنْهَا فَلَمْ يُوجَدْ سَبَبُ الْفَيْءِ، بِخِلَافِ الْمُرْتَدِّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى ٠ ١٠ وَيَرِثُهَا زَوْجُهَا الْمُسْلِمُ إِنْ ارْتَدَّتْ وَهِيَ مَرِيضَةٌ لِقَصْدِهَا إِبْطَالَ حَقِّهِ، وَإِنْ كَانَتْ صَحِيحَةً لَا يَرِثُهَا؛ لِأَنَّهَا لَا تُقْتَلُ فَلَمْ يَتَعَلَّقْ حَقُّهُ بِمَالِهَا بِالرِّدَّةِ، بِخِلَافِ الْمُرْتَدِّ.

(۲۹۰۶) قَالَ: وَإِنْ لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ مُرْتَدًّا وَحَكَمَ الْحَاكِمُ بِلَحَاقِهِ عَتَقَ مُدَبَّرُوهُ وَأُمَّهَاتُ أَوْلَادِهِ وَحَلَّتْ الدُّيُونُ الَّتِي عَلَيْهِ وَنُقِلَ مَا اكْتَسَبَهُ فِي حَالِ الْإِسْلَامِ إِلَى وَرَثَتِهِ مِنْ الْمُسْلِمِينَ

ترجمه: ۹ اور مرتد عورت کی کمائی اس کے ورثہ کے لئے ہوگی اس لئے کہ وہ حربیہ نہیں بنی ہے اس لئے مال غنیمت کا سبب نہیں بنی بخلاف مرتد کے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک [کہ مرتد کے زمانے کی کمائی فئی ہو جائے گی]

تشریح: اوپر گزرا کہ عورت مرتد ہو جائے تو وہ حربی کے درجے میں نہیں آتی اور نہ وہ قتل کی جاتی ہے، اس لئے اس کے مرتد ہونے سے پہلے کی کمائی اور مرتد ہونے کے بعد کی کمائی دونوں اس کی ملکیت ہوگی اور فئی نہیں ہوگی، اس لئے اس کے مرنے پر دونوں کمائی اس کے ورثہ کو ملے گی۔ اس کے برخلاف مرتد مرد حربی ہو جاتا ہے اس لئے اس کے مرتد ہونے کے بعد کی کمائی فئی ہوگی وہ اس کے وارث کو نہیں ملے گی۔ اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

ترجمه: ١٠ اور مسلمان شوہر مرتدہ عورت کا وارث ہوگا اگر وہ مریضہ ہو اس لئے کہ اس نے شوہر کے حق کو باطل کرنا چاہا ہے، اور اگر عورت تندرست ہو تو شوہر اس کا مالک نہیں بنے گا اسلئے کہ وہ قتل نہیں کی جائے گی تو مرتد کی وجہ سے اسکے مال کے ساتھ شوہر کا حق متعلق نہیں ہوگا، بخلاف مرتد مرد کے اسلئے کہ وہ قتل کیا جائے گا تو اسکی بیوی کا حق اسکے مال کے ساتھ متعلق ہوگا۔

تشریح: عورت مرتد ہوئی اس وقت وہ بیمار تھی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شوہر کو وراثت نہیں دینا چاہتی تھی اس لئے وہ فار ہے اس لئے شوہر کو وراثت ملے گی۔ اور اگر وہ تندرست تھی تو فار نہیں ہوئی، اس لئے شوہر کو وراثت نہیں ملے گی۔

وجه: کیونکہ وہ قتل نہیں کی جائے گی اس لئے شوہر کا حق اس کے مال کے ساتھ متعلق نہیں ہوا اس لئے وہ وارث نہیں بنے گا۔

ترجمه: (۲۹۰۶) پس اگر مرتد ہو کر دار الحرب بھاگ گیا اور حاکم نے اسکے مل جانے کا حکم لگا دیا تو اسکے مدبر اور ام ولد آزاد ہو جائیں گے۔ اور جو اس پر قرض ہے اسکی ادائیگی فوری ہوگی۔ اور جو کچھ کمایا اسلام کی حالت میں وہ اسکے مسلمان ورثہ کی طرف منتقل ہو جائے گا۔

اصول: یہ مسائل اس اصول پر ہیں کہ مرتد دار الحرب بھاگ جائے اور حاکم دار الحرب کے ساتھ مل جانے کا فیصلہ کر دے تو وہ مردہ کے درجہ میں ہو جائے گا۔

تشریح: یہ مسائل اس اصول پر ہیں کہ مرتد دار الحرب بھاگ جائے اور حاکم دار الحرب کے ساتھ مل جانے کا فیصلہ کر دے تو

ا وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يَبْقَى مَالُهُ مَوْقُوفًا كَمَا كَانَ؛ لِأَنَّهُ نَوْعُ غَيْبَةٍ فَأَشْبَهَ الْغَيْبَةَ فِي دَارِ الْإِسْلَامِ. ٢ وَلَنَا أَنَّهُ مرتدا باللَّحَاقِ مِنْ أَهْلِ الْحَرْبِ وَهُمْ أَمْوَاتٌ فِي حَقِّ أَحْكَامِ الْإِسْلَامِ لِانْقِطَاعِ وِلَايَةِ الْإِلْزَامِ كَمَا هِيَ مُنْقَطِعَةٌ عَنِ الْمَوْتَى فَصَارَ كَالْمَوْتِ، إِلَّا أَنَّهُ لَا يَسْتَقِرُّ لَحَاقُهُ إِلَّا بِقَضَاءِ الْقَاضِي لِاحْتِمَالِ الْعَوْدِ إِلَيْنَا فَلَا بُدَّ مِنَ الْقَضَاءِ، وَإِذَا تَقَرَّرَ مَوْتُهُ ثَبَتَتِ الْأَحْكَامُ الْمُتَعَلِّقَةُ بِهِ وَهِيَ مَا ذَكَرْنَاهَا كَمَا فِي الْمَوْتِ الْحَقِيقِيِّ،

وہ مردہ کے درجہ میں ہوجائے گا۔ اوراس کے تمام معاملات میں مردے کے احکام نافذ ہوجائیں گے۔ مثلا آقا کے مرنے کے بعد مدبر غلام اورام ولد باندی آزاد ہوجاتے ہیں تو یہاں بھی یہ دونوں آزاد ہوجائیں گے۔ جو قرض کسی متعینہ تاریخ میں ادا کرنا تھا اس کا ابھی ادا کرنا لازم ہوگا کیونکہ آدمی مرنے کے بعد اس کے مال میں فوری قرض ادا کرنا لازم ہوتا ہے۔ اور اسلام کی حالت میں جو مال کمایا تھا وہ مسلمان ورثہ میں تقسیم ہوگا کیونکہ مرتد گویا کہ مرگیا ہے۔

وجه: (۱) قول تابعی میں اس کا ثبوت ہے۔ عن عامر والحکم قالا فی الرجل المسلم یرتد عن الاسلام ویلحق بارض العدو فلتعتد امرأته ثلاثة قروء ان كانت تحيض، وان كانت لا تحيض فثلاثة اشهر، وان كانت حاملا ان تضع حملها ويقسم ميراثه بين امرأته وورثته من المسلمين ثم تزوج ان شاء ت وان هو رجع فتاب من قبل ان تنقضى عدتها ثبتا على نكاحهما (مصنف ابن ابی شیبة، ۳۱ ما قالوا فی المرتد اذا لحق بارض العدو وله امرأة ما حالها، ج سادس، ص ۴۴۵، نمبر ۳۲۷۵۲) اس قول تابعی میں ہے کہ دارالحرب چلا جائے تو اس کی بیوی بائنہ ہوجائے گی اور اس کا مال ورثہ میں تقسیم ہوجائے گا۔

لغت: لحق: مل جانا، لاحق ہوجانا، حلت: حلول سے مشتق ہے فوراوقت آجانا۔

ترجمه: ا امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اس کی ملکیت موقوف رہے گی جیسے کہ ایک قسم کے سفر پر گیا ہو، تو دارالاسلام میں ہی سفر پر جانے کی طرح ہوگا۔

تشریح: امام شافعیؒ کے یہاں دارالحرب میں جانے کے فیصلے کے باوجود بھی اس کی ملکیت ختم نہیں ہوگی، اور نہ اس کا مال ورثہ میں تقسیم کیا جائے گا بلکہ اس کا مال موقوف رہے گا۔

ترجمه: ٢ ہماری دلیل یہ ہے کہ اہل حرب کے ساتھ ملنے کی وجہ سے مرتد ہوگیا اور وہ اسلامی احکام کے حق میں مردے کی طرح ہے، کیونکہ اس پر کوئی چیز لازم کرنے کی ولایت ختم ہوگئی، جیسے مردے سے ختم ہوجاتی ہے اس لئے وہ مردے کی طرح ہو گیا لیکن قاضی کے فیصلے کے بغیر یہ مضبوط نہیں ہوگا کیونکہ ہمارے پاس لوٹ آنے کا احتمال ہے اس لئے قاضی کا فیصلہ ضروری ہے، اور جب قاضی کے فیصلے سے اس کی موت ثابت ہوگئی تو موت کے احکامات متعلق ہوجائیں گے جنکو ہم نے ذکر کیا، جیسا

۳ ثُمَّ يُعْتَبَرُ كَوْنُهُ وَارِثًا عِنْدَ لَحَاقِهِ فِي قَوْلِ مُحَمَّدٍ؛ لِأَنَّ اللَّحَاقَ هُوَ السَّبَبُ وَالْقَضَاءُ لِتَقَرُّرِهِ بِقَطْعِ الِاحْتِمَالِ ۴ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: وَقْتَ الْقَضَاءِ؛ لِأَنَّهُ يَصِيرُ مَوْتًا بِالْقَضَاءِ، ۵ وَالْمُرْتَدَّةُ إِذَا لَحِقَتْ بِدَارِ الْحَرْبِ فَهِيَ عَلَى هٰذَا الْخِلَافِ.

(۲۹۰۷) وَتُقْضَى الدُّيُونُ الَّتِي لَزِمَتْهُ فِي حَالِ الْإِسْلَامِ مِمَّا اكْتَسَبَهُ فِي حَالِ الْإِسْلَامِ، وَمَا لَزِمَهُ فِي حَالِ رِدَّتِهِ مِنَ الدُّيُونِ يُقْضَى مِمَّا اكْتَسَبَهُ فِي حَالِ

کہ حقیقی طور پر مرنے سے ہوتا ہے۔

تشریح: قاضی کے فیصلے کے بعد وہ مردہ ہو گیا اس لئے اس کی وراثت تقسیم کر دی جائے گی، لیکن یہ شرط ضرور ہے کہ قاضی کا فیصلہ ہو چکا ہو، کیونکہ اس سے پہلے اس کے واپس ہونے گمان ہے۔

ترجمہ: ۳ پھر امام محمدؒ کے نزدیک دار الحرب بھاگتے وقت جو وارث تھے وہ وارث ہوں گے اس لئے کہ بھاگنا ہی مرتد ونے کا سبب ہے، اور اس کا فیصلہ کرنا اس کو مضبوط کرنے کے لئے ہے تاکہ لوٹنے کا احتمال ختم ہو جائے۔

تشریح: امام محمدؒ کے یہاں یہ ہے کہ دار الحرب کے بھاگتے وقت جو وارث ہیں وہ وارث ہوں گے، مثلا زید پہلی جنوری کو دار الحرب بھاگا، اور چوتھی جنوری کو قاضی نے ملنے کا فیصلہ کیا، دوسری جنوری کو ساجد لڑکا پیدا ہوا، اور تیسری جنوری کو حامد بڑا لڑکا کا انتقال ہو گیا، تو امام محمدؒ کے نزدیک حامد وارث بنے گا، کیونکہ وہ دار الحرب میں ملنے کے وقت موجود تھا، اور ساجد کو وراثت نہیں ملے گی کیونکہ وہ پہلی جنوری کو موجود نہیں تھا۔

ترجمہ: ۴ اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ قاضی کے فیصلے کے وقت میں جو وارث ہوں گے وہ وارث ہوں گے، اس لئے کہ قاضی کے فیصلے سے موت کا حکم لگا۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ کے یہاں قاضی کے فیصلے کے وقت جو وارث موجود ہوں گے وہ وارث بنیں گے، اوپر کی مثال میں، فیصلے کے وقت ساجد ہے اس لئے اس کو وراثت ملے گی، اور حامد بڑا لڑکا مر چکا ہے اس لئے اس کو وراثت نہیں ملے گی۔

ترجمہ: ۵ اور مرتدہ عورت دار الحرب بھاگ جائے تو اس بارے میں بھی وہی اختلاف ہے۔[کہ امام محمدؒ کے نزدیک دار الحرب میں بھاگتے وقت جو وارث تھے وہ وارث بنیں گے، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک فیصلے کے وقت جو وارث تھے وہ وارث بنیں گے۔

ترجمہ: (۲۹۰۷) وہ قرض جو اسلام کی حالت میں لازم ہوا ہے ادا کیا جائے اس سے جو اسلام کی حالت میں کمایا۔ اور وہ قرض جو لازم ہوا ہے مرتد کی حالت میں اس سے ادا کیا جائے جو مرتد کی حالت میں کمایا۔

۱؎ قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ عَصَمَهُ اللّٰهُ: هَذِهِ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَعَنْهُ أَنَّهُ يُبْدَأُ بِكَسْبِ الْإِسْلَامِ، وَإِنْ لَمْ يَفِ بِذَلِكَ يُقْضَى مِنْ كَسْبِ الرِّدَّةِ وَعَنْهُ عَلَى عَكْسِهِ. ۲؎ وَجْهُ الْأَوَّلِ أَنَّ الْمُسْتَحَقَّ بِالسَّبَبَيْنِ مُخْتَلِفٌ. وَحُصُولُ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْ الْكَسْبَيْنِ بِاعْتِبَارِ السَّبَبِ الَّذِي وَجَبَ بِهِ الدَّيْنُ فَيُقْضَى كُلُّ دَيْنٍ مِنْ الْكَسْبِ الْمُكْتَسَبِ فِي تِلْكَ الْحَالَةِ لِيَكُونَ الْغُرْمُ بِالْغُنْمِ.

تشریح: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مرتد ہوتے ہی گویا کہ مرگیا۔ البتہ دوبارہ مسلمان ہونے کی امید پر اس کا معاملہ موقوف رکھا گیا۔ جب دوبارہ مسلمان نہیں ہوا تو مرتد ہونے کے وقت ہی سے مردہ شمار کیا جائے گا۔ اس لئے مرنے سے پہلے یعنی اسلام کی حالت میں جو قرض لیا تھا وہ اسلام کی حالت میں جو مال کمایا تھا اس سے ادا کیا جائے گا۔ اور مرنے کے بعد یعنی مرتد ہونے کے بعد جو قرض لیا اس کو مرتد ہونے کے بعد جو مال کمایا ہے اس سے ادا کیا جائے گا۔

وجہ: (۱) جیسے ہی مرتد ہوا وہ مردے کے درجے میں ہوگیا۔ صرف انتظار اور امید کے لئے معاملہ موقوف رکھا گیا۔ اس کی دلیل حدیث کا اشارہ ہے۔ عن عکرمة قال ... لقول رسول الله ﷺ من بدل دينه فاقتلوه (۲) اور دوسری روایت میں ہے۔ قال (معاذؓ) لا اجلس حتى يقتل قضاء الله ورسوله ثلاث مرات فامر به فقتل (بخاری شریف، باب حکم المرتد والمرتدة واستتابتھم، ص ۱۰۲۲، نمبر ۶۹۲۲/۶۹۲۳) اس حدیث میں ہے کہ مرتد ہو جائے تو فوراً قتل کردو۔ جس سے معلوم ہوا کہ مرتد ہوتے ہی مردے کے درجے میں ہوگیا۔ اس لئے اسلام کا قرض حالت اسلام کی کمائی سے اور حالت مرتد کا قرض حالت مرتد کی کمائی سے ادا کیا جائے گا۔

ترجمہ: ۱؎ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ ابو حنیفہؒ کی روایت ہے، ان سے دوسری روایت یہ ہے کہ پہلے اسلام کی کمائی سے قرض ادا کرنا شروع کیا جائے گا اس سے پورا نہ ہو تو مرتد ہونے کی حالت میں جو کمایا ہے اس سے پورا کیا جائے گا، اور امام ابو حنیفہؒ سے تیسری روایت اس کے الٹے کا ہے [یعنی مرتد کی حالت میں جو کمائی ہے اس سے ادا کرنا شروع کیا جائے گا، اس سے پورا نہ ہو تب اسلام کے زمانے میں جو کمایا اس سے پورا کیا جائے گا۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۲؎ پہلی روایت کی وجہ یہ ہے کہ دو مختلف سبب سے قرض کا مستحق ہے، پس جس سبب میں قرض لیا ہے اسی سبب سے ادا کیا جائے گا [یعنی اسلام کی حالت میں قرض لیا ہے تو اسلام والی کمائی سے ادا کیا جائے گا، اور مرتد کی حالت میں قرض لیا ہے تو مرتد کی حالت کی کمائی سے قرض ادا کیا جائے گا] تاکہ معاملہ برابر سرابر ہو جائے۔

تشریح: اس پہلی روایت کی وجہ یہ ہے کہ دو مختلف حالتوں میں قرض لیا ہے، ایک قرض لیا ہے اسلام کی حالت میں اور اس

۳؎ وَجْهُ الثَّانِي أَنَّ كَسْبَ الْإِسْلَامِ مِلْكُهُ حَتَّى يَخْلُفَهُ الْوَارِثُ فِيهِ، وَمِنْ شَرْطِ هَذِهِ الْخِلَافَةِ الْفَرَاغُ عَنْ حَقِّ الْمُوَرِّثِ فَيُقَدَّمُ بِالدَّيْنِ عَلَيْهِ. أَمَّا كَسْبُ الرِّدَّةِ فَلَيْسَ بِمَمْلُوكٍ لَهُ؛ لِبُطْلَانِ أَهْلِيَّةِ الْمِلْكِ بِالرِّدَّةِ عِنْدَهُ فَلَا يُقْضَى دَيْنُهُ مِنْهُ إِلَّا إِذَا تَعَذَّرَ قَضَاؤُهُ مِنْ مَحِلٍّ آخَرَ فَحِينَئِذٍ يُقْضَى مِنْهُ، كَالذِّمِّيِّ إِذَا مَاتَ وَلَا وَارِثَ لَهُ يَكُونُ مَالُهُ لِجَمَاعَةِ الْمُسْلِمِينَ، وَلَوْ كَانَ عَلَيْهِ دَيْنٌ يُقْضَى مِنْهُ كَذَلِكَ هَاهُنَا.

سے فائدہ اٹھایا ہے اس لئے اس قرض کو اسلام کی حالت کی کمائی سے ادا کرے گا۔ دوسرا قرض لیا ہے ارتداد کی حالت میں اس لئے اس قرض کو مرتد ہونے کی حالت میں جو کمایا ہے اس سے ادا کیا جائے تو قرض کی ادائیگی کمائی کے برابر ہو جائے۔

لغت :کسب المکتسب الذی فی تلک الحالۃ : جس حال میں کمایا ہے اسی حالت کا قرض ادا کرے۔ الغرم بالغنم : یہ محاورہ ہے جس طرح غنیمت حاصل کی اسی طرح تاوان ادا کرے، یعنی جس طرح کمایا اسی حالت کا قرض ادا کرے۔

ترجمہ :۳؎ اور دوسری روایت کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کی حالت کی کمائی مرتد کی ملکیت ہے یہی وجہ ہے کہ اس کا وارث ہوتا ہے، اور وارث ہونے کی شرط یہ ہے کہ مرنے والے کے حق سے فارغ ہو اس لئے وراثت سے پہلے قرض ادا کیا جائے گا پھر وراثت تقسیم ہوگی [اس لئے اسلام کی کمائی سے قرض ادا کرنا شروع کیا جائے گا] اور مرتد کے زمانے کی کمائی تو مرتد کی ملکیت نہیں ہے [وہ تو فئی کا مال ہے] کیونکہ مرتد ہونے کی وجہ سے ملکیت کا اہل نہیں ہے [گویا کہ وہ مردہ ہے اس لئے مرتد کے زمانے کی کمائی سے قرض ادا نہیں کیا جائے گا، ہاں اسلام کے زمانے کی کمائی سے قرض پورا نہ ہو تو اس وقت مرتد کے زمانے کی کمائی سے قرض پورا کیا جائے گا، جیسے ذمی مر جائے اور اس کا کوئی وارث نہ ہو اور اس کا مال مسلمان کی جماعت کے لئے ہو جائے تو اور ذمی پر قرض ہو تو اس مال سے قرض ادا کیا جاتا ہے [اسی طرح مرتد کے زمانے کا مال فئی کا مال ہے اور مسلمان کی جماعت کے لئے ہو گیا ہے، پھر بھی اس سے قرض ادا کیا جائے گا]

تشریح :دوسری روایت کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کی حالت کی کمائی مرتد کی ملکیت ہے، اور مرتد کی حالت کی کمائی فئی کا مال ہے جو مرتد کا مال نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ وارثین اس مال کا وارث ہوتا ہے، اور وارث ہونے کی شرط یہ ہے کہ پہلے میت کا قرض ادا کرے اس لئے اسلامی کمائی سے پہلے قرض ادا کیا جائے گا، اس سے پورا نہ ہو تب مرتد کی حالت کی کمائی اس قرض کو پورا کیا جائے گا۔ مرتد کی حالت کی کمائی سے بعد میں قرض ادا کیا جائے اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ ذمی مر جائے اور اس کا کوئی وارث نہ ہو تو اس کا مال مسلمانوں کے لئے ہو جاتا ہے، لیکن اس پر قرض ہو تو پہلے قرض ادا کیا جاتا ہے، اس سے جو بچے گا وہ مال مسلمانوں کے لئے ہوگا، اسی طرح یہاں مرتد کی حالت میں جو کمائے گا اگر چہ وہ مسلمانو کا مال ہے لیکن اس سے قرض ادا کیا جا سکے گا، جس طرح ذمی کا قرض ادا کیا گیا۔

۴؎ وَجْهُ الثَّالِثِ أَنَّ كَسْبَ الْإِسْلَامِ حَقُّ الْوَرَثَةِ وَكَسْبَ الرِّدَّةِ خَالِصُ حَقِّهِ، فَكَانَ قَضَاءُ الدَّيْنِ مِنْهُ أَوْلَى إِلَّا إِذَا تَعَذَّرَ بِأَنْ لَمْ يَفِ بِهِ فَحِينَئِذٍ يُقْضَى مِنْ كَسْبِ الْإِسْلَامِ تَقْدِيمًا لِحَقِّهِ. ۵؎ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ: تُقْضَى دُيُونُهُ مِنَ الْكَسْبَيْنِ؛ لِأَنَّهُمَا جَمِيعًا مِلْكُهُ حَتّٰى يَجْرِيَ الْإِرْثُ فِيهِمَا، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

(۲۹۰۸) قَالَ: وَمَا بَاعَهُ أَوْ اشْتَرَاهُ أَوْ أَعْتَقَهُ أَوْ وَهَبَهُ أَوْ رَهَنَهُ أَوْ تَصَرَّفَ فِيهِ مِنْ أَمْوَالِهِ فِي حَالِ رِدَّتِهِ فَهُوَ مَوْقُوفٌ، فَإِنْ أَسْلَمَ صَحَّتْ عُقُودُهُ، وَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ أَوْ لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ بَطَلَت

ترجمہ :۴؎ اور تیسری روایت کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کے زمانے کی کمائی ورثہ کا حق ہے اور مرتد کے زمانے کی کمائی خالص مرتد کا حق ہے اس لئے پہلے اس سے قرض ادا کرنا شروع کیا جائے گا، ہاں اس سے قرض پورا نہ ہو تو اب اسلام کے زمانے کی کمائی سے قرض پورا کیا جائے گا، کیونکہ مرتد کا حق پہلے ہے۔

تشریح : تیسری روایت کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کے زمانے کی کمائی میں ورثہ کا حق ہے، اور مرتد کے زمانے کی کمائی میں مرتد کا حق ہے اس لئے پہلے اس سے قرض ادا کیا جائے گا، اس سے پورا نہیں ہوگا تب اسلام کے زمانے کی کمائی سے ادا کیا جائے گا۔

ترجمہ :۵؎ اور صاحبینؒ کے یہاں دونوں قسم کی کمائی سے قرض ادا کیا جائے گا اس لئے کہ انکے یہاں دونوں قسم کی کمائی مرتد کی ملکیت ہے چنانچہ ان کے یہاں دونوں قسم کی کمائی میں وراثت جاری ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

تشریح : پہلے گزر چکا ہے کہ صاحبینؒ کے یہاں دونوں طرح کی کمائی مرتد کی ہے، یہی وجہ ہے کہ دونوں قسم کی کمائی میں وراثت جاری ہوتی ہے، اس لئے دونوں طرح کی کمائی سے دونوں طرح کا قرض ادا کیا جائے گا اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔

ترجمہ :(۲۹۰۸) مرتد کی حالت میں جو بیچا یا خریدا یا اپنے میں تصرف کیا تو وہ سب موقوف ہوں گے۔ پس اگر اسلام لے آیا تو اس کے معاملات صحیح ہو جائیں گے۔ اور اگر وہ مر گیا یا قتل کیا گیا یا دار الحرب بھاگ گیا تو اب باطل ہوں گے۔

تشریح: ارتداد کی حالت میں بیچا یا خریدا یا اپنے مال میں تصرف کیا تو یہ سب موقوف رہیں گے۔ پس اگر اسلام لے آیا تو یہ سب عقود صحیح ہو جائیں گے۔ اور اگر مرتد کی حالت میں مر گیا یا قتل کر دیا گیا یا دار الحرب بھاگ گیا تو یہ تمام عقود باطل ہو جائیں گے۔

وجہ :(۱) پہلے گزر چکا ہے کہ مرتد کی ملکیت اور اس کا معاملہ اسلام لانے تک موقف رہتا ہے۔ اگر اسلام لے آئے تو ملکیت اور معاملات بحال ہو جائیں گے۔ اور اسلام نہ لائے اور انتقال ہو جائے تو مرتد ہونے کے دن ہی سے مردہ شمار کیا جائے گا۔ جس کی وجہ سے ارتداد کے بعد کے معاملات باطل ہوں گے۔ کیونکہ مردوں کے معاملات کا کیا اعتبار؟ (۲) قول تابعی میں اس کا اشارہ ہے۔ **عن عامر والحکم قالا فی الرجل المسلم یرتد عن الاسلام ویلحق بارض العدو فلتعتد امرأتہ ثلاثۃ قروء ان کانت تحیض، وان کانت لا تحیض فثلاثۃ اشھر، وان کانت حاملا ان تضع حملھا**

۱؎ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ. وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ: يَجُوزُ مَا صَنَعَ فِي الْوَجْهَيْنِ. ۲؎ اعْلَمْ أَنَّ تَصَرُّفَاتِ الْمُرْتَدِّ عَلَى أَقْسَامٍ: نَافِذٌ بِالِاتِّفَاقِ كَالِاسْتِيلَادِ وَالطَّلَاقِ؛ لِأَنَّهُ لَا يَفْتَقِرُ إلَى حَقِيقَةِ الْمِلْكِ وَتَمَامِ الْوِلَايَةِ. وَبَاطِلٌ بِالِاتِّفَاقِ كَالنِّكَاحِ وَالذَّبِيحَةِ؛ لِأَنَّهُ يَعْتَمِدُ الْمِلَّةَ وَلَا مِلَّةَ لَهُ. وَمَوْقُوفٌ بِالِاتِّفَاقِ كَالْمُفَاوَضَةِ؛ لِأَنَّهَا تَعْتَمِدُ الْمُسَاوَاةَ وَلَا مُسَاوَاةَ بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْمُرْتَدِّ مَا لَمْ يُسْلِمْ. وَمُخْتَلَفٌ فِي تَوَقُّفِهِ وَهُوَ مَا عَدَدْنَاهُ.

ویقسم میراثه بین امرأته وورثته من المسلمین ثم تزوج ان شاء ت وان هو رجع فتاب من قبل ان تنقضی عدتها ثبتا علی نکاحهما (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۳۱ ما قالوا فی المرتد اذ الحق بارض العدو وله امرأۃ ما حالهما، ج سادس، ص ۴۴۵، نمبر ۳۲۷۵۲) اس اثر کے اخیر میں ہے کہ اگر مرتد بیوی کی عدت ختم ہونے سے پہلے توبہ کر لے اور اسلام لے آئے تو دونوں کا نکاح بحال رہے گا۔ جس سے معلوم ہوا کہ عدت ختم ہونے تک نکاح کا معاملہ موقوف رہے گا۔ اور اسی پر قیاس کرتے ہوئے باقی معاملات بھی موقف رہیں گے۔ اور جس طرح عدت ختم ہونے کے بعد اسلام لائے تو نکاح ختم ہو جائے گا اسی طرح مرتد کی حالت میں مرجائے یا قتل کیا جائے یا دار الحرب بھاگ جائے تو اس کا عقد باطل ہو جائے گا۔

ترجمہ: ۱؎ یہ امام ابو حنیفہؒ کی رائے ہے اور صاحبین نے فرمایا کہ اسلام اور مرتد کی حالت میں جو کیا وہ دونوں جائز ہیں۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کے یہاں مرتد کی حالت کا تصرف موقوف رہے گا، اور صاحبینؒ کے یہاں اس کا تصرف جائز رہے گا۔

ترجمہ: ۲؎ یہ جان لیں کہ مرتد کی تصرفات کی چار قسمیں ہیں [۱] ایک تو بالاتفاق نافذ ہے، جیسے ام ولد بنانا، اور طلاق دینا اس لئے کہ اس میں حقیقی ملک، اور پوری ولایت کی ضرورت نہیں ہے ۔ [۲] دوسرا ہے جو بالاتفاق باطل ہے، جیسے مسلمان سے نکاح کرنا اور جانور ذبح کرنا اس لئے کہ اس کے لئے مسلمان ہونا ضروی ہے، اور مرتد مسلمان ہے نہیں [اس لئے مسلمان سے اس کا نکاح، کرنا اور ذبح کرنا صحیح نہیں ہے۔ [۳] تیسرا تصرف ہے جو بالاتفاق موقوف ہے، جیسے شرکت مفاوضہ، اس لئے کہ اس میں دونوں شریک کا مذہب کے اعتبار سے برابر ہونا ضروری ہے، اور مرتد جب تک مسلمان نہیں ہو جاتا وہ مسلمان کے برابر نہیں ہے [اس لئے شرکت مفاوضہ بالاتفاق موقوف رہے گا۔ [۴] اور چوتھا تصرف وہ ہے جنکو ہم نے متن میں گنایا [بیچنا، خریدنا، آزاد کرنا، ہبہ کرنا رہن رکھنا وغیرہ]

اصول: صاحبینؒ کا اصول یہ ہے کہ موت تک مرتد کی ملکیت باقی رہتی ہے، اور اس کی اہلیت بھی باقی رہتی ہے۔ یعنی وہ مسلمان تو نہیں ہے، لیکن احکام الٰہی کا مخاطب ہے، اس لئے یہ تصرف جائز ہیں۔

اصول: ابو حنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ مرتد کی اہلیت ختم ہو جاتی ہے، یعنی وہ مسلمان نہیں ہے، اور اس کی ملکیت موقوف ہو جاتی ہے،

کیونکہ وہ حربی بن چکا ہے، البتہ ہمارے قبضے میں مجبور ہے، پس اگر وہ اسلام لے آیا تو اس کی ملکیت بحال ہو جائے گی، اور اگر وہ قتل کیا گیا تو مرتد ہونے کے دن ہی سے اس کو مردہ شمار کیا جائے گا۔انہیں دونوں اصولوں پر آگے کے تصرفات کی تفصیل ہے۔

تشریح : یہاں فرمار ہے ہیں کہ مرتد کے تصرف کی چار قسمیں ہیں، ان میں سے تین میں امام ابو حنیفہؒ اور صاحبینؒ کا اتفاق ہے اور چوتھے میں دونوں کا اختلاف ہے، جس کو یہاں ذکر کیا جا رہا ہے۔

[۱] پہلا تصرف ہے ام ولد بنانا اور طلاق دینا یہ بالاتفاق جائز ہے۔مثلا مرتد ہونے کی حالت میں بیٹے کی باندی سے وطی کر لی تو وہ اس کی ام ولد بن جائے گی، کیونکہ ام ولد بنانے کے لئے اپنی ملکیت ہونی ضروری نہیں ہے، بیٹے کی باندی کو بھی ام ولد بنا سکتا ہے، اسی طرح اس کے لئے مسلمان ہونا بھی ضروری نہیں ہے اس لئے امام ابو حنیفہ اور صاحبینؒ کے یہاں بالاتفاق یہ ام ولد بن جائے گی۔دوسری مثال یہ ہے کہ میاں بیوی دونوں مرتد ہو گئے اب مرد نے طلاق دی تو طلاق واقع ہو جائے گی، کیونکہ اس کے لئے بھی مسلمان ہونا ضروری نہیں ہے اور نہ بیوی ملکیت میں ہوتی ہے

[۲] مرتد کا دوسرا تصرف ہے جو بالاتفاق باطل ہے اور وہ ہے نکاح کرنا، اور جانور ذبح کرنا۔مسلمان عورت سے نکاح کرنے کے لئے مسلمان ہونا ضروری ہے اور مرتد بالاتفاق مسلمان نہیں ہے اس لئے اس کا نکاح کرنا بھی کسی کے یہاں جائز نہیں ہے۔دوسری مثال ہے، جانور کو ذبح کرنا، جانور حلال ہونے کے لئے مسلمان ہونا ضروری ہے اور مرتد بالاتفاق مسلمان نہیں ہے اس لئے اس کا ذبیحہ بھی کسی کے یہاں حلال نہیں ہے۔

[۳] تیسرا تصرف ہے جو بالاتفاق موقوف رہے گا، وہ شرکت مفاوضہ ہے، شرکت مفاوضہ میں مذہب کے اعتبار سے دونوں شریک کا برابر ہونا ضروری ہے، اور یہاں ایک شریک مسلمان ہے اور دوسرا مرتد ہو چکا ہے اس لئے یہ شرکت ابھی موقوف رہے گی، اگر مرتد مسلمان ہو گیا تو شرکت برقرار رہے گی اور قتل کیا گیا تو یہ شرکت ختم ہو جائے گی۔

[۴] اور چوتھا تصرف ہے جن کے بارے میں امام ابو حنیفہؒ اور صاحبینؒ کے درمیان اختلاف ہے، متن میں یہی چوتھا تصرف کی بحث ہے وہ چھ تصرف ہیں، مرتد ہونے کی حالت میں بیچنا، خریدنا، غلام آزاد کرنا، ہبہ کرنا، رہن رکھنا، مال میں تصرف کرنا۔امام ابو حنیفہؒ کے یہاں یہ چھ تصرف موقوف رہیں گے، اگر دوبارہ اسلام لے آیا تو یہ تصرف بحال ہو جائیں گے، اور مرتد کی حالت قتل کیا گیا تو یہ تصرف باطل ہو جائیں گے۔اور صاحبینؒ کے یہاں یہ تصرف جائز ہیں۔انکی وجہ آگے آرہی ہے۔

۳؎ لَهُمَا أَنَّ الصِّحَّةَ تَعْتَمِدُ الْأَهْلِيَّةَ وَالنَّفَاذَ يَعْتَمِدُ الْمِلْكَ، وَلَا خَفَاءَ فِيْ وُجُودِ الْأَهْلِيَّةِ لِكَوْنِهِ مُخَاطَبًا، وَكَذَا الْمِلْكُ لِقِيَامِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ عَلَى مَا قَرَّرْنَاهُ مِنْ قَبْلُ، وَلِهَذَا لَوْ وُلِدَ لَهُ وَلَدٌ بَعْدَ الرِّدَّةِ لِسِتَّةِ أَشْهُرٍ مِنْ امْرَأَةٍ مُسْلِمَةٍ يَرِثُهُ. وَلَوْ مَاتَ وَلَدُهُ بَعْدَ الرِّدَّةِ قَبْلَ الْمَوْتِ لَا يَرِثُهُ فَتَصِحُّ تَصَرُّفَاتُهُ.

۴؎ إِلَّا أَنَّ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ تَصِحُّ كَمَا تَصِحُّ مِنَ الصَّحِيحِ؛ لِأَنَّ الظَّاهِرَ عَوْدُهُ إِلَى الْإِسْلَامِ، إِذْ الشُّبْهَةُ تُزَاحُ فَلَا يُقْتَلُ وَصَارَ كَالْمُرْتَدَّةِ.

ترجمہ:۳؎ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ تصرف صحیح ہونے کے لئے اہلیت ہونا ضروری ہے اور تصرف نافذ ہونے کے لئے مالک ہونا ضروری ہے، اور مرتد میں اہلیت موجود ہے کیونکہ وہ احکام الہی کا مخاطب ہے، اور مرتد کی ملکیت بھی ہے کیونکہ موت سے پہلے یہ قائم ہے جیسا کہ پہلے صاحبینؒ نے ثابت کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر مسلمان بیوی سے چھ مہینے سے پہلے بچہ پیدا ہو تو وہ مرتد باپ کا وارث ہوگا، اور مرتد ہونے کے بعد اور موت سے پہلے اس کا لڑکا مر جائے تو وہ وارث نہیں ہوگا [جس سے معلوم ہوا کہ موت تک مرتد کی ملکیت باقی رہتی ہے] پس جب اس کی ملکیت ہے تو اس کا تصرف بھی جائز ہو جائے گا۔

تشریح :صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ مرتد میں ابھی بھی تصرف کرنے کی اہلیت ہے، کیونکہ وہ احکام الہی کا مخاطب ہے، اور اس کی ملکیت بھی موت تک باقی ہے، اس کی دو مثالیں دی ہیں [۱] مرتد ہونے کے بعد چھ مہینے سے پہلے پہلے مسلمان بیوی سے بچہ پیدا ہو تو وہ اس مرتد کا وارث ہوگا، جس سے معلوم ہوا کہ موت تک اس کی ملکیت باقی ہے۔ دوسری مثال دی ہے کہ مرتد ہونے کے بعد اس کے مرنے سے پہلے اس کا لڑکا مر جائے تو وہ وارث نہیں ہوگا، جس سے معلوم ہوا کہ موت تک مرتد کی ملکیت باقی تھی، جب اس کی ملکیت ہے تو تصرف کرنے کا بھی حق رکھتا ہے اس لئے اس کا اوپر کا چھ تصرف جائز ہوگا۔

ترجمہ :۴؎ البتہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے درمیان یہ فرق ہے کہ، امام ابو یوسفؒ کے یہاں مرتد کا تصرف اس طرح درست ہوگا جس طرح ایک تندرست آدمی کا ہوتا ہے، اس لئے کہ ظاہر یہی ہے کہ مرتد سے اسلام کی طرف لوٹ آئے گا، اس لئے کہ غالب گمان یہ ہے کہ سمجھا کر شبہ ختم کر دیا جائے گا اس لئے وہ قتل نہیں کیا جائے گا، اس لئے وہ مرتد عورت کی طرح ہو گیا۔

تشریح :موت سے پہلے مرتد کا تصرف دونوں کے یہاں جائز ہے، لیکن دونوں کے یہاں تصرف میں فرق ہے، یہاں سے اس کو بیان کر رہے ہیں۔

امام ابو یوسفؒ کے یہاں مرتد کا تصرف مکمل طور پر صحیح ہوگا، صرف تہائی مال میں تصرف ہو ایسا نہیں ہے، جس طرح ایک تندرست آدمی کا تصرف صحیح ہوتا ہے۔

وجہ :اسکی وجہ یہ ہے کہ غالب گمان یہ ہے کہ مرتد کا شبہ دور کر دیا جائے گا اور وہ جلد ہی اسلام لے آئے گا، اور قتل نہیں کیا جائے

۵؎ وَعِنْدَمُحَمَّدٍتَصِحُّ كَمَاتَصِحُّ مِنْ الْمَرِيضِ؛لِأَنَّ مَنْ انْتَحَلَ إلَى نِحْلَةٍ لاسِيَّمَامُعْرِضًاعَمَّانَشَأَ عَلَيْهِ قَلَّمَا يَتْرُكُهُ فَيُفْضِي إلَى الْقَتْلِ ظَاهِرًا، بِخِلَافِ الْمُرْتَدَّةِ؛ لِأَنَّهَا لَا تُقْتَلُ. ۶؎ وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ حَرْبِيٌّ مَقْهُورٌ تَحْتَ أَيْدِينَا عَلَى مَا قَرَّرْنَاهُ فِي تَوَقُّفِ الْمِلْكِ وَتَوَقُّفُ التَّصَرُّفَاتِ بِنَاءً عَلَيْهِ،وَصَارَ كَالْحَرْبِيِّ يَدْخُلُ دَارَنَا بِغَيْرِ أَمَانٍ فَيُؤْخَذُ وَيُقْهَرُ وَتَتَوَقَّفُ تَصَرُّفَاتُهُ؛ لِتَوَقُّفِ حَالِهِ، فَكَذَا الْمُرْتَدُّ.

گا،اسلئے تہائی مال میں نہیں بلکہ پورے مال میں اس کا تصرف درست سمجھا جائے گا۔تزاح: مٹایا جائے گا،دور کیا جائے گا۔

ترجمہ :۵؎ اورامام محمدؒ کے یہاں اس کا تصرف بیمار آدمی کے تصرف کی طرح ہوگا [کہ تہائی مال تصرف نافذ ہوگا]اس لئے کہ وہ غیر مذہب کی طرف منتقل ہوا ہے، خاص طور پر جس اسلام پر وہ پیدا ہوا ہے اس کو کم ہی لوگ چھوڑتا ہے، اس لئے غالب گمان یہ ہے کہ وہ قتل ہی کیا جائے گا[اس لئے اس کا تصرف مرض الموت میں بیمار آدمی کی طرح ہوگا، بخلاف مرتد عورت کے [کیونکہ اس کا پورا تصرف جائز ہے]، کیونکہ وہ قتل نہیں کی جائے گی۔

تشریح :امام محمدؒ کے یہاں مرتد کا تصرف بیمار آدمی کے تصرف کی طرح ہوگا، یعنی مرض الموت میں بیمار آدمی کا تصرف تہائی مال میں جاری ہوتا ہے اسی طرح اس کا تصرف بھی تہائی مال میں جاری ہوگا۔

وجہ :اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ آدمی اسلامی مذہب پر پیدا ہوا تھا اور ایک زمانے تک اس پر رہا ہے، اب وہ اچانک ایک غلط مذہب کی طرف چلا گیا اس لئے غالب گمان یہ ہے کہ اس کی یہ بڑی غلطی معاف نہیں کی جائے گی اور قتل ہی کیا جائے گا تو گویا کہ وہ مرض الموت میں بیمار ہے اس لئے تہائی مال میں اس کا تصرف جائز ہوگا۔

لغت :انتحل :منتقل ہو گیا۔نحلۃ :مذہب، یہاں مراد ہے غلط مذہب۔نشأ علیہ:اس پر پیدا ہوا تھا، ایک زمانے تک اس مذہب پر رہا تھا۔یفضی الی القتل:قتل کیا جائے گا، قتل تک پہنچائے گا۔

ترجمہ :۶؎ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ مرتد حربی ہے البتہ ہمارے قبضے میں مجبور ہے جیسے کہ ہم نے ملک کے موقوف ہونے میں پہلے ذکر کیا ہے، اس لئے اس پر بنا کرتے ہوئے اس کا تصرف بھی موقوف رہے گا، جیسے کوئی حربی بغیر امن لئے ہوئے دارالاسلام میں داخل ہو جائے اور وہ پکڑا جائے اور مجبور ہو جائے تو اس کا تصرف موقوف رہتا ہے [کیونکہ قاضی اس کو احسان کرتے ہوئے چھوڑ دے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ قتل کیا جائے] اس لئے اس کا تصرف موقوف رہے گا اسی طرح مرتد کا تصرف بھی موقوف رہے گا۔

تشریح :امام ابوحنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ مرتد حربی ہے اور ہمارے ہاتھوں میں مجبور ہے اس لئے اس میں اسلام بھی نہیں ہے اور تصرف کرنے کی اہلیت بھی نہیں ہے اس لئے اس تصرف ابھی موقوف رکھا جائے، کیونکہ اس کی حالت ابھی درمیان میں

۷ وَاسْتِحْقَاقُهُ الْقَتْلَ لِبُطْلَانِ سَبَبِ الْعِصْمَةِ فِي الْفَصْلَيْنِ فَأَوْجَبَ خَلَلًا فِي الْأَهْلِيَّةِ،بِخِلَافِ الزَّانِي وَقَاتِلِ الْعَمْدِ؛ لِأَنَّ الِاسْتِحْقَاقَ فِي ذٰلِكَ جَزَاءٌ عَلَى الْجِنَايَةِ.وَبِخِلَافِ الْمَرْأَةِ؛ لِأَنَّهَا لَيْسَتْ حَرْبِيَّةً؛ وَلِهٰذَا لَا تُقْتَلُ.

(۲۹۰۹) فَإِنْ عَادَ الْمُرْتَدُّ بَعْدَ الْحُكْمِ بِلَحَاقِهِ بِدَارِ الْحَرْبِ إِلَى دَارِ الْإِسْلَامِ مُسْلِمًا فَمَا وَجَدَهُ فِي يَدِ وَرَثَتِهِ مِنْ مَالِهِ بِعَيْنِهِ أَخَذَهُ؛ ا ۔ لِأَنَّ الْوَارِثَ إِنَّمَا يَخْلُفُهُ فِيهِ لِاسْتِغْنَائِهِ، وَإِذَا عَادَ مُسْلِمًا احْتَاجَ إِلَيْهِ فَيُقَدَّمُ عَلَيْهِ.

ہے۔اگر وہ اسلام لے آتا ہے تو اس کا یہ تصرف بحال کر دیا جائے گا،اور اگر ارتداد کی حالت میں قتل کر دیا جاتا ہے تو اس کا کیا تصرف باطل ہو جائے گا۔اس کی ایک مثال دیتے ہیں، کہ ایک حربی بغیر امن لئے دار الاسلام میں داخل ہوا،اور وہ پکڑا گیا تو یہ بھی ممکن ہے کہ امیر اس پر احسان کرے اور چھوڑ دے،اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کو قتل کر دے،اس لئے ابھی اس کے تصرف کو موقوف رکھا جائے گا،اسی طرح مرتد کے تصرف کو بھی موقوف رکھا جائے گا۔

ترجمہ : ۷ دونوں کو قتل اس لئے کیا جائے گا وہ معصوم نہیں رہا اس لئے ان کی اہلیت میں خلل ہو گیا،بخلاف زانی اور قاتل کے ان دونوں کو قتل کرنا ضروری ہے [مرتد کی طرح معاملہ درمیان میں اٹکا ہوا نہیں ہے۔بخلاف مرتد عورت کے کہ وہ حربیہ نہیں بنی ہے اس لئے وہ قتل نہیں کی جائے گی۔

تشریح : یہاں تین آدمیوں کے درمیان فرق کرنا چاہتے ہیں [۱] کفر کی وجہ سے مرتد کی عصمت ختم ہو چکی ہے اس لئے ممکن ہے کہ قتل کر دیا جائے اس لئے تصرف کرنے کی اہلیت میں خلل واقع ہو گیا ہے اس لئے اس کا تصرف موقوف رہے گا۔ [۲] اور زانی اور قاتل کو قتل کرنا یقینی ہے،اس کا معاملہ درمیان میں نہیں ہے، پھر وہ موت تک کافر نہیں ہوا ہے اس لئے اس کی اہلیت اس کی موت تک بحال رہے گی۔[۳] اور مرتدہ عورت حربیہ نہیں ہوئی اس لئے اس کو قتل نہیں کیا جائے گا اس لئے اس کی اہلیت اس کی موت تک باقی رہے گی۔

لغت: لان الاستحقاق فی ذالک جزاء علی الجنایۃ :اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ زانی اور قاتل کا معاملہ درمیان میں نہیں ہے بلکہ اس کی سزا لازمی ہے،اس لئے اس کی اہلیت میں خلل واقع نہیں ہوا بلکہ موت تک اس کی اہلیت باقی رہی۔

ترجمہ:(۲۹۰۹)اگر مرتد لحاق کے حکم کے بعد دار الاسلام واپس آ جائے تو جو پائے ورثہ کے ہاتھ میں بعینہ مال تو اسکو لے لے۔

ترجمہ :ا وارث اس لئے مرتد کا خلیفہ بنا تھا کہ اب مرتد کو اس کی ضرورت نہیں رہی تھی،اور جب وہ مسلمان ہو کر واپس ہوا تو اب وہ ضرورت مند ہو گیا اس لئے اپنا مال لینے میں مرتد مقدم رہے گا۔

۲؎ بِخِلَافِ مَا إِذَا أَزَالَهُ الْوَارِثُ عَنْ مِلْكِهِ، ۳؎ وَبِخِلَافِ أُمَّهَاتِ أَوْلَادِهِ وَمُدَبَّرِيهِ؛ لِأَنَّ الْقَضَاءَ قَدْ صَحَّ بِدَلِيلٍ مُصَحَّحٍ فَلَا يُنْقَضُ، ۴؎ وَلَوْ جَاءَ مُسْلِمًا قَبْلَ أَنْ يَقْضِيَ الْقَاضِي بِذَلِكَ فَكَأَنَّهُ لَمْ يَزَلْ مُسْلِمًا لِمَا ذَكَرْنَا.

تشریح :مرتد بھاگ کردارالحرب چلا گیا۔اس کے بعد حاکم نے دارالحرب بھاگ جانے کا فیصلہ کردیا۔پھر وہ مسلمان ہوکر واپس دارالاسلام آیا تو اس کا جو مال ورثہ کے ہاتھ میں اپنی حالت پر موجود ہے وہ واپس لے لے۔اور جو مال خرچ کر چکا ہے اس کو ورثہ سے وصول نہیں کرسکتا۔

وجہ :دارالحرب میں شامل ہونے کے فیصلے کے بعد گویا کہ وہ مردہ ہوگیا۔اسلئے ورثہ نے جو مال تقسیم کرکے لیا وہ اسکے مالک بن گئے۔اوران کا تصرف کرنا صحیح ہوگیا۔اس لئے جو کچھ خرچ کر چکے ہیں اس کا ضمان لازم نہیں ہوگا۔اور جو مال ورثہ کے ہاتھ میں محفوظ ہے اس نومسلم کو اس کی اشد ضرورت ہے،اور حقیقت میں اسی کا کمایا ہوا ہے اس لئے اس کو واپس دلوایا جائیگا۔

ترجمہ:۲؎ بخلاف وارث نے جو مال خرچ کردیا[وہ واپس نہیں لیا جائے گا۔

تشریح :وارث نے قاضی کے فیصلے کے بعد لیا تھا اس لئے وہ اس کا مالک بن چکا تھا اس لئے جو مال وہ خرچ کر چکا ہے وہ واپس نہیں دیگا،اور نہ اس کا ضمان ادا کرے گا۔

ترجمہ :۳؎ بخلاف ام ولد اور مدبر کے جو آزاد ہوگئے وہ اب واپس غلام نہیں بنیں گے،اس لئے کہ قاضی کے فیصلے کے بعد وہ آزاد ہوئے تھے اس لئے یہ فیصلہ اب نہیں ٹوٹے گا۔

اصول :یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ غلام باندی آزاد ہونے کے بعد واپس غلام باندی نہیں بنتے۔اور یہاں تو قاضی کے باضابطہ فیصلے کے بعد آزاد ہوئے ہیں اس لئے بھی وہ فیصلہ نہیں ٹوٹے گا،اور نہ یہ لوگ مرتد کے دوبارہ مسلمان ہونے کے بعد غلام اور باندی بنیں گے۔

ترجمہ:۴؎ اور اگر قاضی کے فیصلے سے پہلے مرتد مسلمان ہوکر دارالحرب سے واپس آگیا تو یوں سمجھا جائے گا کہ وہ ہمیشہ سے مسلمان ہی رہا ہے اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے بیان کی ہے،[کہ قاضی کے فیصلے سے پہلے مرتد کو دارالحرب بھاگا ہوا نہیں سمجھا جائے گا]

تشریح :مرتد دارالحرب گیا تو ضرور تھا لیکن قاضی کے فیصلے سے پہلے وہ مسلمان بن کر دارالاسلام واپس آگیا،تو اس کا مدبر اور ام ولد بھی آزاد نہیں ہوں گے۔

وجہ :قاضی کے فیصلے سے پہلے وہ دارالحرب بھاگا ہوا نہیں سمجھا جاتا ہے،اس لئے یوں سمجھا جائے گا کہ ہمیشہ سے مسلمان ہی

(۲۹۱۰)وَإِذَا وَطِءَ الْمُرْتَدُّ جَارِيَةً نَصْرَانِيَّةً كَانَتْ لَهُ فِي حَالَةِ الْإِسْلَامِ فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ لِأَكْثَرَ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ مُنْذُارْتَدَّ فَادَّعَاهُ فَهِيَ أُمُّ وَلَدٍ لَهُ وَالْوَلَدُ حُرٌّ وَهُوَ ابْنُهُ وَلَا يَرِثُهُ، وَإِنْ كَانَتِ الْجَارِيَةُ مُسْلِمَةً وَرِثَهُ الِابْنُ إِنْ مَاتَ عَلَى الرِّدَّةِ أَوْ لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ ا۔ أَمَّا صِحَّةُ الِاسْتِيلَادِ فَلِمَا قُلْنَا، وَأَمَّا الْإِرْثُ فَلِأَنَّ الْأُمَّ إِذَا كَانَتْ نَصْرَانِيَّةً وَالْوَلَدُ تَبَعٌ لَهُ لِقُرْبِهِ إِلَى الْإِسْلَامِ لِلْجَبْرِ عَلَيْهِ فَصَارَ فِي حُكْمِ الْمُرْتَدِّ وَالْمُرْتَدُّلَايَرِثُ الْمُرْتَدَّ،أَمَّاإِذَاكَانَتْ مُسْلِمَةً فَالْوَلَدُمُسْلِمٌ تَبَعًا لَهَا؛لِأَنَّهَاخَيْرُهُمَادِينًاوَالْمُسْلِمُ يَرِثُ الْمُرْتَدَّ.

رہاہےاس لئے اس کی تمام ملکیت بحال رہے گی، اور وہ اس کا مالک رہے گا۔

ترجمہ:(۲۹۱۰) اسلام کی حالت مین نصرانی باندی تھی مرتد نے اس سے وطی کی جس سے چھ مہینے کے اندر بچہ پیدا ہوا تو بچہ آزاد ہوگا اور وہ مرتد کا بیٹا ہوگا لیکن بچہ باپ کا وارث نہیں ہوگا، اور باندی مسلمان ہو تو بیٹا باپ کا وارث ہوگا، اگر چہ باپ مرتد کی حالت میں مرا ہو، یا دارالحرب چلا گیا ہو۔

ترجمہ:اِ مرتد کا نصرانیہ باندی ام ولد کیوں بن جائے گی اس کی دلیل پہلے دی کہ ام ولد ہونے کے لئے مالک ہونا ضروری نہیں ہے۔اور بیٹا وارث اس لئے نہیں ہوگا کہ ماں جب نصرانی ہے تو بیٹا ماں کے تابع ہوگا اس لئے کہ وہ اسلام کے زیادہ قریب ہےاس لئے بیٹا کو نصرانی بننے کے لئے مجبور کیا جائے گا اس لئے بیٹا مرتد کے حکم ہو گیا اور مرتد مرتد کا وارث نہیں ہوتا ہے ،اور باندی مسلمہ ہے تو بچہ ماں کے تابع ہو کر مسلمان ہےاس لئے کہ اس کا دین بہتر ہےاور مسلمان مرتد باپ کا وارث ہوتا ہے[اس لئے بچہ باپ کا وارث بنے گا۔

اصول:یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مرتد بچہ مرتد باپ کا وارث نہیں بنتا لیکن مسلمان بچہ مرتد باپ کا وارث بنتا ہے۔

تشریح:مرتد کے پاس اسلام کی حالت میں نصرانی باندی تھی، اس نے مرتد کی حالت میں اس سے وطی کی جس کی وجہ سے چھ مہینے کے اندر لڑکا پیدا ہوا تو یہ باندی اس کی ام ولد ہوگی، اس لئے کہ مرتد کی حالت اگر چہ اس کی ملکیت موقوف ہو جاتی ہے، لیکن ام ولد بنانے کے لئے ملکیت کی ضرورت نہیں ہے، جیسا کہ پہلے بیان کیا اس لئے یہ باندی اس کی ام ولد بن جائے گی۔ اور جو لڑکا ہوگا وہ آزاد ہوگا، کیونکہ وہ آزاد کا بیٹا ہے، لیکن وہ باپ کا وارث نہیں ہوگا۔

وجہ :باپ مرتد ہے اور ماں نصرانی ہے جو مرتد سے بہتر دین ہے اس لئے لڑکا ماں کا تابع ہو کر نصرانی شمار کیا جائے گا، نصرانی ہونا بھی گویا کہ مرتد ہونا ہے، اور قاعدہ گزرا کہ مرتد بچہ مرتد باپ کا وارث نہیں ہوتا اس لئے یہ بچہ باپ کا وارث نہیں ہوگا۔
اور اگر ماں مسلمہ باندی تھی تو بچہ ماں کے تابع ہو کر مسلمان ہوگا، اور قاعدہ گزرا کہ مسلمان بچہ مرتد کا وارث ہوتا ہےاس لئے یہ بچہ باپ کا وارث ہوگا۔

(۲۹۱۱) وَإِذَا لَحِقَ الْمُرْتَدُّ بِمَالِهِ بِدَارِ الْحَرْبِ ثُمَّ ظُهِرَ عَلَى ذٰلِكَ الْمَالِ فَهُوَ فَيْءٌ، فَإِنْ لَحِقَ ثُمَّ رَجَعَ وَأَخَذَ مَالًا وَأَلْحَقَهُ بِدَارِ الْحَرْبِ فَظُهِرَ عَلٰى ذٰلِكَ الْمَالِ فَوَجَدَتْهُ الْوَرَثَةُ قَبْلَ الْقِسْمَةِ رُدَّ عَلَيْهِمْ؛ لِ لِأَنَّ الْأَوَّلَ مَالٌ لَمْ يَجْرِ فِيهِ الْإِرْثُ، وَالثَّانِيَ انْتَقَلَ إِلَى الْوَرَثَةِ بِقَضَاءِ الْقَاضِي بِلَحَاقِهِ فَكَانَ الْوَارِثُ مَالِكًا قَدِيمًا.

(۲۹۱۲) وَإِذَا لَحِقَ الْمُرْتَدُّ بِدَارِ الْحَرْبِ وَلَهُ عَبْدٌ فَقُضِيَ بِهِ لِابْنِهِ وَكَاتَبَهُ الِابْنُ ثُمَّ جَاءَ الْمُرْتَدُّ مُسْلِمًا فَالْكِتَابَةُ جَائِزَةٌ، وَالْمُكَاتَبَةُ وَالْوَلَاءُ لِلْمُرْتَدِّ الَّذِي أَسْلَمَ؛

ترجمہ :(۲۹۱۱) مرتد اپنے مال کے ساتھ دارالحرب چلا گیا پھر اس پر مسلمانوں کا غلبہ ہوا تو یہ مال فئی ہوگا۔اور اگر مرتد دار الحرب خالی گیا، پھر مال لیکر دارالحرب گیا اور اس مال پر مسلمانوں کا غلبہ ہوا اور تقسیم سے پہلے ورثہ نے اس مال کو پایا تو یہ مال ورثہ کو دے دیا جائے گا۔

ترجمہ :لے پہلی صورت میں مال وارث کا نہیں ہوا ہے۔اور دوسری صورت میں قاضی کے دارالحرب چلے جانے کے فیصلے کی وجہ سے مال وارث کا ہو چکا ہے [اور وہ پرانا مالک ہے] اس لئے یہ مال اس کو دے دیا جائے گا]۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ قاضی کے فیصلے کے بعد وارث کا مال ہو چکا ہو تو وہ مال وارث کو ملے گا، اور قاضی کا فیصلہ نہیں ہوا ہو اس لئے وارث کا مال نہ ہوا ہو تو وہ مال وارث کو نہیں ملے گا، وہ مال فئی ہوگا۔

تشریح : یہاں دو صورتیں ہیں [۱] مرتد اپنا مال لیکر دارالحرب چلا گیا، اب قاضی نے اس کے جانے کا فیصلہ کر دیا، اس کے بعد مسلمانوں کا اس مال پر غلبہ ہوا تو وہ مال غنیمت کا مال ہوگا، کیونکہ مال دارالحرب لیجانے کی وجہ سے وہ مال وارث کا نہیں ہوا اس لئے وہ مال مرتد کے وارث کو نہیں ملے گا، ہاں جو مال وہ دارالاسلام میں چھوڑ گیا تھا وہ مال وارث کو ملے گا۔

[۲] دوسری صورت یہ ہے کہ مرتد مثلا دارالاسلام میں دس کیلو سونا چھوڑ کر دارالحرب چلا گیا، اب قاضی نے اس کے جانے کا فیصلہ کر دیا، جس کی وجہ سے یہ دس کیلو سونا اس کے وارث کا ہو گیا، لیکن اس کو تقسیم کرنے سے پہلے مرتد چپکے سے دارالاسلام آیا اور وہ دس کیلو سونا لیکر دارالحرب چلا گیا، اب جنگ کی وجہ سے اس سونے پر مسلمانوں کا غلبہ ہوا، اور مجاہدین میں تقسیم سے پہلے مرتد کے وارث نے اس کو پالیا تو یہ سونا وارث کو دیا جائے گا۔

وجہ: قاضی کے فیصلے کی وجہ سے یہ سونا وارثین کا ہو چکا تھا اور یہ سونے کا پرانا مالک ہے اس لئے یہ سونا مرتد کے وارثین کو ملے گا۔

ترجمہ :(۲۹۱۲) مرتد دارالحرب چلا گیا، اب اس کا ایک غلام تھا، مرت کے بیٹے کے لئے قاضی کا فیصلہ ہو گیا، بیٹے نے اس غلام کو مکاتب بنا دیا، اب مرتد مسلمان ہو کر دارالاسلام آیا تو بیٹے کا مکاتب بنانا جائز رہے گا، اور یہ مال کتابت اور ولاء اس

۱؎ لِأَنَّهُ لا وَجهَ إِلَى بُطْلانِ الْكِتَابَةِ لِنفُوذِهَا بِدَلِيلٍ مُنَفِّذٍ، فَجَعَلْنَا الْوَارِثَ الَّذِى هُوَ خَلَفُهُ كَالْوَكِيلِ مِنْ جِهَتِهِ، وَحُقُوقُ الْعَقْدِ فِيهِ تَرْجِعُ إِلَى الْمُوَكِّلِ، وَالْوَلَاءُ لِمَنْ يَقَعُ الْعِتْقُ عَنْهُ.

(۲۹۱۳)وَإِذَا قَتَلَ الْمُرْتَدُّ رَجُلًا خَطأً ثُمَّ لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ أَوْ قُتِلَ عَلٰى رِدَّتِهِ فَالدِّيَةُ فِي مَالٍ اكْتَسَبَهُ فِي حَالِ الْإِسْلَامِ خَاصَّةً عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ. وَقَالَا: الدِّيَةُ فِيمَا اكْتَسَبَهُ فِي حَالَةِ الْإِسْلَامِ وَالرِّدَّةِ جَمِيعًا؛

مرتد کو ملے گا جو مسلمان بنکر آیا ہے۔

ترجمہ :۱؎ اس لئے کہ مکاتب بنانے کو باطل کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، کیونکہ قاضی کے فیصلے سے وہ نافذ ہوا ہے اس لئے وارث کو اس کا خلیفہ مانا جائے گا، گویا کہ بیٹا مرتد کی جانب سے وکیل ہے، لیکن اب عقد کے حقوق موکل [مرتد جو مسلمان ہوا ہے] کی طرف لوٹیں گے، اور ولاء اس کی ہوگی جس کی جانب سے آزاد ہوا [یعنی نو مسلم کی جانب سے]

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مرتد مسلمان ہو کر دار الاسلام آیا تو اس کا غلام اب جس حال میں ہے [یعنی مکاتب ہے] وہی اس کو ملے گا، کیونکہ قاضی کے فیصلے سے ایسا ہوا ہے۔

تشریح : مرتد دار الحرب چلا گیا، اور قاضی نے اس کے چلے جانے کا فیصلہ کر دیا، مرتد کا ایک غلام تھا جسکو فیصلے کے بعد اس کے بیٹے کو دے دیا، بیٹے نے اس غلام کو مکاتب بنا دیا۔ اس کے بعد مرتد مسلمان ہو کر دار الاسلام آیا تو یہ مکاتب مکاتب ہی باقی رہے گا، اس کو توڑ کر اب غلام نہیں بنایا جائے گا، کیونکہ یہ قاضی کے فیصلے سے ہوا ہے، اور یوں سمجھا جائے گا کہ بیٹا مکاتب بنانے میں مرتد کا خلیفہ تھا، اور اس کی جانب سے وکیل تھا، البتہ مرتد مسلمان ہو کر دار الاسلام آیا ہے اس لئے مکاتب ہی کی حالت میں یہ غلام اس نو مسلم کو دیا جائے گا۔ اب مال کتابت اس نو مسلم کو ملے گا، اور جب یہ مکاتب آزاد ہوگا تو اس کی ولاء بھی اس نو مسلم ہی کو ملے گی، کیونکہ اسی کی جانب سے مکاتب آزاد ہوا ہے۔

لغت :لنفوذھا بدلیل منفذ :منفذ سے مراد ہے نافذ کرنے والا یعنی قاضی، عبارت کا مطلب ہے کہ قاضی کے نافذ کرنے سے کتابت نافذ ہوئی ہے۔ ولاء : جو غلام آزاد ہوا ہے اس کے مرنے کے بعد اگر اس کا کوئی وارث نہیں ہے تو غلام کا مال اس کے آزاد کرنے والے آقا کو ملتا ہے، اس مال کو ولاء، کہتے ہیں۔

ترجمہ :(۲۹۱۳) مرتد نے کسی کو غلطی سے قتل کر دیا پھر دار الحرب چلا گیا، یا مرتد کی حالت میں قتل کر دیا گیا، تو اسلام کی حالت میں جو کمایا ہے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک صرف اسی مال سے اس کی دیت ادا کی جائے گی، اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ اسلام اور مرتد کی حالت میں جو کچھ کمایا دونوں سے دیت ادا کی جائے گی۔

۱ لِأَنَّ الْعَوَاقِلَ لَا تَعْقِلُ الْمُرْتَدَّ؛ لِانْعِدَامِ النُّصْرَةِ فَتَكُونُ فِي مَالِهِ. وَعِنْدَهُمَا الْكَسْبَانِ جَمِيعًا مَالُهُ؛ لِنُفُوذِ تَصَرُّفَاتِهِ فِي الْحَالَيْنِ، وَلِهَذَا يَجْرِي الْإِرْثُ فِيهِمَا عِنْدَهُمَا.
وَعِنْدَهُ مَالُهُ الْمُكْتَسَبُ فِي الْإِسْلَامِ؛ لِنَفَاذِ تَصَرُّفِهِ فِيهِ دُونَ الْمَكْسُوبِ فِي الرِّدَّةِ؛ لِتَوَقُّفِ تَصَرُّفِهِ، وَلِهَذَا كَانَ الْأَوَّلُ مِيرَاثًا عَنْهُ، وَالثَّانِي فَيْئًا عِنْدَهُ.

ترجمه :۱ اس کی وجہ یہ ہے کہ مرتد کا خاندان دیت میں مدد نہیں کرتا اس لئے کہ مدد باقی نہیں رہتی اس لئے مرتد ہی کے مال سے دیت ادا کی جائے گی،
صاحبینؒ کے یہاں اس کے دونوں قسم کے مال مرتد کا مال ہے، اس لئے کہ انکے یہاں دونوں حالتوں میں مرتد کا تصرف باقی رہتا ہے، اس لئے ان کے یہاں دونوں مالوں میں وراثت جاری ہوتی ہے [اس لئے دونوں قسم کے مال سے مرتد کی دیت ادا کی جائے گی]
اور امام ابو حنیفہؒ کے یہاں مرتد کا وہی مال ہے جو اسلام کی حالت میں کمایا اس لئے کہ اسی میں اس کا تصرف ہوتا ہے، مرتد کی حالت میں جو کچھ کمایا اس میں اس کا تصرف نہیں ہے، کیونکہ اس حال میں اس کا تصرف موقوف ہے، یہی وجہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے یہاں پہلے مال میں وراثت جاری ہوتی ہے اور مرتد کی حالت کا مال فئی ہوتا ہے۔
اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ صاحبینؒ کے یہاں اسلام کی حالت میں اور مرتد ہونے کی حالت میں جو مال کمایا ہے دونوں مرتد کی ملکیت ہے اس لئے دونوں سے دیت ادا کی جائے گی۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے یہاں مرتد کی حالت کی کمائی موقوف ہے، بلکہ وہ فئی ہے اس لئے اس سے دیت ادا نہیں کی جائے گی، اسلام کی حالت کی کمائی مرتد کا مال تھا اس لئے اسی سے اس کی دیت ادا کی جائے گی۔
اصول : دوسرا اصول یہ ہے کہ مرتد ہونے کے بعد اس کا خاندان اس سے الگ ہو جاتا ہے اس لئے وہ لوگ قتل خطاء کی دیت ادا نہیں کریں گے پوری دیت مرتد ہی کے مال سے ادا کی جائے گی۔
تشریح : مرتد نے اپنی مرتد کی حالت میں کسی آدمی کو غلطی سے قتل کر دیا، پھر مرتد کی حالت میں اس کو قتل کر دیا گیا تو امام ابو حنیفہؒ کے یہاں اسلام کی حالت میں جو کمائی ہے اس سے اس کی دیت ادا کی جائے گی۔
وجه : پہلے گزر چکا ہے کہ اسلام کی حالت کی کمائی مرتد کی کمائی ہے، اس لئے اس سے اس کی دیت ادا کی جائے گی، اور مرتد کی حالت کی کمائی فئی کا مال ہے، یہ مسلمانوں کا مال ہو چکا ہے، اس لئے اس سے دیت ادا نہیں کی جائے گی۔
اور صاحبین کے یہاں دونوں حالتوں کی کمائی مرتد کا مال ہے اس لئے دونوں کمائی سے اس کی دیت ادا کی جائے گی۔ انہوں

(۲۹۱۴) وَإِذَا قُطِعَتْ يَدُ الْمُسْلِمِ عَمْدًا فَارْتَدَّ وَالْعِيَاذُ بِاللَّهِ ثُمَّ مَاتَ عَلَى رِدَّتِهِ مِنْ ذٰلِكَ أَوْ لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ ثُمَّ جَاءَ مُسْلِمًا فَمَاتَ مِنْ ذٰلِكَ فَعَلَى الْقَاطِعِ نِصْفُ الدِّيَةِ فِي مَالِهِ لِلْوَرَثَةِ.

۱ أَمَّا الْأَوَّلُ فَلِأَنَّ السِّرَايَةَ حَلَّتْ مَحَلًّا غَيْرَ مَعْصُومٍ فَأُهْدِرَتْ،

نے ایک مثال دی کہ دونوں قسم کا مال ورثہ کے اندر تقسیم کیا جاتا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ دونوں مال مرتد کے ہیں۔

ترجمہ: (۲۹۱۴) کسی نے مسلمان کا ہاتھ جان کر کاٹ دیا، جس کا ہاتھ کاٹا نعوذ باللہ وہ مرتد ہوگیا پھر مرتد کی حالت ہی میں وہ مرگیا۔ یا وہ دار الحرب چلا گیا پھر وہ مسلمان ہوکر دار الاسلام آیا اور وہ اس زخم سے مرگیا تو ہاتھ کاٹنے والے پر آدھی دیت لازم ہوگی جو مرتد کے ورثہ کو ملے گا۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اسلام کی حالت میں کسی نے جان کر ہاتھ کاٹا، اور مرتد کی حالت میں اس کی موت ہوئی تو اس کو ہاتھ کی دیت ملے گی جو جان کی دیت سے آدھی ہوتی ہے، کاٹنے والے سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔۔ اور اگر مرتد کی حالت میں ہاتھ کاٹا، پھر مسلمان کی حالت میں مرا تو ہاتھ کاٹتے وقت معصوم نہیں ہے اس کو کچھ بھی دیت نہیں ملے گی۔

تشریح: یہاں دو صورتیں ہیں [۱] ہاتھ کاٹتے وقت مسلمان تھا بعد میں وہ مرتد ہوگیا، اور اسی حالت میں وہ مرا، تو اس مرتد کے وارث کو ہاتھ کی دیت دی جائے گی، جو نفس کی دیت سے آدھی ہوتی ہے۔ یہاں جان کر ہاتھ کاٹا ہے اس لئے اس کا قصاص لازم آنا چاہئے اور کاٹنے والے کا ہاتھ کٹنا چاہئے، لیکن چونکہ آدمی مرتد ہوگیا ہے اس لئے قصاص لازم نہیں آئے گا، البتہ آدھی دیت اس لئے دلوائی جائے گی کہ ہاتھ کٹتے وقت وہ مسلمان تھا۔

[۲] دوسری صورت یہ ہے کہ وہ آدمی مرتد ہوکر دار الحرب چلا گیا اور قاضی نے اس کے جانے کا فیصلہ بھی کر دیا تو یوں سمجھو کہ وہ مرتد ہی کی حالت میں مرگیا، اب وہ مسلمان ہوکر دار الاسلام آیا بھی تو اس کا اعتبار نہیں ہے کیونکہ قاضی کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ اس لئے اس کے ورثہ کو آدھی دیت ملے گی۔

[۳] ایک تیسری صورت آگے آرہی ہے کہ مرتد کی حالت میں اس کا ہاتھ کاٹا، بعد میں وہ مسلمان ہوگیا تو اس کو کوئی دیت نہیں ملے گی۔ کیونکہ جس وقت اس کا ہاتھ کاٹا گیا اس وقت وہ معصوم نہیں تھا، یعنی محفوظ نہیں ہے کیونکہ وہ مرتد تھا، بعد میں مسلمان ہونے سے اس کی دیت نہیں لوٹے گی۔

ترجمہ: ۱ پہلی شکل [یعنی مرتد کی حالت میں مرگیا] تو بات یہ ہے کہ زخم اس وقت سرایت کی جب کہ وہ مرتد محفوظ نہیں تھا اس لئے کاٹنا بیکار گیا [یعنی اس کی قیمت لازم نہیں ہوگی]

تشریح: پہلی شکل یہ ہے کہ ہاتھ کٹتے وقت مسلمان ہے، لیکن زخم سرایت کر کے جب وہ مر رہا ہے تو وہ مرتد ہے اس لئے وہ

۲ بِخِلَافِ مَا إِذَا قُطِعَتْ يَدُ الْمُرْتَدِّ ثُمَّ أَسْلَمَ فَمَاتَ مِنْ ذَلِكَ؛ لِأَنَّ الْإِهْدَارَ لَا يَلْحَقُهُ الِاعْتِبَارُ، أَمَّا الْمُعْتَبَرُ قَدْ يُهْدَرُ بِالْإِبْرَاءِ فَكَذَا بِالرِّدَّةِ. ۳ وَأَمَّا الثَّانِي وَهُوَ مَا إِذَا لَحِقَ وَمَعْنَاهُ إِذَا قُضِيَ بِلَحَاقِهِ فَلِأَنَّهُ صَارَ مَيِّتًا تَقْدِيرًا، وَالْمَوْتُ يَقْطَعُ السِّرَايَةَ، وَإِسْلَامُهُ حَيَاةٌ حَادِثَةٌ فِي التَّقْدِيرِ فَلَا يَعُودُ حُكْمُ الْجِنَايَةِ الْأُولَىٰ،

غیر محفوظ ہے اسلئے قصاص نہیں لیا جائے گا، البتہ چونکہ ہاتھ کٹتے وقت وہ مسلمان تھا اسلئے اسکے ورثہ کو آدھی دیت دی جائے گی۔

لغت :اہدرت: ہدر سے مشتق ہے، خون بہانہ ملے، وہ بیکار ہو جائے۔ حلت محلا غیر معصوم: زخم ایسے وقت میں سرایت کیا جب کہ وہ مرتد تھا، یعنی محفوظ نہیں تھا۔

ترجمہ: ۲ بخلاف جبکہ مرتد کا ہاتھ کاٹا پھر وہ اسلام لایا اور اس زخم سے مرا تو کاٹنے والے پر کچھ بھی لازم نہیں ہوگا اس لے کہ ارتداد کی حالت میں کچھ لازم نہیں ہوا تو بعد میں بھی کچھ لازم نہیں ہوگا، ہاں پہلے لازم ہوا ہو تو وہ ہدر ہو سکتا ہے جیسے کہ قصاص معاف کر دے، پس ایسے ہی مرتد ہونے کی وجہ سے وہ ہدر ہو سکتا ہے۔

تشریح :یہاں عبارت پیچیدہ ہے۔ یہ تیسری صورت ہے، کہ مرتد ہونے کی حالت میں ہاتھ کاٹا، بعد میں اسلام لایا اور اسی زخم سے مرا تو آدھی دیت بھی نہیں ملے گی۔

وجہ: ہاتھ کٹتے وقت معصوم نہیں ہے، اس لئے بعد میں مسلمان ہونے سے دیت نہیں لوٹے گی۔

لغت: اھدار لایلحقہ الاعتبار : مرتد ہونے کی وجہ سے پہلے خون بہا ہدر ہو گیا، یعنی بیکار ہو گیا تو اب اسلام لانے کے بعد اس کا اعتبار نہیں ہوگا، یعنی خون بہا نہیں لوٹے گا۔ معتبر فقد یہدر: خون بہا لازم ہوا ہو تو ہدر ہو سکتا ہے، جیسے خون بہا معاف کر دے تو وہ ہدر ہو جاتا ہے۔

ترجمہ :۳ دوسری صورت وہ یہ ہے کہ جب مرتد ہو کر دار الحرب چلا گیا پھر مسلمان ہو کر دار الاسلام آیا، اس کا معنی یہ ہے کہ قاضی نے دار الحرب چلے جانے کا فیصلہ کر دیا تو تقدیرا وہ مردہ ہو گیا، اور موت کی وجہ سے زخم سرایت نہیں کرتا۔ اور جو اسلام لایا تو گویا کہ اس کی نئی زندگی ہوئی اس لئے پہلے جرم کا حکم نہیں لوٹے گا۔

تشریح :دوسری صورت یہ ہے کہ اسلام کی حالت میں ہاتھ کاٹا، اب مرتد ہو کر وہ دار الحرب چلا گیا اور قاضی نے اس کے جانے کا فیصلہ کر دیا، اس کے بعد وہ مسلمان ہو کر دار الاسلام آیا، اور ہاتھ کٹنے کی وجہ سے مرا تب بھی اس کو آدھی دیت ملے گی،

وجہ : کیونکہ جب قاضی نے دار الحرب جانے کا فیصلہ کر دیا تو گویا کہ اسی وقت مرتد ہونے کی حالت میں مر گیا، اس لئے اس کو قصاص نہیں ملے گا، آدھی دیت ہی ملے گی۔ اور یہ جو اسلام لایا ہے، یہ نئی زندگی ہے، ہاتھ کٹنے کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے اسلئے قصاص نہیں دلوایا جائے گا۔

ع فَإِذَا لَمْ يَقْضِ الْقَاضِى بِلَحَاقِهِ فَهُوَ عَلَى الْخِلَافِ الَّذِى نُبَيِّنُهُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى.

(۲۹۱۵) قَالَ: فَإِنْ لَمْ يَلْحَقْ وَأَسْلَمَ ثُمَّ مَاتَ فَعَلَيْهِ الدِّيَةُ كَامِلَةً لـ وَهٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِى يُوسُفَ.[وَقَالَ مُحَمَّدٌ وَزُفَرُ: فِي جَمِيعِ ذٰلِكَ نِصْفُ الدِّيَةِ؛] لِأَنَّ اعْتِرَاضَ الرِّدَّةِ أَهْدَرَ السِّرَايَةَ فَلَا يَنْقَلِبُ بِالْإِسْلَامِ إِلَى الضَّمَانِ، كَمَا إِذَا قَطَعَ يَدَ مُرْتَدٍّ فَأَسْلَمَ.

ترجمہ :ع اورقاضی نے دارالحرب چلے جانے کا فیصلہ نہیں کیا ہوتو اس بارے میں اختلاف ہے جسکو ہم ان شاء اللہ ذکر کریں گے۔

تشریح :اسلام کی حالت میں ہاتھ کٹا، پھر یہ مرتد ہو گیا اور دارالحرب چلا گیا،لیکن ابھی قاضی کا فیصلہ نہیں ہوا تھا کہ وہ مسلمان ہوکر واپس آ گیا، اور مرا تو امام ابوحنیفہؒ کے یہاں پوری دیت دلوائی جائے گی یعنی قصاص لازم ہوگا، اور یوں سمجھا جائے گا کہ یہ کبھی مرتد ہوا ہی نہیں تھا، بلکہ ہمیشہ مسلمان ہی باقی رہا تھا، اس کی باقی تفصیل آگے آرہی ہے۔

ترجمہ :(۲۹۱۵) اگر مرتد دارالحرب گیا ہی نہیں اور اسلام لے آیا اور مر گیا تو اس کی پوری دیت لی جائے گی[امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے یہاں ہے] اور امام محمدؒ اور زفرؒ نے فرمایا کہ تمام صورتوں میں آدھی دیت ملے گی۔

ترجمہ :لـ اس لئے کہ بیچ میں مرتد ہو گیا تو زخم کا سرایت کرنا ختم ہو گیا اس لئے اسلام لانے سے پورے ضمان کی طرف نہیں لوٹے گا، جیسے مرتد کا ہاتھ کاٹا اور پھر وہ مسلمان ہوتا تو اس کی دیت لازم نہیں ہوتی ہے ویسے یہاں ہوگا۔

اصول :امام ابوحنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ دارالحرب جانے سے پہلے اور قاضی کے فیصلے سے پہلے مسلمان ہو گیا تو گویا کہ وہ ہمیشہ مسلمان ہی ہے اس لئے اس کو پوری دیت ملے گی۔

اصول :امام محمدؒ اور امام زفرؒ کا اصول یہ ہے کہ، مرتد ہونے کے بعد چاہے قاضی کے فیصلے سے پہلے وہ مسلمان ہو جائے تب بھی اس کو مرتد شمار کیا جائے گا، اور اسکو آدھی دیت ملے گی۔

تشریح :مرتد کے لئے دارالحرب جانے کا قاضی نے ابھی فیصلہ نہیں کیا تھا کہ وہ دوبارہ مسلمان ہو گیا تو امام ابوحنیفہؒ کے یہاں اس کو پوری دیت ملے گی۔ اور امام محمدؒ اور امام زفرؒ کے یہاں اس کو آدھی دیت ملے گی۔

وجہ :امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ مرتد ہونے کی وجہ سے اس کی دیت آدھی ہو چکی ہے اس لئے اب اسلام لانے سے اس کی دیت پلٹ کر پوری نہیں ہوگی، اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ، جیسے مرتد ہونیکی حالت میں ہاتھ کاٹا گیا ہو پھر مسلمان ہو جائے تب بھی اس کو کچھ دیت نہیں ملتی، ایسے یہاں بھی آدھی ہی دیت ملے گی۔

لغت :اہدر السرایۃ: ہاتھ کٹنے کا زخم جو سرایت کیا، مرتد ہونے کی وجہ سے اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔

۲ے وَلَهُمَا أَنَّ الْجِنَايَةَ وَرَدَتْ عَلَىٰ مَحَلٍّ مَعْصُومٍ وَتَمَّتْ فِيهِ فَيَجِبُ ضَمَانُ النَّفْسِ، كَمَا إِذَا لَمْ تَتَخَلَّلْ الرِّدَّةُ، وَهٰذَا؛ لِأَنَّهُ لَا مُعْتَبَرَ بِقِيَامِ الْعِصْمَةِ فِي حَالِ بَقَاءِ الْجِنَايَةِ، وَإِنَّمَا الْمُعْتَبَرُ قِيَامُهَا فِي حَالِ انْعِقَادِ السَّبَبِ وَفِي حَالِ ثُبُوتِ الْحُكْمِ، وَحَالَةُ الْبَقَاءِ بِمَعْزِلٍ مِنْ ذٰلِكَ كُلِّهِ، وَصَارَ كَقِيَامِ الْمِلْكِ فِي حَالِ بَقَاءِ الْيَمِينِ.

(۲۹۱۶) وَإِذَا ارْتَدَّ الْمُكَاتَبُ وَلَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ وَاكْتَسَبَ مَالًا فَأُخِذَ بِمَالِهِ وَأَبَى أَنْ يُسْلِمَ فَقُتِلَ فَإِنَّهُ يُوَفَّى مَوْلَاهُ مُكَاتَبَتَهُ وَمَا بَقِيَ فَلِوَرَثَتِهِ.

ترجمہ: ۲ے امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ ہاتھ کاٹتے وقت وہ مسلمان تھا، اور جب مراتب بھی مسلمان تھا اس لئے پورے جان کا ضمان لازم ہوگا، جیسے کہ بیچ میں مرتد نہ ہوتا تو پورا ضمان لازم ہوتا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جرم کے باقی رہنے کی حالت میں مسلمان رہنا ضروری نہیں ہے، بلکہ سبب کے منعقد ہونے [ہاتھ کٹنے کی حالت میں] اسلام باقی رہنا کافی ہے اور حکم کے ثابت رہنے کے زمانے میں مسلمان ہونا کافی ہے، اور باقی رہنے کی جو حالت ہے وہ ان دونوں سے الگ ہے، جیسے قسم کے باقی رہنے کے زمانے میں ملکیت قائم رہنے کا حال ہے۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ جب ہاتھ کٹا تب وہ مسلمان تھا، اور جب وہ مراتب بھی مسلمان تھا، اسلئے درمیان میں مرتد ہونے سے دیت میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اس کی ایک مثال دیتے ہیں مثلا زید نے اپنی بیوی سے کہا کہ اس گھر میں داخل ہوئی تو تم کو طلاق ہے، اب یہ کہتے وقت وہ بیوی تھی اس کے بعد ایک طلاق بائنہ دے دی، پھر نکاح کر لیا، اور اس نکاح کی حالت میں گھر میں داخل ہوئی تو طلاق واقع ہوگی، یہاں طلاق کا جملہ بولتے وقت نکاح میں ہے اور گھر میں داخل ہوتے وقت نکاح میں ہے تو طلاق واقع ہوگئی چاہے درمیان میں نکاح میں نہیں تھی اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، اسی طرح درمیان میں مرتد ہو جائے تو اس سے دیت میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔۔ یہاں عبارت منطقی ہے اس لئے اس مطلب کو عبارت سے ملا کر سمجھیں۔

لغت: انعقاد السبب: اس سے مراد ہے کہ ہاتھ کٹتے وقت وہ مسلمان ہے۔ حال ثبوت الحکم: اس سے مراد ہے کہ مرتے وقت وہ مسلمان ہے۔ حالۃ البقاء: اس سے مراد ہے کہ درمیان میں وہ مرتد ہو گیا تھا۔

ترجمہ: (۲۹۱۶) مکاتب مرتد ہو گیا اور دار الحرب چلا گیا اور کچھ مال کمایا پھر وہ مال کے ساتھ پکڑا گیا، اس نے اسلام لانے سے انکار کر دیا اس کی وجہ سے وہ قتل کیا گیا، تو اس کے آقا کا مال کتابت پورا کیا جائے گا، اور جو باقی بچے گا وہ مکاتب کے ورثہ میں تقسیم کیا جائے گا۔

۱؎ وَهَذَا ظَاهِرٌ عَلَى أَصْلِهِمَا؛ لِأَنَّ كَسْبَ الرِّدَّةِ مِلْكُهُ إِذَا كَانَ حُرًّا، فَكَذَا إِذَا كَانَ مُكَاتَبًا. ۲؎ وَأَمَّا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ فَلِأَنَّ الْمُكَاتَبَ إِنَّمَا يَمْلِكُ أَكْسَابَهُ بِالْكِتَابَةِ، وَالْكِتَابَةُ لَا تَتَوَقَّفُ بِالرِّدَّةِ فَكَذَا أَكْسَابُهُ؛ أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَا يَتَوَقَّفُ تَصَرُّفُهُ بِالْأَقْوَى وَهُوَ الرِّقُّ، فَكَذَا بِالْأَدْنَى بِالطَّرِيقِ الْأَوْلَى.

ترجمہ :۱؎ صاحبین کے مسلک پر تو یہ مسئلہ آسان ہے، کیونکہ انکے یہاں مرتد کی حالت میں بھی اس کی ملکیت رہتی ہے اگر وہ آزاد ہو پس یہی حال ہے اگر وہ مکاتب ہو۔

اصول : یہ مسئلہ اصول پر ہے کہ۔ یہ قاعدہ پہلے گزرا ہے کہ آدمی آزاد ہو تو مرتد کے زمانے کی کمائی فیئ ہوتی ہے۔لیکن یہاں قاعدہ بیان کر رہے ہیں کہ مکاتب مرتد ہو تو اس کی کمائی فیئ نہیں ہوگی ، بلکہ آقا کا مال ہوگا،اس سے کتابت ادا کی جائے گی ،اور اس سے جو بچے گی وہ مکاتب کے ورثہ میں تقسیم ہوگی۔

اصول :صاحبینؒ کے یہاں آزاد ہو یا مکاتب ہو مرتد کی کمائی اس کی ملکیت ہوتی ہے اس لئے اس سے مال کتابت ادا کی جائے گی۔ یہ قاعدہ پہلے گزر چکا ہے۔

تشریح :مکاتب مرتد ہو کر دارالحرب چلا گیا،اور وہاں کچھ کمایا، پھر وہ مال کے ساتھ پکڑا گیا،اس کو اسلام لانے کے لئے کہا لیکن اس نے اسلام قبول نہیں کیا اس لئے قتل کیا گیا،تو مرتد کے زمانے کی جو کمائی ہے وہ اس کی ملکیت ہے فیئ نہیں ہوگی،اس سے مال کتابت ادا کیا جائے گا،اور اس سے جو باقی بچے گا وہ اس کے ورثہ میں تقسیم ہو جائے گا۔

وجہ :صاحبینؒ کے یہاں تو مرتد کے زمانے کی کمائی اس کی ملکیت ہے اس لئے مال کتابت ادا ہی کیا جائے گا،لیکن امام ابوحنیفہؒ کے یہاں بھی یہ کمائی فیئ نہیں ہے بلکہ مکاتب کی کمائی ہے،اس لئے کتابت بھی ادا کی جائے گی اور اس کے ورثہ میں تقسیم بھی ہوگی، اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ یہاں آقا کا حق جماعت مسلمین سے مقدم ہے اس لئے اس کو مال دیا جائے گا۔وہ مال فیئ نہیں ہوگا۔

ترجمہ :۲؎ اور امام ابوحنیفہؒ کے یہاں یہ کہ مکاتب کتابت کی وجہ سے مال کا مالک بنتا ہے اور کتابت مرتد ہونے کی وجہ سے موقوف نہیں ہوتا،اسی طرح اس زمانے کی کمائی بھی موقوف نہیں ہوگی [یعنی اس زمانے کا مال فیئ نہیں بنے گا] کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ جب وہ اقوی [یعنی غلامیت کی حالت میں تھا] تب بھی اس کا تصرف موقوف نہیں ہوا تھا تو اس سے ادنی ،یعنی مکاتب کی حالت میں بدرجہ اس کا تصرف موقوف نہیں ہوگا۔

تشریح : یہ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل عقلی ہے۔دلیل کا حاصل یہ ہے کہ غلامیت جو مرتد سے بھی بدتر ہے اس وقت بھی اس کا تصرف موقوف نہیں ہوتا ہے،تو اس سے ذرا اعلی ،یعنی مکاتب کی حالت میں جب مرتد ہو تب بھی اس کا تصرف موقوف نہیں ہوگا ،یعنی اس کا مال فیئ نہیں بنے گا۔ یہاں اصل بات یہ ہے کہ مکاتب کے مالک کا حق مقدم ہے اس لئے اس کا مال فیئ نہیں ہوگا،

(۲۹۱۷) وَإِذَا ارْتَدَّ الرَّجُلُ وَامْرَأَتُهُ وَالْعِيَاذُ بِاللَّهِ وَلَحِقَا بِدَارِ الْحَرْبِ فَحَبِلَتْ الْمَرْأَةُ فِي دَارِ الْحَرْبِ وَوَلَدَتْ وَلَدًا وَوُلِدَ لِوَلَدِهِمَا وَلَدٌ فَظُهِرَ عَلَيْهِمْ جَمِيعًا فَالْوَلَدَانِ فَيْءٌ؛ ل لِأَنَّ الْمُرْتَدَّةَ تُسْتَرَقُّ فَيَتْبَعُهَا وَلَدُهَا، وَيُجْبَرُ الْوَلَدُ الْأَوَّلُ عَلَى الْإِسْلَامِ، وَلَا يُجْبَرُ وَلَدُ الْوَلَدِ. وَرَوَى الْحَسَنُ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ يُجْبَرُ تَبَعًا لِلْجَدِّ،

بلکہ اس کے آقا کو پہلے دیا جائے گا، اس سے بچے گا تو اس کے وارث کو دیا جائے گا۔

لغت :الکتابۃ لا یتوقف بالردۃ: مرتد ہو جائے تب بھی کتابت ختم نہیں ہوتی تو اس کا تصرف بھی ختم نہیں ہوگا۔ بالاقوی: یہاں اقوی سے مراد غلامیت کی حالت ہے۔ اورادنی سے مراد مکاتب کی حالت ہے۔

ترجمہ :(۲۹۱۷) مرد اور اس کی بیوی مرتد ہو گئے اور دار الحرب چلے گئے، پھر عورت دار الحرب میں حاملہ ہوئی اور بچہ دیا، بعد میں اس کو پوتا بھی ہوا پھر ان سب پر غلبہ ہوا تو بیٹا اور پوتا دونوں مال غنیمت میں ہوں گے۔

ترجمہ:ل اس لئے کہ اب ماں باندی بنے گی تو بیٹا، اور پوتا بھی اس کے تابع ہو کر غلام بنیں گے۔لیکن بیٹے کو مسلمان ہونے پر مجبور کیا جائے گا، پوتے کو اسلام لانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔[کیونکہ وہ دادا کے تابع نہیں ہوتا] امام ابو حنیفہؒ کی ایک روایت حضرت حسنؒ سے ہے کہ پوتے کو دادا کے تابع کیا جائے گا اور پوتے کو بھی مسلمان ہونے پر مجبور کیا جائے گا۔

اصول :یہاں دو اصول ہیں[ا] عورت دار الحرب چلی گئی اور اس کے جانے کا فیصلہ ہو گیا تو اب اس پر قبضہ ہوگا تو وہ فئی ہوگی ،اور اس کے تحت میں وہ اور اس کا بیٹا اور پوتا غلام اور باندی بنا لئے جائیں گے ۔

اصول :دوسرا اصول یہ ہے کہ بیٹا باپ کے تابع ہوتا ہے، پوتا دادا کے تابع ہوگا یا نہیں اس بارے میں دو روایتیں ہیں، ایک روایت میں ہے کہ پوتا بھی دادا کے تابع ہوگا، یعنی دادا کو مسلمان ہونے پر مجبور کیا جائے گا تو اس کے پوتا کو بھی مسلمان ہونے پر مجبور کیا جائے گا۔اور دوسری روایت یہ ہے کہ پوتا دادا کے تابع نہیں ہوگا، یعنی دادا کو مسلمان ہونے پر مجبور کیا جائے گا، لیکن اس کے پوتے کو مسلمان ہونے پر مجبور نہیں کیا جائے۔

تشریح :مرد اور عورت دونوں مرتد ہو کر دار الحرب چلے گئے، اور قاضی نے انکے جانے کا فیصلہ بھی کر دیا، عورت وہاں حاملہ ہوئی اور بچہ دیا اور پوتا بھی پیدا ہوا اب ان پر مجاہدین کا غلبہ ہوا تو یہ عورت باندی بنے گی، اس کا بچہ غلام بنے گا، اور اس کا پوتا بھی غلام بنے گا ، کیونکہ یہ لوگ ماں کے تابع ہو کر حربی ہیں۔ مرد جو دار الاسلام سے گیا تھا چونکہ وہ پہلے سے مسلمان تھا اس لئے اس کو دوبارہ مسلمان ہونے پر مجبور کیا جائے گا، اس کے بیٹے کو بھی اسلام لانے پر مجبور کیا جائے گا، کیونکہ وہ بھی باپ کے تابع ہے اس لئے جب باپ کو مجبور کیا جائے گا تو اس کے بیٹے کو بھی مجبور کیا جائے گا۔لیکن کیا پوتے کو بھی دادا کے تابع کر کے اسلام لانے پر مجبور کیا جائے گا یا نہیں

۲۔ وَأَصْلُهُ التَّبَعِيَّةُ فِي الْإِسْلَام وَهِيَ رَابِعَةُ أَرْبَعِ مَسَائِلَ كُلُّهَا عَلَى الرِّوَايَتَيْنِ. وَالثَّانِيَةُ صَدَقَةُ الْفِطْرِ. وَالثَّالِثَةُ جَرُّ الْوَلَاءِ. وَالْأُخْرَى الْوَصِيَّةُ لِلْقَرَابَةِ.

(۲۹۱۸) قَالَ: وَارْتِدَادُ الصَّبِيِّ الَّذِي يَعْقِلُ ارْتِدَادٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ، وَيُجْبَرُ عَلَى الْإِسْلَامِ وَلَا يُقْتَلُ، وَإِسْلَامُهُ إِسْلَامٌ لَا يَرِثُ أَبَوَيْهِ إِنْ كَانَا كَافِرَيْنِ. وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: ارْتِدَادُهُ

اس بارے میں دو روایتیں ہیں[۱] ایک روایت میں ہے کہ یہ دادا کے تابع ہوگا اور اس کو بھی اسلام لانے پر مجبور کیا جائے گا، [۲] اور دوسری روایت یہ ہے کہ اسلام لانے میں یہ داد کے تابع نہیں ہے اس لئے اس کو اسلام لانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

ترجمہ :۲۔ ان کا اصل قاعدہ یہ ہے کہ پوتا مسلمان ہونے میں دادا کے تابع ہے یا نہیں۔ یہ چار مسائل ہیں جن میں دو دو روایتیں ہیں۔ دوسرا مسئلہ ہے صدقۃ الفطر کا [کہ دادا پوتے کا صدقہ فطر ادا کرے گا یا نہیں] تیسرا مسئلہ ہے کہ دادا کو پوتے کی ولاء ملے گی یا نہیں۔ اور چوتھا مسئلہ ہے کہ رشتہ دار کے لئے مال کی وصیت کی تو اس میں دادا بھی شامل ہے یا نہیں [ان چاروں مسئلوں میں دو دو روایتیں ہیں۔

تشریح : یہاں چار مسئلے ہیں جن میں پوتا دادا کے تابع ہے یا نہیں اس میں دو دو روایتیں ہیں، ان میں سے ایک مسئلہ اسلام کیلئے مجبور کیا جائے گا یا نہیں، اوپر گزر گیا۔ [۲] دوسرا مسئلہ ہے کہ باپ فقیر ہے اور دادا مالدار ہے تو دادا پوتے کا صدقہ فطرہ ادا کرے گا یا نہیں، ایک روایت میں ہے کہ یہاں باپ موجود ہے اسلئے پوتا دادا کے تابع نہیں ہے، اسلئے دادا صدقہ فطرہ ادا نہیں کرے گا۔ اور دوسری حضرت حسن کی روایت میں ہے کہ دادا صدقہ فطرہ ادا کرے گا، کیونکہ یہاں پوتا دادا کے تابع ہے۔ [۳] تیسرا مسئلہ ہے کہ باپ کسی کا غلام ہے، اور دادا پوتے کا مالک بن گیا جسکی وجہ سے وہ آزاد ہوا تو دادا پوتے کے ولاء کا حقدار ہوگا یا نہیں، ایک روایت میں ہے کہ حقدار نہیں ہوگا، کیونکہ باپ موجود ہے اسلئے پوتا دادا کا تابع نہیں ہے۔ اور دوسری روایت ہے کہ دادا حقدار ہے، کیونکہ باپ غلام ہے، اسلئے وہ وراثت کا حقدار نہیں بنے گا اسلئے دادا ولاء کا حقدار ہوگا ۔ [۴] چوتھا مسئلہ ہے کہ پوتے نے وصیت کی میرا دو درہم قرابت میں تقسیم کیا جائے، اور باپ بھی موجود ہے تو دادا کو اس میں حصہ ملے گا یا نہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ دادا کو اس میں سے کوئی حصہ نہیں ملے گا، کیونکہ باپ موجود ہے تو پوتا اسکے تابع نہیں ہے تو گویا کہ دادا قرابت میں داخل نہیں ہے۔ اور حضرت حسن کی روایت میں ہے کہ دادا قرابت میں داخل ہوگا اور اس کو بھی پوتے کے مال میں حصہ ملے گا۔ یہ چار مسئلے ہیں۔

ترجمہ : (۲۹۱۸) اگر بچہ سمجھدار ہو تو امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اس کے مرتد ہونے کا اعتبار ہے، اور دوبارہ اسلام قبول کرنے پر زور دیا جائے گا، لیکن قتل نہیں کیا جائے گا، اور اس کے اسلام لانے کا بھی اعتبار ہے۔ اور اس کے والدین کافر ہوں تو اس بچے کا وارث نہیں بنیں گے، اور حضرت ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ اس کے ارتداد کا اعتبار نہیں ہے، لیکن اسکے اسلام

لَيْسَ بِارْتِدَادٍ وَإِسْلَامُهُ إِسْلَامٌ.

۱ـ وَقَالَ زُفَرُ وَالشَّافِعِيُّ: إِسْلَامُهُ لَيْسَ بِإِسْلَامٍ وَارْتِدَادُهُ لَيْسَ بِارْتِدَادٍ.

لانے کا اعتبار ہے۔

ترجمہ:۱ـ امام زفرؒ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اس کے ارتداد کا بھی اعتبار نہیں ہے اور اس کے اسلام کا بھی اعتبار نہیں ہے

اصول : سمجھدار بچے کے بارے میں امام ابو حنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ اس کے ارتداد کا بھی اعتبار ہے اور اس کے ایمان لانے کا بھی اعتبار ہے، کیونکہ اس کے دل میں وہ اعتقاد موجود ہے۔

اصول :امام شافعیؒ اور امام زفرؒ کا اصول یہ ہے کہ نہ اس کے ارتداد کا اعتبار ہے، اور نہ اس کے اسلام لامے کا اعتبار ہے، کیونکہ وہ اس وقت اپنے باپ کا تابع ہے۔

اصول :امام ابو یوسفؒ کا اصول یہ ہے کہ بچے کے اسلام لانے کا تو اعتبار ہے، کیونکہ اس میں آخرت کا فائدہ ہی فائدہ ہے، لیکن اس کے ارتداد کا اعتبار نہیں ہے، کیونکہ اس میں اس کا نقصان ہی نقصان ہے۔ان اصولوں پر یہ مسئلہ متفرع ہے۔

تشریح : سمجھدار بچہ مرتد ہو جائے، یا اسلام لے آئے تو امام ابو حنیفہؒ اور محمدؒ کے یہاں اس کے اسلام کا بھی اعتبار ہے، اور اس کے ارتداد کا بھی اعتبار ہے

وجہ :(۱) اسکی وجہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ دس سال کی عمر اسلام لائے تھے اور اسکے اسلام کا حضورؐ نے اعتبار کیا۔حدیث یہ ہے۔ **عن محمد بن اسحاق ان علی بن طالبؓ اسلم و هو ابن عشر سنین** ۔(مستدرک للحاکم، باب ذلر اسلام امیر المومنینعلی بن طالبؓ، ج ثالث، ص ۱۲۰، نمبر ۴۵۸۰) اس قول صحابی میں ہے کہ حضرت علی نے دس سال کی عمر میں اسلام لایا ۔اور جب اسلام کا اعتبار ہے تو اس کے کفر کا بھی اعتبار ہوگا۔اور دلیل آگے آرہی ہے۔(۲) **عن انس قال کان غلام یهودی یخدم النبی ﷺ فمرض فاتاه النبی ﷺ یعوده فقعد عند رأسه فقال له اسلم فنظر الی ابیه و هو عنده فقال له أطع ابا القاسم ﷺ فاسلم فخرج النبی ﷺ و هو یقول الحمد لله الذی انقذه من النار** . (بخاری شریف، باب اذا اسلم الصبی فمات هل یصلی علیہ، ص ۲۱۶، نمبر ۱۳۵۶) اس حدیث میں بچے نے ایمان لایا اور حضورؐ نے اس کو جائز رکھا۔

اور امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے کہ اس کے اسلام کا تو اعتبار ہے، اس لئے کہ اس میں فائدہ ہی فائدہ ہے، لیکن اس کے ارتداد کا اعتبار نہیں ہے، کیونکہ اس میں نقصان ہی نقصان ہے۔اور امام شافعیؒ اور امام زفرؒ کی رائے یہ ہے کہ نہ اس کے اسلام کا اعتبار ہے اور نہ اس کے ارتداد کا اعتبار ہے، کیونکہ یہ اپنے باپ کے تابع ہے۔

٢ لَهُمَا فِي الْإِسْلَامِ أَنَّهُ تَبَعٌ لِأَبَوَيْهِ فِيهِ فَلَا يُجْعَلُ أَصْلًا. وَلِأَنَّهُ يَلْزَمُهُ أَحْكَامًا تَشُوبُهَا الْمَضَرَّةُ فَلَا يُؤَهَّلُ لَهُ. ٣ وَلَنَا فِيهِ أَنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَسْلَمَ فِي صِبَاهُ، وَصَحَّحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِسْلَامَهُ، وَافْتِخَارُهُ بِذَلِكَ مَشْهُورٌ. وَلِأَنَّهُ أَتَى بِحَقِيقَةِ الْإِسْلَامِ وَهِيَ التَّصْدِيقُ وَالْإِقْرَارُ مَعَهُ؛ لِأَنَّ الْإِقْرَارَ عَنْ طَوْعٍ دَلِيلٌ عَلَى الِاعْتِقَادِ عَلَى مَا عُرِفَ وَالْحَقَائِقُ لَا تُرَدُّ، ٤ وَمَا يَتَعَلَّقُ بِهِ سَعَادَةٌ أَبَدِيَّةٌ وَنَجَاةٌ عُقْبَاوِيَّةٌ، وَهِيَ مِنْ أَجَلِّ الْمَنَافِعِ وَهُوَ الْحُكْمُ الْأَصْلِيُّ، ثُمَّ يُبْتَنَى عَلَيْهِ غَيْرُهَا فَلَا يُبَالِي بِشَوْبِهِ.

ترجمہ : ٢ ان دونوں حضرات کی دلیل یہ ہے کہ بچے کا اسلام اس کے باپ کے تابع ہے اس لئے بچے کو اصل نہیں بنایا جا سکتا، اور اس لئے کہ اسلام لانے میں کچھ ایسے بھی احکام ہیں جن میں بچے کو نقصان ہوگا [مثلا باپ کی وراثت نہیں ملے گی] اس لئے بچے کو اسلام لانے کا اہل قرار نہیں دیا جا سکتا ہے۔

تشریح : حضرت امام شافعیؒ اور امام زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ بچہ ہر معاملے میں باپ کا تابع ہے اس لئے اس کے اسلام اور ارتداد کا اعتبار نہیں ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ بچہ اسلام لائے گا تو اگر اس کا باپ کافر ہے تو اس کو اس کی وراثت نہیں ملے گی، یہ بچے کا بہت بڑا نقصان ہے اس لئے اس کے اسلام کو بھی قبول نہیں کیا جائے گا۔

لغت : یشوبھا المضرۃ: اس میں مضرت شامل ہے۔ لا یوہل: اسلام کا یا مرتد ہونے کا اہل قرار نہیں دیا جائے گا۔

ترجمہ : ٣ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت علی نے بچپنے میں اسلام لایا اور حضورؐ نے اس کے اسلام کو صحیح قرار دیا، بلکہ انکی یہ افتخار مشہور ہے، اور اس لئے کہ اس نے حقیقت اسلام کو قبول کیا اور وہ ایمان کی تصدیق اور اس کے ساتھ اقرار ہے اسلئے کہ اقرار دل سے ہوا ہے جیسا کہ معلوم ہے، اور حقیقت ایمان کو رد نہیں کیا جا سکتا ہے۔

تشریح : امام ابوحنیفہؒ کی ایک دلیل تو یہ ہے کہ حضرت علیؓ بچپنے میں مسلمان ہوئے اور حضورؐ نے اس کو قبول کیا، یہ دلیل اوپر گزر چکی ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ بچے کے دل میں ایمان ہے اس لئے اس کو تو مومن ہی کہنا پڑے گا، اس لئے وہ مومن ہے۔

ترجمہ : ٤ اس کے ساتھ ہمیشہ کی سعادت ہے، نجات ہے، آخرت ہے اور یہ سب بڑے بڑے فائدے ہیں اور یہی اصلی حکم ہے، دوسرے احکام اس کے بعد آتے ہیں اس لئے میراث وغیرہ کا نقصان ہو تو اس کی پرواہ نہیں کی جائے گی۔

تشریح : یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے، انہوں نے فرمایا تھا کہ اسلام لانے سے باپ کی میراث نہیں ملے گی، اس کا جوب دیا جا رہا ہے کہ آخرت کی نجات بڑی ہے، اور اصلی ہے اس کے مقابلے میں میراث کے نقصان کی پرواہ نہیں کی جائے گی اور بچے کو مومن مانا جائے گا۔۔ بشوبہ: جو اس میں نقصان شامل ہے۔

۵ وَلَهُمْ فِي الرِّدَّةِ أَنَّهَا مَضَرَّةٌ مَحْضَةٌ، بِخِلَافِ الْإِسْلَامِ عَلَى أَصْلِ أَبِي يُوسُفَ؛ لِأَنَّهُ تَعَلَّقَ بِهِ أَعْلَى الْمَنَافِعِ عَلَى مَا مَرَّ. ٦ وَلِأَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ فِيهَا أَنَّهَا مَوْجُودَةٌ حَقِيقَةً، وَلَا مَرَدَّ لِلْحَقِيقَةِ كَمَا قُلْنَا فِي الْإِسْلَامِ، إِلَّا أَنَّهُ يُجْبَرُ عَلَى الْإِسْلَامِ لِمَا فِيهِ مِنَ النَّفْعِ لَهُ، وَلَا يُقْتَلُ؛ لِأَنَّهُ عُقُوبَةٌ، وَالْعُقُوبَاتُ مَوْضُوعَةٌ عَنِ الصِّبْيَانِ مَرْحَمَةً عَلَيْهِمْ. ٧ وَهَذَا فِي الصَّبِيِّ الَّذِي يَعْقِلُ. وَمَنْ لَا يَعْقِلُ مِنَ الصِّبْيَانِ لَا يَصِحُّ ارْتِدَادُهُ؛ ٨ لِأَنَّ إِقْرَارَهُ لَا يَدُلُّ عَلَى تَغَيُّرِ الْعَقِيدَةِ، وَكَذَا الْمَجْنُونُ وَالسَّكْرَانُ الَّذِي لَا يَعْقِلُ.

ترجمہ :۵ مرتد ہونے کے بارے میں امام ابو یوسف، امام شافعی، اور زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس میں خالص نقصان ہے [اس لئے بچے کا ارتداد قبول نہیں کیا جائے گا]، البتہ اسلام کے بارے میں امام ابو یوسفؒ کا قاعدہ یہ گزرا کہ اس میں آخرت کے بڑے بڑے فائدے ہیں اس لئے انکے یہاں بچے کا اسلام قبول کر لیا جائے گا۔

تشریح :ارتداد قبول نہ کرنے کے بارے میں امام شافعیؒ امام زفر اور امام ابو یوسفؒ تینوں کی دلیل یہ ہے کہ مرتد ہونے میں آخرت کا اور دنیا کا خالص نقصان ہے اس لئے بچے کی بات قبول نہیں کی جائے گی، البتہ امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ اسلام لانے میں فائدہ ہی فائدہ ہے اس لئے اس کو قبول کیا جائے گا۔

ترجمہ : ٦ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ بچے کے دل میں ارتداد موجود ہے تو اس کا انکار کیسے کیا جا سکتا ہے، جیسے اسلام کے بارے میں کہا کہ وہ دل میں موجود ہے تو اس کا کیسے انکار کیا جائے گا [اس لئے بچے کے ارتداد کو بھی قبول کیا جائے گا، جیسے اس کے اسلام کو قبول کیا جاتا ہے]۔ مگر اسلام پر مجبور کیا جائے گا اس لئے کہ اس میں بہت نفع ہے، لیکن بچے کو قتل نہیں کیا جائے گا اس لئے کہ یہ سزا ہے، اور بچوں پر رحم کی وجہ سے اس سے سزا اٹھالی گئی ہے۔

تشریح :ارتداد کے بارے میں امام ابو حنیفہؒ و محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ ارتداد کا یقین بچے کے دل میں موجود ہے تو حقیقت میں وہ مرتد ہی ہے اسلئے اس کو مرتد ہی قرار دیا جائے گا، جیسے ایمان کا یقین ہو تو اسکو مومن ہی قرار دیا جاتا ہے، البتہ چونکہ اسلام میں نفع موجود ہے اسلئے دوبارہ اسلام لانے پر مجبور کیا جائے گا، لیکن چونکہ بچے سے سزا اٹھالی گئی ہے اسلئے مرتد ہونے پر اس کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

ترجمہ:۷ اوپر کی یہ تفصیل سمجھدار بچے کے بارے میں ہے لیکن بچہ ابھی سمجھدار نہیں ہوا ہے اسکے مرتد ہونے کا اعتبار نہیں ہے اسلئے اسکا اقرار عقیدے کی تبدیل پر دلالت نہیں کرتا، یہی حال ہے مجنون کا، اور ایسے مست کا جو سمجھتا نہ ہو کہ اسکے ارتداد کا اعتبار نہیں ہے۔

ترجمہ : ۸ جو بچہ سمجھدار نہیں ہے وہ جو کچھ بولتا ہے وہ اس کے دل کی ترجمانی نہیں ہوتی، بلکہ زبان پر جو کچھ آیا وہی بول رہا ہے اس لئے اس کے اسلام اور ارتداد کا اعتبار نہیں ہے، مجنون اور ایسا مست جو سمجھتا نہیں ہے اسلام لانے اور مرتد ہونے میں اس کا بھی اعتبار نہیں ہے۔

﴿بَابُ الْبُغَاۃِ﴾

(۲۹۱۹) وَإِذَا تَغَلَّبَ قَوْمٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ عَلَى بَلَدٍ وَخَرَجُوا مِنْ طَاعَةِ الْإِمَامِ دَعَاهُمْ إِلَى الْعَوْدِ إِلَى الْجَمَاعَةِ وَكَشَفَ عَنْ شُبْهَتِهِمْ ؛ لِ لِأَنَّ عَلِيًّا فَعَلَ كَذَلِكَ بِأَهْلِ حَرُورَاءَ قَبْلَ قِتَالِهِمْ، وَلِأَنَّهُ أَهْوَنُ الْأَمْرَيْنِ. وَلَعَلَّ الشَّرَّ يَنْدَفِعُ بِهِ فَيُبْدَأُ بِهِ

﴿ باغیوں کے احکام ﴾

نوٹ :بغات باغی کی جمع ہے، جیسے قضاۃ قاضی کی جمع ہے۔اس کا ترجمہ ہے امام المسلمین کی اطاعت سے نکل جانا۔امام حق ہو،اور شریعت کا پابند ہو،اور رعایا پر ظلم نہیں کرتا ہو،سب کے حقوق کو ادا کرتا ہو تو اس کی اطاعت کرنا واجب ہے،اور ایسے حاکم کے خلاف جو بغاوت کرے وہ باغی کہلائے گا۔لیکن اگر امام ہی حق پر نہ ہو، نہ وہ شریعت کا پابند ہو۔وہ رعایا پر ظلم کرتا ہو،صرف اپنے گروپ کو نوازتا ہو،اور لوگوں کے حقوق ادا نہ کرتا ہو تو اس کے خلاف بغاوت کرنے کو باغی نہیں کہلائے گا بلکہ اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے والا کہلائے گا۔

نوٹ:اس دور میں اس قسم کے منصف حاکم دیکھنے میں نہیں آتا۔

ترجمہ :(۲۹۱۹) مسلمانوں کی کوئی قوم کسی شہر پر مسلط ہو جائے اور امام کی اطاعت سے نکل جائے تو ان کو جماعت کی طرف لوٹنے کی دعوت دے۔اور ان کے شبہ کو رفع کرے۔

ترجمہ :لِ اس لئے کہ حضرت علیؓ نے حروراء والوں کے ساتھ ایسا کیا تھا،اور اس وجہ سے کہ قتال کرنے سے سمجھانا آسان ہے،اور شاید کہ سمجھانے سے شرارت دور ہو جائے،اس لئے پہلے سمجھانے کی کوشش کرنا چاہئے۔

تشریح:مسلمان کی ایک جماعت امام کے خلاف ہو جائے اور اس کی اطاعت سے نکل کر کسی شہر پر قابض ہو جائے تو اس کو جماعت میں شامل ہونے کی دعوت دی جائے گی۔اگر جماعت میں شامل ہونے میں کوئی شبہ ہے تو اس کو دور کیا جائے گا۔اور چونکہ وہ مسلمان ہیں اس لئے جب تک وہ ہم سے جنگ شروع نہ کریں ہم ان سے جنگ نہیں کریں گے۔

وجہ :(ا)اس کا اشارہ آیت میں موجود ہے۔وان طائفتان من المؤمنين اقتتلوا فاصلحوا بينهما فان بغت احداهما على الاخرى فقاتلوا التي تبغي حتى تفيئ الى امر الله فان فاء ت فاصلحوا بينهما بالعدل واقسطوا ان الله يحب المقسطين ۔(آیت ۹،سورۃ الحجرات ۴۹)اس آیت میں تین باتیں ہیں[ا] اگر اختلاف ہو

(۲۹۲۰) وَلَا يَبْدَأُ بِقِتَالٍ حَتّٰى يَبْدَءُ وهُ، فَإِنْ بَدَءُ وهُ قَاتَلَهُمْ حَتّٰى يُفَرِّقَ جَمْعَهُمْ.

جائے تو پہلے اس کی اصلاح کرنے کی کوشش کرو[۲] اگر جنگ شروع کردے تب اس سے جنگ کرو[۳] باغی مان لیں تو اب اس پر ظلم نہ کرو بلکہ اصلاح کرو اور انصاف کرو۔(۲) ان خفتم شقاق بینهما فابعثوا حکما من اهله و حکما من اهلها ان یریدا اصلاحا یوفق الله بینهما ۔(آیت ۳۵، سورۃ النساء۴) اس آیت میں ہے کہ اگر آپس میں اختلاف ہو جائے تو پہلے اصلاح کرنے کی کوشش کرو۔(۳) حدیث میں ہے سمعت عرفجة قال سمعت رسول الله ﷺ یقول انه ستکون هنات و هنات فمن اراد ان یفرق امر هذه الامة و هی جمیع فاضربوه بالسیف کائنا من کان. (مسلم شریف، باب حکم من فرق امر المسلمین وهو مجتمع ص ۸۲۸، نمبر ۱۸۵۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کوئی جماعت مسلمانوں کو منتشر کرنے کی کوشش کرے تو اس سے قتال کیا جائے گا۔(۴) حضرت علیؓ سے حروریہ کی جماعت باغی ہوگئی تھی تو حضرت عبداللہ بن عباس ان کو سمجھانے گئے تھے۔ اور ان کے شبہ کو دور کرنے گئے تھے۔ ان کا تین شبہ تھا جس کا شافی بخش جواب دیا صاحب ہدایہ نے اس کا ذکر کیا۔ لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ حدثنا عبد الله بن عباسؓ قال لما خرجت الحروریة اجتمعوا فی دار وهم ستة آلاف اتیت علیا فقلت یا امیر المومنین ابرد بالظهر لعلی اتی هؤلاء القوم فاکلمهم ... قال عبد الله بن عباسؓ فرجع من القوم الفان وقتل سائرهم علی ضلالة (مستدرک للحاکم، کتاب قتال اهل البغی وهو آخر الجهاد، ج ثانی، ص ۱۶۴، نمبر ۲۶۵۶/د) اس حدیث میں ہے کہ باغی جماعت کو شبہ ہو جائے تو ان کو سمجھایا جائے۔(۵) مسند احمد میں بھی اہل حروراء کے بارے میں لمبی حدیث ہے۔ جاء عبد الله بن شداد فدخل علی عائشه ......فواضعو عبد الله بن عباس الکتاب ثلاثة ایام فرجع منهم اربعة الاف ۔(مسند احمد، باب مسند علی بن طالب، ج اول، ص ۱۳۹، نمبر ۶۵۸) اس میں اہل حروراء کا پورا واقعہ ہے۔

ترجمہ:(۲۹۲۰) پس اگر وہ ابتدا کریں تو ان سے قتال کرے۔ یہاں تک کہ ان کا جتھا ٹوٹ جائے۔

تشریح: باغی جماعت ہم سے جنگ شروع کردیں تو اب ان سے قتال کیا جائے گا اور اتنا قتال کیا جائے گا کہ ان کی جمعیت ٹوٹ جائے۔ پس اگر کوئی اچھی خاصی جماعت ہو تو ان کے زخمیوں کو قید کرے اور ان کے بھاگنے والوں کا پیچھا کرے تا کہ وہ بدحواس ہو کر دوبارہ جمع ہونے کی کوشش نہ کریں۔ اور جن کی کوئی اچھی خاصی جماعت نہیں ہے اس کے زخمیوں کو قید نہ کرے اور نہ بھاگنے والوں کا پیچھا کرے۔ کیونکہ اس کی جماعت نہیں ہے تو یوں بھی وہ منتشر ہو گئے۔

وجہ:(۱) وہ جنگ کی ابتدا کریں تب ہم جنگ کریں اس کی دلیل یہ قول تابعی ہے۔ خاصم عمر بن عبد العزیز الخوارج فرجع من رجع منهم و ابت طائفة منهم ان یرجعوا فارسل عمر رجلا علی خیل و امره ان ینزل

۱؎ قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ: هَكَذَا ذَكَرَهُ الْقُدُورِيُّ فِي مُخْتَصَرِهِ. وَذَكَرَ الْإِمَامُ الْمَعْرُوفُ بِخُوَاهَرْ زَادَهْ أَنَّ عِنْدَنَا يَجُوزُ أَنْ يَبْدَأَ بِقِتَالِهِمْ إذَا تَعَسْكَرُوا وَاجْتَمَعُوا. ۲؎ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَا يَجُوزُ حَتَّى يَبْدَءُوا بِالْقِتَالِ حَقِيقَةً؛ لِأَنَّهُ لَا يَجُوزُ قَتْلُ الْمُسْلِمِ إلَّا دَفْعًا وَهُمْ مُسْلِمُونَ، بِخِلَافِ الْكَافِرِ؛ لِأَنَّ نَفْسَ الْكُفْرِ مُبِيحٌ عِنْدَهُ. ۳؎ وَلَنَا أَنَّ الْحُكْمَ يُدَارُ عَلَى الدَّلِيلِ وَهُوَ الِاجْتِمَاعُ وَالِامْتِنَاعُ، وَهَذَا؛ لِأَنَّهُ لَوْ انْتَظَرَ الْإِمَامُ حَقِيقَةَ قِتَالِهِمْ رُبَّمَا لَا يُمْكِنُهُ الدَّفْعُ فَيُدَارُ عَلَى الدَّلِيلِ ضَرُورَةَ دَفْعِ شَرِّهِمْ،

حيث يرحلون ولا يحركهم ولا يهيجهم،فان قتلوا وافسدوا فی الارض فاسط عليهم وقاتلهم وان هم لم يقتلوا ولم يفسدوا فی الارض فدعهم يسيرون (مصنف ابن ابی شیبۃ ۳۰ ما ذکر فی الخوارج، ج سابع ص ۵۵۶، نمبر ۳۷۸۹۵)اس اثر میں ہے کہ وہ قتال کرے اور زمین میں فساد برپا کرے تو قتال کیا جائے۔اور اگر قتال نہ کرے تو ان کو زمین میں گھومنے دیا جائے۔اس سے معلوم ہوا کہ قتال شروع کرے تب ہی اس سے جنگ کی جائے ورنہ نہیں۔

ترجمہ:۱؎ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ قدوری میں تو اتنا ہی ذکر ہے کہ [کہ جب تک باغی قتال شروع نہ کرے ہم قتال نہیں کریں گے]لیکن امام خواہرزادہ نے ذکر کیا ہے کہ اگر باغی جمع ہو جائے اور لشکر کی تیاری کریں تب بھی ان سے قتال شروع کر دینے کی گنجائش ہے۔

تشریح :امام خواہرزادہ نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر باغی لشکر تیار کرنے لگ جائے اور اپنی جماعت کی تشکیل کر دے تو اس وقت بھی ان سے قتال کرنا جائز ہو جائے گا، چاہے وہ ابھی قتال شروع نہ کیا ہو۔

ترجمہ :۲؎ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ جب تک حقیقی طور پر قتال شروع نہ کرے باغی سے قتال کرنا جائز نہیں ہے،اسلئے کہ مسلمان سے صرف دفعیہ کے طور پر ہی قتال کر سکتا ہے، بخلاف کافر کے اسلئے کہ انکے یہاں کفر ہی قتال کو مباح کرنے کیلئے کافی ہے

تشریح:امام شافعیؒ کی رائے ہے کہ باغی مسلمان ہے،اور مسلمان سے صرف دفعیہ کے طور پر قتال جائز ہے،اس لئے جب تک وہ قتال شروع نہ کرے اس سے قتال کرنا جائز نہیں ہے،صرف لشکر کی تیاری کی ہے، یا لوگوں کو جمع کیا ہے تو اس سے ابھی قتال کرنا جائز نہیں ہوگا۔البتہ کافر نے لشکر کی تیاری کی ہے تو اس سے قتال کرنا جائز ہوگا،اس لئے کہ امام شافعیؒ کے یہاں کافر کا کفر ہی قتال مباح کرنے کے لئے کافی ہے،چاہے لشکر کی تیاری نہ کی ہو۔

ترجمہ :۳؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ حکم کا مدار دلیل پر ہے اور وہ لوگوں کا جمع ہونا اور امام کی اتباع سے رکنا،اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر حقیقت میں قتال کا انتظار کرے تو کبھی ایسا بھی ہوگا کہ اس کو دفع کرنا ممکن نہیں ہوگا اس لئے اس کی شرارت کو دور کرنے کے لئے دلیل ہی پر قتال کا حکم لگ جائے گا۔

۴﴿وَإِذَا بَلَغَهُ أَنَّهُمْ يَشْتَرُونَ السِّلَاحَ وَيَتَأَهَّبُونَ لِلْقِتَالِ يَنْبَغِي أَنْ يَأْخُذَهُمْ وَيَحْبِسَهُمْ حَتَّى يُقْلِعُوا عَنْ ذٰلِكَ وَيُحْدِثُوا تَوْبَةً دَفْعًا لِلشَّرِّ بِقَدْرِ الْإِمْكَانِ. ۵﴿ وَالْمَرْوِيُّ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ مِنْ لُزُومِ الْبَيْتِ مَحْمُولٌ عَلَى حَالِ عَدَمِ الْإِمَامِ، أَمَّا إِعَانَةُ الْإِمَامِ الْحَقِّ فَمِنَ الْوَاجِبِ عِنْدَ الْغَنَاءِ وَالْقُدْرَةِ.

(۲۹۲۱) فَإِنْ كَانَتْ لَهُمْ فِئَةٌ أُجْهِزَ عَلَى جَرِيحِهِمْ وَأُتْبِعَ مُوَلِّيهِمْ ۱﴿ [دَفْعًا لِشَرِّهِمْ كَيْ لَا يَلْحَقُوا بِهِمْ] وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ فِئَةٌ لَمْ يُجْهَزْ عَلٰى جَرِيحِهِمْ وَلَمْ يُتْبَعْ مُوَلِّيهِمْ ۱﴿ لِانْدِفَاعِ الشَّرِّ دُونَهُ.

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ لشکر جمع کرنا اور امام کی اتباع سے رکنا جنگ کی دلیل ہے اس لئے اس پر بھی قتال کا حکم لگ جائے گا، کیونکہ اگر امام قتال کا انتظار کرے تو ممکن ہے کہ اس کا مقابلہ نہ کر سکے، اس لئے قتال کی دلیل ہی پر جنگ کرنا جائز ہو جائے گی۔

ترجمہ: ۴﴿ اور جب امام کو یہ خبر پہنچے کہ وہ لوگ ہتھیار خرید رہے ہیں اور قتال کی تیاری کر رہے ہیں تو مناسب یہ ہے کہ باغی کو پکڑے اور اس کو قید میں ڈال دے تاکہ باغی اس سے رک جائیں، اور بقدر امکان اس شر سے توبہ کر لیں۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۵﴿ اور امام ابو حنیفہؒ سے جو یہ روایت ہے کہ فتنہ کے وقت میں گھر میں بیٹھ جاؤ تو یہ اس وقت ہے کہ امام موجود نہ ہو، لیکن حق امام ہو تو جہاں تک قدرت ہو اس کی مدد کرنا واجب ہے۔

وجہ: امام ابو حنیفہؒ کا قول کہ فتنہ میں ایک کنارے پر رہنا چاہئے اس حدیث میں موجود ہے۔ عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ ستكون فتن القاعد فيها خير من القائم ، و القائم فيها خير من الماشي و الماشي فيها خير من الساعي من تشرف لها تستشرفه فمن وجد ملجأ او معاذا فليعذ به ۔(بخاری شریف، باب تکون فتن القاعد فیہا خیر من القائم، ص ۱۲۲۰، نمبر ۷۰۸۱) اس حدیث میں ہے کہ فتنے کے زمانے میں پناہ کی کوئی جگہ ملے تو وہاں پناہ لے لینا چاہئے۔

ترجمہ: (۲۹۲۱) اگر باغی کی کوئی مدد کرنے والی جماعت ہو تو اس کے زخمیوں کو قتل کر دیا جائے گا، اور بھاگنے والے کا پیچھا کیا جائے گا [اس کے شر کو دفع کرنے کے لئے تاکہ جماعت سے مل کر دوبارہ جنگ نہ کریں] اور اگر اس کی مدد کرنے والی جماعت نہ ہو تو اس کے زخمیوں کو قتل نہیں کیا جائے گا، اور اس کے بھاگنے والے کا پیچھا نہیں کیا جائے گا۔

ترجمہ: ۱﴿ کیونکہ اس سے پہلے ہی شر دفع ہو گیا ہے۔

تشریح: اور اس کے پیچھے جماعت ہو تو اس کے قیدی کو گرفتار کرے۔ اور بھاگنے والوں کا پیچھا اس لئے کرے کہ یہ لوگ جماعت کے ساتھ مل کر زیادہ شر نہ پھیلائے۔ اور اگر اس کی توقع نہ ہو تو قیدی گرفتار نہ کرے اور نہ بھاگنے والوں کا پیچھا کرے۔

۲؎ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لا يَجُوزُ ذٰلِكَ فِي الْحَالَيْنِ؛ لِأَنَّ الْقِتَالَ إذَا تَرَكُوهُ لَمْ يَبْقَ قَتْلُهُمْ دَفْعًا. وَجَوَابُهُ مَا ذَكَرْنَاهُ أَنَّ الْمُعْتَبَرَ دَلِيلُهُ لا حَقِيقَتُهُ. (۲۹۲۲) وَلَا يُسْبَى لَهُمْ ذُرِّيَّةٌ وَلَا يُقَسَّمُ لَهُمْ مَالٌ ۱؎ لِقَوْلِ عَلِيٍّ يَوْمَ الْجَمَلِ: وَلَا يُقْتَلُ أَسِيرٌ وَلَا يُكْشَفُ سِتْرٌ وَلَا يُؤْخَذُ مَالٌ، وَهُوَ الْقُدْوَةُ فِي هٰذَا الْبَابِ.

وجہ:(۱) باغی کی جماعت نہ ہوتو اس کے زخمی کو قید نہ کیا جائے اور اس کے بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن ابن عمرؓ قال قال رسول الله ﷺ لعبد الله بن مسعود یا ابن مسعود اتدری ما حکم الله فیمن بغی من هذه الامة ؟ قال ابن مسعود الله ورسوله اعلم.قال فان حکم الله فیهم ان لا یتبع مدبرهم ولا یقتل اسیرهم ولا یذفف علی جریحهم (مستدرک للحاکم، کتاب قتال اہل البغی، ج ثانی،ص ۱۶۸،نمبر ۲۶۶۲/ سنن للبیہقی، باب اہل البغی اذا فاؤوالم یتبع مد برھم ول یقتل اسیرھم الخ، ج ثامن،ص ۳۱۴،نمبر ۱۶۷۴۷)(۲)عن ابی امامةؓ قال شهدت صفین فکانوا لا یجهزون علی جریح و لا یقتلون مولیا و لا یسلبون قتیلا ۔ (مستدرک للحاکم، کتاب قتال اہل البغی، ج ثانی،ص ۱۶۷،نمبر ۲۶۶۰) اس حدیث میں ہے کہ باغی کے بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے نہ ان کے قیدی کو قتل کرے،اور نہ ان کے زخمی کو قتل کرے،اور نہ اس مال چھینا جائے۔کیونکہ وہ مسلمان ہیں۔

لغت:فئۃ :جماعت، اجھز :مارڈالے۔ جریح:اسم مفعول کے معنی میں ہے زخمی،مولی:ولی سے مشتق ہے پیٹھ پھر کر بھاگنے والا۔

ترجمہ:۲؎ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ دونوں حالت میں[چاہے اس کے پیچھے مدد کرنے والی جماعت ہو یا نہ ہو دونوں حالتوں] بھاگنے والے کا پیچھا نہیں کیا جائے گا،اس لئے کہ اب اس کا قتال باقی نہیں رہا۔ہمارا جواب ہ ہے کہ دلیل پر ہی قتال جائز ہے،چاہے ابھی حقیقی قتال نہ کر رہا ہو۔

تشریح:امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ بھاگنے والے باغی کے پیچھے مدد کرنے والی جماعت ہو یا نہ ہر حال میں جب ان لوگوں نے ہار مان لی تو اب اسکے زخمی کو قتل نہیں کیا جائے گا،اور اسکے بھاگنے والے کا پیچھا نہیں کیا جائے گا،کیونکہ اب وہ قتال نہیں کر رہا ہے۔

وجہ:ان کی دلیل اوپر کا قول صحابی ہے جس میں ہے کہ بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے،اور اس میں یہ قید نہیں ہے کہ اس کے پیچھے جماعت ہو اس لئے دونوں صورتوں میں اس کا پیچھا کرنا جائز نہیں ہوگا۔۔ہمارا جواب یہ ہے کہ اگر اس کو چھوڑ دیں گے تو وہ اس جماعت کے ساتھ مل کر دوبارہ حملہ کرے گا،اس دلیل کی بنا پر اس کو قتل کرنا جائز ہوگا۔

ترجمہ:(۲۹۲۲) نہ قید کرے ان کی اولاد کو اور نہ تقسیم کرے ان کا مال۔

ترجمہ:۱؎ حضرت نے جنگ جمل میں فرمایا تھا کہ قیدیوں کو قتل نہ کیا جائے،انکے ستر کو نہ کھولا جائے اور نہ اس کا مال لیا جائے،اس باب میں حضرت علیؓ کا قول رہنمائی کی چیز ہے۔

۲؎ وَقَوْلُهُ فِيْ الْأَسِيرِ تَأْوِيلُهُ إِذَا لَمْ يَكُنْ لَهُمْ فِئَةٌ، فَإِنْ كَانَتْ يَقْتُلُ الْإِمَامُ الْأَسِيرَ، وَإِنْ شَاءَ حَبَسَهُ لِمَا ذَكَرْنَا،

تشریح :مسلمان باغی کی اولاد کوقید کر کے غلام باندی نہ بنائے اور نہ ان کے مال کوغنیمت بنا کر تقسیم کرے۔

وجہ:(۱) یہ لوگ مسلمان ہیں اس لئے ان کی اولاد غلام باندی نہیں بنائی جاسکتیں اور نہ ان کا مال تقسیم کیا جاسکتا ہے(۲) قول صحابی میں اس کا ثبوت ہے۔امر علیؓ منادیه فنادی یوم البصرة لا یتبع مدبر ولا یذفف علی جریح ولا یقتل اسیر ومن اغلق بابه فهو آمن ومن القی سلاحه فهم آمن ولم یأخذ من متاعهم شیئا (۲) اور دوسری روایت میں ہے۔سأل علیاً عن سبی الذریة فقال لیس علیهم سبی انما قاتلنا من قاتلنا (سنن للبیہقی ،باب اہل البغی اذا فاووالم یتبع مدبرهم ولم یقتل اسیرهم الخ ،ج ثامن ،ص۳۱۴،نمبر ۱۶۷۴۷رنمبر ۱۶۷۴۹)۔(۳) صاحب ہدایہ کا قول صحابی یہ ہے.ان علیا لما هزم طلحة و اصحابه امر منادیه ان لا یقتل مقبل و لا مدبر و لا یفتح باب و لا یستحل فرج و لا مال ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ،باب کتاب الجمل ،فی مسیرۃ عائشۃ وعلی وطلحۃ والزبیر،ج سابع ،ص ۵۳۸،نمبر ۳۷۷۷۸)اس قول صحابی میں ہے کہ باغی کے مال کونہیں لیا جائے گا نہ اس کوغلام باندی بنایا جائے گا،اور نہ بھاگنے والے کا پیچھا کیا جائے گا۔(۴)قال لم یسب علیؓ یوم الجمل و لا یوم النهروان ۔(سنن للبیہقی ،باب اہل البغی اذا فاووالم یتبع مدبرهم ولم یقتل اسیرهم الخ ،ج ثامن ،ص ۳۱۵،نمبر ۱۶۷۵۰)ان تینوں قول صحابی سے معلوم ہوا کہ ان کی اولاد غلام باندی نہیں بنائی جاسکتی ہیں۔اور نہ ان کا مال تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

لغت: تسبی : سبی سے مشتق ہے قیدی بنانا، ذریۃ : اولاد۔

ترجمہ :۲؎ صاحب ہدایہ نے کہا کہ باغی قیدی قتل نہیں کیا جائے گا،اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے پیچھے کائی جماعت نہ ہوتو قتل نہیں کیا جائے گا،لیکن اگر اس کے پیچھے کوئی جماعت ہوتو امام قیدی کوقتل کرے گا،اور چاہے تو اس کوقید کرے گا،اس دلیل کی بنا پر جوہم نے بیان کیا[کہ یہ جنگ کی علامت ہے،اور علامت پر بھی یہ کاروائی کی جاسکتی ہے]

تشریح :اوپر صاحب ہدایہ نے کہا تھا کہ باغی کے قیدی کوقتل نہیں کیا جائے گا، یہ اس وقت ہے کہ اس کی مدد کے لئے کوئی جماعت نہ ہواور یہ یقین ہوکو یہ قیدی زندہ بچ کر مسلمانوں کے خلاف دوبارہ جنگ نہیں کریں گے تب اس کے قیدی کوقتل نہیں کیا جائے گا،لیکن اگر اس کا غالب گمان ہو کہ یہ دوبارہ ہم سے جنگ کریں گے، یا اس کی مدد میں کوئی جماعت ہے جس کے ساتھ مل کر دوبارہ جنگ کریں گے تب تو اس کے قیدی کوقتل کردیا جائے گا، تا کہ یہ دوبارہ جنگ نہ کرسکیں۔اور اس کا بھی اختیار ہے کہ ان قیدیوں کو جنگ کے رفع دفع ہونے تک قید میں رکھے

۳ وَلِأَنَّهُمْ مُسْلِمُونَ وَالْإِسْلَامُ يَعْصِمُ النَّفْسَ وَالْمَالَ. ۴ وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يُقَاتِلُوا بِسِلَاحِهِمْ إِنْ احْتَاجَ الْمُسْلِمُونَ إِلَيْهِ ۵ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَا يَجُوزُ، وَالْكُرَاعُ عَلَىٰ هٰذَا الْخِلَافِ. لَهُ أَنَّهُ مَالُ مُسْلِمٍ فَلَا يَجُوزُ الِانْتِفَاعُ بِهِ إِلَّا بِرِضَاهُ. ۶ وَلَنَا أَنَّ عَلِيًّا قَسَّمَ السِّلَاحَ فِيمَا بَيْنَ أَصْحَابِهِ بِالْبَصْرَةِ وَكَانَتْ

ترجمہ:۳ اوراس لئے کہ یہ باغی مسلمان ہیں اوراسلام جان اور مال کی حفاظت کرتا ہے [اس لئے اسلام کی وجہ سے ان باغیوں کوقتل نہیں کیا جائے گا۔

تشریح :باغی کی اولاد کوغلام نہیں بنایا جائے گا،اس کی عورتوں کو باندی نہیں بنائی جائے گی،اس کے مال کولیا نہیں جائے گا، کیونکہ وہ مسلمان ہیں،اوراسلام جان اور مال کی حفاظت کرتا ہےاس لئے انکو نہ غلام بنایا جائے گا،اوراس کے مال کولیا جائے گا۔

ترجمہ:۴ اورکوئی حرج نہیں ہے اگران کے ہتھیار سے جنگ کرے اگر مسلمانوں کواس کی ضرورت ہو۔

تشریح :اگرمسلمانوں کو باغیوں کے ہتھیار سے جنگ کرنے کی ضرورت پڑ جائے تو وہ اس سے جنگ کرسکتا ہے۔

وجہ:(۱)میدان جنگ میں کبھی اسکی ضرورت پڑ جاتی ہےاسلئے اسکی گنجائش ہے(۲)اس قول صحابی میں اسکا ثبوت ہے۔ کان علیؓ اذااتی باسیر یوم صفین اخذ دابته وسلاحه واخذ علیه ان یعود وخلی سبیله (مصنف ابن ابی شیبۃ ۲باب ماذکرفی صفین، ج سابع ،ص ۵۴۸،نمبر ۳۷۸۴۸)اس قول صحابی میں ہے کہ قیدیوں کا ہتھیار اور سواری لے لیا کرتے تھے۔جس سے معلوم ہوا کہ باغیوں کا ہتھیار لینا جائز ہےتا کہ وہ دوبارہ جنگ نہ کرسکے۔اورہتھیار لینا جائز ہےتواسکواستعمال کرنا بھی جائز ہے۔

ترجمہ:۵ اورامام شافعیؒ نے فرمایا کہ باغی کا ہتھیار لینا جائز نہیں ہے،اوراسی اختلاف پر اونٹ،اور گھوڑے کا لینا بھی ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ مسلمان کا مال ہےاس لئے اس کی رضامندی کے بغیر لینا جائز نہیں ہے۔

تشریح:امام شافعیؒ کی رائے ہے کہ باغی کے پیچھے جماعت ہو یا نہ ہودوصورتوں میں اس کی ہتھیار سے جنگ کرنا جائز نہیں ہے۔

وجہ :(۱)ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ مال مسلمان کا ہےاوراس کی رضامندی کے بغیراس کے مال کو لینا جائز نہیں ہے۔(۲)خود حضرت علی نے اس کے مال کو لینے سے منع فرمایا ہے۔.ان علیا لما هزم طلحة و اصحابه امر منادیه ان لا یقتل مقبل و لا مدبر و لا یفتح باب و لا یستحل فرج و لا مال ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ،باب کتاب الجمل ،فی مسیرۃ عائشۃ وعلی وطلحۃ والزبیر،ج سابع ،ص ۵۳۸،نمبر ۳۷۷۸۷)اس قول صحابی میں ہے کہ باغی کے مال کونہیں لیا جائے گا۔

ترجمہ :۶ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت علی نے بصرہ میں صحابہ کے درمیان باغیوں کا ہتھیار تقسیم کیا،اور یہ تقسیم کرنا ضرورت کی بنا پر تھا، مالک بننے کے لئے نہیں تھا۔اورایک دلیل یہ بھی ہے کہ جو باغی نہیں ہے امام کو یہ حق ہے کہ اسکے مال کو بھی ضرورت کے وقت تقسیم کردے تو باغی کے مال میں بدرجہ اولی یہ جائز ہوگا۔اوراسکی بنیاد یہ ہے کہ اعلی نقصان کو دفع کرنے کیلئے

قِسْمَتُهُ لِلْحَاجَةِ لَا لِلتَّمْلِيكِ، وَلِأَنَّ لِلْإِمَامِ أَنْ يَفْعَلَ ذٰلِكَ فِي مَالِ الْعَادِلِ عِنْدَ الْحَاجَةِ، فَفِي مَالِ الْبَاغِي أَوْلىٰ وَالْمَعْنَى فِيهِ إِلْحَاقُ الضَّرَرِ الْأَدْنَى لِدَفْعِ الْأَعْلىٰ

(۲۹۲۳) وَيَحْبِسُ الْإِمَامُ أَمْوَالَهُمْ فَلَا يَرُدُّهَا عَلَيْهِمْ وَلَا يُقَسِّمُهَا حَتَّى يَتُوبُوا فَيَرُدَّهَا عَلَيْهِمْ ﴿ أَمَّا عَدَمُ الْقِسْمَةِ فَلِمَا بَيَّنَّاهُ. وَأَمَّا الْحَبْسُ فَلِدَفْعِ شَرِّهِمْ بِكَسْرِ شَوْكَتِهِمْ وَلِهَذَا يَحْبِسُهَا عَنْهُمْ، وَإِنْ كَانَ لَا يَحْتَاجُ إِلَيْهَا،

ادنی نقصان دیا جائے [یعنی چھوٹی سی باغی جماعت سے ہتھیار لیکر مسلمان کی بڑی جماعت کو قتل کرنے سے بچایا جائے]

تشریح: ضرورت پڑنے پر امیر باغی کے ہتھیار کو مجاہدین کے درمیان میں تقسیم کر سکتا ہے، اس کی تین دلیلیں دے رہے ہیں [۱] حضرت علیؓ نے جنگ جمل میں باغی کے ہتھیار مجاہدیں کے درمیان تقسیم کیا تھا جس سے معلوم ہوا کہ ضرورت پڑنے پر تقسیم کیا جا سکتا ہے، حضرت علی کا قول یہ ہے۔ **ان علیا قسم یوم الجمل فی العسکر ما اجابوا علیه من سلاح او کراع** ۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ ۲، باب کتاب الجمل، فی مسیرۃ عائشۃ وعلی وطلحۃ والزبیر، ج سابع ،ص ۵۴۳، نمبر ۳۷۸۰۹) [۲] دوسری دلیل یہ ہے کہ جو لوگ باغی نہیں ہیں اگر ضرورت پڑ جائے تو اس کا ہتھیار بھی لیکر تقسیم کر سکتا ہے، اس لئے باغی کا ہتھیار تو بدرجہ اولی تقسیم کر سکتا ہے۔ [۳] تیسری دلیل یہ ہے کہ باغی کا ہتھیار لے لیگا تو وہ قتل نہیں کر سکے گا، اس لئے اس چھوٹی سی جماعت کا نقصان تو ہوا لیکن اس سے بڑی جماعت کا خون بچ گیا، اس لئے اعلی نقصان سے بچانے کے لئے ادنی ضرر برداشت کی جا سکتا ہے۔

ترجمہ: (۲۹۲۳) اور امام روک لے ان کے مال کو اور اس کو واپس نہ دے اور نہ اس کو تقسیم کرے یہاں تک کہ توبہ کرے پھر اس کو ان پر واپس کر دے۔

ترجمہ: ﴿ مال تقسیم نہیں کرے گا اس کی دلیل پہلے بیان کر دیا ہے [حضرت علیؓ کا قول تھا کہ باغی کے مال کو نہیں لیا جائے گا] اور اس کے ہتھیار کو اس لئے روک لیا جائے گا کہ تا کہ اس کی شان شوکت کو توڑ دیا جائے، یہی وجہ ہے کہ امام کو اس ہتھیار کی ضرورت نہ بھی تب بھی اس کو اپنے پاس روک سکتا ہے۔

تشریح: یہ سب مسائل اس اصول پر ہیں کہ چونکہ وہ مسلمان ہیں اس لئے مال تو غنیمت نہیں ہوگا۔ لیکن ایسی صورت ضرور اختیار کی جائے کہ دوبارہ جنگ نہ کر سکیں۔ چنانچہ امام ان کے اموال روک لیں اور توبہ کرنے تک واپس نہ دیں۔ البتہ توبہ کر لیں تو مال ان کو واپس کر دیں۔

وجہ: (۱) اوپر قول صحابی گزرا کہ حضرت علیؓ قیدیوں سے یہ وعدہ لیتے تھے کہ دوبارہ جنگ نہ کریں۔ جب وہ وعدہ کر لیتے تو اس

۲؎ إِلَّا أَنَّهُ يَبِيعُ الْكُرَاعَ؛ لِأَنَّ حَبْسَ الثَّمَنِ أَنْظَرُ وَأَيْسَرُ، ۳؎ وَأَمَّا الرَّدُّ بَعْدَ التَّوْبَةِ فَلِانْدِفَاعِ الضَّرُورَةِ وَلَا اسْتِغْنَامَ فِيهَا.

(۲۹۲۴) قَالَ: وَمَا جَبَاهُ أَهْلُ الْبَغْيِ مِنَ الْبِلَادِ الَّتِي غَلَبُوا عَلَيْهَا مِنَ الْخَرَاجِ وَالْعُشْرِ لَمْ يَأْخُذْهُ الْإِمَامُ ثَانِيًا؛ ۱؎ لِأَنَّ وِلَايَةَ الْأَخْذِ لَهُ بِاعْتِبَارِ الْحِمَايَةِ وَلَمْ يَحْمِهِمْ.

کو چھوڑ دیتے۔ کان علی اذا اتی باسیر یوم صفین اخذ دابته وسلاحه واخذ علیه ان یعود وخلی سبیله (مصنف ابن ابی شیبة ،۲باب ماذکر فی صفین ،ص ۵۴۸،نمبر ۳۷۸۴۸)اس اثر میں ہے واخذ علیه ان یعود وخلی سبیله یعنی جنگ سے واپس چلے جائیں تو اس کو چھوڑ دیتے تھے۔ (۲) اور توبہ کے بعد مال واپس کر دیتے اس کی دلیل حضرت علیؓ کا یہ قول ہے ۔ لما جیئ علیؓ بما فی عسکر اهل النهر قال من عرف شیئا فلیاخذه ،قال فاخذت الا قدر ثم رایتها بعد قد اخذت (مصنف ابن ابی شیبة ،۳ ما ذکر فی الخوارج، ج سابع ،ص ۵۶۳ ،نمبر ۳۷۹۳۰)اس اثر میں ہے کہ حضرت علیؓ نے اہل نہروان کا مال واپس کر دیا اور یوں فرمایا جو اپنے مال کو پہچانے وہ لے جائے۔ جس سے معلوم ہوا کہ توبہ کے بعد باغیوں کا مال واپس کر دیا جائے گا۔

ترجمہ: ۲؎ یہ اور بات ہے کہ سواری کے جانوروں کو بیچ دیا جائے گا اس لئے کہ اس کی قیمت کو محفوظ کرنا مصلحت کے مطابق بھی ہے اور آسان بھی ہے۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۳؎ اور توبہ کے بعد واپس اس لئے کرے گا کہ اب اس کی ضرورت نہیں رہی ،اور یہ مال غنیمت بھی نہیں ہو سکتا ہے۔

تشریح: باغی کے توبہ کے بعد اس کا مال اس لئے واپس کر دیا جائے گا کہ اب مال رکھنے کی ضرورت نہیں رہی ،اور یہ مسلمان کا مال ہے اس لئے غنیمت کا مال بھی نہیں بنا سکتا اس لئے اس کو واپس کرنا ہی بہتر ہے۔ ۔استغنام: غنیمت سے مشتق ہے، غنیمت بنانا۔

ترجمہ: (۲۹۲۴) جو کچھ باغیوں نے وصول کر لیا ان شہروں سے جن پر وہ غالب آ گئے تھے خراج اور عشر تو امام ان سے دوبارہ نہ لے۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ حمایت کرنے کی وجہ سے خراج لیا جاتا ہے اور امام نے اس کی حمایت نہیں کی [اس لئے اس کو لینے کا بھی حق نہیں رہا تھا]

تشریح: باغی جن شہروں پر قابض ہو گئے تھے وہاں کے لوگوں سے خراج اور عشر یا زکوۃ وصول کر لیا تو مالکوں کی جانب سے ادا

(۲۹۲۵) فَإِنْ كَانُوا صَرَفُوهُ فِي حَقِّهِ أَجْزَأَ مَنْ أُخِذَ مِنْهُ. ا لِوُصُولِ الْحَقِّ إِلَى مُسْتَحِقِّهِ

(۲۹۲۶) وَإِنْ لَمْ يَكُونُوا صَرَفُوهُ فِي حَقِّهِ فَعَلَىٰ أَهْلِهِ فِيمَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ اللّٰهِ تَعَالَىٰ أَنْ يُعِيدُوا ذٰلِكَ ؛

ا لِأَنَّهُ لَمْ يَصِلْ إِلَى مُسْتَحِقِّهِ.

ہو گیا۔امام دوبارہ ان شہروں پر قابض ہو جائے تو ان لوگوں سے دوبارہ عشر، خراج اور زکوۃ نہ لے۔

ترجمہ:(۲۹۲۵) پس اگر جو حقدار تھا اس میں خرچ کیا تو زکوۃ دینے والوں کی جانب سے ادا ہو جائے گی۔

ترجمہ:ا کیونکہ وہ مستحق کو پہنچ گیا ہے۔

وجہ:(۱) حدیث میں ہے کہ حبشی غلام بھی امیر بن جائے تو اس کی اطاعت کرنی چاہئے۔اس لئے اگر باغی حاکم بن جائے تو اس کی اطاعت ضروری ہے۔اور اطاعت کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ زکوۃ، صدقات، عشر اور خراج اس کو دے اور ادا بھی ہو جائے۔حدیث یہ ہے۔عن ابی ذرؓ قال ان خلیلیؐ اوصانی ان اسمع و اطیع و ان کان عبدا مجدع الاطراف (مسلم شریف، باب وجوب طاعۃ الامراء فی غیر معصیۃ وتحریمھا فی المعصیۃ، ص۱۲۴، نمبر۴۷۵۵/۱۸۳۷ رسنن للبیہقی، باب اہل البغی اذا غلبوا علی بلد واخذوا صدقات اھلھا واقاموا علیھم الحدود ولم تعد علیھم، ج ثامن، ص۳۲۰، نمبر ۱۶۷۶۸) اس حدیث میں ہے کہ کسی بھی امیر کی اطاعت کرو۔جس سے معلوم ہوا کہ عشر اور زکوۃ کی ادائیگی ہو جائے گی (۲) سألت سعیدًا و ابن عمرؓ و ابا ھریرۃؓ و ابا سعیدؓ فقلت ان لی مالا و انا ارید ان اعطی زکواتہ و لاجد لھا موضعا وھؤلاء یصنعون فیھا ماترون، فقال کلھم امرونی ان ادفعھا الیھم (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۴۸ من قال تدفع الزکوۃ الی السلطان، ج ثانی، ص۳۸۴، نمبر ۱۰۱۸۹) اس اثر میں ہے کہ امراء کچھ بھی کریں ہماری زکوۃ ادا ہو جائے گی۔کیونکہ وہ امیر بن گئے ہیں (۳) ایک اور قول صحابی میں ہے۔سألت ابن عمرؓ فقال ادفعھا الیھم و ان اکلوا بھا لحوم الکلاب فلماعادوا الیہ قال ادفعھا الیھم و ان اکلوا بھا البسار (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۴۸ من قال تدفع الزکوۃ الی السلطان، ج ثانی ص ۳۸۴، نمبر ۱۰۱۹۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ امیر چاہے کیسے ہی ہوں زکوۃ اور عشر وغیرہ اسی کو دی جائے گی۔اب اگر وہ صحیح جگہ پر استعمال کر دیا مثلا زکوۃ کو فقراء اور مساکین تک پہنچا دیا تو مالک کی جانب سے زکوۃ کی ادائیگی ہو جائے گی۔

لغت: جباہ : وصول کر لیا، جمع کیا۔

ترجمہ:(۲۹۲۶) اگر باغی نے حقدار پر خرچ نہیں کیا تو زکوۃ کے مالک پر ہے کہ فیما بینہ وبین اللہ دوبارہ ادا کر دے۔

ترجمہ:ا اس لئے کہ یہ زکوۃ مستحق تک نہیں پہنچا۔

تشریح: باغیوں نے زکوۃ وصول کی اور اسکو غرباء، مساکین پر خرچ نہیں کیا پھر بھی زکوۃ کی ادائیگی ہو گئی۔لیکن غرباء، مساکین کو زکوۃ

۲؎ قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ: قَالُوا الْإِعَادَةُ عَلَيْهِمْ فِي الْخَرَاجِ؛ لِأَنَّهُمْ مُقَاتِلَةٌ فَكَانُوا مَصَارِفَ، وَإِنْ كَانُوا أَغْنِيَاءَ، ۳؎ وَفِي الْعُشْرِ إِنْ كَانُوا فُقَرَاءَ، فَكَذَلِكَ؛ لِأَنَّهُ حَقُّ الْفُقَرَاءِ وَقَدْ بَيَّنَّاهُ فِي الزَّكَاةِ. ۴؎ وَفِي الْمُسْتَقْبَلِ يَأْخُذُهُ الْإِمَامُ؛ لِأَنَّهُ يَحْمِيهِمْ فِيهِ؛ لِظُهُورِ وِلَايَتِهِ.

کا مالک بنانا ضروری ہے اور اس نے بنایا نہیں اسلئے دیانۃ دوبارہ ادا کرنا چاہئے۔ اور اپنے طور پر غرباء، مساکین کو مالک بنانا چاہئے۔

وجہ: (ا) آیت میں مالک بنانے کا اشارہ ہے۔ **انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیها** (آیت ۶۰، سورۃ التوبۃ ۹) اس آیت میں للفقراء کا لام تملیک کے لئے ہے۔ اس لئے فقراء کو مالک بنانا چاہئے۔ اور اس نے مالک نہیں بنایا اس لئے دوبارہ ادا کرے۔ لیکن یہ **فیما بینه وبین الله** ہے۔ قضاء کے طور پر واجب نہیں ہے۔ کیونکہ قضاء کے طور پر تو ادا ہو گئی۔

ترجمہ: ۲؎ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ خراج کو دوبارہ دینے کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے کہ باغی بھی ایک طرح کا مجاہد ہیں تو وہ بھی خراج کا مصرف ہو گئے، چاہے وہ مالدار کیوں نہ ہوں۔

تشریح: صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے باغیوں کو خراج دیا ہے، انکو دوبارہ خراج ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

وجہ: اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ یہ باغی بھی ایک قسم کے مجاہد ہیں اس لئے ان لوگوں پر خرچ کرنے کی وجہ سے خراج ادا ہو گیا ہے، چاہے باغی مالدار ہوں۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ خراج نکالنا کوئی عبادت نہیں ہے اس لئے اس کو دوبارہ نکالنے کی ضرورت نہیں ہے وہ تو حفاظت کی وجہ سے لازم ہوتا ہے، اور اس دوران باغیوں نے ان لوگوں کی حفاظت کی ہے اس لئے اس کو دینے سے خراج ادا ہو گیا ہے۔

ترجمہ: ۳؎ اور عشر کے بارے میں وہ فرماتے ہیں کہ اگر باغی فقیر تھے تب بھی عشر دوبارہ دینے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ یہ لوگ بھی فقیر ہیں، اس بات کتاب الزکوۃ میں ذکر کر دیا ہے۔

تشریح: عشر کے بارے فرماتے ہیں کہ اگر یہ باغی فقیر ہیں اور ان لوگوں پر عشر کے مال کو خرچ کیا تھا تو چونکہ وہ بھی فقیر ہیں اس لئے عشر کی ادائیگی ہو گئی ہے دوبارہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ: ۴؎ آیندہ سال امام ان لوگوں سے زکوۃ، اور خراج وغیرہ لیں گے، کیونکہ اگلے سال امام حق نے ان لوگوں کی حفاظت کی، اور انکی ولایت بھی ظاہر ہو گی۔

تشریح: مثلا پہلی جنوری ۲۰۱۵ء کو امام نے باغیوں کو اس خطے سے ہٹایا تو یہ امام اگلے سال پہلی جنوری ۲۰۱۶ء کو خراج وغیرہ لے گا۔

وجہ: (۱) کیونکہ پہلی جنوری ۲۰۱۵ء سے پہلی جنوری ۲۰۱۶ء تک امام نے ان لوگوں کی حفاظت کی۔ (۲) پہلی جنوری

(۲۹۲۷) وَمَنْ قَتَلَ رَجُلًا وَهُمَا مِنْ عَسْكَرِ أَهْلِ الْبَغْيِ ثُمَّ ظُهِرَ عَلَيْهِمْ فَلَيْسَ عَلَيْهِمْ شَيْءٌ؛ ۱ لِأَنَّهُ لَا وِلَايَةَ لِإِمَامِ الْعَدْلِ حِينَ الْقَتْلِ فَلَمْ يَنْعَقِدْ مُوجِبًا كَالْقَتْلِ فِي دَارِ الْحَرْبِ.

(۲۹۲۸) وَإِنْ غَلَبُوا عَلَى مِصْرٍ فَقَتَلَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْمِصْرِ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ الْمِصْرِ عَمْدًا ثُمَّ ظُهِرَ عَلَى الْمِصْرِ فَإِنَّهُ يُقْتَصُّ مِنْهُ ۱ وَتَأْوِيلُهُ إِذَا لَمْ يَجْرِ عَلَى أَهْلِهِ أَحْكَامُهُمْ وَأُزْعِجُوا قَبْلَ ذٰلِكَ، وَفِي ذٰلِكَ لَمْ تَنْقَطِعْ وِلَايَةُ الْإِمَامِ فَيَجِبُ الْقِصَاصُ.

سے اگلے پہلی جنوری تک ان لوگوں پر اس امام کی ولایت رہی اس لئے اب اگلے سال جنوری ۲۰۱۶ء کو امام خراج، زکوۃ، اور عشر لینے کا حقدار ہو جائے گا۔

ترجمہ: (۲۹۲۷) باغیوں کے لوگوں نے ایک دوسرے کو قتل کر دیا پھر ان لوگوں پر عادل امام کا غلبہ ہوا تو قتل کرنے والے سے قصاص، یا دیت نہیں لیا جائے گا۔

ترجمہ :۱ اس لئے کہ قتل کے وقت عادل امام کا ان باغیوں پر ولایت نہیں تھی اس لئے دیت، یا قصاص کا سبب منعقد نہیں ہوا۔ جیسے دار الحرب میں دو مسلمان ایک دوسرے کو قتل کر دیں تو امام ان سے قصاص، یا دیت نہیں لے سکتا۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جہاں امام کی ولایت نہ ہو وہاں قتل ہوا تو بعد میں ان پر امام کی حکومت ہو جائے تب بھی ان سے قصاص یا دیت نہیں لیا جائے گا، کیونکہ قتل کے وقت امام کی ولایت نہیں تھی۔

تشریح : جہاں پر باغیوں کی حکومت تھی وہاں ایک باغی نے دوسرے باغی کو قتل کر دیا، اس کے بعد عادل امام کا ان پر قبضہ ہو گیا تو عال امام اس قاتل سے نہ قصاص لے گا اور نہ دیت لیگا۔

وجہ : جہاں قتل ہوا ہے وہاں عادل امام کی حکومت نہیں تھی، یہ خود باغی کا حاکم تھا اس کا کام تھا قصاص لینا یا دیت لینا، اس لئے عادل حاکم اب نہ قصاص لیگا اور نہ دیت لیگا۔ اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ دار الحرب میں ایک مسلمان نے دوسرے مسلمان کو قتل کر دیا، اس کے بعد دونوں دار الاسلام آئے تو امیر ان سے قصاص، یا دیت نہیں لے سکے گا، کیونکہ امام کی حکومت میں یہ واقعہ پیش نہیں آیا ہے، اسی طرح یہاں بھی ہوگا۔

ترجمہ : (۲۹۲۸) اگر کسی شہر پر باغی غالب آ گئے اور شہر کے آدمی نے کسی شہر کے آدمی کو جان کر قتل کر دیا، پھر اہل حق اس شہر پر غالب ہوئے تو قاتل سے قصاص لیا جائے گا۔

ترجمہ :۱ اس عبارت کی تاویل یہ ہے کہ باغیوں کی حکومت اس شہر پر مضبوط نہیں ہوئی تھی اور اس سے پہلے ہی ان باغیوں کو اس شہر سے ہٹا دیا گیا تھا، اس صورت میں اہل حق حاکم کی حکومت ختم نہیں ہوئی اس لئے قاتل پر قصاص واجب ہوگا۔

(۲۹۲۹) وَإِذَا قَتَلَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْعَدْلِ بَاغِيًا فَإِنَّهُ يَرِثُهُ، فَإِنْ قَتَلَهُ الْبَاغِي وَقَالَ قَدْ كُنت عَلَى حَقٍّ وَأَنَا الْآنَ عَلَى حَقٍّ وَرِثَهُ، وَإِنْ قَالَ قَتَلْته وَأَنَا أَعْلَمُ أَنِّي عَلَى الْبَاطِلِ لَمْ يَرِثْهُ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ.

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ باغی کی حکومت مضبوط نہیں ہوئی ہو اور قتل ہوا تو چونکہ اندرونی طور پر اہل حق کی حکومت میں قتل ہو ہے اس لئے قصاص لیا جائے گا۔

تشریح: کسی شہر پر باغی کا غلبہ ہوا، ابھی اس کی حکومت مضبوط نہیں ہوئی کہ کسی شہری نے کسی شہری کو قتل کر دیا، پھر اہل حق نے باغی کو ہٹا دیا اور اہل حق نے غلبہ کر لیا تو قاتل سے قصاص لیا جائے گا، کیونکہ اہل حق کی حکومت ہی میں قتل ہوا ہے۔

لغت: از عجو: زعج سے مشتق ہے، ہٹا دیا جانا۔

ترجمہ: (۲۹۲۹) اہل عدل کے آدمی نے کسی باغی کو قتل کیا تو قاتل اس کا وارث ہوگا۔ اور اگر باغی نے قتل کیا اور کہا کہ میں حق پر ہوں تو باغی مقتول کا وارث ہوگا۔ اور اگر کہا کہ میں باطل پر تھا تو وارث نہیں ہوگا، یہ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہے۔

اصول: امام ابو حنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ عادل نے باغی کو قتل کیا تو وہ باغی کا وارث بنے گا، کیونکہ باغی کو قتل کرنا جائز تھا اس لئے عادل نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے۔

اصول: امام ابو حنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ۔ اگر باغی نے عادل کو حق سمجھ کر قتل کیا تو باغی عادل کا وارث بنے گا، اور اگر یہ سمجھ کر قتل کیا کہ میں ناحق پر ہوں تو اب وہ وارث نہیں بنے گا۔

اصول: امام ابو یوسفؒ کا اصول یہ ہے کہ باغی چاہے حق سمجھ کر قتل کرے، یا باطل سمجھ کر قتل کرے دونوں صورتوں میں باغی عادل کا وارث نہیں بنے گا، کیونکہ حقیقت میں وہ باطل پر ہی ہے۔

تشریح: یہاں دو مسئلے ہیں [۱] قاعدہ یہ ہے کہ قاتل کو مقتول کی وراثت نہیں ملتی، لیکن عادل نے باغی کو قتل کیا اور وہ قاتل کا رشتہ دار تھا تو عادل کو اس کی وراثت ملے گی۔

وجہ: عادل پر باغی کو قتل کرنا واجب تھا اس لئے اس کو قتل کر کے کوئی گناہ نہیں کیا، اسی لئے اس عادل پر مقتول کی دیت لازم نہیں ہوگی، اس لئے عادل باغی کا وارث ہوگا۔

[۲] دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ باغی نے عادل کو قتل کر دیا تو اگر وہ کہتا ہے کہ میں حق پر ہوں، اور یہ کہتے ہوئے قتل کیا ہے تو وہ وارث ہو گا، اور اگر وہ کہتا کہ میں باطل پر ہوں اور یہ اقرار کرتے ہوئے عادل کو قتل کیا ہے تو وہ عادل کا وارث نہیں ہوگا۔

وجہ: جب وہ کہتا ہے کہ میں حق پر ہوں تو اسکے ذہن میں عادل کو قتل کرنا کوئی گناہ نہیں ہے، اور یہ بھی اسکے ذہن میں ہے کہ مجھ پر

۱ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: لَا يَرِثُ الْبَاغِي فِي الْوَجْهَيْنِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ. ۲ وَأَصْلُهُ أَنَّ الْعَادِلَ إِذَا أَتْلَفَ نَفْسَ الْبَاغِي أَوْ مَالَهُ لَا يَضْمَنُ وَلَا يَأْثَمُ؛ لِأَنَّهُ مَأْمُورٌ بِقِتَالِهِمْ دَفْعًا لِشَرِّهِمْ، ۳ وَالْبَاغِي إِذَا قَتَلَ الْعَادِلَ لَا يَجِبُ الضَّمَانُ عِنْدَنَا وَيَأْثَمُ. ۴ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ فِي الْقَدِيمِ: إِنَّهُ يَجِبُ، وَعَلَى هٰذَا الْخِلَافُ إِذَا تَابَ الْمُرْتَدُّ، وَقَدْ أَتْلَفَ نَفْسًا أَوْ مَالًا. لَهُ أَنَّهُ أَتْلَفَ مَالًا مَعْصُومًا أَوْ قَتَلَ نَفْسًا

اسکا ضمان لازم نہیں ہوگا۔اور حاکم اس پر ضمان لازم نہیں کرسکتا، کیونکہ باغی کی بڑی طاقت ہے،اور اسکے ذہن میں گناہ نہیں ہے تو وہ وارث ہوگا۔اور اگر وہ کہتا ہے کہ میں باطل پر ہوں تو اسکے ذہن میں ہے کہ میں گناہ کا کام کیا ہے اسلئے اب وہ وارث نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۱ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ باغی کہے کہ میں حق پر ہوں یا باطل پر ہوں دونوں صورتوں میں وہ اہل حق کا وارث نہیں بنے گا،اور یہی قول امام شافعیؒ کا ہے۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ باغی حق سمجھ کر عادل کو قتل کرے یا باطل سمجھ کر دونوں صورتوں میں وہ عادل کا وارث نہیں ہوگا،اور یہی رائے امام شافعیؒ کی ہے۔

وجہ:باغی چاہے حق سمجھ کر عادل کو قتل کیا ہو لیکن حقیقت میں وہ باطل پر ہے اسلئے اسکا قتل گناہ ہے اسلئے وہ عادل کا وارث نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۲ اور اس کا اصل قاعدہ یہ ہے کہ عادل باغی کی جان کو ضائع کرے یا اسکے مال کو ضائع کرے تو وہ نہ اس کا ضامن ہوتا ہے اور نہ گناہ گار ہوتا ہے،اس لئے اہل حق کو اس کی شرارت کو دفع کرنے کیلئے اس سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

تشریح:عادل باغی کو قتل کرے تو وہ وارث ہوگا،اس کی یہ دلیل ہے۔کہ عادل نے باغی کو قتل کر کے کوئی گناہ نہیں کیا ہے اس لئے وہ اس کا وارث ہوگا۔

ترجمہ:۳ اور باغی قتال کرے تو اس پر قتل کرنے کا ضمان نہیں ہے،لیکن ہمارے یہاں وہ گناہ گار ہوگا۔

تشریح: باغی عادل کو قتل کرے تو اس پر ضمان نہیں ہے، کیونکہ وہ حاکم کی ولایت میں نہیں ہے اس لئے وہ ضمان نہیں لے سکے گا،البتہ چونکہ وہ باطل پر ہے اس لئے قتل کرنے سے گناہ گار ہوگا، پس اگر وہ اپنے کو باطل پر سمجھ کر قتل کیا ہو تو وہ وارث نہیں ہوگا،اور اگر حق پر سمجھ کر قتل کیا ہو تو وارث ہوگا۔

ترجمہ: ۴ امام شافعیؒ نے قدیم قول میں کہا تھا کہ باغی پر ضمان واجب ہوگا،اور اسی اختلاف پر ہے اگر مرتد نے توبہ کر لیا، اور اپنی ارتداد کی حالت میں جان کو یا مال کو ضائع کیا تھا [تو ہمارے نزدیک وہ گناہ گار ہوگا،لیکن ضامن نہیں ہوگا۔اور امام شافعیؒ کے یہاں وہ قتل کا مال کا ضامن بھی ہوگا] انکی دلیل یہ ہے کہ باغی نے معصوم مال کو اور معصوم جان کو ضائع کیا ہے اس لئے اس پر ضمان لازم ہوگا، جیسے باغی کو قوت ہونے سے پہلے وہ قتل کرتا تو اس پر ضمان لازم ہوتا۔

مَعْصُومَةً فَيَجِبُ الضَّمَانُ اعْتِبَارًا بِمَا قَبْلَ الْمَنَعَةِ. ۵ وَلَنَا إِجْمَاعُ الصَّحَابَةِ، رَوَاهُ الزُّهْرِيُّ. ۶ وَلِأَنَّهُ أَتْلَفَ عَنْ تَأْوِيلٍ فَاسِدٍ، وَالْفَاسِدُ مِنْهُ مُلْحَقٌ بِالصَّحِيحِ إِذَا ضُمَّتْ إِلَيْهِ الْمَنَعَةُ فِي حَقِّ الدَّفْعِ كَمَا فِي مَنَعَةِ أَهْلِ الْحَرْبِ وَتَأْوِيلِهِمْ، وَهٰذَا؛ لِأَنَّ الْأَحْكَامَ لَا بُدَّ فِيهَا مِنَ الْإِلْزَامِ أَوِ الِالْتِزَامِ، وَلَا الْتِزَامَ لِاعْتِقَادِ الْإِبَاحَةِ عَنْ تَأْوِيلٍ، وَلَا إِلْزَامَ لِعَدَمِ الْوِلَايَةِ لِوُجُودِ الْمَنَعَةِ،

تشریح : یہاں یہ بحث ہے کہ باغی نے عادل کو قتل کیا تو اس پر ضمان بھی ہے یا نہیں۔ تو امام شافعیؒ کے یہاں اس پر مقتول کا ضمان ہے، کیونکہ اس نے معصوم جان کو قتل کیا ہے۔ اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ باغی کی حکومت ہونے سے پہلے اگر وہ عادل کو قتل کرتا تو اس پر ضمان لازم ہوتا اسی طرح اس کی حکومت ہونے کے بعد قتل کرے گا اس ضمان لازم ہوگا۔

ترجمہ: ۵ ہماری دلیل یہ ہے کہ اس پر صحابہ کا اجماع ہے کہ اس پر ضمان لازم ہوگا، جس کو حضرت زہریؒ نے روایت کی ہے۔ روایت یہ ہے۔ اخبرنی الزھری ان سلیمان بن ھشام کتب الیہ یسالہ عن امراۃ خرجت من عند زوجھا .....فاجتمع رأیھم علی ان لا یقیموا علی احد حدا فی فرج استحلوہ بتاویل القرآن و لا قصاص فی قتل اصابوہ علی تاویل القرآن و لا یرد ما اصابوہ علی تاویل القرآن الا ان یوجد بعینہ فیرد علی صاحبہ و انی اری ان ترد الی زوجھا و ان یحد من افتری علیھا ۔(مصنف عبدالرزاق، باب قتال الحروراء، ج تاسع ص ۴۴۰، نمبر ۱۸۹۰۷) اس قول صحابی میں ہے کہ قرآن کی تاویل کر کے قتل کیا ہے تو اس پر ضمان نہیں ہے، اگر چہ یہ تاویل غلط ہو ۔

ترجمہ : ۶ اور یہ دلیل بھی ہے کہ باغی نے فاسد تاویل کر کے جان ضائع کی ہے، اور اگر اس کو قوت ہو جائے تو فاسد تاویل بھی صحیح کے درجے میں ہے جیسے حربی کو قوت ہو جائے تو اس کی تاویل کے بارے میں یہی ہے کہ وہ صحیح کے درجے میں ہو جاتی ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ احکام کے لئے ضروری ہے کہ زبردستی لازم کرے، یا خود اپنے اوپر لازم کر لے، خود اپنے اوپر تو لازم اس لئے نہیں کر رہا ہے کیونکہ اس کی تاویل ہے کہ میرے لئے قتل کرنا مباح ہے۔ اور زبردستی لازم اس لئے نہیں کر سکتا کہ عادل حاکم کی ولایت نہیں ہے، کیونکہ باغی کو قدرت ہے۔

تشریح : یہ امام ابو حنیفہؒ کی جانب سے دلیل عقلی ہے۔ کہ باغی جانب سے فاسد تاویل ہے، اور اس کی حکومت ہو جائے تو فاسد تاویل بھی صحیح کے درجے میں ہو جاتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ شریعت کا حکم دو طریقے سے نافذ ہوتا ہے، [۱] ایک خود لازم کرنے سے، باغی میں یہ نہیں ہے، کیونکہ وہ اعتقاد کرتا ہے کہ میں عادل کو حق کے طور قتل کر رہا ہوں [۲] اور دوسرا، اس پر زبردستی کر کے، یہ بھی یہاں نہیں ہے، کیونکہ اس کی حکومت ہے، اور عادل حاکم کی اس پر ولایت نہیں ہے اس لئے اس پر زبردستی بھی نہیں کر سکتے۔

۷ؘ وَالْوِلَايَةُ بَاقِيَةٌ قَبْلَ الْمَنَعَةِ ۸ؘ وَعِنْدَ عَدَمِ التَّأْوِيلِ ثَبَتَ الِالْتِزَامُ اعْتِقَادًا، بِخِلَافِ الْإِثْمِ؛ لِأَنَّهُ لَا مَنَعَةَ فِي حَقِّ الشَّارِعِ، ۹ؘ إِذَا ثَبَتَ هٰذَا فَنَقُولُ: قَتْلُ الْعَادِلِ الْبَاغِيَ قَتْلٌ بِحَقٍّ فَلَا يَمْنَعُ الْإِرْثَ. ۱۰ؘ وَلِأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ فِي قَتْلِ الْبَاغِي الْعَادِلَ أَنَّ التَّأْوِيلَ الْفَاسِدَ إِنَّمَا يُعْتَبَرُ فِي حَقِّ الدَّفْعِ وَالْحَاجَةُ هَاهُنَا إِلَى اسْتِحْقَاقِ الْإِرْثِ فَلَا يَكُونُ التَّأْوِيلُ مُعْتَبَرًا فِي حَقِّ الْإِرْثِ. ۱۱ؘ وَلَهُمَا فِيهِ أَنَّ الْحَاجَةَ إِلَى دَفْعِ الْحِرْمَانِ أَيْضًا، إِذْ الْقَرَابَةُ سَبَبُ الْإِرْثِ فَيُعْتَبَرُ الْفَاسِدُ فِيهِ، إِلَّا أَنَّ مِنْ شَرْطِهِ بَقَاءَهُ عَلَىٰ دِيَانَتِهِ، فَإِذَا قَالَ: كُنْت عَلَى الْبَاطِلِ لَمْ يُوجَدْ الدَّافِعُ فَوَجَبَ الضَّمَانُ.

ترجمہ:۷ؘ ،اور باغی کو قدرت سے پہلے عادل حاکم کو اس پر ولایت تھی۔

تشریح: بیچ میں یہ جملہ ایک سوال کا جواب ہے،امام شافعیؒ نے کہا تھا کہ باغی کی حکومت سے پہلے اگر وہ عادل کو قتل کر دے تو اس سے ضمان لیا جاتا ہے،اسکا جواب دیا جا رہا ہے کہ باغی کی حکومت سے پہلے اس پر عادل حاکم کی حکومت ہے اسلئے وہ ضمان لے گا،لیکن باغی کی حکومت مضبوط ہونے کے بعد عادل کی حکومت اس پر نہیں رہی اس لئے اب اس سے ضمان نہیں لیا جائے گا۔

ترجمہ:۸ؘ اور باغی تاویل نہ کرے تو اپنے اعتقاد میں اپنے اوپر ضمان لازم کیا ہے۔اور گناہ گار ہونے کے لئے شریعت میں حاکم کو قدرت ہونا ضروری نہیں ہے،

تشریح: اگر باغی اپنے قتل کرنے کی تاویل نہ کرے تو وہ خود بھی سمجھ رہا ہے کہ میں گناہ کر رہا ہوں اسلئے اس پر اس قتل کا ضمان لازم ہوگا۔البتہ گناہ ہونے کیلئے حاکم کی قدرت ہونا ضروری نہیں ہے،حاکم کی قدرت نہ بھی ہو تب بھی ناحق قتل کرنے پر گناہ ہوگا۔

ترجمہ:۹ؘ اور جب یہ بات ثابت ہوگئی تو ہم کہتے ہیں کہ عادل نے باغی کو صحیح قتل کیا اس لئے اس کی وراثت ختم نہیں ہوگی۔

تشریح :یہ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل کا خلاصہ ہے۔

ترجمہ:۱۰ؘ باغی نے عادل کو قتل کیا ہے اس کے بارے میں امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ فاسد تاویل دفع کے حق میں معتبر ہے اور یہاں وراثت کے استحقاق کی ضرورت ہے اس لئے وراثت کے حق میں باغی کی تاویل معتبر نہیں ہوگی [اس لئے باغی کو عادل کی وراثت نہیں ملے گی]

تشریح:امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ ایک ہے اپنے اوپر سے ضمان دفع کرنا،اور دوسرا ہے حق وراثت کو ثابت کرنا فاسد تاویل دفع کرنے کیلئے تو کام آئے گا،لیکن حق کو ثابت کرنے کیلئے کافی نہیں ہے اسلئے باغی کی فاسد تاویل سے وراثت نہیں ملے گی۔

ترجمہ : ۱۱ؘ اور امام ابوحنیفہ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہاں وراثت سے محروم ہونے کو دفع کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ قرابت وارث ہونے کا سبب ہے اس لئے فاسد تاویل کا بھی اعتبار کیا جائے گا،مگر شرط یہ ہے کہ اپنی دیانت پر باقی رہے پس باغی

(۲۹۳۰) قَالَ وَيُكْرَهُ بَيْعُ السِّلَاحِ مِنْ أَهْلِ الْفِتْنَةِ وَفِي عَسَاكِرِهِمْ؛ ۱؎ لِأَنَّهُ إِعَانَةٌ عَلَى الْمَعْصِيَةِ ۲؎ وَلَيْسَ بِبَيْعِهِ بِالْكُوفَةِ مِنْ أَهْلِ الْكُوفَةِ وَمَنْ لَمْ يَعْرِفْهُ مِنْ أَهْلِ الْفِتْنَةِ بَأْسٌ؛ لِأَنَّ الْغَلَبَةَ فِي الْأَمْصَارِ لِأَهْلِ الصَّلَاحِ، وَإِنَّمَا يُكْرَهُ بَيْعُ نَفْسِ السِّلَاحِ لَا بَيْعُ مَا لَا يُقَاتَلُ بِهِ إِلَّا بِصَنْعَةٍ، أَلَا تَرَى أَنَّهُ يُكْرَهُ بَيْعُ الْمَعَازِفِ وَلَا يُكْرَهُ بَيْعُ الْخَشَبِ، وَعَلَىٰ هٰذَا الْخَمْرُ مَعَ الْعِنَبِ.

نے جب یہ کہا کہ میں باطل پر تھا تو دفع کرنے والی چیز نہیں پائی گئی اس لئے ضمان لازم ہوگا، اور وراثت سے بھی محروم ہو جائے گا۔

تشریح: یہ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل ہے۔ باغی عادل کی وراثت سے محروم ہے اس کو بھی دور کرنے کی ضرورت ہے، کیونکہ رشتہ داری تقاضہ کرتی ہے کہ وہ وارث ہو جائے، اس لئے فاسد تاویل بھی یہاں وراثت کے لئے کافی ہے، اس لئے باغی یہ گمان کرے کہ میں حق پر ہوں تو اس کو وراثت مل جائے گی، اور یہ گمان کرے کہ میں باطل پر ہوں تو اس کو وراثت نہیں ملے گی، اور قتل کی دیت بھی اس پر لازم ہوگی۔

ترجمہ: (۲۹۳۰) فتنہ والوں سے ہتھیار بیچنا مکروہ ہے، اور اس کے لشکروں میں بھی ہتھیار بیچنا مکروہ ہے۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ معصیت پر مدد کرنا ہے۔

تشریح: فتنہ کے زمانے میں فتنہ والوں سے، یا اس کے لشکر سے ہتھیار بیچنا مکروہ ہے، کیونکہ اس سے فتنہ پر مدد ہوگی۔

وجہ: (۱) اس کے لئے حدیث یہ ہے۔ عن عمران بن حصین ان رسول الله ﷺ نهى عن بيع السلاح فى الفتنة۔ (طبرانی، باب عبد اللہ اللقیطی عن ابی رجاء، ج ۱۸، ص ۱۳۶، نمبر ۲۸۶ رسنن بیہقی، کتاب البوع، باب کراہیۃ بیع العصیر ممن یعصر الخمر والسیف ممن یعصی اللہ عزوجل، ج خامس، ص ۵۳۵، نمبر ۱۰۷۸۰) اس حدیث میں ہے کہ فتنہ میں اہل فتنہ سے ہتھیار بیچنا جائز نہیں ہے۔ (۲) قول تابعی میں ہے۔ عن الحسن قال لا يبعث الى اهل الحرب شىء من السلاح والكراع ولا ما يستعان على السلاح والكراع (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۳۱ ما یکرہ ان تحمل الی العدو فیتقوی بہ، ج سادس، ص ۵۱۲، نمبر ۳۳۳۶۱) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ حربیوں کو ہتھیار نہیں دینا چاہئے۔

ترجمہ: ۲؎ کوفہ میں کوفہ والوں سے ہتھیار بیچنے میں کوئی حرج نہیں ہے، یا ان لوگوں سے ہتھیار بیچناج جو فتنہ والے کو پہچانتا نہ ہو اس لئے شہر میں زیادہ تر نیک لوگ رہتے ہیں۔ اسی طرح نفس ہتھیار کو بیچنا مکروہ ہے، لیکن جس چیز سے ہتھیار بنتا ہے اس کو بیچنا مکروہ نہیں ہے، آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ سارنگی بیچنا مکروہ ہے، لیکن اس کی لکڑی کو بیچنا مکروہ نہیں ہے، اسی طرح شراب بیچنا مکروہ ہے، لیکن انگور کو بیچنا مکروہ نہیں ہے۔

تشریح: مثلاً کوفہ میں فتنہ برپا ہو تو وہاں کے وہ لوگ جو فتنہ میں شریک نہیں ہیں ان سے ہتھیار بیچنا مکروہ نہیں ہے۔ اسی طرح

ایسے آدمی جس کے بارے میں معلوم نہیں کہ وہ فتنے میں شامل ہیں یا نہیں ان سے بھی بیچنا جائز ہے، کیونکہ غالب گمان یہی ہے کہ وہ نیک لوگ ہیں۔ دوسری بات بتاتے ہیں کہ فتنہ والوں سے بنا ہوا ہتھیار بیچنا مکروہ ہے، لیکن جن چیزوں سے ہتھیار بنتا ہے مثلا لوہا اس کو فتنہ والوں سے بیچنا مکروہ نہیں ہے۔ اس کی دو مثال دیتے ہیں [۱] سارنگی، اور ستار بیچنا مکروہ یہ ہے، لیکن وہ لکڑی جس سے سارنگی اور ستار بنتی ہے اس کا بیچنا مکروہ نہیں ہے۔ [۲] شراب بیچنا حرام ہے، لیکن جس انگور سے شراب بنتی ہے اس کا بیچنا حرام نہیں ہے، اس لئے ہتھیار بنانے کا لوہا بیچنا مکروہ نہیں ہوگا، وہ جائز ہے۔

﴿كِتَابُ اللَّقِيطِ﴾

لـ اللَّقِيطُ سُمِّيَ بِهِ بِاعْتِبَارِ مَآلِهِ لِمَا أَنَّهُ يُلْقَطُ. وَالِالْتِقَاطُ مَنْدُوبٌ إلَيْهِ لِمَا فِيهِ مِنْ إحْيَائِهِ، وَإِنْ غَلَبَ عَلَى ظَنِّهِ ضَيَاعُهُ فَوَاجِبٌ.

(۲۹۳۱) قَالَ اللَّقِيطُ حُرٌّ ؛ لـ لِأَنَّ الْأَصْلَ فِي بَنِي آدَمَ إنَّمَا هُوَ الْحُرِّيَّةُ، وَكَذَا الدَّارُ دَارُ الْأَحْرَارِ؛ وَلِأَنَّ الْحُكْمَ لِلْغَالِبِ

﴿كتاب اللقيط﴾

ضروری نوٹ : لقیط اس بچے کو کہتے ہیں جس کے ماں باپ نے اس کو ویسے ہی چھوڑ دیا ہو اور اس کی جان بچانے کے لئے کوئی اس کو اٹھالے اور اس کی پرورش کرنے لگے۔ لقیط کا ثبوت اس (۱) آیت میں ہے۔ فالتقطه آل فرعون ليكون لهم عدوا وحزنا ۔ (آیت ۸، سورۃ القصص ۲۸) (۲) اور اس آیت میں بھی ہے۔ قال قائل منهم لاتقتلوا يوسف والقوه فی غيابة الجب يلتقطه بعض السيارة ان كنتم فاعلين. (آیت ۱۰، سورۂ یوسف ۱۲) ان دونوں آیتوں میں دو عظیم نبیوں کے لقطے اور اٹھانے کا ذکر ہے۔ اور مال کو اٹھائے اس کو لقطہ کہتے ہیں۔

ترجمہ : لـ لقیط کا معنی اٹھانا ہے، اور ملتقط کے معنی میں استعمال ہوا ہے، کیونکہ انجام کار وہ اٹھایا ہوا ہوگا۔ بچے کو اٹھالینا مستحب ہے، کیونکہ اس سے بچہ زندہ رہ سکے گا، لیکن اگر غالب گمان ہو کہ وہ ضائع ہو جائے گا تو اس کا اٹھانا واجب ہے۔

تشریح : لقیط کا لفظی ترجمہ ہے اٹھانا، چونکہ یہ بچہ اٹھایا ہوا ہے اس لئے اسم مفعول کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ عام حالات میں راستے میں پڑے ہوئے بچے کو اٹھالینا اور اس کی پرورش کرنا مستحب ہے، کیونکہ اس میں بچے کی خدمت ہے، لیکن اگر اس بات کا خطرہ ہو کہ نہیں اٹھاؤں گا یہ بچہ ضائع ہو جائے گا تو ایسے حالات میں اس کا اٹھالینا واجب ہے۔

ترجمہ: (۲۹۳۱) لقیط آزاد ہے۔

ترجمہ : لـ اصل یہ ہے کہ آدم کی اولاد آزاد ہے۔ دوسری وجہ ہے کہ یہ دار الاسلام آزاد لوگوں کا ملک ہے، اس لئے غالب کا اعتبار کرتے ہوئے بچے کو آزاد شمار کیا جائے گا۔

وجہ : (۱) یہ دار الاسلام ہے جو آزاد لوگوں کا ملک ہے اس لئے گمان یہی کیا جائے گا کہ یہ بچہ کسی آزاد ہی کا بچہ ہوگا۔ اس لئے یہ بچہ آزاد شمار ہوگا (۲) یوں بھی اس پر غلامیت کی کوئی علامت نہیں ہے اس لئے اس کو آزاد ہی شمار کیا جائے گا۔ کیونکہ بنی

(۲۹۳۲) وَنَفَقَتُهُ فِي بَيْتِ الْمَالِ ۱؎ هُوَ الْمَرْوِيُّ عَنْ عُمَرَ وَعَلِيٍّ، ۲؎ وَلِأَنَّهُ مُسْلِمٌ عَاجِزٌ عَنْ التَّكَسُّبِ، وَلَا مَالَ لَهُ وَلَا قَرَابَةَ فَأَشْبَهَ الْمُقْعَدَ الَّذِي لَا مَالَ لَهُ وَلَا قَرَابَةَ؛ ۳؎ وَلِأَنَّ مِيرَاثَهُ لِبَيْتِ الْمَالِ، وَالْخَرَاجُ بِالضَّمَانِ وَلِهَذَا كَانَتْ جِنَايَتُهُ فِيهِ. ۴؎ وَالْمُلْتَقِطُ مُتَبَرِّعٌ فِي الْإِنْفَاقِ عَلَيْهِ؛ لِعَدَمِ الْوِلَايَةِ إلَّا أَنْ يَأْمُرَهُ الْقَاضِي بِهِ لِيَكُونَ دَيْنًا عَلَيْهِ لِعُمُومِ الْوِلَايَةِ.

آدم آزاد ہوتا ہے (۳) قول صحابی میں اس کا ثبوت ہے۔ حدثنی ابو جمیلة انه وجد منبوذا علی عهد عمر بن الخطاب فاتاه به فاتهمه عمر فاثنی علیه خیرا فقال عمر فهو حر وولاؤه لک ونفقته من بیت المال (مصنف عبد الرزاق، باب ولاء اللقیط ج ثامن، ص ۳۴۶، نمبر ۱۵۹۵۱) (۴) ان علیا سئل عن لقیط فقال هو حر عقله علیهم وولاؤه لهم (مصنف عبد الرزاق، باب ولاء اللقیط، ج ثامن، ص ۳۴۶، نمبر ۱۵۹۵۳ / سنن للبیہقی، باب التقاط المنبوذ وانه لا یجوز ترکہ ضائعا، ج سادس، ص ۳۳۲، نمبر ۱۲۱۳۳) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ لقیط آزاد ہے اور اس کا خرچ بیت المال سے ہوگا۔ اور بچے کی وراثت بھی بیت المال کو ملے گی۔

ترجمہ :(۲۹۳۲) اور لقیط کا خرچ بیت المال سے دیا جائے گا۔

ترجمہ:۱؎ حضرت عمر اور حضرت علیؓ سے یہی مروی ہے۔

تشریح: یہ روایت ابھی اوپر گزر چکی ہے۔

ترجمہ :۲؎ دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ مسلمان ہے اور کمانے سے عاجز ہے اور اس کے پاس مال بھی نہیں ہے، اور اس کا کوئی رشتہ دار بھی نہیں ہے تو اس اپاہج کی طرح ہو گیا جس کے پاس مال نہ ہو۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ :۳؎ اور اس لئے کہ اس کی وراثت بیت المال کو ملے گی، تو جسکو ملے گی اسی کو ابھی خرچ بھی دینا ہوگا، یہی وجہ ہے کہ لقیط کے جرم کا بدلہ بھی بیت المال ہی کو دینا ہوتا ہے۔

تشریح: یہ تیسری دلیل ہے، کہ لقیط مرے گا تو اس کی وراثت بیت المال کو ملے گی، جب بعد میں بیت المال فائدہ آٹھائے گا تو ابھی خرچ بھی بیت المال کرے، اسی بات کو الخراج بالضمان، سے ادا کیا ہے۔ بیت المال ہی ذمہ دار ہے اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ لقیط جرمانہ بھی بیت المال ہی ادا کرتا ہے۔

ترجمہ :۴؎ اٹھانے والا لقیط پر خرچ کرے تو یہ اس پر احسان ہوگا، کیونکہ لقیط پر اٹھانے والے کی ولایت نہیں ہے، لیکن قاضی اس کو خرچ کرنے کا حکم دے تا کہ لقیط پر قرض ہو جائے تو ایسا ہو سکتا ہے، کیونکہ قاضی کی ولایت عام ہے۔

(۲۹۳۳)قَالَ: فَإِنْ الْتَقَطَهُ رَجُلٌ لَمْ يَكُنْ لِغَيْرِهِ أَنْ يَأْخُذَهُ مِنْهُ؛ ۱؎ لِأَنَّهُ ثَبَتَ حَقُّ الْحِفْظِ لَهُ لِسَبْقِ يَدِهِ.

(۲۹۳۴) فَإِنْ ادَّعَى مُدَّعٍ أَنَّهُ ابْنُهُ فَالْقَوْلُ قَوْلُهُ. ۱؎ مَعْنَاهُ: إذَا لَمْ يَدَّعِ الْمُلْتَقِطُ نَسَبَه ۲؎ وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ. وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا يُقْبَلَ قَوْلُهُ؛ لِأَنَّهُ يَتَضَمَّنُ إبْطَالَ حَقِّ الْمُلْتَقِطِ. وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّهُ إقْرَارٌ لِلصَّبِيِّ بِمَا يَنْفَعُهُ؛ لِأَنَّهُ يَتَشَرَّفُ بِالنَّسَبِ وَيُعَيَّرُ بِعَدَمِهِ.

تشـــریح :اٹھانے والے قاضی کے حکم کے بغیر بچے پرخرچ کرے تو یہ بچے پر حسان ہوگا، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ نہ بالغ ہونے کے بعد بچے سے وصول کر پائے گا، اور نہ بیت المال سے وصول کر پائے گا ۔اور قاضی نے بچے پر خرچ کرنے کا حکم دیا، اور یہ نہیں کہا کہ بیت المال اس خرچ کو برداشت کرے گا تو یہ بچے پر قرض ہو جائے گا، اور بچے کے بالغ ہونے کے بعد اس سے وصول کر سکے گا، کیونکہ قاضی کی ولایت عام ہے۔

ترجمہ:(۲۹۳۳) اگر بچے کو کسی آدمی نے اٹھالیا تو دوسرے کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کو اس کے ہاتھ سے لے لے۔

ترجمہ:۱؎ اس نے پہلے اٹھایا ہے اس لئے اس کا حق ثابت ہو گیا۔

وجہ :(۱) جب ایک کا قبضہ ہو گیا تو دوسرے کا قبضہ ساقط ہو گیا اس لئے بغیر کسی وجہ اور بغیر اٹھانے والے کی اجازت کے دوسرا اس کے ہاتھ سے نہیں لے سکتا (۲) اوپر حضرت عمرؓ کے قول میں اس کا اشارہ موجود ہے۔ کیونکہ انہوں نے فرمایا وولاؤہ لک کہ جس نے اٹھایا ہے بچے کا ولاء اسی کے لئے ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اٹھانے والے کو ہی حق ہے دوسرے کو نہیں۔

ترجمہ:(۲۹۳۴) پس اگر کسی نے دعوی کیا کہ وہ اس کا بیٹا ہے تو اس کی بات مان لی جائے گی قسم کے ساتھ۔

ترجمہ:۱؎ اس کا معنی یہ ہے کہ اٹھانے والے نے بیٹا ہونے کا دعوی نہیں کیا ہو تو

تشریح :اگر کسی نے دعوی کیا کہ یہ بچہ اس کا بیٹا ہے تو اگر چہ اس میں اٹھانے والے کا حق مارا جائے گا لیکن بیٹا بننے میں بچے کا فائدہ ہے اس لئے اس کو ترجیح دی جائے گی اور بچے کا نسب دعوی کرنے والے سے ثابت کر دیا جائے گا۔ البتہ چونکہ کوئی علامت نہیں ہے اور نہ اس پر کوئی گواہی ہے اس لئے قسم کے ساتھ بات مانی جائیگی۔ لیکن یہ اس وقت ہے کہ اٹھانے والے نے یہ نہ کہا ہو کہ یہ میرا بیٹا ہے، کیونکہ اگر وہ کہے کہ یہ میرا بیٹا ہے تو اسی سے بچے کا نسب ثابت کیا جائے گا۔

وجہ :اس کی دو وجہ ہیں [۱] ایک تو وہ اٹھانے والا ہے اس لئے اس کا حق پہلے ہے [۲] دوسرا یہ کہ وہ بیٹے ہونے کا دعوی کر رہا ہے جس میں بچے کا بہت بڑا فائدہ ہے اس لئے اس کی بات کو ترجیح ہوگی۔

ترجمہ :۲؎ یہ استحسان کا تقاضہ ہے، ورنہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ بیٹے کا دعوی کرنے کی بات قبول نہ کی جائے اس لئے کہ اس سے اٹھانے والے کا حق باطل ہو جائے گا [کیونکہ بچہ اس سے چھین کر بیٹے کا دعوی کرنے والے کو دے دیا جائے گا] استحسان کی

۳؎ ثُمَّ قِيلَ يَصِحُّ فِي حَقِّهِ دُونَ إِبْطَالِ يَدِالْمُلْتَقِطِ. ۴؎ وَقِيلَ يُبْتَنى عَلَيْهِ بُطْلَانُ يَدِهِ، وَلَوِادَّعَاهُ الْمُلْتَقِطُ قِيلَ يَصِحُّ قِيَاسًا وَاسْتِحْسَانًا، ۵؎ وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ عَلَى الْقِيَاسِ وَالِاسْتِحْسَانِ وَقَدْ عُرِفَ فِي الْأَصْلِ.

وجہ یہ ہے کہ بچے کے لئے ایسی بات کا دعوی کر رہا ہے جس میں بچے کا بہت بڑا فائدہ ہے، کیونکہ نسب سے بچے کو شرف ہوگی اور نہ ہونے سے ہمیشہ وہ شرمندہ ہوگا۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ بچے کا نسب ثابت ہونا بہت بڑی چیز ہے، اس سے باپ کی جانب سے نفقہ ملتا ہے، وراثت ملتی ہے، اور آدمی زندگی بھر حرامی ہونے سے بچ جاتا ہے۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ :۳؎ پھر یہ بھی کہا گیا ہے کہ بچے کا نسب تو ثابت ہوگا لیکن اٹھانے والے کا حق باطل نہیں ہوگا، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نسب ثابت ہونے کی بنیاد پر اٹھانے والے کا قبضہ باطل ہو جائے گا۔

تشریح :بعض حضرات نے فرمایا کہ نسب کا دعوی کرنے والے کے صرف اتنا ہی ہوگا کہ بچے کا نسب اس سے ثابت کر دیا جائے گا، لیکن اٹھانے والے کے ہاتھ سے چھینا نہیں جائے گا، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ جب اس کا بیٹا ہو گیا تو اس کی بنیاد پر اٹھانے والے کے ہاتھ سے نکال کر والد کے قبضے میں دے دیا جائے گا۔

ترجمہ:۴؎ اگر اٹھانے والے نے نسب کا دعوی کر دیا تو کہا گیا ہے کہ قیاس اور استحسان دونوں طریقے سے اس کا دعوی صحیح مانا جائے گا۔

تشریح :خود اٹھانے والے نے دعوی کر دیا کہ یہ بچہ میرا بیٹا ہے، تو فرماتے ہیں کہ قیاس کے اعتبار سے اور احسان کے اعتبار سے بھی اس کا بیٹا شمار کیا جائے گا، کیونکہ وہ اٹھانے والا بھی ہے، اور نسب ثابت کر کے بچے کے لئے بہت بڑا فائدہ کر رہا ہے اس لئے قیاس اور استحسان دونوں اعتبار سے نسب ثابت کر دیا جائے گا۔

ترجمہ :۵؎ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ قیاس کا اعتبار صحیح نہیں ہے، صرف استحسان کے اعتبار سے صحیح ہے۔ مبسوط میں اس کی وضاحت موجود ہے۔

وجہ :جب آٹھانے والے نے بچے کو اٹھایا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ بچہ اس کا بیٹا نہیں ہے، کیونکہ اپنے بیٹے کو لقیط نہیں کہتے، اب اس کا دعوی کہ یہ میرا بیٹا ہے قیاس کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے، لیکن چونکہ اس میں بچے کا فائدہ ہے اس لئے استحسان کے اعتبار سے اس کا دعوی صحیح ہے۔ کتاب الاصل میں اس کی پوری تفصیل موجود ہے۔

(۲۹۳۴) وَإِنْ ادَّعَاهُ اثْنَانِ وَوَصَفَ أَحَدُهُمَا عَلَامَةً فِيْ جَسَدِهِ فَهُوَ أَوْلىٰ بِهِ؛ ۱؎ لِأَنَّ الظَّاهِرَ شَاهِدٌ لَهُ لِمُوَافَقَةِ الْعَلَامَةِ كَلَامَهُ، ۲؎ وَإِنْ لَمْ يَصِفْ أَحَدُهُمَا عَلَامَةً فَهُوَ ابْنُهُمَا لِاسْتِوَائِهِمَا فِيْ السَّبَبِ. ۳؎ وَلَوْ سَبَقَتْ دَعْوَةُ أَحَدِهِمَا فَهُوَ ابْنُهُ؛ لِأَنَّهُ ثَبَتَ فِيْ زَمَانٍ لَا مُنَازِعَ لَهُ فِيهِ إِلَّا إِذَا أَقَامَ الْآخَرُ الْبَيِّنَةَ؛ لِأَنَّ الْبَيِّنَةَ أَقْوَى.

ترجمہ:(۲۹۳۴)اگر بیٹے کا دعوی کیا دو آدمیوں نے اور ایک نے اس کے جسم میں علامت بیان کی تو وہ بیٹے کا زیادہ حقدار ہے۔

ترجمہ:۱؎ اس لئے کہ ظاہر اس کا گواہ ہے، کیونکہ علامت اس کے کلام کے موافق ہے۔

تشریح: دو آدمیوں نے لقیط کے بیٹے ہونے کا دعوی کیا۔ان میں سے ایک نے بیٹے ہونے کی علامت بیان کی اور کہا کہ جسم میں فلاں علامت ہے جس کی وجہ سے میں کہتا ہوں کہ یہ میرا بیٹا ہے تو اس علامت بیان کرنے کی وجہ سے اس آدمی سے نسب ثابت کر دیا جائے گا۔

وجہ :(۱) علامت بیان کرنا بیٹے ہونے کی ترجیح ہے۔(۲) حدیث میں ہے کہ جو علامت بیان کرے چیز اس کو دی جائے گی۔**جاء اعرابی الی النبی ﷺ فسأله عما يلتقطه فقال عرفها منه ثم اعرف عفاصها و وكائها فان جاء احد يخبرك بها و الا فاستنفقها** (بخاری شریف، باب ضالۃ الابل ص ۳۲۷ نمبر ۲۴۲۷)اس حدیث میں فرمایا کوئی آکر علامت کی خبر دے تو اس کو دیدو۔جس سے معلوم ہوا کہ علامت پر فیصلہ کیا جائے گا۔

ترجمہ:۲؎ اور اگر کسی نے علامت بیان نہیں کی تو دونوں کا بیٹا ہوگا اس لئے دعوی کرنے سے سبب میں دونوں برابر ہیں۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ :۳؎ اور اگر کسی ایک نے پہلے دعوی کیا تو اس کا بیٹا مانا جائے گا کیونکہ ایسے وقت میں اس کا دعوی تھا جبکہ اس کے مخالف کوئی اور نہیں ہے،لیکن اگر دوسرے نے بیٹا ہونے پر گواہ پیش کر دیا تو اس کا بیٹا ہوگا، کیونکہ گواہ زیادہ قوی ہے۔

وجہ :(۱)اگر کسی نے بیٹے ہونے کا پہلے دعوی کیا تو اس سے نسب ثابت کر دیا جائے گا۔کیونکہ اس وقت اور کسی کا دعوی نہیں ہے۔(۲) حدیث میں ہے کہ پہلے جس نے دعوی کیا اس کا حق ہے۔**عن حميد بن عبد الرحمن الحميری عن رجل من اصحاب النبی ﷺ ان النبی ﷺ قال اذا اجتمع الداعيان فاجب اقربهما بابا فان اقربهما بابا اقربهما جوارا و ان سبق احدهما فاجب الذی سبق** (ابو داؤد شریف، باب اذا اجتمع داعیان ایہما احق ص ۱۷۱ نمبر ۳۷۵۶)اس حدیث میں جن کا گھر قریب تھا اس کی دعوت قبول کی کیونکہ وہ قبول کرنے کی علامت ہے۔اور کسی نے پہلے دعوت دی تو چونکہ مزاحم نہیں ہے اس لئے اس کی دعوت قبول کی۔

(۲۹۳۵) وَإِذَا وُجِدَ فِي مِصْرٍ مِنْ أَمْصَارِ الْمُسْلِمِينَ أَوْ فِي قَرْيَةٍ مِنْ قُرَاهُمْ فَادَّعَى ذِمِّيٌّ أَنَّهُ ابْنُهُ ثَبَتَ نَسَبُهُ مِنْهُ وَكَانَ مُسْلِمًا ۔ ل وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ؛ لِأَنَّ دَعْوَاهُ تَضَمَّنُ النَّسَبَ وَهُوَ نَافِعٌ لِلصَّغِيرِ، وَإِبْطَالُ الْإِسْلَامِ الثَّابِتِ بِالدَّارِ وَهُوَ يَضُرُّهُ فَصَحَّتْ دَعْوَتُهُ فِيمَا يَنْفَعُهُ دُونَ مَا يَضُرُّهُ.

(۲۹۳۶) وَإِنْ وُجِدَ فِي قَرْيَةٍ مِنْ قُرَى أَهْلِ الذِّمَّةِ أَوْ فِي بِيعَةٍ أَوْ كَنِيسَةٍ كَانَ ذِمِّيًّا ۔ ل وَهَذَا الْجَوَابُ فِيمَا إذَا كَانَ الْوَاجِدُ ذِمِّيًّا رِوَايَةً وَاحِدَةً، ٢ وَإِنْ كَانَ الْوَاجِدُ مُسْلِمًا فِي هَذَا الْمَكَانِ أَوْ ذِمِّيًّا فِي مَكَانِ الْمُسْلِمِينَ اخْتَلَفَتْ الرِّوَايَةُ فِيهِ، فَفِي رِوَايَةِ كِتَابِ اللَّقِيطِ اُعْتُبِرَ الْمَكَانُ لِسَبْقِهِ،

ترجمہ: (۲۹۳۵) اگر مسلمان کے شہروں میں سے کسی شہر میں یا اس کے گاؤں میں سے کسی گاؤں میں بچہ پایا گیا۔ پھر کسی ذمی نے دعوی کیا کہ یہ اس کا بیٹا ہے تو لقیط کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا اور لقیط مسلمان ہوگا۔

ترجمہ: ل یہ استحسان کا تقاضہ ہے کیونکہ اس کا دعوی نسب کو شامل ہے اور یہ بچے کے لئے مفید ہے، اور دار الاسلام ہونے کی وجہ سے اس کا اسلام ثابت ہے اب اس کو باطل کرنے سے بچے کو نقصان ہوگا، اس لئے جس میں بچے کا فائدہ ہے اس میں ذمی کا دعوی صحیح ہے، اور جس میں نقصان ہے [یعنی اسلام کے بارے میں] اس میں اس کا دعوی صحیح نہیں ہے۔

تشریح: چاہے مسلمان کے شہر میں پایا جائے پھر بھی ذمی دعوی کرے کہ یہ میرا بیٹا ہے تو بچے کا نسب ذمی سے ثابت کر دیا جائے گا۔

وجہ: کیونکہ نسب ثابت کرنے کی ضرورت ہے ورنہ بچہ حرامی شمار ہوگا۔ اور اس کی پرورش کا کوئی خاص انتظام نہیں ہوگا۔ اس لئے ذمی بھی نسب کا دعوی کرے تو اس سے نسب ثابت کر دیا جائے گا۔ البتہ چونکہ اسلامی شہر ہے اس لئے غالب گمان یہ ہے کہ بچہ مسلمان ہوگا۔ اس لئے اس کو مسلمان ہی شمار کریں گے کیونکہ اسی میں بچے کا فائدہ ہے۔

ترجمہ: (۲۹۳۶) اور اگر ذمی کے گاؤں میں پایا گیا یا مندر یا گرجا میں پایا گیا تو وہ ذمی ہوگا۔

ترجمہ: ل یہ جواب کہ بچہ ذمی ہوگا اس وقت ہے جبکہ پانے والا بھی ذمی ہو ایک روایت یہی ہے

وجہ: ذمی کے گاؤں میں پایا گیا یا گرجا یا مندر میں بچہ پایا گیا تو یہ علامت ہے اور غالب گمان ہے کہ کسی کافر کا ہوگا اسلئے وہ ذمی شمار ہوگا۔

اصول: کوئی مزاحم نہ ہو تو غالب گمان اور علامت پر فیصلہ کیا جائے گا۔

لغت: بیعۃ : یہود کا عبادت خانہ، کنیسۃ : نصاری کا عبادت خانہ۔

ترجمہ: ٢ اور اگر پانے والا ایسی جگہ [کنیسہ، یا بیعہ] پر مسلمان ہو، یا مسلمان کی جگہ پر پانے والا ذمی ہو تو اس بارے میں دو روایتیں ہیں، کتاب اللقیط کی روایت میں ہے کہ مکان کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ وہ پہلے ہے، اور بعض نسخے میں کتاب الدعوی میں ہے کہ پانے والے کا اعتبار ہوگا، امام محمدؒ سے ابن سمعہ کی روایت یہی ہے، کیونکہ پانے والے میں قوت ہے، کیوں آپ

وَفِي كِتَابِ الدَّعْوٰى فِي بَعْضِ النُّسَخِ اُعْتُبِرَ الْوَاجِدُ وَهُوَ رِوَايَةُ ابْنِ سِمَاعَةَ عَنْ مُحَمَّدٍ لِقُوَّةِ الْيَدِ؛ أَلَا تَرَى أَنَّ تَبَعِيَّةَ الْأَبَوَيْنِ فَوْقَ تَبَعِيَّةِ الدَّارِ حَتَّى إذَا سُبِيَ مَعَ الصَّغِيرِ أَحَدُهُمَا يُعْتَبَرُ كَافِرًا، وَفِي بَعْضِ نُسَخِهِ اُعْتُبِرَ الْإِسْلَامُ نَظَرًا لِلصَّغِيرِ.

(۲۹۳۷) وَمَنْ ادَّعَى أَنَّ اللَّقِيطَ عَبْدُهُ لَمْ يُقْبَلْ مِنْهُ؛ لِ لِأَنَّهُ حُرٌّ ظَاهِرًا إلَّا أَنْ يُقِيمَ الْبَيِّنَةَ أَنَّهُ عَبْدُهُ

(۲۹۳۸) فَإِنْ ادَّعٰى عَبْدٌ أَنَّهُ ابْنُهُ ثَبَتَ نَسَبُهُ مِنْهُ؛ لِ لِأَنَّهُ يَنْفَعُهُ وَكَانَ حُرًّا.

نہیں دیکھتے ہیں کہ بچہ والدین والدین کے تابع ہوتا ہے، اور یہ دار الاسلام کے تابع ہونے سے اوپر ہے، یہی وجہ ہے کہ بچہ والدین میں سے کسی ایک کے ساتھ قید ہوا تو دار الاسلام میں ہونے کے باوجود وہ باپ کے تابع ہو کر کافر ہوگا۔ اور بعض نسخے میں ہے کہ بچے کے فائدے کے لئے بچے کو مسلمان ہی شمار کیا جائے گا۔

تشریح : جگہ کافروں کی ہے، اور پانے والا مسلمان ہے۔ یا جگہ مسلمان کی ہے اور پانے والا کافر ہے تو اب کس کی رعایت کریں۔ مبسوط کے کتاب اللقیط میں ہے کہ جگہ کا اعتبار کیا جائے گا پانے والے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، اس لئے اگر وہ جگہ کافر کی ہے تو بچہ کافر شمار کیا جائے گا، اور جگہ مسلمان کی ہے تو بچہ مسلمان شمار کیا جائے گا۔ لیکن مبسوط کے کتاب الدعوی میں ہے کہ پانے والے کا اعتبار کیا جائے گا، چنانچہ حضرت ابن سماعہ کا امام محمدؒ سے یہی روایت نقل کی گئی ہے۔

وجہ :اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ ذمی اور اس کا بچہ قید ہو کر دار الاسلام آیا تو یہاں دار الاسلام کی وجہ سے بچہ مسلمان نہیں ہوگا، بلکہ باپ کے تابع ہو کر وہ کافر شمار کیا جائے گا، جس سے معلوم ہوا کہ پانے والے کا اعتبار ہے، پس پانے والا مسلمان ہے تو بچہ مسلمان شمار کیا جائے گا، اور پانے والا کافر ہے تو بچہ کافر شمار کیا جائے گا۔ لیکن بعض نسخے میں یہ ہے کہ بچے کا فائدہ مسلمان ہونے میں ہے اس لئے یہاں بچے کو مسلمان ہی شمار کیا جائے گا۔

ترجمہ:(۲۹۳۷) اگر کسی نے دعوی کیا کہ لقیط اس کا غلام ہے یا باندی ہے تو اسکی بات قبول نہیں کی جائے گی اور وہ آزاد ہوگا۔

ترجمہ:لِ اس لئے کہ ظاہر یہ ہے کہ بچہ آزاد ہی ہوگا، ہاں غلام ہونے پر گواہ قائم کر دے تو وہ غلام بن جائے گا۔

وجہ: غلام یا باندی ہونا بچہ کے لئے نقصان دہ ہے۔ اور ظاہری کوئی علامت نہیں ہے اس لئے بچے کو کسی کا غلام یا باندی شمار نہیں کیا جائے گا۔ ہاں گواہی پیش کر دے تو غلامیت کا فیصلہ کیا جائے گا (۲) اوپر حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کا قول گزرا کہ لقیط آزاد ہوگا اس لئے صرف دعوی پر غلامیت کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔

ترجمہ:(۲۹۳۸) اگر غلام نے دعوی کیا کہ لقیط اس کا بیٹا ہے تو اس کا نسب اس سے ثابت ہوگا [کیونکہ اس میں بچے کا نفع ہے] اور لقیط آزاد ہوگا۔

ل لِأَنَّ الْمَمْلُوکَ قَدْ تَلِدُ لَهُ الْحُرَّةُ فَلا تَبْطُلُ الْحُرِّيَّةُ الظَّاهِرَةُ بِالشَّكِّ .

(۲۹۳۹) وَالْحُرُّ فِي دَعْوَتِهِ اللَّقِيطَ أَوْلَى مِنَ الْعَبْدِ، وَالْمُسْلِمُ أَوْلَى مِنَ الذِّمِّيِّ ل تَرْجِيحًا لِمَا هُوَ الْأَنْظَرُ فِي حَقِّهِ.

(۲۹۴۰) وَإِنْ وُجِدَ مَعَ اللَّقِيطِ مَالٌ مَشْدُودٌ عَلَيْهِ فَهُوَ لَهُ ل اعْتِبَارًا لِلظَّاهِرِ. ٢ وَكَذَا إِذَا كَانَ مَشْدُودًا عَلَى دَابَّةٍ وَهُوَ عَلَيْهَا لِمَا ذَكَرْنَا.

ترجمہ:ل کیونکہ غلام کی بیوی آزاد بچہ پیدا کرسکتی ہے،اس لئے شک کی وجہ سے ظاہری آزادگی ختم نہیں ہوگی۔

تشریح : چاہے غلام سے نسب ثابت ہو پھر بھی بچے کے لئے فائدہ ہے۔اس لئے غلام دعوی کرے تو اس سے ہی نسب ثابت کر دیا جائے گا لیکن بچہ آزاد شمار کیا جائے گا۔

وجہ :(ا(غلام آدمی آزاد عورت سے شادی کرے تو اس سے آزاد بچہ پیدا ہوتا ہے اس لئے کوئی ضروری نہیں ہے کہ غلام کا بچہ غلام ہی ہو۔اس لئے نسب تو غلام سے ثابت کر دیا جائے گا لیکن بچہ آزاد شمار کیا جائے گا (۲) پہلے اثر گزر چکا ہے کہ لقیط آزاد ہوگا۔

ترجمہ:(۲۹۳۹) غلام سے آزاد لقیط کے دعوی کرنے میں بہتر ہے،اور مسلمان ذمی سے بہتر ہے۔

ترجمہ:ل کیونکہ بچے کے حق میں جو بہتر ہے اس کو ترجیح دی جائے گی۔

اصول: بچے کے لئے جو فائدہ مند ہے اس کی رعایت کی جائے گی۔

تشریح: آزاد نے دعوی کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے اور غلام بھی دعوی کرتا ہے کہ یہ میرا بیٹا ہے اور ترجیح کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے تب بھی آزاد کا بیٹا ہوگا، کیونکہ اس میں بچے کا زیادہ فائدہ ہے۔اسی طرح مسلمان نے دعوی کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے اور ذمی نے بھی دعوی کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے اور ترجیح کی کوئی دلیل نہیں ہے تو مسلمان کا بیٹا قرار دیا جائے گا، کیونکہ اس میں بچے کا زیادہ فائدہ ہے۔

ترجمہ:(۲۹۴۰) اگر لقیط کے ساتھ مال باندھا ہوا پایا گیا تو وہ مال اسی کا ہے۔

ترجمہ:ل ظاہر یہی ہے کہ یہ مال بچے کا ہی ہے۔

وجہ: لقیط کے ساتھ بندھا ہوا ہونا دلیل ہے کہ یہ مال لقیط ہی کا ہے۔اس لئے اس علامت ظاہرہ کی وجہ سے مال لقیط کا ہوگا۔

اصول: پہلے گزر گیا ہے کہ کوئی مزاحم نہ ہو تو علامت پر فیصلہ کیا جائے گا۔یہاں بھی ایسا ہی ہے۔

ترجمہ :٢ ایسے ہی اگر سامان سواری پر بندھا ہوا تھا اور بچہ اس سواری پر تھا [تو بچے کا سامان ہوگا] اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کیا۔

تشریح: جس سواری پر بچہ ملا اس پر کچھ سامان تھا تو یہی سمجھا جائے گا کہ یہ سامان بچے ہی کا ہے، کیونکہ کوئی دوسرا اس کا

٣ ثُمَّ يَصْرِفُهُ الْوَاجِدُ إِلَيْهِ بِأَمْرِ الْقَاضِي؛ لِأَنَّهُ مَالٌ ضَائِعٌ وَلِلْقَاضِي وِلَايَةُ صَرْفِ مِثْلِهِ إِلَيْهِ. وَقِيلَ يَصْرِفُهُ بِغَيْرِ أَمْرِ الْقَاضِي؛ لِأَنَّهُ لِلَّقِيطِ ظَاهِرًا.

(٢٩٤١) وَلَهُ وِلَايَةُ الْإِنْفَاقِ وَشِرَاءُ مَا لَا بُدَّ لَهُ مِنْهُ ١ كَالطَّعَامِ وَالْكِسْوَةِ؛ لِأَنَّهُ مِنَ الْإِنْفَاقِ. (٢٩٤٢) وَلَا يَجُوزُ تَزْوِيجُ الْمُلْتَقِطِ ١ لِانْعِدَامِ سَبَبِ الْوِلَايَةِ مِنَ الْقَرَابَةِ وَالْمِلْكِ وَالسَّلْطَنَةِ

دعویدار نہیں ہے۔

ترجمہ: ٣ پھر پانے والا قاضی کے حکم سے اس کو بچے پر خرچ کرے گا، کیونکہ اس مال کا کوئی دوسرا محافظ نہیں ہے، اور قاضی کو یہ حق ہے کہ اس قسم کے مال کو بچے پر خرچ کرے، بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا کہ پانے والا قاضی کے حکم کے بغیر بھی بچے پر خرچ کرے گا، کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ یہ مال لقیط ہی کا ہے۔

تشریح: بچے کے ساتھ جو مال ملا ہے، اس کو قاضی کے حکم سے پانے والا بچے پر خرچ کرے گا، کیونکہ یہ مال بچے کا ہے، اور قاضی کو یہ حق ہوتا ہے کہ اس قسم کے مال کو بچے پر خرچ کرنے کی اجازت دے۔ بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا کہ قاضی کے حکم کے بغیر بھی اس مال کو پانے والا بچے پر خرچ کرسکتا ہے۔

وجہ: کیونکہ یہ مال بچے ہی کا ہے۔

ترجمہ: (٢٩٤١) پانے والے کو بچے پر خرچ کرنے کا حق ہوگا، اور جو کچھ اس کے لئے ضروری ہے اس کے بھی خریدنے کا حق ہوگا۔

ترجمہ: ١ جیسے کھانا ہے، کپڑا ہے اس لئے کہ یہ سب بچے پر خرچ کرنے کی چیزیں ہیں۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: (٢٩٤٢) نہیں جائز ہے پانے والے کا شادی کرنا۔

ترجمہ: ١ کیونکہ قرابت، ملکیت، اور سلطنت میں سے کوئی سبب اس کے پاس نہیں ہے

تشریح: بچہ پانے والا بچے کی شادی خود اپنے سے کرائے یا کسی دوسرے سے کرائے تو جائز نہیں ہے۔

وجہ: شادی کرانے کا حق تین وجہ سے ہوتا ہے (١) یا رشتہ دار ہو (٢) یا اس پر ملکیت ہو جیسے غلام یا باندی کا مولی (٣) ملک کا بادشاہ اور حاکم ہو۔ اور پانے والا ان تینوں میں سے کچھ بھی نہیں ہے اس لئے لقیط کی شادی کرانے کا حق اس کو نہیں ہے (٢) بچے کی شادی کرانے میں ابھی فائدہ بھی نہیں ہے کہ اس کی اس کو اجازت دی جائے۔

(۲۹۴۳) قَالَ: وَلَا تَصَرُّفُهُ فِي مَالِ الْمُلْتَقِطِ اِ ِاعْتِبَارًا بِالْأُمِّ، وَهَذَا؛ لِأَنَّ وِلَايَةَ التَّصَرُّفِ لِتَثْمِيرِ الْمَالِ وَذَلِكَ يَتَحَقَّقُ بِالرَّأْيِ الْكَامِلِ وَالشَّفَقَةِ الْوَافِرَةِ وَالْمَوْجُودُ فِي كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أَحَدُهُمَا.

(۲۹۴۴) قَالَ: وَيَجُوزُ أَنْ يَقْبِضَ لَهُ الْهِبَةَ؛ اِ لِأَنَّهُ نَفْعٌ مَحْضٌ وَلِهٰذَا يَمْلِكُهُ الصَّغِيرُ بِنَفْسِهِ إِذَا كَانَ عَاقِلًا وَتَمْلِكُهُ الْأُمُّ وَوَصِيُّهَا.

ترجمہ:(۲۹۴۳)اورنہیں جائز ہے لقیط کے مال میں تصرف کرنا۔

ترجمہ:اِ پانے والا ماں کی طرح ہے[یعنی ماں بچے کے مال میں تصرف نہیں کرسکتی تو پانے والا بھی بچے کے مال میں تصرف نہیں کرسکتا۔اور اس کی وجہ یہ کہ تصرف کی ولایت مال کو بڑھانے کے لئے ہوتا ہے،اور یہ پوری رائے سے ہوتا ہے،اور شفقۃ کاملہ سے ہوتا ہے،اور ماں اور پانے والے میں دو میں سے ایک ہے[ماں شفقت کاملہ ہے،لیکن کامل رائے نہیں ہے۔ اور پانے والے میں کامل رائے ہے،لیکن شفقت کاملہ نہیں ہے۔

تشریح:پانے والا لقیط کے لئے لقیط کے مال سے کھانا،کپڑا اور ضروریات زندگی ملتقط خرید سکتا ہے۔لیکن اس کے مال کو خرید وفروخت میں ڈال کر اس سے نفع اٹھانے کی کوشش نہیں کرسکتا۔

وجہ:(۱)اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور بلا وجہ کی چیز میں لقیط کے مال کو ڈالنے کی ملتقط کو ولایت نہیں ہے۔دوسری وجہ یہ ہے کہ مال کو بڑھانے کے کوئی کام کرنے کی دو شرطیں ہیں[ا]اس آدمی میں شفقت کاملہ ہو،اور اس میں کامل رائے ہو،ماں میں شفقت کاملہ تو ہے،لیکن عورت ہونے کی وجہ سے اس میں کامل رائے نہیں ہے،اس لئے وہ بھی اپنے چھوٹے بچے کے مال کو خرید وفروخت میں نہیں ڈال سکتی۔اور پانے والے میں کامل رائے تو ہے،کیونکہ وہ عاقل بالغ مرد ہے،لیکن اس میں بچے کے لئے شفقت کاملہ نہیں ہے اس لئے وہ بھی خرید وفروخت میں اس کے مال کو نہیں ڈال سکتا۔

ترجمہ:(۲۹۴۴)اور جائز ہے کہ ملتقط قبضہ کرے لقیط کے لئے ہبہ کو۔

ترجمہ:اِ اس لئے کہ اس میں بچے کا خالص نفع ہے۔اسی لئے اگر بچہ سمجھدار ہو تو خود بچہ بھی اس پر قبضہ کرسکتا ہے،اور اس کی ماں اور اس کا وصی بھی ہبہ پر قبضہ کرسکتا ہے۔

تشریح:یہ مسئلہ اس قاعدے پر ہے کہ لقیط کے فائدے کے لئے ملتقط کام کرسکتا ہے۔مثلا لقیط کے لئے جو ہبہ آئے اس پر قبضہ کرے۔

اصول:لقیط کے لئے فائدے کا کام پانے والا کرسکتا ہے۔نقصان کا کام نہیں کرسکتا۔

لغت:صناعۃ : پیشہ،کاریگری، یواجر : اجرت پر دے،مزدوری پر دے۔

(۲۹۴۵) قَالَ: وَيُسَلِّمُهُ فِي صِنَاعَةٍ؛ لِ لِأَنَّهُ مِنْ بَابِ تَثْقِيفِهِ وَحِفْظِ حَالِهِ.

(۲۹۴۶) قَالَ: وَيُؤَاجِرُهُ. قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ: وَهٰذَا رِوَايَةُ الْقُدُورِيِّ فِي مُخْتَصَرِهِ، وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ: لَا يَجُوزُ أَنْ يُؤَاجِرَهُ، ذَكَرَهُ فِي الْكَرَاهِيَةِ وَهُوَ الْأَصَحُّ. وَجْهُ الْأَوَّلِ أَنَّهُ يَرْجِعُ إِلَى تَثْقِيفِهِ. وَوَجْهُ الثَّانِي أَنَّهُ لَا يَمْلِكُ إِتْلَافَ مَنَافِعِهِ فَأَشْبَهَ الْعَمَّ. بِخِلَافِ الْأُمِّ؛ لِأَنَّهَا تَمْلِكُهُ عَلَىٰ مَا نَذْكُرُهُ فِي الْكَرَاهِيَةِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالَىٰ.

ترجمہ :(۲۹۴۵) پانے والے کو یہ بھی اختیار ہوگا کہ بچے کو کوئی پیشہ یا ہنر سکھائے، کیونکہ یہ بات بچے کی بہتری ،اور مستقبل میں حفاظت کی قسموں میں سے ہے [جو اس کے لئے سراسر مفید ہے۔

تشریح: واضح ہے۔

لغت : صناعۃ: کام کرنے کا پیشہ۔ تثقیف: مہذب بنانا۔

ترجمہ:(۲۹۴۶) اور پانے والا بچے کو مزدوری پر لگا سکتا ہے۔

تشریح : مزدوری پر لگانے میں بچے کا فائدہ بھی ہے کہ وہ کام سیکھے گا، اور اس سے روپیہ آئے گا، لیکن اس میں نقصان بھی ہے کہ بچے کو محنت اور مشقت کرنی پڑے گی، اس لئے دونوں قسم کی روایتیں ہوگئیں [ا] ایک میں ہے کہ پانے والا بچے کو مزدوری پر رکھ سکتا ہے، اور دوسری روایت میں ہے کہ اس کو مزدوری پر نہیں رکھ سکتا۔

ترجمہ :لے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ قدوری کی روایت ہے، اور جامع صغیر میں یہ ہے کہ مزدوری پر رکھنا جایز نہیں ہے، اس کو باب الکراہیۃ میں ذکر کیا ہے، اور صحیح روایت یہی ہے۔ قدوری کی روایت کی وجہ یہ ہے کہ مزدوری بہتری کے لئے ہے۔ اور جامع صغیر کی روایت کی وجہ یہ ہے کہ بچے کے نفع کو ضائع نہیں کرسکتا، اسلئے پانے والا چچا کی طرح ہوگیا۔ بخلاف ماں کی اس لئے کہ وہ اپنے بچے کو مزدوری پر رکھ سکتی ہے، ہم اس بات کو ان شاء اللہ کتاب الکراہیۃ میں ذکر کریں گے۔

تشریح: ماں بچے کو مزدوری پر رکھ سکتی ہے، کیونکہ اس کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ بچے کی کمائی کھائے۔ اور اس میں شفقت کاملہ بھی ہے۔ باقی بات واضح ہے، اس کی تفصیل کتاب الکراہیت میں آئے گی۔ ان شاء اللہ۔

﴿كِتَابُ اللُّقَطَةِ﴾

(۲۹۴۷) قَالَ: اللُّقَطَةُ أَمَانَةٌ إِذَا أَشْهَدَ الْمُلْتَقِطُ أَنَّهُ يَأْخُذُهَا لِيَحْفَظَهَا وَيَرُدَّهَا عَلَى صَاحِبِهَا لِـ لِأَنَّ الْأَخْذَ عَلَى هٰذَا الْوَجْهِ مَأْذُونٌ فِيهِ شَرْعًا بَلْ هُوَ الْأَفْضَلُ عِنْدَ عَامَّةِ الْعُلَمَاءِ وَهُوَ الْوَاجِبُ إِذَا خَافَ الضَّيَاعَ عَلَى مَا قَالُوا،

﴿کتاب اللقطۃ﴾

ضروری نوٹ: کسی گرے ہوئے مال کو اٹھا لینے کو لقطہ کہتے ہیں۔

وجہ: (۱) اس کا ثبوت اس حدیث میں ہے۔ سمعت سوید بن غفلة قال لقیت ابی بن کعب فقال اصبت صرة فیها مائة دینار فاتیت النبی علیہ السلام فقال عرفها حولا فعرفتها فلم اجد من یعرفها ثم اتیته فقال عرفها حولا فعرفتها فلم اجد ثم اتیته ثلاثا فقال احفظها وعائها وعددها ووکاء ها فان جاء صاحبها والا فاستمتع بها فاستمتعت فلقیته بعد بمکة فقال لا ادری ثلاثة احوال او حولا واحدا (بخاری شریف، باب اذا اخبر رب اللقطۃ بالعلامۃ دفع الیہ ص ۳۲۷ نمبر ۲۴۲۶ / مسلم شریف، باب معرفۃ العفاص والوکاء وحکم ضالۃ الغنم والابل ص ۷۸ نمبر ۴۵۰۶/۱۷۲۳) اس حدیث سے لقطہ کا حکم بھی معلوم ہوا اور اس کا ثبوت بھی۔

ترجمہ: (۲۹۴۷) لقطہ امانت ہے اٹھانے والے کے ہاتھ میں جبکہ اٹھانے والے نے گواہ بنایا کہ اس کو اٹھایا تا کہ اس کی حفاظت کرے اور اس کو اس کے مالک کے پاس لوٹا دے۔

ترجمہ: لے اس لئے کہ مالک کے پاس لوٹانے کے لئے اٹھانا شرعا اجازت ہے، بلکہ عام علماء کے نزدیک افضل ہے، اور ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو اٹھانا واجب ہے، اور شرعا اٹھانے کی اجازت ہے تو اس ضمان لازم نہیں ہوگا۔

تشریح: لقطے کا مال اٹھایا اور گواہ بنایا کہ اس کو حفاظت کے لئے اٹھا رہا ہوں تو وہ مال اس کے ہاتھ میں امانت ہوگا، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ مال اٹھانے والے کے ہاتھ میں ضائع ہو گیا تو اس پر اس کا ضمان لازم نہیں ہوگا۔ اور اگر حفاظت کرنے اور مالک کی طرف لوٹانے پر گواہ نہیں بنایا تو بعض صورتوں میں وہ ضمانت کا مال ہو جائے گا۔

وجہ: (۱) حفاظت پر گواہ بنانے کیلئے یہ حدیث ہے۔ عن عیاض بن حمار قال رسول اللہ من وجد لقطة فلیشهد ذا عدل او ذوی عدل ولا یکتم ولا یغیب فان وجد صاحبها فلیردها علیه والا فهو مال الله یؤتیه من یشاء (ابو داؤد شریف، باب التعریف باللقطۃ ص ۲۴۵ نمبر ۱۷۰۹ / ابن ماجہ شریف، باب اللقطۃ ص ۳۵۹ نمبر ۲۵۰۵) اس حدیث میں لقطے پر گواہ

۲ۦ وَإِذَا كَانَ كَذَلِكَ لا تَكُونُ مَضْمُونَةً عَلَيْهِ، وَكَذَلِكَ إِذَا تَصَادَقَا أَنَّهُ أَخَذَهَا لِلْمَالِكِ لِأَنَّ تَصَادُقَهُمَا حُجَّةٌ فِي حَقِّهِمَا فَصَارَ كَالْبَيِّنَةِ، ۳ۦ وَلَوْ أَقَرَّ أَنَّهُ أَخَذَهَا لِنَفْسِهِ يَضْمَنُ بِالْإِجْمَاعِ لِأَنَّهُ أَخَذَ مَالَ غَيْرِهِ بِغَيْرِ إِذْنِهِ وَبِغَيْرِ إِذْنِ الشَّرْعِ، ۴ۦ وَإِنْ لَمْ يَشْهَدْ الشُّهُودُ عَلَيْهِ وَقَالَ الْآخِذُ أَخَذْتُه لِلْمَالِكِ وَكَذَّبَهُ الْمَالِكُ يَضْمَنُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ. وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: لَا يَضْمَنُ وَالْقَوْلُ قَوْلُهُ لِأَنَّ الظَّاهِرَ شَاهِدٌ لَهُ لِاخْتِيَارِهِ الْحِسْبَةَ دُونَ الْمَعْصِيَةِ،

بنانے کا حکم ہے (۲) ضروری نوٹ کی حدیث میں عرفھا حولا سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ لقطہ اٹھانے پر گواہ بنانا چاہئے۔

اور لقطہ ملتقط کے ہاتھ میں امانت ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ سمع زید بن خالد الجهنی صاحب رسول الله ﷺ یقول سئل رسول الله عن اللقطة الذهب او الورق فقال اعرف وكاء ها وعفاصها ثم عرفها سنة فان لم تعرف فاستنفقها ولتكن وديعة عندك فان جاء طالبها يوما من الدهر فادها اليه (مسلم شریف، باب معرفۃ العفاص والوکاء وحکم ضالۃ الغنم والابل ج ثانی ص ۷۸ نمبر ۴۵۰۲/۱۷۲۲ر بخاری شریف، باب ضالۃ الغنم ص ۳۲۷ نمبر ۲۴۲۸) اس حدیث میں فرمایا کہ لقطہ پانے والے کے پاس امانت ہوگا۔

ترجمہ : ۲ۦ اگر مالک اور پانے والے نے تصدیق کر لیا کہ مالک کیلئے اٹھایا ہے، اسلئے دونوں تصدیق کرنا دونوں کے حق میں حجت ہے تو گواہ بنانے کی طرح ہو گیا۔

تشریح : اٹھانے پر گواہ نہیں بنایا تھا لیکن چیز کے مالک اور پانے والے نے تصدیق کی کہ اس نے دینے کے لئے اٹھایا تھا تب بھی یہ چیز امانت کی ہو جائے گی، کیونکہ مالک کی تصدیق سے یہ گواہ بنانے کی طرح ہو گیا۔

ترجمہ : ۳ۦ اور اگر اٹھانے والے نے اقرار کیا کہ اپنی ذات کے لئے اٹھایا ہے تو بالاجماع وہ ضامن ہو جائے گا۔ اس لئے کہ دوسرے کے مال کو اس کی اجازت کے بغیر لیا، اور شریعت کی بھی اجازت کے بغیر لیا۔

ترجمہ : ۴ۦ اور اگر اٹھاتے وقت لوٹانے پر گواہ نہیں بنایا، اب اٹھانے والے نے کہا کہ میں نے اس کو مالک کے لئے اٹھایا تھا، اور مالک نے اس کا انکار کر دیا [یعنی یہ کہا کہ تم نے اپنے لئے اٹھایا تھا] تو امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ضامن ہو جائے گا، اور امام ابو یوسفؒ نے کہا کہ اٹھانے والا ضامن نہیں ہوگا، اور اٹھانے والے کی بات قبول کر لی جائے گی، کیونکہ ظاہری حالت اسی کا گواہ ہے، کیونکہ وہ ثواب ہی کے لئے اٹھایا ہوگا، گناہ کے لئے تو نہیں اٹھایا ہوگا [یعنی ظاہر یہی ہے کہ مالک کو دینے کے لئے اٹھایا ہوگا]

تشریح : اٹھاتے وقت دینے پر گواہ نہیں بنایا تھا، اب کہہ رہا ہے کہ میں نے دینے کے لئے اٹھایا تھا، لیکن مالک کہتا ہے کہ یہ اپنے پاس رکھ لینے کے لئے اٹھایا تھا، اور چیز ہلاک ہو گئی تو طرفینؒ کے نزدیک اسکا ضمان لازم ہوگا، اور امام ابو یوسفؒ کے چیز

۵؎ وَلَهُمَا أَنَّهُ أَقَرَّ بِسَبَبِ الضَّمَانِ وَهُوَ أَخْذُ مَالِ الْغَيْرِ وَادَّعَى مَا يُبَرِّئُهُ وَهُوَ الْأَخْذُ لِمَالِكِهِ وَفِيهِ وَقَعَ الشَّكُّ فَلَا يَبْرَأُ، ٦؎ وَمَا ذُكِرَ مِنَ الظَّاهِرِ يُعَارِضُهُ مِثْلُهُ لِأَنَّ الظَّاهِرَ أَنْ يَكُونَ الْمُتَصَرِّفُ عَامِلًا لِنَفْسِهِ ٧؎ وَيَكْفِيهِ فِي الْإِشْهَادِ أَنْ يَقُولَ مَنْ سَمِعْتُمُوهُ يَنْشُدُ لُقَطَةً فَدُلُّوهُ عَلَيَّ وَاحِدَةً ٨؎ كَانَتْ اللُّقَطَةُ أَوْ أَكْثَرَ لِأَنَّهُ اسْمُ جِنْسٍ.

امانت کی سمجھی جائے گی اسلئے اس کا ضمان لازم نہیں ہوگا۔

وجہ: امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ ظاہری حالت اٹھانے والے کی طرفداری کرتی ہے، کیونکہ ایک مسلمان آدمی ثواب حاصل کرنے کے لئے اٹھاتا ہے، یعنی دینے کے لئے اٹھاتا ہے، گناہ کے لئے یعنی اپنے پاس رکھنے کے لئے نہیں اٹھاتا، کیونکہ اس میں گناہ ہے، اس لئے ظاہری حالت کی وجہ سے اٹھانے والے کی بات مان لی جائے گی اور اس پر ضمان لازم نہیں ہوگا۔

لغت: حسبۃ: حساب سے مشتق ہے، یعنی ثواب کے لئے۔ معصیۃ: گناہ کے لئے۔

ترجمہ: ۵؎ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہیکہ اٹھانے والا ضمان کے سبب کے قریب ہے، کیونکہ اس نے غیر کے مال کو اٹھایا ہے، پھر اس سے بری ہونے کا دعوی کرتا ہے کہ میں نے مالک کیلئے لیا ہے اسلئے اس میں شک پیدا ہو گیا اسلئے ضمان سے بری نہیں ہوگا۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس کا اٹھانا ضمان کے قریب ہے، کیونکہ ظاہری یہ ہے کہ اس نے نفع اٹھانے کے لئے اٹھایا ہے، مال کے ضائع ہونے کے بعد یہ دعوی کر رہا کہ دینے کے لئے اٹھایا تھا تا کہ ضمان سے بری ہو جاؤں، اس لئے اس بارے میں شک ہو گیا کہ اس نے دینے کے لئے اٹھایا تھا، اس لئے وہ ضمان سے بری نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ٦؎ اور امام ابو یوسفؒ نے یہ جو ذکر کیا کہ ظاہری حالت اٹھانے والے کے موافق ہے، تو اس کے معارض ہے کہ ظاہری طور پر آدمی اپنے لئے اٹھاتا ہے [اس لئے اس پر ضمان لازم ہوگا]

تشریح: یہ امام ابو یوسفؒ کو جواب ہے۔ امام ابو یوسفؒ نے یہ جو فرمایا کہ ظاہری حالت یہی ہے کہ اس نے دینے کی نیت سے اٹھایا ہوگا، تو ظاہری حالت یہ بھی ہے کہ خود نفع اٹھانے کے لئے اٹھایا ہوگا، اس لئے امام ابو یوسفؒ کی دلیل مضبوط نہیں رہی ہے۔

ترجمہ: ۷؎ اور گواہی بنانے کے لئے اتنی بات کہنا کافی ہے کہ تم لوگ کسی تلاش کرنے والے کے بارے میں سنو تو اس کو میرا پتہ بتا دو [یعنی چیز کی پوری تفصیل بتانا ضروری نہیں ہے]

تشریح: گواہ بناتے وقت چیز کی ساری تفصیل کا ذکر کرنا ضروری نہیں، بلکہ اتنا کافی ہے کہ لوگوں سے کہے کہ کوئی تلاش کرنے والا ملے تو میرا پتہ بتا دینا، اتنے ہی سے سمجھا جائے گا کہ اس نے گواہ بنا دیا، اور اس سے ضمان لازم نہیں ہوگا۔ یعنی گول مول جملہ سے بھی گواہ بنانا ہو جائے گا۔

ترجمہ: ۸؎ پائی ہوئی چیز ایک ہو یا زیادہ ہو سب کا حکم ایک ہی ہے، کیونکہ لقطہ کا لفظ اسم جنس ہے جو سب کو شامل ہے۔

(۲۹۴۸) قَالَ: فَإِنْ كَانَتْ أَقَلَّ مِنْ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ عَرَّفَهَا أَيَّامًا، وَإِنْ كَانَتْ عَشَرَةً فَصَاعِدًا عَرَّفَهَا حَوْلًا. ۱ے قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ: وَهَذِهِ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ. ۲ے وَقَوْلُهُ أَيَّامًا مَعْنَاهُ عَلَى حَسَبِ مَا يَرَى. ۳ے وَقَدَّرَهُ مُحَمَّدٌ فِي الْأَصْلِ بِالْحَوْلِ مِنْ غَيْرِ تَفْصِيلٍ بَيْنَ الْقَلِيلِ وَالْكَثِيرِ، وَهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ وَالشَّافِعِيِّ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "مَنْ الْتَقَطَ شَيْئًا فَلْيُعَرِّفْهُ سَنَةً مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ".

تشریح: ایک چیز پائی ہو یا کئی قسم کی چیز پائی ہو تو سبھی میں گول مول اعلان کرنے سے بھی گواہ بنانا ہو جائے گا، کیونکہ لقطہ کا لفظ اسم جنس ہے اس لئے سبھی کا حکم ایک ہی ہو گا۔

ترجمہ: (۲۹۴۸) پس اگر دس درہم سے کم کی ہو تو اس کی تشہیر کرے گا چند دن، اور اگر دس یا اس سے زیادہ ہو تو اس کی تشہیر کرے گا پورے سال۔

ترجمہ: ۱ے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ امام ابو حنیفہؒ کی روایت ہے۔

تشریح: لقطہ کا مال دس درہم سے کم ہو تو چند دنوں تک اس کی تشہیر کرے کہ یہ مال میرے پاس ہے جس کا ہو علامت بتا کر لے لو۔ اور دس درہم یا اس سے زیادہ قیمت کی ہو تو ایک سال اس کی تشہیر کرے۔

وجہ: (۱) دس درہم ہو تو چند دنوں تک تشہیر کرنے پر دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن یعلی بن مرة قال قال رسول الله ﷺ من التقط لقطة یسیره حبلا او درهما او شبه ذلک فلیعرفنه ثلاثة ایام فان کان فوق ذلک فلیعرفه ستة ایام** (سنن للبیہقی، باب ما جاء فی قلیل اللقطة، ج سادس، ص ۳۲۳، نمبر ۱۲۱۰۰ / مصنف عبد الرزاق، باب احلت اللقطة الیسیر ة، ج عاشر، ص ۱۴۲، نمبر ۱۸۶۳۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تھوڑی بہت قیمت کی چیز ہو تو دس روز سے کم تشہیر کرے اور زیادہ کی چیز ہو تو ایک سال تشہیر کرے اس کی دلیل یہ حدیث ہے (۲) اوپر بخاری کی حدیث گزری جس میں **تعرفها حولا** جس سے معلوم ہوا کہ ایک سال تشہیر کرے (۳) دوسری حدیث میں ہے۔ **عن زید بن خالد الجهنی قال جاء اعرابی الی النبی ﷺ فسأله عما یلتقطه فقال عرفها سنة ثم اعرف عفاصها و وکاء ها** (بخاری شریف، باب ضالة الابل ص ۳۲۷ نمبر ۲۴۲۷ / مسلم شریف، باب معرفة العفاص والوکاء وحکم ضالة الغنم والابل ص ۸۷ نمبر ۴۴۹۸/۱۷۲۲) اس حدیث میں قیمتی چیز کے لئے ایک سال تشہیر کرنے کا حکم ہے۔

اصول: یہاں اصول یہ ہے کہ مال جتنا قیمتی ہو اور مالک کے تلاش کرنے کا امکان ہو اتنی دیر مالک کو تلاش کرتا رہے۔

ترجمہ: ۲ے اور متن میں جو ہے، ایاما، اس کا مطلب ہے کہ امام جتنے دنوں تک مناسب اتنے دنوں تک اعلان کروائے۔

ترجمہ: ۳ے امام محمدؒ نے مبسوط میں کم اور زیادہ کی تفصیل کئے بغیر ایک سال کی مدت ذکر کی ہے، اور امام مالک او امام شافعیؒ

۴ وَجهُ الْأَوَّلِ أَنَّ التَّقْدِيرَ بِالْحَوْلِ وَرَدَ فِي لُقَطَةٍ كَانَتْ مِائَةَ دِينَارٍ تُسَاوِي أَلْفَ دِرْهَمٍ، وَالْعَشَرَةُ وَمَا فَوْقَهَا فِي مَعْنَى الْأَلْفِ فِي تَعَلُّقِ الْقَطْعِ بِهِ فِي السَّرِقَةِ وَتَعَلُّقِ اسْتِحْلَالِ الْفَرْجِ بِهِ وَلَيْسَتْ فِي مَعْنَاهَا فِي حَقِّ تَعَلُّقِ الزَّكَاةِ، فَأَوْجَبْنَا التَّعْرِيفَ بِالْحَوْلِ احْتِيَاطًا، وَمَا دُونَ الْعَشَرَةِ لَيْسَ فِي مَعْنَى الْأَلْفِ بِوَجْهٍ مَا فَفَوَّضْنَا إِلَى رَأْيِ الْمُبْتَلَى بِهِ

کا یہی قول ہے، کیونکہ حضورؐ نے فرمایا کہ جس نے کوئی چیز پائی تو ایک سال تک اس کا اعلان کیا کرو۔ اوراس میں کم بیش کی تفصیل نہیں ہے۔

تشریح: امام محمدؒ نے مبسوط میں یہ ذکر کیا ہے کہ چیز کی قیمت دس درہم ہو یا اس سے زیادہ ہو ہر حال میں اس کو ایک سال تک اعلان کرنا پڑے گا۔

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے اوپر حدیث ایک سال اعلان کرنے کا حکم ہے، اوراس میں یہ تفصیل نہیں ہے کہ دس درہم ہو یا اس سے کم ہو اس لئے ہر حال میں ایک سال تک اعلان کرنا ہوگا۔ عن زید بن خالد الجهنی قال جاء اعرابی الی النبی ﷺ فسأله عما یلتقطه فقال عرفها سنة ثم اعرف عفاصها و وکاء ها (بخاری شریف، باب ضالۃ الابل ص ۳۲۷ نمبر ۲۴۲۷ رمسلم شریف، باب معرفۃ العفاص والوکاء وحکم ضالۃ الغنم والابل ص ۷۸ نمبر ۱۷۲۲/۴۴۹۸) اس حدیث میں ایک سال تک اعلان کرنے کا حکم ہے۔

ترجمہ: ۴ پہلی روایت [جس میں کم مقدار میں کچھ دنوں تک اعلان کرنے کہا گیا ہے] کی وجہ یہ ہے کہ ایک سال اعلان کرنے کے لئے اس لقطہ میں کہا گیا ہے جو ایک سو دینار کا تھا جو ایک ہزار درہم کے برابر ہے، اوردس سے جو زیادہ ہے وہ ہاتھ کے کٹنے میں اورمہر بننے میں ایک ہزار کے معنی میں ہے، لیکن زکوۃ واجب ہونے کے حق میں دس درہم ایک ہزار کے برابر نہیں ہے، اس لئے احتیاطا ایک سال اعلان کرنے کے لئے کہا۔ اور جو دس سے کم ہے وہ کسی طرح بھی ایک ہزار درہم کے برابر نہیں ہے اس لئے مبتلاء بہ کی رائے پر اس کا اعلان کرنا چھوڑ دیا۔

تشریح: پہلی روایت یعنی دس درہم سے کم ہو تو کچھ دنوں تک اعلان کرے اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ جس حدیث میں ایک سال تک اعلان کرنے کے لئے کہا گیا اس میں راوی نے ایک سو دینار پایا تھا جو ایک ہزار درہم کے برابر ہے، اوردس درہم اور ایک ہزار کا حکم دو جگہ ایک ہے، [۱] یعنی دس درہم کی چوری میں بھی ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور ایک ہزار کی چوری میں بھی ہاتھ کاٹا جاتا ہے، [۲] اسی طرح دس درہم مہر باندھے تب بھی بیوی حلال ہو جاتی ہے، اور ایک ہزار مہر باندھے تب بھی حلال ہو جاتی ہے، لیکن زکوۃ کے معاملے میں دونوں کا حکم الگ الگ ہے، یعنی ایک ہزار میں زکوۃ واجب ہوتی ہے، جبکہ دس درہم میں زکوۃ واجب

۵ وَقِيلَ الصَّحِيحُ أَنَّ شَيْئًا مِنْ هٰذِهِ الْمَقَادِيرِ لَيْسَ بِلَازِمٍ، وَيُفَوَّضُ إِلَى رَأْيِ الْمُلْتَقِطِ يُعَرِّفُهَا إِلَى أَنْ يَغْلِبَ عَلَى ظَنِّهِ أَنَّ صَاحِبَهَا لَا يَطْلُبُهَا بَعْدَ ذٰلِكَ ثُمَّ يَتَصَدَّقُ بِهَا، ٦ وَإِنْ كَانَتِ اللُّقَطَةُ شَيْئًا لَا يَبْقٰى عَرَّفَهُ حَتَّى إِذَا خَافَ أَنْ يَفْسُدَ تَصَدَّقَ بِهِ، ٧ وَيَنْبَغِي أَنْ يُعَرِّفَهَا فِي الْمَوْضِعِ الَّذِي أَصَابَهَا. وَفِي الْجَامِعِ: فَإِنَّ ذٰلِكَ أَقْرَبُ إِلَى الْوُصُولِ إِلَى صَاحِبِهَا،

نہیں ہوتی ہے اس لئے احتیاط کے طور پر دس درہم کو ہزار کے برابر کیا اور دس درہم میں بھی ایک سال تک اعلان کرنے کے لئے کہا، اور دس درہم سے کم ہو تو پانے والا جتنا دن مناسب سمجھے اتنا اعلان کرے۔

وجه: صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ سمعت سوید بن غفلة قال لقیت ابی بن کعب فقال اصبت صرة فیها مائة دینار فاتیت النبی ﷺ فقال عرفها حولا فعرفتها فلم اجد من یعرفها ثم اتیته فقال عرفها حولا فعرفتها فلم اجد ثم اتیته ثلاثا فقال احفظها وعائها وعددها ووکاء ها فان جاء صاحبها والا فاستمتع بها فاستمتعت فلقیته بعد بمکة فقال لا ادری ثلاثة احوال او حولا واحدا (بخاری شریف، باب اذا اخبر رب اللقطة بالعلامة دفع الیہ ص ۳۲۷ نمبر ۲۴۲۶ / مسلم شریف، باب معرفة العفاص والوکاء وحکم ضالة الغنم والابل ص ۷۸ نمبر ۴۵۰۶/۱۷۲۳) اس حدیث میں ہے کہ جس تھیلی کو پایا تھا اس میں ایک سو دینار تھے۔

لغت: تعلق القطع بہ فی السرقة: دس درہم اور اس سے زیادہ کی چوری میں ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔ تعلق استحلال الفرج بہ: دس درہم مہر باندھنے میں عورت حلال ہو جاتی ہے۔

ترجمہ ۵: بعض حضرات نے فرمایا کہ صحیح بات یہ ہے کہ ان میں سے کوئی متعین دن لازم نہیں ہے، اور پانے والے کی رائے کے حوالے ہے، وہ اس وقت تک اعلان کرتا رہے کہ غالب گمان ہو جائے کہ مالک اب اسکی تلاش چھوڑ دیا ہوگا، پھر اس چیز کو صدقہ کر دے۔

ترجمہ ۶: اگر پائی ہوئی چیز دیر تک باقی نہیں رہ سکتی تو اس کا اعلان کرے گا یہاں تک کہ اگر خوف ہو جائے کہ یہ خراب ہو جائے گی تو اس کو صدقہ کر دے۔

تشریح: پائی ہوئی چیز ایسی ہے کہ دیر تک باقی نہیں رہ سکتی، تو ٹھیک رہنے تک اس کا اعلان کرے، جب دیکھے کہ اب خراب ہو جائے گی تو اس کو صدقہ کر دے۔

ترجمہ: ۷ مناسب یہ ہے کہ اس کا اعلان ایسی جگہ کرے جہاں اس کو پایا ہے، اور مجمع میں کرے [مثلا مسجد کے دروازے پر اور بازار میں] کیونکہ اس سے مالک تک پہنچنے میں آسانی ہوگی۔

۸ؕ وَإِنْ كَانَتْ شيئا يعلم ان صاحبهالا يطلبهاكالنورة و قشور الرمان يكونُ إلْقاؤُهُ إباحَةً حَتَّى جَازَ الانْتِفَاعُ بِهِ مِنْ غَيْرِ تَعْرِيفٍ وَلَكِنَّهُ مُبْقًى عَلىٰ مِلْكِ مَالِكِهِ لِأَنَّ التَّمْلِيكَ مِنَ الْمَجْهُولِ لَا يَصِحُّ.

(۲۹۴۹) قَالَ: فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَإِلَّا تَصَدَّقَ بِهَا ١ؕ إِيصَالًا لِلْحَقِّ إِلَى الْمُسْتَحِقِّ وَهُوَ وَاجِبٌ بِقَدْرِ الْإِمْكَانِ، وَذَلِكَ بِإِيصَالِ عَيْنِهَا عِنْدَ الظَّفَرِ بِصَاحِبِهَا وَإِيصَالِ الْعِوَضِ وَهُوَ الثَّوَابُ عَلَى اعْتِبَارِ إِجَازَةِ التَّصَدُّقِ بِهَا، وَإِنْ شَاءَ أَمْسَكَهَا رَجَاءَ الظُّفْرِ بِصَاحِبِهَا.

ترجمہ :۸ؕ اگر ایسی چیز ہوجسکے بارے میں یقین ہے کہ مالک اس کوتلاش نہیں کرے گا، جیسے کھجور کی گٹھلی، انار کا چھلکا، جس کولوگ ایسے ہی پھینک دیتے ہیں تو بغیر اعلان کئے ہوئے بھی اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے، پھر بھی وہ چیز اپنے مالک ہی کی ملکیت سمجھی جائے گی، اس لئے جس چیز کے مالک کا پتہ نہ ہو، اس کا مالک کسی اورکو بنادینا صحیح نہیں ہے۔

تشریح: اتنی حقیر چیز ہے کہ لوگ اس جوایسے ہی پھینک دیتے ہیں، جیسے کھجور کی گٹھلی تو اس کو بغیر اعلان کئے بھی استعمال کر لینا جائز ہے، اس لئے کہ وہ ہر ایک کے لئے مباح ہے، دوسری بات یہ فرمارہے ہیں کہ پھر بھی وہ مالک کی ملکیت میں رہے گی۔

وجہ :اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ اس گٹھلی کا مالک مجہول ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ مجہول مالک کی جانب سے کسی کو مالک نہیں بنایا جاسکتا، اس لئے یہ گٹھلی حقیر ہونے کے باوجود اصلی مالک کی ملکیت میں رہے گی۔

ترجمہ: (۲۹۴۹) پس اگر اس کا مالک آجائے تو بہتر ہے ورنہ اس کو صدقہ کردے۔

ترجمہ: ١ؕ تاکہ چیز مستحق تک پہنچ جائے، کیونکہ ممکن حد تک مستحق تک پہنچانا واجب ہے، اور اس کی شکل یہ ہے کہ مالک مل جائے تو عین چیز اس کو پہنچادے، یا اس وہ اجازت دیں تو اس کا بدلہ یعنی اس کا ثواب پہنچادے۔ اور تیسری صورت یہ ہے کہ مالک کے پالینے کی امید پر اس کو اپنے پاس روکے رکھے۔

تشریح :اگر لقطہ کا مالک ایک سال میں مل جائے تو اس کو یہ مال دیدے اور اگر نہ ملے تو اس کو صدقہ کردے۔ تاکہ مالک کو اسکا ثواب مل جائے، اور ایک صورت یہ بھی ہے کہ اسکو اپنے پاس رکھے رہے تاکہ کبھی بھی مالک مل جائے تو اسکو واپس دے دے۔

وجہ :(۱) مالک مل جائے تو یہ چیز اس کو دے دے، اور نہ ملے تو حتی الامکان اس کے بدلے میں اس کا ثواب اس کو دے، اور اس کی صورت یہ ہے کہ اس کو صدقہ کردے تاکہ اس کا ثواب اس کو مل جائے۔ (۲) اس حدیث میں ہے کہ مالک آجائے تو اس کو دیدے ورنہ اس مال کو صدقہ کردے۔ ان رجلا من بنی راؤس وجد صرة فاتی بها عليا ... قال تصدق بها فان جاء صاحبها فرضی كان له الاجر وان لم يرض غرمتها وكان لک الاجر (سنن للبیہقی، باب اللقطۃ یأ کلھا الغنی والفقیر اذا لم تعترف بعد تعریف سنۃ، ج سادس، ص ۳۱۱، نمبر ۱۲۰۶۲ / مصنف عبد الرزاق، کتاب اللقطۃ ج تاسع، ص ۵۳۸ نمبر ۱۹۳۰۸) اس

(۲۹۵۰) قَالَ: فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا لِ [يَعْنِي بَعْدَمَا تَصَدَّقَ بِهَا] فَهُوَ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ أَمْضَى الصَّدَقَةَ لِ وَلَهُ ثَوَابُهَا لِأَنَّ التَّصَدُّقَ وَإِنْ حَصَلَ بِإِذْنِ الشَّرْعِ لَمْ يَحْصُلْ بِإِذْنِهِ فَيَتَوَقَّفُ عَلَى إِجَازَتِهِ،

قول صحابی سے معلوم ہوا کہ لقطہ صدقہ کرنا پڑے گا۔(۳) حدیث میں ہے کہ تلاش کرنے کے باوجود مالک نہ ملے تو یہ اللہ کا مال ہے ملتقط جہاں چاہے رکھ دے۔عن عیاض بن حمار قال قال رسول الله ﷺ ... فان وجد صاحبها فليردها عليه والا فهو مال الله يؤتيه من يشاء (ابوداؤد شریف، باب التعریف باللقطۃ ص ۲۴۸ نمبر ۱۷۰۹ / ابن ماجہ شریف، باب اللقطۃ ص ۳۵۹ نمبر ۲۵۰۵) (۳) مالک کو یا اصل چیز پہنچائے اور وہ ممکن نہ ہو تو صدقہ کر کے اس کا ثواب پہنچائے۔

نوٹ: اگر خود محتاج ہو تو لقطہ کا مال خود بھی کھا سکتا ہے۔

وجہ: ضروری نوٹ کی لمبی حدیث میں یہ ٹکڑا گزرا ہے فان جاء صاحبها والا فاستمتع بها فاستمتعت (بخاری شریف، باب اذا اخبر رب اللقطۃ بالعلامۃ دفع الیہ ص ۳۲۷ نمبر ۲۴۲۶) دوسری روایت میں ہے والا فاستنفقها (بخاری شریف، نمبر ۲۴۲۷ / مسلم شریف، باب معرفۃ العفاص والوکاء وحکم ضالۃ الغنم والابل، ص ۷۸ نمبر ۴۵۰۲/۱۷۲۲ / ابوداؤد شریف، باب التعریف باللقطۃ ص ۲۴۵ نمبر ۱۷۰۱) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اٹھانے والا بھی کھا سکتا ہے۔

ترجمہ: (۲۹۵۰) پس اگر اس کا مالک آئے [حالانکہ وہ لقطہ صدقہ کر چکا ہے] تو مالک کو اختیار ہے اگر چاہے تو صدقہ بدستور رکھے۔

ترجمہ: لِ تو مالک کو اس کا ثواب ملے گا، اس لئے کہ صدقہ شریعت کی اجازت سے ہوا تھا، لیکن مالک کی اجازت نہیں ہوئی تھی اس لئے صدقے کا نافذ اس کی اجازت پر موقوف ہوگا۔

تشریح: لقطہ اٹھانے والے نے لقطہ صدقہ کر دیا اس کے بعد مالک آیا اور پوری علامت بیان کی تو مالک کو اختیار ہے چاہے تو صدقہ بدستور رکھے اور اٹھانے والے سے مال کا تاوان نہ لے اور چاہے تو اٹھانے والے سے مال کا تاوان لے لے۔

وجہ: (۱) اٹھانے والے نے بغیر مالک کی اجازت کے صدقہ کیا ہے اس لئے اٹھانے والے سے مالک ضمان لے سکتا ہے (۲) اوپر قول صحابی گزرا۔ان رجلا من بني رؤاس وجد صرة فاتى بها عليا فقال اني وجدت صرة فيها دراهم وقد عرفتها ولم اجد من يعرفها وجعلت اشتهي ان لا يجيئ من يعرفها قال تصدق بها فان جاء صاحبها فرضى كان له الاجر وان لم يرض غرمتها وكان لك الاجر (سنن للبیہقی، باب اللقطۃ یأ کلہا الغنی والفقیر اذا لم تعترف بعد تعریف سنۃ، ج سادس، ص ۳۱۱، نمبر ۱۲۰۶۲ / مصنف عبد الرزاق، کتاب اللقطۃ ج تاسع ص ۵۳۸ نمبر ۱۹۳۰۸) (۳) دوسرے اثر میں ہے عن عمر بن الخطاب قال في اللقطة يعرفها سنة فان جاء صاحبها والا تصدق بها فان

۲؎ وَالْمِلْكُ يَثْبُتُ لِلْفَقِيرِ قَبْلَ الْإِجَازَةِ فَلَا يَتَوَقَّفُ عَلَى قِيَامِ الْمَحِلِّ، بِخِلَافِ بَيْعِ الْفُضُولِيِّ لِثُبُوتِهِ بَعْدَ الْإِجَازَةِ فِيهِ (۲۹۵۱) وَإِنْ شَاءَ ضَمِنَ ۱؎ الْمُلْتَقِطُ لِأَنَّهُ سَلَّمَ مَالَهُ إِلَى غَيْرِهِ بِغَيْرِ إِذْنِهِ ۲؎ إِلَّا أَنَّهُ بِإِبَاحَةٍ مِنْ جِهَةِ الشَّرْعِ وَهَذَا لَا يُنَافِي الضَّمَانَ حَقًّا لِلْعَبْدِ كَمَا فِي تَنَاوُلِ مَالِ الْغَيْرِ حَالَةَ الْمَخْمَصَةِ،

جاء صاحبها بعد ما يتصدق بها خيره فان اختار الا جر كان له وان اختار المال كان له ماله (مصنف عبد الرزاق، کتاب اللقطۃ ج تاسع، ص ۵۳۸، نمبر ۱۹۳۱۰) ان دونوں قول صحابی میں ہے کہ صدقہ کرنے کے بعد مالک آئے تو دونوں اختیار ہیں۔ صدقہ بدستور رکھنے کا اور پانے والے سے ضمان لے لینے کا بھی۔

ترجمہ: ۲؎ مالک کی اجازت سے پہلے بھی فقیر کی ملکیت ہو جائے گی، اس لئے اجازت دینے کے لئے چیز کا موجود ہونا ضروری نہیں ہے، بخلاف فضولی کی بیع کے [اس میں مبیع کا موجود رہنا ضروری ہے] کیونکہ مالک کی اجازت کے بعد ہی مشتری کی ملکیت ہوگی۔

تشریح: اس عبارت میں فقیر کے مالک ہونے اور فضولی کی بیع ہونے میں فرق بیان کر رہے ہیں۔ صورت یہ ہے کہ چیز کا مالک صدقہ کرنے کے بعد میں آیا، اس وقت فقیر کے ہاتھ سے وہ چیز ختم ہو چکی تھی تو اب مالک کی اجازت سے فقیر مالک ہوگا، یا نہیں؟ تو اس کا جواب دیا کہ ہاں چیز ختم ہونے کے بعد بھی مالک اجازت دے گا تو فقیر اس کا مالک بن جائے گا۔ اس کے برخلاف زید نے عمر کی اجازت کے بغیر اس کی گائے خالد کے ہاتھ میں بیچ دی تو خالد کے ہاتھ میں وہ گائے موجود رہے گی اور عمر نے اجازت دی تو وہ بیع ہوگی، اور خالد کے ہاتھ میں وہ گائے نہیں رہی اور عمر نے بیع کی اجازت دی تو وہ بیع نہیں ہوگی، کیونکہ فضولی کی بیع جائز ہونے کے لئے مبیع کا موجود رہنا ضروری ہے، جبکہ فقیر کے مالک ہونے کے لئے صدقہ کی چیز کا موجود رہنا ضروری نہیں ہے، دونوں کے درمیان یہ فرق ہے۔

ترجمہ: (۲۹۵۱) اور اگر چاہے تو پانے والے کو چیز کا ضامن بنا دے۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ پانے والے نے مالک کی اجازت کے بغیر صدقہ کیا ہے،

تشریح: مالک کو یہ بھی اختیار ہے کہ پانے والے کو اپنی چیز کا ضامن بنا دے، کیونکہ اس کی اجازت کے بغیر صدقہ کیا تھا۔

وجہ: اوپر قول صحابی میں تھا کہ مالک ضامن بنا سکتا ہے۔

ترجمہ: ۲؎ یہ اور بات ہے کہ شریعت نے دینے کی اجازت دی ہے اور یہ بندے کے حق میں ضمان کے خلاف نہیں ہے جیسے مخمصہ کی حالت میں دوسرے کے مال کو کھایا تو ضمان بھی دینا پڑتا ہے۔

تشریح: مالک کو شریعت نے صدقہ کرنے کی اجازت دی ہے لیکن مالک نے نہیں دیا ہے اس لئے مالک کے لئے ضمان ہوگا

۳؎ وَإِنْ شَاءَ ضَمِنَ الْمِسْكِينُ إذَاهَلَكَ فِيْ يَدِهِ لِأَنَّهُ قَبَضَ مَالَهُ بِغَيْرِ إذْنِه، وَإِنْ كَانَ قَائِمًاأَخَذَهُ لِأَنَّهُ وَجَدَ عَيْنَ مَالِهِ. (۲۹۵۲) قَالَ: وَيَجُوزُ الِالْتِقَاطُ فِي الشَّاةِ وَالْبَقَرِ وَالْبَعِيرِ ۱؎ وَقَالَ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ: إِذَا وُجِدَ الْبَعِيرُ وَالْبَقَرُ فِي الصَّحْرَاءِ فَالتَّرْكُ أَفْضَلُ. وَعَلٰى هٰذَا الْخِلَافِ الْفَرَسُ. لَهُمَا أَنَّ الْأَصْلَ فِيْ أَخْذِ مَالِ الْغَيْرِ الْحُرْمَةُ وَالْإِبَاحَةُ مَخَافَةَ الضَّيَاعِ، وَإِذَا كَانَ مَعَهَا مَا تَدْفَعُ عَنْ نَفْسِهَا يَقِلُّ الضَّيَاعُ وَلَكِنَّهُ يُتَوَهَّمُ فَيَقْضِى بِالْكَرَاهَةِ وَالنَّدْبُ إِلَى التَّرْكِ.

،اورشریعت کی اجازت سے فرق نہیں پڑے گا،اس کی مثال یہ ہے کہ مخمصہ کی حالت میں دوسرے کا کھانا کھانے کی شریعت میں اجازت ہے،اس کے باوجود اس کے مالک کے لئے ضمان ہو ہوگا،اسی طرح یہاں صدقہ کرنے کی اجازت ہے پھر بھی صدقہ کرنے پر ضمان لازم ہوگا۔

ترجمہ:۳؎ اور چاہے تو مسکین کو ضامن بنادے، کیونکہ اس کے ہاتھ سے ہلاک ہوا ہے،اس لئے کہ اس نے مالک کی اجازت کے بغیر اس کے مال پر قبضہ کیا تھا،اور مالک نے اپنے مال کو پایا تو عین مال کو بھی واپس لے سکتا ہے [کیونکہ یہ اسی کی چیز ہے]

تشریح: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مالک مسکین سے ضمان لے، کیونکہ اس نے مالک کی اجازت کے بغیر صدقہ کا مال خرچ کیا ہے۔اور اگر مالک نے مسکین کے پاس اپنی چیز پایا تو اسکو یہ بھی حق ہے کہ مسکین سے اپنی چیز واپس لے لے، کیونکہ حقیقت میں اسی کی چیز ہے۔

ترجمہ:(۲۹۵۲) جائز ہے بکری، گائے اور اونٹ کو پکڑ لینا۔

تشریح: حضورؐ کے زمانے میں لوگ اچھے تھے اسلئے اونٹ کو لقطہ بنانے سے آپؐ نے منع فرمایا تھا، کیونکہ وہ ضائع نہیں ہوگا۔اور اسکا مالک خود اسکو لے جائے گا۔لیکن بعد میں لوگ اچھے نہیں رہے اسلئے حضرت عثمانؓ کے زمانے میں یہ فتوی دیا گیا کہ اونٹ کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو اس کو پکڑ لیا جائے اور تشہیر کی جائے۔بعد میں اسکو بیچ کر اسکی قیمت رکھ لی جائے تاکہ اسکے مالک کو دیا جائے۔

وجہ:(۱) قول صحابی میں ہے۔سمع ابن شهاب يقول كانت ضوال الابل فى زمان عمرؓ ابلا مؤبلة تناتج لايمسها حتى اذا كان زمان عثمان بن عفان امر بمعرفتها وتعريفها ثم تباع فاذا جاء صاحبها اعطى ثمنها (سنن للبیہقی، باب الرجل یجد ضالۃ یرید ردھا علی صاحبھا لا یرید اکلھا، ج سادس، ص ۳۱۶، نمبر ۱۲۰۸۰ رمصنف عبد الرزاق، کتاب اللقطۃ، ج تاسع، ص ۵۳۳، نمبر ۱۹۲۸۷) اس قول صحابی میں اونٹ پکڑ لینے کا فتوی ہے۔

ترجمہ:۱؎ امام مالک اور امام شافعیؒ نے کہا اونٹ اور گائے صحراء میں پاو تو اس کو چھوڑ دینا بہتر ہے،اور اسی اختلاف پر گھوڑا ہے۔ان دونوں کی دلیل یہ ہے کہ دوسرے کے مال لینے میں حرمت اصل ہے،اور ضائع ہونے کے خوف سے لینا مباح قرار دیا جاتا ہے،اور جانور کے ساتھ ایسی چیز ہو جو اس کا دفعیہ کرسکتا ہو تو ضائع ہونا کم ہوجاتا ہے، لیکن ضائع ہونے کا خطرہ ہے اس

۲؎ وَلَنَا أَنَّهَا لُقَطَةٌ يُتَوَهَّمُ ضَيَاعُهَا فَيُسْتَحَبُّ أَخْذُهَا وَتَعْرِيفُهَا صِيَانَةً لِأَمْوَالِ النَّاسِ كَمَا فِي الشَّاةِ.

(۲۹۵۳) فَإِنْ أَنْفَقَ الْمُلْتَقِطُ عَلَيْهَا بِغَيْرِ إِذْنِ الْحَاكِمِ فَهُوَ مُتَبَرِّعٌ ۱؎ لِقُصُورِ وِلَايَتِهِ عَنْ ذِمَّةِ الْمَالِكِ، وَإِنْ أَنْفَقَ بِأَمْرِهِ كَانَ ذٰلِكَ دَيْنًا عَلٰى صَاحِبِهَا لِأَنَّ لِلْقَاضِي وِلَايَةً فِي مَالِ الْغَائِبِ نَظَرًا لَهُ وَقَدْ يَكُونُ النَّظَرُ فِي الْإِنْفَاقِ عَلَى مَا نُبَيِّنُ.

لئے کراہیت کے ساتھ لی لینے کا فیصلہ کیا جاتا ہے،لیکن چھوڑ دینا مستحب ہے

وجہ :(۱)اس کو جانور نہیں کھائے گا اور اس کے ساتھ کھانے پینے کی چیز ہے اس لئے غیر کے مال کو بلا وجہ نہ پکڑا جائے (۲) حدیث میں پکڑنے کی ممانعت ہے۔عن زید بن خالد الجهنی قال جاء اعرابی الی النبی ﷺ فسأله عما يلتقطه ... قال يا رسول الله فضالة الغنم ؟ قال لک او لاخيک او للذئب قال ضالة الابل؟ فتمعر وجه النبی ﷺ فقال مالک ولها ؟ معها حذاؤها وسقاؤها ترد الماء وتأكل الشجر (بخاری شریف، باب ضالۃ الابل ص ۳۲۷ نمبر ۲۴۲۷ رمسلم شریف، باب معرفۃ العفاص والوکاء وحکم ضالۃ الغنم والابل ص ۷۸ نمبر ۴۴۹۸/۱۷۲۲) اس حدیث میں بکری پکڑنے کی ترغیب دی اور اونٹ پکڑنے سے منع فرمایا ہے۔

ترجمہ :۲؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ اونٹ بھی بہر حال لقطہ ہے اور اس کے ضائع ہونے کا وہم ہے اس لئے اس کا لے لینا مستحب ہوگا اور اس کا اعلان کرنا مستحب ہوگا تا کہ لوگوں کے مال کو ضائع ہونے سے بچایا جائے، جیسے بکری میں ہوتا ہے

تشریح: ہمارے یہاں اونٹ کو لینا مستحب ہے۔

وجہ:اس کی وجہ یہ ہے کہ اونٹ بھی بہر حال لقطہ ہے،اور اس کے ضائع ہونے کا خطرہ بھی ہے اس لئے اس کو لے لینا مستحب ہوگا۔

ترجمہ:(۲۹۵۳) پس اگر پانے والے نے لقطہ پر خرچ کیا حاکم کی اجازت کے بغیر تو وہ احسان کرنے والا ہوگا۔

ترجمہ :۱؎ اس لئے کہ پانے والے کی ولایت مالک پر کم ہے۔اور اگر حاکم کی اجازت سے خرچ کیا تو یہ خرچ مالک کے اوپر قرض ہوگا اس لئے کہ غائب کی مصلحت کے لئے غائب کے مال پر ولایت ہے،اور کبھی خرچ کرنے میں مصلحت ہوتی ہے۔

تشریح: لقطہ اٹھانے والے نے حاکم کی اجازت کے بغیر لقطہ پر خرچ کیا تو یہ اس پر احسان ہوگا۔یعنی مالک سے مقدمہ کر کے وہ خرچ نہیں لے سکے گا۔البتہ مالک خود دیدے تو ہو سکتا ہے۔اور اگر حاکم کے فیصلہ سے خرچ کیا تو یہ خرچ مالک کے ذمہ قرض ہوتا جائے گا۔جب مالک آئے گا تو اس سے یہ قرض وصول کرے گا۔

وجہ :(۱) حاکم کو ولایت عامہ ہے اس لئے ان کے فیصلے کے بعد لقطہ کا خرچ مالک پر قرض ہوگا ورنہ نہیں (۲) قول تابعی میں اس کا ثبوت ہے۔عن ابراهيم قالوا لو ان رجلا التقط ولد زنا فاراد ان ينفق عليه ويكون له عليه دين فليشهد

(۲۹۵۴) وَإِذَا رُفِعَ ذٰلِكَ إِلىٰ الْحَاكِمِ نَظَرَ فِيهِ، فَإِنْ كَانَ لِلْبَهِيمَةِ مَنْفَعَةٌ آجَرَهَا وَأَنْفَقَ عَلَيْهَا مِنْ أُجْرَتِهَا ا ـ لِأَنَّ فِيهِ إِبْقَاءَ الْعَيْنِ عَلَى مِلْكِهِ مِنْ غَيْرِ إِلْزَامِ الدَّيْنِ عَلَيْهِ وَكَذٰلِكَ يُفْعَلُ بِالْعَبْدِ الْآبِقِ.

(۲۹۵۵) وَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهَا مَنْفَعَةٌ وَخَافَ أَنْ تَسْتَغْرِقَ النَّفَقَةُ قِيمَتَهَا بَاعَهَا وَأَمَرَ بِحِفْظِ ثَمَنِهَا ا ـ إِبْقَاءً لَهُ مَعْنًى عِنْدَ تَعَذُّرِ إِبْقَائِهِ صُورَةً.

وان كان يريد ان يحتسب عليه فلا يشهد قال ابو حنيفة اقول انا ليس بشيء الا ان يقرضه له عليه السلطان (مصنف عبدالرزاق، باب ولاء اللقيط ج تاسع ص ۱۶ نمبر ۱۶۱۸۸) اس اثر میں ہے کہ بادشاہ طے کرے گا تب ملتقط کو خرچ ملے گا ورنہ تبرع ہوگا۔ (۲)۔ عن جابر عن الشعبی فی الرجل یجد اللقیط ثم ینفق علیه قال لیس له من نفقته شیء ، انما هو شئی احتسب به علیه ۔ (مصنف عبدالرزاق، باب النفقة علی الآبق والضالة، ج ثامن، ص ۱۶۱، نمبر ۱۴۹۹۶) اس قول تابعی میں ہے کہ لقطہ پر خرچ کرنے والے کو کچھ بھی نہیں ملے گا، کیونکہ اس نے ثواب کے لئے یہ کیا ہے۔

ترجمہ : (۲۹۵۴) جب یہ مقدمہ حاکم کے پاس آئے تو اس میں غور کرے۔ پس اگر جانور کے لئے منفعت ہو تو اس کو اجرت پر رکھے اور اس پر اس کی اجرت خرچ کرے۔

ترجمہ : ا اس لئے کہ اس صورت میں مالک کی ملکیت باقی رہے گی اور اس پر کوئی قرض بھی نہیں ہوگا، بھاگے ہوئے غلام کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا جائے گا

تشریح : مثلا گائے کو لقطہ کیا اور ہر روز تین درہم کا دودھ دیتی تھی اور دو درہم کا چارہ کھاتی تھی تو حاکم اس میں غور کر کے گویا کہ دو درہم روزانہ چارے کا پانے والے کو دلوائے گا اور روزانہ ایک درہم مالک کے لئے بچتا رہے گا۔

وجہ : اس صورت میں لقطہ بھی زندہ رہے گا اور نہ مالک پر بوجھ پڑے گا اور نہ ملتقط پر بوجھ پڑے گا۔ اگر بھاگا ہوا غلام کسی نے پکڑا تو اس کو بھی اجرت پر رکھے گا، اور اس اجرت سے غلام کا خرچ نکالے گا، اور اس سے جو بچے گا وہ مالک کے لئے محفوظ رکھے گا۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ سب کے لئے جو زیادہ نفع بخش ہو وہ کام کیا جائے۔

لغت : آجرھا : اجرت پر دے، بھیمۃ : جانور، چوپایہ۔

ترجمہ : (۲۹۵۵) اور اگر لقطہ کے لئے منفعت نہ ہو اور خوف ہو کہ خرچ اس کی قیمت کو بھی لے ڈوبے گا تو حاکم اس کو بیچے اور حکم دے اس کی قیمت کی حفاظت کا۔

ترجمہ : ا کیونکہ لقطہ کو صورت کے طور پر باقی نہیں رکھ سک رہا ہے تو معنی کے طور پر اس کو باقی رکھے گا، یعنی اس کی قیمت محفوظ رکھے گا۔

(۲۹۵۶)وَإِنْ كَانَ الْأَصْلَحُ الْإِنْفَاقَ عَلَيْهَا أَذِنَ فِي ذٰلِكَ وَجَعَلَ النَّفَقَةَ دَيْنًا عَلَى مَالِكِهَا ١؎ لِأَنَّهُ نَصَبَ نَاظِرًا وَفِي هٰذَا نَظَرٌ مِنَ الْجَانِبَيْنِ، ٢؎ قَالُوا: إِنَّمَا يَأْمُرُ بِالْإِنْفَاقِ يَوْمَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ عَلَى قَدْرِ مَا يَرَى رَجَاءَ أَنْ يَظْهَرَ مَالِكُهَا، فَإِذَا لَمْ يَظْهَرْ يَأْمُرُ بِبَيْعِهَا لِأَنَّ دَارَّةَ النَّفَقَةِ مُسْتَأْصِلَةٌ فَلَا نَظَرَ فِي الْإِنْفَاقِ مُدَّةً مَدِيدَةً.
٣؎ قَالَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: وَفِي الْأَصْلِ شَرْطُ إِقَامَةِ الْبَيِّنَةِ وَهُوَ الصَّحِيحُ لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ غَصْبًا فِي

تشریح: لقطہ مال کی کوئی آمدنی نہیں ہے اور چارہ وغیرہ خرچ اتنا ہے کہ کچھ دنوں کے بعد چارے کا خرچ اسکی قیمت سے بڑھ جائے گا اور مالک کیلئے جانور لینے کے بجائے چارے کا خرچ زیادہ دینا پڑ جائے گا۔ ایسی صورت میں حاکم لقطے کے مال کو بچوا دے گا۔ اور اسکی قیمت کسی امین کے پاس محفوظ رکھے گا تا کہ مالک آئے تو جانور کے بجائے اسکی قیمت اس کو حوالہ کر دی جائے۔

وجہ: مسئلہ نمبر ۲۹۵۲ میں حضرت عثمانؓ کا لمبا اثر گزرا جس میں تھا کہ انہوں نے اونٹ کو لقطہ قرار دیا اور اس کو بچوا کر اس کی قیمت محفوظ رکھواتے تھے۔ تا کہ جب اس کا مالک آئے تو اس کی قیمت حوالہ کر دی جائے۔ اثر کا ٹکڑا یہ ہے **سمع ابن شهاب يقول ... حتى اذا كان زمان عثمان بن عفان امر بمعرفتها وتعريفها ثم تباع فاذا جاء صاحبها اعطى ثمنها** (سنن للبیہقی، باب الرجل یجد ضالة یرید ردها علی صاحبها لا یرید اکلها، ج سادس، ص ۳۱۶، نمبر ۱۲۰۸۰/ مصنف عبد الرزاق، کتاب اللقطة، ج تاسع، ص ۵۳۳، نمبر ۱۹۲۸۷) اس قول صحابی میں اونٹ بچوا کر اس کی قیمت محفوظ رکھوانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مناسب سمجھے تو قیمت محفوظ رکھوا سکتا ہے۔

ترجمہ: (۲۹۵۶) اور اگر لقطہ پر خرچ کرنا زیادہ مناسب ہو تو اس کی اجازت دیدے اور خرچ اس کے مالک پر قرض کر دے۔

ترجمہ: ١؎ اس لئے کہ حاکم مصلحت کو دیکھنے کے لئے متعین کیا گیا ہے، اور اس صورت میں دونوں کی مصلحت ہے [کہ پانے والے کو خرچ مل جائے گا، اور مالک کو اس کی چیز مل جائے گی]

تشریح: حاکم اگر یہ مناسب سمجھے کہ اس لقطہ پر خرچ کرنا زیادہ مناسب ہے تو خرچ کرنے کی اجازت دیدے اور جتنا خرچ کیا وہ سب لقطہ کے مالک پر قرض ہوتا رہے گا۔ کیونکہ اس صورت میں دونوں کی مصلحت ہے۔

ترجمہ: ٢؎ مشائخ نے فرمایا کہ دو دن یا تین دن تک خرچ کرنے کا حکم دیا جائے گا حاکم جیسا مناسب سمجھے، اس امید پر کہ مالک آئے گا، لیکن اگر اس مدت میں نہیں آیا تو اس کے بیچنے کا حکم دیا جائے گا، اس لئے کہ نفقے کا خرچ تو بہت دیر تک چلے گا، اس لئے لمبی مدت تک خرچ کرنے میں مصلحت نہیں ہے۔

تشریح: واضح ہے۔۔ مستاصلة: وصل سے مشتق ہے، دیر تک رہے گا۔

ترجمہ: ٣؎ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اصل اس بات پر بینہ قائم کرنا ہے کہ [یہ لقطہ ہے اور اس کو واپس دینے کے لئے ہی

يَـدِهِ فَلا يَـأْمُـرُ فِيهِ بِالْإِنْفَاقِ وَإِنَّمَا يَأْمُرُ بِهِ فِي الْوَدِيعَةِ فَلا بُدَّ مِنَ الْبَيِّنَةِ لِكَشْفِ الْحَالِ وَلَيْسَتْ الْبَيِّنَةُ تُـقَامُ لِلْقَضَاءِ. ؎ وَإِنْ قَـالَ لا بَيِّـنَةَ لِـي بِـقَوْلِ الْقَاضِي لَهُ أَنْفِقْ عَلَيْهِ إِنْ كُنْت صَادِقًا فِيمَا قُلْت حَتَّى تَـرْجِـعَ عَـلَـى الْـمَالِكِ إِنْ كَانَ صَادِقًا، وَلَا يَرْجِعُ إِنْ كَانَ غَاصِبًا. ؎ وَقَـوْلُـهُ فِي الْكِتَابِ وَجَعَلَ الـنَّـفَـقَةَ دَيْنًا عَلَى صَاحِبِهَا إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّهُ إِنَّمَا يَرْجِعُ عَلَى الْمَالِكِ بَعْدَ مَا حَضَرَ وَلَمْ تُبَعْ اللُّقَطَةُ إِذَا شَرَطَ الْقَاضِي الرُّجُوعَ عَلَى الْمَالِكِ، وَهَذِهِ رِوَايَةٌ وَهُوَ الْأَصَحُّ.

اٹھایا ہے] صحیح یہی ہے کیونکہ یہ بھی احتمال رکھتا ہے کہ یہ اس کے قبضے میں غصب کے طور پر ہو، اور غصب میں اس پر خرچ کرنے کا حکم نہیں دیا جا سکتا، خرچ کرنے کا حکم تو صرف امانت کی صورت میں دی جا سکتی ہے، اس لئے حال کی وضاحت کے لئے گواہ ضروری ہے، فیصلے کے لئے یہ گواہی نہیں ہے۔

تشریح : یہ ممکن ہے کہ اٹھانے والے کے ہاتھ غصب کا مال ہو جس پر خرچ کرنے کا حکم نہیں دیا جا سکتا، اس لئے اس بات پر بینہ چاہئے کہ یہ لقطہ کا مال ہے اور مالک کو واپس دینے کے لئے اٹھایا ہے، یہ گواہ حالات کی وضاحت کے لئے ہے، فیصلے کے لئے نہیں ہے۔

ترجمہ : ؎ اٹھانے والے نے یہ کہا کہ میرے پاس گواہ نہیں ہے، تو قاضی اس طرح حکم دے گا کہ اگر تم اپنے بات میں سچے ہو تو اس چیز پر خرچ کرتے رہو، اور تم سچے ہو گے تو مالک سے خرچ لے لینا۔ اور غاصب ثابت ہوئے تو خرچ نہیں ملے گا۔

تشریح : اٹھانے والا اٹھانے پر گواہ نہیں پیش کر سکتا تو قاضی حتمی فیصلہ نہیں دے گا، بلکہ درمیانی فیصلہ کرے گا کہ اگر تم اپنی بات میں سچے ہو تو تم کو مالک سے خرچ ملے گا، اور غاصب ثابت ہوئے تو تم کو خرچ نہیں ملے گا۔

ترجمہ : ؎ متن میں جو یہ جملہ ہے کہ، خرچ مالک پر قرض کر دے، اس جملے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہے کہ اٹھانے والے مالک کے آنے پر اس وقت خرچ لے گا جبکہ چیز بیچی نہیں گئی ہو اور قاضی نے مالک پر لینے کی شرط لگائی ہو، اور یہ روایت زیادہ صحیح ہے۔

تشریح : صاحب ہدایہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر قاضی نے اٹھانے والے سے صرف اتنا کہا کہ اس پر خرچ کرتے رہو تو اس جملے سے مالک سے خرچ نہیں لے پائے گا، یہ مالک کی جانب سے تبرع اور احسان ہو جائے گا، ہاں یہ بھی کہا کہ یہ خرچ چیز کے مالک پر قرض ہے تب اٹھانے والا مالک سے خرچ لے سکے گا۔ یہ روایت زیادہ صحیح ہے۔ لیکن دوسری روایت یہ بھی ہے کہ حاکم نے خرچ کرنے کے لئے کہا، اور یہ نہیں بھی کہا کہ یہ خرچ مالک پر قرض ہوگا، تب بھی چونکہ حاکم کے حکم سے خرچ کیا ہے اس لئے مالک سے یہ خرچ لیا جائے گا۔

(۲۹۵۷) قَالَ: وَإِذَا حَضَرَ يَعْنِي الْمَالِكُ فَلِلْمُلْتَقِطِ أَنْ يَمْنَعَهَا مِنْهُ حَتَّى يُحْضِرَ النَّفَقَةَ ۱؎ لِأَنَّهُ حَيٌّ بِنَفَقَتِهِ فَصَارَ كَأَنَّهُ اسْتَفَادَ الْمِلْكَ مِنْ جِهَتِهِ فَأَشْبَهَ الْمَبِيعَ؛ ۲؎ وَأَقْرَبُ مِنْ ذٰلِكَ رَادُّ الْآبِقِ فَإِنَّ لَهُ الْحَبْسَ لِاسْتِيفَاءِ الْجُعْلِ لِمَا ذَكَرْنَا، ۳؎ ثُمَّ لَا يَسْقُطُ دَيْنُ النَّفَقَةِ بِهَلَاكِهِ فِي يَدِ الْمُلْتَقِطِ قَبْلَ الْحَبْسِ، وَيَسْقُطُ إِذَا هَلَكَ بَعْدَ الْحَبْسِ لِأَنَّهُ يَصِيرُ بِالْحَبْسِ شَبِيهَ الرَّهْنِ.

ترجمہ:(۲۹۵۷) پس جب اس کا مالک آئے تو ملتقط کے لئے جائز ہے کہ اس سے روک دے یہاں تک کہ خرچ لے لے۔

ترجمہ:۱؎ اس لئے کہ پانے کے خرچ سے جانور زندہ رہا ہے تو ایسا ہوا کہ مالک نے اٹھانے والے کی ملک سے فائدہ اٹھایا اس لئے یہ بیع کے مشابہ ہو گیا۔

تشریح: مالک آنے کے بعد ملتقط کو حق ہے کہ جب تک اپنا خرچ نہ لے لے اس وقت تک لقطہ کو اپنے پاس روکے رکھے۔

وجہ :(۱) چونکہ حاکم کے فیصلے سے خرچ کیا ہے اور اس کی رقم خرچ ہوئی ہے اس لئے اس کو وصول کرنے کا حق ہے۔(۲) صاحب ہدایہ نے یہ دلیل دی ہے کہ اٹھانے والے کی ملکیت سے جانور زندہ رہا ہے تو ایسا سمجھو کہ مالک نے اٹھانے والے کی ملکیت سے فائدہ اٹھایا ہے اس لئے اس کو اپنی چیز مالک سے لینے کا حق ہے۔(۳) اور یوں ہو گیا گویا کہ مالک نے جانور کو خرچ کے بدلے میں بیچ دیا ہے، اس لئے پانے والے کو مالک سے لینے کا حق ہوگا۔

ترجمہ :۲؎ اس مسئلے کے قریب ہے کہ بھاگے ہوئے غلام کو کسی نے پکڑا اور اس پر خرچ کیا تو خرچ لینے کے لئے غلام کو روک لینے کا حق ہوگا اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے بیان کیا [کہ اس نے حاکم کی اجازت سے خرچ کیا اس لئے اس کو اپنا خرچ لینے کا حق ہوگا]

تشریح : زید کا غلام بھاگا، اور عمر نے اس کو پکڑا اور حاکم کی اجازت سے اس پر ایک سو درہم خ خرچ کیا تو عمر کو حق ہوگا کہ ایک سو درہم وصول کرنے کے لئے غلام روک لے، جیسے لقطہ روک لینے کا حق ہوتا ہے۔

ترجمہ :۳؎ جانور کو روکنے سے پہلے پانے والے کے ہاتھ میں جانور ہلاک ہو گیا تو خرچ کیا ہوا ساقط نہیں ہوگا، اور جانور کو روکنے کے بعد ہلاک ہوا تو خرچ ساقط ہو جائے گا اور روکنا رہن کے مشابہ ہو جائے گا۔

تشریح : یہاں دو صورتیں ہیں [۱] پانے والے نے خرچ لینے کے لئے جانور کو ابھی روکا نہیں تھا کہ جانور ہلاک ہو گیا اس کے باوجود پانے والے نے جو خرچ کیا تھا وہ مالک سے لے سکتا ہے۔

وجہ :اس کی وجہ یہ ہے چونکہ پانے والے نے روکا نہیں ہے اس لئے یہ جانور مالک کا ہی ہلاک ہوا ہے اس لئے مالک پر خرچہ دینا ضروری ہے۔

(۲۹۵۸) قَالَ وَلُقَطَةُ الْحِلِّ وَالْحَرَمِ سَوَاءٌ ۱ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يَجِبُ التَّعْرِيفُ فِي لُقَطَةِ الْحَرَمِ إِلَى أَنْ يَجِيءَ صَاحِبُهَا لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِي الْحَرَمِ "وَلَا يَحِلُّ لُقَطَتُهَا إِلَّا لِمُنْشِدٍ".

اور اگر پانے والے نے خرچ کے لئے جانور روکا تو گویا کہ پانے والے نے جانور کو رہن پر رکھ لیا، اور قاعدہ یہ ہے کہ رہن کی چیز ہلاک رہن رکھنے والے کے پاس ہلاک ہو جائے تو جانور کی جتنی قیمت ہے وہ ساقط ہو جاتی ہے، اس لئے پانے والے نے جتنا خرچ کیا تھا وہ ساقط ہو جائے گا اور پانے والا اب مالک سے خرچ نہیں لے سکے گا۔

ترجمہ: (۲۹۵۸) حل اور حرم کے لقطے برابر ہیں۔

تشریح: یعنی دونوں کے احکام برابر ہیں کہ جس طرح حل کا لقطہ ایک سال تشہیر کے بعد اس کو خرچ کر سکتا ہے اسی طرح حرم کا لقطے کی تشہیر کے بعد خرچ کر سکتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ مالک پانے کی امید میں ہمیشہ تشہیر کرتا ہی رہے۔

وجہ: (۱) حضرت عائشہ کا قول ہے۔ **ان امرأة سألت عائشة فقالت انی اصبت ضالة فی الحرم و انی عرفتها فلم اجد احدا یعرفها فقالت لها عائشة استنفعی بها** (طحاوی شریف، باب اللقطۃ والضوال ج ثانی ص ۲۵۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حرم کا لقطہ بھی تشہیر کے بعد خرچ کیا جا سکتا ہے۔ (۲) امام ابو حنیفہؒ نے اس احادیث سے استدلال کیا ہے جس میں ہے کہ ایک سال اعلان کرنے کے بعد اس کو صدقہ کر سکتے ہو اور اس حدیث میں حل اور حرم کی کوئی قید نہیں ہے، اس لئے حرم کے بارے میں بھی یہی حکم ہوگا کہ ایک سال اعلان کے بعد اس کو صدقہ کر سکتا ہے۔ حدیث یہ ہے۔ **عن زید بن خالد الجهنی قال جاء اعرابی الی النبی ﷺ فسأله عما یلتقطه فقال عرفها سنة ثم اعرف عفاصها و وکاءها** (بخاری شریف، باب ضالۃ الابل ص ۳۲۷ نمبر ۲۴۲۷ رمسلم شریف، باب معرفۃ العفاص والوکاء وحکم ضالۃ الغنم والابل ص ۷۸ نمبر ۱۷۲۲/۴۴۹۸) اس حدیث میں ایک سال تک اعلان کر پھر اس کی علامات کو یاد کر کے اس کو صدقہ کر دے۔

ترجمہ: ۱ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ حرم کے لقطے کو مالک کے آنے تک اعلان کرنا پڑے گا، حرم کے بارے میں حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ اس کے لقطے کو اٹھانا حلال نہیں ہے مگر اس آدمی کے لئے جو اس کا اعلان کرتا رہے۔

تشریح: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جب تک مالک نہ آجائے اس وقت تک حرم کے لقطے کی تشہیر کرتا رہنا ہی پڑے گا۔

وجہ: (۱) ان کی دلیل وہ احادیث ہے جن میں حرم کے لقطے کی تشہیر ہمیشہ کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ حدیث یہ ہے۔ **عن ابن عباس ان رسول الله قال ....و لا تحل لقطتها الا لمنشد** . (بخاری شریف، باب کیف تعرف لقطۃ اہل مکۃ ص ۳۲۸ نمبر ۲۴۳۳) (۲) اور ابو داؤد میں ہے۔ **عن عبد الرحمان بن عثمان التیمی ان رسول الله ﷺ نهی عن لقطة الحاج قال احمد قال ابن وهب یعنی فی لقطة الحاج یترکها حتی یجدها صاحبها** (ابو داؤد

۲؎ وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "اعْرِفْ عِفَاصَهَا وَوِكَاءَ هَا ثُمَّ عَرِّفْهَا سَنَةً" مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ ۳؎ وَلِأَنَّهَا لُقَطَةٌ، وَفِي التَّصَدُّقِ بَعْدَ مُدَّةِ التَّعْرِيفِ إبْقَاءُ مِلْكِ الْمَالِكِ مِنْ وَجْهٍ فَيَمْلِكُهُ كَمَا فِي سَائِرِهَا. ۴؎ وَتَأْوِيلُ مَا رُوِيَ أَنَّهُ لَا يَحِلُّ الِالْتِقَاطُ إلَّا لِلتَّعْرِيفِ، وَالتَّخْصِيصُ بِالْحُرُمِ لِبَيَانِ أَنَّهُ لَا يَسْقُطُ التَّعْرِيفُ فِيهِ لِمَكَانِ أَنَّهُ لِلْغُرَبَاءِ ظَاهِرًا.

شریف، باب التعریف باللقطۃ ص ۲۴۵ نمبر ۱۷۱۹) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ حاجیوں کے لقطے کی ہمیشہ تشہیر کرتا رہے۔

ترجمہ: ۲؎ ہماری دلیل حضورؐ کا قول ہے کہ ایک سال لقطے کا اعلان کرو، پھر اس کی علامت یاد کر لو اور اس سے فائدہ اٹھانا چاہو تو اٹھا لو، صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن زید بن خالد الجھنی قال جاء اعرابی الی النبی ﷺ فسأله عما یلتقطه فقال عرفها سنة ثم اعرف عفاصها و وکاء ها (بخاری شریف، باب ضالۃ الابل ص ۳۲۷ نمبر ۲۴۲۷ر مسلم شریف، باب معرفۃ العفاص والوکاء وحکم ضالۃ الغنم والابل ص ۷۸ نمبر ۱۷۲۲/۴۴۹۸) اس حدیث میں حل اور حرم کی تفصیل نہیں ہے اس لئے حرم اور حل دونوں کے لقطے کے لئے یہی ہوگا کہ ایک سال کے بعد اس کو صدقہ کر دے، یا خود فائدہ اٹھالے۔

ترجمہ: ۳؎ اور اس لئے کہ یہ بھی لقطہ ہے، اور اعلان کی مدت کے بعد صدقہ کرنے میں گویا کہ مالک کی ملکیت باقی رہتی ہے کہ اس کو چیز کا ثواب دے دیا جاتا ہے، اس لئے حل کے لقطے کی طرح اس کو بھی صدقہ کر سکتا ہے۔

تشریح: حرم کے لقطے کو اٹھانے کی دو وجہ بیان کر رہے ہیں [۱] ایک یہ کہ بہر حال یہ لقطہ ہے، اس لئے ایک سال ہی اس کا اعلان ہونا چاہئے [۲] دوسری وجہ یہ بیان کر رہے ہیں کہ صدقہ کرنے سے مالک کو ثواب ملے گا تو گویا کہ اس کی ملکیت میں ہی باقی رکھ رہے ہیں، اس لئے جس طرح حرم کے علاوہ کے لقطہ کو صدقہ کر کے مالک کی ملکیت میں باقی رکھی جائے گی، حرم کے لقطے کو بھی صدقہ کر کے مالک کی ملکیت میں باقی رکھنے کا حق ہوگا۔

ترجمہ: ۴؎ اور امام شافعیؒ نے جو روایت کی ہے اس کی تاویل یہ ہے کہ اعلان کرنے والے کے لئے ہی اٹھانا حلال ہے، اور حرم کی تخصیص اس لئے ہے کہ مسافر کی جگہ ہونے کی وجہ سے اعلان کرنا ساقط نہیں ہوگا۔

تشریح: اور امام شافعیؒ نے جو روایت بیان کی ہے اس کی تاویل یہ ہے کہ اس حدیث میں اس پر زور دیا گیا کہ حرم کے لقطے کا بھی اعلان کرنا ہی ہوگا، چاہے ایک سال ہی کے لئے ہو، اور وہاں مسافر آتے ہیں اس لئے مسافر ہونے کی وجہ سے اعلان ساقط نہیں ہوگا، اس لئے جو اعلان کرے گا اسی کے لئے لقطے کا اٹھانا حلال ہوگا، البتہ ایک سال میں وہ اعلان ساقط ہو جائے گا، جیسا کہ دوسری حدیث میں اس کا ذکر ہے۔

(۲۹۵۹) وَإِذَا حَضَرَ رَجُلٌ فَادَّعَى اللُّقَطَةَ لَمْ تُدْفَعْ إِلَيْهِ حَتَّى يُقِيمَ الْبَيِّنَةَ. فَإِنْ أَعْطَى عَلَامَتَهَا حَلَّ لِلْمُلْتَقِطِ أَنْ يَدْفَعَهَا إِلَيْهِ وَلَا يُجْبَرُ عَلَى ذٰلِكَ فِي الْقَضَاءِ.

ترجمہ: (۲۹۵۹) اگر آدمی حاضر ہوا اور حاکم کے پاس دعوی کیا کہ لقطہ اس کا ہے تو اس کو نہیں دیا جائے گا یہاں تک کہ بینہ قائم کرے۔ لیکن اگر گواہی پیش نہیں کی، صرف علامت بتائی پانے والے کے گنجائش ہے کہ چیز مالک کو دے دے لیکن قضا میں اس کو دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

اصول: امام ابو حنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ گواہ پیش کرے تب ہی دینا واجب ہے، علامت بتانے سے دینا واجب نہیں ہے، دینے کی گنجائش ہے۔

اصول: امام شافعیؒ کا اصول یہ ہے کہ علامت بتا دے تب بھی دینا واجب ہے۔

تشریح: مالک نے اپنی چیز ہونے پر گواہ پیش کر دیا تب تو قاضی اس کو دے دینے پر مجبور کرے گا، لیکن بینہ پیش نہیں کی صرف چیز کی علامت بتائی تو قاضی اب دینے پر مجبور نہیں کرے گا، البتہ اٹھانے والے کا دل گواہی دیکہ یہی اس کا مالک ہے تو وہ مالک کو دے دے۔

وجہ: یہاں دو حدیثیں ہیں، ایک حدیث میں ہے کہ مالک کو بینہ پیش کرنا ہوگا، اس لئے اس سے استدلال کیا جائے گا کہ بینہ پیش کر دے تو دینا ضروری ہوگا۔ [۲] اور دوسری حدیث ہے کہ مالک علامت بیان کر دے تو اس کو دے دیا جائے، اس کا مطلب یہ لیا جائے کہ علامت بیان کر دے تو دینے کی گنجائش ہوگی، دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ (۲) بینہ کی حدیث یہ ہے۔ عن ابن عباس ان النبی ﷺ قال لو یعطی الناس بدعواھم لادعی ناس دماء رجال واموالھم ولکن الیمین علی المدعی علیہ (مسلم شریف، باب الیمین علی المدعی علیہ ص ۷۴ نمبر ۱۷۱۱/۴۴۷۰) (۳) اور مدعی کے بارے میں یہ حدیث ہے۔ عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ قال البینۃ علی من ادعی والیمین علی من انکر الا فی القسامۃ (دار قطنی، کتاب الحدود والدیات وغیرہ ج ثالث ص ۸ نمبر ۳۱۶۵) اس لئے مالک کے لئے بینہ پیش کرنا ضروری ہے۔

(۴) اور علامت بتائے تو اس کو دینے کی گنجائش ہے اس کی حدیث یہ ہے۔ عن زید ابن خالد الجھنی ان رجلا سأل رسول اللہ ﷺ عن اللقطۃ قال عرفھا سنۃ ثم اعرف وکاء ھا وعفاصھا ثم استنفق بھا فان جاء ربھا فادھا الیہ (بخاری شریف، باب اذا جاء صاحب اللقطۃ بعد سنۃ ردھا علیہ لانھا ودیعۃ عندہ ص ۳۲۹ نمبر ۲۴۳۶ / مسلم شریف، باب معرفۃ العفاص والوکاء وحکم ضالۃ الغنم والابل ص ۷۸ نمبر ۱۷۲۲ / ۴۵۰۲) اس حدیث میں ہے کہ مالک آجائے تو اس کو دے دو اور بینہ پیش کرنے کا حکم نہیں ہے۔ اس لئے بینہ پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ (۵) اور مسلم شریف کی حدیث میں

۱؎ وَقَالَ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى: يُجْبَرُ، وَالْعَلَامَةُ مِثْلُ أَنْ يُسَمِّيَ وَزْنَ الدَّرَاهِمِ وَعَدَدَهَا وَوِكَاءَهَا وَوِعَاءَهَا. لَهُمَا أَنَّ صَاحِبَ الْيَدِ يُنَازِعُهُ فِي الْيَدِ وَلَا يُنَازِعُهُ فِي الْمِلْكِ، فَيُشْتَرَطُ الْوَصْفُ لِوُجُودِ الْمُنَازَعَةِ مِنْ وَجْهٍ، وَلَا تُشْتَرَطُ إِقَامَةُ الْبَيِّنَةِ لِعَدَمِ الْمُنَازَعَةِ مِنْ وَجْهٍ.

۲؎ وَلَنَا أَنَّ الْيَدَ حَقٌّ مَقْصُودٌ كَالْمِلْكِ فَلَا يُسْتَحَقُّ إِلَّا بِحُجَّةٍ وَهُوَ الْبَيِّنَةُ اعْتِبَارًا بِالْمِلْكِ.

یہ زیادتی ہے کہ مالک علامت بتائے تو اس کو دے دو۔ **فان جاء احد يخبرک بعددها ووعاء ها ووکاء ها فاعطها اياه** ۔(مسلم شریف، باب معرفۃ العفاص والوکاءص ۸۷ نمبر ۲۳ ۱۷/۴۵۰۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ علامت بتائے تو اس کے حوالے کرنا جائز ہے، البتہ ضروری نہیں ہے۔

ترجمہ :۱؎ امام مالک اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ علامت بتانے پر ہی دینے پر مجبور کیا جائے گا، اور علامت یہ ہیں مثلا درہم کا وزن بتائے، اس کی عدد بتائے، اس پر گرہ کیسی لگی تھی، اس کی تھیلی کیسی تھی، امام شافعیؒ اور امام کی دلیل یہ ہے کہ جس نے پایا ہے وہ قبضے کے بارے میں مالک سے جھگڑا کر رہا ہے، مالک ہونے کے بارے میں اس سے جھگڑا نہیں کر رہا ہے، کیونکہ مالک تو علامت بتانے والا ہی ہے، اس لئے وصف بتانے کی شرط ہوگی، کیونکہ کچھ ہی جھگڑا ہے، گواہ پیش کرنے کی شرط نہیں ہوگی، کیونکہ ملک کے بارے میں جھگڑا نہیں ہے۔

تشریح: امام شافعیؒ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ علامت بتادی تو دینے پر مجبور کیا جائے گا، چاہے ملکیت پر گواہ پیش نہ کیا ہو۔

وجہ :(۱) ان کی عقلی دلیل یہ ہے کہ اٹھانے والا یہ نہیں کہہ رہا ہے کہ میری ملکیت ہے اس لئے ملکیت کے بارے میں جھگڑا نہیں ہے، البتہ چیز پر اس کا قبضہ ہے تو وہ مالک کو اس کا قبضہ نہیں دینا چاہتا ہے، اس لئے قبضے کے بارے میں جھگڑا ہے، اس لئے گویا کہ کچھ جھگڑا ہے اور کچھ جھگڑا نہیں ہے، اس لئے دینے کے لئے علامت بتا دینا کافی ہے، اس لئے جب علامت بتادی تو دینے پر مجبور کیا جائے گا۔ (۲) ان کی دوسری دلیل اوپر کی حدیث ہے جس میں ہے کہ علامت بتا دے تو اس کو دے دو، اس لئے وہ فرماتے ہیں کہ حدیث کی بنا پر دینا واجب ہے۔

لغت: وکائھا: وکا، یکی وکاء، مشک کو بندھن سے باندھنا۔ وعائھا: برتن، یہاں مراد ہے اس کی تھیلی کیسی تھی۔

ترجمہ:۲؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ ملکیت کی طرح قبضہ بھی ایک مقصود کی چیز ہے، اس لئے مالک گواہ دئے بغیر قبضے کا مستحق نہیں ہوگا ملک پر قیاس کرتے ہوئے

تشریح : یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ قبضہ بھی ملکیت کی طرح مقصود ہوتا ہے اس لئے قبضے کے لئے بھی مالک پر گواہی ضروری ہے۔

۳؎ إِلَّا أَنَّهُ يَحِلُّ لَهُ الدَّفْعُ عِنْدَإِصَابَةِ الْعَلَامَةِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ ''فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَاوَعَرَفَ عِفَاصَهَاوَعَدَدَهَافَادْفَعْهَاإِلَيْهِ'' وَهٰذَا لِلْإِبَاحَةِ عَمَلًا بِالْمَشْهُورِوَهُوَقَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ ''الْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِيْ'' الْحَدِيثَ ۴؎ وَيَأْخُذُ مِنْهُ كَفِيلًا إِذَاكَانَ يَدْفَعُهُ إِلَيْهِ اسْتِيثَاقًا،وَهٰذَابِلَاخِلَافٍ،لِأَنَّهُ يَأْخُذُالْكَفِيلَ لِنَفْسِهِ،بِخِلَافِ التَّكْفِيلِ لِوَارِثٍ غَائِبٍ عِنْدَهُ. ۵؎وَإِذَا صُدِّقَ قِيلَ لَايُجْبَرُعَلَى الدَّفْعِ كَالْوَكِيلِ بِقَبْضِ الْوَدِيعَةِ إِذَاصَدَّقَهُ.وَقِيلَ يُجْبَرُ لِأَنَّ الْمَالِكَ هَاهُنَاغَيْرُظَاهِرٍوَالْمُودِعُ مَالِكٌ ظَاهِرًا.

ترجمہ :۳؎ لیکن علامت کے بتانے پر پانے والے کے لئے دے دینا حلال ہوگا،کیونکہ حضورؐ نے فرمایا کہ اگر مالک آئے اور تھیلی کا رنگ بتائے،اور درہم کی تعداد بتائے تو چیز اس کو دے دو،مشہور حدیث پر عمل کرتے ہوئے یہ حکم اباحت کے لئے ہے، اور وہ حدیث ہے کہ مدعی پر گواہ پیش کرنا ضروری ہے۔

تشریح:اوپر حدیث گزری جس کی وجہ سے یہ ہے کہ اگر چیز کی علامت بتادے تو اٹھانے والے کے دینا حلال ہو جاتا ہے۔

وجہ :مشہور حدیث میں ہے کہ گواہ پیش کرے تب دو،اور دوسری حدیث میں ہے کہ علامت بتائے تو دے دو،اس لئے اس کا مطلب یہ نکلے گا کہ علامت بتائے تو دینے کی گنجائش ہے۔دونوں حدیثیں اوپر گزر گئیں ہیں۔

لغت : عفاص:بوتل کا ڈاٹ، یہاں مراد تھیلی کا رنگ وغیرہ۔

ترجمہ :۴؎ اور جب دے تو مالک سے کفیل لے لے بات کو مضبوط کرنے کے لئے،اس بارے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے،اس لئے کہ اپنی ذات کے لئے کفیل لے رہا ہے۔

تشریح: پانے والا مالک کو چیز دے تو اس کے لئے یہ جائز ہے کہ مالک سے کفیل لے تاکہ بعد میں کوئی دوسرا مالک نکل آئے تو کفیل مالک کو حاضر کرے اور اس سے چیز لیکر اصل مالک کو دے سکے،اس بارے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

ترجمہ:۵؎ اس کے برخلاف غائب وارث کے لئے کفیل لینا،امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

تشریح : زید مر گیا اب اس کی وراثت تقسیم ہو رہی ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے یہاں وارثین سے اس بات پر کفیل لینے کی ضرورت نہیں ہے کہ اگر کوئی وارث نکل گیا تو تم لوگ اس کو بھی وراثت دو گے،کیونکہ یہاں وارث موجود ہیں،مزید وارث نکل جائے اس کا صرف وہم ہے،اس لئے وہم کے لئے کفیل لینے کی ضرورت نہیں ہے،اور صاحبینؒ کے نزدیک یہاں بھی کفیل لیا جا سکتا ہے،کیونکہ اگر کوئی وارث نکل گیا تو اس کو وارثت کون دے گا۔

ترجمہ :۵؎ اور پانے والا اگر مالک کی تصدیق کرے تو کہا گیا کہ دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا،جیسے امانت کے قبضہ کرنے کا وکیل جب اس کی تصدیق کردے [کہ آپ واقعی امانت پر قبضہ کرنے کا وکیل ہیں] تو دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا،اور بعض

(۲۹۶۰) وَلا يَتَصَدَّقُ بِاللُّقَطَةِ عَلَى غَنِيٍّ لِ لِأَنَّ الْمَأْمُورَبِهِ هُوَ التَّصَدُّقُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلاةُ وَالسَّلامُ "فَإِنْ لَمْ يَأْتِ" يَعْنِي صَاحِبَهَا، "فَلْيَتَصَدَّقْ بِهِ" وَالصَّدَقَةُ لا تَكُونُ عَلىٰ غَنِيٍّ فَأَشْبَهَ الصَّدَقَةَ الْمَفْرُوضَةَ.

(۲۹۶۱) وَإِنْ كَانَ الْمُلْتَقِطُ غَنِيًّا لَمْ يَجُزْ لَهُ أَنْ يَنْتَفِعَ بِهَا

حضرات نے فرمایا کہ دینے پر مجبور کیا جائے گا، اس لئے کہ یہاں مالک کا پتہ نہیں ہے، اورامانت کی صورت میں مالک کا پتہ ہے [اس لئے یہ کہہ سکتا ہے کہ اصلی مالک کو ہی دوں گا۔

تشریح : پانے والے نے علامت بتانے والے کی تصدیق کی کہ ہاں تم ہی اس چیز کا مالک ہو تب بھی دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، البتہ دینے کی گنجائش ہے۔ اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ زید کے پاس عمر کی گائے امانت ہے، خالد آیا اور کہا کہ میں عمر کی جانب سے گائے لینے آیا ہوں، زید نے اس کی تصدیق کی پھر بھی زید پر گائے دینا واجب نہیں ہے، اسی طرح یہاں چیز دینا واجب نہیں ہے۔

لیکن بعض حضرات نے فرمایا کہ لقطہ کی شکل میں تصدیق کے بعد دینا واجب ہے، اورامانت کی صورت میں تصدیق کے بعد دینا واجب نہیں ہے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ، امانت کی صورت میں اس کا مالک معلوم ہے کہ وہ عمر ہے، اس لئے اصل مالک کو بلوا کر دے سکتا ہے۔ اور لقطہ کی صورت میں اصل مالک کا پتہ نہیں ہے، اس لئے ابھی جو مالک سامنے آیا ہے اسی کو دینا واجب ہے۔

ترجمہ: (۲۹۶۰) اور لقطہ مالدار پر صدقہ نہ کرے۔

ترجمہ: لِ اس لئے کہ حدیث میں صدقہ کرنے کا حکم ہے، چنانچہ حضورؐ نے فرمایا کہ اگر مالک نہ آئے تو چیز کو صدقہ کر دے اور فرض صدقہ مالدار پر نہیں ہوتا [اس لئے مالدار پر یہ صدقہ نہ کرے]

وجہ : (۱) حدیث میں ہے کہ صدقہ کرے اور صدقہ غرباء پر ہوتا ہے۔ اس لئے پتہ چلتا ہے کہ مالدار پر صدقہ نہ کرے۔ صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **عن ابی هريرة قال قال رسول الله وسئل عن اللقطة فقال لا تحل اللقطة من التقط شيئا فليعرفه سنة فان جاء صاحبها فليردها اليه وان لم يأت صاحبها فليتصدق بها** (دار قطنی، کتاب الرضاع ج رابع ص ۱۰۸ نمبر ۴۳۴۳ رمصنف عبد الرزاق، کتاب اللقطۃ ج تاسع ص ۵۳۸، نمبر ۱۹۳۱۰) مصنف میں حضرت عمر کا قول ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صدقہ کرے اور صدقہ فقیر پر ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ مالدار پر صدقہ نہ کرے۔

ترجمہ: (۲۹۶۱) اور اگر ملتقط مالدار ہو تو جائز نہیں ہے کہ لقطہ سے فائدہ اٹھائے۔

وجہ : (۱) اس قول صحابی میں ہے۔ **عن نافع ان رجلا وجد لقطة فجاء الى عبد الله بن عمر فقال له انى وجدت لقطة فماذا ترى فقال له ابن عمر عرفها قال قد فعلت قال زد قال قد فعلت قال لا آمرک ان**

۱؎ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يَجُوزُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِي حَدِيثِ أُبَيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ "فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا فَادْفَعْهَا إِلَيْهِ وَإِلَّا فَانْتَفِعْ بِهَا" وَكَانَ مِنَ الْمَيَاسِيرِ، ۲؎ وَلِأَنَّهُ إِنَّمَا يُبَاحُ لِلْفَقِيرِ حَمْلًا لَهُ عَلٰى رَفْعِهَا صِيَانَةً لَهَا وَالْغَنِيُّ يُشَارِكُهُ فِيهِ. ۳؎ وَلَنَا مَالُ الْغَيْرِ فَلَا يُبَاحُ الِانْتِفَاعُ بِهِ إِلَّا بِرِضَاهُ لِإِطْلَاقِ النُّصُوصِ وَالْإِبَاحَةُ لِلْفَقِيرِ لِمَا رَوَيْنَاهُ، أَوْ بِالْإِجْمَاعِ فَيَبْقَى مَا وَرَاءَهُ عَلَى الْأَصْلِ،

تأكلها ولو شئت لم تأخذها (سنن للبیہقی، باب اللقطۃ یأ کلہا الغنی والفقیر اذا لم تعترف بعد تعریف سنۃ، ج سادس، ص ۳۱۲، نمبر ۱۲۰۶۳) (۲) لقطہ پانے والی عورت نے تین مرتبہ اصرار کیا تو حضرت عائشہ نے فرمایا تھا۔ فقالت (عائشة) اتريدين ان آمرک بذبحها (مصنف عبد الرزاق، کتاب اللقطۃ ج تاسع، ص ۵۳۹، نمبر ۱۹۳۱۴) ان آثار سے معلوم ہوا کہ خود مالدار ہو تو لقطہ کا مال استعمال نہ کرے۔

ترجمہ: ۱؎ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ مالدار کے فائدہ اٹھانا جائز ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ حضرت ابی بن کعب سے حضور نے فرمایا تھا کہ اگر مالک آئے تو اس کو دے دو، اور نہ آئے تو خود فائدہ اٹھالو، حالانکہ حضرت ابی بن کعب مالدار تھے۔

وجہ: صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ سمعت سويد بن غفلة قال لقيت ابی بن كعب فقال اصبت صرة فيها مائة دينار فاتيت النبی ﷺ فقال عرفها حولا فعرفتها فلم اجد من يعرفها ثم اتيته فقال عرفها حولا فعرفتها فلم اجد ثم اتيته ثلاثا فقال احفظها وعائها وعددها ووكاء ها فان جاء صاحبها والا فاستمتع بها فاستمتعت فلقيته بعد بمكة فقال لا ادری ثلاثة احوال او حولا واحدا (بخاری شریف، باب اذا اخبر رب اللقطۃ بالعلامۃ دفع الیہ ص ۳۲۷ نمبر ۲۴۲۶ رمسلم شریف، باب معرفۃ العفاص والوکاء وحکم ضالۃ الغنم والابل ص ۷۸ نمبر ۱۷۲۳/۴۵۰۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اٹھانے والا مالدار ہو تب بھی اس سے نفع اٹھا سکتا ہے۔

ترجمہ: ۲؎ دوسری دلیل یہ ہے کہ فقیر کے لئے مباح اس لئے ہے تا کہ وہ لقطہ کی چیز اٹھائے اور اس کی حفاظت کرے، اس امید پر کہ اس کو بھی وہ کام آئے گی، اور اس امید میں فقیر اور مالدار برابر ہیں [اس لئے مالدار کو بھی فائدہ اٹھانے کی گنجائش ہے]

تشریح: امام شافعیؒ کی جانب سے یہ دلیل عقلی پیش کی ہے۔ فقیر لقطہ کی چیز اس لئے اٹھائے گا کہ اس کو امید ہوگی کہ بعد میں مجھے بھی یہ کام آسکتی ہے، اور اس امید میں مالدار اور غریب برابر ہیں، اس لئے مالدار کے لئے بھی فائدہ اٹھانا جائز ہوگا۔

ترجمہ: ۳؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ غیر کا مال ہے حدیث کی وجہ سے مالک کی رضامندی کے بغیر اس کو استعمال کرنا جائز نہیں ہے، اور یہ مال فقیر کے لئے مباح ہے [اس لئے فقیر ہی استعمال کرسکتا ہے]۔ یا یوں کہو کہ اس پر اجماع ہو گیا کہ مالدار اس کو استعمال نہ کرے۔ اس لئے جو حدیث روایت کی وہ اصل پر باقی رہے گی۔

۴ وَالْغَنِيُّ مَحْمُولٌ عَلَى الْأَخْذِ لِاحْتِمَالِ افْتِقَارِهِ فِي مُدَّةِ التَّعْرِيفِ، وَالْفَقِيرُ قَدْ يَتَوَانَى لِاحْتِمَالِ اسْتِغْنَائِهِ فِيهَا ۵ وَانْتِفَاعُ أُبَيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَانَ بِإِذْنِ الْإِمَامِ وَهُوَ جَائِزٌ بِإِذْنِهِ.

(۲۹۶۲) وَإِنْ كَانَ الْمُلْتَقِطُ فَقِيرًا فَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَنْتَفِعَ بِهَا ۱ لِمَا فِيهِ مِنْ تَحْقِيقِ النَّظَرِ مِنَ الْجَانِبَيْنِ وَلِهَذَا جَازَ الدَّفْعُ إِلَى فَقِيرٍ غَيْرِهِ

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ غیر کا مال ہے اس سے فائدہ اٹھانے کا حقدار وہی ہوسکتا، ہے حدیث نے جسکو فائدہ اٹھانے کی اجازت دی ہے، اور وہ فقیر ہے اس لئے فقیر ہی فائدہ اٹھائے گا، اس لئے یوں سمجھو کہ اس پر لوگوں کا اجماع ہوگیا، اور حدیث میں جو فائدہ اٹھانے کی بات ہے وہ مطلق نہیں ہے، بلکہ اس سے فقیر مراد ہے۔

ترجمہ: ۴ اور مالدار اس امید پر اٹھائے گا کہ شاید وہ اعلان کرنے کی مدت میں فقیر ہوجائے، اور فقیر بھی کبھی سستی کرتا ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس کو لقطہ کی ضرورت نہ پڑے۔

تشریح: امام شافعیؒ کے عقلی دلیل کا جواب ہے، انہوں نے کہا تھا کہ فقیر اپنے فائدے کے لئے اٹھائے گا، اس امید میں مالدار بھی شامل ہے، اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ مالدار کو بھی یہ خیال ہوگا کہ ایسا ہوسکتا ہے کہ ابھی میں مالدار ہوں لیکن اعلان کرنے کی مدت میں میں فقیر ہوجاؤں تو اس لقطہ سے فائدہ اٹھاؤں، اس لئے وہ بھی اٹھائے گا، اور چیز کی حفاظت کرے گا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ فقیر کو یہ خیال ہوجائے کہ اعلان کے درمیان میں مالدار ہوجاؤں تو اس لقطہ سے فائدہ نہ اٹھاسکوں، اس لئے وہ اٹھانے میں اور اس کی حفاظت کرنے میں سستی کرے گا۔

ترجمہ: ۵ اور حضرت ابی بن کعبؓ نے حضورؐ کی اجازت سے فائدہ اٹھایا اس لئے اس کے لئے جائز ہوگیا۔

تشریح: امام شافعیؒ نے جو حدیث پیش کی تھی اس کا جواب ہے، کہ حضرت ابی بن کعبؓ مالدار تھے، لیکن حضورؐ نے انکو فائدہ اٹھانے کی اجازت دی اس لئے امام کی اجازت سے فائدہ اٹھانے کی اجازت ہوئی اس لئے انکے لئے جائز ہوگیا، لیکن کسی دوسرے کے لئے اجازت نہیں ہوگی ۔

ترجمہ: (۲۹۶۲) اگر پانے والا فقیر ہو تو لقطہ سے فائدہ اٹھاسکتا ہے،

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ اس میں دونوں کو [مالک اور پانے والے کو] فائدہ ہے، اسی لئے دوسرے فقیر کو دینا بھی جائز ہے۔

تشریح: فقیر کو فائدہ یہ ہے کہ اس کو نفع اٹھانے ملا، اور مالک کو فائدہ یہ ہے کہ اس کو اس کا ثواب ملا، تو گویا کہ دونوں کو فائدہ ملا۔

وجہ: اوپر کی امام شافعیؒ والی حدیث ہمارے نزدیک اسی پر محمول ہے کہ آدمی غریب ہو تو خود استعمال کرسکتا ہے۔ الا فاستنفقها (بخاری شریف نمبر ۲۴۲۷ رمسلم شریف نمبر ۱۷۲۲)

(۲۹۶۳) وَكَذَا إِذَا كَانَ الْفَقِيرُ أَبَاهُ أَوْ ابْنَهُ أَوْ زَوْجَتَهُ وَإِنْ كَانَ هُوَ غَنِيًّا ۔ لِمَا ذَكَرْنَا، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

ترجمہ :(۲۹۶۳)اور جائز ہے کہ صدقہ کرے لقطہ کو جبکہ خود مالدار ہوا پنے باپ اور بیٹے اور اپنی ماں اور اپنی بیوی پر اگر یہ لوگ فقیر ہوں۔

ترجمہ: اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے ذکر کی [کہ فقیر پر صدقہ کرنا جائز ہے، چاہے وہ پانے والے کا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔

تشریح : پانے والا خود مالدار ہے لیکن اس کا باپ، بیٹا، ماں اور بیوی غریب ہیں تو یہ ان لوگوں پر لقطہ کا مال صدقہ کر سکتا ہے۔

وجہ : زکوۃ کا اپنا مال اپنے باپ، بیٹا، ماں اور بیوی پر خرچ نہیں کر سکتا ہے۔ لیکن یہ مال تو پانے والے کا نہیں ہے بلکہ اجنبی کا ہے اس لئے اجنبی کا مال پانے والے کے فقیر باپ یا بیٹے یا ماں یا بیوی پر لگ سکتا ہے۔ اس میں کوئی ممانعت نہیں ہے۔ اور جب خود فقیر ہو تو کھا سکتا ہے تو ان لوگوں پر کیوں خرچ نہیں کر سکتا جبکہ وہ فقیر ہوں۔

﴿كِتَابُ الْإِبَاقِ﴾

(۲۹۶۴) الْـآبِـقُ أَخْذُهُ أَفْضَلُ فِي حَقِّ مَنْ يَقْوَى عَلَيْهِ ۱؎ لِـمَـا فِيـهِ مِنْ إِحْيَائِهِ، وَأَمَّا الضَّالُّ فَقَدْ قِيلَ كَذٰلِكَ، وَقَدْ قِيلَ تَرْكُهُ أَفْضَلُ لِأَنَّهُ لَا يَبْرَحُ مَكَانَهُ فَيَجِدُهُ الْمَالِكُ وَلَا كَذٰلِكَ الْآبِقُ ۲؎ ثُمَّ آخِذُ الْـآبِـقِ يَـأْتِي بِهِ إِلَى السُّلْطَانِ لِأَنَّهُ لَا يَقْدِرُ عَلَى حِفْظِهِ بِنَفْسِهِ، بِخِلَافِ اللُّقَطَةِ، ۳؎ ثُمَّ إِذَا رُفِعَ الْآبِقُ إِلَيْهِ يَحْبِسُهُ، وَلَوْ رُفِعَ الضَّالُّ لَا يَحْبِسُهُ لِأَنَّهُ لَا يُؤْمَنُ عَلَى الْآبِقِ الْإِبَاقُ ثَانِيًا، بِخِلَافِ الضَّالِّ.

﴿کتاب الاباق﴾

ضروری نوٹ: غلام مولی کے قبضے سے بھاگ جائے اس کو اباق کہتے ہیں۔ جو آدمی اس کو لائے گا اسکو لانے کا انعام ملے گا جس کو جُعل کہتے ہیں۔ اور جو مزدوری سے کم ہو اس کو رضخ، کہتے ہیں، اور جو غلام راستہ بھٹک گیا ہو، اس کو ضال، کہتے ہیں۔

وجه: اس کا ثبوت اس حدیث میں ہے۔ عن ابن عمر قال قضی رسول الله ﷺ فی العبد الابق یوجد فی الحرم بعشرة دراھم (سنن للبیہقی، باب الجعالۃ، ج سادس، ص ۳۲۹، نمبر ۱۲۱۲۳ ر مصنف عبد الرزاق، باب الجعل فی الابق، ج ثامن، ص ۱۵۹، نمبر ۱۴۹۸۶) اس حدیث سے معلوم ہوا بھاگے ہوئے غلام کو حرم سے لائے تو دس درہم ملیں گے۔ اس سے جعل کا ثبوت ہوا۔

ترجمه: (۲۹۶۴) جو بھاگے ہوئے غلام کو پکڑ سکتا ہو اس کے لئے پکڑ لینا افضل ہے۔

ترجمه: ۱؎ اس لئے کہ اس نے آقا کے لیے گویا کہ زندہ کر دیا، جو غلام بھٹک گیا ہو بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کے بارے میں یہی حکم ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کو چھوڑ دینا افضل ہے، اس لئے کہ وہ زیادہ ادھر ادھر نہیں جائے گا اس لئے مالک اس کو پالے گا، لیکن بھاگا ہوا غلام تو ایسا نہیں ہے [وہ تو نہ پکڑنے پر بھاگ جائے گا]

تشریح: بھاگا ہوا غلام کیلئے افضل یہ ہے کہ اس کو پکڑ لے اور مالک کو سپرد کر دے، ورنہ وہ اور بھاگ جائے گا، اور مالک غلام ضائع ہو جائے گا۔ اور غلام بھاگا نہ ہو بلکہ راستہ بھٹکا ہو تو وہ چونکہ دور تک نہیں جاتا اس لئے اسکے افضل یہ ہیکہ اس کو چھوڑ دے۔

ترجمه: ۲؎ پھر بھاگے ہوئے غلام کو پکڑنے والا اس کو بادشاہ کے پاس لائے، اس لئے کہ خود اس کی حفاظت نہیں کر سکتا ہے، بخلاف پائی ہوئی چیز کے، کیونکہ خود بھی اس کی حفاظت کر سکتا ہے۔

ترجمه: ۳؎ پکڑنے والا بادشاہ کے پاس لے جائے تو بادشاہ غلام کو قید کر دے، لیکن بھٹکے ہوئے غلام کو بادشاہ کے پاس

(۲۹۶۵) قَالَ: وَمَنْ رَدَّ الْآبِقَ عَلَى مَوْلَاهُ مِنْ مَسِيرَةِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فَصَاعِدًا فَلَهُ عَلَيْهِ جُعْلُهُ أَرْبَعُونَ دِرْهَمًا، وَإِنْ رَدَّهُ لِأَقَلَّ مِنْ ذٰلِكَ فَبِحِسَابِهِ ل وَهٰذَا اسْتِحْسَانٌ. وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا يَكُونَ لَهُ شَيْءٌ إِلَّا بِالشَّرْطِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى لِأَنَّهُ مُتَبَرِّعٌ بِمَنَافِعِهِ فَأَشْبَهَ الْعَبْدَ الضَّالَّ.

لے جائے تو اس کو قید نہ کرے، اس لئے کہ بھاگے ہوئے پر کوئی اطمینان نہیں ہے کہ وہ پھر کب بھاگ جائے، لیکن بھٹکا ہوا پر بے اطمینانی نہیں ہے اس لئے اس کو قید نہ کرے۔

ترجمہ: (۲۹۶۵) اگر مملوک بھاگ جائے اور کوئی آدمی اسکے مولی کے پاس تین دن کی مسافت سے لائے یا اس سے زائد سے لائے تو اس کے لئے اس کی مزدوری ہے اور وہ چالیس درہم ہے۔ اور اگر اس سے کم مسافت سے واپس کیا تو اس کے حساب سے ہوگا۔

تشریح: قول صحابی میں اختلاف ہے۔ بعض قول صحابی سے پتہ چلتا ہے کہ چالیس دیئے جائیں اس لئے حنفیہ کے یہاں یہ ہے کہ تین دن کی مسافت یا اس سے زائد سے لائے تو چالیس درہم دیئے جائیں۔ اور اس سے کم سے لائیں تو اس کے حساب سے دیئے جائیں۔

وجہ: (۱) دس درہم دینے کی حدیث ضروری نوٹ میں گزری۔ قال قضی رسول الله فی العبد الآبق یوجد فی الحرم بعشرة دراهم (سنن للبیہقی، باب الجعالۃ، ص ۳۲۹، نمبر ۱۲۱۲۳) (۲) اور چالیس درہم کے لئے یہ قول صحابی ہے۔ عن ابی عمرو والشیبانی قال اصبت غلمانا اباقا بالعین فأتیت عبد الله بن مسعود فذکرت ذلک له فقال الاجر والغنیمة قلت ھذا الاجر فما الغنیمة ؟ قال اربعون درھما من کل رأس (سنن للبیہقی، باب الجعالۃ، ج سادس، ص ۳۳۰، نمبر ۱۲۱۲۵ / مصنف عبد الرزاق، باب الجعل فی الآبق ج ثامن ص ۱۶۰ نمبر ۱۴۹۹۰) اس اثر میں چالیس درہم دینے کا تذکرہ ہے۔ (۳) اور حساب سے دینے کا ذکر اس قول تابعی میں ہے۔ ان عمر بن عبد العزیز قضی فی یوم بدینار وفی یومین دینارین وفی ثلاثة ایام ثلاثة دنانیر فمازاد علی الاربعة فلیس له الا اربعة (مصنف عبد الرزاق، باب الجعل فی الآبق ج ثامن ص ۱۶۰ نمبر ۱۴۹۹۱) اس اثر میں ایک دن کی مسافت سے لایا تو ایک دینار دینے کا فیصلہ کیا اور ایک دینار دس درہم کا ہوتا ہے۔ اس لئے چار دینار چالیس درہم کے ہوئے۔ اور دو دن کی مسافت سے لایا تو دو دینار ملیں گے۔ اور تین دن کی مسافت سے لایا تو تین دینار ملیں گے۔ جس سے معلوم ہوا کہ تین سے کم کی مسافت سے لایا تو اسی کے حساب سے انعام دیا جائے گا۔

ترجمہ: ل چالیس درہم دے یہ استحسان کا تقاضہ ہے، ورنہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ شرط کے بغیر اس کو کچھ بھی نہ ملے، اور امام شافعیؒ کا قول بھی یہی ہے اس لئے کہ پکڑنے والا خوشی سے نفع دے رہا ہے۔ اس لئے بھٹکے ہوئے غلام پکڑنے کی طرح ہو گیا۔

۲؎ وَلَنَا أَنَّ الصَّحَابَةَ رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِمُ اتَّفَقُوا عَلَى وُجُوبِ أَصْلِ الْجُعْلِ، إِلَّا أَنَّ مِنْهُمْ مَنْ أَوْجَبَ أَرْبَعِينَ وَمِنْهُمْ مَنْ أَوْجَبَ مَا دُونَهَا، فَأَوْجَبْنَا الْأَرْبَعِينَ فِي مَسِيرَةِ السَّفَرِ وَمَا دُونَهَا فِيمَا دُونَهُ تَوْفِيقًا وَتَلْفِيقًا بَيْنَهُمَا، ۳؎ وَلِأَنَّ إِيجَابَ الْجُعْلِ أَصْلُهُ حَامِلٌ عَلَى الرَّدِّ إِذْ الْحِسْبَةُ نَادِرَةٌ فَتَحْصُلُ صِيَانَةُ أَمْوَالِ النَّاسِ ۴؎ وَالتَّقْدِيرُ بِالسَّمْعِ وَلَا سَمْعَ فِي الضَّالِّ فَامْتَنَعَ. وَلِأَنَّ الْحَاجَةَ إِلَى صِيَانَةِ الضَّالِّ دُونَهَا إِلَى صِيَانَةِ الْآبِقِ لِأَنَّهُ لَا يَتَوَارَى وَالْآبِقُ يَخْتَفِي،

وجہ :(۱) جب تک مزدوری کی شرط نہ ہو، مزدوری طے نہیں ہوتی، اس لئے بغیر طے کئے ہوئے غلام کو پکڑ کر لایا تو مزدوری نہیں ملے گی۔(۲) قول تابعی میں ہے کہ مزدوری نہیں ملے گی ،قول صحابی یہ ہے۔ عن جابر عن الشعبی فی الرجل یجد اللقیط ثم ینفق علیه قال لیس له من نفقته شیء ، انما هو شئی احتسب به علیه ۔(مصنف عبدالرزاق، باب النفقة علی الآبق والضالة ، ج ثامن ،ص ۱۶۱، نمبر ۱۴۹۹۶) اس قول تابعی میں ہے کہ لقطہ پر خرچ کرنے والے کو کچھ بھی نہیں ملے گا، کیونکہ اس نے ثواب کے لئے کیا ہے۔

ترجمہ :۲؎ اور ہماری دلیل یہ ہیکہ صحابہ نے انعام دینے پر اتفاق کیا ہے،لیکن بعض حضرات نے چالیس درہم دینے کو کہا اور بعض حضرات نے اس سے کم کہا ہے،اسلئے مسافت کی مدت میں ہم نے چالیس درہم کہا اور اس سے کم میں کہا سب اقوال پر عمل کرنے کیلئے۔

تشریح :ہماری دلیل یہ ہے کہ صحابہ نے مزدوری طے کی ہے، اوپر حدیث میں بھی دس درہم کا ذکر کیا ہے اس لئے سب پر عمل کرنے کے لئے ہم نے یہ کہا کہ تین دن کی مسافت سے غلام کو لایا ہو تو چالیس درہم اور اس سے کم سے لایا ہو تو اس کا حساب کر کے دیا جائے گا، مثلا ایک دن کی مسافت سے لایا ہو تو چالیس کی تہائی 13.33 درہم ملے گا۔

ترجمہ :۳؎ دوسری وجہ یہ ہے کہ انعام اس لئے متعین کیا کہ پکڑنے والا واپس دے دے، اس لئے کہ ثواب کے لئے بہت کم لوگ کرتے ہیں، اس لئے انعام دینے سے مال کی حفاظت ہو جائے گی۔

تشریح :یہ دلیل عقلی ہے کہ، ثواب کے لئے کم لوگ اتنی دور کی مسافت طے کر کے غلام کو لائیں گے، اس لئے حدیث ہی سے مزدوری متعین کر دی تا کہ لوگ خوشی سے لائیں، اور مالک کا غلام ضائع ہونے سے بچ جائے۔

لغت :حسبۃ: حساب سے مشتق ہے، مراد ہے ثواب۔

ترجمہ :۴؎ اور یہ جو چالیس درہم متعین کیا یہ قول صحابی سے ہے، اور جو غلام بھٹک گیا ہے اس کے انعام کے بارے میں کوئی قول صحابی نہیں ہے، اس لئے اس بارے میں کوئی انعام متعین نہیں ہوگا۔ایک بات اور ہے کہ بھاگے ہوئے غلام کی حفاظت مشکل ہے، کیونکہ وہ چھپتا ہے، اور بھٹکے ہوئے کی حفاظت اتنی مشکل نہیں ہے، کیونکہ وہ چھپتا نہیں ہے۔

۵ وَيُقَدَّرُ الرَّضْخُ فِي الرَّدِّ عَمَّا دُونَ السَّفَرِ بِاصْطِلَاحِهِمَا أَوْ يُفَوَّضُ إلَى رَأْيِ الْقَاضِي وَقِيلَ تُقَسَّمُ الْأَرْبَعُونَ عَلَى الْأَيَّامِ الثَّلَاثَةِ إذْ هِيَ أَقَلُّ مُدَّةِ السَّفَرِ.

(۲۹۶۶) قَالَ: وَإِنْ كَانَتْ قِيمَتُهُ أَقَلَّ مِنْ أَرْبَعِينَ يُقْضَى لَهُ بِقِيمَتِهِ إلَّا دِرْهَمًا.

تشریح: اس عبارت میں بتانا چاہتے ہیں کہ بھٹکے ہوئے غلام کے لئے حدیث میں کوئی مزدوری متعین نہیں ہے۔

وجہ: (۱) حدیث اور قول صحابی کی وجہ سے بھاگے ہوئے غلام کی مزدوری متعین ہوئی ہے، اور بھٹکے ہوئے غلام کے بارے میں قول صحابی میں کوئی مزدوری متعین نہیں ہے اس لئے بھٹکے ہوئے غلام کو پکڑ کر لائے گا تو اس کو کوئی مزدوری نہیں ملے گی، ہاں مالک اور پانے والا دونوں راضی ہو کر کچھ طے کر لیں تو ہو جائے گا (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ بھاگنے والا چھپے گا اور دوبارہ بھاگنے کی کوشش کرے گا، اس لئے اس کو پکڑ کر لانا مشکل ہے اس لئے اس کی مزدوری حدیث میں متعین ہے۔ اور راستہ بھٹکنے والا نہ چھپے گا اور نہ بھاگے گا اس لئے اس کو لانا آسان ہے اس لئے اس کی مزدوری متعین نہیں ہے۔

ترجمہ: ۵ سفر سے کم کی مدت سے لایا تو مالک اور پانے والے رضامندی سے جو متعین ہو جائے، یا قاضی کی رائے پر سونپا جائے گا، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ چالیس درہم کو تین دن پر تقسیم کر دیں، کیونکہ کم سے کم مدت سفر تین دن ہیں۔

تشریح: تین دن کی مسافت سے غلام کو لایا تو چالیس درہم مزدوری ہے، لیکن اس سے کم کی مسافت سے لایا تو اس بارے میں تین رائیں ہیں [۱] مالک اور لانے والا آپس میں جو رقم طے کر لیں وہ ملے گی [۲] قاضی جتنا دلوا دے وہ لے لے۔ [۳] اور تیسری رائے یہ ہے کہ سفر کی کم سے کم مدت تین دن کی ہے اسلئے چالیس کو تین پر تقسیم کر لیں اور ایک دن کے حساب سے 13.33 درہم دے دیں۔

وجہ: حساب سے دینے کا ذکر اس قول تابعی میں ہے۔ **ان عمر بن عبد العزیز قضی فی یوم بدینار و فی یومین دینارین و فی ثلاثة ایام ثلاثة دنانیر فمازاد علی الاربعة فلیس له الاالاربعة** (مصنف عبد الرزاق، باب الجعل فی الآبق ج ثامن ص ۱۶۰ نمبر ۱۴۹۹۱) اس اثر میں ایک دن کی مسافت سے لایا تو ایک دینار دینے کا فیصلہ کیا اور ایک دینار دس درہم کا ہوتا ہے۔ اس لئے چار دینار چالیس درہم کے ہوئے۔ اور دو دن کی مسافت سے لایا تو دو دینار ملیں گے۔ اور تین دن کی مسافت سے لایا تو تین دینار ملیں گے۔ جس سے معلوم ہوا کہ تین سے کم کی مسافت سے لایا تو اسی کے حساب سے انعام دیا جائے گا۔

ترجمہ: (۲۹۶۶) اگر غلام کی قیمت چالیس درہم سے کم ہو تو لوٹانے والے کے لئے فیصلہ کریں گے اس کی قیمت کا مگر ایک درہم۔

تشریح: مثلا غلام کی قیمت تیس درہم تھی اور واپس لانے والے نے تین دن کی مسافت سے واپس لایا ہے اسلئے اسکو چالیس درہم ملنے چاہئے۔ اب اگر مالک پر چالیس درہم لازم کرتے ہیں تو تیس درہم کے غلام کے بدلے چالیس درہم دینا پڑ رہا ہے جو

۱؎ قَالَ: رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: وَهٰذَا قَوْلُ مُحَمَّدٍ. وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ: لَهُ أَرْبَعُونَ دِرْهَمًا، لِأَنَّ التَّقْدِيرَ بِهَا ثَبَتَ بِالنَّصِّ فَلَا يُنْقَصُ عَنْهَا وَلِهٰذَا لَا يَجُوزُ الصُّلْحُ عَلَى الزِّيَادَةِ، بِخِلَافِ الصُّلْحِ عَلَى الْأَقَلِّ لِأَنَّهُ حَطٌّ مِنْهُ. ۲؎ وَلِمُحَمَّدٍ أَنَّ الْمَقْصُودَ حَمْلُ الْغَيْرِ عَلَى الرَّدِّ لِيَحْيَا مَالُ الْمَالِكِ فَيُنْقَصُ دِرْهَمٌ لِيَسْلَمَ لَهُ شَيْءٌ تَحْقِيقًا لِلْفَائِدَةِ، ۳؎ وامَّا أُمُّ الْوَلَدِ وَالْمُدَبَّرِ فِي هٰذَا بِمَنْزِلَةِ الْقِنِّ إِذَا كَانَ الرَّدُّ فِي حَيَاةِ الْمَوْلَى لِمَا فِيهِ مِنْ إِحْيَاءِ مِلْكِهِ، وَلَوْ رَدَّ بَعْدَ مَمَاتِهِ لَا جُعْلَ فِيهِمَا لِأَنَّهُمَا يُعْتَقَانِ بِالْمَوْتِ بِخِلَافِ الْقِنِّ،

مالک پر بوجھ ہوگا۔اس لئے غلام کی جتنی قیمت ہےاس سے ایک درہم کم کرکے فیصلہ کریں گے۔مثلا انتیس درہم دلوائیں گے تاکہ واپس لانے والےکوبھی مزدوری مل جائےاور مالک کوبھی غلام کی قیمت سے زیادہ بوجھ نہ پڑے بلکہ مالک کیلئے کچھ بچ جائے۔

ترجمہ :۱؎ چالیس درہم سے کم ہونا یہ امام محمدؒ کی رائے ہے،لیکن امام ابو یوسفؒ نے فرمایا لانے والےکو چالیس درہم ہی ملے گا اس لئے کہ یہ حدیث سے ثابت ہے اس لئے اس سے کم نہیں ہوگا،اس لئے اس سے زیادہ پر صلح کرنا جائز نہیں ہے، بخلاف چالیس سے کم کرنے میں لانے والے کی جانب سے کم کرنا شمار کیا جائے گا۔

تشریح :امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے کہ چونکہ حدیث میں چالیس درہم مزدوری ہے،اس لئے مدت مسافت سے لائے گا تو غلام کی قیمت چاہے کم ہو لانے والےکو چالیس ہ ء ملے گا۔

وجہ : کیونکہ حدیث میں یہی مزدوری متعین ہے،یہی وجہ ہے کہ چالیس سے زیادہ پر صلح ہوجائے تو وہ جائز نہیں ہے،کیونکہ حدیث میں چالیس ہے۔ہاں پکڑنے والا چالیس سے کم لے تو جائز ہے،کیونکہ یوں سمجھا جائے گا کہ پکڑنے والے نے اپنی جانب سے کم کردیا ہے،جس کا اس کو اختیار ہے۔

ترجمہ :۲؎ امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ پکڑنے والےکو لانے کی ترغیب دینا ہے تاکہ مالک کی چیز زندہ رہےاس لئے ایک درہم کم کیا جائے گا تاکہ تاکہ مالک کے لئے بھی کچھ فائدہ ہوجائے۔

تشریح :امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ دونوں کی رعایت ہوجائے،لانے والےکو مزدوری ملے گی تو وہ خوشی سے لائے گا،اور مالک کو کچھ بچے گا تو وہ خوشی سے اپنی چیز لے گا،ورنہ اس کو گھاٹا ہوگا تو وہ خوشی سے اپنا غلام بھی نہیں لے گا۔

ترجمہ :۳؎ اس بارے میں ام ولد اور مدبر کو لانا بھی خالص غلام کے حکم میں ہے اگر آقا کی زندگی میں لوٹائے اس لئے کہ اس کی ملکیت کو زندہ کرنا ہے،اور اگر آقا کی موت کے بعد واپس کیا تو لانے والےکو مزدوری نہیں ملے گی،اس لئے کہ آقا کی موت سے دونوں آزاد ہوگئے،بخلاف خالص غلام کے۔

تشریح :جو حکم خالص غلام کا ہے وہی حکم ام ولد،اور مدبر غلام کا بھی،البتہ یہ فرق ہوگا کہ آقا کی موت کے بعد لائے گا تو ام

۴؎ وَلَوْ كَانَ الرَّادُّ أَبَا الْمَوْلَى أَوْ ابْنَهُ وَهُوَ فِي عِيَالِهِ أَوْ أَحَدَ الزَّوْجَيْنِ عَلَى الْآخَرِ فَلَا جُعْلَ لِأَنَّ هَؤُلَاءِ يَتَبَرَّعُونَ بِالرَّدِّ عَادَةً وَلَا يَتَنَاوَلُهُمْ إِطْلَاقُ الْكِتَابِ.

(۲۹۶۷) قَالَ: وَإِنْ أَبَقَ مِنَ الَّذِي رَدَّهُ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ ۱؎ لِأَنَّهُ أَمَانَةٌ فِي يَدِهِ لَكِنَّ هٰذَا إِذَا أَشْهَدَ وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ فِي اللُّقَطَةِ.

ولد اور مدبر آزاد ہو چکا ہوگا، اس لئے لانے والے کو کوئی مزدوری نہیں ملے گی، اور خالص غلام کو لائے گا تو چونکہ وہ ابھی بھی غلام ہے اس لئے آقا کے وارث کی جانب سے مزدوری مل جائے گی۔۔قن : خالص غلام۔

ترجمہ : ۴؎ اور اگر واپس لانے والا آقا کا باپ ہو، یا اس کا بیٹا ہو اور یہ دونوں مالک کی کفالت میں ہوں، یا واپس کرنے والا بیوی شوہر میں سے کوئی ایک ہو تو ان کو مزدوری نہیں ملے گی اس لئے کہ یہ لوگ عادۃ احسان کے طور پر واپس لا کر دیتے ہیں، اور مطلق مزدوری میں یہ لوگ شامل نہیں ہیں۔

تشریح : بیٹا اگر باپ کا خرچ برداشت کرتا ہے، اسی طرح باپ اگر اپنے بڑے بیٹے کا خرچ برداشت کرتا ہے، بیوی ہے اور شوہر ہے تو یہ لوگ بھاگے ہوئے غلام کو اپنی چیز سمجھ کر لاتے ہیں، اور احسان کے طور پر لاتے ہیں، اس لئے اگر ان لوگوں نے غلام کو لایا تو ان کو حدیث والی مزدوری نہیں ملے گی، ہاں مالک کچھ دے دے تو بہتر ہے۔

ترجمہ: (۲۹۶۷) اور اگر بھاگ گیا اس سے جو واپس لوٹا رہا تھا تو اس پر کچھ نہیں ہے اور نہ اس کے لئے مزدوری ہے۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ یہ غلام اس کے ہاتھ میں امانت ہے، لیکن یہ اس وقت ہے کہ اس نے غلام کو پکڑتے وقت لوٹانے پر گواہ بنایا ہو، جیسا کہ ہم نے کتاب اللقطہ میں ذکر کیا ہے۔

تشریح : جو آدمی غلام کو واپس لا رہا تھا اس کے ہاتھ سے بھی غلام بھاگ گیا اور واپس لانے والے کے بغیر تعدی کے بھاگ گیا تو اس پر غلام کا ضمان نہیں ہے۔لیکن اس کو مزدوری بھی نہیں ملے گی۔ کیونکہ اس نے واپس نہیں لایا تو مزدوری کیسی؟

وجہ: قول صحابی میں ہے۔ عن علی فی الرجل یجد الآبق فیأبق منه لایضمنه وضمنه شریح ونحن نقول بقول علی ان کان الآبق ابق من دون تعدیه (سنن للبیہقی، باب الجعالۃ، ج سادس، ص ۳۳۰، نمبر ۱۲۱۲۷ / مصنف عبدالرزاق، باب العبد الآبق یأبق ممن اخذہ ج ثامن ص ۱۶۰ نمبر ۱۴۹۹۴) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ واپس لانے والے سے بھاگ جائے تو اس پر ضمان نہیں ہے۔(۲) یہ غلام اس کے ہاتھ میں امانت کے طور پر تھا، اور قاعدہ یہ ہے کہ امانت کی چیز بغیر تعدی نے کے ضائع ہو جائے تو اس پر ضمان نہیں ہے۔

۲؎ قَالَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَذُكِرَ فِي بَعْضِ النُّسَخِ أَنَّهُ لا شَيْءَ لَهُ، وَهُوَ صَحِيحٌ أَيْضًا لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى الْبَائِعِ مِنَ الْمَالِكِ، وَلِهٰذَا كَانَ لَهُ أَنْ يَحْبِسَ الْآبِقَ حَتّٰى يَسْتَوْفِيَ الْجُعْلَ بِمَنْزِلَةِ الْبَائِعِ بِحَبْسِ الْمَبِيعِ لِاسْتِيفَاءِ الثَّمَنِ، ۳؎ وَكَذَا إِذَا مَاتَ فِي يَدِهِ لَا شَيْءَ عَلَيْهِ لِمَا قُلْنَا.

(۲۹۶۸) قَالَ: وَلَوْ أَعْتَقَهُ الْمَوْلىٰ كَمَا لَقِيَهُ صَارَ قَابِضًا بِالْإِعْتَاقِ ۱؎ كَمَا فِي الْعَبْدِ الْمُشْتَرىٰ،

ترجمہ: ۲؎ بعض نسخے میں، لاشئی لہ لکھا ہوا ہے[کہ غلام لانے والے کو کچھ نہیں ملے گا، یہ جملہ بھی صحیح ہے، اس لئے کہ یہ مالک سے بیچنے کے معنی میں ہے، اسی لئے مزدوری لینے کے لئے بھاگے ہوئے غلام کو روک سکتا ہے، جیسے کہ بائع قیمت لینے کے لئے مبیع روک سکتا ہے۔

تشریح: بعض نسخے میں لاشیء لہ لکھا ہوا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ پکڑ کر لانے والے کو کوئی مزدوری نہیں ملے گی، کیونکہ اس نے غلام لا کر نہیں دیا ہے۔

وجہ: اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ غلام کو لا کر دینا ایسا ہے گویا کہ مالک سے غلام کو بیچا، تو جیسے قیمت لینے کے لئے بائع مبیع روک سکتا ہے، اسی طرح مزدوری لینے کے لئے پکڑنے والا غلام کو روک سکتا ہے، لیکن یہاں غلام کے بھاگ جانے کی وجہ سے غلام ہی نہیں دے پایا تو اس کو مزدوری کیسے ملے گی۔

ترجمہ: ۳؎ اسی طرح اگر پکڑنے والے کے ہاتھ میں غلام مر گیا، تو اس کو کچھ نہیں ملے گا، اور اس پر کچھ لازم بھی نہیں ہوگا،

تشریح: پکڑنے والے کے ہاتھ میں غلام مر گیا جس کی وجہ سے غلام مالک کو نہیں دے سکا تو اس کو مزدوری نہیں ملے گی، کیونکہ غلام نہیں دیا۔ اور اس پر کوئی ضمان بھی لازم نہیں ہوگا، کیونکہ یہ غلام اس کے ہاتھ میں امانت تھا۔

ترجمہ: (۲۹۶۸) اگر غلام سے ملاقات ہوتے ہی غلام کو آزاد کر دیا تو آزاد کرنے کی وجہ سے آقا غلام پر قبضہ کرنے والا ہو گا[یعنی پکڑنے والے کو مزدوری ملے گی]

ترجمہ: ۱؎ جیسے کہ خریدے ہوئے غلام میں ہوتا ہے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ آزاد کرنا بھی غلام پر قبضہ سمجھا جائے گا۔

تشریح: پکڑ کر لانے والے نے غلام مالک کو دیا، اس نے ابھی قبضہ بھی نہیں کیا کہ اس نے آزاد کر دیا تو یہ آزاد کرنا قبضہ سمجھا جائے گا، اور اس پر لانے کی مزدوری لازم ہوگی۔ اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ، مثلا زید نے عمر سے غلام بیچا، ابھی عمر نے اس پر قبضہ بھی نہیں کیا کہ اس نے آزاد کر دیا، تو اس سے عمر کا قبضہ سمجھا جائے گا، اور اس پر غلام کی قیمت لازم ہوگی، اسی طرح مالک کے آزاد کرنے سے اس کا قبضہ سمجھا جائے گا، اور اس پر لانے کی مزدوری لازم ہوگی۔

۲؎ وَكَذَا إِذَا بَاعَهُ مِنَ الرَّادِّ لِسَلَامَةِ الْبَدَلِ لَهُ، وَالرَّادُّ وَإِنْ كَانَ لَهُ حُكْمُ الْبَيْعِ. لَكِنَّهُ بَيْعٌ مِنْ وَجْهٍ فَلَا يَدْخُلُ تَحْتَ النَّهْيِ الْوَارِدِ عَنْ بَيْعِ مَا لَمْ يُقْبَضْ فَجَازَ.

(۲۹۶۹) قَالَ: وَيَنْبَغِي إِذَا أَخَذَهُ أَنْ يُشْهِدَ أَنَّهُ يَأْخُذُهُ لِيَرُدَّهُ ۱؎ فَالْإِشْهَادُ حَتْمٌ فِيهِ عَلَيْهِ عَلَى قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ، حَتَّى لَوْ رَدَّهُ مَنْ لَمْ يُشْهِدْ وَقْتَ الْأَخْذِ لَا جُعْلَ لَهُ عِنْدَهُمَا لِأَنَّ تَرْكَ الْإِشْهَادِ أَمَارَةٌ أَنَّهُ أَخَذَهُ لِنَفْسِهِ.

ترجمہ: ۲؎ ایسے ہی لوٹانے والے کے ہاتھ میں بیچ دیا[تو غلام پر قبضہ کرنے والا ہو جائے گا]اس لئے کہ مالک کے لئے ثمن محفوظ رہ گئی۔

تشریح: زید نے غلام کو پکڑ کر عمر مالک کو دیا، اس نے قبضہ کرنے سے پہلے زید ہی کے ہاتھ میں بیچ دیا تو اس سے بھی یہ سمجھا جائے گا کہ عمر نے غلام پر قبضہ کر لیا، اس لئے اس پر مزدوری لازم ہو جائے گی، کیونکہ غلام کے بدلے میں عمر کو غلام کی قیمت مل گئی۔

ترجمہ: ۳؎ اور لوٹے کا حکم بیع کی طرح ہے لیکن من وجہ بیع ہے، اس لئے بیع پر قبضہ کرنے سے پہلے بیچنا جو منع کیا گیا ہے اس ممانعت میں یہ داخل نہیں ہوگا۔ اس لئے پکڑنے والے سے بیچنا جائز ہے۔

تشریح: یہ جملہ ایک اشکال کا جواب ہے۔ اشکال یہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ مبیع پر قبضہ سے پہلے اس کو بیچنا جائز نہیں ہے ، اور پہلے کہا گیا کہ لانے والے نے جو مالک کو دیا تو گویا کہ اس نے مالک کو بیچا ہے، اب دوبارہ مالک نے قبضہ کرنے سے پہلے لانے والے کے ہاتھ میں بیچا تو غلام پر قبضہ کرنے سے پہلے بیچا تو یہ کیسے جائز ہوا؟، اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ لانے والا جو مالک کے ہاتھ میں دے رہا ہے یہ پورے طور پر بیع نہیں ہے، من وجہ بیع ہے، اس لئے حدیث میں جو ممانعت ہے اس میں داخل نہیں ہوگا، اور مالک کا لانے والے کے ہاتھ میں بیچنا جائز ہوگا

ترجمہ: (۲۷۶۹) اور مناسب ہے کہ گواہ بنائے جب غلام کو لے کہ اس کو پکڑا ہے تا کہ اس کے مالک کو لوٹائے۔

ترجمہ: ۱؎ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک پکڑنے پر گواہ بنانا ضروری ہے، یہی وجہ ہے کہ پکڑتے وقت گواہ نہیں بنایا تو اس کو مزدوری نہیں ملے گی، کیونکہ گواہ بنانے کو چھوڑنا اپنے لئے پکڑنے کی دلیل ہے۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک یہ کہ غلام کو پکڑتے وقت واجب ہے کہ گواہ بنائے کہ میں اس کو مالک کی طرف لوٹانے کے لئے پکڑ رہا ہوں تب ہی پکڑنے والے کو مزدوری ملے گی، اگر اس نے گواہ نہیں بنایا تو اس کو مزدوری نہیں ملے گی۔

وجہ: گواہ بنانے سے یہ تہمت نہیں رہے گی کہ اس نے اپنے لئے پکڑا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ مزدوری کا مستحق ہو جائے گا۔ کیونکہ اگر اپنے لئے پکڑا ہو تو پکڑنے والا مزدوری کا مستحق نہیں ہوگا۔

۲؎ وَصَارَ كَمَا إِذَا اشْتَرَاهُ مِنَ الْآخِذِ أَوْ اتَّهَبَهُ أَوْ وَرِثَهُ فَرَدَّهُ عَلَى مَوْلَاهُ لَا جُعْلَ لَهُ لِأَنَّهُ رَدَّهُ لِنَفْسِهِ، إِلَّا إِذَا أَشْهَدَ أَنَّهُ اشْتَرَاهُ لِيَرُدَّهُ فَيَكُونُ لَهُ الْجُعْلُ وَهُوَ مُتَبَرِّعٌ فِي أَدَاءِ الثَّمَنِ.

(۲۹۷۰) وَإِنْ كَانَ الْآبِقُ رَهْنًا فَالْجُعْلُ عَلَى الْمُرْتَهِنِ ۱؎ لِأَنَّهُ أَحْيَا مَالِيَّتَهُ بِالرَّدِّ وَهِيَ حَقُّهُ، إِذْ الِاسْتِيفَاءُ مِنْهَا وَالْجُعْلُ بِمُقَابَلَةِ إِحْيَاءِ الْمَالِيَّةِ فَيَكُونُ عَلَيْهِ،

ترجمہ :۲؎ اور ایسا ہو گیا کہ لوٹانے والے نے غلام کو پکڑنے والے سے خریدا، یا اس سے ہبہ میں وصول کیا، یا اس سے وراثت میں ملا اور پھر آقا کے پاس لایا تو لوٹانے والے کو مزدوری نہیں ملے گی، اس لئے کہ اپنے لئے لیا ہے، لیکن اگر خریدتے وقت گواہ بنا لیا کہ مالک کے پاس لوٹانے کے لئے خرید رہا ہوں تو لوٹانے والے کو مزدوری ملے گی، اور لوٹانے والے مالک قیمت دے یہ اس کا احسان ہوگا [کیونکہ مالک نے خریدنے کا حکم نہیں دیا تھا]

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ لوٹانے والا اپنے لئے خریدا ہو، یا لیا ہو تو اس کو مزدوری نہیں ملے گی۔

تشریح :مثلا عمر کا غلام بھاگ گیا تھا، اس کو خالد نے پکڑا، بعد میں زید نے خالد سے اس غلام کو خرید لیا، یا ہبہ کے طور پر وصول کر لیا، یا اس سے وراثت میں لے لیا، اس کے بعد زید اس غلام کو عمر کے پاس لایا تو زید کو لانے کی مزدوری نہیں ملے گی، کیونکہ اپنے لئے اس نے خریدا ہے، لیکن اگر خریدتے وقت زید نے کسی کو گواہ بنایا کہ میں اس کو عمر کی طرف لوٹانے کے لئے خرید رہا ہوں تو اس کو مزدوری ملے گی، کیونکہ اس صورت میں عمر ہی کے لئے خریدا ہے۔۔خریدنے کی صورت میں زید عمر سے غلام کی قیمت لینا چاہے تو نہیں لے سکے گا، کیونکہ، عمر نے زید کو خریدنے کے لئے نہیں کہا تھا، اور زید عمر کا وکیل نہیں ہے، ہاں عمر زید کو غلام کی قیمت دے دے تو یہ عمر کا احسان ہوگا۔۔اتہبہ : ہبہ کے طور پر وصول کیا ہو۔

ترجمہ:(۲۹۷۰) پس اگر بھاگنے والا غلام رہن پر ہو تو مزدوری مرتہن پر ہوگی۔

ترجمہ:۱؎ اس لئے کہ غلام کو لوٹا کر اس کی مالیت کو زندہ کیا، اور یہی غلام مرتہن کا حق تھا اس لئے کہ وصول کرنا اسی کا حق تھا، اور مزدوری مالیت کے زندہ کرنے کے مقابلے میں ہوتی ہے اس لئے مزدوری مرتہن پر ہوگی۔

لغت : مثلا زید نے ایک ہزار درہم عمر سے قرض لیا، اور قرض کے بدلے میں خالد غلام کو رہن پر رکھا تو زید راہن ہوا، اور عمر مرتہن ہوا، اور غلام رہن پر ہوا۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ غلام میں دو آدمیوں کا حق ہے، تو جس کا حق جتنا ہوگا، اسی حساب سے اس پر مزدوری ہوگی، مثلا زید کا ایک حصہ ہے اور عمر کا دو حصہ غلام میں ہے تو زید پر ایک حصہ مزدوری ہوگی، اور عمر پر دو حصہ ہوگی۔

تشریح :عمر نے خالد کے پاس ایک ہزار درہم کے بدلے غلام رہن پر رکھا، غلام بھاگ گیا، اب زید وہ غلام لیکر آیا تو لانے

۲؎ وَالرَّدُّ فِيْ حَيَاةِ الرَّاهِنِ وَبَعْدَهُ سَوَاءٌ، لِأَنَّ الرَّهْنَ لَايَبْطُلُ بِالْمَوْتِ، ۳؎ وَهٰذَا إِذَا كَانَتْ قِيمَتُهُ مِثْلَ الدَّيْنِ أَوْأَقَلَّ مِنْهُ، فَإِنْ كَانَتْ أَكْثَرَ فَبِقَدْرِ الدَّيْنِ عَلَيْهِ وَالْبَاقِي عَلَى الرَّاهِنِ لِأَنَّ حَقَّهُ بِالْقَدْرِ الْمَضْمُونِ فَصَارَ كَثَمَنِ الدَّوَاءِ وَتَخْلِيصُهُ عَنِ الْجِنَايَةِ بِالْفِدَاءِ، ۴؎ وَإِنْ كَانَ مَدْيُونًا فَعَلَى الْمَوْلَى إِنِ اخْتَارَ قَضَاءَ الدَّيْنِ، وَإِنْ بِيعَ بُدِءَ بِالْجُعْلِ وَالْبَاقِي لِلْغُرَمَاءِ لِأَنَّهُ مُؤْنَةُ الْمِلْكِ وَالْمِلْكُ فِيهِ كَالْمَوْقُوفِ فَتَجِبُ

کی مزدوری خالد مرتہن پر ہوگی۔

وجه :(۱) مرتہن یعنی جس کے پاس غلام رہن پر رکھا ہوا ہے اس کی ذمہ داری ہے کہ غلام کو حفاظت سے رکھے۔اس لئے غلام واپس کرنے کی مزدوری مرتہن پر ہوگی (۲) مرتہن کا مال پھنسا ہوا ہے اور غلام واپس کر کے اس کے مال کو بچایا اس لئے غلام واپس کرنے کی مزدوری مرتہن پر ہوگی۔ کیونکہ لانے والے نے اس کے حق کو زندہ کیا ہے۔

اصول: جس پر حفاظت لازم ہے اس پر مزدوری ہوگی۔

ترجمه :۲؎ راہن کی زندگی میں غلام واپس کرے یا اسکے مرنے کے بعد دونوں کا حکم برابر ہے اسلئے کہ راہن کی موت سے رہن ختم نہیں ہوتا۔

تشریح :راہن کی موت کے بعد غلام کو واپس کیا تب بھی مزدوری مرتہن ہی پر ہوگی، کیونکہ راہن کی موت کے بعد بھی رہن کا معاملہ باقی ہے اس لئے مزدوری مرتہن ہی پر ہی ہوگی۔

ترجمه :۳؎ اور یہ جو مسئلہ گزرا کہ پوری مزدوری مرتہن پر ہوگی اس وقت ہے جبکہ غلام کی قیمت قرض کے برابر ہو، یا قرض سے کم ہو، اور اگر غلام کی قیمت قرض سے زیادہ ہو، تو قرض کی مقدار مرتہن پر مزدوری ہوگی، اور باقی مزدوری راہن پر ہوگی اس لئے کہ مرتہن کا حق قرض کے برابر ہی ہے، اور ایسا ہو گیا جیسا کہ، غلام کی دوائی کی قیمت، اور غلام کو جنایت سے نکالنے کی ذمہ داری [جتنا جس کا حق ہوتا ہے، اسی حساب سے دوائی کی قیمت دینی پڑتی ہے، یا جرمانے کی ادائیگی لازم ہوتی ہے]

تشریح: مثلا عمر کے غلام کی قیمت پندرہ سو تھی، اور زید سے ایک ہزار درہم قرض لیا، اور غلام رہن پر رکھ دیا، تو یہاں ایک ہزار کی ذمہ داری زید کی ہے، اور پانچ سو کی ذمہ داری عمر کی ہے، اور مزدوری پندرہ درہم آئی تو دس درہم زید سے لی جائے گی اور پانچ درہم عمر دے گا ۔کیونکہ اس وقت عمر کی ذمہ داری ایک تہائی ہی تھی۔اسکی دو مثال دیتے ہیں [۱] غلام بیمار ہوا اور اسکی دوائی کا خرچ پندرہ درہم آیا تو پانچ درہم عمر پر ہوگا، اور دس درہم زید پر ہوگا۔[۲] غلام نے جرم کیا اور اس پر پندرہ سو درہم جرمانہ آیا تو پانچ سو درہم عمر دے گا، اور ایک ہزار درہم زید جرمانے کے طور پر دے گا، حاصل یہ ہے کہ جس کا جتنا حق ہے اسی حساب سے اس کی مزدوری لازم کی جائے گی۔

ترجمه :۴؎ اور اگر غلام پر قرض ہے، پس اگر آقا قرض ادا کر کے اپنے پاس رکھنا چاہے تو پوری مزدوری آقا پر ہوگی۔[

عَلَى مَنْ يَسْتَقِرُّ لَهُ، ۵؎وَإِنْ كَانَ جَانِيًافَعَلَى الْمَوْلَى إِنْ اخْتَارَالْفِدَاءَ لِعَوْدِالْمَنْفَعَةِ إِلَيْهِ،وَعَلَى الْأَوْلِيَاءِ إِنْ اخْتَارَالدَّفْعَ لِعَوْدِهَاإِلَيْهِمْ، ٦؎وَإِنْ كَانَ مَوْهُوبًا فَعَلَى الْمَوْهُوبِ لَهُ،وَإِنْ رَجَعَ الْوَاهِبُ فِي هِبَتِهِ بَعْدَ الرَّدِّ لِأَنَّ الْمَنْفَعَةَ لِلْوَاهِبِ مَا حَصَلَتْ بِالرَّدِّ بَلْ بِتَرْكِ الْمَوْهُوبِ لَهُ التَّصَرُّفَ فِيهِ بَعْدَ الرَّدِّ،

کیونکہ اب غلام صرف اسی کا ہے] ۔اور اگر غلام قرض میں بک گیا تو پہلے مزدوری نکالی جائے گی ،اور جو باقی بچے گا وہ قرض والوں کا ہوگا،اس لئے کہ یہ مزدوری ملکیت بچانے کا خرچ ہے،اس لئے جسکی ملکیت ہوگی اسی پر یہ خرچ لازم ہوگا۔

تشریح : یہ مسئلہ غلام کے رہن کا نہیں ہے بلکہ اس سے ذرا ہٹ کر ہے۔ غلام پر اتنا قرض ہے کہ اسکی پوری قیمت اس میں چلی جائے گی ،ایسا غلام بھاگ گیا،تو اگر آقا اس قرض کو ادا کر کے غلام کو لے گا تو مزدوری آقا پر ہوگی ،کیونکہ غلام اسی کا رہا،اور اگر غلام بک گیا تو اس کی قیمت میں سے پہلے مزدوری نکالی جائے گی ،اور جو بچے گی وہ رقم قرض دینے والوں کے درمیان تقسیم ہوگی۔

وجه : مزدوری غلام کو بچانے کا خرچ ہے،اس لئے غلام کی قیمت سے پہلے مزدوری نکالی جائے گی ،اس کے بعد قرض خواہوں میں رقم تقسیم ہوگی۔

لغت : بدیء:شروع کی جائے گی۔غرماء:قرض دینے والے۔مؤنۃ الملک:ملکیت کو بچانے کا خرچ۔من یستقر لہ:جس کی ملکیت ہوگی ،خرچ اسی پر آئے گا۔

ترجمه :۵؎ اگر غلام نے جرم کیا اور آقا فدیہ دیکر غلام کو چھڑانا چاہے تو یہ مزدوری آقا پر ہوگی ،اس لئے کہ مزدوری کا نفع آقا کی طرف لوٹے گی۔اور اگر غلام جرم کے ولیوں کو دے دیا تو یہ مزدوری ولیوں پر ہوگی ،کیونکہ نفع ولیوں کی طرف چلا گیا ہے۔

تشریح : بھاگے ہوئے غلام نے قتل خطاء کی تھی ،جس کی وجہ سے اس پر دیت لازم تھی ،اب آقا اس کی دیت ادا کر کے غلام کو اپنے پاس رکھنا چاہتا ہے تو غلام لانے کی مزدوری آقا پر ہوگی ،کیونکہ غلام ابھی اسی کا ہے۔اور اگر اس نے مقتول کے ورثہ کو دے دیا کہ تم لوگ اس کو بیچ کر دیت کی رقم وصول کرلو تو یہ مزدوری ورثہ پر ہوگی ،کیونکہ ابھی غلام انہیں لوگوں کا ہے۔

ترجمه :٦؎ اور اگر غلام کو کسی کے لئے ہبہ کر دیا ہے تو لانے کی مزدوری اس سے لی جائے گی جس کو ہبہ کیا ہو۔اور بعد میں ہبہ کرنے والے نے ہبہ واپس لے لیا ہو تب بھی اس پر مزدوری نہیں ہوگی ،کیونکہ ابھی واپس کرنے سے واہب کو کوئی فائدہ نہیں ہوا بلکہ غلام واپس آنے کے بعد موہوب لہ نے اس غلام میں تصرف نہیں کیا اس لئے واہب کے پاس واپس آیا ہے۔

تشریح : یہاں عبارت پیچیدہ ہے۔عمر نے زید کو غلام ہبہ کر دیا،اب غلام بھاگ گیا تو اسکو واپس لانے کی مزدوری زید پر ہوگی۔

وجه : مزدوری دیتے وقت یہ غلام زید کا ہے،اس لئے زید موہوب لہ ہی پر اس کی مزدوری ہوگی۔اور بعد میں عمر نے زید سے غلام واپس لے لیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ زید نے غلام کو بیچا نہیں ،اور اپنی ملکیت سے ہٹایا نہیں تو عمر کو اپنا غلام واپس لینے کا حق مل

ے وَإِنْ كَانَ لِصَبِيٍّ فَالْجُعْلُ فِي مَالِهِ لِأَنَّهُ مُؤْنَةُ مِلْكِهِ، ۸ وَإِنْ رَدَّهُ وَصِيُّهُ فَلا جُعْلَ لَهُ لِأَنَّهُ هُوَ الَّذِى يَتَوَلَّى الرَّدَّ فِيهِ.

گیا، کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ شیء موہوب اپنی ملکیت سے ختم کر دے تو واہب اس کو واپس نہیں لے سکتا ہے، یہاں زید نے اپنی ملکیت سے ختم نہیں کیا اس لئے یہ غلام عمر واہب کی طرف واپس آ گیا۔ اس میں واہب کو مزید کوئی چیز نہیں ملی بلکہ پہلے والا غلام ہی ملا ہے۔اس لئے مزدوری عمر واہب پر نہیں ہوگی۔

ترجمہ:ے اور اگر یہ غلام بچے کا تھا تو اس کی مزدوری بھی بچے کے مال میں لازم ہوگی،اس لئے کہ اس کی ملکیت کا خرچ ہے۔

تشریح : بھاگا ہوا غلام نابالغ بچے کا تھا تو مزدوری اسی کے مال سے دیا جائے گا، کیونکہ یہ غلام اسی کا ہے۔اور یہ بچے کے نقصان کی چیز نہیں ہے اس لئے دے سکتا ہے۔

ترجمہ:۸ اور اگر بچے کے وصی نے غلام کو واپس لایا تو وصی کو مزدوری نہیں ملے گی اس لئے کہ غلام کو واپس لانے کی ذمہ داری وصی ہی کی تھی [اس لئے کہ اس نے اپنا فرض پورا کیا اس لئے اس کو مزدوری نہیں ملے گی]

تشریح: واضح ہے۔

﴿كِتَابُ الْمَفْقُودِ﴾

(۲۹۷۱) إِذَا غَابَ الرَّجُلُ فَلَمْ يُعْرَفْ لَهُ مَوْضِعٌ وَلَا يُعْلَمُ أَحَيٌّ هُوَ أَمْ مَيِّتٌ نَصَّبَ الْقَاضِي مَنْ يَحْفَظُ مَالَهُ وَيَقُومُ عَلَيْهِ وَيَسْتَوْفِي حَقَّهُ ۔ لِ لِأَنَّ الْقَاضِي نَصَّبَ نَاظِرًا لِكُلِّ عَاجِزٍ عَنِ النَّظَرِ لِنَفْسِهِ وَالْمَفْقُودُ بِهَذِهِ الصِّفَةِ وَصَارَ كَالصَّبِيِّ وَالْمَجْنُونِ، وَفِي نَصْبِ الْحَافِظِ لِمَالِهِ وَالْقَائِمِ عَلَيْهِ نَظَرٌ لَهُ.

﴿کتاب المفقود﴾

ضروری نوٹ :کوئی آدمی گھر سے بالکل غائب ہو جائے تو اس کو مفقود کہتے ہیں۔اس کی بیوی اور اس کے مال کے کیا احکام ہیں اس کے بارے میں اس باب میں بیان ہے۔

وجہ :اس کا ثبوت اس حدیث میں ہے۔عن المغیرة بن شعبة قال قال رسول الله امرأة المفقود امرأته حتی یأتیها الخبر (دار قطنی ، کتاب النکاح ج ثالث ص ۲۱۷ نمبر ۳۸۰۴ سنن للبیہقی ، باب من قال امرأة المفقود امرأته حتی یأتیها یقین وفاته، ج سابع ،ص ۷۳۱،نمبر ۱۵۵۶۵) اس حدیث سے مفقود کا ثبوت بھی ہوا اور اس کا حکم بھی معلوم ہوا کہ موت کے یقین ہونے سے پہلے وہ مفقود کی بیوی ہے۔

ترجمہ :(۲۹۷۱) اگر آدمی غائب ہو جائے اور اس کی کوئی جگہ معلوم نہ ہو،اور نہ معلوم ہو کہ وہ زندہ ہے یا مردہ تو متعین کرے گا قاضی کسی شخص کو جو اس کے مال کی حفاظت کرے اور انتظام رکھے۔

ترجمہ:لے اس لئے کہ قاضی ہر اس عاجز کی دیکھ بھال کے متعین کیا گیا ہے جو خود دیکھ بھال نہیں کر سکتا ہو،اور مفقود کا حال اسی انداز کا ہے،اور یہ مفقود بچے اور مجنون کی طرح ہو گیا،،اواس کے مال کی حفاظت کرنے اور اس کی دیکھ بھال کرنے والے کو متعین کرنے میں اسی مفقود کا فائدہ ہے

تشریح :کوئی آدمی اس طرح غائب ہو گیا کہ اس کا ٹھکانہ معلوم نہیں ہے اور نہ یہ معلوم ہے کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا ہے تو اب قاضی کسی آدمی کو متعین کرے تا کہ وہ تین کام کرے [۱] اس کے مال کی حفاظت کرے [۲] اور اس کی نگرانی کرے [۳] اور اس کا کہیں حق لگتا ہو تو اس کو وصول کرے۔ایسے آدمی کو وصی ، کہا جاتا ہے۔

وجہ :ایسے آدمی کے لئے قاضی ہی منتظم ہوتا ہے۔اس لئے قاضی ہی کسی آدمی کو متعین کرے گا تا کہ اس کے مال کی حفاظت کرے۔

۲؎ وَقَوْلُهُ يَسْتَوْفِي حَقَّهُ لِإِخْفَاءِ أَنَّهُ يَقْبِضُ غَلَّاتِهِ وَالدَّيْنَ الَّذِى أَقَرَّ بِهِ غَرِيمٌ مِنْ غُرَمَائِهِ لِأَنَّهُ مِنْ بَابِ الْحِفْظِ، وَيُخَاصِمُ فِي دَيْنٍ وَجَبَ بِعَقْدِهِ لِأَنَّهُ أَصِيلٌ فِي حُقُوقِهِ، ۳؎ وَلَا يُخَاصِمُ فِي الَّذِى تَوَلَّاهُ الْمَفْقُودُ وَلَا فِي نَصِيبٍ لَهُ فِي عَقَارٍ أَوْ عُرُوضٍ فِي يَدِ رَجُلٍ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِمَالِكٍ وَلَا نَائِبٍ عَنْهُ إِنَّمَا هُوَ وَكِيلٌ بِالْقَبْضِ مِنْ جِهَةِ الْقَاضِي وَأَنَّهُ لَا يَمْلِكُ الْخُصُومَةَ بِلَا خِلَافٍ،

ترجمہ: ۲؎ متن میں ہے کہ مفقود کے حقوق کو وصول کرے گا، اس کا مطلب یہ ہے کہ مفقود کے غلے پر قبضہ کرے گا، کسے قرض لینے والے نے قرض لینے کا اقرار کیا تو وہ وصول کرے گا، اس لئے کہ یہ بھی حفاظت میں سے ہے، وصی نے کوئی عقد کیا ہے جس کی وجہ سے قرض ہوا ہے اس میں بھی وصی مقدمہ دائر کرے گا، کیونکہ وصی اس بارے میں اصیل ہے۔

اصول: یہاں چھ مسئلے ہیں، جو ایک اصول پر مبنی ہیں۔ قاعدہ یہ ہے کہ، غائب پر فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے وصی کوئی ایسا کام نہیں کر سکتا جس میں مفقود جو غائب ہے اس پر فیصلہ ہو سکے۔ البتہ ایسا کام کر سکتا ہے، جس میں مفقود پر قضاء نہ ہو۔

اصول: قضاء علی الغائب جائز نہیں ہے۔

وجہ: عن علی قال ....فاذا جلس بین یدیک الخصمان فلا تقضین حتی تسمع کلام الآخر کما سمعت من الاول فانه احری ان یتبین لک القضاء ۔(ابو داود شریف، باب کیف القضاء، ص ۵۱۴، نمبر ۳۵۸۲) اس حدیث میں ہے کہ دوسرے کے کلام کو سن کر فیصلہ کریں، جس سے معلوم ہوا کہ غائب پر فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے۔

تشریح: متن میں ہے کہ یستوفی حقہ، کہ مفقود کے حق کو وصول کر سکتا ہے۔ یہاں تین مسئلے وہ ہیں جن کو وصی کر سکتا ہے [۱] مفقود کی زمین ہے، جس سے غلہ آرہا تھا تو وصی اس غلے کو وصول کر سکتا ہے۔ [۲] کسی قرض لینے والے نے یہ اقرار کیا کہ میرے اوپر مفقود کا قرض ہے، تو وصی اس قرض کو وصول کر سکتا ہے۔ کیونکہ ان دونوں مسئلوں میں نالش کرنے اور قضاء علی الغائب کی ضرورت نہیں پڑتی ہے [۳] وصی نے کوئی ایسا عقد کیا جس کی وجہ قرض ہوا تو وصی اس کو مقدمہ کر کے بھی وصول کر سکتا ہے، کیونکہ یہاں خود وصی پر مقدمہ ہوگا اور خود وصی پر فیصلہ ہوگا جو حاضر ہے، قضاء علی الغائب کی صورت نہیں ہے، اس لئے وصی یہ سب کام کر سکتا ہے۔

ترجمہ: ۳؎ اور جس قرضہ کا ذمہ خود مفقود دہوا ہو اس بارے میں وصی مخاصمہ نہیں کر سکتا، اور مفقود کا کوئی حصہ زمین میں ہو، یا کسی آدمی کے قبضے میں مفقود کا سامان ہو تو اس بارے میں بھی وصی مخاصمہ نہیں کر سکتا، اس لئے کہ وصی نہ مالک ہے اور نہ نائب ہے، وہ تو قاضی کی جانب سے قبضہ کرنے کا وکیل ہے، اور قبضہ کرنے کا وکیل مقدمہ دائر کرنے کا اہل نہیں ہوتا۔ اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

تشریح: یہاں تین مسئلے ہیں جن میں مفقود کے خلاف فیصلہ ہوگا جو غائب ہے اس لئے وصی یہ کام نہیں کر سکتا۔ [۱] خود مفقود

۴ إِنَّمَا الْخِلَافُ فِي الْوَكِيلِ بِالْقَبْضِ مِنْ جِهَةِ الْمَالِكِ فِي الدَّيْنِ، ۵ وَإِذَا كَانَ كَذَلِكَ يَتَضَمَّنُ الْحُكْمُ بِهِ قَضَاءً عَلَى الْغَائِبِ، وَأَنَّهُ لَا يَجُوزُ إِلَّا إِذَا رَآهُ الْقَاضِي وَقَضَى بِهِ لِأَنَّهُ مُجْتَهِدٌ فِيهِ، ۶ ثُمَّ مَا كَانَ يَخَافُ عَلَيْهِ الْفَسَادَ يَبِيعُهُ الْقَاضِي لِأَنَّهُ تَعَذَّرَ عَلَيْهِ حِفْظُ صُورَتِهِ وَمَعْنَاهُ فَيَنْظُرُ لَهُ بِحِفْظِ الْمَعْنَى

(۲۹۷۲) وَلَا يَبِيعُ مَا لَا يَخَافُ عَلَيْهِ الْفَسَادَ فِي نَفَقَةٍ وَلَا غَيْرِهَا،

نے کسی قرض کی ذمہ داری لی ہے، تو وصی اس کے بارے میں مخاصمہ نہیں کرسکتا، کیونکہ یہ قضاء علی الغائب ہو جائے گا۔[۲] مفقود کا کسی زمین میں حصہ ہے تو وصی اس کے بارے میں مخاصمہ نہیں کرسکتا[۳] کسی آدمی کے قبضے میں مفقود کا سامان ہے تو وصی اس کے بارے میں مخاصمہ نہیں کرسکتا، کیونکہ یہاں بھی قضاء علی الغائب ہے، اور وصی کی حالت یہ ہے کہ یہ قاضی کی جانب سے مفقود کے قرض وصول کرنے کا وکیل ہے، قاضی سے مخاصمہ کرنے کا وکیل نہیں ہے، اور اوپر کی ان تین چیزوں میں مخاصمہ کرنا پڑتا ہے اس لئے وصی یہ تینوں کام نہیں کرسکتا۔

ترجمہ: ۴ مالک نے قرض پر قبضے کا وکیل بنایا تو اس بارے میں اختلاف ہے کہ وہ مخاصمہ کرسکتا ہے یا نہیں۔

تشریح: یہاں ایک الگ مسئلہ ہے جو کتاب الوکالت کا ہے، کہ مالک نے زید کو قرضہ وصول کرنے کا وکیل بنایا تو وہ اس کو وصول کرنے کے لئے مقدمہ کرسکتا ہے یا نہیں ہے، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مقدمہ دائر کرسکتا ہے، اور صاحبینؒ کے نزدیک مقدمہ دائر کر کے قرضہ وصول نہیں کرسکتا، تاہم یہاں موکل حاضر ہے اس لئے قضاء علی الغائب نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۵ جب بات یہ ہے کہ قضاء علی الغائب جائز نہیں ہے، اور اوپر کے تین معاملے قضاء علی الغائب پر شامل ہیں اس لئے وصی کو یہ تین کام کرنا جائز نہیں ہوگا، لیکن قاضی اس کام کرنے میں مناسب سمجھے اور ان کاموں کو کرنے کا فیصلہ کرے تو کر سکتا ہے، کیونکہ یہ معاملہ مجتہد فیہ ہے۔

تشریح: اوپر کے تینوں مسئلوں میں قضاء علی الغائب ہے اس لئے وصی ان کاموں کو نہیں کرسکتا، لیکن اگر قاضی ان کاموں کو کرنے کا فیصلہ کر دے تو ایسا کرسکتا ہے، کیونکہ یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے، اس لئے قاضی اپنی اجتہاد سے فیصلہ کرسکتا ہے۔

ترجمہ: ۶ جو چیزیں خراب ہونے کے قابل ہوں قاضی اسکو بیچے گا کیونکہ صورت میں اس کی حفاظت ناممکن ہوگیا تو اب اس کی قیمت جمع کر کے معنوی طور پر حفاظت کرے گا۔

تشریح: مفقود کی جو چیز خراب ہونے کے قابل ہو قاضی ان چیزوں کو بیچ کر اس کی قیمت جمع کرے گا تا کہ چیز کی حفاظت نہ ہوسکے تو اس کی قیمت کی حفاظت کرے گا۔

ترجمہ: (۲۹۷۲) جو چیز خراب ہونے والی نہ ہو اس کو نفقہ یا اس کے علاوہ میں بیچ نہیں سکتا۔

۱؎ لِأَنَّهُ لا وِلَايَةَ لَهُ عَلَى الْغَائِبِ إِلَّا فِي حِفْظِ مَالِهِ فَلا يَسُوغُ لَهُ تَرْكُ حِفْظِ الصُّورَةِ وَهُوَ مُمْكِنٌ.

(۲۹۷۳) قَالَ: وَيُنْفِقُ عَلَى زَوْجَتِهِ وَأَوْلَادِهِ مِنْ مَالِهِ ۱؎ وَلَيْسَ هٰذَا الْحُكْمُ مَقْصُورًا عَلَى الْأَوْلَادِ بَلْ يَعُمُّ جَمِيعَ قَرَابَةِ الْوِلَادِ. ۲؎ وَالْأَصْلُ أَنَّ كُلَّ مَنْ يَسْتَحِقُّ النَّفَقَةَ فِي مَالِهِ حَالَ حَضْرَتِهِ بِغَيْرِ قَضَاءِ الْقَاضِي يُنْفِقُ عَلَيْهِ مِنْ مَالِهِ عِنْدَ غَيْبَتِهِ لِأَنَّ الْقَضَاءَ حِينَئِذٍ يَكُونُ إِعَانَةً، وَكُلُّ مَنْ لا يَسْتَحِقُّهَا فِي حَضْرَتِهِ إِلَّا بِالْقَضَاءِ لا يُنْفِقُ عَلَيْهِ مِنْ مَالِهِ فِي غَيْبَتِهِ لِأَنَّ النَّفَقَةَ حِينَئِذٍ تَجِبُ بِالْقَضَاءِ وَالْقَضَاءُ عَلَى

ترجمه : ۱؎ اس لئے کہ صورت کے طور پر ہی غائب کے مال کی حفاظت ضروری ہے، اس لئے جب تک ممکن ہو صورت کی حفاظت نہیں چھوڑ سکتا۔

تشریح : جو چیز خراب نہیں ہو سکتی ہو اور اس کو صورت کے طور پر حفاظت کرنا ممکن ہو تو اس کو قاضی نہ نفقہ میں بیچ سکتا ہے اور نہ اس کے علاوہ میں بیچ سکتا ہے۔

وجه: قاضی پر ضروری ہے کہ جہاں تک ہو سکے صورت کے اعتبار سے اس کی حفاظت کرے۔

ترجمه:(۲۹۷۳) اور خرچ کرے گا اس کی بیوی پر اور اس کے چھوٹے بچوں پر اس کے مال میں سے۔

تشریح: مفقود کا جو مال ہے وہ مال اس کی بیوی اور اس کے چھوٹی اولاد پر وصی خرچ کرے گا۔

وجه:(۱) اس لئے کہ بیوی مفقود کے لئے محبوس ہے۔ اور چھوٹی اولاد کا خرچ بھی ابھی اس کے ذمے ہے۔ اس لئے ان لوگوں پر مفقود کے مال سے خرچ کیا جائے گا (۲) قول صحابی میں ہے۔ **عن ابن عباس وابن عمر تذاکرا امرأة المفقود فقالا تربص بنفسها اربع سنین ثم تعتد عدة الوفاة ثم ذکروا النفقة فقال ابن عمر لها نفقتها لحبسها نفسها علیه** ۔(سنن للبیہقی، باب من قال تنتظر اربع سنین ثم اربعة اشہر وعشرا ثم تحل، ج سابع، ص ۷۴۳، نمبر ۱۵۵۶۹ / مصنف عبد الرزاق، باب الرجل یغیب عن امرأته فلا ینفق علیها، ج سابع، ص ۷۰، نمبر ۱۲۳۹۵) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ مفقود کے مال میں سے اس کی بیوی پر خرچ کیا جائے گا۔

ترجمه:۱؎ یہ حکم اولاد کے نفقے پر منحصر نہیں ہے بلکہ ولادت کی تمام رشتہ داری پر عام ہے۔

تشریح : ولادت کی رشتہ داری کا مطلب یہ ہے کہ نیچے میں بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، اوپر میں ماں، باپ، دادا، اور دادی، یہ سب ولادت کی رشتہ داری ہے، کیونکہ ان میں پیدا ہونے کی وجہ سے رشتہ داری ہے، اور ان لوگوں کا نفقہ مفقود کے مال میں ہے۔

ترجمه :۲؎ اور اس میں قاعدہ یہ ہے کہ جو لوگ قاضی کے فیصلے کے بغیر مفقود کی حاضری میں نفقہ کا مستحق ہے تو مفقود کی غیر حاضری میں بھی ان پر خرچ کیا جائے گا، اس لئے کہ یہاں قضاء کا مطلب اس کی مدد ہے [قضاء علی الغائب نہیں ہے]، اور جو لوگ

الْغَائِبِ مُمْتَنِعٌ. فَمِنَ الْأَوَّلِ الْأَوْلَادُ الصِّغَارُ وَالْإِنَاثُ مِنَ الْكِبَارِ وَالزَّمِنِيُّ مِنَ الذُّكُورِ الْكِبَارِ، وَمِنَ الثَّانِي الْأَخُ وَالْأُخْتُ وَالْخَالُ وَالْخَالَةُ. ۳؎ وَقَوْلُهُ مِنْ مَالِهِ مُرَادُهُ الدَّرَاهِمُ وَالدَّنَانِيرُ لِأَنَّ حَقَّهُمْ فِي الْمَطْعُومِ وَالْمَلْبُوسِ فَإِذَا لَمْ يَكُنْ ذٰلِكَ فِي مَالِهِ يَحْتَاجُ إِلَى الْقَضَاءِ بِالْقِيمَةِ وَهِيَ النَّقْدَانِ وَالتِّبْرُ بِمَنْزِلَتِهِمَا فِي هٰذَا الْحُكْمِ لِأَنَّهُ يَصْلُحُ قِيمَةً كَالْمَضْرُوبِ، ۴؎ وَهٰذَا إِذَا كَانَتْ فِي يَدِ الْقَاضِي، فَإِنْ كَانَتْ وَدِيعَةً أَوْ دَيْنًا يُنْفِقُ عَلَيْهِمْ مِنْهُمَا إِذَا كَانَ الْمُودِعُ وَالْمَدْيُونُ مُقِرِّينَ بِالدَّيْنِ الْوَدِيعَةِ وَالنِّكَاحِ

مفقود کی حاضری میں قضاء کے بغیر نفقہ کا مستحق نہیں ہے، تو مفقود کی غیر حاضری میں ان پر خرچ نہیں کیا جائے گا اس لئے اس وقت فیصلے سے نفقہ متعین کیا جائے گا، اور پہلے گزر چکا ہے کہ غائب پر قضاء جائز نہیں ہے۔ پہلی قسم جن کا نفقہ لازم ہے وہ چھوٹا بچہ ہے بڑی لڑکیاں ہیں آپاہج بیٹے ہیں۔ اور دوسری قسم جنکا نفقہ لازم نہیں ہوگا وہ بھائی ہے، بہن ہے، ماموں ہے، خالہ ہے۔

تشریح: مصنف یہاں ایک قاعدہ بیان کررہے ہیں، کہ مفقود کی موجودگی میں قاضی کے فیصلے کے بغیر جن لوگوں کا نفقہ مفقود کے مال میں ہے، مفقود کے گم ہونے پر بھی ان لوگوں کا نفقہ لازم ہوگا، کیونکہ یہاں قضاء علی الغائب نہیں ہوا، قاضی کا فیصلہ صرف مدد کے طور پر ہے۔ جیسے چھوٹا بچہ، بڑی بیٹیاں، آپاہج بیٹے، ان لوگوں کا نفقہ مفقود کے مال میں لازم ہوگا۔

اور مفقود کی موجودگی میں قاضی کے فیصلے کے بغیر جن لوگوں کا نفقہ لازم نہیں تھا، مفقود کے گم ہونے پر بھی ان لوگوں کا نفقہ لازم نہیں ہوگا، کیونکہ اس صورت میں قضاء علی الغائب کرنا پڑے گا جو جائز نہیں ہے، اس لئے ان لوگوں کا نفقہ بھی لازم نہیں ہوگا، جیسے بھائی، بہن، ماموں، خالہ کا نفقہ لازم نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۳؎ اور متن میں جو جملہ ہے کہ من مالہ، یعنی مفقود کے مال میں خرچ کرے گا، اس سے مراد مفقود کا درہم ہے، دینار ہے اس لئے کہ نفقہ لینے والے کا حق کھانا ہے اور لباس ہے، اور جب یہ مال نہ ہو تو قیمت کی فیصلے کی ضرورت پڑے گی اور اس سے مراد یہی درہم اور دینار ہیں۔ اور اسی حکم میں چاندی کی ڈلی اور سونے کی ڈلی ہے [کہ ان دونوں سے بھی نفقہ حاصل کیا جائے گا] کیونکہ یہ ڈلی سکے کی طرح ہے۔

تشریح: متن میں من مالہ، کا جملہ ہے اس سے کیا مراد ہے، فرماتے ہیں کہ اس سے مفقود کا درہم، دینار، چاندی کی ڈلی، سونے کی ڈلی، مراد ہے کہ اس سے نفقہ دیا جائے گا۔ نفقہ میں کھانا اور لباس دیا جاتا ہے، اس لئے اگر کھانے کی چیز مثلا چاول گیہوں موجود ہوں تو اس سے نفقہ دیا جائے گا، اسی طرح لباس لازم ہے، اس لئے اگر مفقود کا کپڑا موجود ہو تو اس سے لباس دیا جائے گا، اور اگر یہ دونوں موجود نہ ہوں تو پھر درہم، دینار، چاندی کی ڈلی اور سونے کی ڈلی سے نفقہ ادا کیا جائے گا، مفقود کے مال سے یہی مراد ہے۔

ترجمہ: ۴؎ نفقہ دینے کا حکم اس وقت ہے جبکہ درہم اور دینار قاضی کے قبضے میں ہو، لیکن اگر کسی کے پاس امانت ہو، یا کسی پر

وَالنَّسَبِ، وَهٰذَا إِذَا لَمْ يَكُونَا ظَاهِرَيْنِ عِنْدَ الْقَاضِي. فَإِنْ كَانَا ظَاهِرَيْنِ فَلَا حَاجَةَ إِلَى الْإِقْرَارِ، ۵ وَإِنْ كَانَ أَحَدُهُمَا ظَاهِرَ الْوَدِيعَةِ وَالدَّيْنِ أَوِ النِّكَاحِ وَالنَّسَبِ يَشْتَرِطُ الْإِقْرَارَ بِمَا لَيْسَ بِظَاهِرٍ هٰذَا هُوَ الصَّحِيحُ. ۶ فَإِنْ دَفَعَ الْمُودِعُ بِنَفْسِهِ أَوْ مَنْ عَلَيْهِ الدَّيْنُ بِغَيْرِ أَمْرِ الْقَاضِي يَضْمَنُ الْمُودِعُ وَلَا يُبَرَّأُ الْمَدْيُونُ لِأَنَّهُ مَا أَدَّى إِلَى صَاحِبِ الْحَقِّ وَلَا إِلَى نَائِبِهِ.

قرض ہوتو ان دونوں سے بھی خرچ کیا جائے گا، لیکن شرط یہ ہے کہ امانت رکھنے والا امانت رکھنے کا اقرار کرتا ہو، اور قرض والا قرض کا اقرار کرتا ہو، اور نکاح اور نسب کا بھی اقرار کرتا ہو۔ اور یہ اس وقت ہے کہ قاضی کے سامنے قرض اور امانت ظاہر نہ ہو، لیکن اگر قاضی بھی اس قرض اور امانت کی چیز کو جانتا ہو تو امانت دار اور قرضدار کے اقرار کی ضرورت نہیں ہے۔

تشریح: مفقود کے اہل کو نفقہ دینے کے لئے تین صورتیں بتا رہے ہیں [۱] قاضی کے قبضے میں مفقود کا مال ہو تو وہ نفقہ دے سکتا ہے۔ [۲] اگر امانت رکھنے والے، یا مقروض کے پاس مفقود کا مال ہو تو وہ دو باتوں کا اقرار کرتا ہو، ایک تو اس بات کا اقرار کرتا ہو کہ مفقود کا یہ مال میرے پاس ہے، اور دوسرا یہ اقرار کرتا ہو کہ واقعی یہ مفقود کے رشتہ دار ہیں، یعنی بیوی ہے، یا بیٹا ہے، تو قاضی مفقود کے اہل کو نفقہ دلوا سکتا ہے [۳] لیکن امانت دار کا اقرار کرنا اس صورت میں ہے جبکہ قاضی کو اس کا علم نہ ہو، لیکن اگر قاضی کو اس کا علم ہو تو امان رکھنے والا اقرار نہ بھی کرے تب بھی نفقہ لازم ہو جائے گا، کیونکہ قاضی کو اس کا علم ہے۔

ترجمہ: ۵۔ اور اگر ایک چیز ظاہر ہو [یعنی اور قرض اور نسب میں سے ایک چیز ظاہر ہو] تو جو چیز ظاہر نہ ہو اس میں اقرار کی شرط ہے صحیح بات یہی ہے۔

تشریح: اگر قاضی کے سامنے ایک بات ظاہر ہو، اور دوسری بات ظاہر نہ ہو تو جو بات ظاہر نہ ہو تو امانت رکھنے والا اسکا اقرار کرے تب نفقہ دے سکتا ہے، مثلا قاضی کے سامنے یہ بات تو ظاہر تھی کہ مفقود کا مال امانت رکھنے والے کے پاس ہے، لیکن یہ ظاہر نہیں تھا کہ یہ عورت اسکی بیوی ہے تو امانت رکھنے والا اس بات کا اقرار کرے کہ یہ عورت مفقود کی بیوی ہے تب قاضی نفقہ دے سکے گا۔

وجہ: یہ قید اس لئے لگا رہے ہیں کہ اگر امانت رکھنے والا اقرار نہ کرے، یا قاضی کے سامنے ظاہر نہ ہو تو قاضی کو مفقود پر فیصلہ کرنا پڑے گا جو غائب ہے، اور یہ جائز نہیں ہے اس لئے نفقہ بھی نہیں دے سکے گا۔

ترجمہ: ۶ اگر امانت رکھنے والے نے، یا قرض لینے والے نے بغیر قاضی کے حکم کے خود ہی نفقہ والے کو نفقہ دے دیا تو امانت رکھنے والا ضامن بن جائے گا، اور مقروض قرض سے بری نہیں ہوگا، اس لئے کہ صاحب حق [یعنی مفقود کو] حق نہیں ملا، اور نہ اس کے نائب کو حق ملا، ہاں اگر قاضی کے حکم سے نفقہ دیا [تو امانت رکھنے والا ضامن نہیں بنے گا] اس لئے کہ قاضی مفقود کا نائب ہے۔

بِخِلَافِ مَا إِذَا دَفَعَ بِأَمْرِ الْقَاضِي لِأَنَّ الْقَاضِيَ نَائِبٌ عَنْهُ، ۷ وَإِنْ كَانَ الْمُودِعُ وَالْمَدْيُونُ جَاحِدَيْنِ أَصْلًا أَوْ كَانَا جَاحِدَيْنِ الزَّوْجِيَّةَ وَالنَّسَبَ لَمْ يَنْتَصِبْ أَحَدٌ مِنْ مُسْتَحِقِّي النَّفَقَةِ خَصْمًا فِي ذٰلِكَ لِأَنَّ مَا يَدَّعِيهِ لِلْغَائِبِ لَمْ يَتَعَيَّنْ سَبَبًا لِثُبُوتِ حَقِّهِ وَهُوَ النَّفَقَةُ، لِأَنَّهَا كَمَا تَجِبُ فِي هٰذَا الْمَالِ تَجِبُ فِي مَالٍ آخَرَ لِلْمَفْقُودِ. (۲۹۷۴) قَالَ: وَلَا يُفَرِّقُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ امْرَأَتِهِ.

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ قاضی کے حکم سے نفقہ دے۔

تشریح: قاعدہ یہ ہے کہ قاضی کے حکم سے امانت رکھنے والا اور قرض لینے والا مفقود کے اہل کو نفقہ دے، لیکن اگر بغیر اس کے حکم کے نفقہ دے دیا تو یہ اپنی جانب سے احسان ہوگا، اس لئے نہ امانت کی ادائیگی ہوگی اور نہ قرض کی ادائیگی ہوگی۔

وجہ: یہ مال مفقود کا تھا اس کو نہیں ملا، اور قاضی مفقود کا نائب تھا اسکے حکم سے بھی نہیں دیا گیا، تو اس کے نائب کو بھی نہیں ملا، اس لئے مقروض کا قرض ادا نہیں ہوگا، اور امانت دار کی امانت ادا نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ۷ اور اگر امانت رکھنے والا اور مقروض دونوں چیزوں کا انکار کرتا ہے [یعنی اپنے پاس امانت ہونے کا بھی انکار کرتا ہے، اور زوجیت کا بھی انکار کرتا ہے، یا دونوں نسب اور زوجیت کا انکار کرتا ہے۔

تشریح: امانت رکھنے والا، اور مقروض امانت کا اور رشتہ دار ہونے کا یعنی دونوں کا انکار کرتا ہے، یا دونوں میں سے ایک چیز کا انکار کرتا ہے تو نفقہ لینے والا دعوی کر کے قاضی کے سامنے اس کو ثابت نہیں کر سکتا ہے۔

وجہ: (۱) اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس میں قضاء علی الغائب ہوگا اس لئے یہ نہیں کر سکتا ہے۔ (۲) دوسری وجہ جس کو مصنف نے بیان کیا ہے کہ، نفقہ مفقود کے اسی مال میں نہیں ہے جو امانت رکھنے والا، اور قرض لینے والا ہے، بلکہ نفقہ مفقود کے دوسرے مال سے بھی لے سکتا ہے اس لئے اس کو ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ: (۲۹۷۴) مفقود اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق نہیں کی جائے گی۔

تشریح: جب تک کہ کوئی حتمی بات نہ ہو جائے مثلا موت کی خبر آ جائے یا طلاق نہ ہو جائے اس وقت تک مفقود اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق نہیں کی جائے گی۔

وجہ: (۱) اوپر ضروری نوٹ میں حدیث گزری۔ عن المغيرة بن شعبة قال قال رسول الله امرأة المفقود امرأته حتى يأتيها الخبر۔ (دار قطنی، کتاب النکاح ج ثالث ص ۲۱۷ نمبر ۳۸۰۴ سنن للبیہقی، باب من قال امرأة المفقود امرأته حتی یأتیها یقین وفاته، ج سابع، ص ۷۳۱، نمبر ۱۵۵۶۵) (۲) عن علی فی امرأة المفقود اذا قدم وقد تزوجت امرأته هی امرأته ان شاء طلق وان شاء امسك ولا تخير (سنن للبیہقی، باب من قال امرأة المفقود امرأته حتی یأتیها یقین

۱؎ وَقَالَ مَالِكٌ: إذَا مَضَى أَرْبَعُ سِنِينَ يُفَرِّقُ الْقَاضِي بَيْنَهُ وَبَيْنَ امْرَأَتِهِ وَتَعْتَدُّ عِدَّةَ الْوَفَاةِ ثُمَّ تَتَزَوَّجُ مَنْ شَاءَتْ لِأَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ هَكَذَا قَضَى فِي الَّذِي اسْتَهْوَاهُ الْجِنُّ بِالْمَدِينَةِ وَكَفَى بِهِ إمَامًا، ۲؎ وَلِأَنَّهُ مَنَعَ حَقَّهَا بِالْغَيْبَةِ فَيُفَرِّقُ الْقَاضِي بَيْنَهُمَا بَعْدَ مُضِيِّ مُدَّةٍ اعْتِبَارًا بِالْإِيلَاءِ وَالْعُنَّةِ، وَبَعْدَ هٰذَا الِاعْتِبَارِ أَخَذَ الْمِقْدَارَ مِنْهُمَا الْأَرْبَعَ مِنْ الْإِيلَاءِ وَالسِّنِينَ مِنْ الْعُنَّةِ عَمَلًا بِالشَّبَهَيْنِ.

وفاتہ، ج سابع، ص ۱۳۱۷،نمبر ۱۵۵۶۲ ر مصنف عبد الرزاق، باب التی لاتعلم مھلک زوجھا ج سابع ص ۶۷ نمبر ۱۲۳۸۰) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ دونوں کے درمیان تفریق نہ کرائی جائے۔ کیونکہ وہ مفقود کی بیوی ہے (۳) عن ابن جریح قال بلغنی ان ابن مسعود وافق علیا علی انها تنتظره ابدا (مصنف عبد الرزاق، باب التی لاتعلم مھلک زوجہ ج سابع ص ۶۷ ،نمبر ۱۲۳۸۱) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ وہ ہمیشہ مفقود کا انتظار کرے گی۔

ترجمہ:۱؎ امام مالکؒ نے فرمایا کہ مفقود پر چار سال گزر جائے تو قاضی مفقود اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق کرا دے گا، پھر وہ عدت وفات [چار ماہ دس دن گزارے گی، پھر چاہے گی تو نکاح کر لے گی، اس لئے جس آدمی کو مدینہ شریف میں جنات لے گیا تھا حضرت عمرؓ نے انکے بارے میں یہی فیصلہ کیا تھا، اور ہمارے فیصلے کے لئے ان کا قول کافی ہے۔

تشریح: امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی خبر نہ آئے تو چار سال کے بعد مفقود کی موت کا فیصلہ کیا جائے گا اور عدت وفات چار ماہ دس دن گزار کر عورت کو دوسری شادی کرنے کی اجازت دی جائے گی۔

وجہ: (۱) ان کی دلیل یہ قول صحابی ہے۔ عن ابی عثمان قال اتت امرأة عمر بن الخطاب قال استهوت الجن زوجها فامرها ان تتربص اربع سنين ثم امر ولی الذی استهوته الجن ان يطلقها ثم امرها ان تعتد اربعة اشهر وعشرا (دار قطنی، کتاب النکاح، ج ثالث، ص ۲۱۷، نمبر ۳۸۰۳ ر سنن للبیہقی، باب من قال تنتظر اربع سنین ثم اربعۃ اشھر وعشرا ثم تحل، ج سابع، ص ۷۳۲، نمبر ۱۵۵۶۶ ر مصنف عبد الرزاق، باب التی لاتعلم مھلک زوجھا ج سابع ص ۶۴ نمبر ۱۲۳۶۵) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ چار سال گزار کر موت کا فیصلہ دیا جائے گا۔

نوٹ: زمانہ خراب ہونے کی وجہ سے جوان عورت کے لئے آج کل اسی پر فتوی دیتے ہیں۔

ترجمہ:۲؎ دوسری دلیل یہ ہے کہ مفقود نے غائب رہ کر عورت کا حق روکا اس لئے قاضی ایک مدت گزر جانے کے بعد تفریق کرا دے گا ایلاء پر اور عنین پر قیاس کرتے ہوئے، اس اعتبار کرنے کے بعد دونوں سے مقدار لیا چار کا لفظ ایلاء سے لیا اور سال کا لفظ عنین سے لیا دونوں شبہ پر عمل کرتے ہوئے۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے۔ مفقود غائب رہ کر عورت کے حق کو روکا اس لئے قاضی اس کے درمیان تفریق کرا دیگا، البتہ ایلاء

۳؎ وَلَنَا قَوْلُهُ " صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ امْرَأَةِ الْمَفْقُودِ أَنَّهَا امْرَأَتُهُ حَتَّى يَأْتِيَهَا الْبَيَانُ". وَقَوْلُ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِيهَا: هِيَ امْرَأَةٌ ابْتُلِيَتْ فَلْتَصْبِرْ حَتَّى يَسْتَبِينَ مَوْتٌ أَوْ طَلَاقٌ خَرَجَ بَيَانًا لِلْبَيَانِ الْمَذْكُورِ فِيْ الْمَرْفُوعِ، ۴؎ وَلِأَنَّ النِّكَاحَ عُرِفَ ثُبُوتُهُ وَالْغَيْبَةُ لَا تُوجِبُ الْفُرْقَةَ وَالْمَوْتُ فِيْ حَيِّزِ الِاحْتِمَالِ فَلَا يُزَالُ النِّكَاحُ بِالشَّكِّ، ۵؎ وَعُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ رَجَعَ إِلَى قَوْلِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ.

میں چار مہینے ہیں، اس لئے ایلاء سے چار کا عدد لیا، اور عنین میں ایک سال تک انتظار کا حکم ہے، اس لئے سال کا لفظ عنین سے لیا اور چار سال کا حکم لگا دیا۔

ترجمہ :۳؎ ہماری دلیل مفقود کے بارے میں حضورؐ کا قول ہے کہ جب تک بیان نہ آ جائے عورت اس کی بیوی ہے، اور ایک عورت مبتلاء ہوئی تو اس بارے میں حضرت علیؓ کا بھی قول ہے، کہ موت یا طلاق کی وضاحت نہ ہو جائے اس وقت تک یہ صبر کرے، حضرت علیؓ کا یہ جملہ مرفوع حدیث کا بیان ہے۔

تشریح : ہماری دلیل ایک تو اوپر کی حدیث ہے جس میں تھا کہ موت یا طلاق کی خبر آنے تک عورت مفقود کی بیوی ہے۔ دوسری دلیل حضرت علی کا قول ہے کہ وہ صبر کرتی رہے۔

وجہ: صاحب ہدایہ کا قول صحابی یہ ہے۔ عن الحکم ان علیا قال ھی امراۃ ابتلیت فلتصبر حتی یأتیھا موت او طلاق ۔ (مصنف عبد الرزاق، باب اللتی لا تعلم مہلک زوجھا، ج سابع، ص ۶۷، نمبر ۱۲۳۸۰/ سنن للبیہقی، باب من قال امراۃ المفقود امراتہ حتی یاتیھا یقین وفاتہ، ج سابع، ص ۷۳۱، نمبر ۱۵۵۶۲) اس حضرت علیؓ کے قول میں ہے کہ موت یا طلاق کی خبر آنے تک صبر کرتی رہے۔ اور یہ قول صحابی حدیث کا بیان ہے اس لئے اس پر عمل کیا جائے گا۔

ترجمہ :۴؎ دوسری دلیل یہ ہے کہ نکاح ثابت ہے اور غیبوبت سے فرقت نہیں ہوتی، اور موت کا صرف احتمال ہے اس لئے شک کی وجہ سے نکاح جیسی ثابت شدہ چیز ختم نہیں ہوگی۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے، نکاح ثابت ہے، اور مفقود کی موت ہوئی ہے یا نہیں اس میں شبہ ہے اس لئے شبہ سے ایک ثابت شدہ چیز ختم نہیں ہوگی۔

ترجمہ:۵؎ حضرت عمرؓ نے حضرت علی کی بات کی طرف رجوع کیا ہے۔

تشریح : حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کے قول کی طرف رجوع کیا اسکا ثبوت مجھے نہیں ملا۔ البتہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حضرت علیؓ کی موافقت کی ہے۔ روایت یہ ہے۔ بلغنی ان ابن مسعود وافق علیا علی انھا تنتظرہ ابدا۔ (مصنف وبدالرزاق، باب التی لا تعلم مہلک زوجھا، ج سابع، ص ۶۶، نمبر ۱۲۳۸۱) اس روایت میں ہیکہ حضرت ابن مسعود نے حضرت علی کی موافقت کی ہے۔

٦ وَلَا مُعْتَبَرَ بِالْإِيلَاءِ لِأَنَّهُ كَانَ طَلَاقًا مُعَجَّلًا فَاعْتُبِرَ فِي الشَّرْعِ مُؤَجَّلًا فَكَانَ مُوجِبًا لِلْفُرْقَةِ، وَلَا بِالْعُنَّةِ لِأَنَّ الْغَيْبَةَ تَعْقُبُ الْأَوْدَةَ، وَالْعُنَّةُ قَلَّمَا تَنْحَلُّ بَعْدَ اسْتِمْرَارِهَا سَنَةً.

(۲۹۷۵) قَالَ: وَإِذَا تَمَّ لَهُ مِائَةٌ وَعِشْرُونَ سَنَةً مِنْ يَوْمِ وُلِدَ حَكَمْنَا بِمَوْتِهِ ١ قَالَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: وَهَذِهِ رِوَايَةُ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ: وَفِي ظَاهِرِ الْمَذْهَبِ يُقَدَّرُ بِمَوْتِ الْأَقْرَانِ، وَفِي الْمَرْوِيِّ عَنْ أَبِي يُوسُفَ بِمِائَةِ سَنَةٍ، وَقَدَّرَهُ بَعْضُهُمْ بِتِسْعِينَ، وَالْأَقْيَسُ أَنْ لَا يُقَدَّرَ بِشَيْءٍ. وَالْأَرْفَقُ أَنْ يُقَدَّرَ بِتِسْعِينَ، وَإِذَا حُكِمَ بِمَوْتِهِ اعْتَدَّتْ امْرَأَتُهُ عِدَّةَ الْوَفَاةِ مِنْ ذٰلِكَ الْوَقْتِ،

ترجمہ: ٦ ایلاء پر قیاس نہیں کر سکتے، کیونکہ زمانہ جاہلیت میں ایلاء سے فوری طلاق واقع ہوتی تھی، شریعت نے اس کو چار ماہ کے موخر پر طلاق واقع کی، تاہم ایلاء فرقت کا سبب ہے۔ جبکہ غائب ہونا فرقت کا سبب نہیں ہے۔ اور عنین پر بھی قیاس نہیں کر سکتے، کیونکہ غائب ہونے کے بعد واپس ہونے کا امکان ہے جبکہ عنین میں ایک سال گزر چکا ہو تو ٹھیک ہونے کا امکان نہیں ہے، اس لئے عنین پر بھی قیاس نہیں کر سکتے۔

تشریح: یہ امام مالکؒ کے استدلال کا جواب ہے۔ مفقود کو ایلاء پر قیاس نہیں کر سکتے، کیونکہ زمانہ جاہلیت میں ایلاء کا ترجمہ تھا فورا طلاق واقع ہونا، اور شریعت نے اس کو یہ کیا کہ چار مہینے کے بعد طلاق واقع ہوگی تاہم طلاق واقع ہوتی ہے، لیکن گم ہونا فرقت کا سبب نہیں ہے اس لئے گم ہونے کو ایلاء پر قیاس نہیں کر سکتے۔ اور گم ہونے کو عنین پر بھی قیاس نہیں کر سکتے، کیونکہ عنین پر ایک سال گزر جائے تو اب اچھا ہونے کی امید نہیں ہے، اور گم ہونے میں ہر وقت یہ امکان ہے کہ وہ گھر آ جائے گا، اس لئے گم ہونے کو عنین پر بھی قیاس نہیں کر سکتے، اس لئے ایلاء سے چار کا عدد لیا، اور عنین سے سال کا عدد لیا یہ قیاس صحیح نہیں ہے۔

ترجمہ: (۲۹۷۵) پس جبکہ اس کیلئے ایک سو بیس سال پورے ہو جائیں جس دن سے پیدا ہوا ہے تو حکم لگا دیں گے اسکی موت کا۔

تشریح: زیادہ سے زیادہ آدمی ایک سو بیس سال زندہ رہتا ہے اس لئے پیدائش سے لیکر ایک سو بیس سال گزر جائے تو اب حکم لگا دیا جائے گا کہ وہ مر گیا ہے اور اس وقت اس کی بیوی عدت وفات گزارے گی۔ اور اس وقت جو ورثہ موجود ہوں ان کے درمیان اس کا مال تقسیم کر دیا جائے گا۔

ترجمہ: ١ ایک سو بیس سال کا قول امام ابو حنیفہؒ کا حضرت حسن سے ہے اور ظاہر مذہب میں ہم عمر کی موت کے ساتھ اندازہ لگایا، اور حضرت امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ ایک سو سال سے اندازہ لگایا، اور بعض حضرات نے نوے سال سے اندازہ لگایا، اور زیادہ قیاس کی چیز یہ ہے کہ کسی عمر کی قید نہ لگائی جائے، اور زیادہ آسان یہ ہے کہ نوے سال سے اندازہ لگایا جائے۔ اور جب موت کا حکم لگ گیا تو اس وقت سے عورت عدت وفات گزارے گی۔

(۲۹۷٦) وَيُقسَمُ مَالُهُ بَيْنَ وَرَثَتِهِ الْمَوْجُودِينَ فِي ذٰلِكَ الْوَقْتِ لِ كَأَنَّهُ مَاتَ فِي ذٰلِكَ الْوَقْتِ مُعَايَنَةً إِذِ الْحُكْمِيُّ مُعْتَبَرٌ بِالْحَقِيقِيِّ.

(۲۹۷۷) وَمَنْ مَاتَ قَبْلَ ذٰلِكَ لَمْ يَرِثْ مِنْهُ لِ لِأَنَّهُ لَمْ يُحْكَمْ بِمَوْتِهِ فِيهَا فَصَارَ كَمَا إِذَا كَانَتْ حَيَاتُهُ مَعْلُومَةً

تشریح : یہاں پانچ رواتیں بیان کرر ہے ہیں[۱] ایک سوبیس سال یہ امام ابوحنیفہؒ سے حضرت حسن کی روایت ہے۔[۲] دوسری روایت ہے کہ گم ہونے والے کے ہم عمر مر جائیں تو اب اس کی موت کا حکم لگا دیا جائے۔[۳] تیسری روایت یہ ہے کہ،ایک سوسال کے بعد موت کا حکم لگایا جائے،[۴] چوتھی روایت یہ ہے کہ نوے سال کے بعد موت کا حکم لگایا جائے اور یہ روایت زیادہ آسان ہے۔[۵] اور پانچویں رائے یہ ہے کہ کسی سال کے ساتھ متعین نہ کیا جائے بلکہ حالات کا جائزہ لیکر فیصلہ کیا جائے،مثلا گم ہونے کی حالت یہ ہے کہ اب وہ مر گیا ہوگا تو اب مرنے کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔اور جب موت کا فیصلہ کر دیا جائے گا تو اس وقت سے اس کی بیوی عدت وفات چار ماہ دس روز عدت گزارے گی۔اور موت کے فیصلے کے وقت جو وارثین ہوں گے ان میں مفقود کا مال تقسیم کر دیا جائے گا۔

ترجمہ:(۲۹۷٦)اور تقسیم کیا جائے گا اس کا مال اس وقت میں موجود ورثہ کے درمیان۔

ترجمہ:لِ گویا کہ ابھی اس کی موت ہوئی ہے حکم کو حقیقی موت پر قیاس کیا جائے گا۔

وجہ :(۱) ایسا سمجھا جائے گا کہ ابھی وفات ہوئی ہے۔اس لئے اس وقت جتنے ورثہ موجود ہوں گے ان میں اس کا مال تقسیم کیا جائے گا۔اور جو لوگ اس سے پہلے مر چکے ہیں ان میں اس کا مال تقسیم نہیں ہوگا (۲) موت کے فیصلے کے بعد مال تقسیم کرنے کی دلیل یہ اثر ہے۔عن قتادة قال اذا مضت اربع سنين من حين ترفع امرأة المفقود امرها انه يقسم ماله بين ورثته (مصنف عبدالرزاق،باب التی لاتعلم مھلک زوجھا ج سابع ص ٦۷،نمبر ۱۲۳۷۷)(۳)ان عمر و عثمان قضيا فی ميراث المفقود ان ميراثه يقسم من يوم تمضی الاربع سنوات علی امراته و تستقبل عدتها اربعة اشهر و عشرا (مصنف عبدالرزاق،باب التی لاتعلم مھلک زوجھا ج سابع ص٦۴،نمبر ۱۲۳٦٦)اس قول صحابی میں ہے۔ کہ چار سال کے بعد مفقود کے لئے موت کا فیصلہ کیا جائے گا اور مال اس کے ورثہ کے درمیان تقسیم کر دیا جائے گا۔

نوٹ:ایک سوبیس سال کے پہلے غالب گمان کی کوئی بات سامنے آجائے تو اس وقت بھی موت کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

ترجمہ:(۲۹۷۷)ورثہ میں سے جو اس سے پہلے مر جائے تو مفقود کے کسی چیز کے وارث نہیں ہوں گے۔

ترجمہ:لِ اس لئے کہ جب تک موت کا فیصلہ نہیں کیا جاتا ہے وہ زندہ ہی سمجھا جائے گا۔

(۲۹۷۸) وَلَا يَرِثُ الْمَفْقُودُ أَحَدًا مَاتَ فِيْ حَالِ فَقْدِهِ لِ لِأَنَّ بَقَاءَهُ حَيًّا فِيْ ذٰلِكَ الْوَقْتِ بِاسْتِصْحَابِ الْحَالِ وَهُوَ لَا يَصْلُحُ حُجَّةً فِيْ الِاسْتِحْقَاقِ

(۲۹۷۹) وَكَذٰلِكَ لَوْ أَوْصٰى لِلْمَفْقُودِ وَمَاتَ الْمُوصِيْ لِ ثُمَّ الْأَصْلُ أَنَّهُ لَوْ كَانَ مَعَ الْمَفْقُودِ وَارِثٌ لَا يُحْجَبُ بِهِ وَلٰكِنَّهُ يُنْتَقَصُ حَقُّهُ بِهِ يُعْطَى أَقَلَّ النَّصِيْبَيْنِ وَيُوقَفُ الْبَاقِيْ وَإِنْ كَانَ مَعَهُ وَارِثٌ

تشریح: مفقود کی موت کے حکم لگانے سے پہلے جو ورثہ مر جائے وہ مفقود کے کسی مال کے وارث نہیں ہوں گے۔

وجہ :(۱) مفقود پر موت کے حکم سے پہلے گویا کہ وہ زندہ ہے۔اور زندہ کے مال کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔اس لئے موت کے فیصلے سے پہلے جو لوگ مر گئے ان کو مفقود کے مال میں حصہ نہیں دیا جائے گا۔(۲) اوپر قول صحابی میں تھا کہ موت کے فیصلے کے بعد وراثت تقسیم ہوگی، اس لئے اس سے پہلے جو مر گیا اس کو وراثت نہیں ملے گی۔

ترجمہ:(۲۹۷۸) مفقود کے گم ہونے کے زمانے میں جو مر گئے ہوں مفقود اس کا وارث نہیں ہوگا۔

ترجمہ:لے مفقود کو پچھلی حالت کے اعتبار سے زندہ سمجھا گیا ہے،لیکن یہ وراثت کے مستحق ہونے کے لئے کافی نہیں ہے

تشریح : مثلا ۲۰۰۰ء کی پہلی تاریخ کو مفقود گم ہوا اور چار سال بعد اس پر موت کا حکم لگایا تو دو ہزار سے دو ہزار چار تک جو لوگ مریں گے مفقود اس کا وارث نہیں ہوگا۔

وجہ :(۱) مفقود کا زندہ رہنا مشکوک ہے صرف ظاہری حالت کی وجہ سے اس کو زندہ سمجھا گیا ہے اس لئے اس کو وراثت نہیں ملے گی، کیونکہ انکا زندہ رہنا یقینی نہیں ہے۔

اصول : مفقود کو زندہ سمجھا گیا ہے اس لئے اس کے مال میں کوئی وارث نہیں ہوگا۔لیکن مفقود کسی اور کا وارث ہو اس بارے میں اس کو مردہ سمجھا گیا ہے اس لئے وہ کسی کا وارث نہیں بنے گا۔

لغت :استصحاب حال: یہ ایک محاورہ ہے،اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے جو حالت چل رہی تھی اسی حالت کو ماننا ہے۔وھو لا یصلح حجۃ فی الاستحقاق: وراثت کے مستحق ہونے کے لئے یہ کافی نہیں ہے، کیونکہ مستحق ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ یقینی طور پر وہ زندہ ہو،اور مفقود یقینی طور پر زندہ نہیں ہے،اس کے بارے میں یہ معلوم ہی نہیں ہے کہ وہ زندہ ہے یا مردہ۔

ترجمہ :(۲۹۷۹) ایسے ہی کسی نے مفقود کے لئے وصیت کی اور وصیت کرنے والا مر گیا[تو مفقود کو وصیت کی چیز نہیں ملے گی]

تشریح: گم ہونے کے زمانے میں کسی نے مفقود کے لئے وصیت کی تو وصیت کا یہ مال مفقود کو نہیں ملے گا۔

وجہ: کیونکہ جس دن سے گم ہوا ہے مال لینے کے حق میں اسی دن سے مردہ مانا جائے گا،اس لئے اس کو مال نہیں ملے گا۔

ترجمہ :لے اصل قاعدہ یہ ہے کہ مفقود کے ساتھ کوئی وارث ہو جو محجوب نہ ہوتا ہو لیکن اس کا حق کم ہو جاتا ہو تو کم دیا جائے گا

يُحْجَبُ بِهِ لَا يُعْطَى أَصْلًا. بَيَانُهُ: رَجُلٌ مَاتَ عَنْ ابْنَتَيْنِ وَابْنِ مَفْقُودٍ وَابْنِ ابْنٍ وَبِنْتِ ابْنٍ وَالْمَالُ فِي يَدِ الْأَجْنَبِيِّ وَتَصَادَقُوا عَلَى فَقْدِ الِابْنِ وَطَلَبَتْ الِابْنَتَانِ الْمِيرَاثَ تُعْطَيَانِ النِّصْفَ لِأَنَّهُ مُتَيَقَّنٌ بِهِ وَيُوقَفُ النِّصْفُ الْآخَرُ وَلَا يُعْطَى وَلَدَ الِابْنِ لِأَنَّهُمْ يُحْجَبُونَ بِالْمَفْقُودِ، وَلَوْ كَانَ حَيًّا فَلَا يَسْتَحِقُّونَ الْمِيرَاثَ بِالشَّكِّ.

(۲۹۸۰) وَلَا يُنْزَعُ مِنْ يَدِ الْأَجْنَبِيِّ إِلَّا إِذَا ظَهَرَتْ مِنْهُ خِيَانَة

اور باقی مال کوموقوف رکھا جائے گا۔اور اگر مفقود کے ساتھ کوئی ایسا وارث ہو جو محجوب ہوتا ہوتو اس کو کچھ بھی نہیں دیا جائے گا، اس کی مثال یہ ہے کہ ایک آدمی مرا، اس کو دو بیٹی ہے اور ایک مفقود بیٹا ہے، اور پوتا اور پوتی بھی ہے اور مال اجنبی کے ہاتھ میں ہے اور دونوں [یعنی وارث اور جس کے ہاتھ میں مال ہے] تصدیق کرتے ہیں کہ بیٹا گم ہے، اور دونوں بیٹیوں نے وراثت مانگا تو دونوں بیٹیوں کو آدھا دے دیا جائے گا کیونکہ اتنا دینا تو یقینی ہے اور دوسرے آدھے کو موقوف رکھا جائے گا اور بیٹے کی اولاد کو نہیں دیا جائے گا اس لئے کہ مفقود کی وجہ سے وہ محجوب ہیں، کیونکہ اگر مفقود بیٹا زندہ ہوتا تو پوتے کو حق نہیں ملتا اس لئے مفقود کی زندگی میں شک کی وجہ سے پوتے مستحق نہیں ہوں گے۔

اصول: دوسرا آدمی وارث بنے یا نہ بنے اس بارے میں مفقود کو زندہ سمجھا جاتا ہے۔

تشریح: یہاں مفقود کی دو حالتیں بیان کی جارہی ہیں [۱] مفقود اگر یہاں موجود ہوتا تو اس کی وجہ سے ایک وارث محروم نہیں ہوتا ہو، البتہ کم ملتا ہوتو مفقود کو موجود مان کر اس وارث کو کم دیا جائے گا اور جو مال باقی رہے گا وہ اجنبی کے قبضے میں محفوظ رکھا جائے گا۔[۲] اور اگر مفقود موجود رہتا تو ایک وارث کو کچھ نہیں ملتا تو مفقود کو موجود مان کر اس وارث کو کچھ نہیں دیا جائے گا۔ اس کی ایک مثال دیتے ہیں۔

زید مرا، اس نے دو بیٹی فاطمہ اور عائشہ چھوڑی، اور ایک بیٹا عمر چھوڑا جو ابھی گم ہے، اور اس گم بیٹے کا ایک لڑکا ہے اور ایک لڑکی ہے، جو زید مرنے والے کا پوتا اور پوتی ہوئی۔ اب اگر عمر بیٹے کو مردہ مان لیا جائے تو دونوں بیٹیوں کو دو تہائی ملے گی، اور باقی ایک تہائی پوتا اور پوتی کو مل جائے گی، لیکن یہاں ایسا نہیں کیا جائے گا، بلکہ عمر بیٹے کو زندہ مانا جائے گا، جسکی وجہ سے دونوں بیٹیوں کو آدھا مال ملے گا، اور جو باقی آدھا ہوگا [جو عمر کو ملنا چاہئے] وہ پوتے اور پوتی کو بھی نہیں دیا جائے گا، کیونکہ عمر کو زندہ تصور کیا گیا ہے، اور قاعدہ ہے کہ عمر زندہ ہوتا تو یہ مال اس کے بیٹے اور بیٹی کو نہیں ملتا اس لئے عمر کا یہ مال اس کے بیٹے اور بیٹی کو نہیں دیا جائے گا، بلکہ عمر کے وصی کے پاس رکھا جائے گا۔

ترجمہ: (۲۹۸۰) اور اجنبی کے ہاتھ سے مفقود کا مال نہیں لیا جائے گا، ہاں اس سے خیانت ظاہر ہو جائے تو اس سے لیا جائے گا۔

ل وَنَظِيرُ هٰذَا الْحَمْلُ فَإِنَّهُ يُوقَفُ لَهُ مِيرَاثُ ابْنٍ وَاحِدٍ عَلَى مَا عَلَيْهِ الْفَتْوَى، وَلَوْ كَانَ مَعَهُ وَارِثٌ آخَرُ إِنْ كَانَ لَا يَسْقُطُ بِحَالٍ وَلَا يَتَغَيَّرُ بِالْحَمْلِ يُعْطَى كُلٌّ نَصِيبَهُ، وَإِنْ كَانَ مِمَّنْ يَسْقُطُ بِالْحَمْلِ لَا يُعْطَى، وَإِنْ كَانَ مِمَّنْ يَتَغَيَّرُ بِهِ يُعْطِى الْأَقَلَّ لِلتَّيَقُّنِ بِهِ كَمَا فِي الْمَفْقُودِ وَقَدْ شَرَحْنَاهُ فِي كِفَايَةِ الْمُنْتَهى بِأَتَمَّ مِنْ هَذَا، وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

تشریح :مفقود کو جو آدھا مال اس کے مورث سے ملا تھا وہ مال وصی کے پاس رکھا جائے گا، اور جب تک اس سے خیانت کا پتہ نہ چلے اس سے نہیں لیا جائے گا، کیونکہ وہ وصی ہے۔ اسی طرح اگر مفقود نے اپنا مال کسی کے پاس رکھا تھا تو اس کے گم ہونے کے زمانے میں اسی کے پاس رکھا جائے گا، کیونکہ وہ مفقود کا قابل اعتماد آدمی ہے ، ہاں اس سے خیانت کا پتہ چلے تو قاضی اس کے ہاتھ سے نکال کر کسی امانت دار کے ہاتھ میں رکھے گا تا کہ اس کا مال محفوظ رہے۔

ترجمہ:ل مفقود کی مثال حمل ہے، حمل کو لڑکا شمار کر کے اس کا حصہ رکھا جاتا ہے، جیسا کہ فتوی ہے۔
اگر حمل کے ساتھ دوسرے دو وارث ہوں جو کبھی ساقط نہ ہوتے ہوں اور نہ حمل کی وجہ سے وراثت میں کمی آتی ہو تو ان وارثوں کو پورا حصہ دیا جائے گا۔ اور اگر حمل کی وجہ سے وراثت ساقط ہو جاتی ہو تو وارث کو کچھ نہیں دیا جائے گا۔ اوا گر حمل کی وجہ سے وراثت میں کمی آتی ہو تو کم والا حصہ دیا جائے گا، کیونکہ یہ یقینی ہے، جیسا کہ مفقود میں ہوتا ہے۔ کفایۃ المنتہی میں میں پوری تفصیل سے بیان کیا۔

تشریح :مصنفؒ نے وراثت کے بارے میں مفقود کی حالت کو حمل پر قیاس کیا ہے۔ آگے حمل کی دو حالتیں بیان کی ہیں اور مفقود کو اس پر قیاس کیا ہے۔
[۱] زید کا انتقال ہوا اور اس کی بیوی کے پیٹ میں حمل ہے تو اس کو لڑکا شمار کیا جائے گا اور اس حساب سے وراثت تقسیم ہوگی، پس اگر زید کے ایسے وارث ہیں جو حمل لڑکا ہونے کی وجہ سے محروم نہیں ہوتا، اور نہ اس کا حصہ کم ہوتا ہے تو اس وارث کو پورا حصہ دے دیا جائے گا۔ مثلا زید مرا اور اس نے ایک حمل چھوڑا، ایک زندہ بیٹا چھوڑا، اور ایک دادا چھوڑا، تو دادا کو چھٹا حصہ، یعنی سو میں سے 16.66 دیا جائے گا، باقی رہا 83.34 تو اس میں سے آدھا زندہ بیٹا کو دیا جائے گا جو، 41.67 ہو گا، اور 41.67 جو باقی رہا وہ حمل کے لئے محفوظ رکھا جائے گا ۔ اگر حمل نہ بھی رہتا تو بھی چونکہ مرنے والے کا ایک بیٹا موجود ہے اس لئے دادا کو چھٹا حصہ ہی ملتا، اس لئے حمل کی موجودگی میں بھی دادا کو چھٹا حصہ ہی ملے گا۔
[۲] اور اگر حمل لڑکا ہو تو وارث محروم ہو جاتا ہو تو اس وارث کو کچھ نہیں ملے گا، مثلا زید مرا، اور اس نے حمل لڑکا چھوڑا، اور پوتا چھوڑا، اور بھائی چھوڑا، تو اگر بیٹا موجود ہو تو پوتا کو کچھ نہیں ملتا، اور بھائی کو بھی کچھ نہیں ملتا اس لئے یہاں حمل کو لڑکا مان کر پوتے

اور بھائی کو کچھ نہیں دیا جائے گا، یہ سارا مال حمل کے وصی کے پاس محفوظ رکھا جائے گا۔

[۳] زید مرا اس نے حمل چھوڑا، اور بیوی چھوڑی، اور ماں چھوڑی۔ اگر لڑکا موجود نہ ہوتا تو ماں کو ایک تہائی ملتی، اور بیوی کو چوتھائی ملتی، اور لڑکا کو موجود مانا جائے تو ماں کو چھٹا ملے گا، اور بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا، پس لڑکے کو موجود مان کر ماں کو چھٹا دیا جائے گا، اور بیوی کو آٹھواں دیا جائے گا، اور حمل کے حصے میں جو مال آئے گا اس کو وصی کے ہاتھ میں محفوظ رکھا جائے گا۔

حاصل یہ ہے کہ تینوں صورتوں میں حمل کو مانا گیا، بلکہ لڑکا مانا گیا اور اسی حساب سے وراثت تقسیم کی گئی، اسی طرح مفقود کو زندہ مانا جائے گا، اور موجود مانا جائے گا، اور اس کے حساب سے وراثت تقسیم ہوگی، اور جو مال مفقود کے حصے میں آئے گا اس کو قاضی اس کے وصی کے پاس رکھے گا، تا کہ مفقود کے آنے پر اس کو دیا جائے گا، اس کو محروم نہیں کیا جائے گا۔

﴿كِتَابُ الشِّرْكَةِ﴾

(۲۹۸۱) الشِّرْكَةُ جَائِزَةٌ ۱؎ لِأَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُعِثَ وَالنَّاسُ يَتَعَامَلُونَ بِهَا فَقَرَّرَهُمْ عَلَيْهِ''،

(۲۹۸۲)[الف] قَالَ: الشِّرْكَةُ ضَرْبَانِ: شِرْكَةُ أَمْلَاكٍ، وَشِرْكَةُ عُقُودٍ. فَشِرْكَةُ الْأَمْلَاكِ: الْعَيْنُ يَرِثُهَا رَجُلَانِ أَوْ يَشْتَرِيَانِهَا فَلَا يَجُوزُ لِأَحَدِهِمَا أَنْ يَتَصَرَّفَ فِي نَصِيبِ الْآخَرِ إِلَّا بِإِذْنِهِ، وَكُلٌّ مِنْهُمَا فِي نَصِيبِ صَاحِبِهِ كَالْأَجْنَبِيِّ.

﴿كتاب الشركة﴾

ضروری نوٹ: کسی چیز میں چند آدمیوں کے شریک ہونے کو شرکت کہتے ہیں۔

وجہ:(۱) شرکت کا ثبوت اس آیت میں ہے۔ فان کانوا اکثر من ذلک فھم شرکاء فی الثلث. (آیت ۱۲ سورۃ النساء ۴) اس آیت میں زیادہ وارثین کو تہائی وراثت میں شریک کیا گیا ہے۔ جس سے شرکت کا پتہ چلتا ہے (۲) حدیث میں ہے۔ عن ابی ھریرۃ رفعہ قال ان اللہ تعالی یقول انا ثالث الشریکین مالم یخن احدھما صاحبہ فاذا خانہ خرجت من بینھم (ابوداؤد شریف، باب فی الشرکۃ ص ۱۲۴ نمبر ۳۳۸۳) اس سے بھی شرکت کا پتہ چلتا ہے اس لئے شرکت جائز ہے۔

ترجمہ:(۲۹۸۱) شرکت جائز ہے۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ حضورؐ کی بعثت ہوئی اور دنیا کہ لوگ شرکت کا معاملہ کر رہے تھے اور حضورؐ نے اس کو برقرار رکھا [اس لئے شرکت کا معاملہ جائز ہے۔

وجہ: صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن السائب قال اتیت النبی فجعلوا یثنون علی و یذکرونی، فقال رسول اللہ ﷺ انا اعلمکم یعنی بہ قلت صدقت بابی انت و امی کنت شریکی فنعم الشریک کنت لا تداری و لا تماری۔ (ابوداود شریف، باب فی کراھیۃ المراء، ص ۶۸۳، نمبر ۴۸۳۶ / ابن ماجۃ شریف، باب الشرکۃ و المضاربۃ، ص ۳۲۷، نمبر ۲۲۸۷) اس حدیث میں ہے کہ حضور خود شرکت کا معاملہ کیا کرتے تھے۔

ترجمہ:(۲۹۸۲) شرکت دو طرح کی ہیں (۱) شرکت املاک (۲) اور شرکت عقود۔ پس شرکت املاک یہ ہے کہ ایک چیز کے دو وارث ہوں جائیں یا دونوں ملکر ایک چیز خریدیں۔ پس دونوں میں سے ایک کے لئے جائز نہیں ہے کہ دوسرے حصے میں بغیر دوسرے کی اجازت کے تصرف کرے، اور ہر ایک دوسرے کے حصے میں اجنبی کی طرح ہے۔

[۱] وَهٰذِهِ الشِّرْكَةُ تَتَحَقَّقُ فِيْ غَيْرِ الْمَذْكُوْرِ فِي الْكِتَابِ كَمَا إِذَا اتَّهَبَ رَجُلَانِ عَيْنًا أَوْ مَلَكَاهَا بِالِاسْتِيلَاءِ أَوْ اخْتَلَطَ مَالُهُمَا مِنْ غَيْرِ صُنْعِ أَحَدِهِمَا أَوْ بِخَلْطِهِمَا خَلْطًا يَمْنَعُ التَّمْيِيزَ رَأْسًا أَوْ إِلَّا بِحَرَجٍ،

تشریح :شرکت دوطرح کی ہوتی ہیں۔ایک کوشرکت املاک کہتے ہیں اور دوسری کوشرکت عقود کہتے ہیں۔شرکت املاک کا مطلب یہ ہے کہ باضابطہ ایجاب اور قبول کر کے کسی چیز میں شریک نہ ہوئے ہوں، بلکہ ناگہانی طور پر دونوں ایک چیز میں شریک ہوگئے۔مثلا والد کا انتقال ہوا اور ایک چیز دو بیٹوں کے درمیان وراثت میں آگئی۔اور دونوں بیٹے اس چیز میں وراثت کے طور پر شریک ہوگئے تو دونوں ایجاب وقبول کر کے شریک نہیں ہوئے ہیں بلکہ وراثت کے طور پر شریک ہوئے ہیں۔چونکہ دونوں ملکیت کے طور پر شریک ہوئے اس لئے اس کوشرکت املاک کہتے ہیں۔یا دو آدمیوں نے ایک چیز کوخرید لیا اور دونوں ایک چیز کے مالک بن گئے تو چونکہ ملکیت کے اعتبار سے شرکت ہوئی اس لئے اس کوشرکت املاک کہتے ہیں۔شرکت املاک میں ہر فریق دوسرے کے لئے اجنبی کی طرح ہے،اس لئے ایک کو دوسرے کی چیز بغیر اس کی اجازت کے استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

وجہ:(۱)وراثت میں شرکت کا ثبوت اوپر کی آیت ہے۔**فان کانوا اکثر من ذلک فهم شرکاء فی الثلث** (آیت ۱۲سورۃ النساء۴)(۲)اورخریدنے میں شرکت کی دلیل یہ حدیث ہے۔**عن زهرة بن معبد انه کان یخرج به جده عبد الله بن هشام الی السوق فیشتری الطعام فیلقاه ابن عمر و ابن الزبیر فیقولان له اشرکنا فان النبی ﷺ قد دعا لک بالبرکة فیشرکهم** (بخاری شریف، باب الشرکۃ فی الطعام وغیرہ ص۴۰۳نمبر۲۵۰۲رسنن للبیہقی ،باب الشرکۃ فی البیع ،ج سادس ،ص۳۰،نمبر۱۱۴۲۶)اس عمل صحابی میں خریدی ہوئی چیز میں صحابی شریک ہوئے۔جس سے پتہ چلتا ہے کہ خریدی ہوئی چیز میں شریک کرنا جائز ہے۔اور دونون میں سے ہر ایک دوسرے کے حصے میں اجنبی کی طرح ہے۔اور بغیر اجازت کے دوسرے کے حصے کو استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

وجہ :(۱)اگر چہ ایک ہی چیز میں دونوں شریک ہیں لیکن دونوں کے حصے الگ الگ ہیں اس لئے دوسرے کے حصے میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا جائز نہیں ہے۔اس کے لئے باری مقرر کردے اور باری باری استعمال کرے(۲) حدیث میں اس کی تاکید ہے۔**عن عمر بن یثربی قال شهدت رسول الله ﷺ فی حجة الوداع بمنی فسمعته یقول لا یحل لامرأ من مال اخیه شیء الا ما طابت به نفسه.** (دار قطنی ،کتاب البیوع ،ج ثالث،ص۲۲،نمبر۲۸۶۰)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی کی اجازت کے بغیر اس کی چیز کو استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔چاہے وہ شریک ہی کیوں نہ ہو۔

ترجمہ :[۱] متن میں جو صورت ذکر کی گئی ہے اس کے علاوہ کے طریقے سے بھی شرکت املاک ہو جاتی ہے،مثلا دو آدمیوں کو کوئی چیز ہبہ کردی، یا دو آدمیوں نے کسی حربی سے زبردستی اس کی چیز لے لی۔یا دو آدمیوں کا مال بغیر اس کے ارادے کے مل

۲ۓ وَيَجُوزُ بَيْعُ أَحَدِهِمَا نَصِيبَهُ مِنْ شَرِيكِهِ فِيْ جَمِيعِ الصُّوَرِ وَمِنْ غَيْرِ شَرِيكِهِ بِغَيْرِ إِذْنِهِ إِلَّا فِيْ صُورَةِ الْخَلْطِ وَالِاخْتِلَاطِ فَإِنَّهُ لَا يَجُوزُ إِلَّا بِإِذْنِهِ، وَقَدْ بَيَّنَّا الْفَرْقَ فِيْ كِفَايَةِ الْمُنْتَهٰى.

(۲۹۸۲)[ب] وَالضَّرْبُ الثَّانِي: شِرْكَةُ الْعُقُودِ، وَرُكْنُهَا الْإِيجَابُ وَالْقَبُولُ، وَهُوَ أَنْ يَقُولَ أَحَدُهُمَا شَارَكْتُك فِيْ كَذَا وَكَذَا وَيَقُولُ الْآخَرُ قَبِلْت اۓ وَشَرْطُهُ أَنْ يَكُونَ التَّصَرُّفُ الْمَعْقُودُ عَلَيْهِ عَقْدَ

گئے، یا دونوں نے اپنا اپنا مال اس طرح ملا لیا کہ اب الگ الگ کرنا ناممکن ہے، یا الگ ہو تو سکتا ہو لیکن مشکل سے۔

تشریح: قدوری کی متن میں شرکت املاک کی دو صورتیں بیان کی ہیں، مصنفؒ شرکت املاک کی چار صورتیں اور بیان کر رہے ہیں [۱] دو آدمیوں کا ایک چیز ہبہ کی تو یہ دونوں ایک چیز میں شریک ہو گئے۔ [۲] دو آدمیوں نے حربی سے ایک چیز چھینی تو یہ دونوں اس چیز میں شریک ہو گئے۔ [۳] دو آدمیوں نے اپنی اپنی چیز ایک جگہ رکھی مثلا چنا اور مٹر ایک جگہ رکھی اور بغیر دونوں کے ارادے کے دونوں مل گئے تو بھی شرکت املاک ہو گئی۔ [۴] دو آدمیوں نے اپنی اپنی چیز ایک جگہ رکھی اور دونوں نے جان کر ملا دیا تو یہ بھی شرکت املاک ہے۔ آگے ملنے کی دو صورتیں بیان کر رہے ہیں، [۱] ایک یہ کہ دونوں چیزوں کا الگ ہونا اب ناممکن ہے، مثلا نمک اور شکر مل گئے تو ان دونوں کا الگ الگ ہونا ناممکن ہے [۲] اور دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں کا الگ الگ ہونا ممکن تو ہو لیکن مشکل سے الگ ہوتا، جیسے مٹر اور چنا، کہ دونوں کو چھن کر الگ الگ کیا تو جا سکتا ہے، لیکن بہت مشکل ہے۔

لغت: یمنع التمیز راسا: بالکل الگ نہیں ہو سکتا ہو۔ الا بحرج: اس کا مطلب یہ ہے کہ الگ ہونا ممکن تو ہو لیکن بہت مشکل سے الگ ہوتا ہو۔

ترجمہ: ۲ۓ ان تمام صورتوں میں اپنا حصہ اپنے شریک سے بیچ سکتا ہے۔ اور شریک کی اجازت کے بغیر دوسروں سے بھی بیچ سکتا ہے۔ لیکن اگر چیز مل گئی ہو تو شریک کی اجازت کے بغیر دوسرے کے ہاتھ نہیں بیچ سکتا۔ کفایۃ المنتہی میں میں نے اس کا فرق بیان کیا ہے

تشریح: یہاں شرکت املاک کا حکم بیان کر رہے ہیں۔ اگر دونوں کی ملکیت بالکل خلط ملط ہو گئی ہو تب تو شریک کی اجازت کے بغیر دوسرے سے بیچنا جائز نہیں ہے۔ لیکن خلط ملط نہیں ہوئی ہو تو شریک کی اجازت کے بغیر اپنا حصہ دوسرے سے بیچنا جائز ہے۔

وجہ: بالکل خلط ملط ہوئی ہے تو اس کو مشتری کو سپرد کرنا مشکل ہوگا اس لئے شریک کی اجازت کے بغیر بیچنا جائز نہیں ہوگا۔

ترجمہ: (۲۹۸۲''ب'') دوسری صورت عقود کی شرکت ہے، اور اس کا رکن ایجاب اور قبول ہے، مثلا ایک شریک کہے کہ میں نے تم کو شریک کیا اور دوسرا کہے کہ میں نے اس کو قبول کیا۔

الشِّرْكَةِ قَابِلًا لِلْوَكَالَةِ لِيَكُونَ مَا يُسْتَفَادُ بِالتَّصَرُّفِ مُشْتَرَكًا بَيْنَهُمَا فَيَتَحَقَّقُ حُكْمُهُ الْمَطْلُوبُ مِنْهُ.

(۲۹۸۳) ثُمَّ هِيَ أَرْبَعَةُ أَوْجُهٍ: مُفَاوَضَةٌ، وَعِنَانٌ، وَشِرْكَةُ الصَّنَائِعِ، وَشِرْكَةُ الْوُجُوهِ. (۲۹۸۴) فَأَمَّا شِرْكَةُ الْمُفَاوَضَةِ فَهِيَ أَنْ يَشْتَرِكَ الرَّجُلَانِ فَيَتَسَاوَيَانِ فِي مَالِهِمَا وَتَصَرُّفِهِمَا وَدَيْنِهِمَا

ترجمہ: ۱؎ شرکت عقد کی شرط یہ ہے کہ جس چیز میں شریک کیا اس میں وکیل بننے کی صلاحیت ہوتا کہ تصرف کر کے اس سے فائدہ حاصل کر سکے اور یہ نفع دونوں میں مشترک ہو، اور شرکت کا جو مقصد ہے وہ حاصل ہو جائے۔

تشریح: شرکت عقود کا مطلب یہ ہے کہ معاملات میں شرکت کر رہا ہے، اس لئے اس کا رکن اور اصل بنیاد یہ ہے کہ ایک شریک کہے کہ میں نے شریک کیا، اور دوسرا کہے کہ میں نے قبول کیا تو شرکت ہو جائے گی، لیکن اس کی شرط یہ ہے کہ جس میں شریک کر رہا ہو اس میں وکالت بھی جاری ہو سکتی ہو، تا کہ وکیل بن کر معاملہ کرے اور اس سے نفع اٹھائے، اور شریک کو تقسیم کر کے دے سکے۔ اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ لکڑی چننے میں شریک ہو تو یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ لکڑی چننے میں وکالت نہیں ہوتی ہے، کیونکہ لکڑی جو چنتا ہے اسی کا ہو جاتا ہے۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

ترجمہ: (۲۹۸۳) اور دوسری قسم شرکت عقود ہے۔ اور اس کی چار قسمیں ہیں (۱) شرکت مفاوضہ (۲) شرکت عنان (۳) شرکت صنائع (۴) اور شرکت وجوہ۔

تشریح: شرکت عقود کو عقود اس لئے کہتے ہیں کہ اس شرکت میں باضابطہ عقد کرتے ہیں اور ایجاب اور قبول کے ذریعہ شرکت اور منفعت طے ہوتی ہے۔ اس لئے اس کو شرکت عقود کہتے ہیں۔ اس کی چار قسموں کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

ترجمہ: (۲۹۸۴) بہر حال شرکت مفاوضہ وہ یہ ہے کہ دو آدمی شریک ہو جائیں، پس دونوں برابر ہوں مال میں، تصرف میں اور قرض میں، یا دین، یعنی مذہب میں۔

تشریح: مفاوضہ کے معنی ہیں برابری، اس لئے دونوں شریک تین باتوں میں برابر ہوں [۱] دونوں کا مال برابر ہو، ایک کا مال کم اور دوسرے کا زیادہ نہ ہو۔ [۲] دونوں کا تصرف برابر ہو، ایک مثلا آزاد ہے، اور دوسرا غلام ہے تو آزاد کا تصرف زیادہ ہے اور غلام کا تصرف کم ہے تو ان دونوں میں شرکت مفاوضہ نہیں ہوگی۔ [۳] دونوں کا مذہب برابر ہو، مثلا ایک کافر ہے وہ سور خریدے گا، اور دوسرا مسلمان ہے جو سور نہیں خرید سکے گا تو کافر اور مسلمان کے درمیان شرکت مفاوضہ نہیں ہوگی، اور دوسرا مطلب یہ ہے دونوں پر قرض برابر ہو، یعنی کسی ایک نے قرض لیا تو یہ قرض دونوں پر آئے گا، اور دونوں اس کو ادا کرنے کا ذمہ دار ہوگا۔

وجہ: (۱) شرکت مفاوضہ جائز ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن صالح بن صهيب عن ابيه قال قال رسول الله ﷺ ثلاث فهن البركة البيع الى اجل والمقارضة واختلاط البر بالشعير للبيت لا للبيع. (ابن ماجہ شریف

۱ لِأَنَّهَا شِرْكَةٌ عَامَّةٌ فِيْ جَمِيعِ التِّجَارَاتِ يُفَوِّضُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أَمْرَ الشِّرْكَةِ إِلىٰ صَاحِبِهِ عَلَى الْإِطْلَاقِ إِذْ هِيَ مِنَ الْمُسَاوَاةِ،

قَالَ قَائِلُهُمْ: شعر لا يصلح الناس فوضا لا سراة لهم و لا سراة اذا جهالهم سادوا

أَيْ مُتَسَاوِيِينَ. فَلَا بُدَّ مِنْ تَحْقِيقِ الْمُسَاوَاةِ ابْتِدَاءً وَانْتِهَاءً وَذٰلِكَ فِي الْمَالِ، ۲ وَالْمُرَادُ بِهِ مَا تَصِحُّ الشِّرْكَةُ فِيهِ، وَلَا يُعْتَبَرُ التَّفَاضُلُ فِيمَا لَا يَصِحُّ الشِّرْكَةُ فِيهِ،

، باب الشرکۃ والمضاربۃ ،ص ۳۲۶ ،نمبر ۲۲۸۹) اکثر روایت میں مقارضہ ،قرض سے ہے ،لیکن بعض روایت میں مفاوضہ ، وفاضہ سے ہے ،اس لئے مفاوضہ والی روایت سے شرکت مفاوضہ ثابت ہوگی (۲) قول تابعی میں ہے ۔عن ابن سیرین قال المفاوضة فی المال اجمع (مصنف عبدالرزاق ،باب المفاوضین ...احدھما اویرث مالاھل یکون بینھما ،ج ثامن ،ص ۲۰۰ ،نمبر ۱۵۲۱۷) اس اثر سے شرکت مفاوضہ کے جواز کا پتہ چلا ۔(۳) اور دونوں شریکوں کے مال برابر ہوں اس کے لئے یہ اثر ہے ۔اخبرنا سفیان قال لا تکون المفاوضة حتی تکون سواء فی المال وحتی یخلطا اموالھما ولا تکون المفاوضة والشرکة بالعروض ۔اس اثر سے معلوم ہوا کہ شرکت مفاوضہ میں دونوں کے مال برابر ہوں ۔اسی اثر کا اگلا ٹکڑا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں بھی دونوں برابر ہوں ۔وما ادان واحد من المتفاوضین فقال قد ادنت کذا وکذا فھو مصدق علی صاحبه وان مات احدھمااخذ الآخر وان شاء الغریم یأخذ ایھما باع سلعته اخذ المبتاع ایھما شاء (مصنف عبدالرزاق ،باب المفاوضین ،ج ثامن ،ص ۲۰۰ ،نمبر ۱۵۲۱۹) اس قول تابعی میں ہے کہ ایک کا بیچنا ،خریدنا اور اقالہ کرنا دوسرے کے لئے ہوں گے ۔اس سے تصرف میں برابر ہونے کا پتہ چلا ۔

ترجمہ : ۱ اس لئے کہ شرکت مفاوضہ تمام تجارتوں میں شرکت ہے شرکت کا کوئی بھی معاملہ ہو ایک شریک دوسرے پر سونپتا ہے ، کیونکہ مفاوضہ کا ترجمہ ہے مساوات ، [برابری] چنانچہ شاعر نے کہا ، جب لوگ بالکل برابر ہوں اور ان میں کوئی سردار نہ رہے ، اور جاہل لوگ سردار بن جائیں تو اس میں سرداری نہیں رہ سکتی ۔اس شعر میں فوض کا ترجمہ برابری ، ہے اس لئے شرکت کے شروع میں بھی برابری ہو اور آخیر میں بھی برابری ہو ۔

تشریح : مفاوضہ کا معنی ہے برابری ، اسلئے شرکت مفاوضہ میں دونوں کا مال بھی برابر ہو ، دونوں کا تصرف بھی برابر ہو ، اور دونوں جو قرض لائے گا وہ بھی دونوں پر برابر ہوگا ۔مصنفؒ نے عربی کے ایک شعر سے استدلال کیا ہے ، جسمیں فوض کا ترجمہ برابری ہے ۔

ترجمہ : ۲ اور یہ مال میں ہوگا ۔اس سے مطلب یہ ہے کہ جس مال میں شرکت ممکن ہو اس میں برابری ہو ، اور جس میں شرکت نہیں ہے اس میں کمی بیشی ہو جائے تو اس کا اعتبار نہیں ہے ۔

۳؎ وَكَذَا فِي التَّصَرُّفِ، لِأَنَّهُ لَوْ مَلَكَ أَحَدُهُمَا تَصَرُّفًا لَا يَمْلِكُ الْآخَرُ لَفَاتَ التَّسَاوِي، وَكَذٰلِكَ فِي الدَّيْنِ لِمَا نُبَيِّنُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالیٰ. ۴؎ وَهٰذِهِ الشِّرْكَةُ جَائِزَةٌ عِنْدَنَا اسْتِحْسَانًا. وَفِي الْقِيَاسِ لَا تَجُوزُ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ. وَقَالَ مَالِكٌ: لَا أَعْرِفُ مَا الْمُفَاوَضَةُ. وَجْهُ الْقِيَاسِ أَنَّهَا تَضَمَّنَتْ الْوَكَالَةَ بِمَجْهُولِ الْجِنْسِ وَالْكَفَالَةَ بِمَجْهُولٍ، وَكُلُّ ذٰلِكَ بِانْفِرَادِهِ فَاسِدٌ. ۵؎ وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ قَوْلُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "فَاوِضُوا فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِلْبَرَكَةِ" وَكَذَا النَّاسُ يُعَامِلُونَهَا مِنْ غَيْرِ نَكِيرٍ وَبِهِ يُتْرَكُ الْقِيَاسُ

تشریح: درہم اور دینار میں شرکت مفاوضہ ہوتی ہے اس لئے اس میں برابری ہو، یعنی دونوں کا درہم برابر ہو۔ اور سامان میں شرکت مفاوضہ نہیں ہوتی اس لئے اس میں کم بیش ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے، ہاں جب سامان کو بیچے گا تو اس کی جو قیمت آئے گی اس میں برابری ہو۔

ترجمہ: ۳؎ اسی طرح تصرف میں بھی دونوں برابر ہوں کیونکہ ایک آدمی تصرف کر سکتا ہو اور دوسرا اس بارے میں تصرف نہیں کر سکتا ہو تو برابری نہیں رہی، ایسے مذہب میں بھی دونوں برابر ہوں [یا قرض لینے میں بھی دونوں برابر ہوں]، اس بات کو بعد میں بیان کروں گا ان شاء اللہ

ترجمہ: ۴؎ یہ شرکت مفاوضہ ہمارے نزدیک استحسانا جائز ہے، ورنہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ جائز نہ ہو، چنانچہ یہی قول امام شافعیؒ کا ہے۔ اور امام مالک نے تو فرمایا کہ مفاوضہ کیا چیز ہے، مجھے اس کا علم نہیں ہے، قیاس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں مجہول جنس کی وکالت ہے، اور کفالت بھی مجہول چیز کی ہے [یعنی کیا کام کریں گے اور کیا خریدیں گے یہ ابھی معلوم نہیں ہے] اور دونوں الگ الگ ہوں اور دونوں مجہول ہو تو فاسد ہے اس لئے دونوں ایک ساتھ ہو تب بھی فاسد ہوگا۔

تشریح: شرکت مفاوضہ جب ہو جائے گی تو کس چیز میں تجارت کرے گا، یہ پتہ نہیں ہے، اس لئے ایک دوسرے کا جو وکیل ہوگا، وہ کس مال میں ہوگا یہ ابھی معلوم نہیں ہے اس لئے مجہول الجنس ہوا، اسی طرح کس مال میں ایک دوسرے کا کفیل بنے گا ابھی یہ معلوم نہیں ہے، اس لئے کفالت میں جہالت ہوئی اس لئے کہ شرکت جائز نہیں ہونی چاہئے، چنانچہ امام شافعی، اور امام مالکؒ کا مسلک یہی ہے کہ ان کے یہاں شرکت مفاوضہ جائز نہیں ہے، لیکن حدیث کی بنا پر ہمارے یہاں یہ شرکت جائز ہے۔

ترجمہ: ۵؎ استحسان کی وجہ یہ ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ شرکت مفاوضہ کیا کرو اس لئے کہ اس میں برکت ہے، اور لوگ بغیر نکیر کے یہ شرکت کرتے چلے آئے ہیں اس لئے اس سے قیاس چھوڑ دیا جائے گا۔

تشریح: شرکت مفاوضہ جائز ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن صالح بن صهيب عن ابيه قال قال رسول الله ﷺ ثلاث فهن البركة البيع الى اجل والمقارضة واختلاط البر بالشعير للبيت لا للبيع. (ابن ماجہ شریف

٦ وَالْجَهَالَةُ مُتَحَمَّلَةٌ تَبَعًا كَمَا فِي الْمُضَارَبَة (٢٩٨٥) وَلَا تَنْعَقِدُ إِلَّا بِلَفْظَةِ الْمُفَاوَضَة ۱ لِبُعْدِ شَرَائِطِهَا عَنْ عِلْمِ الْعَوَامِّ، حَتَّى لَوْ بَيَّنَّا جَمِيعَ مَا تَقْتَضِيه تَجُوزُ لِأَنَّ الْمُعْتَبَرَ هُوَ الْمَعْنَى.

(٢٩٨٦) قَالَ: فَتَجُوزُ بَيْنَ الْحُرَّيْنِ الْكَبِيرَيْنِ مُسْلِمَيْنِ أَوْ ذِمِّيَّيْنِ لِتَحَقُّقِ التَّسَاوِى، وَإِنْ كَانَ أَحَدُهُمَا كِتَابِيًّا وَالْآخَرُ مَجُوسِيًّا تَجُوزُ أَيْضًا [لِمَا قُلْنَا] وَلَا تَجُوزُ بَيْنَ الْحُرِّ وَالْمَمْلُوكِ وَلَا بَيْنَ الصَّبِيِّ وَالْبَالِغِ ۱ لِانْعِدَامِ الْمُسَاوَاةِ، لِأَنَّ الْحُرَّ الْبَالِغَ يَمْلِكُ التَّصَرُّفَ وَالْكَفَالَةَ، وَالْمَمْلُوكُ لَا يَمْلِكُ وَاحِدًا مِنْهُمَا إِلَّا بِإِذْنِ الْمَوْلَى، وَالصَّبِيُّ لَا يَمْلِكُ الْكَفَالَةَ وَلَا يَمْلِكُ التَّصَرُّفَ إِلَّا بِإِذْنِ الْوَلِيِّ.

، باب الشرکۃ والمضاربۃ، ص۳۲٦، نمبر۲۲۸۹)

ترجمه :٦ اور جو وکالت، اور کفالت کی جہالت ہے وہ تابع کے طور پر ہے اسلئے اسکو برداشت کرلیا جائے گا، جیسے بیع مضاربت میں وکالت مجہول ہوتی ہے پھر بھی اسکو برداشت کرلیا جاتا ہے، اسی طرح یہاں بھی مجہول وکالت کو برداشت کرلیا جائے گا۔

تشریح : یہ جملہ امام شافعیؒ کو جواب ہے، انہوں نے کہا تھا کہ شرکت مفاوضہ کی وکالت، اور کفالت میں جہالت ہے، تو اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ یہ جہالت تابع میں ہے اس لئے اس کو برداشت کیا جا سکتا ہے، جیسے مضاربت میں تابع میں جہالت ہوتی ہے اس لئے اس کو برداشت کیا جاتا ہے، اسی طرح یہاں بھی برداشت کیا جائے گا۔

ترجمه : (٢٩٨٥) مفاوضہ کے لفظ سے ہی شرکت مفاوضہ منعقد ہوگی۔

ترجمه :۱ کیونکہ عوام اس کی شرطوں کو نہیں جانتے ہیں، چنانچہ مفاوضہ کا جو تقاضہ ہے اگر اس کو بیان کر دیا جائے تو شرکت مفاوضہ منعقد ہو جائے گی، اس لئے کہ معنی کا ہی اصل اعتبار ہے۔

تشریح : عوام کو شرکت مفاوضہ کی شرطوں کا پتہ نہیں ہوتا، اس لئے لفظ مفاوضہ سے شرکت مفاوضہ منعقد ہوگی، لیکن اگر کوئی آدمی مفاوضہ کا لفظ نہ بولے، اور اس کی تمام شرطوں کو بیان کر دے تب بھی مفاوضہ منعقد ہو جائے گی، کیونکہ معنی کا اعتبار ہے اور معنی بیان کر دیا ہے اس لئے شرکت مفاوضہ ہو جائے گی۔

ترجمه : (٢٩٨٦) شرکت مفاوضہ جائز ہے اگر دونوں شریک آزاد ہوں، بڑے ہوں دونوں مسلمان ہوں یا دونوں ذمی ہوں، کیونکہ تصرف میں دونوں برابر ہیں، اور اگر ایک کتابی ہو اور دوسرا مجوسی ہو تب بھی جائز ہے [کیونکہ دونوں کافر ہیں]، اور ایک آزاد ہو اور دوسرا غلام ہو تو جائز نہیں۔ اسی طرح ایک بچہ ہو اور دوسرا بالغ ہو تو بھی جائز نہیں ہے، کیونکہ برابری نہیں ہے۔ کیونکہ آزاد اور بالغ تصرف کا مالک ہے اور کفالہ کا مالک ہے اور جو غلام ہے وہ آقا کی اجازت کے بغیر نہ تصرف کر سکتا ہے اور نہ کفیل بن سکتا ہے۔ اور بچہ ولی کی اجازت کے بغیر نہ کفیل بن سکتا ہے اور نہ تصرف کر سکتا ہے [اسلئے یہاں شرکت مفاوضہ جائز نہیں ہے۔

(۲۹۸۷) قَالَ: وَلَا بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْكَافِرِ

تشریح: دونوں آدمی آزاد ہوں، دونوں مسلمان ہوں، دونوں عاقل اور بالغ ہوں تو ان دونوں کے درمیان شرکت مفاوضہ جائز ہے۔لیکن ایک آزاد اور دوسرا غلام ہو تو ان کے درمیان شرکت مفاوضہ جائز نہیں ہے۔یا ایک بالغ ہو اور دوسرا بچہ ہو تو شرکت مفاوضہ نہیں ہوگی۔دونوں ذمی ہوں تب بھی شرکت مفاوضہ ہو جائے گی، کیونکہ دوون کا مذہب ایک ہے اسی طرح ایک نصرانی ہو اور دوسرا مجوسی ہو تب بھی جائز ہے، کیونکہ نصرانی اور مجوسی کا مذہب تقریبا ایک جیسا ہے، اس لئے دونوں ایک دوسرے کا کفیل بھی بنے گا اور وکیل بھی بنے گا۔

وجہ: (۱) اصل میں شرکت مفاوضہ میں دونوں شریک ایک دوسرے کے وکیل بھی ہوتے ہیں اور کفیل بھی ہوتے ہیں۔یعنی کچھ خریدے تو آدھا اپنے لئے خریدتے ہیں اور آدھا وکیل کے طور پر شریک کے لئے خریدتے ہیں۔اور کسی پر کوئی دین اور قرض ہو جائے تو آدھا اس پر ہوتا ہے اور آدھا کفیل اور ذمہ دار کے طور پر دوسرے شریک پر ہوتا ہے۔اور دونوں ایک دوسرے کے وکیل اور کفیل اسی وقت بن سکتے ہیں جب دونوں آزاد ہوں۔اگر ایک مملوک اور غلام ہو تو وہ نہ وکیل بن سکتا ہے اور نہ کفیل۔اس لئے وہ شرکت مفاوضہ کر ہی نہیں سکتا۔اس لئے آزاد اور مملوک کے درمیان شرکت مفاوضہ نہیں ہوگی (۲) اوپر اثر میں تھا۔عن ابن سیرین ......فاذا کانت شرکة مفاوضة فامر کل واحد جائزعلی صاحبه فی البیع والشراء والاقالة . (مصنف عبدالرزاق، باب المفاوضین یقر احدھما اویرث مالا ہل یکون بینھما؟، ج ثامن، ص ۲۰۰، نمبر ۱۵۲۱۶) کہ شرکت مفاوضہ میں بیع، شراء اور اقالہ میں ہر ایک دوسرے کے شریک ہوتے ہیں۔

ترجمہ: (۲۹۸۷) اور نہیں جائز ہے شرکت مسلمان اور کافر کے درمیان۔

وجہ: (۱) اور مسلمان اور کافر کے درمیان اس لئے نہیں ہوگی کہ مثلا کافر شراب اور سور خریدے تو وہ مسلمان کی وکالت میں نہیں خرید سکتا اور ایسا نہیں کر سکتا کہ آدھی شراب اور آدھا سور اپنے لئے ہو اور آدھی شراب اور آدھا سور مسلمان کے لئے ہو۔یا وہ سود کا کاروبار کرے تو کفیل ہونے کے ماتحت آدھا سود اپنے لئے اور آدھا سود مسلمان کے لئے ہو۔ایسا نہیں کر سکتا۔کیونکہ شراب، سور اور سود مسلمان کے لئے حرام ہیں تو چونکہ بہت سے مقامات پر کافر مسلمان کی وکالت اور کفالت نہیں کر سکتا جو شرکت مفاوضہ میں ضروری ہیں۔اس لئے مسلمان اور کافر کے درمیان شرکت مفاوضہ نہیں ہو سکتی۔شرکت عنان، شرکت صنائع اور شرکت وجوہ ہو سکتی ہیں (۲) اثر میں اس کی ممانعت ہے۔قلت لابن عباس ان ابی جلاب الغنم وانه مشارک الیھودی والنصرانی قال لا تشارک یھودیا ولا نصرانیا ولا مجوسیا قلت لم ؟ قال لانھم یربون الربوا لا یحل ۔(سنن للبیہقی، باب کراھیة مبایعة من اکثر مالہ من الربا وثمن المحرم، ج خامس، ص ۵۴۷، نمبر ۱۰۸۲۲ / مصنف ابن

۱؎ وَهٰذَا قَوْلُ أَبِيْ حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ. وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: يَجُوزُ لِلتَّسَاوِي بَيْنَهُمَا فِي الْوَكَالَةِ وَالْكَفَالَةِ، وَلا مُعْتَبَرَ بِزِيَادَةِ تَصَرُّفٍ يَمْلِكُهُ أَحَدُهُمَا كَالْمُفَاوَضَةِ بَيْنَ الشَّفْعَوِيِّ وَالْحَنَفِيِّ فَإِنَّهَا جَائِزَةٌ. وَيَتَفَاوَتَانِ فِي التَّصَرُّفِ فِي مَتْرُوكِ التَّسْمِيَةِ، إِلَّا أَنَّهُ يُكْرَهُ لِأَنَّ الذِّمِّيَّ لا يَهْتَدِي إِلَى الْجَائِزِ مِنَ الْعُقُودِ. ۲؎ وَلَهُمَا أَنَّهُ لا تَسَاوِي فِي التَّصَرُّفِ، فَإِنَّ الذِّمِّيَّ لَوِ اشْتَرٰى بِرَأْسِ الْمَالِ خُمُورًا أَوْ خَنَازِيرَ صَحَّ، وَلَوِ اشْتَرَاهَا مُسْلِمٌ لا يَصِحُّ.

ابی شیبۃ۳ فی مشارکۃ الیھودی والنصرانی، ج رابع، ص ۲۷۴، نمبر ۱۹۹۷۳) اس اثر میں یہودی۔ نصرانی اور مجوسی کو شریک کرنے سے منع فرمایا ہے۔ کیونکہ وہ سود کا کاروبار کرتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ شرکت مفاوضہ میں وہ شریک نہیں بن سکتے۔

ترجمہ: ۱؎ یہ امام ابوحنیفہ اور امام محمدؒ کی رائے ہے اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ وکالت اور کفالت میں مسلمان اور ذمی برابر ہیں اس لئے ان دونوں میں شرکت مفاوضہ جائز ہے، اور کسی ایک کو زیادہ تصرف ہے اس کا اعتبار نہیں ہے، جیسے شافعی اور حنفی کے درمیان شرکت مفاوضہ جائز ہے، حالانکہ ذبیحہ پر بسم اللہ چھوڑ دے تو امام شافعیؒ کے یہاں یہ ذبیحہ جائز ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے یہاں جائز نہیں ہے، لیکن ذمی اور مسلمان کے درمیاں شرکت مفاوضہ مکروہ ہے اس لئے کہ ذمی کئی معاملے میں صحیح کام نہیں کر سکے گا۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ مسلم اور کافر کے درمیان شرکت مفاوضہ جائز ہے، لیکن مکروہ ہے، اس کی مثال دیتے ہیں کہ جیسے شوافع اور حنفی کے درمیاں یہ اختلاف ہے کہ ذبیحہ پر بسم اللہ چھوڑ دے تو امام شافعیؒ کے یہاں یہ ذبیحہ حلال ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے یہاں حلال نہیں ہے پھر بھی ان دونوں کے درمیان شرکت مفاوضہ جائز ہے، اسی طرح مسلم اور کافر کے درمیاں تصرف میں تھوڑا سا اختلاف ہے پھر بھی ان دونوں کے درمیاں شرکت مفاوضہ جائز ہے، لیکن بعض جگہ کافر شریعت کے مطابق کام نہیں کر پائے گا اس لئے مکروہ ہے۔

وجہ: وہ فرماتے ہیں کہ کافر عاقل بالغ ہے اس لئے وہ وکیل اور کفیل بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس لئے مسلمان ساتھ شرکت مفاوضہ ہو سکتی ہے۔

ترجمہ: ۲؎ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ ذمی تصرف میں مسلمان کے برابر نہیں ہے، کیونکہ ذمی اگر شرکت کے مال سے شراب اور سور خریدے تو اس کے لئے صحیح ہے لیکن اگر اس کو مسلمان خریدے تو اس کے لئے صحیح نہیں ہے۔

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ ذمی شراب اور سور خریدے گا تو اس کے لئے صحیح ہے، لیکن شرکت مفاوضہ کی وجہ سے وہ وکیل ہے اس لئے شراب اور سور کا آدھا حصہ مسلمان کا بھی ہوگا، جو کسی حال میں صحیح نہیں ہے اس لئے مسلمان کا ذمی کے ساتھ شرکت

(۲۹۸۸) وَلا يَجُوزُ بَيْنَ الْعَبْدَيْنِ وَلا بَيْنَ الصَّبِيَّيْنِ وَلا بَيْنَ الْمُكَاتَبَيْنِ ١ لِانْعِدَامِ صِحَّةِ الْكَفَالَةِ، وَفِي كُلِّ مَوْضِعٍ لَمْ تَصِحَّ الْمُفَاوَضَةُ لِفَقْدِ شَرْطِهَا، وَلا يُشْتَرَطُ ذٰلِكَ فِي الْعِنَانِ كَانَ عِنَانًا لِاسْتِجْمَاعِ شَرَائِطِ الْعِنَانِ، إِذْ هُوَ قَدْ يَكُونُ خَاصًّا وَقَدْ يَكُون عَامًّا.

(۲۹۸۹) قَالَ: وَتَنْعَقِدُ عَلَى الْوَكَالَةِ وَالْكَفَالَةِ ١ أَمَّا الْوَكَالَةُ فَلِتَحَقُّقِ الْمَقْصُودِ وَهُوَ الشِّرْكَةُ فِي الْمَالِ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ، وَأَمَّا الْكَفَالَةُ: فَلِتَحَقُّقِ الْمُسَاوَاةِ فِيمَا هُوَ مِنْ مُوَاجِبِ التِّجَارَاتِ وَهُوَ تَوَجُّهُ الْمُطَالَبَةِ نَحْوَهُمَا جَمِيعًا.

مفاوضہ نہیں ہوگی۔

ترجمہ :(۲۹۸۸) دوغلاموں کے درمیان شرکت مفاوضہ جائز نہیں ہے، اور نہ دو بچوں کے درمیان، اور نہ دو مکاتب کے درمیان۔

ترجمہ :۱ اس لئے کہ کفالہ صحیح نہیں ہے، اس لئے شرط نہ پائے جانے کی وجہ سے ان چیزوں میں مفاوضہ جائز نہیں ہے، اور چونکہ شرکت عنان میں کفالت کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے عنان کی ساری شرطیں موجود ہیں اس لئے شرکت عنان جائز ہے، اس لئے کہ شرکت عنان کبھی خاص ہوتی ہے اور کبھی عام ہوتی ہے۔

تشریح : دوغلاموں کے درمیان شرکت مفاوضہ جائز نہیں ہے، اسی طرح دو بچوں کے درمیان بھی شرکت مفاوضہ جائز نہیں ہے، اور اسی طرح دو مکاتب غلام کے درمیان میں بھی شرکت مفاوضہ جائز نہیں ہے۔ البتہ شرکت عنان جائز ہے۔

وجہ :ابھی اوپر گزرا کہ شرکت مفاوضہ میں ایک دوسرے کا کفیل بھی ہوتے ہیں۔ اور غلام کسی کا کفیل نہیں بن سکتا اس لئے شرکت مفاوضہ نہیں ہوگی، اسی طرح بچہ بھی کفیل نہیں بن سکتا، اور مکاتب غلام بھی کفیل نہیں بن سکتا اس لئے ان لوگوں کے درمیاں شرکت مفاوضہ نہیں ہوگی۔ ہاں شرکت عنان میں ایک دوسرے کا کفیل بننا شرط نہیں ہے اس لئے ان لوگوں کے درمیان شرکت عنان ہو سکتی ہے، شرکت عنان کی بحث آئے گی۔

ترجمہ :(۲۹۸۹) شرکت مفاوضہ منعقد ہوتی ہے وکالت اور کفالت پر۔

ترجمہ:۱ وکالت اسلئے ہوگی تا کہ مقصد حاصل ہو جائے، اور مقصد یہ ہے کہ جو مال خریدے وہ دونوں کا ہو جائے۔ اور کفالہ اسلئے کہ قرضے میں دونوں برابر ہو جائیں، کیونکہ یہ تجارت کے لوازمات ہیں، کفالہ کا مطلب یہ ہے کہ دونوں پر قرض کا مطالبہ ہو۔

تشریح: شرکت مفاوضہ میں دونوں ایک دوسرے کا وکیل بھی ہوتا ہے، اور کفیل بھی ہوتا ہے۔ وکیل کا مطلب یہ ہے کہ مثلا زید اور عمر نے شرکت مفاوضہ کی، اور زید نے شرکت کے سرمایہ سے جو کچھ خریدا اس میں سے آدھا عمر کا بھی ہوگا، کیونکہ زید عمر کا

(۲۹۹۰) قَالَ: وَمَا یَشْتَرِیه کُلُّ وَاحِدٍ مِنهُمَا یَکُونُ عَلَی الشِّرکَةِ إِلَّا طَعَامَ أَهْلِهِ وَکِسوَتَهُم

وکیل ہے۔اور کفیل کا مطلب یہ ہے کہ زید پر جو کچھ قرض آئے گا اس میں سے آدھا عمر پر بھی قرضہ آئے گا، کیونکہ کفالت کی وجہ سے عمر بھی قرضہ کا ذمہ دار ہے۔

وجه:(ا)عن ابن سیرین ......فاذا کانت شرکة مفاوضة فامر کل واحد جائزعلی صاحبه فی البیع والشراء والاقالة . (مصنف عبدالرزاق، باب المفاوضین یقر احدھما اوپرث مالا ہل یکون بینھما؟، ج ثامن، ص۲۰۰، نمبر ۱۵۲۱۶) کہ شرکت مفاوضہ میں بیع، شراء اور اقالہ میں ہر ایک دوسرے کے شریک ہوتے ہیں (۲) اخبرنا سفیان ....فلا تکون مفاوضة حتی یخلطا و ما ادان واحد من المتفاوضین فقال قد ادنت کذا و کذا فهو مصدق علی صاحبه. (مصنف عبدالرزاق، باب المفاوضین یقر احدھما اوپرث مالا ہل یکون بینھما؟، ج ثامن، ص۲۰۱، نمبر ۱۵۲۱۹) اس قول تابعی میں ہے کہ ایک نے قرض لیا تو یہ دونوں پر ہوگا

ترجمه:(۲۹۹۰) دونوں شریکوں میں سے ہر ایک جو کچھ خریدے گا وہ شرکت پر ہوگی سوائے بیوی بچوں کے کھانے اور کپڑے کے۔

اصول:تجارت کی چیز خریدے گا تو اس کا آدھا شریک کا بھی ہوگا، لیکن نجی ضروریات کی چیز خریدے گا تو اس کا آدھا شریک پر نہیں ہوگا، کیونکہ وہ تجارت کے متعلقات نہیں ہیں۔

تشریح: دونوں شریکوں میں سے ہر ایک تجارت کے متعلقات خریدے گا اس میں سے آدھا اپنے لئے ہوگا اور آدھا وکالت کے ماتحت شریک کے لئے ہوگا۔البتہ بال بچوں کے کھانے اور کپڑے اور ان کی ضروریات زندگی کے سامان متعلقات تجارت میں سے نہیں ہیں اس لئے وہ جب بھی خریدے گا تو وہ صرف اپنے لئے ہوں گے۔شریک کے لئے نہیں ہوں گے۔صاحب ہدایہ یہ فرما رہے ہیں کہ مفاوضہ میں مساوات ہوتی ہے مساوات

وجه: کیونکہ ان میں نہ شرکت ہے اور نہ ان میں کفالت ہے (۲) اثر میں گزر چکا ہے کہ صرف متعلقات تجارت میں کفالت ہوگی۔عن ابن سیرین ...فاذا کانت شرکة مفاوضة فامر کل واحد جائز علی صاحبه فی البیع والشراء والاقالة (مصنف عبدالرزاق، باب المفاوضین ج ثامن، ص۲۰۰ نمبر ۱۵۲۱۶) اس اثر میں ہے کہ خرید و فروخت اور اقالہ دوسرے شریک پر ہوگا۔جس کا مطلب یہ ہوا کہ متعلقات تجارت دوسرے شریک پر ہوں گے اور اہل وعیال کی ضروریات متعلقات تجارت میں نہیں ہیں اس لئے وہ کفالت میں شامل نہیں ہوں گے۔

اصول: شرکت مفاوضہ میں متعلقات تجارت وکالت اور کفالت میں شامل ہوں گے باقی نہیں۔

۱؎ وَكَذَا كِسْوَتُهُ، وَكَذَا الْإِدَامُ لِأَنَّ مُقْتَضَى الْعَقْدِ الْمُسَاوَاةُ، وَكُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا قَائِمٌ مَقَامَ صَاحِبِهِ فِي التَّصَرُّفِ، وَكَانَ شِرَاءُ أَحَدِهِمَا كَشِرَائِهِمَا، إِلَّا مَا اسْتَثْنَاهُ فِي الْكِتَابِ، وَهُوَ اسْتِحْسَانٌ لِأَنَّهُ مُسْتَثْنًى عَنْ الْمُفَاوَضَةِ لِلضَّرُورَةِ، فَإِنَّ الْحَاجَةَ الرَّاتِبَةَ مَعْلُومَةُ الْوُقُوعِ، وَلَا يُمْكِنُ إِيجَابُهُ عَلَى صَاحِبِهِ وَلَا التَّصَرُّفُ مِنْ مَالِهِ، وَلَا بُدَّ مِنَ الشِّرَاءِ فَيَخْتَصُّ بِهِ ضَرُورَةً. وَالْقِيَاسُ أَنْ يَكُونَ عَلَى الشِّرْكَةِ لِمَا بَيَّنَّا.

(۲۹۹۱) وَلِلْبَائِعِ أَنْ يَأْخُذَ بِالثَّمَنِ أَيَّهُمَا شَاءَ ۱؎ الْمُشْتَرِي بِالْأَصَالَةِ وَصَاحِبُهُ بِالْكَفَالَةِ،
۲؎ وَيَرْجِعُ الْكَفِيلُ عَلَى الْمُشْتَرِي بِحِصَّتِهِ مِمَّا أَدَّى لِأَنَّهُ قَضَى دَيْنًا عَلَيْهِ مِنْ مَالٍ مُشْتَرَكٍ بَيْنَهُمَا.

لغت: کسوۃ : کپڑا وغیرہ۔ ادام: سالن۔

ترجمہ: ۱؎ ایسے ہی خود شریک کا کپڑا، اور ایسے ہی سالن، اس لئے کہ مساوات کا مقصد یہ ہے کہ تصرف میں دونوں ایک دوسرے کا قائم مقام ہو اور ایک کا خریدنا دوسرے کے لئے ہو، مگر متن میں جس کو الگ کیا ہے [وہ ایک کا خریدنا دوسرے کے لئے نہیں ہوگا] اور یہ استحسان کا تقاضہ ہے، اس لئے کہ ضرورت کی بنا پر یہ خریداری مفاوضہ سے مستثنی ہے، اس لئے کہ روزمرہ کی ضرورت تو ہونے والی ہے لیکن یہ خریداری شریک پر واجب نہیں کر سکتے، اور نہ ان چیزوں کو شرکت کے مال خریدا جا سکتا ہے، حالانکہ اس کا خریدنا ضروری ہے، اس لئے ضرورت کی بنا پر اس کو خاص کر دیا، حالانکہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ خریداری بھی شرکت پر ہو، اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے بیان کیا [کہ دونوں میں مساوات ضروری ہے۔

تشریح: اس لمبی عبارت میں یہ بتانا چاہئے ہیں کہ شرکت مفاوضہ میں برابری ہوتی ہے، اور ہر چیز میں شریک وکیل ہوتا ہے اس لئے اس کا تقاضہ یہ تھا کہ کھانا اور کپڑا خریدے تب بھی شرکت میں ہو، لیکن استحسان کا تقاضہ یہ ہے کہ کھانا کپڑا وغیرہ نجی ضروریات کی چیزوں میں شرکت نہیں ہوگی، کیونکہ ہر ایک کی ضرورت الگ الگ ہیں، اس لئے ایک کی چیز دوسرے پر واجب نہیں کر سکتے، اور نہ ہی شرکت کے مال سے یہ چیزیں خریدنا جائز ہوگی۔ اور اصل بات یہ ہے کہ تجارت کی چیزوں میں شرکت ہوتی ہے، نجی ضروریات میں شرکت نہیں ہوتی، جیسا کہ پہلے قول تابعی سے بیان کر دیا گیا۔

ترجمہ: (۲۹۹۱) اور بائع کے لئے جائز ہے کہ جس شریک سے چاہیں قیمت لے لیں۔

ترجمہ: ۱؎ خریدنے والے سے اسلئے کہ اس نے ہی خریدا ہے، اور اس کے ساتھی سے اسلئے کہ وہ بھی ذمہ دار ہے [کفیل ہے]

تشریح: جس نے بیچا ہے اس کے لئے دو اختیار ہیں [۱] خریدنے والے سے اپنی قیمت وصول کرلے، کیونکہ اس نے ہی خریدا ہے، اور یہ بھی اختیار ہے کہ اس کے شریک سے وصول کرلے، کیونکہ وہ بھی کفیل اور ذمہ دار ہے۔

ترجمہ: ۲؎ پھر کفیل اپنے حصے کا خریدنیوالے سے وصول کرے گا اس لئے کہ خریدنے والے کا قرض مشترک مال سے ادا کیا ہے۔

(۲۹۹۲) قَالَ: وَمَا يَلْزَمُ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِنَ الدُّيُونِ بَدَلًا عَمَّا يَصِحُّ فِيهِ الِاشْتِرَاكُ فَالْآخَرُ ضَامِنٌ لَهُ ۱؎ تَحْقِيقًا لِلْمُسَاوَاةِ، ۲؎ فَمِمَّا يَصِحُّ الِاشْتِرَاكُ فِيهِ الشِّرَاءُ وَالْبَيْعُ وَالِاسْتِئْجَارُ، وَمِنَ الْقِسْمِ الْآخَرِ الْجِنَايَةُ وَالنِّكَاحُ وَالْخُلْعُ وَالصُّلْحُ عَنْ دَمِ الْعَمْدِ وَعَنِ النَّفَقَةِ.

تشریح :بائع نے کرید نے والے سے قیمت وصول نہیں کی بلکہ اس کے ساتھی سے قیمت وصول کی تو ساتھی کو یہ حق ہوگا کہ جتنا حصہ مشتری کا ادا کیا وہ مشتری سے وصول کرلے۔

ترجمہ :(۲۹۹۲)اور جو کچھ دونوں میں سے ہر ایک کو قرض لازم ہو اس کے بدلے میں جس میں شرکت صحیح ہے تو دوسرا شریک اس کا ضامن ہوگا۔

ترجمہ:۱؎ برابری کو ثابت کرنے کے لئے۔

تشریح: تجارت اور اس کے متعلقات کی وجہ سے دونوں شریکوں میں سے کسی ایک پر قرض لازم ہو گیا تو دوسرا شریک بھی اس کا ضامن ہوگا اور اس کو ادا کرنا ہوگا۔

وجہ :(۱) شریک پر جو کچھ بھی قرض آئے دوسرا شریک اس کا کفیل ہے۔اس لئے کفالت کی وجہ سے وہ بھی ادا کرنے کا ذمہ دار ہے(۲) قول تابعی گزر چکا ہے۔اخبرنا سفیان ... وما ادان واحد من المتفاوضین فقال قد ادنت کذا وکذا فهو مصدق علی صاحبه وان مات احدهما اخذ الآخر وان شاء الغریم یأخذ ایهما باع سلعته اخذ المبتاع ایهما شاء (مصنف عبدالرزاق، باب المفاوضین ج ثامن ص۲۰۰ نمبر ۱۵۲۱۹)اس قول تابعی میں ہے کہ قرض دینے والا اپنا قرض شریک مفاوضہ میں سے کسی سے بھی وصول کرسکتا ہے۔

ترجمہ:۲؎ پس جس میں دونوں کا اشتراک صحیح ہے وہ خریدنا، ہے، بیچنا ہے، اجرت پر لینا ہے۔اور جس میں اشتراک صحیح نہیں ہے، وہ شریک کا جرم کرنا ہے، نکاح کرنا ہے، خلع کرنا ہے، جان کر کسی کو قتل کیا اس پر صلح کرنا ہے، یا بیوی کے نفقے کے بارے میں صلح کرنا ہے [ان چیزوں میں ایک شریک نے کیا تو اس کا اڈھا دوسرے ساتھی پر نہیں جائے گا، کیونکہ یہ تجارت کے متعلقات میں سے نہیں ہے]

اصول :جو معاملہ تجارت کے متعلقات میں سے ہو ان میں ایک شریک کرے گا تو اس کا آدھا دوسرے پر بھی لازم آئے گا، اور جو معاملہ تجارت کے متعلقات میں سے نہ ہو، بلکہ اس کا نجی ہو وہ معاملہ کرے گا تو جو کرے گا اسی پر اس کی ذمہ داری ہوگی، شریک پر اس کا آدھا حصہ نہیں آئے گا۔

تشریح :خریدنا، بیچنا، تجارت کے کام کے لئے کسی کو اجرت پر لینا، ان میں شرکت ہوگی، اور ایک کرے گا تو اس کا آدھا

(۲۹۹۳) قَالَ: وَلَوْ كَفَلَ أَحَدُهُمَا بِمَالٍ عَنْ أَجْنَبِيٍّ لَزِمَ صَاحِبَهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَقَالَا: لَا يَلْزَمُهُ لِ لِأَنَّهُ تَبَرُّعٌ، وَلِهَذَا لَا يَصِحُّ مِنَ الصَّبِيِّ وَالْعَبْدِ الْمَأْذُونِ وَالْمُكَاتَبِ، وَلَوْ صَدَرَ مِنَ الْمَرِيضِ يَصِحُّ مِنَ الثُّلُثِ وَصَارَ كَالْإِقْرَاضِ وَالْكَفَالَةِ بِالنَّفْسِ.

دوسرے شریک پر بھی لازم ہوگا، کیونکہ یہ تجارت کے متعلقات ہیں۔۔ایک شریک نے کوئی جرم کرلیا، اپنا نکاح کرلیا جس سے اس پر مہر لازم ہوا، عورت شریک تھی اس نے اپنا خلع کیا جس کے بدلے میں رقم دینی پڑی، جان کر قتل کیا اور اس کے بدلے میں رقم دے کر صلح کی، بیوی کا نفقہ لازم ہوا تو یہ سب جس شریک نے کیا ہے اسی پر لازم ہوگا، اس کا آدھا دوسرے پر لازم نہیں ہوگا، کیونکہ یہ سب تجارت کے متعلقات نہیں ہیں۔

ترجمہ:(۲۹۹۳) اگر دو شریکوں میں سے ایک اجنبی کے مال کا کفیل بنا تو امام ابو حنیفہؒ کے یہاں دوسرے شریک کو بھی یہ مال لازم ہو جائے گا، اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ دوسرے شریک کو لازم نہیں ہوگا۔

ترجمہ:لے کیونکہ یہ احسان کرنا ہے، یہی وجہ ہے کہ بچہ، ماذون غلام، اور مکاتب کفیل نہیں بن سکتا، اور مریض کفیل بنے تو تہائی مال سے ہی کفالت جاری ہوتی ہے [یہ دلیل ہے کہ کفالت تبرع اور احسان ہے] اور ایسا ہو گیا کہ قرض دینا اور کفالہ بالنفس لینا [یہ شریک پر نہیں ہوتا تو مال کا کفالہ بھی شریک پر نہیں ہوگا]

لغت: کفالہ بالمال: کسی کے مال کی ذمہ داری اپنے اوپر لے لینا، اگر یہ [مکفول عنہ] اس آدمی کے حکم سے کفالت لی ہے تو جو رقم اس کو دیا ہے وہ واپس لے سکے گا، اس صورت میں یہ ابتداء میں احسان ہے، لیکن بعد میں یہ معاوضہ ہے۔ اور اگر مکفول عنہ کے حکم کے بغیر ذمہ داری لی ہے تو جو رقم کفالہ میں دی ہے اس کو واپس نہیں لے سکے گا، یہ تبروع اور احسان ہوگا، ہاں وہ خود دے دے تو یہ اس کی مرضی ہے۔ اس صورت میں یہ کفالہ ابتداء میں بھی احسان ہے، اور انتہاء میں بھی احسان ہے۔ کفالہ بالنفس : کسی کو قاضی کے پاس حاضر کرنے کی ذمہ داری لینا، مثلا زید نے کسی کو قتل کیا تھا اس لئے قاضی اس کو دار القضاء میں بلا رہے تھے، تو عمر نے یہ ذمہ داری لی کہ فلاں تاریخ کو میں اس کو قاضی کے سامنے حاضر کروں گا، اس کو کفالہ بالنفس، کہتے ہیں، یہ ابتداء میں بھی تبروع اور احسان ہے، اور انتہاء میں بھی احسان ہے، کیونکہ اس میں کوئی رقم ملنے والی نہیں ہے۔ لو صدر من المریض: ایسا آدمی جو مرض الموت میں مبتلاء ہو وہ وصیت کرے تو تہائی مال میں اس کی وصیت جاری ہوتی ہے، اسی طرح وہ کسی کا کفیل بن جائے تو اپنے تہائی مال سے کفالہ ادا کر سکتا ہے، اس سے زیادہ نہیں، کیونکہ کفالہ ابتداء احسان ہے۔ مکفول لہ: جس آدمی کی جانب سے کفیل بنا ہے اس کو مکفول عنہ، کہتے ہیں۔

اصول:تبرع کی چیز میں شریک ذمہ دار نہیں ہوگا، تجارت کی چیز کی آدھی شریک کے ذمے ہوگی۔

۲ وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ تَبَرُّعٌ ابْتِدَاءً وَمُعَاوَضَةٌ بَقَاءً لِأَنَّهُ يَسْتَوْجِبُ الضَّمَانَ بِمَا يُؤَدِّي عَلَى الْمَكْفُولِ عَنْهُ إِذَا كَانَتِ الْكَفَالَةُ بِأَمْرِهِ، فَبِالنَّظَرِ إِلَى الْبَقَاءِ تَتَضَمَّنُهُ الْمُفَاوَضَةُ، وَبِالنَّظَرِ إِلَى الِابْتِدَاءِ لَمْ تَصِحَّ مِمَّنْ ذَكَرَهُ وَتَصِحُّ مِنَ الثُّلُثِ مِنَ الْمَرِيضِ،

تشریح: مثلا زیداور عمر نے شرکت مفاوضہ کی، پھر زید نے خالد پر ایک ہزار درہم قرض تھا اس کو ادا کرنے کی کفالت یعنی ذمہ داری لے لی، تو کیا آدھا یعنی پانچ سو درہم عمر پر بھی لازم آئے گا یا نہیں؟ تو امام ابوحنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ پانچ سو درہم عمر پر بھی آئے گا، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ پانچ سو درہم عمر پر نہیں آئے گا۔

وجه :صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ زید نے جو کفالہ لیا ہے وہ تبرع کے طور پر ہے، وہ کوئی مالی تجارت نہیں ہے، اور قاعدہ گزر چکا ہے کہ کوئی مالی تجارت ہو اسی کی رقم شریک کے ذمے ہوتی ہے۔ یہ کفالہ تبروع ہے، صاحبین نے اس کی پانچ دلیلیں دی ہیں۔ [۱] یہ کفالہ بچہ نہیں لے سکتا، کیونکہ بچہ وہی لے سکتا جس میں مالی فائدہ ہو یا تجارت کی چیز ہو، اور اس میں مالی فائدہ نہیں ہے اس لئے بچہ کفالہ نہیں لے سکتا۔ [۲] وہ غلام کس کو تجارت کی اجازت ہو وہ بھی کفالہ نہیں لے سکتا، کیونکہ یہ تجارت کی چیز نہیں ہے، بلکہ تبرع ہے۔ [۳] مکاتب غلام بھی کفالہ نہیں لے سکتا، کیونکہ یہ تجارت کی چیز نہیں ہے۔ [۴] کوئی مرض الموت میں مبتلاء ہو تو وہ تجارت کر سکتا ہے، لیکن کفالہ نہیں لے سکتا، اگر لے گا تو صرف تہائی مال میں یہ کفالہ جاری ہوگا، جیسے وصیت میں جاری ہوتی ہے۔ [۵] زید اپنے لئے قرض لے لے تو یہ قرض شریک پر نہیں آئے گا، کیونکہ یہ تجارت میں سے نہیں ہے، تبرع ہے۔ [۶] زید کفالہ بالنفس لے لے تو یہ ذمہ داری شریک پر نہیں ہوگی کیونکہ یہ تجارت میں سے نہیں ہے، بلکہ تبرع ہے، پس جس طرح ان چھ میں شریک پر ذمہ داری نہیں ہوگی، اسی طرح مال کا کفالہ لیا تو اس کی آدھی ذمہ داری شریک پر نہیں ہوگی۔

ترجمه :۲ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ کفالہ شروع میں تبروع ہے لیکن بعد میں یہ معاوضہ ہو جاتا ہے، اس لئے کہ جو کچھ ادا کیا مکفول عنہ پر اس کا ضمان لازم ہوتا ہے، اگر اس کے حکم سے ہو، اس لئے بعد پر نظر کرتے ہوئے یہ معاوضہ ہے، ہاں شروع پر نظر کرتے ہوئے ان لوگوں سے صحیح نہیں ہے جنکو آپ نے ذکر کیا [کہ بچے اور غلام سے کفالہ صحیح نہیں ہے] اور مریض کفالہ لے لے تو تہائی مال میں درست ہوتا ہے۔

تشریح :امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اگر مکفول لہ کے حکم سے کفیل بنا ہے تو یہ رقم بعد میں مکفول عنہ دے گا، اس لئے ابتداء میں یہ تبرع ہے، لیکن انتہاء میں یہ معاوضہ ہے، جو ایک طرح کی تجارت ہوگی، اور قاعدہ گزر چکا ہے کہ تجارت کی چیز شریک پر بھی ہوتی ہے اس لئے کفالہ شریک پر بھی آدھا ہوگا، اور صاحبینؒ نے جن باتوں سے استدلال کیا ہے وہ ابتداء کا اعتبار کرتے ہوئے ہے، انتہاء کا اعتبار کرتے ہوئے نہیں ہے۔

۳؎ بِخِلَافِ الْكَفَالَةِ بِالنَّفْسِ لِأَنَّهَا تَبَرُّعٌ ابْتِدَاءً وَانْتِهَاءً. ۴؎ وَأَمَّا الْإِقْرَاضُ فَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ يَلْزَمُ صَاحِبَهُ، وَلَوْ سَلِمَ فَهُوَ إِعَارَةٌ فَيَكُونُ لِمِثْلِهَا حُكْمُ عَيْنِهَا لَا حُكْمُ الْبَدَلِ حَتَّى لَا يَصِحَّ فِيهِ الْأَجَلُ فَلَا يَتَحَقَّقُ مُعَاوَضَةً، ۵؎ وَلَوْ كَانَتْ الْكَفَالَةُ بِغَيْرِ أَمْرِهِ لَمْ تَلْزَمْ صَاحِبَهُ فِي الصَّحِيحِ لِانْعِدَامِ مَعْنَى الْمُفَاوَضَةِ ۶؎ وَمُطْلَقُ الْجَوَابِ فِي الْكِتَابِ مَحْمُولٌ عَلَى الْمُقَيَّدِ،

ترجمہ: ۳؎ بخلاف کفالہ بالنفس کے [کہ وہ شریک پر نہیں ہوگا] کیونکہ وہ ابتداء میں بھی تبروع ہے اور انتہاء میں بھی تبروع ہے۔

تشریح: کفالہ بالنفس شروع میں بھی تبرع ہے اور انتہاء میں بھی تبرع ہے اس لئے یہ شریک پر نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۴؎ کسی کو قرض دینے کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ کی روایت یہ ہے کہ وہ شریک پر بھی لازم ہو جائے گا، لیکن اگر مان لیا جائے کہ قرض شریک پر لازم نہ ہو تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ عاریت ہے [مانگ کر لینا ہے] مقروض جو کچھ دے گا وہ عین قرض ہے یہ بدلہ نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ قرض کی واپسی کے لئے مدت متعین کرنا صحیح نہیں ہے اس لئے وہ معاوضہ نہیں ہوا [اس لئے یہ شریک پر لازم نہیں ہوگا]

تشریح: قرض کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ کی ایک رائے ہے کہ وہ شریک پر لازم نہیں ہے، اور دوسری رائے ہے کہ شریک پر لازم نہیں ہے۔

وجہ: شریک پر لازم نہیں ہوگا اس کی دلیل یہ ہے کہ قرض دینا عاریت ہے، یہ معاوضہ نہیں ہے، اور بدل نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ مقروض جو پیسہ دے گا وہ پہلا ہی پیسہ مانا جائے گا قرض کا بدلہ نہیں سمجھا جائے گا، یہی وجہ ہے کہ قرض کسی وقت بھی واپس لے سکتا ہے، اس کے لینے کے لئے کوئی وقت متعین کرنا چاہے تو وقت متعین نہیں ہوگا، جس سے پتہ چلتا ہے کہ قرض دینا تبرع ہے اس لئے وہ شریک پر نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۵؎ اگر مکفول عنہ کے حکم کے بغیر کفیل بن گیا تو صحیح روایت یہی ہے کہ یہ شریک پر لازم نہیں ہوگا، کیونکہ اس میں مفاوضہ کا معنی نہیں ہے۔

تشریح: مکفول عنہ کے حکم کے بغیر کفیل بن گیا تو یہ تبروع ہے، اور مکفول عنہ چاہے گا تو رقم دے گا اور چاہے گا تو رقم نہیں دے گا اس لئے اس کا آدھا شریک پر نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۶؎ اور متن میں جو کہا گیا ہے کہ شریک کفیل بن گیا تو وہ مطلق نہیں ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مکفول عنہ کے حکم سے کفیل بنا ہے [تب ہی تو معاوضہ بنے گا اور شریک پر آدھا لازم ہوگا]

تشریح: واضح ہے۔

ے وَضَمَانُ الْغَصْبِ وَالِاسْتِهْلَاکُ بِمَنْزِلَةِ الْکَفَالَةِ عِنْدَ أَبِی حَنِیفَةَ لِأَنَّهُ مُعَاوَضَةٌ انْتِهَاءً.

(۲۹۹۴) قَالَ وَإِنْ وَرِثَ أَحَدُهُمَا مَا لَا یَصِحُّ فِیهِ الشِّرْکَةُ أَوْ وَهَبَ لَهُ وَوَصَلَ إِلَى یَدِهِ بَطَلَتْ الْمُفَاوَضَةُ وَصَارَتْ عِنَانًا ۱ لِفَوَاتِ الْمُسَاوَاةِ فِیمَا یَصْلُحُ رَأْسَ الْمَالِ إِذْ هِیَ شَرْطٌ فِیهِ ابْتِدَاءً وَبَقَاءً، وَهَذَا لِأَنَّ الْآخَرَ لَا یُشَارِکُهُ فِیمَا أَصَابَهُ لِانْعِدَامِ السَّبَبِ فِی حَقِّهِ، إلَّا أَنَّهَا تَنْقَلِبُ عِنَانًا لِلْإِمْکَانِ، فَإِنَّ الْمُسَاوَاةَ لَیْسَتْ بِشَرْطٍ فِیهِ،

ترجمہ :ے غصب کا ضمان دیا، اور کسی چیز کو ہلاک کر دیا اور اس کا ضمان دیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ کفالہ بالمال کی طرح ہے اس لئے کہ آخیر میں یہ معاوضہ ہے۔

تشریح :کسی نے دوسرے کا مال غصب کر لیا تھا، ایک شریک نے اس کا ضمان ادا کیا، یا کسی نے دوسرے کا مال ہلاک کر دیا تھا، ایک شریک نے اس کا ضمان ادا کیا تو امام ابوحنیفہؒ کے یہاں اس کا آدھا دوسرے شریک پر بھی لازم ہوگا،

وجہ:انکے یہاں یہ کفیل بننے کی طرح ہے، اور اس کا معاوضہ بعد میں ملے گا تو یہ معاوضہ ہو گیا اس لئے دوسرے شریک پر بھی اس کا آدھا لازم ہوگا۔

ترجمہ :(۲۹۹۴) پس اگر وارث ہوا دونوں شریکوں میں سے ایک ایسے مال کا جس میں شرکت صحیح ہے یا اس کو ہبہ کر دیا گیا اور پہنچ گیا اس کے ہاتھ تک تو شرکت مفاوضہ باطل ہو جائے گی اور بدل کر شرکت عنان ہو جائے گی۔

ترجمہ:۱ اس لئے کہ راس المال میں برابری ختم ہو گئی، جبکہ شروع میں اور آخیر میں بھی برابری ہونا ضروری ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسرا شریک پائے ہوئے مال میں شریک نہیں ہو سکا، کیونکہ اس کے حق میں سبب نہیں ہوا [یعنی اس کی وراثت نہیں تھی]، لیکن یہ شرکت عنان بن جائے گی اس لئے کہ شرکت عنان میں برابری ضروری نہیں ہے

تشریح :آگے آرہا ہے کہ شرکت مفاوضہ صرف درہم، دنانیر اور رائج سکوں میں ہوتی ہے ان کے علاوہ میں نہیں۔ پس اگر دونوں شریکوں میں سے ایک درہم، دنانیر یا رائج سکوں کا وارث بن گیا یا کسی نے اس کو ہبہ کر دیا اور شریک نے ان پر قبضہ بھی کر لیا تو شرکت مفاوضہ باطل ہو جائے گی اور شرکت عنان بن جائے گی۔ مثلاً پہلے پہلے زید اور عمر نے شرکت مفاوضہ کی اور دونوں نے ایک ایک ہزار درہم جمع کئے، اب زید وراثت میں مزید پانچ سو درہم کا مالک بن گیا، اور انکے پاس پندرہ سو درہم ہو گئے، اور عمر کے پاس ایک ہزار درہم ہی رہے، اس لئے راس المال میں برابری نہ ہونے کی وجہ سے شرکت مفاوضہ ختم ہو جائے گی، اور شرکت عنان بن جائے گی، کیونکہ شرکت عنان میں برابری ہونا ضروری نہیں ہے۔

وجہ:(۱) یہاں وراثت اور ہبہ کے ذریعہ مالک ہونے کی وجہ سے دونوں کے مال برابر نہ رہے بلکہ ایک کا زیادہ ہو گیا اس

۲ؕ وَلِدَوَامِهِ حُكْمَ الِابْتِدَاءِ لِكَوْنِهِ غَيْرَ لَازِمٍ (۲۹۹۵) وَإِنْ وَرِثَ أَحَدُهُمَا عَرَضًا فَهُوَ لَهُ وَلَا تَفْسُدُ الْمُفَاوَضَةُ ۱ؕ وَكَذَا الْعَقَارُ لِأَنَّهُ لَا تَصِحُّ فِيهِ الشِّرْكَةُ فَلَا تُشْتَرَطُ الْمُسَاوَاةُ فِيهِ.

لئے شرکت مفاوضہ باطل ہوجائے گی۔(۲)اثر میں ہے اخبرنا سفیان قال لاتکون المفاوضة حتی تکون سواء فی المال وحتی یخلطا اموالهما .(مصنف عبدالرزاق، باب المفاوضین ج ثامن ص۲۰۰ نمبر۱۵۲۱۹)اس اثر میں ہے کہ دونوں کے مال برابر ہونے چاہئے اور دونوں کو ملانا بھی چاہئے۔اور یہاں ایک کا مال زیادہ ہوگیا اس لئے شرکت مفاوضہ باطل ہوجائے گی(۳۰)۔عن الشعبی قال کل شریک بیعه جائز فی شرکة الا شریک المیراث (مصنف عبد الرزاق، باب المفاوضین ج ثامن ص۲۰۰ نمبر۱۵۲۱۸)اس سے پتہ چلا کہ میراث میں شرکت نہیں ہوگی۔

ترجمہ:۲ؕ اور اس کے دوام کا حکم ابتداء کا ہے جو لازم نہیں ہے۔

تشریح: یہ عبارت پیچیدہ ہے،اس کا مطلب یہ ہے کہ جب ہمیشہ برابری نہیں رہی تو سمجھو کہ شروع میں ہی برابری نہیں رہی، اور چونکہ شرکت مفاوضہ لازم نہیں ہے اس لئے برابری نہ ہونے کی وجہ سے وہ شرکت عنان بن جائے گی۔

لغت: ووصل الی یدہ : ہبہ کی چیز پر شریک کا قبضہ ہو اس کی شرط اس لئے لگائی کہ ہبہ میں قبضہ سے پہلے آدمی اس چیز کا مالک ہی نہیں ہوتا۔اس لئے یہ قید لگائی کہ ہبہ ہوا ہو اور اس پر قبضہ بھی ہو گیا ہو تب شرکت مفاوضہ باطل ہوگی۔

ترجمہ:(۲۹۹۵) پس اگر کوئی ایک شریک سامان کا وارث بن گیا تو شرکت مفاوضہ ختم نہیں ہوگی۔

ترجمہ:۱ؕ ایسے ہی زمین کا مالک بن گیا اس لئے کہ اس میں شرکت صحیح نہیں ہے اور اس میں برابری کی بھی شرط نہیں ہے۔

اصول: سامان جمع کرے تو اس میں شرکت مفاوضہ نہیں ہوتی ہے۔

تشریح: ایک شریک سامان کا وارث بن گیا، یا زمین اور مکان کا وارث بن گیا تو شرکت مفاوضہ باطل نہیں ہوگی۔

وجہ :جب سامان میں شرکت نہیں ہوتی تو کسی ایک وارث کے پاس اس کے آنے سے راس المال میں برابر ختم نہیں ہوگی، اس لئے شرکت مفاوضہ برقرار رہے گی۔

﴿فَصْلٌ﴾

(۲۹۹۶)وَلَاتَنعَقِدُالشَّرِكَةُ إلَّابِالدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيرِوَالْفُلُوسِ النَّافِقَةِ ۱؎ وَقَالَ مَالِكٌ:تَجُوزُ بِالْعُرُوضِ وَالْمَكِيلِ وَالْمَوْزُونِ أَيْضًاإذَاكَانَ الْجِنسُ وَاحِدًا:لِأَنَّهَا عُقِدَتْ عَلَى رَأْسِ مَالٍ مَعْلُومٍ فَأَشْبَهَ النُّقُودَ، ۲؎ بِخَلَافِ الْمُضَارَبَةِ لِأَنَّ الْقِيَاسَ يَأْبَاهَالِمَافِيهَامِنْ رِبْحِ مَالَمْ يُضْمَنْ.فَيُقْتَصَرُعَلَى مَوْرِدِ الشَّرْعِ.

﴿فصل﴾

ترجمہ:(۲۹۹۶)اورشرکت مفاوضہ نہیں منعقد ہوگی مگر درہم، دیناراور رائج سکوں سے۔

تشریح :جوثمن ہیں ان میں شرکت مفاوضہ ہوگی،سامان میں شرکت مفاوضہ نہیں ہوگی۔ہاں سامان بیچ کر پھر برابر برابر درہم یا دینار ملائے اورشرکت کرے تو ہوگی۔

وجہ :(۱)قول تابعی میں ہے۔اخبرناسفیان قال لاتکون المفاوضة حتى تكون سواء فى المال وحتى يخلطاامو الهماولا تكون المفاوضة والشركة بالعروض ان يجيئ هذابعرض وهذا بعرض (مصنف عبدالرزاق، باب المفاوضین ج ثامن ص۲۰۰ نمبر ۱۵۲۱۹)(۲)۔عن محمد ابن سيرين قال لايكون الشركة والمضاربة بالدين والوديعة والعروض والمال الغائب (مصنف ابن ابی شیبۃ ۳۲۸ فی الشرکۃ بالعروض، ج رابع، ص ۴۸۴، نمبر ۲۲۳۲۴)اس اثر میں فرمایا کہ سامان کے ذریعہ شرکت کرنا صحیح نہیں ہے۔(۳)اوپراثر میں آیا کہ دونوں کے مال برابر ہوں۔لیکن سامان بیچا اورکسی کی قیمت زیادہ آئی اورکسی کی کم تومال میں برابری نہیں ہوئی اسلئے سامان میں شرکت مفاوضہ نہیں ہوگی۔

ترجمہ:۱؎ امام مالکؒ نے فرمایا کہ سامان سے، کیلی چیز سے،اوروزنی چیز سے بھی شرکت مفاوضہ ہوگی اگر دونوں ایک ہی جنس کے ہوں،اس لئے کہ راس المال معلوم ہے اس پرعقد ہوا ہے اس لئے یہ نقد کی طرح ہوگیا،

تشریح:امام مالکؒ نے فرمایا کہ غلہ ہے سامان ہے،اگر دونوں جانب ایک ہی چیز ہے تو اس سے شرکت مفاوضہ کرنا جائز ہے۔

وجہ :(۱)اس لئے کہ دونوں جانب ایک ہی چیز ہے،اوردونوں برابر ہیں تو کمی بیشی نہیں ہوگی اس لئے جائز ہوگی۔(۲)ان کی دلیل یہ قول تابعی ہے۔عن ابن سيرين قال المفاوضة فى المال اجمع (مصنف عبدالرزاق، باب المفاوضین ج ثامن ص۲۰۰ نمبر ۱۵۲۱۷)اس اثر میں ہے کہ تمام مالوں میں شرکت مفاوضہ کرسکتے ہیں۔

ترجمہ:۲؎ بخلاف مضاربت کے اس لئے کہ قیاس اس کا انکار کرتا ہے اس لئے کہ اس میں جس چیز کا ضامن نہیں ہے اس کا نفع لے رہا ہے،اس لئے شریعت جتنے پر وارد ہوئی ہے اسی پر اکتفاء کیا جائے گا۔

٣ وَلَنَا أَنَّهُ يُؤَدِّي إِلَى رِبْحِ مَا لَمْ يُضْمَنْ؛ لِأَنَّهُ إِذَا بَاعَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا رَأْسَ مَالِهِ وَتَفَاضَلَ الثَّمَنَانِ فَمَا يَسْتَحِقُّهُ أَحَدُهُمَا مِنَ الزِّيَادَةِ فِي مَالِ صَاحِبِهِ رِبْحُ مَا لَمْ يَمْلِكْ وَمَا لَمْ يَضْمَنْ، ٤ بِخِلَافِ الدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيرِ لِأَنَّ ثَمَنَ مَا يَشْتَرِيهِ فِي ذِمَّتِهِ إِذْ هِيَ لَا تَتَعَيَّنُ فَكَانَ رِبْحُ مَا يَضْمَنُ، ٥ وَلِأَنَّ أَوَّلَ التَّصَرُّفِ فِي الْعُرُوضِ الْبَيْعُ وَفِي النُّقُودِ الشِّرَاءُ، وَبَيْعُ أَحَدِهِمَا مَالَهُ عَلَى أَنْ يَكُونَ الْآخَرُ شَرِيكًا فِي ثَمَنِهِ لَا يَجُوزُ، وَشِرَاءُ أَحَدِهِمَا شَيْئًا بِمَالِهِ عَلَى أَنْ يَكُونَ الْمَبِيعُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ غَيْرِهِ جَائِزٌ.

لغت: ربح مالم یضمن : یہ ایک محاورہ ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ایک چیز کی ذمہ داری نہیں لیتے ہیں، پھر بھی اس کا نفع لینا چاہتے ہیں، مثلا مضاربت میں ایک آدمی کا مال ہوتا ہے اور دوسرے آدمی کی محنت ہوتی ہے، اب محنت والا مال کا ذمہ دار نہیں ہوتا کیونکہ مضاربت کا مال ضائع ہو جائے تو محنت والا اس کا ذمہ دار نہیں ہوتا پھر بھی نفع لیتا ہے تو اس نفع کو ربح مالم یضمن ، کہتے ہیں۔

تشریح: یہ امام مالک کی دلیل ہے کہ مضاربت میں بغیر ضمان کے نفع لیتا ہے، اس لئے وہاں حدیث میں جتنا وارد ہوا کہ صرف درہم اور دینار میں مضاربت ہوگی اتنے ہی پر اکتفاء کیا جائے گا، لیکن شرکت میں تو دونوں ذمہ دار ہوتے ہیں، اس لئے سامان اور غلے میں بھی شرکت ہو جائے گی۔

ترجمہ: ٣ ہماری دلیل یہ ہے کہ سامان سے شرکت ہوگی تو بھی ربح مالم یضمن ہوگا، کیونکہ جب سامان بیچے گا اور دونوں کی قیمت کم بیش ہوگی تو جس کی رقم زیادہ ہوگی تو دوسرا آدمی اس کا نفع لیگا تو یہ ربح مالم یضمن ہو جائے گا۔

تشریح: یہاں عبارت پیچیدہ ہے، غور سے سمجھیں۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ جب دونوں سامان بیچیں گے تو ایک کی قیمت زیادہ آئے گی اور دوسرے کی قیمت کم آئے گی، تو جس کی قیمت زیادہ آئے گی اس کا مفع دوسرے شریک نے لیا، بلکہ دوسرا شریک اس نفع کا ذمہ دار نہیں تھا، تو ربح مالم یضمن تو یہاں بھی ہوا اس لئے سامان میں شرکت جائز نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ٤ بخلاف درہم اور دینار کے اس لئے کہ اپنی قیمت سے جو خریدے گا وہ اسی خریدنے والے کے ذمے ہوگا، کیونکہ قیمت متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتی اس لئے ربح ما ضمن ہوا۔

تشریح: بخلاف جب درہم اور دینار میں شرکت کی تو اس دینار سے جو کچھ خریدا وہ چونکہ متعین نہیں ہے اس لئے جس نے خریدا اسی کے ذمے درہم لازم ہوا اس لئے اب جو نفع آیا وہ اپنی ذمہ داری کا نفع آیا، اس لئے یہ نفع ما ضمن ہوا۔

ترجمہ: ٥ اور اس لئے کہ سامان میں پہلا تصرف یہ ہوتا ہے کہ اس کو بیچا جاتا ہے، اور درہم دینار میں پہلے خریدنا ہوتا ہے، اور اپنے مال کو بیچنا کہ دوسرا اس کی قیمت میں شریک ہو یہ جائز نہیں ہے۔ اور اپنے مال سے کسی چیز کو خریدنا اس شرط پر کہ مبیع دونوں کے درمیان ہو جائز ہے۔

٦ وَأَمَّا الْفُلُوسُ النَّافِقَةُ فَلِأَنَّهَا تَرُوجُ رَوَاجَ الْأَثْمَانِ فَالْتَحَقَتْ بِهَا. قَالُوا: هٰذَا قَوْلُ مُحَمَّدٍ لِأَنَّهَا مُلْحَقَةٌ بِالنُّقُودِ عِنْدَهُ حَتّٰى لَا تَتَعَيَّنُ بِالتَّعْيِينِ، وَلَا يَجُوزُ بَيْعُ اثْنَيْنِ بِوَاحِدٍ بِأَعْيَانِهَا عَلَى مَا عُرِفَ.
٧ أَمَّا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالىٰ لَا تَجُوزُ الشَّرِكَةُ وَالْمُضَارَبَةُ بِهَا لِأَنَّ ثُمْنِيَّتَهَا تَتَبَدَّلُ سَاعَةً فَسَاعَةً وَتَصِيرُ سِلْعَةً.

تشریح: سامان میں شرکت مفاوضہ جائز نہیں ہے اس کی یہ دوسری دلیل ہے۔ سامان میں تصرف کا طریقہ یہ ہوگا پہلے اس کو بیچے گا پھر اس کی رقم آئے تب جا کر شرکت کرے گا۔ اور درہم میں ایسا ہوگا اس سے خریدے گا پہلے خریدے گا۔ اس صورت حال میں سامان کو بیچنا اور اس کی قیمت میں دوسرے کو شریک کرنا جائز نہیں ہے۔ اور کسی چیز کو خریدنا کہ مبیع دونوں کے درمیان ہو یہ جائز ہے، اس لئے سامان میں شرکت نہیں ہوگی

ترجمہ: ٦ رائج سکہ کا رواج درہم اور دینار کی طرح ہے اس لئے اس کا حکم درہم دینار کی طرح ہوگا، یعنی اس سے شرکت مفاوضہ ہو جائے گی۔ لوگوں نے کہا کہ یہ امام محمدؒ کا قول ہے، کہ شرکت جائز ہوگی اس لئے کہ ان کے یہاں نقد کے ساتھ ملحق ہے، چنانچہ متعین کرنے سے متعین نہیں ہوگا، اور ایک سکہ کے بدلے میں دو سکے کا بیچنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ دوسری جگہ اس کی تفصیل ذکر کی ہے۔

لغت: فلوس نافقہ: سونے اور چاندی کے علاوہ کا سکہ ہو جیسے ڈالر اور روپیہ ہوتا ہے اس کو فلوس نافقہ، کہتے ہیں، اس کی دو حیثیت ہیں، اس سے خریدنے کا رواج ہو تو یہ درہم اور دینار کی طرح ثمن ہے، اور حکومت اس کی ثمنی حیثیت ختم کر دے تو یہ لوہا اور تانبے کی طرح سامان ہے، چونکہ اس کی دونوں حیثیت ہیں اس لئے اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام محمدؒ کے نزدیک وہ درہم کی طرح ہے۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وہ سامان کی طرح ہے۔ نقد: نقد کا مطلب ہے درہم اور دینار۔

تشریح: فلوس نافقہ کے ذریعہ شرکت مفاوضہ جائز ہے یا نہیں ہے؟ اس بارے میں امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ وہ درہم کی طرح ہے، اس کے متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتا، ایک فلوس دیکر دو فلوس خریدنا جائز نہیں ہے، پس جب وہ درہم کی طرح ہے تو اس کے ذریعہ شرکت مفاوضہ جائز ہوگی۔

ترجمہ: ٧ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزیک فلوس نافقہ کے ذریعہ شرکت مفاوضہ، اور مضاربت جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اس کی ثمنیت روز بدلتی رہتی ہے اس لئے وہ سامان ہے۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک فلوس نافقہ کے ذریعہ شرکت مفاوضہ، اور مضاربت جائز نہیں ہے۔

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ انکے یہاں فلوس نافقہ سامان ہے، کیونکہ اس کی قیمت روزانہ بدلتی رہتی ہے، اور حکومت نے اس کو

۸۔ وَرُوِیَ عَنْ أَبِی یُوسُفَ مِثْلُ قَوْلِ مُحَمَّدٍ، وَالْأَوَّلُ أَقْیَسُ وَأَظْهَرُ، ۹۔ وَعَنْ أَبِی حَنِیفَةَ صِحَّةُ الْمُضَارَبَةِ بِهَا.

(۲۹۹۷) قَالَ: وَلَا تَجُوزُ الشَّرِكَةُ بِمَا سِوَى ذٰلِکَ إِلَّا أَنْ یَتَعَامَلَ النَّاسُ بِالتِّبْرِ ۱۔ وَالنُّقْرَةُ فَتَصِحُّ الشَّرِكَةُ بِهِمَا، هٰكَذَا ذُكِرَ فِي الْكِتَابِ.

(۲۹۹۸) وَفِی الْجَامِعِ الصَّغِیرِ: وَلَاتَكُونُ الْمُفَاوَضَةُ بِمَثَاقِیلِ ذَهَبٍ أَوْفِضَّةٍ ۱۔ وَمُرَادُهُ التِّبْرُ، فَعَلَی هَذِهِ

رائج کیا ہے تو آج وہ سکہ ہے، کل اس کو ختم کر دے گا تو اپنی اصلی حقیقت کی طرح پیتل اور تانبا بن جائے گا، چونکہ یہ سامان ہوا اس لئے اس کے ذریعہ شرکت مفاوضہ اور مضاربت جائز نہیں ہے۔

ترجمہ: ۸۔ یہ روایت کی گئی ہے کہ امام ابو یوسفؒ کا قول امام محمدؒ کی طرح ہے، لیکن ظاہر یہ ہے کہ امام ابو یوسفؒ کا قول امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ ہونا چاہئے اور قیاس کا تقاضہ بھی یہی ہے۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ کے یہاں فلوس نافقہ سے شرکت مفاوضہ جائز ہے یا نہیں، اس بارے میں ایک رائے یہ ہیکہ وہ امام محمدؒ کے ساتھ ہیں، یعنی جائز ہے، اور دوسری روایت یہ ہیکہ وہ امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ ہیں کہ جائز نہیں ہے، اور زیادہ ظاہر روایت یہی ہے۔

ترجمہ: ۹۔ امام ابو حنیفہؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ فلوس نافقہ سے مضاربت جائز ہے۔

ترجمہ: (۲۹۹۷) اور نہیں جائز ہے شرکت مفاوضہ ان کے علاوہ میں مگر یہ کہ لوگ اس سے معاملہ کرنے لگیں، جیسے سونے چاندی کی ڈلی۔

ترجمہ: ۱۔ پس صحیح ہے شرکت ان دونوں سے۔ متن میں ایسے ہی ذکر کیا ہے۔

تشریح: درہم، دینار اور رائج سکوں کے علاوہ میں شرکت مفاوضہ جائز نہیں ہے۔ البتہ اگر لوگ کسی خاص چیز مثلا چاندی اور سونے کی ڈلی میں شرکت مفاوضہ کرنے لگیں تو پھر جائز ہو جائے گی۔

وجہ: چاندی اور سونے کی ڈلی بھی درہم اور دینار کے حکم میں ہیں۔ کہ وہ بھی متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتی ہیں۔

لغت: التبر : سونے کی ڈلی۔ النقرۃ : چاندی کا پگھلا ہوا ٹکڑا۔

ترجمہ: (۲۹۹۸) جامع صغیر میں ہے کہ سونے کے مثقال اور چاندی کے مثقال سے شرکت مفاوضہ نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۱۔ اس سے مراد ہے کہ سونے کی ڈلی، اور چاندی کی ڈلی سے [شرکت مفاوضہ جائز نہیں ہوگی] اس روایت پر ڈلی جو ہے وہ متعین کرنے سے متعین ہوگی اس لئے شرکت مفاوضہ اور مضاربت میں راس المال نہیں بنے گی۔ اور جامع صغیر کے کتاب الصرف میں ہے ڈلی متعین کرنے سے متعین نہیں ہوگی [یعنی وہ درہم کی طرح ہے] یہی وجہ ہے کہ ڈلی کو سونپنے سے

الرِّوَايَةِ التِّبْرُ سِلْعَةٌ تَتَعَيَّنُ بِالتَّعْيِينِ فَلا تَصْلُحُ رَأْسَ الْمَالِ فِي الْمُضَارَبَاتِ وَالشَّرِكَاتِ. وَذَكَرَ فِي كِتَابِ الصَّرْفِ أَنَّ النُّقْرَةَ لَاتَتَعَيَّنُ بِالتَّعْيِينِ حَتَّى لَايَنْفَسِخُ الْعَقْدُ بِهَابِهَلَاكِهِ قَبْلَ التَّسْلِيمِ، فَعَلَىٰ تِلْكَ الرِّوَايَةِ تَصْلُحُ رَأْسَ الْمَالِ فِيهِمَا، وَهٰذَا لِمَا عُرِفَ أَنَّهُمَا خُلِقَاثَمَنَيْنِ فِي الْأَصْلِ، إلَّا أَنَّ الْأَوَّلَ أَصَحُّ؛ لِأَنَّهَا وَإِنْ خُلِقَتْ لِلتِّجَارَةِ فِي الْأَصْلِ لَكِنَّ الثَّمَنِيَّةَ تَخْتَصُّ بِالضَّرْبِ الْمَخْصُوصِ؛ لِأَنَّ عِنْدَ ذٰلِكَ لَاتُصْرَفُ إِلَى شَيْءٍ آخَرَ ظَاهِرًا إلَّا أَنْ يَجْرِيَ التَّعَامُلُ بِاسْتِعْمَالِهِمَا ثَمَنًا فَنَزَلَ التَّعَامُلُ بِمَنْزِلَةِ الضَّرْبِ فَيَكُونُ ثَمَنًا وَيَصْلُحُ رَأْسُ الْمَالِ. ۲؎ ثُمَّ قَوْلُهُ وَلَاتَجُوزُ بِمَاسِوٰى ذٰلِكَ يَتَنَاوَلُ الْمَكِيلَ وَالْمَوْزُونَ وَالْعَدَدِيَّ الْمُتَقَارِبَ، وَلَاخِلَافَ فِيهِ بَيْنَنَاقَبْلَ الْخَلْطِ، وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا رِبْحُ مَتَاعِهِ وَعَلَيْهِ وَضِيعَتُهُ،

پہلے ہلاک ہوجائے تو عقد فاسد نہیں ہوگی، اس روایت پر ڈلی مفاوضہ، اور مضاربت میں راس المال بن سکتی ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ سونے اور چاندی کی ڈلی پیدائشی طور پر ثمن ہیں، لیکن جامع صغیر کی روایت زیادہ صحیح ہے اس لئے کہ اگر چہ ڈلی تجارت کے لئے پیدا کی گئی ہے لیکن ثمنیت ڈھلے ہوئے سکے کے ساتھ خاص ہے، اس لئے کہ اس صورت میں سکہ کسی اور چیز [زیور وغیرہ میں] صرف نہیں ہوسکتا، لیکن اگر دونوں کی ڈلی کو ثمن کی طرح استعمال کرنے لگے تو وہ راس المال بن جائے گا۔

تشریح: مسئلہ نمبر ۲۹۹۷ میں قدوری کی عبارت میں تھا کہ لوگ چاندی اور سونے کی ڈلی کو سکے کی طرح استعمال کرنے لگ جائیں تو اس سے شرکت مفاوضہ ہوجائے گی، اور جامع صغیر کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ سونے اور چاندی کی ڈلی سے شرکت مفاوضہ اور مضاربت نہیں ہوگی، اس لئے ان دونوں عبارتوں کی تصریح کر رہے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ڈلی بھی ثمن ہے، اور ڈھلا ہوسکہ بھی ثمن ہے، لیکن ڈھلا ہوا سکہ تجارت کے لئے ہی بنا گیا ہے، اب اس سے زیور وغیرہ نہیں بن سکتا اس لئے ڈھلا ہوا سکہ تجارت میں اصل ہے، لیکن کسی ملک میں ڈلی کو بھی تجارت کے لئے استعمال کرنے لگیں تو یہ بھی سکے کے درجے میں آجائے گی، اور اس سے شرکت مفاوضہ اور مضاربت صحیح ہوجائے گی۔

ترجمہ: ۲؎ مصنف کا قول کے اس کے علاوہ میں شرکت جائز نہیں ہے [درہم، دینار، سونے، چاندی کی ڈلی، فلوس نافقہ کے علاوہ میں شرکت جائز نہیں ہے] یہ جملہ کیلی چیز، وزنی چیز، ایسے گنتی کی چیز جو قریب قریب ہوں ان سب کو شامل ہے [یعنی ان چیزوں سے شرکت نہیں ہوگی]، اگر یہ چیز ملائی نہیں گئی ہو تو اس بارے میں ہمارے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے، اور جس کا جتنا سامان ہوگا اسی حساب سے اس کو نفع مل جائے گا، اور اسی حساب سے اس کا نقصان بھی ہوگا۔

تشریح: متن میں یہ تھا کہ اس کے علاوہ میں شرکت جائز نہیں ہے، یعنی درہم، دینار، چاندی کی ڈلی، سونے کی ڈلی، فلوس نافقہ کے علاوہ میں شرکت جائز نہیں ہے اس بارے میں اگر دونوں جنسوں کا ملایا نہیں ہے تب تو جس کی جتنی چیز ہے وہ اسی کی

۳؎ وَإِنْ خَلَطَا ثُمَّ اشْتَرَكَا فَكَذٰلِكَ فِيْ قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ، وَالشَّرِكَةُ شَرِكَةُ مِلْكٍ لَا شَرِكَةُ عَقْدٍ. وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ تَصِحُّ شَرِكَةُ الْعَقْدِ. ۴؎ وَثَمَرَةُ الِاخْتِلَافِ تَظْهَرُ عِنْدَ التَّسَاوِي فِي الْمَالَيْنِ وَاشْتِرَاطِ التَّفَاضُلِ فِي الرِّبْحِ، فَظَاهِرُ الرِّوَايَةِ مَا قَالَهُ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ لِأَنَّهُ يَتَعَيَّنُ بِالتَّعْيِينِ بَعْدَ الْخَلْطِ كَمَا تَعَيَّنَ قَبْلَهُ. ۵؎ وَلِمُحَمَّدٍ أَنَّهَا ثَمَنٌ مِنْ وَجْهٍ حَتَّى جَازَ الْبَيْعُ بِهَا دَيْنًا فِي الذِّمَّةِ. وَمَبِيعٌ مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ يَتَعَيَّنُ بِالتَّعْيِينِ، فَعَمِلْنَا بِالشَّبَهَيْنِ بِالْإِضَافَةِ إِلَى الْحَالَيْنِ،

رہے گی، اور اس کا جتنا نفع ہے اس کو ملے گا، اور اس کا جتنا نقصان ہے وہ اس کو ملے گا

لغت:ضیعۃ : نقصان۔

ترجمہ:۳؎ لیکن اگر ان چیزوں کا ملا دیا گیا پھر دونوں شریک ہوئے تو امام ابو یوسفؒ کے یہاں پھر بھی شرکت نہیں ہوگی، بس یوں کہا جائے گا کہ دونوں کی ملکیت مل گئی ہے، لیکن عقد میں دونوں الگ الگ ہیں۔ اور امام محمدؒ کے یہاں عقد کی شرکت بھی ہو جائے گی۔

تشریح :مثلا دونوں کے پاس گیہوں ہے اور دونوں نے گیہوں کا ملا دیا تو امام ابو یوسفؒ کے یہاں یہ ہوگا کہ دونوں کی ملکیت جمع ہو جائے گی اور عقد کے اعتبار سے دونوں الگ الگ رہے گا، اور امام محمدؒ کے نزدیک یہ ہوگا کہ دونوں کی ملکیت بھی جمع ہو گئی اور عقد کے اعتبار سے بھی دونوں ایک ہو گئے۔

ترجمہ :۴؎ اختلاف کا ثمرہ اس وقت ظاہر ہوگا جبکہ دونوں کا مال برابر برابر ہوں اور نفع میں کمی بیشی کی شرط لگا دی جائے، اس لئے ظاہر روایت یہی ہے جیسا امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ [نفع مال کے حساب سے ملے گا، کمی زیادتی جائز نہیں] اس لئے کہ ملانے کے بعد بھی یہ چیز متعین کرنے سے متعین ہوتی ہے، جیسے ملانے سے پہلے متعین ہوتی تھی۔

تشریح :دونوں اماموں کے درمیان اختلاف کا ثمرہ یہ ہوگا کہ۔ زید اور عمر نے گیہوں ملا دیا دونوں کا گیہوں برابر تھا، لیکن زید نے دو تہائی نفع مانگا، اور عمر نے ایک تہائی نفع مانگا، یعنی گیہوں کے برابر ہونے کے باوجود نفع میں کمی بیشی کی شرط رکھی تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہوگی، کیونکہ انکے یہاں شرکت ہی نہیں ہوئی ہے، اور امام محمدؒ کے یہاں جائز نہیں ہوگی، کیونکہ ملانے کی وجہ سے شرکت ہو گئی ہے۔

وجہ :امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ ملانے کے باوجود بھی گیہوں متعین کرنے سے متعین ہو جاتا ہے اس لئے وہ درہم و دینار کے درجے میں نہیں آیا اس لئے شرکت نہیں ہوگی، کیونکہ پہلے گزر چکا ہے کہ درہم اور دینار کے علاوہ میں شرکت نہیں ہوتی ہے۔

ترجمہ :۵؎ امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ مال من وجہ ثمن بھی ہے یہی وجہ ہے کہ اس کو ذمہ میں قرض قرار دے اور اسکے بدلے میں کوئی چیز خریدے تو جائز ہے۔ اور دوسری اعتبار سے یہ مبیع ہے، کیونکہ اس کو متعین کرنے سے متعین ہوتی ہے۔ اسلئے دو حالت

٦ بِخِلَافِ الْعُرُوضِ؛ لِأَنَّهَا لَيْسَتْ ثَمَنًا بِحَالٍ ٧ ۔ وَلَوْ اخْتَلَفَا جِنْسًا كَالْحِنْطَةِ وَالشَّعِيرِ وَالزَّيْتِ وَالسَّمْنِ فَخُلِطَا لَا تَنْعَقِدُ الشَّرِكَةُ بِهَا بِالِاتِّفَاقِ. وَالْفَرْقُ لِمُحَمَّدٍ أَنَّ الْمَخْلُوطَ مِنْ جِنْسٍ وَاحِدٍ مِنْ ذَوَاتِ الْأَمْثَالِ، وَمِنْ جِنْسَيْنِ مِنْ ذَوَاتِ الْقِيَمِ فَتَتَمَكَّنُ الْجَهَالَةُ كَمَا فِي الْعُرُوضِ، وَإِذَا لَمْ تَصِحَّ الشَّرِكَةُ فَحُكْمُ الْخَلْطِ قَدْ بَيَّنَّاهُ فِي كِتَابِ الْقَضَاءِ

کے اعتبار سے دوشبہ پر عمل کیا [یعنی اگر ملایا نہیں ہے تو سامان کا اعتبار کیا جائے گا اور شرکت عقد نہیں ہوگی، لیکن اگر ملا دیا ہے تو اب ثمن کا اعتبار کیا جائے گا اور شرکت عقد بھی ہو جائے گی]۔ بخلاف سامان کے کہ وہ کسی حال میں ثمن نہیں ہے اس لئے اس میں شرکت نہیں ہوگی۔

تشریح: امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ گیہوں کو ملا دیا اب اس کی دو حیثیت ہوگئی، ایک حیثیت سے یہ مبیع ہے کیونکہ متعین کرنے سے متعین ہوتا ہے، لیکن دوسرے اعتبار سے یہ ثمن بھی ہے، مثلا گیہوں کے بدلے میں انڈا خرید لے، اور گیہوں ابھی نہ دے بلکہ بعد میں دینے کا وعدہ کرلے تو یہ ثمن کے درجے میں، ہوگیا چونکہ کسی نہ کسی درجے میں ثمن ہے اس لئے جب دونوں شریک نے گیہوں ملا دیا تو ہم نے ثمن کا درجہ دیکر شرکت جائز کر دی۔ لیکن اگر سامان مثلا کرسی وغیرہ ہو تو اس کو ملانے کے بعد بھی امام محمدؒ کے یہاں بھی شرکت نہیں ہوگی، کیونکہ یہ کسی درجے میں بھی ثمن نہیں ہے۔

ترجمہ: ٦ لیکن اگر کیلی چیز دو جنس کی ہوں، جیسے گیہوں اور جو ہو، یا زیتون کا تیل اور گھی ہو، پھر دونوں کو ملا دیا تب بھی بالاتفاق شرکت نہیں ہوگی۔

تشریح: دو جنس کی چیزیں ہیں، مثلا ایک شریک کا گیہوں ہے، اور دوسرے شریک کا جو ہے اور دونوں نے ملا دیا تب بھی شرکت مفاوضہ نہیں ہوگی۔ امام ابو یوسفؒ کے یہاں نہیں ہوگی یہ تو ظاہر ہے، لیکن امام محمدؒ کے یہاں نہیں ہوگی اس کی وجہ آگے آرہی ہے۔

ترجمہ: ۷ اور امام محمدؒ کے یہاں فرق یہ ہے کہ ایک جنس کی دونوں چیزیں ہوں تو یہ ذوات الامثال ہے۔ اور دو جنس کی چیز ہوں تو ذوات القیم ہے اور اس میں جہالت ہو جائے گی، جیسے سامان میں ہوتا ہے اس لئے شرکت صحیح نہیں ہوگی تو ملانے سے بھی شرکت نہیں ہوگی۔ اس کو ہم نے کتاب القضاء میں بیان کیا ہے۔

تشریح: ایک شریک کا گیہوں اور دوسرے شریک کا چنا ہو، یعنی دو جنس ہوں اب اس کو ملا دیں تب بھی شرکت نہیں ہوگی، اس کی دلیل امام محمدؒ کے نزدیک یہ ہے کہ دو جنس کو ملانے کے بعد اب یہ ذوات الامثال نہیں رہی، یہ قیمت والی چیز بن گئی، کیونکہ یہ ہلاک ہو جائے تو اس کی قیمت لازم ہوگی، اس کے مثل گیہوں اور چنا ملا کر کوئی نہیں دے گا، اب اس کی قیمت ہے تو اس میں جہالت ہوگئی، پتہ نہیں کتنی قیمت لازم ہوگی اس لئے شرکت صحیح نہیں ہوئی۔ اب جس شریک کا جتنا گیہوں تھا اس کی

(۲۹۹۹) قَالَ: وَإِذَا أَرَادَ الشَّرِكَةَ بِالْعُرُوضِ بَاعَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا نِصْفَ مَالِهِ بِنِصْفِ مَالِ الْآخَرِ، ثُمَّ عَقَدَ الشَّرِكَةَ، قَالَ: وَهٰذِهِ الشَّرِكَةُ مِلْكٌ ۱؎ لِمَا بَيَّنَّا أَنَّ الْعُرُوضَ لَا تَصْلُحُ رَأْسَ مَالِ الشَّرِكَةِ. ۲؎ وَتَأْوِيلُهُ إِذَا كَانَ قِيمَةُ مَتَاعِهِمَا عَلَى السَّوَاءِ، وَلَوْ كَانَ بَيْنَهُمَا تَفَاوُتٌ يَبِيعُ صَاحِبُ الْأَقَلِّ بِقَدْرِ مَا تَثْبُتُ بِهِ الشَّرِكَةُ.

قیمت وہ لے لے گا، اور جس شریک کا جتنا چنا تھا اس کی قیمت وہ لے لے گا، کیونکہ یہاں شرکت نہیں ہوئی۔

لغت: ذواۃ الامثال: گیہوں ہلاک ہوجائے تو اس کے بدلے میں گیہوں ہی لازم ہو اس کو ذواۃ الامثال، کہتے ہیں۔ اور گائے ہلاک ہوجائے تو اس کے بدلے میں اس کی قیمت لازم ہو اس کو ذواۃ القیم، کہتے ہیں۔ گیہوں اور چنا دونوں کو ملا دیا جائے اب وہ کسی سے ہلاک ہوجائے، تو اس کی مثل گیہوں اور چنا ملا ہوا لازم نہیں ہوتا ہے، کیونکہ وہ کون دے گا، بلکہ اس کی قیمت لازم ہوتی ہے اس لئے یہ ذواۃ القیم ہوگئی۔

ترجمہ: (۲۹۹۹) اور اگر سامان کے ذریعہ شرکت کرنے کا ارادہ کرے تو دونوں میں سے ہر ایک اپنا آدھا مال دوسرے کے آدھے مال کے بدلے بیچے پھر عقد شرکت کرے۔

تشریح: چونکہ دونوں کے مالوں کا برابر ہونا ضروری ہے اس لئے سامان میں شرکت کرنا چاہے تو یہی صورت ہے کہ اپنا آدھا سامان دوسرے کے آدھے مال کے بدلے بیچے پھر شرکت ملک کر کے شرکت مفاوضہ کرے۔

وجہ: (۱) براہ راست سامان ملا کر شرکت مفاوضہ کرنا صحیح نہیں ہے اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ عن محمد ابن سیرین قال لا یکون الشرکة والمضاربة بالدین والودیعة والعروض والمال الغائب (مصنف ابن ابی شیبة ۳۲۸ فی الشرکة بالعروض، ج رابع ص ۴۸۴، نمبر ۲۲۳۲۴) اس اثر میں فرمایا کہ سامان کے ذریعہ شرکت کرنا صحیح نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱؎ یہ شرکت ملک ہوگی [شرکت عقد نہیں ہوگی] کیونکہ ہم نے بیان کیا کہ شرکت مفاوضہ میں راس المال سامان نہیں ہوسکتا۔

تشریح: ایک نے اپنا سامان دوسرے کے آدھے کے بدلے میں بیچا تو اس وقت چونکہ وہ سامان ہے اسلئے ابھی یہی کہیں گے کہ یہ شرکت ملک ہوئی، یعنی دونوں کی ملکیت ایک ساتھ ہوگئی، ابھی عقد میں شرکت نہیں ہوئی ہے۔

ترجمہ: ۲؎ اس کی تاویل یہ ہے کہ دونوں شریکوں کے سامان کی قیمت برابر ہو اور اگر دونوں میں فرق ہو تو کم والا کو چاہئے کہ

(۳۰۰۰) قَالَ: وَأَمَّا شَرِكَةُ الْعِنَانِ فَتَنْعَقِدُ عَلَى الْوَكَالَةِ دُونَ الْكَفَالَةِ، وَهِيَ أَنْ يَشْتَرِكَ اثْنَانِ فِي نَوْعِ بُرٍّ أَوْ طَعَامٍ، أَوْ يَشْتَرِكَانِ فِي عُمُومِ التِّجَارَاتِ وَلَا يَذْكُرَانِ الْكَفَالَةَ، ۱؎ وَانْعِقَادُهُ عَلَى الْوَكَالَةِ لِتَحَقُّقِ مَقْصُودِهِ كَمَا بَيَّنَّاهُ، ۲؎ وَلَا تَنْعَقِدُ عَلَى الْكَفَالَةِ؛ لِأَنَّ اللَّفْظَ مُشْتَقٌّ مِنَ الْأَعْرَاضِ يُقَالُ عَنَّ لَهُ: أَيْ عَرَضَ، وَهَذَا لَا يُنْبِءُ عَنِ الْكَفَالَةِ وَحُكْمُ التَّصَرُّفِ لَا يَثْبُتُ بِخِلَافِ مُقْتَضَى اللَّفْظِ.

(۳۰۰۱) وَيَصِحُّ التَّفَاضُلُ فِي الْمَالِ [لِلْحَاجَةِ إِلَيْهِ وَلَيْسَ مِنْ قَضِيَّةِ اللَّفْظِ الْمُسَاوَاةُ]. وَيَصِحُّ أَنْ يَتَسَاوَيَا فِي الْمَالِ وَيَتَفَاضَلَا فِي الرِّبْحِ

اپنی چیز اتنے زیادہ میں بیچے کہ قیمت میں برابر ہو جائے۔

تشریح: زید اور عمر ایک ایک کوئنٹل گیہوں لیکر شریک ہوئے، زید کے گیہوں کی قیمت کم ہے اور عمر کے گیہوں کی قیمت زیادہ ہے تو زید اپنا گیہوں عمر سے زیادہ قیمت میں بیچ دے، البتہ اتنے حساب سے بیچے کے دونوں کی قیمت برابر ہو جائے۔

ترجمہ: (۳۰۰۰) بہر حال شرکت عنان تو وہ وکالت پر منعقد ہوتی ہے نہ کہ کفالت پر۔ مثلا دو آدمی کپڑے کے قسم میں شریک ہو جائیں، یا غلے میں یا عام تجارت میں شریک ہو جائیں اور کفالہ کا ذکر نہ کریں تو یہ شرکت عنان ہے۔

تشریح: عنان کے معنی اعراض کرنا ہے۔ چونکہ اس شرکت میں کفالت سے اعراض کرنا ہے اس لئے اس کو شرکت عنان کہتے ہین۔ اس شرکت میں ہر ایک شریک سامان خریدنے میں دوسرے کا وکیل بنتا ہے کہ مال تجارت میں سے جو کچھ خریدے اس میں سے آدھا اپنے لئے ہوگا اور آدھا شریک کے لئے ہوگا۔ البتہ کفیل نہیں ہوتا یعنی شریک پر جو قرض آئے گا اس کا آدھا دوسرے شریک پر نہیں ڈالے گا۔ بلکہ پورا قرض اسی کے ذمہ ہوگا جس نے قرض لیا۔

ترجمہ: ۱؎ شرکت عنان وکالت پر منعقد ہوتی ہے، کیونکہ اسی سے مقصد حاصل ہو جاتا ہے، جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا۔

تشریح: شرکت عنان میں صرف وکالت ہوتی ہے، یعنی ایک شریک جو کچھ خریدے گا تو دوسرے کا اس کا آدھا ہوگا۔

ترجمہ: ۲؎ شرکت عنان میں کفالہ نہیں ہوگا اس لئے کہ عن کا ترجمہ اعراض کرنا ہے، لوگ، کہتے ہیں عن لہ، اس سے اعراض کیا، اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں کفالہ نہیں ہے اور لفظ کے مقتضی کے خلاف تصرف نہیں ہوتا۔

تشریح: عن کا ترجمہ ہے اعراض کرنا، اسلئے لفظ کا جو تقاضہ ہے اس کے خلاف نہیں ہوگا اسلئے اس میں کفالہ نہیں ہوتا ہے، یعنی ایک شریک پر قرض آئے تو اس کا آدھا دوسرے پر نہیں ہوگا، اسی شریک پر اسکے ادا کرنے کی ذمہ داری ہوگی جس سے قرض لیا ہے۔

ترجمہ: (۳۰۰۱) اور صحیح ہے کمی بیشی مال میں [کیونکہ اس کی ضرورت ہے اور عنان کے لفظ میں یہ نہیں ہے کہ مال میں برابر ہو] اور صحیح ہے کہ برابر ہوں مال میں اور کمی بیشی ہو نفع میں۔

۱؎ وَقَالَ زُفَرُ وَالشَّافِعِيُّ:لَا تَجُوزُ لِأَنَّ التَّفَاضُلَ فِيهِ يُؤَدِّي إلَى رِبْحِ مَا لَمْ يُضْمَنْ، فَإِنَّ الْمَالَ إذَاكَانَ نِصْفَيْنِ وَالرِّبْحَ أَثْلَاثًافَصَاحِبُ الزِّيَادَةِ يَسْتَحِقُّهَابِلَا ضَمَانٍ،إذْالضَّمَانُ بِقَدْرِرَأْسِ الْمَالِ، ۲؎ وَلِأَنَّ الشَّرِكَةَ عِنْدَهُمَافِي الرِّبْحِ لِلشَّرِكَةِ فِي الْأَصْلِ،وَلِهَذَايَشْتَرِطَانِ الْخَلْطَ،فَصَارَ رِبْحُ الْمَالِ بِمَنْزِلَةِ نَمَاءِ الْأَعْيَانِ فَيُسْتَحَقُّ بِقَدْرِ الْمِلْكِ فِي الْأَصْلِ.

ترجمہ :۱؎ امام زفرؒ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ مال برابر ہو اور نفع میں کمی بیشی ہو یہ جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں کمی بیشی سے ربح مالم یضمن ہوگا [یعنی ایک چیز کا ذمہ دار نہیں ہے اور اس کا نفع لے رہا ہے]، اس لئے کہ جب مال آدھا آدھا ہے اور نفع ایک تہائی اور دو تہائی ہے، پس جو شریک زیادہ نفع لیگا وہ بغیر ذمہ داری کے نفع کا مستحق ہوگا، کیونکہ جتنا اس کا مال ہے اسی کی مقدار اس کی ذمہ داری ہے۔

تشریح :امام زفرؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مال دونوں کا برابر ہو اور نفع کم زیادہ ہو، مثلا ایک کی ایک تہائی ہو اور دوسرے کی دو تہائی نفع ہو تو یہ جائز نہیں ہے۔

وجہ : وہ فرماتے ہیں کہ جس کا جتنا مال ہے اتنی ہی اس کی ذمہ داری ہے، اب اس کا مال ہے آدھا اور نفع لے رہا ہے دو تہائی تو بغیر ذمہ داری کے نفع لے رہا ہے، ور پہلے گزر چکا ہے کہ ربح مالم یضمن ، جائز نہیں ہے اس لئے یہ شرکت جائز نہیں ہوگی۔

وجہ : ۲؎ دوسری وجہ یہ ہے کہ امام شافعی اور امام زفر کے نزدیک جو اصل مال ہے اسی کا نفع ہوتا ہے، اس لئے یہ دونوں حضرات ملانے کی شرط لگاتے ہیں، اس لئے نفع اصل کی پیداوار ہے اس لئے اصل مال میں جتنی ملکیت ہے اسی کی مقدار نفع کا مستحق ہوگا۔

تشریح :دوسری وجہ یہ ہے کہ امام شافعی، اور امام زفرؒ کے یہاں اصل مال کا نفع ہوتا ہے، جیسے اصل گائے کا بچھڑا ہوتا ہے، اس لئے اصل جتنا ہوگا اسی حساب سے نفع ملے گا ، یہاں اصل مال آدھا آدھا ہے تو ایک کو دو تہائی نفع نہیں ملے گا ، اور یہ شرط لگا دی تو شرکت فاسد ہو جائے گی۔

ترجمہ :۲؎ شرکت عنان میں شرکت مفاوضہ کی طرح مال اور نفع میں برابر ہونا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ یہ ممکن ہے کہ ایک شریک کا مال کم ہو اور ایک کا مال زیادہ ہو۔ اور نفع بھی کم وبیش ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں کے مال برابر ہوں لیکن نفع میں کسی کو کم ملنے کی شرط ہو اور کسی کو زیادہ ملنے کی شرط ہو۔

وجہ:(۱) کوئی آدمی زیادہ عقلمند ہوتا ہے اور کوئی کم عقلمند ہوتا ہے اس لئے مال کم ڈالنے کے باوجود اپنی عقلمندی اور مہارت کی وجہ سے زیادہ نفع کا مستحق ہوتا ہے۔ اس لئے اگر شرط کر لے کہ میں زیادہ نفع لوں گا اور دوسرا شریک اس پر راضی ہو جائے تو شرکت

۳؎ وَلَنَا قَوْلُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ "الرِّبْحُ عَلٰى مَا شَرَطَا، وَالْوَضِيعَةُ عَلَى قَدْرِ الْمَالَيْنِ" وَلَمْ يَفْصِلْ، ۴؎ وَلِأَنَّ الرِّبْحَ كَمَا يُسْتَحَقُّ بِالْمَالِ يُسْتَحَقُّ بِالْعَمَلِ كَمَا فِي الْمُضَارَبَةِ؛ وَقَدْ يَكُونُ أَحَدُهُمَا أَحْذَقَ وَأَهْدٰى وَأَكْثَرَ عَمَلًا وَأَقْوٰى فَلَا يَرْضٰى بِالْمُسَاوَاةِ فَمَسَّتُ الْحَاجَةُ إِلَى التَّفَاضُلِ.

عنان میں یہ جائز ہے(۲) قول صحابی میں ہے .عن جابر بن زید قالوا الربح علی ما اصلحوا علیه والوضیعة علی المال هذا فی الشریکین فان هذا بمائة وهذا بمائتین (مصنف عبد الرزاق، باب نفقۃ المضارب وضیعتہ، ج ثامن،ص ۱۹۲ نمبر ۱۵۱۶۸)(۳) حضرت علیؓ سے منقول ہے۔عن علی فی المضاربة الوضیعة علی المال ،والربح علی ما اصلحوا علیه (مصنف عبد الرزاق، باب نفقۃ المضارب ووضیعتہ ج ثامن ص ۱۹۱، نمبر ۱۵۱۶۶) ان دونوں اثروں سے معلوم ہوا کہ نفع آپس میں جو طے ہو جائے برابر سرابر یا کم زیادہ وہ جائز ہے۔اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک شریک ایک سو جمع کرے اور دوسرا دو سو جمع کرے یعنی مال میں کمی زیادتی ہو تب بھی جائز ہے۔

ترجمہ :۳؎ ہماری دلیل صحابی کا قول ہے آپس میں جتنا نفع طے ہو جائے اتنا لے سکتا ہے، اور نقصان مال کی مقدار ہوگا، اور اس قول صحابی میں کوئی تفصیل نہیں ہے [اس لئے مال برابر ہونے کے باوجود نفع میں کمی بیشی ہو سکتی ہے]

تشریح :صاحب ہدایہ کی قول صحابی یہ ہے۔عن علی فی المضاربة الوضیعة علی المال ،والربح علی ما اصلحوا علیه (مصنف عبد الرزاق، باب نفقۃ المضارب ووضیعتہ ج ثامن ص ۱۹۱، نمبر ۱۵۱۶۶) اس قول صحابی میں ہے کہ نقصان جتنا ہوگا وہ مال کے مطابق ہوگا، اور نفع کے بارے میں جس پر صلح ہو جائے اتنا نفع لے سکتا ہے، یعنی کمی بیشی بھی جائز ہے۔

ترجمہ :۴؎ دوسری وجہ یہ ہے کہ نفع جس طرح مال سے لیتا ہے، کام کے بدلے بھی نفع لے سکتا ہے، جیسے مضاربت میں ہوتا ہے [کہ مضارب اپنے کام کا نفع لیتا ہے]، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شریک ہوشیار ہو اور تجربہ کار ہو، زیادہ کام کرتا ہو اس کو طاقت بھی زیادہ ہو تو وہ برابر کے نفع پر راضی نہیں ہوگا، اس لئے نفع میں کمی بیشی کی ضرورت پڑ گئی ہے۔

تشریح :دوسری وجہ یہ ہے کہ مضاربت میں جو مضارب ہوتا ہے، وہ مال کا ذمہ دار نہیں ہوتا، مال ہلاک ہو جائے تو اس کی ذمہ داری نہیں ہے، پھر بھی وہ کام کرنے کا نفع لیتا ہے، جو ربح مالم یضمن ہے، اسی طرح یہاں بھی ربح مالم یضمن جائز ہوگا۔ آگے فرماتے ہیں کہ کوئی آدمی ہوشیار ہوتا اور وہ زیادہ کام کرتا ہے اس لئے وہ برابر نفع پر راضی نہیں ہوگا، اس لئے زیادہ نفع دینے کی مجبوری ہے، اس لئے شرکت عنان میں زیادہ نفع جائز ہوگا۔

لغت:احذق: حذاقت سے مشتق ہے، زیادہ ہوشیار۔اہدی: ہدایت سے مشتق ہے، زیادہ تجربہ کار

۵؎ بِخِلَافِ اشْتِرَاطِ جَمِيعِ الرِّبْحِ لِأَحَدِهِمَا لِأَنَّهُ يَخْرُجُ الْعَقْدُ بِهِ مِنَ الشَّرِكَةِ وَمِنَ الْمُضَارَبَةِ أَيْضًا إِلَى قَرْضٍ بِاشْتِرَاطِهِ لِلْعَامِلِ أَوْ إِلَى بِضَاعَةٍ بِاشْتِرَاطِهِ لِرَبِّ الْمَالِ، ٦؎ وَهٰذَا الْعَقْدُ يُشْبِهُ الْمُضَارَبَةَ مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ يَعْمَلُ فِي مَالِ الشَّرِيكِ، وَيُشْبِهُ الشَّرِكَةَ اسْمًا وَعَمَلًا فَإِنَّهُمَا يَعْمَلَانِ فَعَمِلْنَا بِشَبَهِ الْمُضَارَبَةِ. وَقُلْنَا: يَصِحُّ اشْتِرَاطُ الرِّبْحِ مِنْ غَيْرِ ضَمَانٍ وَيُشْبِهُ الشَّرِكَةَ حَتَّى لَا تَبْطُلُ بِاشْتِرَاطِ الْعَمَلِ عَلَيْهِمَا.

(۳۰۰۲) قَالَ: وَيَجُوزُ أَنْ يَعْقِدَهَا كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِبَعْضِ مَالِهِ دُونَ الْبَعْضِ

ترجمہ: ۵؎ ہاں پورا ہی نفع کسی ایک شریک کے لئے شرط لگا دی جائے تو یہ جائز نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس صورت میں شرکت اور مضاربت سے نکل جائے گا، اگر کام کرنے والے کے لئے پورے نفع کی شرط لگا دی جائے تو یہ اس کے لئے قرض ہو جائے گا، اور مال والے کے لئے شرط لگائی جائے تو یہ بضاعت [یعنی مفت کا کام لینا ہو جائے گا]

تشریح: اگر یہ شرط لگا دی جائے کہ پورا نفع کسی ایک کے لئے ہو جائے تو یہ نہ مضاربت ہوگی اور نہ شرکت رہے گی، کیونکہ مضاربت میں پورا نفع کام کرنے والے کے لئے ہو تو یہ قرض ہو جاتا ہے، مضاربت باقی نہیں رہتا، یعنی یوں سمجھو کہ کام کرنے والے نے رب المال سے مال قرض لیا اور اپنا فائدہ اٹھایا، اور پورا نفع مال والے کے لئے ہو جائے تو یوں سمجھا جائے گا کہ مال والے نے کام کرنے والے سے مفت کام لیا۔ اس لئے شرکت عنان میں پورا نفع کسی ایک کے لئے نہیں ہوگا، اور اگر ایسا کیا تو شرکت عنان فاسد ہو جائے گی۔

ترجمہ: ٦؎ کم بیش نفع کی شرط اس لئے بھی لگا سکتے ہیں کہ شرکت عنان مضاربت کے مشابہ ہے اس لئے کہ شریک کے مال میں کام کرتا ہے، اور شرکت کے مشابہ ہے، کیونکہ اس کا نام شرکت عنان ہے، اور اور دونوں کام بھی شرکت میں کرتے ہیں، اس لئے مضاربت کے مشابہ کرتے ہوئے ربح مالم یضمن جائز قرار دیا، اور شرکت کے مشابہ کرتے ہوئے دونوں ہی کے کام کی شرط لگائی جائے تب بھی شرکت باطل نہیں ہوتی۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے، انہوں نے فرمایا کہ ربح مالم یضمن جائز نہیں ہے، اس کا جواب دیا کہ یہ شرکت عنان مضاربت کتنے مشابہ ہے، کیونکہ شریک کے مال میں کام کرتا ہے، اور مضاربت میں ربح مالم یضمن جائز ہے اس لئے مضاربت کا اعتبار کرتے ہوئے ربح مالم یضمن جائز ہوگا۔ اور شرکت تو ہے ہی، کیونکہ اس کا نام ہی شرکت عنان ہے، اس لئے یہ رط لگا دی جائے کہ دنوں شریک اس میں کام کریں گے تو اس سے یہ شرکت فاسد نہیں ہوگی۔

ترجمہ: (۳۰۰۲) جائز ہے کہ دونوں شریکوں میں سے ہر ایک اپنے بعض مال سے عقد شرکت کرے نہ کہ کل سے۔

لِ لِأَنَّ الْمُسَاوَاةَ فِي الْمَالِ لَيْسَتْ بِشَرْطٍ فِيهِ إِذْ اللَّفْظُ لَا يَقْتَضِيهِ

(۳۰۰۳) وَلَا يَصِحُّ إِلَّا بِمَا بَيَّنَّا لِ أَنَّ الْمُفَاوَضَةَ تَصِحُّ بِهِ لِلْوَجْهِ الَّذِي ذَكَرْنَاهُ.

(۳۰۰۴) وَيَجُوزُ أَنْ يَشْتَرِكَا وَمِنْ جِهَةِ أَحَدِهِمَا دَنَانِيرُ وَمِنْ الْآخَرِ دَرَاهِمُ، وَكَذَا مِنْ أَحَدِهِمَا دَرَاهِمُ بِيضٌ وَمِنْ الْآخَرِ سُودٌ. لِ وَقَالَ زُفَرُ وَالشَّافِعِيُّ: لَايَجُوزُ، وَهَذَا بِنَاءً عَلَى اشْتِرَاطِ الْخَلْطِ وَعَدَمِهِ فَإِنَّ

ترجمہ: لِ اس لئے کہ شرکت عنان میں مال کی برابری ہونا شرط نہیں ہے، اور عنان کا لفظ بھی برابری کا تقاضہ نہیں کرتا۔

تشریح: مثلا زید کے پاس چھ سو درہم ہیں ان میں سے تین سو درہم سے شرکت کریں اور تین سو درہم سے شرکت عنان نہ کرے یہ جائز ہے۔

وجہ: (۱) اوپر بتایا کہ دونوں شریکوں کا برابر برابر مال ہونا ضروری نہیں ہے۔ اس لئے جتنا مال شرکت میں لگانا چاہے لگا سکتا ہے اور جتنا مال نہیں لگانا چاہے نہ لگائے۔ عنان کے لفظ سے بھی یہ پتہ نہیں چلتا کہ دونوں کا مال برابر ہو۔

ترجمہ: (۳۰۰۳) اور شرکت عنان صحیح نہیں ہوگی مگر اس نقدوں کے ذریعہ جس کو میں نے بیان کیا کہ شرکت مفاوضہ ان سے صحیح ہے۔

تشریح: اوپر بیان کیا تھا کہ درہم، دینار اور رائج سکوں، کے ذریعہ شرکت مفاوضہ صحیح ہے۔ اور چاندی اور سونے کی ڈلی سے لوگ شرکت مفاوضہ کرنا شروع کر دیں تو ان سے بھی صحیح ہے۔ اسی طرح شرکت عنان بھی درہم، دینار اور رائج سکوں کے ذریعہ صحیح ہوگی۔ سامان کے ذریعہ شرکت عنان صحیح نہیں ہوگی۔

وجہ: قول تابعی گزر چکا ہے۔ عن محمد قال لایکون الشرکة والمضاربة بالدین والودیعة والعروض والمال الغائب (مصنف ابن ابی شیبة ۳۲۸ فی الشرکة بالعروض، ج رابع، ص ۴۸۴، نمبر ۲۲۳۲۴ رمصنف عبدالرزاق، باب المفاوضین، ج ثامن، ص ۲۰۰، نمبر ۱۵۲۱۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ سامان کے ذریعہ شرکت عنان جائز نہیں ہے۔

ترجمہ: (۳۰۰۴) اور جائز ہے کہ دونوں شریک ہو جائیں اور ایک جانب سے دینار ہوں اور دوسری جانب سے دراہم ہوں۔ ایسے ہی ایک جانب سے سفید درہم ہوں اور دوسری جانب سے کالے درہم ہوں

وجہ: چونکہ دونوں ثمن ہیں اور تقریبا ایک جنس مانے جاتے ہین اس لئے ایک شریک کی جانب سے درہم ہوں اور دوسرے شریک کی جانب سے دینار ہوں اور شرکت کرے تو جائز ہے۔ اسی طرح ایک جانب سے سفید درہم ہوں یعنی اچھا درہم ہو اور دوسری جانب سے کالے درہم ہوں یعنی کھوٹے درہم ہوں تب بھی شرکت عنان ہو جائے گی، کیونکہ یہ سبھی درہم میں شمار ہوتے ہیں۔

ترجمہ: لِ امام زفرؒ اور امام شافعیؒ نے فرمایا یہ جائز نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انکے یہاں درہم کو ملانا شرط ہے، اور مختلف

عِنْدَهُمَا شَرْطٌ وَلَا يَتَحَقَّقُ ذٰلِکَ فِيْ مُخْتَلِفِى الْجِنْسِ، وَسَنُبَيِّنُهُ مِنْ بَعْدُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى.

(۳۰۰۵) قَالَ وَمَا اشْتَرَاهُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا لِلشَّرِكَةِ طُولِبَ بِثَمَنِهِ دُونَ الْآخَرِ لِمَا بَيَّنَّا ﴿۱﴾ أَنَّهُ يَتَضَمَّنُ الْوَكَالَةَ دُونَ الْكَفَالَةِ، وَالْوَكِيلُ هُوَ الْأَصْلُ فِيْ الْحُقُوقِ. (۳۰۰٦) قَالَ: ثُمَّ يَرْجِعُ عَلَى شَرِيكِهِ بِحِصَّتِهِ مِنْهُ ﴿۱﴾ مَعْنَاهُ إِذَا أَدَّى مِنْ مَالِ نَفْسِهِ؛ لِأَنَّهُ وَكِيلٌ مِنْ جِهَتِهِ فِيْ حِصَّتِهِ فَإِذَا نَقَدَ مِنْ مَالِ نَفْسِهِ رَجَعَ عَلَيْهِ، ﴿۲﴾ فَإِنْ كَانَ لَا يُعْرَفُ ذٰلِکَ إِلَّا بِقَوْلِهِ فَعَلَيْهِ الْحُجَّةُ؛ لِأَنَّهُ يَدَّعِي وُجُوبَ الْمَالِ فِيْ ذِمَّةِ الْآخَرِ وَهُوَ يُنْكِرُ، وَالْقَوْلُ لِلْمُنْكِرِ مَعَ يَمِينِهِ.

جنس ہوتو ملانا متحقق نہیں ہوگا،اس لئے شرکت بھی نہیں ہو پائے گی،اس بات کوان شاءاللہ بعد میں بیان کیا جائے گا۔

تشریح :امام شافعیؒ کے نزدیک اس شرکت میں بھی خلط ملط کرنا ضروری ہے۔اور درہم،دینار دو جنس ہونے کی وجہ سے خلط ملط نہیں ہو سکتے اس لئے ان کے یہاں درست نہیں ہے۔

ترجمہ:(۳۰۰۵) جو کچھ خریدا دونوں میں سے ہر ایک نے اس کی قیمت اسی سے طلب کی جائے گی نہ کہ دوسرے سے۔

ترجمہ:۱ کیونکہ ہم نے بیان کیا ہے کہ شرکت عنان میں وکالت ہے کفالت نہیں ہے،اور حقوق میں وکیل ہی ذمہ دار ہوتا ہے۔

تشریح:ایک شریک نے شرکت کے لئے مال خریدا تو اس کی قیمت خریدنے والے شریک پر ہی ہوگی۔بائع خریدنے والے سے ہی اپنی قیمت وصول کرے گا،دوسرے شریک سے وصول نہیں کرے گا

وجہ : کیونکہ شرکت عنان میں خریدنے والا وکیل ہوتا ہے،کفیل نہیں ہوتا۔اس لئے بائع صرف خریدنے والے سے اپنی قیمت وصول کرے گا۔

ترجمہ:(۳۰۰٦) پھر یہ خریدنے والا شریک سے اس کا حصہ وصول کرے گا۔

ترجمہ:۱ کیونکہ اس نے اپنے مال سے خریدا تھا،اسلئے کہ یہ شریک کا وکیل ہے،پس جب اپنا مال دیا تو شریک سے اسکا حصہ لے گا۔

تشریح :زید اور عمر نے شرکت عنان کیا،پھر زید نے اپنے پیسے سے ایک ہزار کی چیز خریدی تو اس کا پانچ سو درہم عمر سے لے گا،کیونکہ زید عمر کا وکیل ہے،اور زید نے اپنا پیسہ دیا ہے اس لئے عمر کے حصے کا پیسہ عمر سے وصول کرے گا۔

ترجمہ :۲ اور اگر ایسا ہے کہ خریدنے والے سے ہی معلوم ہوتا ہو کہ اس نے خریدا ہے تو اس کو گواہ پیش کرنا ہوگا،کیونکہ وہ دوسرے کے ذمے مال کا دعوی کررہا ہے اور دوسرا اس کا انکار کررہا ہے،پس اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہو تو منکر کی بات قسم کے ساتھ مانی جاتی ہے۔

(۳۰۰۷) قَالَ وَإِذَا هَلَكَ مَالُ الشَّرِكَةِ أَوْ أَحَدُ الْمَالَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَشْتَرِيَا شَيْئًا بَطَلَتُ الشَّرِكَةُ ۱؎ لِأَنَّ الْمَعْقُودَ عَلَيْهِ فِي عَقْدِ الشَّرِكَةِ الْمَالُ، فَإِنَّهُ يَتَعَيَّنُ فِيهِ كَمَا فِي الْهِبَةِ وَالْوَصِيَّةِ، وَبِهَلَاكِ الْمَعْقُودِ عَلَيْهِ يَبْطُلُ الْعَقْدُ كَمَا فِي الْبَيْعِ، ۲؎ بِخِلَافِ الْمُضَارَبَةِ وَالْوَكَالَةِ الْمُفْرَدَةِ؛ لِأَنَّهُ لا يَتَعَيَّنُ الثَّمَنَانِ فِيهِمَا بِالتَّعْيِينِ، وَإِنَّمَا يَتَعَيَّنَانِ بِالْقَبْضِ عَلَى مَا عُرِفَ.

تشریح :مثلا زید نے ایسی چیز خریدی جس کا ظاہری ثبوت نہیں ہے تو زید کو گواہی پیش کرنی ہوگی ،اور گواہی پیش نہیں کر سکا تو قسم کے ساتھ عمر کی بات مانی جائے گی۔

وجہ : کیونکہ زید مدعی ہے اسلئے اس پر گواہ ہوگا ،اور عمر منکر ہے اسلئے زید گواہ پیش نہیں کر سکا تو منکر کی بات قسم کے ساتھ مانی جاتی ہے۔

ترجمہ :(۳۰۰۷)اگر شرکت کا کل مال ہلاک ہو جائے یا کسی چیز کے خریدنے سے پہلے ایک کا مال ہلاک ہو جائے تو شرکت باطل ہو جائے گی۔

ترجمہ :۱؎ شرکت میں جو عقد ہوا ہے وہ مال ہے اس لئے کہ شرکت میں مال متعین ہوتا ہے جیسے ہبہ اور وصیت میں متعین ہوتا ہے اس لئے معقود علیہ کے ہلاک ہونے سے شرکت باطل ہو جاتی ہے، جیسے بیع میں مبیع ہلاک ہو جائے تو بیع ختم ہو جاتی ہے۔

تشریح :شرکت کا جو مال تھا وہ کسی چیز کے خریدنے سے پہلے ہلاک ہو گیا تو شرکت ختم ہو جائے گی۔ یا ابھی کوئی چیز خریدی نہیں تھی کہ ایک شریک کا مال ہلاک ہو گیا تو بھی شرکت ختم ہو جائے گی۔

وجہ :شرکت کا جو مال ہے وہ متعین ہوتا ہے، جیسے مبیع متعین ہوتی ہے، جب متعین مال ہلاک ہو گیا تو اب دوسرا مال بھی جمع نہیں کر سکتا ،اس لئے شرکت ختم ہو جائے گی۔

ترجمہ :۲؎ بخلاف مضاربت کے، یا تنہا وکالت کے اس لئے کہ ان دونوں میں متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتا بلکہ چیز پر قبضے کے بعد متعین ہوتا ہے، جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔

تشریح :مضاربت اور وکالت میں رقم متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتی ، چنانچہ اگر رقم ہلاک ہو جائے تو مضاربت اور وکالت باطل نہیں ہوتی ،مثلا زید نے عمر کو کہا کہ یہ ایک ہزار درہم دوں گا تم مضاربت کرو، ابھی درہم نہیں دیا تھا کہ وہ متعین ہزار ہلاک ہو گیا تو مضاربت باطل نہیں ہوگی ، کیونکہ وہ ہزار متعین نہیں ہوا ہے اسلئے اب دوسرا ہزار دے گا اور مضاربت باقی رہے گی ۔یہی حالت وکالت کی ہے۔

۳؎ وَهٰذَا ظَاهِرٌ فِيمَا إِذَا هَلَكَ الْمَالَانِ، وَكَذَا إِذَا هَلَكَ أَحَدُهُمَا؛ لِأَنَّهُ مَا رَضِيَ بِشَرِكَةِ صَاحِبِهِ فِي مَالِهِ إِلَّا لِيُشْرِكَهُ فِي مَالِهِ، فَإِذَا فَاتَ ذٰلِكَ لَمْ يَكُنْ رَاضِيًا بِشَرِكَتِهِ فَيَبْطُلُ الْعَقْدُ لِعَدَمِ فَائِدَتِهِ، ۴؎ وَأَيُّهُمَا هَلَكَ هَلَكَ مِنْ مَالِ صَاحِبِهِ؛ إِنْ هَلَكَ فِي يَدِهِ فَظَاهِرٌ، وَكَذَا إِذَا كَانَ هَلَكَ فِي يَدِ الْآخَرِ لِأَنَّهُ أَمَانَةٌ فِي يَدِهِ، ۵؎ بِخِلَافِ مَا بَعْدَ الْخَلْطِ حَيْثُ يَهْلِكُ عَلَى الشَّرِكَةِ؛ لِأَنَّهُ لَا يَتَمَيَّزُ فَيُجْعَلُ الْهَالِكُ مِنَ الْمَالَيْنِ.

(۳۰۰۸) وَإِنِ اشْتَرَى أَحَدُهُمَا بِمَالِهِ وَهَلَكَ مَالُ الْآخَرِ قَبْلَ الشِّرَاءِ فَالْمُشْتَرَى بَيْنَهُمَا عَلَى مَا شَرَطَا

ترجمہ : ۳؎ اگر دونوں کے مال ہلاک ہوگئے تب تو ظاہر ہے کہ شرکت ختم ہو جائے گی، ایسے ہی ایک کا مال ہلاک ہو گیا تو بھی شرکت ختم ہو جائے گی یہ اسی وقت راضی ہے کہ اپنے مال میں شریک کریں جبکہ دوسرا اس کو اپنے مال میں شریک کرے، لیکن جب اسکا مال ہی ہلاک ہو گیا تو اب کس چیز میں شریک کرے گا، اسلئے یہ اس کو شریک کرنے پر راضی نہیں ہو گا اسلئے فائدہ نہ ہونے کی وجہ سے شرکت باطل ہو جائے گی۔

تشریح : دونوں کا مال ہلاک ہو گیا تب تو ظاہر ہے کہ شرکت ختم ہو جائے گی۔ لیکن ایک کا مال کا مال ہلاک ہو گیا تب بھی شرکت ختم ہو جائے گی۔

وجہ : مثلا زید اس لئے عمر کو اپنے مال میں شریک کر رہا تھا کہ عمر بھی اپنے مال میں زید کو شریک کرے گا، لیکن جب عمر کا مال ہلاک ہو گیا تو اب وہ کس میں زید کو شریک کرے گا؟ اس لئے شرکت ختم ہو جائے گی۔

ترجمہ : ۴؎ جس شریک کا بھی مال ہلاک ہوا اگر اسی کے ہاتھ سے ہلاک ہوا تب تو ظاہر ہے کہ اس کا مال ہلاک ہو گیا، اور اگر اس کا مال دوسرے شریک کے قبضے سے ہلاک ہوا تو بھی شرکت ختم ہو جائے گی کیونکہ اس کے ہاتھ میں امانت ہے۔

تشریح : زید اور عمر نے شرکت عنان کی اور زید کا مال زید ہی سے ہلاک ہوا تو مال نہیں رہا، اور اگر عمر کے ہاتھ سے زید کا مال ہلاک ہوا تو عمر کے ہاتھ میں امانت ہے اسلئے بھی زید کا مال ہلاک ہوا اس لئے شرکت باطل ہو جائے گی۔

ترجمہ: ۵؎ اگر مال کو ملانے کے بعد ہلاک ہوا تو شرکت کا مال ہلاک ہوا اس لئے دونوں کے مال کا ہلاک سمجھا جائے گا۔

تشریح : کسی چیز کے خریدنے سے پہلے، یا مال کو ملانے سے پہلے مال ہلاک ہو جائے تو شرکت باطل ہو جاتی ہے، لیکن اگر ملانے کے بعد ہلاک ہوا شرکت کا مال ہلاک سمجھا جائے گا، پس اگر سب مال ہلاک ہو گیا تو اب شرکت ختم ہو جائے گی، لیکن اگر کچھ مال ہلاک ہوا تو باقی مال میں شرکت باقی رہے گی۔

ترجمہ : (۳۰۰۸) اور اگر دونوں میں سے ایک نے اپنے مال کے ذریعہ کچھ خرید لیا اور دوسرے کا مال خریدنے سے پہلے ہلاک ہو گیا تو خریدی ہوئی چیز دونوں کے درمیان ہوگی شرط کے مطابق۔

۱؎ لِأَنَّ الْمِلْکَ حِینَ وَقَعَ وَقَعَ مُشْتَرَکًا بَیْنَهُمَا لِقِیَامِ الشَّرِکَةِ وَقْتَ الشِّرَاءِ فَلا یَتَغَیَّرُ الْحُکْمُ بِهَلاکِ مَالِ الْآخَرِ بَعْدَ ذَلِکَ، ثُمَّ الشَّرِکَةُ شَرِکَةُ عَقْدٍ عِنْدَ مُحَمَّدٍ خِلافًا لِلْحَسَنِ بْنِ زِیَادٍ، حَتَّی إنَّ أَیَّهُمَا بَاعَ جَازَ بَیْعُهُ؛ لِأَنَّ الشَّرِکَةَ قَدْ تَمَّتْ فِي الْمُشْتَرَی فَلا یُنْتَقَضُ بِهَلاکِ الْمَالِ بَعْدَ تَمَامِهَا.

(۳۰۰۹) قَالَ وَیَرْجِعُ عَلَی شَرِیکِهِ بِحِصَّةٍ مِنْ ثَمَنِهِ

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ خریدی ہوئی چیز پر جب ملکیت ہوئی تو مشترک ملک ہوئی کیونکہ خریدتے وقت شرکت قائم تھی اس لئے دوسرے شریک کے مال کے ہلاک ہونے سے شرکت کا حکم نہیں بدلے گا۔

تشریح: دو شریکوں میں سے ایک نے اپنے مال کے ذریعہ کچھ خریدا، دوسرے شریک نے ابھی کچھ خریدا نہیں تھا کہ اس کا مال ہلاک ہوگیا تو خریدی ہوئی چیز شرط کے مطابق دونوں کے درمیان مشترک ہوگی۔ اور جتنا حصہ دوسرے شریک کا ہوتا ہے اتنے حصے کی قیمت اس سے وصول کرے گا۔

وجہ: چونکہ شرکت میں مال خریدا جا چکا ہے اس لئے وہ مال شرکت کا ہی ہوگا۔ اور خریدنے والا دوسرے شریک کا وکیل ہوگا۔ اور چونکہ خریدنے والے نے اپنا مال دیا تھا اس لئے اپنے شریک سے اس کے حصے کی قیمت وصول کرے گا۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ شریک نے وکالت کے طور پر خرید لیا تو دوسرے شریک کا بھی شرط کے مطابق حصہ ہوگا۔

ترجمہ: ۲؎ امام محمدؒ کے یہاں یہ عقد میں شرکت ہے اور حضرت حسن بن زیاد اس کے خلاف ہے یہاں تک کہ اگر کسی نے بھی بیچا تو اسکی بیع جائز ہے اس لئے کہ خریدی ہوئی چیز میں شرکت پوری ہوگئی ہے، اسلئے شرکت پوری ہونے کے بعد مال کے ہلاک ہونے شرکت نہیں ٹوٹے گی۔

لغت: شرکت عقد: شرکت املاک کا مطلب یہ ہے کہ دونوں کی ملکیت الگ الگ ہی ہے لیکن صرف ساتھ رکھے ہوا ہے، اس صورت میں جسکی ملکیت ہے صرف وہی اپنی چیز بیچ سکے گا دوسرا شریک اس کو نہیں بیچ سکے گا۔ اور شرکت عقد کا مطلب یہ ہے کہ عقد کے اعتبار سے بھی شرکت ہوگئی ہے، اور یہ چیز دونوں کی مشترکہ ہے۔ اس لئے اس کو دونوں بیچ سکتا ہے۔

تشریح: ایک شریک نے اپنے مال سے چیز خرید چکا ہے اس لئے عقد کے اعتبار سے بھی دونوں کی چیز مشترک ہو چکی ہے، اس لئے دونوں میں سے کوئی بھی اس چیز کو بیچ سکتا ہے۔

وجہ: خریدنے کی وجہ سے شرکت مکمل ہو چکی ہے اس لئے ایک کے مال ہلاک ہونے سے اب شرکت نہیں ٹوٹے گی۔

ترجمہ: (۳۰۰۹) خریدنے والا شریک سے اس کے حصے کی رقم وصول کرے گا۔

ا لِأَنَّهُ اشْتَرَى نِصْفَهُ بِوَكَالَتِهِ وَنَقَدَ الثَّمَنَ مِنْ مَالِ نَفْسِهِ وَقَدْ بَيَّنَّاهُ، ٢ هٰذَا إِذَا اشْتَرَى أَحَدُهُمَا بِأَحَدِ الْمَالَيْنِ أَوَّلًا ثُمَّ هَلَكَ مَالُ الْآخَرِ. أَمَّا إِذَا هَلَكَ مَالُ أَحَدِهِمَا ثُمَّ اشْتَرَى الْآخَرُ بِمَالِ الْآخَرِ، إِنْ صَرَّحَا بِالْوَكَالَةِ فِي عَقْدِ الشَّرِكَةِ فَالْمُشْتَرَى مُشْتَرَكٌ بَيْنَهُمَا عَلَى مَا شَرَطَا؛ لِأَنَّ الشَّرِكَةَ إِنْ بَطَلَتْ فَالْوَكَالَةُ الْمُصَرَّحُ بِهَا قَائِمَةٌ فَكَانَ مُشْتَرَكًا بِحُكْمِ الْوَكَالَةِ، ٣ وَيَكُونُ شَرِكَةَ مِلْكٍ وَيَرْجِعُ عَلَى شَرِيكِهِ بِحِصَّتِهِ مِنَ الثَّمَنِ لِمَا بَيَّنَّاهُ، ٤ وَإِنْ ذَكَرَا مُجَرَّدَ الشَّرِكَةِ وَلَمْ يَنُصَّا عَلَى الْوَكَالَةِ فِيهَا كَانَ الْمُشْتَرٰى لِلَّذِي اشْتَرَاهُ خَاصَّةً؛ لِأَنَّ الْوُقُوعَ عَلَى الشَّرِكَةِ حُكْمُ الْوَكَالَةِ الَّتِي تَضَمَّنَتْهَا الشَّرِكَةُ،

ترجمہ: ا اس لئے کہ اس کا وکیل بن کر اس کا آدھا حصہ خریدا ہے، اور اپنا پیسہ دیا ہے، اس بات کو ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔

تشریح: یہ آدمی شریک کا وکیل تھا اور اپنے پیسے سے اس کی چیز خریدی تھی اس لئے اس سے آدھی رقم وصول کرے گا۔

ترجمہ: ٢ یہ تفصیل اس وقت ہے کہ ایک نے پہلے مال خریدا پھر دوسرے کا مال ہلاک ہوا [تو شرکت ہوگئی]۔ لیکن اگر ایک کا مال ہلاک ہو گیا پھر دوسرے نے اپنے مال سے چیز خریدی، تو اگر الگ سے وکیل بنانے کی تصریح کی تو شرط کے مطابق خریدی ہوئی چیز دونوں کی ہوگی، اس لئے کہ شرکت اگر چہ ختم ہو چکی ہے، لیکن وکیل بنانے کی جو تصریح کی ہے وہ ابھی بھی قائم ہے اس لئے وکالت کی وجہ سے خریدی ہوئی چیز مشترک ہو جائے گی۔

تشریح: چیز پہلے خریدی پھر دوسرے شریک کا مال ہلاک ہو گیا تو چیز مشترک ہوگی۔ لیکن اگر ابھی چیز نہیں خریدی تھی اور ایک شریک کا مال ہلاک ہو گیا، اس کے بعد دوسرے شریک نے مال خریدا، تو اگر شرکت کے علاوہ صراحت سے یہ کہا تھا کہ تم میرا وکیل ہو تو جو چیز اب خریدی گئی ہے وہ بھی شرکت پر ہوگی۔

وجہ: ایک کے مال ہلاک ہونے کی وجہ سے شرکت ختم ہو گئی تھی، لیکن صراحت کے ساتھ جب یہ کہا کہ تم میرا وکیل ہو تو اس وکالت کی وجہ سے خریدے ہوئے مال میں شرکت ہو جائے گی۔

ترجمہ: ٣، اور شرکت ملک ہوگی، اور چیز کے آدھے حصے کی قیمت شریک سے وصول کرے گا، اس دلیل سے جو ہم نے بیان کیا کہ [یہ دوسرے کا بھی وکیل تھا اور اس کی وکالت میں چیز خریدا تھا]

تشریح: البتہ یہ شرکت عقد نہیں ہوگی، بلکہ شرکت عقد ہوگی، جسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ جس نے خریدا تھا صرف وہی اس مال کو بیچ سکے گا، اور جتنا دوسرے شریک کے حصے میں آئے گا اسکی قیمت اس سے وصول کرے گا، کیونکہ اس نے اپنا پیسہ اسکی چیز خریدنے میں دیا تھا۔

ترجمہ: ٤ اور اگر صرف شرکت کا تذکرہ تھا، اور وکیل بنانے کی تصریح نہیں کی تھی، تو خریدی ہوئی چیز اسی کی ہوگی جس نے خریدا ہے، اس لئے کہ یہاں وکالت شرکت کے اندر ہے، پس جب شرکت ختم ہوگئی تو اس کے اندر کی وکالت بھی ختم ہوگئی، اس

فَإِذَا بَطَلَتْ يَبْطُلُ مَا فِيْ ضِمْنِهَا، بِخِلَافِ مَا إِذَا صَرَّحَ بِالْوَكَالَةِ لِأَنَّهَا مَقْصُودَةٌ.

(۳۰۱۰) قَالَ: وَتَجُوزُ الشَّرِكَةُ وَإِنْ لَمْ يَخْلِطَا الْمَالَ ا؎ وَقَالَ زُفَرُ وَالشَّافِعِيُّ: لَا تَجُوزُ لِأَنَّ الرِّبْحَ فَرْعُ الْمَالِ، وَلَا يَقَعُ الْفَرْعُ عَلَى الشَّرِكَةِ إِلَّا بَعْدَ الشَّرِكَةِ فِي الْأَصْلِ وَأَنَّهُ بِالْخَلْطِ، وَهٰذَا لِأَنَّ الْمَحَلَّ هُوَ الْمَالُ وَلِهٰذَا يُضَافُ إِلَيْهِ، وَيُشْتَرَطُ تَعْيِينُ رَأْسِ الْمَالِ،

کے برخلاف وکالت کی صراحت کی ہوتو وہاں وکالت مقصود ہے[اس لئے وکالت ختم نہیں ہوگی]

تشریح: شرکت کے عقد کرتے وقت الگ سے یہ نہیں کہا تھا کہ میں تم کو وکیل بھی بناتا ہوں، تو ایک کے مال ہلاک ہونے کی وجہ سے شرکت ختم ہوگئی، اس لئے اس کے اندر جو وکالت تھی وہ بھی ختم ہوگئی، اس لئے دوسرے شریک نے جو مال خریدا وہ صرف اسی کا ہوگا، کیونکہ نہ شرکت رہی اور نہ وکالت رہی ہے۔ ہاں صراحت کے ساتھ وکیل بناتا تو اس وکالت کی وجہ سے خریدا ہوا مال میں دوسرا آدمی شریک ہوجاتا۔

ترجمہ: (۳۰۱۰) اور شرکت عنان جائز ہے اگرچہ دونوں نے مال خلط ملط نہ کیا ہو۔

تشریح: دونوں شریکوں کو اپنا اپنا مال دوسرے کے ساتھ خلط ملط کر دینا چاہئے لیکن شرکت عنان میں یہ گنجائش ہے کہ خلط ملط نہ کیا پھر بھی شرکت صحیح ہوجائے گی۔

وجہ: یہاں شرکت کا مدار تصرف پر ہے۔ اور جو بھی خریدے گا تو آدھا مال اپنے لئے ہوگا اور آدھا مال وکالت کے طور پر شریک کے لئے ہوگا۔ اور جب اس کو بیچیں گے تو شرط کے مطابق اسی مناسبت سے نفع بھی دونوں کے لئے ہوگا۔ اس لئے ملانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ: ا؎ امام زفر اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ مال کو بغیر ملائے ہوئے شرکت عنان جائز نہیں ہے، کیونکہ نفع مال کا فرع ہے اور اصل مال میں شرکت کے بغیر فرع میں شرکت نہیں ہوگی، اس کی وجہ یہ ہے کہ نفع کا محل مال ہے اسی لئے نفع کو مال کی طرف منسوب کرتے ہیں، اور راس المال کو متعین کرنے کی شرط لگاتے ہیں،

تشریح: امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کے یہاں جب تک دونوں شریک مال کو نہیں ملائے گا تب تک شرکت درست نہیں ہوگی۔

وجہ: (۱) اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ نفع مال کا فرع ہے اس لئے نفع میں شرکت اس وقت ہوگی جبکہ اصل یعنی مال میں شرکت ہو، اس کی بنیاد یہ بتاتے ہیں کہ نفع کا محل مال ہے، یہی وجہ ہے کہ نفع کو مال کی طرف منسوب کرتے ہیں، اور راس المال یعنی مال کو متعین کرنا شرط لگاتے ہیں اس لئے مال کو ملانا ضروری ہے (۲) ۔اخبرنا سفیان قال لاتکون المفاوضة حتی تکون سواء فی المال وحتی یخلطا اموالهما ولا تکون المفاوضة والشرکة بالعروض ان یجیئ هذا

۲؎ بِخِلَافِ الْمُضَارَبَةِ؛لِأَنَّهَالَيْسَتْ بِشَرِكَةٍ،وَإِنَّمَاهُوَ يَعْمَلُ لِرَبِّ الْمَالِ فَيَسْتَحِقُّ الرِّبْحَ عِمَالَةً عَلَى عَمَلِهِ،أَمَّا هُنَا بِخِلَافِهِ، ۳؎ وَهٰذَا أَصْلٌ كَبِيرٌ لَهُمَا حَتَّى يُعْتَبَرُ اتِّحَادُ الْجِنْسِ .وَيُشْتَرَطُ الْخَلْطُ وَلَا يَجُوزُ التَّفَاضُلُ فِيْ الرِّبْحِ مَعَ التَّسَاوِي فِيْ الْمَالِ. وَلَا تَجُوزُ شَرِكَةُ التَّقَبُّلِ وَالْأَعْمَالِ لِانْعِدَامِ الْمَالِ. ۴؎ وَلَنَا أَنَّ الشَّرِكَةَ فِيْ الرِّبْحِ مُسْتَنِدَةٌ إِلَى الْعَقْدِ دُونَ الْمَالِ؛ لِأَنَّ الْعَقْدَ يُسَمَّى شَرِكَةً فَلَا بُدَّ مِنْ تَحَقُّقِ مَعْنَى هٰذَا الِاسْمِ فِيهِ فَلَمْ يَكُنْ الْخَلْطُ شَرْطًا،

بعرض وهذا بعرض (مصنف عبدالرزاق، باب المفاوضین ج ثامن ص۲۰۰ نمبر۱۵۲۱۹) اس قول صحابی میں ہے کہ مال کو ملائے گا تب ہی شرکت صحیح ہوگی۔

ترجمہ: ۲؎ بخلاف مضاربت کے [اس میں مال ملانے کی ضرورت نہیں ہے،اس لئے کہ وہ شرکت نہیں ہے،مضاربت میں تو مضارب رب المال کے لئے کام کرتا ہے اور اپنے کام کا مفع لیتا ہے،شرکت میں اس کے خلاف ہے [یعنی شرکت میں دونوں کام کرتے ہیں]

تشریح: مضاربت میں مال کی شرکت نہیں ہوتی،وہاں تو ایک کا مال ہوتا ہے اور دوسرا آدمی محنت کرتا ہے اور اس کے بدلے میں مزدوری لیتا ہے،بخلاف شرکت کے،یہاں دونوں کا مال ہوتا ہے اور دونوں ہی کام کرتے ہیں اور دونوں ہی پیسہ لیتے ہیں، اس لئے یہاں مال کا ملانا ضروری ہے۔

ترجمہ: ۳؎ امام زفر،اور امام شافعیؒ کے لئے یہ بہت بڑا قاعدہ ہے [کہ مال کو ملانا ضروری ہے] اس کی وجہ سے جنس کا متحد ہونا ضروری ہے،مال کو ملانا ضروری ہے،مال برابر ہو تو نفع میں کمی زیادتی جائز نہیں ہے،شرکت تقبل اور شرکت اعمال جائز نہیں ہے،کیونکہ یہ مال نہیں ہے۔

تشریح: امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کے یہاں یہ بہت بڑا قاعدہ ہے کہ شرکت میں مال کا ملانا ضروری ہے،جس کی وجہ سے تین باتیں ہوں گی [۱] دونوں کی جنس ایک ہو،چنانچہ ایک کا درہم اور دوسرے کا دینار نہیں چلے گا،کیونکہ اس میں دونوں میں خلط ملط نہیں ہوگا [۲] مال برابر ہو تو نفع میں کمی بیشی بھی جائز نہیں ہے،کیونکہ ان کے یہاں نفع مال کا فرع ہے،اس لئے جس کا جتنا مال ہوگا اتنا ہی نفع دیا جائے گا اسلئے مال کم ہو اور نفع زیادہ لے لے یہ صحیح نہیں ہوگا [۳] انکے یہاں شرکت تقبل،یعنی شرکت صنائع بھی جائز نہیں ہے،کیونکہ کاریگری میں مال نہیں ہوتا،اور شرکت کے مال ضروری ہے،اسلئے شرکت صنائع بھی جائز نہیں ہے۔

ترجمہ: ۴؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ نفع میں جو شرکت ہے وہ عقد کی طرف منسوب ہے مال کی طرف منسوب نہیں ہے،اس لئے کہ عقد کو شرکت کہتے ہیں اس لئے اس نام کا معنی متحقق ہونا چاہئے،اس لئے مال کو ملانا شرط نہیں ہے،

۵ وَلِأَنَّ الدَّرَاهِمَ وَالدَّنَانِيرَ لَا يَتَعَيَّنَانِ فَلَا يُسْتَفَادُ الرِّبْحُ بِرَأْسِ الْمَالِ، وَإِنَّمَا يُسْتَفَادُ بِالتَّصَرُّفِ لِأَنَّهُ فِي النِّصْفِ أَصِيلٌ وَفِي النِّصْفِ وَكِيلٌ. وَإِذَا تَحَقَّقَتْ الشَّرِكَةُ فِي التَّصَرُّفِ بِدُونِ الْخَلْطِ تَحَقَّقَتْ فِي الْمُسْتَفَادِ بِهِ وَهُوَ الرِّبْحُ بِدُونِهِ، وَصَارَ كَالْمُضَارَبَةِ فَلَا يُشْتَرَطُ اتِّحَادُ الْجِنْسِ وَالتَّسَاوِي فِي الرِّبْحِ، وَتَصِحُّ شَرِكَةُ التَّقَبُّلِ.

(۳۰۱۱) قَالَ وَلَا تَجُوزُ الشَّرِكَةُ إِذَا شُرِطَ لِأَحَدِهِمَا دَرَاهِمُ مُسَمَّاةٌ مِنَ الرِّبْحِ ۱ لِأَنَّهُ شَرْطٌ يُوجِبُ انْقِطَاعَ الشَّرِكَةِ فَعَسَاهُ لَا يُخْرِجُ إِلَّا قَدْرَ الْمُسَمَّى لِأَحَدِهِمَا، وَنَظِيرُهُ فِي الْمُزَارَعَةِ.

تشریح : ہماری دلیل یہ ہے کہ نفع میں جو شرکت ہے وہ مال کی طرف منسوب نہیں ہے بلکہ عقد کی طرف منسوب ہے، یہی وجہ ہے کہ عقد کو شرکت کہتے ہیں اس لئے نام کا اعتبار کرتے ہوئے ملانے کی شرط نہیں ہونی چاہئے۔

ترجمہ : ۵ اور اس لئے کہ درہم اور دینار متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتا اس لئے راس المال سے نفع نہیں ہوتا ہے بلکہ تصرف سے نفع ہوتا ہے، اس لئے کہ آدھے تصرف میں اصل ہے اور آدھے تصرف میں وکیل ہے، اس لئے بغیر ملائے ہوئے تصرف میں شرکت متحقق ہوگئی تو نفع میں بھی شرکت متحقق ہوگئی اور یہ شرکت مضاربت کی طرح ہوگئی اس لئے ایک جنس ہونے کی شرط نہیں ہوگی، اور نہ نفع میں برابری کی ضرورت ہے، اور شرکت تقبل بھی جائز ہوگی۔

تشریح : یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے، کہ دینار اور درہم متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتا اس لئے نفع درہم اور دینار سے نہیں ہے، بلکہ تصرف سے ہے اور تصرف میں آدھا اپنی جانب سے ہے اور آدھا دوسرے کی جانب سے وکیل کے طور پر ہے، اور جب تصرف میں شرکت ہوئی تو یہ تینوں کی ضرورت نہیں ہے [۱] مال کو ملانے کی ضرورت نہیں ہے، [۲] اور نہ نفع میں برابری کی ضرورت ہے [۳]، اور تقبل، یعنی صنائع میں بھی شرکت صحیح ہو جائے گی، کیونکہ وہاں بھی تصرف ہے، مال نہیں ہے۔

ترجمہ: (۳۰۱۱) اور نہیں صحیح ہے شرکت اگر شرط لگا لے کسی ایک کے لئے نفع مین سے متعین درہم۔

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ یہ ایسی شرط ہے جس سے شرکت ہی ختم ہو جائے گی۔ کیونکہ ممکن ہے کہ اتنا ہی درہم نفع ہو جتنا ایک شریک کے لئے متعین کیا ہے۔ اس کی مثال کتاب المزارعت میں گزر گئی ہے۔

تشریح: مثلا یوں شرط لگائی کہ نفع میں سے پہلے پچاس درہم مجھے دو گے باقی جو بچیں گے ان میں سے آدھے آدھے، تو اس قسم کی شرط کے ساتھ شرکت جائز نہیں ہے۔ کیونکہ نفع میں شرکت کا نام شرکت ہے اور وہ یہاں نہیں ہوئی، اس لئے اس شرط سے شرکت فاسد ہو جائے گی۔

(۳۰۱۲) قَالَ: وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنَ الْمُتَفَاوِضَيْنِ وَشَرِيكَيْ الْعِنَانِ أَنْ يُبْضِعَ الْمَالَ ۱؎ لِأَنَّهُ مُعْتَادٌ فِي عَقْدِ الشَّرِكَةِ، ۲؎ وَلِأَنَّ لَهُ أَنْ يَسْتَأْجِرَ عَلَى الْعَمَلِ، وَالتَّحْصِيلُ بِغَيْرِ عِوَضٍ دُونَهُ فَيَمْلِكُهُ، ۳؎ وَكَذَا لَهُ أَنْ يُودِعَهُ لِأَنَّهُ مُعْتَادٌ وَلَا يَجِدُ التَّاجِرُ مِنْهُ بُدًّا.

وجه :(۱) مان لیا جائے کہ کسی موقع پر صرف پچاس درہم ہی نفع ہوا تو وہ صرف ایک کو مل جائے گا اور دوسرا منہ تکتا رہ جائے گا جس سے اس کو ضرر ہوگا۔ اس لئے متعین درہم ایک کے لئے مخصوص ہو اس شرط کے ساتھ شرکت جائز نہیں ہے (۲) حدیث میں اس قسم کے تخصص کو منع فرمایا ہے۔ عن رافع بن خديج قال حدثني عمي انهم كانوا يكرون الارض على عهد النبي ﷺ بما ينبت على الاربعاء او بشيء يستثنيه صاحب الارض فنهى النبي ﷺ عن ذلك (بخاری شریف، باب کراء الارض بالذھب والفضۃ ص ۳۱۶ نمبر ۲۳۴۶) اس حدیث میں ہے کہ زمین کی بٹائی میں کچھ مخصوص زراعت کو مستثنی کر لینے کو آپ ؐ نے منع فرمایا ہے۔ اس لئے شرکت میں کچھ خاص نفع کو مستثنی کر لینا بھی جائز نہیں ہے (۳) عن ابن المسيب قال يكره ان يبيع النخل ويستثني منه كيلا معلوما (مصنف عبد الرزاق، باب بیع الثمرۃ ویشترط منھا کیلا ج ثامن ص ۲۰۳ نمبر ۱۵۲۲۹) اس قول تابعی میں متعین کیل کو مکروہ قرار دیا ہے۔

ترجمہ: (۳۰۱۲) مفاوضہ اور عنان کے ہر شریک کے لئے جائز ہے کہ وہ کسی کو مال دیدے بضاعت کے طور پر۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ شرکت میں یہ سب کام کرتے ہیں۔

تشریح : یہ مسائل اس قاعدے پر ہیں کہ تجارت کرنے میں جن جن کاموں کی ضرورت پڑتی ہے یا جن جن کاموں سے نفع حاصل ہو سکتا ہے وہ کام شرکت مفاوضہ اور شرکت عنان کے دونوں شریک کر سکتے ہیں۔ مثلا مال بضاعت پر کسی کو دیدے یعنی کسی کو مال دے کہ تم اس میں کام کرو اور اس کا نفع بڑھاؤ۔ کچھ اجرت دے دیں گے اس کو بضاعت پر دینا کہتے ہیں۔

اصول: شریک تجارت کے فوائد کے سارے کام کر سکتے ہیں۔

ترجمہ: ۲؎ ایک دلیل یہ بھی ہے کہ شریک کے لئے یہ جائز ہے کہ کام کے لئے کسی کو اجرت پر لے، یہاں تو مفت لے رہا ہے جو اجرت سے بھی کم ہے اس لئے شریک اس کام کو بھی کر سکتا ہے۔

تشریح : واضح ہے۔

ترجمہ : ۳؎ شریک کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ شرکت کے مال کو کسی کے پاس امانت رکھے، اس لئے کہ تجارت میں اس کی بھی عادت ہے، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تاجر کو امانت رکھے بغیر کوئی راستہ نہیں ہے [اس لئے امانت بھی رکھ سکتا ہے۔

تشریح: واضح ہے۔

(۳۰۱۳) قَالَ: وَيَدْفَعُهُ مُضَارَبَةً؛ ۱؎ لِأَنَّهَا دُونَ الشَّرِكَةِ فَتَتَضَمَّنَهَا. ۲؎ وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ لَيْسَ لَهُ ذٰلِكَ لِأَنَّهُ نَوْعُ شَرِكَةٍ، وَالْأَصَحُّ هُوَ الْأَوَّلُ، وَهُوَ رِوَايَةُ الْأَصْلِ؛ لِأَنَّ الشَّرِكَةَ غَيْرُ مَقْصُودَةٍ، وَإِنَّمَا الْمَقْصُودُ تَحْصِيلُ الرِّبْحِ كَمَا إِذَا اسْتَأْجَرَهُ بِأَجْرٍ بَلْ أَوْلَى؛ لِأَنَّهُ تَحْصِيلٌ بِدُونِ ضَمَانٍ فِي ذِمَّتِهِ، ۳؎ بِخِلَافِ الشَّرِكَةِ حَيْثُ لَا يَمْلِكُهَا لِأَنَّ الشَّيْءَ لَا يَسْتَتْبِعُ مِثْلَهُ.

ترجمہ:(۳۰۱۳) شرکت کے مال کو مضاربت کے طور پر دیا جا سکتا ہے۔

ترجمہ:۱؎ اس لئے کہ یہ شرکت سے کم ہے اس لئے یہ بھی کر سکتا ہے۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اپنے برابر کا کام تو نہیں کر سکتا، لیکن اس سے کم حیثیت کا کام کر سکتا ہے، مضاربت شرکت سے کم درجے کا ہے اس لئے مضاربت کر سکتا ہے۔

تشریح: شرکت میں نقصان ہو تو دونوں کا ہوتا ہے، اور مضاربت میں مضارب سے نفع حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے اس لئے شریک شرکت کے مال کو مضاربت پر بھی رکھ سکتا ہے۔

ترجمہ:۲؎ امام ابو حنیفہؒ کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ شریک کو مضاربت پر دینے کا حق نہیں ہے اس لئے کہ وہ بھی ایک قسم کی شرکت ہے، لیکن صحیح روایت پہلی ہے، اور یہی مبسوط کی روایت ہے، کیونکہ مضاربت میں شرکت مقصود نہیں ہوتا، صرف نفع حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسے کسی کو اجرت پر کام کرنے کو لے لے، بلکہ مضاربت میں یہ زیادہ بہتر ہے، کیونکہ نفع نہ ہو تو مضارب کچھ بھی نہیں لیتا ہے [جبکہ مزدور کو دینا ہی پڑتا ہے]

تشریح: پہلی روایت یہ ہے کہ شریک مال کو مضاربت پر دے سکتا ہے۔

وجہ :(۱) مضاربت میں نفع مقصود ہوتا ہے، شرکت مقصود نہیں ہے اس لئے مضاربت کر سکتا ہے۔(۲) شرکت کے مال کو اجرت پر تجارت کے لئے دو تو نفع نہ بھی ہو تب بھی مزدوری دینی پڑتی ہے، جبکہ مضارتب میں اگر نفع نہ ہو تو مضارب کو کچھ بھی نہیں دینا پڑتا ہے، اس لئے اجرت پر دے سکتا ہے تو مضاربت پر بھی دے سکتا ہے۔

لغت : تحصیل بدون ضمان فی ذمتہ: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ مضاربت میں نفع نہ ہو تو کچھ بھی لازم نہیں ہوتا ہے۔

ترجمہ:۳؎ بخلاف شرکت کا کام نہیں کر سکتا، اس لئے کہ کوئی چیز اپنی مثل نہیں کر سکتا۔

تشریح :شریک کسی کو شریک بنا کر شرکت کا کام نہیں کر سکتا، کیونکہ قاعدہ ہے کہ جس درجے کی چیز ہے اس سے کم درجے کام کرنے کا تو مالک ہوگا، اسی کے مثل کرنے کا مالک نہیں ہوگا۔

(۳۰۱۴) قَالَ: وَيُوَكِّلُ مَنْ يَتَصَرَّفُ فِيهِ لِ لِأَنَّ التَّوْكِيلَ بِالْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ مِنْ تَوَابِعِ التِّجَارَةِ وَالشَّرِكَةُ انْعَقَدَتْ لِلتِّجَارَةِ، ٢ بِخِلَافِ الْوَكِيلِ بِالشِّرَاءِ حَيْثُ لَا يَمْلِكُ أَنْ يُوَكِّلَ غَيْرَهُ لِأَنَّهُ عَقْدٌ خَاصٌّ طُلِبَ مِنْهُ تَحْصِيلَ الْعَيْنِ فَلَا يَسْتَتْبِعُ مِثْلَهُ (۳۰۱۵) قَالَ: وَيَدُهُ فِي الْمَالِ يَدُ أَمَانَةٍ لِ لِأَنَّهُ قَبَضَ الْمَالَ بِإِذْنِ الْمَالِكِ.

ترجمہ:(۳۰۱۴) ایسے کسی کو وکیل بنائے جو تجارت کرے ۔

ترجمہ:لے اسلئے کہ خریدنے اور بیچنے کا وکیل بنانا تجارت کے تابع ہیں، اور شرکت اسلئے کیا ہے تا کہ تجارت کرے [اس لئے تجارت کا وکیل بنا سکتا]

تشریح:شرکت تجارت کے لئے ہے، اور تجارت کرنے کا وکیل بنانا تجارت کرنا ہے اس لئے تجارت کرنے کا وکیل بنا سکتا ہے۔

ترجمہ:۲ے خریدنے کا وکیل بنایا تھا وہ کسی دوسرے کو خریدنے کا وکیل نہیں بنا سکتا، اس لئے کہ یہ خاص عقد ہے جس سے متعین چیز کو حاصل کرنا ہے اس لئے اس کی مثل وکیل نہیں بنا سکتا۔

تشریح:خریدنے کا وکیل بنایا اب یہ وکیل چاہے کہ دوسرے کو اسی چیز کے خریدنے کا وکیل بنے دے تو ایسا نہیں کر سکتا۔

وجہ:دوسرے کو وکیل بنانا بھی پہلے کی طرح ہے اس لئے اپنے مثل کرنے کا مالک نہیں بنے گا

لغت:فلا یستتبع مثلہ:اپنے مثل کو تابع نہیں بنا سکتا۔یعنی وکیل بالشراء، دوسرے کو وکیل بالشراء نہیں بنا سکتا۔

ترجمہ:(۳۰۱۵) اور شریک کا قبضہ مال میں امانت کا قبضہ ہے۔

ترجمہ:لے اس لئے کہ مالک کی اجازت سے مال پر قبضہ کیا ہے۔

تشریح:یعنی شریک کے ہاتھ میں شریک کا جو مال ہے وہ امانت کے طور پر ہے۔اور بغیر زیادتی کے ہلاک ہو جائے تو اس پر ضمان لازم نہیں ہوگا۔

وجہ:(۱) شریک کی اجازت سے اسکا قبضہ ہے۔اور کسی بدلے کے بغیر قبضہ ہے اسلئے امانت کا قبضہ ہوگا (۲) ان کا استدلال اس اثر سے بھی ہے۔عن صالح بن دینار ان علیاؓ کان لا یضمن الاجیر المشترک. (مصنف ابن ابی شیبۃ ۵۴ فی الاجیر یضمن ام لا؟ ج رابع ص ۳۱۶، نمبر ۲۰۴۸۹) اس اثر میں اجیر مشترک نے مالک کی اجازت سے قبضہ کیا ہے اسلئے اس پر حضرت علیؓ نے ضمان لازم نہیں کیا۔اسی طرح شریک نے مالک کی اجازت سے قبضہ کیا ہے اسلئے اسکا قبضہ امانت کا قبضہ ہوگا (۳) قول تابعی میں ہے۔عن الحسن قال المضارب مؤتمن وان تعدی امرک (مصنف عبد الرزاق، باب ضمان المقارض اذا تعدی ولمن الربح، ج ثامن، ص ۱۹۶، نمبر ۱۵۲۰۰) اس قول تابعی میں ہے کہ مضارب امین ہے تو شریک بھی امین ہوگا اور جو مال اسکے ہاتھ میں ہے وہ امانت کا مال ہے۔

۲ لَا عَلٰى وَجْهِ الْبَدَلِ وَالْوَثِيقَةِ فَصَارَ كَالْوَدِيعَةِ.

(۳۰۱۶) قَالَ: وَأَمَّا شَرِكَةُ الصَّنَائِعِ [وَتُسَمّٰى شَرِكَةَ التَّقَبُّلِ] كَالْخَيَّاطِينَ وَالصَّبَّاغِينَ يَشْتَرِكَانِ عَلَى أَنْ يَتَقَبَّلَا الْأَعْمَالَ وَيَكُونَ الْكَسْبُ بَيْنَهُمَا فَيَجُوزُ ذٰلِكَ ۱ وَهٰذَا عِنْدَنَا. وَقَالَ زُفَرُ وَالشَّافِعِيُّ: لَا تَجُوزُ لِأَنَّ هَذِهِ شَرِكَةٌ لَا تُفِيدُ مَقْصُودَهَا وَهُوَ التَّثْمِيرُ؛ لِأَنَّهُ لَا بُدَّ مِنْ رَأْسِ الْمَالِ، وَهَذَا لِأَنَّ الشَّرِكَةَ فِي الرِّبْحِ تُبْتَنَى عَلَى الشَّرِكَةِ فِي الْمَالِ عَلَى أَصْلِهِمَا عَلَى مَا قَرَّرْنَاهُ.

ترجمہ:۲ بدل اور وثیقہ کے طور پر نہیں لیا ہے۔

تشریح: بھاو کرنے کے لئے کوئی مبیع لے جاتا ہے تو یہ بدلے کے لئے لے جاتا ہے اس لئے وہ امانت کا مال نہیں ہے بلکہ ضمانت کا مال ہے۔ اسی طرح رہن کے طور پر کوئی چیز لے کر جاتا ہے تو یہ ضمانت کے طور پر ہوتا ہے، کیونکہ وثیقہ اور مضبوط کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ شرکت کا مال نہ بھاو لے طور پر لیا، اور نہ رہن کے طور پر لیا ہے، اس لئے یہ امانت کا مال ہے۔

ترجمہ: (۳۰۱۶) اور شرکت صنائع یہ ہے [اس کو شرکت تقبل بھی کہتے ہیں] کہ دو درزی یا دو رنگریز شریک ہو جائیں اس بات پر کہ دونوں کام لیں گے اور کمائی دونوں میں تقسیم ہوگی، پس یہ جائز ہے۔

تشریح: دو کاریگر شریک ہو جائیں کہ ہم دونوں کام لیں گے اور کام کر کے دیں گے اور جو نفع ہوگا اس میں دونوں آدھا آدھا لے لیں گے یا شرط کے مطابق لیں گے۔ چونکہ کاریگری میں شرکت کی ہے اس لئے اس کو شرکت صنائع کہتے ہیں۔ اس صورت میں ایک شریک جو کام لے گا وہ دوسرے پر لازم ہوگا۔ اور دوسرا شریک بھی اس کام کرنے کا ذمہ دار ہوگا۔

وجہ: (۱) شرکت صنائع کا ثبوت اس حدیث میں ہے۔ **عن عبد اللہ قال اشترکت انا و عمار و سعد فیما نصیب یوم بدر قال فجاء سعد باسیرین ولم اجئ انا و عمار بشیء** (ابوداؤد شریف، باب فی الشرکۃ علی غیر رأس مال ص ۱۲۴ نمبر ۳۳۸۸ رنسائی شریف، باب شرکۃ الابدان ص ۱۴۱ نمبر ۳۹۶۹ رابن ماجہ شریف، باب الشرکۃ والمضاربۃ ص ۳۲۷ نمبر ۲۲۸۸) اس حدیث میں تین آدمیوں نے کام کرنے اور قیدی لانے پر شرکت کی جس سے معلوم ہوا کہ شرکت صنائع جائز ہے۔ (۲) اور نفع کے سلسلہ میں اثر گزر چکا ہے۔ **عن علی فی المضاربۃ الوضیعۃ علی المال، والربح علی ما اصطلحوا علیہ** (مصنف عبد الرزاق، باب نفقۃ المضارب ووضیعتہ ج ثامن ص ۱۹۱، نمبر ۱۵۱۲۶) (۳) یہ نفع اس بنیاد پر ہے کہ ایک آدمی دوسرے کے کام کا ذمہ دار ہے اور کام کر بھی رہا ہے۔ اس لئے شرکت بھی صحیح ہے اور نفع لینا بھی صحیح ہے۔

ترجمہ: ۱ یہ امام ابو حنیفہؒ کے یہاں ہے، اور امام زفرؒ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ یہ شرکت جائز نہیں ہے، کیونکہ اس میں مال نہیں ہے تو اس کا نفع بھی نہیں ہوگا، اور اسکی وجہ یہ ہے امام شافعیؒ کے قاعدے کے مطابق شرکت میں نفع کی بنیاد مال ہے، جیسا

۲؎ وَلَنَا أَنَّ الْمَقْصُودَ مِنْهُ التَّحْصِيلُ وَهُوَ مُمْكِنٌ بِالتَّوْكِيلِ، لِأَنَّهُ لَمَّا كَانَ وَكِيلًا فِي النِّصْفِ أَصِيلًا فِي النِّصْفِ تَحَقَّقَتْ الشَّرِكَةُ فِي الْمَالِ الْمُسْتَفَادِ ۳؎ وَلَا يُشْتَرَطُ فِيهِ اتِّحَادُ الْعَمَلِ وَالْمَكَانِ خِلَافًا لِمَالِكٍ وَزُفَرَ فِيهِمَا؛ لِأَنَّ الْمَعْنَى الْمُجَوِّزَ لِلشَّرِكَةِ وَهُوَ مَا ذَكَرْنَاهُ لَا يَتَفَاوَتُ.

(۳۰۱۷) وَلَوْ شَرَطَا الْعَمَلَ نِصْفَيْنِ وَالْمَالَ أَثْلَاثًا جَازَ.

کہ ہم نے پہلے بیان کیا۔

تشریح: یہاں عبارت پیچیدہ ہے۔ حاصل یہ ہے کہ امام شافعی، اور امام زفرؒ کے یہاں مال سے ہی نفع ہوتا ہے اور شرکت صنائع میں مال نہیں ہے بلکہ صرف کام کر کے نفع لینا ہے اس لئے انکے یہاں شرکت صنائع جائز نہیں ہے، اس مسئلے کی تفصیل پہلے بھی گزر چکی ہے۔

ترجمہ: ۲؎ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ شرکت کا مقصود نفع ہے اور نفع میں وکیل بنا کر یہ ممکن ہے، اس لئے کہ جب آدھے میں وکیل ہوا تو آدھے میں اصیل ہوگا اور نفع میں شرکت ہو جائے گی۔

تشریح: ہماری دلیل کا حاصل یہ ہے کہ مقصود نفع حاصل کرنا ہے، اور نفع میں شرکت کر لی جائے کہ آدھا اس کا ہوا اور آدھا شریک کا ہوا اتنا ہی کافی ہے، اس کے لئے مال ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ: ۳؎ شرکت صنائع میں مکان اور کام بھی ایک ہو اس کی بھی ضرورت نہیں ہے، امام مالک اور امام زفرؒ اس کے خلاف ہیں، کیونکہ جائز شرکت معنی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

تشریح: دونوں شریک کا ایک ہی کام ہو اس کی ضرورت نہیں ہے، ایک آدمی رنگ کا کام کرے اور دوسرا آدمی درزی کا کام کرے اور دونوں شرکت کر لے تب بھی جائز ہے، اسی طرح ایک جگہ پر دونوں کا کام کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ الگ الگ کام کرے اور شرکت کر لے تب بھی جائز ہے

وجہ: اصل مقصود نفع کمانا ہے اس لئے نفع میں شرکت کر لے اتنا ہی کافی ہے۔

امام مالک اور امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ کام بھی ایک ہو اور جگہ بھی ایک ہو تب شرکت صنائع ہوگی، انکے یہاں شرکت کے لئے کام کو خلط ملط کرنا ضروری ہے۔

ترجمہ: (۳۰۱۷) اگر شرط لگائی کہ کام آدھا کرے اور نفع ایک تہائی اور دو تہائی ہو تو بھی جائز ہے۔

تشریح: کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک کام کرنے والا تجربہ کار اور ماہر ہوتا ہے اور دوسرا اتنا ماہر نہیں ہوتا اور کام سستی سے کرتا ہے اس لئے ایک نے دو تہائی نفع لیا اور دوسرے نے ایک تہائی رقم لی تب بھی جائز ہوگا۔

۱ۦ وَفِي الْقِيَاسِ: لَا يَجُوزُ؛ لِأَنَّ الضَّمَانَ بِقَدْرِ الْعَمَلِ، فَالزِّيَادَةُ عَلَيْهِ رِبْحُ مَا لَمْ يُضْمَنْ فَلَمْ يَجُزْ الْعَقْدُ لِتَأْدِيَتِهِ إلَيْهِ، وَصَارَ كَشَرِكَةِ الْوُجُوهِ، ۲ۦ وَلَكِنَّا نَقُولُ: مَا يَأْخُذُهُ لَا يَأْخُذُهُ رِبْحًا لِأَنَّ الرِّبْحَ عِنْدَ اتِّحَادِ الْجِنْسِ، وَقَدْ اخْتَلَفَ لِأَنَّ رَأْسَ الْمَالِ عَمَلٌ وَالرِّبْحَ مَالٌ فَكَانَ بَدَلَ الْعَمَلِ وَالْعَمَلُ يُتَقَوَّمُ بِالتَّقْوِيمِ فَيَتَقَدَّرُ بِقَدْرِ مَا قُوِّمَ بِهِ فَلَا يَحْرُمُ، ۳ۦ بِخِلَافِ شَرِكَةِ الْوُجُوهِ؛ لِأَنَّ جِنْسَ الْمَالِ مُتَّفِقٌ وَالرِّبْحُ يَتَحَقَّقُ فِي الْجِنْسِ الْمُتَّفِقِ، وَرِبْحُ مَا لَمْ يُضْمَنْ لَا يَجُوزُ إلَّا فِي الْمُضَارَبَةِ.

(۳۰۱۸) قَالَ: وَمَا يَتَقَبَّلُهُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِنْ الْعَمَلِ يَلْزَمُهُ وَيَلْزَمُ شَرِيكَهُ

ترجمہ :۱ۦ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ جائز نہ ہواس لئے کہ نفع کام کی مقدار سے ہوتا ہےاوراس پر زیادہ کرنا، ربح مالم یضمن ہے۔اس لئے ربح مالم یضمن تک پہنچنے کی وجہ سے یہ عقد جائز نہ ہو، جیسے شرکت وجوہ میں جائز نہیں ہے،۔

تشریح : قیاس کا تقاضی ہے کہ یہ شرکت صحیح نہ ہواس لئے کہ جتنا کام ہواسی کے حساب سے نفع ملنا چاہئے،اس لئے اس سے جوزیادہ نفع ملاوہ ربح مالم یضمن ہوا،تو جس طرح شرکت وجوہ میں کم زیادہ جائز نہیں ہے یہاں بھی جائز نہیں ہونی چاہئے۔

ترجمہ:۲ۦ لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ ربح نہیں ہے، کیونکہ ربح اس کو کہتے ہیں جواتحاد جنس سے ہو یعنی مال سے ہو،اور یہاں تو دونوں الگ الگ ہیں،اس لئے کہ یہاں راس المال کام ہے،اورربح جو ہے وہ مال ہے،تو یہاں نفع کام کا بدلہ ہوا،اورکام کی جو قیمت لگائی جائے وہ ہوجاتی ہےاس لئے کام کی جتنی قیمت لگائی جائے گی وہ حلال ہوجائے گا۔

تشریح: یہاں عبارت پیچیدہ ہے۔ہم یہ کہتے ہیں کہ ربح مالم یضمن اس کو کہتے ہیں جو مال کا نفع ہو،اور یہاں مال کا نفع نہیں ہے، کیونکہ یہاں مال ہی نہیں ہے، یہاں کام کا نفع ہے،اورکام ماہر والے کا ہوتو نفع زیادہ لے سکتا ہے۔

ترجمہ:۳ۦ بخلاف شرکت وجوہ کےاس لئے کہ وہاں مال کی جنس متفق ہےاورنفع متفق جنس سے متحقق ہورہا ہے۔اورربح ما لم یضمن صرف مضاربت میں جائز ہے۔

تشریح :شرکت وجوہ میں ہر شریک اپنی کوشش سے مال ہی لاتا رہاہے،اس لئے وہاں نفع مال کا ہی ہے کام کا نہیں ہے،اس لئے جتنا مال ہےاسی حساب سے نفع ملنا چاہئے تا کہ ربح مال یضمن ، نہ ہو۔آگے فرماتے ہیں کہ صرف مضاربت میں ربح مالم یضمن جائز ہے۔

لغت:الربح یتحقق فی الجنس المتفق:اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جنس متفق،یعنی درہم اوردینار کا نفع ہوتا ہے۔

ترجمہ :(۳۰۱۸)دونوں میں سے ایک نے کام کوقبول کیا تو شریک پر بھی یہ کام لازم ہوجائے گا۔

لے حَتَّى إِنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يُطَالَبُ بِالْعَمَلِ وَيُطَالِبُ بِالْأَجْرِ وَيَبْرَأُ الدَّافِعُ بِالدَّفْعِ إِلَيْهِ ۲ وَهٰذَا ظَاهِرٌ فِي الْمُفَاوَضَةِ وَفِي غَيْرِهَا اسْتِحْسَانٌ. وَالْقِيَاسُ خِلَافُ ذٰلِكَ لِأَنَّ الشَّرِكَةَ وَقَعَتْ مُطْلَقَةً وَالْكَفَالَةُ مُقْتَضَى الْمُفَاوَضَةِ. ۳ وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّ هٰذِهِ الشَّرِكَةَ مُقْتَضِيَةٌ لِلضَّمَانِ؛ لے أَلَا تَرَى أَنَّ مَا يَتَقَبَّلُهُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِنَ الْعَمَلِ مَضْمُونٌ عَلَى الْآخَرِ، وَلِهٰذَا يَسْتَحِقُّ الْأَجْرَ بِسَبَبِ نَفَاذِ تَقَبُّلِهِ عَلَيْهِ فَجَرَى مَجْرَى الْمُفَاوَضَةِ فِي ضَمَانِ الْعَمَلِ وَاقْتِضَاءِ الْبَدَلِ.

ترجمہ:لے یہی وجہ ہے کہ دونوں سے کام کا مطالبہ کرسکتا ہے،اور دونوں ہی گاہک سے اجرت مانگ سکتا ہے۔اور کسی ایک شریک کو اجرت دے دی تو دینے والا اجرت سے بری ہوجائے گا۔

تشریح :یہاں تین باتیں بیان کررہے ہیں۔[ا]شرکت صنائع میں ایک شریک نے کام قبول کیا تو یہ کام دوسرے شریک پر بھی لازم ہوجائے گا،چنانچہ گاہک دوسرے شریک سے بھی کام کرنے کا مطالبہ کرسکتا ہے۔[۲]اور دوسرا شریک گاہک سے اجرت بھی وصول کرسکتا ہے۔[۳]اور گاہک دوسرے شریک کو اجرت دے دے تو اجرت کی ادائیگی ہوجائے گی۔

وجہ:شرکت صنائع میں ایک قسم کا مفاوضہ بھی ہوتا ہے اس لئے دونوں شریک اس کا ذمہ دار ہوتا ہے۔

ترجمہ :۲ شرکت صنائع میں مفاوضہ بھی کرلیا تو تب تو ظاہر ہے[کہ کسی ایک کو اجرت دینے سے اجرت پوری ہوگئی]،لیکن اگر مفاوضہ نہیں ہے تب بھی استحسان کا تقاضہ یہ ہے کہ دینے سے اجرت پوری ہوجائے،اور قیاس اس کے خلاف ہے اس لئے کہ مطلق شرکت ہوئی ہے اور مفاوضہ میں کفالہ بھی ہوتا ہے۔

تشریح :شرکت صنائع میں شرکت مفاوضہ بھی کرلیا تب تو ظاہر ہے کہ ہر ایک شریک ذمہ دار بن جائے گا،لیکن اگر شرکت مفاوضہ نہیں کیا تو قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ ہر ایک شریک ذمہ دار نہ ہو،اور دوسرے شریک کو اجرت دینے سے اجرت کی ادائیگی نہ ہو،کیونکہ یہ شرکت مطلق ہے،جس میں ہر ایک کے کفیل ہونے کی شرط نہیں ہے۔

ترجمہ :۳ استحسان کی وجہ یہ ہے کہ اس شرکت میں ہر شریک ضامن ہوتا ہے،کیوں آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ ایک شریک کام قبول کرے تو دوسرے پر بھی کام لازم ہوجاتا ہے،اور اس پر کام لازم ہونے کی وجہ سے وہ اجرت لینے کا بھی مستحق ہوجاتا ہے، اس لئے یہ شرکت کام کے ضمان لازم ہونے میں مفاوضہ کے قائم مقام ہے اور بدل کا تقاضہ کرتا ہے۔

تشریح:استحسان کا تقاضہ یہ ہے کہ اس میں کفالہ بھی ہے،کیونکہ کام کرنے کا ضامن دونوں ہوتے ہیں،اور دونوں اجرت کے مستحق ہوتے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اندرخانہ کفالہ بھی ہے اسلئے ایک کو اجرت دے تو اس سے اجرت کی ادائیگی ہوجائے گی۔

لغت :یستحق الاجر بسبب نفاذ تقبلہ فجری مجری المفاوضۃ؛اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے شریک پر بھی کام کی ذمہ

(۳۰۱۹) قَالَ: وَأَمَّا شَرِكَةُ الْوُجُوهِ فَالرَّجُلَانِ يَشْتَرِكَانِ وَلَا مَالَ لَهُمَا عَلَى أَنْ يَشْتَرِيَا بِوُجُوهِهِمَا وَيَبِيعَا فَتَصِحَّ الشَّرِكَةُ عَلَى هٰذَا ۱؎ سُمِّيَتْ بِهِ لِأَنَّهُ لَا يَشْتَرِي بِالنَّسِيئَةِ إِلَّا مَنْ كَانَ لَهُ وَجَاهَةٌ عِنْدَ النَّاسِ، ۲؎ وَإِنَّمَا تَصِحُّ مُفَاوَضَةً لِأَنَّهُ يُمْكِنُ تَحْقِيقُ الْكَفَالَةِ وَالْوَكَالَةِ فِي الْأَبْدَالِ، وَإِذَا أُطْلِقَتْ تَكُونُ عِنَانًا لِأَنَّ مُطْلَقَهُ يَنْصَرِفُ إِلَيْه.

داری آگئی ہے، اسی لئے وہ اجرت کا مستحق ہوتا ہے، اس لئے یہ مفاوضہ کے درجے میں ہے۔ اقتضاء العمل، واقتضاء البدل: کام کی ذمہ داری بھی ہوتی ہے اور اجرت کا بھی تقاضہ کر سکتا ہے۔

ترجمہ :(۳۰۱۹) شرکت وجوہ یہ ہے کہ دو آدمی شریک ہو جائیں اور ان دونوں کے پاس مال نہ ہو اس بات پر کہ دونوں اپنے اپنے تعلقات سے خریدیں گے اور بیچیں گے تو اس طرح شرکت صحیح ہے۔

ترجمہ:۱؎ اس لئے کہ جس کا لوگوں کے درمیان رعب ہو وہی ادھار چیز خرید سکتا ہے۔

تشریح :شرکت وجوہ کی صورت یہ ہے کہ دونوں شریکوں کے پاس مال نہ ہوں بلکہ اپنے اپنے تعلقات سے دوسروں کے مال ادھار خریدیں اور بیچیں اور نفع کمائیں۔ اس طرح دو آدمی شرکت کر لے تو جائز ہے۔ اور اس شرکت کو وجوہ اس لئے کہتے ہیں کہ چہرہ اور رعب سے مال خرید اور بیچ رہا ہے۔ اس لئے اس شرکت کو شرکت وجوہ کہتے ہیں۔

وجہ:اس شرکت کے جواز کا ثبوت اس لمبے قول صحابی میں ہے۔ قال اخبرنی ابی قال کنت ابیع البز فی زمان عمر بن الخطاب وان عمر قال لایبیعه فی سوقنا اعجمی فانهم لم یفقهوا فی الدین ولم یقیموا فی المیزان والمکیال قال یعقوب فذهبت الی عثمان بن عفان فقلت له هل لک غنیمة باردة ؟ قال ماهی ؟ قلت بز قد علمت مکانه ببیعه صاحبه برخص لایستطیع بیعه اشتریه لک ثم ابیعه لک قال نعم الخ (موطاامام محمد، باب الشرکۃ فی البیع ص ۳۴۷) اس اثر میں حضرت یعقوب کے پاس مال نہیں تھا، حضرت عثمان سے کپڑا لیکر شرکت کی جس سے معلوم ہوا کہ شرکت وجوہ جائز ہے۔

لغت :وجوہ: اس کا معنی ہے، چہرہ، یہاں اس کا معنی ہے، رعب، جان پہچان۔

ترجمہ :۲؎ اس شرکت میں مفاوضہ بھی ہوگی اس لئے کہ مبیع اور ثمن میں وکالت اور کفالت دونوں ہونا ممکن ہے، لیکن جب مطلق شرکت کی تو شرکت عنان ہوگی اس لئے مطلق شرکت عنان کی طرف پھیرا جاتا ہے۔

تشریح :اس شرکت وجوہ میں شرکت مفاوضہ بھی ہوگی یا نہیں، اس بارے میں فرماتے ہیں کہ چونکہ اس شرکت میں مبیع بھی ہے اور ثمن بھی ہے اس لئے اس میں وکالت بھی ہوگی اور کفالت بھی ہوگی، اس لئے شرکت مفاوضہ ہو سکتی ہے، البتہ شرکت

۳؎ وَهِيَ جَائِزَةٌ عِنْدَنَا خِلافًا لِلشَّافِعِيِّ، وَالْوَجْهُ مِنَ الْجَانِبَيْنِ مَا قَدَّمْنَاهُ فِي شَرِكَةِ التَّقَبُّلِ.

(۳۰۲۰) قَالَ وَكُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا وَكِيلُ الْآخَرِ فِيمَا يَشْتَرِيهِ ۱؎ لِأَنَّ التَّصَرُّفَ عَلَى الْغَيْرِ لا يَجُوزُ إِلَّا بِوَكَالَةٍ أَوْ بِوِلَايَةٍ وَلَا وِلَايَةَ فَتَتَعَيَّنُ الْوَكَالَةُ.

(۳۰۲۱) فَإِنْ شَرَطَا أَنَّ الْمُشْتَرَى بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ وَالرِّبْحَ كَذٰلِكَ يَجُوزُ، وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَتَفَاضَلَا فِيهِ، وَإِنْ شَرَطَا أَنْ يَكُونَ الْمُشْتَرَى بَيْنَهُمَا أَثْلَاثًا فَالرِّبْحُ كَذٰلِكَ

مفاوضہ کا تذکرہ نہ ہوا ہو تو ایسی صورت میں شرکت عنان ہو جائے گی، کیونکہ جب مطلق شرکت ہوتی ہے تو اس سے شرکت عنان ہی قائم ہوتی ہے۔

ترجمہ :۳؎ ہمارے نزدیک یہ شرکت جائز ہے، خلاف امام شافعیؒ کے، شرکت تقبل میں دوں حضرات کی دلیل ہم نے بیان کردی ہے۔

تشریح :ہمارے نزدیک شرکت وجوہ جائز ہے، اور شافعیؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

وجہ :شرکت کے لئے ہمارے یہاں مال ہونا ضروری نہیں ہے، دونوں ایک دوسرے کا ذمہ دار بن جائے اور نفع میں شرکت ہو جائے تب بھی شرکت ہو سکتی ہے، اور شرکت وجوہ میں نفع میں شرکت ہوتی ہے، اور ایک دوسرے کا ذمہ دار بھی ہوتا ہے اس لئے یہ شرکت جائز ہے۔ اور امام شافعیؒ کے یہاں شرکت کے لئے مال کا ہونا ضروری ہے، اور یہاں کسی کے پاس مال نہیں ہے اس لئے شرکت وجوہ بھی نہیں ہوگی۔

ترجمہ:(۳۰۲۰) دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کا وکیل ہوگا اس چیز میں جو خریدا۔

تشریح :ایک شریک جو کچھ خریدے گا اس میں سے آدھا اس کا ہوگا اور آدھا شریک کا ہوگا۔

وجہ:اس شرکت میں بھی شریک دوسرے کا وکیل ہوتا ہے۔ اسلئے جو کچھ خریدے گا دوسرے کی وکالت کی وجہ سے آدھا اسکا ہوگا۔

ترجمہ :۱؎ اس لئے کہ دوسرے کے مال پر تصرف دو وجہ سے ہوتی ہے، وکالت ہو یا ولایت ہو، یعنی آپ کو مال دے دے، یہاں ولایت نہیں ہے اس لئے وکالت ہی ہوگی۔

تشریح :دوسرے کے مال پر تصرف کرنے کی دو صورتیں ہیں، یا یہ چیز آپ کو دے دے، اور آپ اس کا ولی بن جائیں تو تصرف کر سکتے ہیں، یا دوسرے آدمی کا آپ وکیل بن جائیں، اس وکالت کی بنیاد پر اس مال پر تصرف کریں۔ یہاں ولایت تو ہے نہیں اس لئے وکالت ہی ہوگی، یعنی شریک کا وکیل بن کر اس کے مال پر تصرف کریں۔

ترجمہ :(۳۰۲۱) پس اگر دونوں نے شرط کی کہ خریدی ہوئی چیز دونوں کی آدھی آدھی ہوگی تو نفع بھی ایسا ہی ہوگا یعنی آدھا آدھا

۱؎وَهٰذَا لِأَنَّ الرِّبْحَ لَايُسْتَحَقُّ إِلَّابِالْمَالِ أَوْالْعَمَلِ أَوْبِالضَّمَانِ فَرَبُّ الْمَالِ يَسْتَحِقُّهُ بِالْمَالِ، وَالْمُضَارِبُ يَسْتَحِقُّهُ بِالْعَمَلِ،وَالْأُسْتَاذُ الَّذِي يُلْقِي الْعَمَلَ عَلَى التِّلْمِيذِبِالنِّصْفِ بِالضَّمَانِ،وَلَا يُسْتَحَقُّ بِمَاسِوَاهَا؛أَلَاتَرَى أَنَّ مَنْ قَالَ لِغَيْرِهِ تَصَرَّفْ فِيْ مَالِكِ عَلَى أَنَّ لِي رِبْحَهُ لَمْ يَجُزْلِعَدَمِ هَذِهِ الْمَعَانِي. وَاسْتِحْقَاقُ الرِّبْحِ فِيْ شَرِكَةِ الْوُجُوهِ بِالضَّمَانِ عَلَى مَا بَيَّنَّا

ہوگا۔اوراس سے کمی زیادتی جائز نہیں ہے۔اوراگردونوں نے شرط کی کہ خریدی ہوئی چیز تین تہائی ہوگی تو نفع بھی اسی طرح ہوگا۔

تشریح :اگردونوں کاخریدا ہوامال آدھا آدھا ہےتو نفع بھی دونوں کا آدھا آدھا ہوگا۔اس سے کم زیادہ نفع لینا کسی شریک کے لئے جائز نہیں ہے۔اسی طرح اگر یہ شرط کی کہ ایک آدمی کی خریدی ہوئی چیز ایک تہائی ہوگی اور دوسرے کی دوتہائی ہوگی تو نفع بھی ہرایک کواسی مناسبت سے ہوگا۔یعنی جس کی ایک تہائی ہےاس کوایک تہائی نفع ملے گا اور جس کی دوتہائی ہے اس کو دو تہائی نفع ملے گا۔اس سے کم زیادہ نفع کی شرط کرنا جائز نہیں ہے۔

وجہ:(۱) نفع لینے کامدارتین باتوں میں سے ایک پر ہوتا ہے۔یا تو مال کی وجہ سے نفع لیتا ہو جیسے مضاربت میں مال والے کا مال ہوتا ہےاس لئے وہ نفع لیتا ہے۔یا کام کرنے کی وجہ سے نفع لیتا ہو جیسے مضارب کام کرنے کی وجہ سے نفع لیتا ہے۔اور تیسری شکل یہ ہے کہ ذمہ داری اور ضمان کی وجہ سے نفع لیتا ہو۔شرکت وجوہ میں نفع لینے کی وجہ یہ تیسری شکل ہے۔کیونکہ کسی کے پاس مال تو ہےنہیں اور نہ کوئی کام کرنے کی بنیاد پر نفع لے رہا ہے۔اس لئے اپنی ذمہ داری پر جتنا مال لائے گا اسی حساب سے نفع لینے کا مستحق ہوگا۔اس سے زیادہ نفع لینے سے بغیر ذمہ داری کے نفع لینا ہوگا۔اس لئے نفع مالم یضمن کے ماتحت ناجائز ہوگا(۲) اورربح مالم یضمن کی حدیث گزرچکی ہے۔عن ابن عمر قال رسول اللہ ﷺ لا یحل سلف وبیع ولا شرطان فی بیع ولا ربح مالم یضمن ولا بیع مالیس عندک ۔(ابوداؤدشریف،باب فی الرجل یبیع مالیس عندہ ص۱۳۹نمبر ۳۵۰۴رترمذی شریف،باب ماجاء فی کراھیۃ بیع مالیس عندہ ص۲۳۳نمبر۱۲۳۴)اس لئے اس حدیث کی بناپر جتنی ذمہ داری لے گا اتنا ہی نفع کا حقدار ہوگا۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اگر مال یا عمل نہ ہو بلکہ صرف ذمہ داری کی وجہ سے نفع کا حقدار ہوتو جتنی ذمہ داری ہوگی اتنے ہی نفع کا حقدار ہوگا۔

ترجمہ:۱؎ اس کی وجہ یہ ہے کہ نفع کا مستحق یا مال کی وجہ سے ہوتا ہے،یا کام کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے،یاذمہ داری لینے کی وجہ سے ہوتا ہے،پس رب المال مال کی وجہ سے نفع کا مستحق ہوتا ہے،اورمضارب کام کرنے کی وجہ سے نفع کا مستحق ہوتا ہے،اوراستاذ جوشاگردوں کوآدھے پرکام دیتا ہےوہ ذمہ داری کی وجہ سے نفع لیتا ہے،ان تین کے علاوہ کے طریقے سے نفع کا مستحق نہیں ہوتا،کیا

۲؎ وَالضَّمَانُ عَلَى قَدْرِ الْمِلْكِ فِي الْمُشْتَرَى وَكَانَ الرِّبْحُ الزَّائِدُ عَلَيْهِ رِبْحَ مَا لَمْ يُضْمَنْ فَلَا يَصِحُّ اشْتِرَاطُهُ إِلَّا فِي الْمُضَارَبَةِ وَالْوُجُوهُ لَيْسَتْ فِي مَعْنَاهَا، ۳؎ بِخِلَافِ الْعِنَانِ؛ لِأَنَّهُ فِي مَعْنَاهَا مِنْ حَيْثُ أَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يَعْمَلُ فِي مَالِ صَاحِبِهِ فَيُلْحَقُ بِهَا، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

آپ نہیں دیکھتے کہ دوسرے سے یوں کہیں آپ اپنے مال میں تصرف کریں اور نفع میرے لئے ہو تو یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ اس میں تینوں صورتوں میں سے کوئی نہیں ہے۔اور شرکت وجوہ میں نفع ذمہ داری کی وجہ سے آتا ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

تشریح: فرماتے ہیں کہ تین ذریعہ سے نفع کا مستحق ہوتا ہے۔[۱] مال لگائے تو اس کے نفع کا مستحق ہوتا ہے، جیسے مضاربت میں رب المال، مال لگاتا ہے تو وہ نفع کا مستحق ہوتا ہے۔[۲] کام کے ذریعہ نفع کا مستحق ہوتا ہے، جیسے مضارب کام کرتا ہے اور اس کے بدلے نفع لیتا ہے۔[۳] ذمہ داری کے ذریعہ نفع کا مستحق ہوتا ہے، جیسے کوئی ذمہ دار کام لیتا ہے، اور وہ کام مزدور سے کروالیتا ہے اور جو نفع بچتا ہے وہ لے لیتا ہے، لیکن یہ تین صورتیں نہ ہوں تو نفع کا مستحق نہیں ہوتا ہے، اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ، مثلا زید عمر سے کہے کہ تم اپنے مال میں کام کرو اور اس کا نفع مجھے دو تو یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ ان تینوں میں سے کچھ بھی نہیں ہے۔آگے فرماتے ہیں کہ شرکت وجوہ میں ذمہ داری کی وجہ سے نفع لیتا ہے۔

ترجمہ: ۲؎ اور خریدی ہوئی چیز میں جتنی ملکیت جس کی ہے اتنی ہی ذمہ داری ہے، اور اس سے زیادہ نفع لینا ربح مالم یضمن ہے اس لئے اس کی شرط لگانا صحیح نہیں ہے سوائے مضاربت کے، اور شرکت وجوہ مضاربت کے معنی میں نہیں ہے۔

تشریح: شرکت وجوہ میں جتنی چیز اپنی ذمہ داری پر لایا اسی کا وہ ذمہ دار ہے، اس لئے جتنی ذمہ داری ہے اتنا ہی نفع لینا چاہئے، اس لئے اس سے زیادہ نفع جائز نہیں ہوگا، کیونکہ وہ ربح مالم یضمن ہے۔

ترجمہ: ۳؎ بخلاف شرکت عنان کے اس لئے کہ وہ مضاربت کے معنی میں ہے اس لئے کہ دونوں شریک دوسرے ساتھی کے مال میں کام کرتا ہے اس لئے عنان کو مضاربت کے ساتھ ملحق کر دیا۔

تشریح: مضاربت میں مضارب رب المال کے لئے کام کرتا ہے، اسی طرح عنان کا ہر شریک دوسرے کے مال میں کام کرتا ہے، اس لئے شرکت عنان کو مضاربت کے ساتھ ملا دیا، اور مضاربت میں زیادہ نفع لے سکتا ہے تو شرکت عنان میں بھی زیادہ نفع لے سکتا ہے۔البتہ شرکت وجوہ میں زیادہ نفع نہیں لے سکتا۔

﴿فَصْلٌ فِي الشَّرِكَةِ الْفَاسِدَةِ﴾

(۳۰۲۲) وَلَا تَجُوزُ الشَّرِكَةُ فِي الِاحْتِطَابِ وَالِاصْطِيَادِ، وَمَا اصْطَادَهُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أَوِ احْتَطَبَهُ فَهُوَ لَهُ دُونَ صَاحِبِهِ، لِ وَعَلَى هٰذَا الِاشْتِرَاكُ فِي أَخْذِ كُلِّ شَيْءٍ مُبَاحٍ؛ لِأَنَّ الشَّرِكَةَ مُتَضَمِّنَةٌ مَعْنَى الْوَكَالَةِ، وَالتَّوْكِيلُ فِي أَخْذِ الْمَالِ الْمُبَاحِ بَاطِلٌ لِأَنَّ أَمْرَ الْمُوَكِّلِ بِهِ غَيْرُ صَحِيحٍ. وَالْوَكِيلُ يَمْلِكُهُ بِدُونِ أَمْرِهِ فَلَا يَصْلُحُ نَائِبًا عَنْهُ،

﴿فصل فی الشرکۃ الفاسدہ﴾

ترجمہ: (۳۰۲۲) نہیں جائز ہے شرکت ایندھن لانے میں، گھاس جمع کرنے میں اور شکار کرنے میں۔ اوران میں جوکوئی بھی شکار کرے گا یا ایندھن لائے گا وہ اسی کا ہوگا نہ کہ دوسرے کا۔

اصول: مباح چیزوں میں شرکت صحیح نہیں ہے۔

تشریح: یہ مسئلہ اس قاعدے پر ہے کہ جو چیزیں مباح ہیں اوراس پر جو قبضہ کرلے اسی کی مفت ہوجاتی ہیں۔ ان میں شرکت کی ضرورت نہیں ہے، اور نہ ان میں وکالت درست ہے۔

وجہ: (۱) کیونکہ جوں ہی اس پر قبضہ کرلیا وہ چیز اس کی ہوگئی تو دوسرے کی وکالت کی کیا ضرورت ہے؟ مثلا ایندھن کی لکڑی جنگلوں میں مفت ملتی ہے جو اس کو چنے گا اسی کی ہوجائے گی۔ گھاس جنگلون میں مفت ملتی ہے اس لئے جو اس کو کاٹے گا اسی کی ہوجائے گی۔ یہی حال شکار کے جانور کا ہے (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے کہ جو ان مباح چیزوں پر قبضہ کرے گا اسی کی ہو جائے گی۔ عن ابیض بن جمال ... فقال رسول الله ﷺ هو منک صدقة وهو (الملح) مثل الماء العد من ورده اخذه . (ابن ماجہ شریف، باب اقطاع الانہار والعیون ص ۳۵۵ نمبر ۲۴۷۵) اس حدیث میں ہے کہ نمک وغیرہ پر جو قبضہ کرے گا اسی کا ہوجائے گا۔ (۳) عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ المسلمون شركاء فى الثلاث ، فى الماء و الكلاء و النار وثمنه حرام ۔ (ابن ماجہ شریف، باب المسلمون شرکاء فی الثلاث، ص ۳۵۴ نمبر ۲۴۷۲) اس حدیث میں ہے کہ پانی، اورگھاس اور آگ سبھی کا ہے، یعنی وہ مباح ہے۔

لغت: الاحتطاب: حطب سے مشتق ہے، جمع کرنا۔ الاحتشاش: حشیش سے مشتق ہے، گھاس کاٹنا۔ الاصطیاد: صید سے مشتق ہے، شکار کرنا۔

۲ وَإِنَّمَا يَثْبُتُ الْمِلْكُ لَهُمَا بِالْأَخْذِ وَإِحْرَازِ الْمُبَاحِ، فَإِنْ أَخَذَاهُ مَعًا فَهُوَ بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ لِاسْتِوَائِهِمَا فِي سَبَبِ الِاسْتِحْقَاقِ، وَإِنْ أَخَذَهُ أَحَدُهُمَا وَلَمْ يَعْمَلْ الْآخَرُ شَيْئًا فَهُوَ لِلْعَامِلِ، ۳ وَإِنْ عَمِلَ أَحَدُهُمَا وَأَعَانَهُ الْآخَرُ فِي عَمَلِهِ بِأَنْ قَلَعَهُ أَحَدُهُمَا وَجَمَعَهُ الْآخَرُ، أَوْ قَلَعَهُ وَجَمَعَهُ وَحَمَلَهُ الْآخَرُ فَلِلْمُعِينِ أَجْرُ الْمِثْلِ ۴ بَالِغًا مَا بَلَغَ عِنْدَ مُحَمَّدٍ. وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ لَا يُجَاوَزُ بِهِ نِصْفُ ثَمَنِ ذَلِكَ، وَقَدْ عُرِفَ فِي مَوْضِعِهِ.

ترجمہ :۱ اس قاعدہ پر ہر وہ چیز جو مباح ہے اس کے لینے میں شرکت جائز نہیں ہے، اس لئے کہ شرکت میں وکالت ہوتی ہے، اور مباح مال میں وکیل بنانا باطل ہے اس لئے کہ موکل کا حکم دینا اس میں صحیح نہیں ہے، موکل کے حکم کے بغیر بھی وکیل اس چیز کا مالک ہے اس لئے وکیل موکل کا نائب نہیں بن سکتا۔

تشریح :جتنی بھی چیز مباح ہے اس میں شرکت نہیں ہوگی۔ شرکت میں وکالت ہوتی ہے، اور مباح چیز میں وکیل بنانا صحیح نہیں ہے، کیونکہ موکل کے حکم کے بغیر بھی وکیل اس چیز کو لے سکتا ہے اور مالک بن سکتا ہے اس لئے وکیل بنانے سے فائدہ نہیں ہے، اس لئے اس میں شرکت بھی نہیں ہے۔

ترجمہ :۲ دونوں کی ملکیت لینے سے اور جمع کرنے سے ہوگی۔ اگر دونوں نے ساتھ ساتھ لیا تو سبب کے برابر ہونے کی وجہ سے دونوں کو آدھا آدھا ملے گا، اور اگر ایک نے حاصل کیا اور دوسرے نے کچھ نہیں کیا تو حاصل کرنے والے کی ملکیت ہوگی۔

تشریح :مباح چیز کو لینے اور حاصل کرنے سے ملکیت ہو جائے گی، پس اگر دونوں نے لیا تو دونوں مالک ہوں گے، کیونکہ دونوں کا سبب برابر ہے، اور اگر ایک نے لیا اور دوسرے نے کچھ نہیں کیا تو لینے والا مالک بنے گا، اور دوسرے کو کچھ نہیں ملے گا۔

ترجمہ :۳ اور اگر ایک نے لیا اور دوسرے نے اس کی مدد کی، مثلا ایک نے درخت اکھیڑا اور دوسرے نے جمع کیا، یا ایک نے اکھیڑا اور جمع کیا اور دوسرا لاد کر لے گیا تو مدد کرنے والے کو مثلی اجرت ملے گی۔

تشریح :اگر ایک نے لیا اور دوسرے نے اس کی مدد کی تو لینے والے کی ملکیت ہوگی، اور مدد کرنے والے کو بازار میں اس کی جو اجرت ہو سکتی ہے وہ ملے گی۔

ترجمہ :۴ امام محمدؒ کے یہاں یہ اجرت جتنی بھی ہو جائے، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک آدھی قیمت سے زیادہ نہیں ہونی چاہئے، اس کی تفصیل دوسری جگہ الاجارۃ الفاسدہ میں موجود ہے۔

تشریح :امام محمدؒ کے یہاں مثلی اجرت جتنی بھی ہو سکتی ہو وہ ملے گی، چاہے اس چیز کی آدھی قیمت سے برابر ہو یا اس سے زیادہ ہو جائے۔ اور امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے کہ زیادہ سے زیادہ اجرت اس چیز کی آدھی قیمت ہو اس سے زیادہ اس کو اجرت

(۳۰۲۳) قَالَ: وَإِذَا اشْتَرَكَا وَلِأَحَدِهِمَا بَغْلٌ وَلِلْآخَرِ رَاوِيَةٌ يَسْتَقِي عَلَيْهَا الْمَاءَ فَالْكَسْبُ بَيْنَهُمَا لَمْ تَصِحَّ الشَّرِكَةُ، وَالْكَسْبُ كُلُّهُ لِلَّذِي اسْتَقَى، وَعَلَيْهِ أَجْرُ مِثْلِ الرَّاوِيَةِ إِنْ كَانَ الْعَامِلُ صَاحِبَ الْبَغْلِ، وَإِنْ كَانَ صَاحِبَ الرَّاوِيَةِ فَعَلَيْهِ أَجْرُ مِثْلِ الْبَغْلِ ۱؎ أَمَّا فَسَادُ الشَّرِكَةِ فَلِانْعِقَادِهَا عَلَى إِحْرَازِ الْمُبَاحِ وَهُوَ الْمَاءُ، ۲؎ وَأَمَّا وُجُوبُ الْأَجْرِ فَلِأَنَّ الْمُبَاحَ إِذَا صَارَ مِلْكًا لِلْمُحْرِزِ وَهُوَ الْمُسْتَقِي، وَقَدْ اسْتَوْفَى مَنَافِعَ مِلْكِ الْغَيْرِ وَهُوَ الْبَغْلُ أَوْ الرَّاوِيَةُ بِعَقْدٍ فَاسِدٍ فَيَلْزَمُهُ أَجْرُهُ.

نہیں ملے گی، کیونکہ چیز لینے والے کا بھی آدھا حق ہے۔اس کی تفصیل اجرت فاسدہ کے باب میں ہے۔

ترجمہ: (۳۰۲۳) اگر دو آدمی شریک ہو جائے ان مین سے ایک کا خچر ہے اور دوسرے کا مشک ہے کہ اس سے پانی کھینچیں گے اور کمائی دونوں کی ہوگی تو یہ شرکت صحیح نہیں ہے۔کمائی اسی کی ہوگی جس نے پانی کھینچا ہے۔ہاں اس پر مشک کی اجرت مثل واجب ہوگی اگر کام کرنے والا خچر والا ہے۔اور اگر کام کرنے والا مشک والا ہے تو اس پر خچر کی اجرت مثل واجب ہوگی۔

تشریح: دو آدمی ملے، ایک کا خچر ہے اور دوسرے کا مشک ہے کہ اس سے پانی کھینچ کر پلائیں گے اور نفع کمائیں گے۔تو اس صورت میں جس نے کام کیا ہے پوری اجرت اسی کی ہوگی۔اور دوسرے کو اس کی چیز کی اجرت مل جائے گی۔پس اگر خچر والے نے پانی پلایا تو نفع اس کا ہوگا اور مشک والے کو مشک کی اجرت واجب ہوگی۔اور مشک والے نے کام کیا ہے تو نفع مشک والے کا ہوگا اور خچر والے کو خچر کی اجرت ملے گی۔

وجہ: پانی مباح ہے اس کے نکالنے میں شرکت کرنا شرکت فاسدہ ہے اس لئے شرکت فاسد ہوگی۔اس لئے جس آدمی نے پانی پر قبضہ کیا پانی اسی کا ہوا اور نفع بھی اسی کا ہوا۔اور دوسرے کو اس کی چیز کی اجرت مل جائے گی۔

اصول: پانی مباح ہے، اس لئے جس نے اس پر قبضہ کیا، یعنی اس کو کنواں سے کھینچ کر باہر نکالا، پانی اسی کا ہے، باقی دوسرے لوگ مزدور ہیں، ان کو انکی مزدوری ملے گی۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ شرکت فاسدہ میں مدد کرنے والے کو یا جس کا سامان استعمال ہوا ہے انکو اسکی اجرت مثل مل جائیگی۔

لغت: استقی : پانی پلانا، سیراب کرنا۔ الراویۃ : مشک، چرس۔

ترجمہ: ۱؎ شرکت اس لئے فاسد ہے کہ مباح چیز کے جمع کرنے پر عقد ہوا ہے، یعنی پانی پر۔

تشریح: مباح چیز کے جمع کرنے پر شرکت کا عقد ہوا ہے اس لئے شرکت فاسد ہوگی۔

ترجمہ: ۲؎ خچر والے کو اس لئے اجرت دینی پڑے گی، کہ مباح چیز لینے والے کی جب ملکیت ہوگئی تو اس نے عقد فاسد کے ذریعہ غیر کا نفع حاصل کیا ہے اور وہ ہے خچر، یا مشک تو اس پر اس کی اجرت لازم ہوگی۔

(۳۰۲۴) وَكُلُّ شَرِكَةٍ فَاسِدَةٍ فَالرِّبْحُ فِيهِمَا عَلَى قَدْرِ الْمَالِ، وَيَبْطُلُ شَرْطُ التَّفَاضُلِ ۱؎ لِأَنَّ الرِّبْحَ فِيهِ تَابِعٌ لِلْمَالِ فَيَتَقَدَّرُ بِقَدْرِهِ، كَمَا أَنَّ الرِّيعَ تَابِعٌ لِلْبَذْرِ فِي الزِّرَاعَةِ، وَالزِّيَادَةُ إِنَّمَا تُسْتَحَقُّ بِالتَّسْمِيَةِ، وَقَدْ فَسَدَتْ فَبَقِيَ الِاسْتِحْقَاقُ عَلَى قَدْرِ رَأْسِ الْمَالِ.

تشریح : خچر والے، یا مشک والے کو کیوں اجرت دینی پڑتی ہے اس کی وجہ بیان کر رہے ہیں، کہ پانی پر قبضہ کرنے کی ملکیت ہوگئی، اور دوسرے سے عقد فاسد کے ذریعہ نفع حاصل کیا ہے، تو اس کی اجرت لازم ہوگی۔

لغت : محرز: حرز، سے مشتق ہے، جمع کرنے والا۔ بغل: خچر۔ راویۃ: مشک، چمڑے کا تھیلا، جس میں پانی بھرتے ہیں، اور کنواں سے نکالتے ہیں۔

وجہ: قاعدہ یہ ہے کہ عقد فاسد ہوجائے تو مزدوری والے کو اس کی مزدوری دینی پڑتی ہے۔ کیونکہ غیر سے کام لیا ہے۔

ترجمہ: (۳۰۲۴) ہر فاسد شرکت میں نفع اس میں اصل مال کے حساب سے تقسیم ہوگا اور کمی بیشی کی شرط باطل ہوگی۔

تشریح : جن جن موقعوں پر شرکت فاسد ہوجائے تو جس شریک کا جتنا مال ہوگا اسی حساب سے نفع تقسیم کیا جائے گا۔ اور اگر حصہ سے زیادہ نفع لینے کی شرط ہو تو وہ باطل ہوگی۔

وجہ :(۱) شرکت فاسدہ میں نفع اصل مال کے تابع ہوتا ہے۔ جس طرح مزارعت فاسدہ میں غلہ بیج کے تابع ہو کر تمام غلہ بیج والے کو مل جاتا ہے۔ پس جب نفع اصل مال کے تابع ہوا تو جس کا جتنا مال ہوگا اسی حساب سے نفع تقسیم ہوگا (۲) نفع اصل مال کے تابع ہونے کی دلیل یہ اثر ہے۔ **عن مجاهد قال اشترک اربعة رهط علی عهد رسول الله ﷺ فی زرع فقال احدهم قبلی الارض وقال الآخر قبلی الفدان وقال الآخر قبلی البذر وقال الآخر علی العمل فلما استحصد الزرع تفاتوا فیه الی النبی ﷺ فجعل الزرع لصاحب البذر والغی صاحب الارض وجعل لصاحب الفدان شیئا معلوما و جعل لصاحب العمل درهما کل یوم** (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۳۷۷ القوم یشترکون فی الزرع، ج رابع، ص ۵۰۶، نمبر ۲۲۵۵۶) اس اثر میں پوری زراعت دانے والے کو دی گئی۔ کیونکہ زراعت پیدا ہونے کی اصل جڑ بیج ہی ہے۔ اسی پر قیاس کرتے ہوئے نفع اصل مال کی پیداوار ہے اس لئے نفع مال کے حساب سے تقسیم ہوگا۔ اور کمی زیادتی کی شرط باطل ہوگی۔ (۳) حضرت ابوقلابہ کا یہ جملہ ہے۔ **عن ابی قلابة الضمان علی من تعدی والربح لصاحب المال** (مصنف عبد الرزاق، باب ضمان المقارض اذا تعدی ولمن الربح ج ثامن ص ۱۹۵ نمبر ۱۵۱۸۹) اس قول تابعی میں نفع مال کو دیا گیا ہے۔

ترجمہ:۱؎ اس لئے کہ نفع مال کے تابع ہوتا ہے، اس لئے جتنا مال ہوگا اسی حساب سے نفع ہوگا، جیسے کاشتکاری میں غلہ بیج کے تابع ہوتا ہے، اور جو زیادہ نفع کی بات تھی وہ متعین کرنے سے مستحق ہوتا تھا، اور وہ تعین فاسد ہوگیا تو اب راس المال کی

(۳۰۲۵)وَإِذَا مَاتَ أَحَدُ الشَّرِيكَيْنِ أَوْ ارْتَدَّ وَلَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ بَطَلَتْ الشَّرِكَةُ ۱؎ لِأَنَّهَا تَتَضَمَّنُ الْوَكَالَةَ، وَلَا بُدَّ مِنْهَا لِتَتَحَقَّقَ الشَّرِكَةُ عَلَى مَا مَرَّ، وَالْوَكَالَةُ تَبْطُلُ بِالْمَوْتِ، وَكَذَا بِالِالْتِحَاقِ مُرْتَدًّا إذَا قَضَى الْقَاضِي بِلَحَاقِهِ؛ لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الْمَوْتِ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ مِنْ قَبْلُ. ۲؎ وَلَا فَرْقَ بَيْنَ مَا إذَا عَلِمَ الشَّرِيكُ بِمَوْتِ صَاحِبِهِ أَوْ لَمْ يَعْلَمْ؛ لِأَنَّهُ عَزْلٌ حُكْمِيٌّ، وَإِذَا بَطَلَتْ الْوَكَالَةُ بَطَلَتْ الشَّرِكَةُ، ۳؎ بِخِلَافِ مَا إذَا فَسَخَ أَحَدُ الشَّرِيكَيْنِ الشَّرِكَةَ وَمَالُ الشَّرِكَةِ دَرَاهِمُ وَدَنَانِيرُ حَيْثُ يَتَوَقَّفُ عَلَى عِلْمِ الْآخَرِ لِأَنَّهُ عَزْلٌ قَصْدِيٌّ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

مقدار مستحق ہونا باقی رہ گیا، اس لئے جتنا راس المال ہوگا اسی کے حساب سے نفع ملے گا، زیادہ نہیں ملے گا]

تشریح : یہاں ایک قاعدہ بیان کر رہے ہیں کہ جب کبھی بھی شرکت فاسد ہو جائے تو اب نفع کا معیار مال ہوگا، جس کا جتنا مال ہوگا اسی حساب سے نفع ملے گا، مثلا مال آدھا آدھا ہے تو نفع بھی ادھا آدھا ملے گا، اس سے زیادہ مانگے گا تو نہیں ملے گا۔

وجہ: اسکی وجہ یہ ہے کہ زیادہ نفع عقد کی وجہ سے تھا، اور شرکت فاسد ہونے کی وجہ سے عقد فاسد ہو گیا تو اب زیادہ نفع بھی نہیں ملے گا۔

لغت : بذر: بیج، دانہ۔ مزارعة: کھیتی۔ تسمیة: عقد کرنا، متعین کرنا۔

ترجمہ: (۳۰۲۵) اگر شریک میں سے کوئی ایک مر جائے یا مرتد ہو جائے اور دار الحرب چلا جائے تو شرکت باطل ہو جائے گی۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ شرکت میں وکالت بھی ہوتی ہے تاکہ شرکت متحقق ہو جائے، اور مرنے سے وکالت ختم ہو جاتی ہے [اسلئے شرکت ختم ہو جائے گی] ایسے ہی مرتد ہو کر دار الحرب میں مل جائے تو جیسا کہ پہلے بیان کیا وہ بھی موت کے درجے میں ہے۔

وجہ : شرکت کے لئے شریک کا وکیل ہونا شرط ہے۔ اور مر جانے سے وکالت ختم ہو جاتی ہے اس لئے شرکت ختم ہو جائے گی۔ مرتد ہو کر دار الحرب چلے جانے سے بھی شرکت ختم ہو جائے گی۔ کیونکہ مرتد ہونے کی وجہ سے وہ دوبارہ واپس نہیں آئے گا تو گویا کہ مرنے کے حکم میں ہو گیا اس لئے وکالت ختم ہو گئی۔

ترجمہ : ۲؎ اور اس بارے میں کوئی فرق نہیں ہے کہ شریک کو ساتھی کی موت کی خبر ہو یا نہ ہو، اس لئے کہ یہاں حکمی طور پر معزول کرنا ہے، اور جب وکالت ختم ہو گئی تو شرکت بھی ختم ہو گئی۔

تشریح : ایک شریک کے مرنے سے شرکت ختم ہو جائے گی چاہے دوسرے شریک کو موت کا علم ہو یا نہ ہو، دوسرے شریک کو خبر دینا ضروری نہیں ہے، اس لئے کہ یہاں حکمی طور پر معزول کرنا ہے۔

ترجمہ: ۳؎ بخلاف جب دو شریک میں سے ایک نے شرکت فسخ کی ہو تو دوسرے کو بتلانا ضروری ہے، کیونکہ قصدا عزل کرنا ہے۔

تشریح : قصدا عزل کرنا ہو تو دوسرے شریک کو بتلانا ضروری ہے، جب تک اسکو علم نہیں ہو تو معزول نہیں ہوگا، کیونکہ یہاں قصدا معزول کرنا ہے۔

﴿فَصْلٌ﴾

(۳۰۲۶) وَلَيْسَ لِأَحَدِ الشَّرِيكَيْنِ أَنْ يُؤَدِّيَ زَكَاةَ مَالِ الْآخَرِ إلَّا بِإِذْنِهِ، [لِأَنَّهُ لَيْسَ مِنْ جِنْسِ التِّجَارَةِ]

(۳۰۲۷)، فَإِنْ أَذِنَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا لِصَاحِبِهِ أَنْ يُؤَدِّيَ زَكَاتَهُ. فَإِنْ أَدَّى كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا فَالثَّانِي ضَامِنٌ عَلِمَ بِأَدَاءِ الْأَوَّلِ أَوْ لَمْ يَعْلَمْ، ل وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ. وَقَالَا: لَا يَضْمَنُ إذَا لَمْ يَعْلَمْ.

﴿فصل فی اداء الزکوۃ﴾

ترجمہ:(۳۰۲۶)شریک میں سے کسی ایک کیلئے جائزنہیں ہے کہ دوسرے کے مال کی زکوۃ ادا کرے مگر اسکی اجازت سے۔

ترجمہ:ل اس لئے کہ زکوۃ ادا کرنا تجارت کی جنس میں سے نہیں ہے۔

تشریح:دوسرے شریک کے حصے میں جو مال آتا ہے اگر وہ نصاب زکوۃ کی مقدار ہے تو پہلے شریک کے لئے جائز نہیں ہے کہ بغیر اس کے حکم اور اجازت کے اس کی زکوۃ ادا کرے، ہاں اگر وہ زکوۃ ادا کرنے کی اجازت دے تو زکوۃ ادا کر سکتا ہے۔

وجہ:زکوۃ دینا تجارت کے اعمال میں سے نہیں ہے اس لئے اس کا اختیار نہیں رکھتا۔

ترجمہ :(۳۰۲۷)پس اگر ان میں سے ہر ایک نے دوسرے کو اپنی زکوۃ ادا کرنے کی اجازت دی، پھر دونوں میں سے ہر ایک نے زکوۃ ادا کر دی تو بعد میں دینے والا ضامن ہوگا چاہے اسکو پہلے والے کے دینے کی خبر ہو یا نہ ہو امام صاحب کے نزدیک۔

ترجمہ:ل اور صاحبین فرماتے ہیں اگر اسے معلوم نہ ہو تو ضامن نہیں ہوگا۔

تشریح:ہر ایک شریک نے دوسرے کو زکوۃ ادا کرنے کی اجازت دی تھی۔ پھر دونوں اپنی اپنی زکوۃ بھی ادا کی اور شریک کی بھی ادا کر دی۔تو جس شریک نے بعد میں اپنے شریک کی زکوۃ ادا کی وہ تو زکوۃ واجب نہیں ہوئی وہ تو نفلی صدقہ ادا ہو گیا۔کیونکہ پہلے شریک نے تو اپنی زکوۃ پہلے ہی ادا کر دی تھی۔اسلئے بعد والے کا نفلی صدقہ ہوا۔اب بعد میں ادا کرنے والا پہلے والے کا ضامن ہوگا یا نہیں؟ تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ چاہے بعد والے کو پہلے والے کے ادا کرنے کی خبر ہو یا نہ ہو ہر حال میں وہ ضامن ہوگا۔

وجہ: پہلے شریک نے جوں ہی زکوۃ ادا کی تو دوسرا شریک زکوۃ ادا کرنے کی وکالت سے معزول ہو گیا۔اور جب وہ معزول ہو گیا تو اس کا ادا کرنا بیکار ہو گیا اس لئے جو کچھ شرکت کے مال سے ادا کیا اس کا حصے دار کے لئے ضمان ہوگا۔ چاہے اس کو معزول ہونے کی خبر نہ ہو۔

۲؎ وَهٰـذَا إِذَا أَدَّيَـا عَلَى التَّعَاقُبِ، أَمَّا إِذَا أَدَّيَا مَعًا ضَمِنَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا نَصِيبَ صَاحِبِهِ. وَعَلٰى هٰذَا الِاخْتِلَافِ الْمَأْمُورُ بِأَدَاءِ الزَّكَاةِ إِذَا تَصَدَّقَ عَلَى الْفَقِيرِ بَعْدَمَا أَدَّى الْآمِرُ بِنَفْسِهِ. ۳؎ لَهُمَا أَنَّهُ مَأْمُورٌ بِـالتَّـمْلِيكِ مِـنَ الْـفَـقِيرِ، وَقَدْ أَتَى بِهِ فَلَا يَضْمَنُ لِلْمُوَكِّلِ، وَهَذَا لِأَنَّ فِي وُسْعِهِ التَّمْلِيكَ لَا وُقُوعَهُ زَكَاةً لِتَعَلُّقِهِ بِنِيَّةِ الْمُوَكِّلِ، وَإِنَّمَا يُطْلَبُ مِنْهُ مَا فِي وُسْعِهِ وَصَارَ كَالْمَأْمُورِ بِذَبْحِ دَمِ الْإِحْصَارِ إِذَا ذَبَحَ بَعْدَمَا زَالَ الْإِحْصَارُ وَحَجَّ الْآمِرُ لَمْ يَضْمَنْ الْمَأْمُورُ عَلِمَ أَوْ لَا.

صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر بعد والے کو پہلے کے ادا کرنے کی خبر ہو تو تب تو ضامن ہوگا اور اگر خبر نہ ہو تو ضامن نہیں ہوگا۔

وجہ: بعد میں ادا کرنے والے شریک کو زکوۃ ادا کرنے کی اجازت تھی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ فقیر کو مالک بنانے کی اجازت تھی، چاہے وہ واجب زکوۃ کے طور پر ہو یا نفلی زکوۃ کے طور پر۔ اور اس کے حکم کے مطابق اس نے کی۔ اور اس کو پہلے والے کی زکوۃ ادا کر دینے کی خبر نہیں تھی اس لئے وہ ضامن نہیں ہوگا (۲) ادائیگی زکوۃ کی خبر کے بغیر اس نے اجازت کے مطابق عمل کیا ہے اس لئے وہ ضامن نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ علم کے بغیر وہ ادائیگی زکوۃ سے معزول نہیں ہوا۔

ترجمہ: ۲؎ یہ شریک پر ضمان لازم ہونا جب ہے کہ یکے بعد دیگرے زکوۃ ادا کی ہو، اور اگر دونوں نے ساتھ میں زکوۃ ادا کی تو دونوں ساتھی کے حصے کا ضامن ہوں گے، اور اسی اختلاف پر ہے اگر زکوۃ کی ادائیگی کا حکم دیا ہو، اور اس نے فقیر کو دے دیا، جبکہ حکم دینے والے نے خود بھی زکوۃ ادا کی تھی۔

تشریح: یکے بعد دیگرے ادا کیا ہو تو بعد والا ضامن بنے گا، لیکن شریک نے خود ادا کیا، اس کے بعد دونوں نے ساتھی کی جانب سے ایک ساتھ زکوۃ ادا کی تو اس صورت میں دونوں دوسرے کے حصے کا ضامن بنے گا۔ کیونکہ خود ادا کرنے کی وجہ سے دونوں معزول ہو گئے تھے اور معزول کے بعد ادا کیا تو دونوں ایک دوسرے کے حصے کا ضامن ہوں گے۔ یہی حال ہے اگر کسی نے کسی کو زکوۃ ادا کرنے کا وکیل بنایا پھر خود ہی زکوۃ ادا کر دی، اور بعد میں وکیل نے زکوۃ ادا کی تو اسی اختلاف پر ہے، کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وکیل ضامن بن جائے گا، اور صاحبینؒ کے یہاں ضامن نہیں بنے گا۔

ترجمہ: ۳؎ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ شریک نے فقیر کو مالک بنانے کا حکم دیا جو اس نے کر دیا اس لئے موکل کے لئے ضامن نہیں بنے گا، اس لئے کہ اس کے اختیار میں فقیر کو مالک بنانا تھا زکوۃ کو ادا کرنا نہیں تھا، کیونکہ اس کا مدار موکل کی نیت پر ہے، اس لئے جتنا اس کے اختیار میں ہے اسی کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اور ایسا ہو گیا کہ دم احصار کے لئے ذبح کرنے کا حکم دیا، پھر احصار ختم ہوا اور حج کیا اس کے بعد ذبح کیا، تو جس کو حکم دیا تو وہ ضامن نہیں بنے گا، مامور کو احصار ختم ہونے کا علم تھا یا نہیں تھا۔

تشریح: صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ شریک نے جب یہ کہا کہ زکوۃ ادا کرو تو گویا کہ یہ کہا کہ فقیر کو مالک بنا دو اور اس نے فقیر کو

۴ؑ وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ مَأْمُورٌ بِأَدَاءِ الزَّكَاةِ وَالْمُؤَدَّى لَمْ يَقَعْ زَكَاةً فَصَارَ مُخَالِفًا، وَهٰذَا لِأَنَّ الْمَقْصُودَ مِنَ الْأَمْرِ إِخْرَاجُ نَفْسِهِ عَنْ عُهْدَةِ الْوَاجِبِ؛ لِأَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّهُ لَا يَلْتَزِمُ الضَّرَرَ إِلَّا لِدَفْعِ الضَّرَرِ، وَهٰذَا الْمَقْصُودُ حَصَلَ بِأَدَائِهِ وَعَرَّى أَدَاءَ الْمَأْمُورِ عَنْهُ فَصَارَ مَعْزُولًا عَلِمَ أَوْ لَمْ يَعْلَمْ؛ لِأَنَّهُ عَزْلٌ حُكْمِيٌّ.

۵ؑ وَأَمَّا دَمُ الْإِحْصَارِ فَقَدْ قِيلَ هُوَ عَلٰى هٰذَا الِاخْتِلَافِ، وَقِيلَ بَيْنَهُمَا فَرْقٌ. وَوَجْهُهُ أَنَّ الدَّمَ لَيْسَ بِوَاجِبٍ عَلَيْهِ فَإِنَّهُ يُمْكِنُهُ أَنْ يَصْبِرَ حَتَّى يَزُولَ الْإِحْصَارُ. وَفِي مَسْأَلَتِنَا الْأَدَاءُ وَاجِبٌ فَاعْتُبِرَ الْإِسْقَاطُ مَقْصُودًا فِيهِ دُونَ دَمِ الْإِحْصَارِ.

مالک بنا دیا اس لئے اس پر ضمان لازم نہیں ہوگا، کیونکہ اس کے اختیار میں اتنا ہی تھا۔اس کی ایک مثال دی کہ، زید حج کرنے سے محصر ہو گیا، اس نے عمر کو حکم دیا کہ دم احصار ذبح کر دو، اس کے بعد زید کا احصار ختم ہو گیا، پھر عمر نے دم ذبح کیا تو اس پر ضمان لازم نہیں ہوتا، اسی طرح یہاں زکوۃ کا ضمان لازم نہیں ہوگا۔

ترجمہ :۴ؑ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ مامور کو زکوۃ ادا کرنے کا حکم دیا تھا، اور جو ادا کی ہے وہ زکوۃ نہیں تھی وہ تو صدقہ نافلہ ہو گئی، اس لئے حکم دینے والے کی مخالفت ہو گئی [اس لئے ضمان لازم ہوگا] اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آمر کا مقصد اپنے آپ کو واجب کی ذمہ داری سے نکالنا ہے، اس لئے کہ ظاہر یہ ہے کہ نقصان کو دفع کرنے کے لئے ہی نقصان برداشت کرتے ہیں، اور یہ مقصد ادائیگی سے حاصل ہوتا ہے، اور یہاں مامور کی ادائیگی اس سے خالی ہے اس لئے مامور اس سے معزول ہو جائے گا، چاہے اس کو معزول ہونے کا علم ہو یا نہ ہو، کیونکہ یہ حکمی طور پر معزول کرنا ہے۔

تشریح :امام ابو حنیفہؒ کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ مامور کو زکوۃ ادا کرنے کا حکم دیا تھا، پس جب خود ادا کر دیا تو مامور معزول ہو گیا، اور یہ معزول حکمی ہے اس لئے مامور کو اس علم نہ بھی تب بھی معزول ہو جائے گا، اور معزول ہونے کے بعد شرکت کے مال سے صدقہ نافلہ ادا کیا اس لئے وہ ضامن ہوگا۔

ترجمہ :۵ؑ اور دم احصار کا معاملہ یہ ہے کہ بعض لوگوں نے کہا کہ اس میں بھی اختلاف ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ دم احصار اور زکوۃ میں فرق ہے، اور اسکی وجہ یہ ہے کہ دم احصار واجب نہیں ہے، کیونکہ یہ ممکن ہے کہ صبر کرے جسکی وجہ سے بعد میں احصار زائل ہو جائے، اور زکوۃ کے مسئلے میں زکوۃ کا ادا کرنا واجب ہے تو زکوۃ ساقط کرنا اصل مقصود ہے، دم احصار میں ساقط کرنا مقصود نہیں ہے۔

تشریح :یہاں عبارت پیچیدہ ہے۔یہ امام صاحبینؒ کو جواب ہے۔ایک روایت یہ ہے کہ دم احصار کے بارے میں بھی اختلاف ہے، یعنی امام ابو حنیفہؒ کے یہاں ضمان لازم ہوگا، اور صاحبینؒ کے یہاں جان لازم نہیں ہوگا۔لیکن اگر مان لیا جائے کہ

(۳۰۲۸) قَالَ: وَإِذَا أَذِنَ أَحَدُ الْمُتَفَاوِضَيْنِ لِصَاحِبِهِ أَنْ يَشْتَرِيَ جَارِيَةً فَيَطَأَهَا فَفَعَلَ فَهِيَ لَهُ بِغَيْرِ شَيْءٍ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ . وَقَالَا: يَرْجِعُ عَلَيْهِ بِنِصْفِ الثَّمَنِ لِ لِأَنَّهُ أَدَّى دَيْنًا عَلَيْهِ خَاصَّةً مِنْ مَالٍ مُشْتَرَكٍ فَيَرْجِعُ عَلَيْهِ صَاحِبُهُ بِنَصِيبِهِ كَمَا فِي شِرَاءِ الطَّعَامِ وَالْكِسْوَةِ وَهٰذَا لِ لِأَنَّ الْمِلْكَ وَاقِعٌ لَهُ خَاصَّةً وَالثَّمَنُ بِمُقَابَلَةِ الْمِلْكِ.

امام ابوحنیفہؒ کے یہاں بھی ضمان لازم نہیں ہوگا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ دم احصار میں اور زکوۃ میں فرق ہے۔ دم احصار دینا واجب نہیں ہے، کیونکہ محصر تھوڑا صبر کرے تا کہ احصار زائل ہو جائے تو دم لازم نہیں ہوگا ، چونکہ یہ دم آمر پر لازم نہیں ہے، اس لئے مامور نے جیسا ادا کیا وہ ادا ہو گیا، اس لئے مامور پر ضمان نہیں ہے۔ اور زکوۃ دینا واجب ہے، اس لئے مامور کو واجب ہی ادا کرنا چاہئے، لیکن مامور نے واجب ادا نہیں کیا تو وہ ضامن ہو جائے گا۔

ترجمہ: (۳۰۲۸) شرکت مفاوضہ کرنے والے میں سے ایک شریک نے اپنے ساتھی سے کہا کہ باندی خرید لو اور اس سے صحبت کرو، اس نے ایسا کیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک خریدنے والے شریک پر کچھ لازم نہیں ہوگا [کیونکہ کہنے والے نے اپنا حصہ خریدنے والے کو ہبہ کر دیا] اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ کہنے والا خریدنے والے سے آدھی قیمت وصول کرے گا۔

ترجمہ: لے اس لئے کہ خریدنے والے نے مشترک مال سے اپنا قرض ادا کیا ہے، اس لئے کہنے والا اپنا حصہ خریدنے والے سے وصول کرے گا، جیسے وہ کھانا اور کپڑا خریدتا تو کہنے والا اپنا حصہ وصول کرتا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ خریدنے والے کی ملکیت ہوئی اور ثمن ملک کے مقابلے میں ہوتی ہے۔

اصول: یہاں امام ابوحنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ جب شریک نے باندی خریدنے اور اس سے وطی کرنے کے لئے کہا تو اس کے ضمن میں اپنے حصے کو خریدنے والے کو ہبہ کر دیا، اس لئے یہ اپنے حصے کی قیمت شریک سے وصول نہیں کر سکتا۔

اصول: اور صاحبین کا اصول یہ ہے کہ اپنی باندی کے لئے مشترک مال ادا کیا، اس لئے آدھی قیمت شریک کو دینا ہوگا۔

تشریح: زید اور عمر کے درمیان شرکت مفاوضہ تھی، زید نے عمر سے کہا کہ ایک باندی خرید لو اور اس سے وطی کرو، تو زید کی یہ اجازت کہ وطی کرو۔ اس کے ضمن میں یہ بھی ہوا کہ میں نے باندی کا اپنا حصہ تم کو ہبہ کر دیا، اس لئے میرے حصے کی رقم مجھے دینے کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے عمر نے باندی خرید کر وطی کی تو اس پر زید کے حصے قیمت ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی، کیونکہ اس نے اپنا حصہ عمر کو ہبہ کر دیا ہے۔ اور صاحبینؒ کے یہاں یہ ہوگا کہ زید کا جو حصہ بنتا ہے وہ زید کو ادا کرے۔

وجہ: کیونکہ عمر نے مشترک مال سے باندی خریدی ہے، اور پوری باندی کو اپنے استعمال میں لایا ہے، اس لئے عمر پر آدھی قیمت ادا کرنی ہوگی۔ اس کی ایک مثال دی ہے کہ عمر مشترک مال سے اپنے لئے کھانا اور کپڑا خریدے تو اس کو زید کے حصے کی

۲؎ وَلَهُ أَنَّ الْجَارِيَةَ دَخَلَتْ فِيْ الشَّرِكَةِ عَلَى الْبَتَاتِ جَرْيًا عَلٰى مُقْتَضَى الشَّرِكَةِ إِذْ هُمَا لَا يَمْلِكَانِ تَغْيِيرَهُ فَأَشْبَهَ حَالَ عَدَمِ الْإِذْنِ، غَيْرَ أَنَّ الْإِذْنَ يَتَضَمَّنُ هِبَةَ نَصِيبِهِ مِنْهُ؛ لِأَنَّ الْوَطْءَ لَا يَحِلُّ إِلَّا بِالْمِلْكِ، وَلَا وَجْهَ إِلٰى إِثْبَاتِهِ بِالْبَيْعِ لِمَا بَيَّنَّا أَنَّهُ مُخَالِفٌ مُقْتَضَى الشَّرِكَةِ فَأَثْبَتْنَاهُ بِالْهِبَةِ الثَّابِتَةِ فِي ضِمْنِ الْإِذْنِ، ۳؎ بِخِلَافِ الطَّعَامِ وَالْكِسْوَةِ؛ لِأَنَّ ذٰلِكَ مُسْتَثْنًى عَنْهَا لِلضَّرُورَةِ فَيَقَعُ الْمِلْكُ لَهُ خَاصَّةً بِنَفْسِ الْعَقْدِ فَكَانَ مُؤَدِّيًا دَيْنًا عَلَيْهِ مِنْ مَالِ الشَّرِكَةِ. وَفِيْ مَسْأَلَتِنَا قَضَى دَيْنًا عَلَيْهِمَا لِمَا بَيَّنَّا.

قیمت ادا کرنی پڑتی ہے، ایسے ہی یہاں بھی زید کے حصے کی قیمت ادا کرنی ہوگی۔

ترجمہ: ۲؎ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ باندی یقینی طور پر شرکت میں تھی، کیونکہ یہ شرکت کا تقاضہ ہے، کیونکہ شرکت کو دونوں مالک بدل نہیں سکتا، اس لئے اجازت نہ دینے کی حالت کے مشابہ ہو گیا، یہ اور بات ہے کہ اجازت میں اپنے حصے کا ہبہ شامل ہے، اس لئے کہ اپنی ملکیت کے علاوہ میں وطی حلال نہیں ہے، اور اس میں بیع ثابت نہیں کر سکتے، کیونکہ یہ شرکت کے تقاضہ کے مخالف ہے اس لئے ہم نے اجازت کے ضمن میں ہبہ ثابت کر دیا۔

تشریح: یہاں بھی عبارت پیچیدہ ہے۔ اس عبارت میں تین باتیں ہیں۔۔[۱] ایک بات تو یہ کہنا چاہتے ہیں کہ زید اپنے حصے کو عمر کے ہاتھ بیچ نہیں سکتا، کیونکہ شرکت کا تقاضہ یہ ہے کہ آپس میں بیع نہ ہو۔[۲] دوسری بات یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وطی کے لئے ضروری ہے کہ باندی میں عمر کی پوری ملکیت ہو، ورنہ زنا کرنا لازم آئے گا۔[۳] اور تیسری بات یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اجازت کے ضمن میں ہبہ ہے کہ زید نے عمر کو اپنا حصہ ہبہ کر دیا اس لئے زید اب اپنے حصے کی قیمت عمر سے وصول نہیں کر سکتا ہے، کیونکہ ہبہ کر چکا ہے۔

ترجمہ: ۳؎ بخلاف کھانے اور کپڑے کے اس لئے کہ ضرورت کی بنا پر یہ مستثنی ہے، اس لئے اس کے عقد کے تحت میں اسی کی ملکیت ثابت ہوگی، اور اس میں شرکت کے مال سے ادا کرنے والا ہوگا، اور ہمارے باندی کے مسئلے میں دونوں پر جو قرض ہے وہ ادا کرنے والا ہوگا۔

تشریح: یہ صاحبین کو جواب ہے، انہوں نے کھانے اور کپڑے پر قیاس تھا، اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ کھانا اور کپڑا ضروری چیز ہے اس لئے عمر نے اس کو شرکت کے مال سے خریدا تو یہ عمر کا ہی ہوگا، اور اس نے مشترک مال سے اس کی قیمت ادا کی ہے، اس لئے عمر پر ضروری ہوگا کہ اس کی آدھی قیمت زید کی طرف لوٹائے۔ اور باندی سے وطی کرانا کھانے کی طرح ضروری نہیں ہے اس لئے اس میں اجازت دینا زید کی جانب سے ہبہ ہے اس لئے اس کی آدھی قیمت ادا نہیں کرے گا۔

(۳۰۲۹) وَلِلْبَائِعِ أَنْ يَأْخُذَ بِالثَّمَنِ أَيَّهُمَا شَاءَ لِ بِالِاتِّفَاقِ لِأَنَّهُ دَيْنٌ وَجَبَ بِسَبَبِ التِّجَارَةِ، وَالْمُفَاوَضَةُ تَضَمَّنَتْ الْكَفَالَةَ فَصَارَ كَالطَّعَامِ وَالْكِسْوَةِ.

ترجمہ:(۳۰۲۹)اور بائع کے لئے جائز ہے کہ دونوں میں سے کسی سے بھی اپنی قیمت وصول کرے، یہ بالاتفاق ہے۔

ترجمہ:لِ اس لئے کہ تجارت کی وجہ سے دین واجب ہوئی ہے اور شرکت مفاوضہ میں کفالہ بھی ہے، اس لئے باندی کی قیمت کھانے اور کپڑے کی طرح ہوگئی۔

تشریح: اوپر کے مسئلے میں باندی صرف عمر نے خریدی تھی، لیکن یہاں شرکت مفاوضہ ہے اس لئے زید بھی یہاں کفیل ہے اس لئے باندی کا مالک عمر سے بھی باندی کی قیمت وصول کرسکتا ہے اور زید سے بھی وصول کرسکتا ہے، کیونکہ کفالت کی وجہ سے وہ بھی قیمت کا ذمہ دار ہے، جیسے دونوں کے لئے مشترک کھانا اور کپڑا خریدتا تو بائع کسی شریک سے بھی اس کی قیمت وصول کرسکتا ہے کیونکہ دونوں ایک دوسرے کا کفیل ہیں۔

﴿كِتَابُ الْوَقْفِ﴾

(۳۰۳۰) قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ: لا يَزُولُ مِلْكُ الْوَاقِفِ عَنِ الْوَقْفِ إِلَّا أَنْ يَحْكُمَ بِهِ الْحَاكِمُ أَوْ يُعَلِّقَهُ بِمَوْتِهِ فَيَقُولَ إِذَا مِتُّ فَقَدْ وَقَفْتُ دَارِي عَلَىٰ كَذَا.

﴿کتاب الوقف﴾

ضروری نوٹ:وقف کا معنی روکنا ہے۔وقف میں زمین،جائداد غریبوں کے لئے روکتے ہیں اسلئے اسکو روکنا کہتے ہیں۔

وجه :(۱)وقف کا اشارہ آیت میں ہے۔یا ایھا الذین آمنوا شھادة بینکم اذا حضر احدکم الموت حین الوصیة اثنان ذوا عدل منکم (آیت۱۰۶سورۃ المائدۃ ۵)اس آیت میں ﷺ وصیت کرنے کی طرف اشارہ ہےاور اس میں وقف کرنا بھی ہےاس لئے یہ آیت وقف کی طرف اشارہ ہے۔(۲)اورحدیث میں یہ ہے۔عن ابن عمر ان عمر بن الخطاب اصاب ارضا بخیبر فاتی النبی ﷺ یستامرہ فیھا فقال یا رسول اللہ انی اصبت ارضا بخیبر لم اصب مالا قط انفس عندی منہ فماتأمرنی؟ بہ قال ان شئت حبست اصلھا وتصدقت بھا قال فتصدق بھا عمر انہ لا یباع ولا یوھب ولا یورث وتصدق بھا فی الفقراء وفی القربی وفی الرقاب وفی سبیل اللہ وابن السبیل والضیف لا جناح علی من ولیھا ان یأکل منھا بالمعروف ویطعم غیر متمول (بخاری شریف،باب الشروط فی الوقف،کتاب الشرط ص۳۸۲نمبر۲۷۳۷رمسلم شریف،باب الوقف،ص ۴۱نمبر۱۶۳۲؍۴۲۲۴)اس حدیث سے وقف جائز ہونے کا پتہ چلا۔اور یہ بھی پتہ چلا کہ کن کن شرطوں کے ساتھ وقف کیا جا سکتا ہے۔(۳)حدیث میں ہے۔عن ابی ھریرۃؓ ان رسول اللہ ﷺ قال اذا مات الانسان انقطع عملہ الا من ثلاثة أشیاء ، من صدقة جاریة او علم ینتفع بہ او ولد صالح یدعوا لہ ۔(ابوداود شریف،باب ماجاء فی الصدقة عن المیت ص۴۱۹، نمبر۲۸۸۰)اس حدیث میں ہے کہ صدقہ جاریہ کا ثواب ملتا ہےجس میں وقف شامل ہے۔

ترجمه :(۳۰۳۰)نہیں زائل ہوگی واقف کی ملک وقف سے ابو حنیفہؒ کے نزدیک مگر یہ کہ حاکم اس کا فیصلہ کردے یا اپنی موت پر معلق کردے اور یوں کہے کہ جب میں مرجاؤں تو اپنا گھر فلاں پر وقف کر دیا۔

تشریح :وقف کرنا امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے۔اور وقف کرنے سے وقف ہو جائے گا۔لیکن چونکہ یہ جائداد ہے اس لئے واقف کی ملکیت اس وقت ختم ہوگی جب وقف کرنے پر حاکم کا فیصلہ ہو جائے،یا وقف کو موت پر معلق کردے،یوں کہے کہ اگر میں مرگیا تو میرا گھر فلاں کے لئے وقف ہے۔

(۳۰۳۱)وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: يَزُولُ مِلْكُهُ بِمُجَرَّدِ الْقَوْلِ.

(۳۰۳۲) وَقَالَ مُحَمَّدٌ: لَا يَزُولُ حَتّٰى يَجْعَلَ لِلْوَقْفِ وَلِيًّا وَيُسَلِّمَهُ إِلَيْهِ

وجـــه:(۱)موت پر آدمی کی ملکیت تمام چیز سے ختم ہو جاتی ہے اس لئے واقف کی ملکیت موت سے ختم ہوگئی۔اب چونکہ موقوف علیہ کے لئے دے چکا ہے اس لئے ورثہ کے بجائے موقف علیہ مالک بن جائے گا (۲) اسی طرح قاضی کے فیصلے سے کسی کی بھی ملکیت ختم ہو جاتی ہے۔اس لئے وقف کے مال سے بھی ملکیت ختم ہو جائے گی (۳) اس حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔**ان سعد بن عبادة اخا بنی ساعدة توفیت امه وهو غائب فاتی النبی ﷺ فقال یا رسول الله ان امی تفویت وانا غائب عنها فهل ینفعها شیء ان تصدقت به عنها قال نعم قال فانی اشهدک ان حائطی المخراف صدقة علیها** ۔(بخاری شریف،باب الاشھاد فی الوقف والصدقۃ ص ۳۸۷ نمبر ۲۷۶۲) اس حدیث میں حضرت سعد بن عبادہ نے وقف پر گواہ بنایا اور حضور گو گواہ بنایا گویا کہ حتمی وقف کے لئے فیصلہ بھی کروانا ہے۔اس لئے اس حدیث سے اشارہ ملتا ہے کہ قاضی یا والی کے فیصلہ کے بعد وقف کی چیز واقف کی ملکیت سے نکلے گی (۴) حضرت عمر کے اثر سے بھی اشارہ ملتا ہے کہ وقف لکھوانا چاہئے۔**عن یحیی ابن سعید عن صدقة عمر بن الخطاب قال نسخها لی عبد الحمید بن عبد الله بن عبد الله بن عمر بن الخطاب بسم الله الرحمن الرحیم هذا ما کتب عبد الله عمر فی ثمغ فقص من خبره نحو حدیث نافع** (ابوداؤد شریف،باب ماجاء فی الرجل یوقف الوقف ص ۴۲ نمبر ۲۸۷۹) اس اثر میں حضرت عمر نے وقف کو باضابطہ لکھا ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ لکھنے کے بعد واقف کی ملکیت ختم ہو گی۔

ترجمه:(۳۰۳۱) امام ابو یوسفؒ نے فرمایا زائل ہو جائے گی ملک صرف کہنے ہی سے۔

تشـریح:امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ واقف صرف کہہ دے کہ میں نے وقف کیا تو اس کی ملکیت وقف کے مال سے ختم ہو جائے گی، چاہے حاکم نے فیصلہ نہ کیا ہو یا موت پر وقف معلق نہ کیا ہو۔

وجـــه:ان کی دلیل وہ احادیث ہے جن مین واقف نے نہ موت پر معلق کیا ہے اور نہ فیصلہ کروایا ہے۔مثلا حدیث میں ہے۔**عن انس قال امر النبی ﷺ ببناء المسجد فقال یا بنی النجار ثامنونی بحائطکم هذا قالوا لا والله لا نطلب ثمنه الا الی الله** (بخاری شریف،باب اذا وقف جماعۃ ارضا مشاعا فھو جائز ص ۳۸۸ نمبر ۲۷۷۱) اس حدیث میں نہ قضاء قاضی کا تذکرہ ہے نہ موت پر معلق کیا ہے،اور زمین کی ملکیت صرف واقف کے کہنے سے ختم ہوگئی ہے۔

تـرجمه :(۳۰۳۲) اور امام محمدؒ نے فرمایا نہیں زائل ہوگی ملکیت یہاں تک کہ وقف کیلئے کسی کو ولی بنائے اور اسکو اسکی طرف سپرد کردے۔

۱؎ قَالَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهُ: الْوَقْفُ لُغَةً. هُوَ الْحَبْسُ تَقُولُ وَقَفْت الدَّابَّةَ وَأَوْقَفْتهَا بِمَعْنًى. ۲؎ وَهُوَ فِي الشَّرْعِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ: حَبْسُ الْعَيْنِ عَلٰى مِلْكِ الْوَاقِفِ وَالتَّصَدُّقُ بِالْمَنْفَعَةِ بِمَنْزِلَةِ الْعَارِيَّةِ.

تشریح:امام محمدؒ کے نزدیک واقف کی ملکیت اس وقت زائل ہوگی جب وقف کے لئے کسی کو ولی بنائے اور وقف اس کو سپرد کردے تب ملکیت زائل ہوگی۔

وجہ:اوپر کی حدیث میں بنونجار نے حضورکو زمین کا ولی بنایا اوراس کو سپرد کردیا تب ان کی ملکیت وقف سے ختم ہوئی۔اس لئے ولی بنائے اوراس کے سپرد کرے تب ملکیت ختم ہوگی۔

ترجمہ :۱؎ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ وقف کا لغوی ترجمہ،روکنا ہے،لوگ کہتے ہیں وقفت الدابۃ ،یا اوقفتھا،دونوں کا ترجمہ ہے میں نے سواری کوروک دیا۔

تشریح:وقف کا لغوی معنی ہے روکنا۔اورشرعی معنی کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

ترجمہ:۲؎ اورامام ابوحنیفہؒ کے نزدیک شریعت میں اس کا معنی یہ ہے کہ اصل زمین کو مالک کی ملکیت پرروک لو،اورزمین کا جونفع ہے اس کوصدقہ کردو،جیسے عاریت کی زمین میں ہوتا ہے[کی زمین مالک کی ہوتی ہے اورنفع دوسرا آدمی اٹھاتا ہے]۔

تشریح :متن میں یہ بتایا گیا کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھی تین طریقے سے شیء موقوفہ سے واقف کی ملکیت ختم ہوجائے گی، لیکن یہاں صاحب ہدایہ یہ فرمارہے ہیں کہ وقف کا مطلب یہ ہے کہ شیء موقوفہ پرواقف کی ملکیت باقی رہے گی،البتہ اس کا نفع ان لوگوں پرتقسیم ہوگا،جسکے لئے وقف کیا۔دوسری بات یہ بتارہے ہیں کہ یہ وقف لازم نہیں رہے گا،بلکہ جب چاہے واپس لے سکتا ہے، جیسے کہ مانگی ہوئی عاریت کی چیز کو ہمیشہ عاریت والے کے پاس رکھنا لازم نہیں ہے،بلکہ جب چاہے واپس لے سکتا ہے۔

وجہ :(۱)ان کی دلیل یہ حدیث ہے،اوردوحدیث بعد میں آرہی ہے۔**ان عمر ملک مأة سهم من خيبر اشتراها فاتى رسول الله ﷺ فقال يا رسول الله انى اصبت ما لا لم أصب مثله قط و قد اردت ان اتقرب به الى الله عز و جل فقال حبس الاصل و سبل الثمرة** ۔(سنن بیہقی،باب وقف المشاع،ج سادس،ص۲۶۸، نمبر۱۱۹۰۴/ابوداؤدشریف،باب ماجاء فی الرجل یوقف الوقف ص۴۱۸ نمبر۲۸۷۸) اس حدیث میں ہے کہ اصل زمین کوتو روک لواوراس کے پھل کووقف کردو۔(۲)حدیث میں ہے۔**عن ابن عمر ان عمر بن الخطاب اصاب ارضا بخيبر فاتى النبى ﷺ يستامره فيها فقال يا رسول الله انى اصبت ارضا بخيبر لم اصب مالا قط انفس عندى منه فماتأمرنى به قال ان شئت حبست اصلها وتصدقت بها** (بخاری شریف،باب الشروط فی الوقف ،کتاب الشرط ص۳۸۲ نمبر۲۷۳۷)اس حدیث میں آپؐ نے یوں فرمایا کہ **حبست اصلها** جس کا مطلب یہ نکلا کہ اصل

۳؎ ثُمَّ قِيلَ الْمَنْفَعَةُ مَعْدُومَةٌ فَالتَّصَدُّقُ بِالْمَعْدُومِ لا يَصِحُّ، فَلا يَجُوزُ الْوَقْفُ أَصْلًا عِنْدَهُ، وَهُوَ الْمَلْفُوظُ فِي الْأَصْلِ. وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ جَائِزٌ عِنْدَهُ إِلَّا أَنَّهُ غَيْرُ لَازِمٍ بِمَنْزِلَةِ الْعَارِيَّةِ. ۴؎ وَعِنْدَهُمَا حَبْسُ الْعَيْنِ عَلَى حُكْمِ مُلْكِ اللّٰهِ تَعَالىٰ فَيَزُولُ مِلْكُ الْوَاقِفِ عَنْهُ إِلىٰ اللّٰهِ تَعَالىٰ عَلَى وَجْهٍ تَعُودُ مَنْفَعَتُهُ إِلَى الْعِبَادِ فَيَلْزَمُ وَلا يُبَاعُ وَلا يُوهَبُ وَلا يُورَثُ. وَاللَّفْظُ يَنْتَظِمُهُمَا وَالتَّرْجِيحُ بِالدَّلِيلِ. ۵؎ لَهُمَا "قَوْلُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ حِينَ أَرَادَ أَنْ يَتَصَدَّقَ بِأَرْضٍ لَهُ تُدْعىٰ ثَمْغًا: تَصَدَّقْ بِأَصْلِهَا لا يُبَاعُ وَلا يُورَثُ وَلا يُوهَبُ"

زمین کی ملکیت اپنے پاس رکھواور اس کا جو نفع آئے اس کو صدقہ کردو۔

ترجمہ: ۳؎ پھر اس پر ایک اعتراض نقل کیا ہے کہ نفع تو ابھی معدوم ہے اور معدوم کا صدقہ جائز نہیں ہے، اس لئے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وقف کرنا جائز نہیں ہونا چاہئے، چنانچہ مبسوط میں ایسا ہی لکھا ہوا ہے، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھی وقف کرنا جائز ہے، لیکن وقف کرنے کے بعد ہمیشہ کے لئے لازم نہیں ہے، جیسے زمین عاریت پر دیں تو ہمیشہ کے لئے دے دینا لازم نہیں ہے۔

تشریح: مبسوط میں یہ لکھا ہوا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے یہاں وقف جائز نہیں ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے یہاں وقف جائز ہے، البتہ اس کی ملکیت مالک کے پاس رہے گی، اور عاریت کی طرح ہمیشہ کے لئے لازم نہیں ہے۔

ترجمہ: ۴؎ صاحبینؒ کے نزدیک وقف کا مطلب یہ ہے کہ عین چیز [یعنی زمین] اللہ کی ملکیت میں چلی جائے گی، اور وقف کرنے والے کی ملکیت ختم ہو جائے گی، اس طرح کہ اس کا نفع بندوں کو پہنچتا رہے، اور یہ وقف کرنا لازم ہو جائے گا، اب زمین بیچی نہیں جا سکتی، نہ ہبہ کی جا سکتی ہے اور نہ وراثت میں تقسیم کی جا سکتی ہے، اور وقف کا ترجمہ دونوں ہی ہو سکتے ہیں [یعنی واقف کی ملکیت زائل نہ ہو، اور واقف کی ملکیت زائل ہو جائے]، البتہ دلیل سے ترجیح دی جائے گی۔

تشریح: صاحبینؒ کے یہاں وقف کا مطلب یہ پانچ ہیں [۱] شیء موقوف سے واقف کی ملکیت ختم ہو جائے گی، [۲] اور یہ اللہ کی ملکیت میں چلی جائے گی، [۳] اور اس کا نفع ہمیشہ اس کو ملتا رہے گا جن پر وقف کیا۔ [۴] یہ وقف لازم رہے گا، واقف دوبارہ اس کو واپس نہیں لے سکتا۔ [۵] البتہ نہ یہ بیچی جائے گی، نہ مالک کے ورثہ میں تقسیم ہوگی۔ اور نہ ہبہ کی جا سکے گی۔

ترجمہ: ۵؎ صاحبین کی دلیل۔ حضرت عمر مقام ثمغ کی زمین صدقہ کرنا چاہتے تھے تو حضورؐ نے ان سے کہا، تصدق باصلھا، کہ اصل زمین کو صدقہ کردو اس طرح کہ نہ وہ بیچی جائے، نہ وراثت میں تقسیم ہو، اور نہ ہبہ کی جائے۔

تشریح: صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن ابن عمرؓ ..... فقال النبی ﷺ تصدق باصلہ، لا یباع و لا

٦ وَلِأَنَّ الْحَاجَةَ مَاسَّةٌ إِلَى أَنْ يَلْزَمَ الْوَقْفُ مِنْهُ لِيَصِلَ ثَوَابُهُ إِلَيْهِ عَلَى الدَّوَامِ، وَقَدْ أَمْكَنَ دَفْعُ حَاجَتِهِ بِإِسْقَاطِ الْمِلْكِ وَجَعْلِهِ لِلّٰهِ تَعَالٰى. إِذْ لَهُ نَظِيرٌ فِي الشَّرْعِ وَهُوَ الْمَسْجِدُ فَيُجْعَلُ كَذٰلِكَ.

ے وَلِأَبِي حَنِيفَةَ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "لَا حَبْسَ عَنْ فَرَائِضِ اللّٰهِ تَعَالٰى" وَعَنْ شُرَيْحٍ: جَاءَ مُحَمَّدٌ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ بِبَيْعِ الْحَبِيسِ.

يوهب ، و لا يورث و لكن ينفق ثمرته فتصدق به عمر ۔(بخاری شریف، باب وما للوصی ان یعمل فی مال الیتیم وما یأ کل منہ بقدر عمالتہ، ص ۴۵۷، نمبر ۲۷۶۴) اس حدیث میں ہے کہ اصل زمین کو صدقہ کر دو، اس طرح کہ اس کو نہ بیچی جائے اور نہ ہبہ کی جائے اور نہ اس کو وراثت میں تقسیم کی جائے۔

نوٹ : یہاں کئی قسم کی حدیثیں ہیں، بعض سے پتہ چلتا ہے کہ واقف اصل زمین کو اپنے لئے روک لے اور اس کا نفع صدقہ کرے۔ اور دوسری حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ اصل زمین ہی کو صدقہ کر دے، اور اس کا نفع بھی صدقہ رہے، انہیں دو حدیثوں کی بنیاد پر امام ابو حنیفہؒ کی رائے ہے کہ اصل زمین کو اپنی ملکیت میں رکھے، اور صاحبینؒ کی رائے ہے کہ اصل زمین ہی کو صدقہ کرے۔

ترجمہ :٦ اور واقف کو اس کی ضرورت پڑتی ہے کہ، وقف لازم ہو جائے تا کہ ہمیشہ اس کا ثواب پہنچتا رہے، اور اس کی ضرورت اس طرح پوری کرنا ممکن ہے کہ واقف کی ملکیت ختم ہو جائے اور اللہ کی ملکیت ہو جائے، اور شریعت میں اس کی مثال مسجد موجود ہے، اس لئے اسی طرح کر دیا جائے [کہ واقف کی ملکیت ختم کر دی جائے اور اللہ کی ملکیت میں دے دی جائے]

تشریح : یہ صاحبینؒ کی دلیل عقلی ہے کہ۔ آدمی کو اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ وقف لازم ہو جائے تا کہ ہمیشہ اس کو اس کا ثواب ملتا رہے، اور اس کی ضرورت اس طرح پوری کی جائے گی کہ وقف سے اس کی ملکیت ختم ہو جائے، اور یہ چیز اللہ تعالی کی ملکیت میں چلی جائے، اس کی مثال مسجد کی زمین ہے، یہ زمین انسان کی ملکیت سے ختم ہو جاتی ہے اور اللہ کی ملکیت میں چلی جاتی ہے۔ اسی طرح موقوفہ زمین کی ملکیت مالک سے ختم ہو جائے گی، اور اللہ کی ملکیت میں چلی جائے گی۔

ترجمہ :ے امام ابو حنیفہؒ کی دلیل۔ حضورؐ کا قول ہے، اللہ کے فرائض میں حبس نہیں ہے، اور حضرت شریحؒ سے منقول ہے حضورؐ حبس کو روکتے تھے۔

تشریح :وقف سے مالک کی ملکیت زائل نہ ہو اس کئے صاحب ہدایہ پانچ دلیلیں لا رہے ہیں، ان میں دو دلیل نقلی ہیں اور چار دلیل عقلی ہیں۔ [۱]۔ صاحب ہدایہ نے ایک حضورؐ کا قول [۲] اور دوسرا شریحؒ کا قول نقل کیا ہے، اور اس سے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ واقف کی ملکیت باقی رہے اور اس کا نفع صدقہ ہو جائے۔

وجہ:(۱) صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ لا حبس عن فرائض الله عزوجل

۸؎ و لِأَنَّ الْمِلْکَ بَاقٍ فِیهِ بِدَلِیلِ أَنَّهُ یَجُوزُ الِانْتِفَاعُ بِهِ زِرَاعَةً وَسُکْنٰی وَغَیْرَ ذٰلِکَ وَالْمِلْکُ فِیهِ لِلْوَاقِفِ؛ أَلَا تَرَی أَنَّ لَهُ وِلَایَةَ التَّصَرُّفِ فِیهِ بِصَرْفِ غَلَّاتِهِ إِلٰی مَصَارِفِهَا وَنَصْبِ الْقُوَّامِ فِیهَا إِلَّا أَنَّهُ یَتَصَدَّقُ بِمَنَافِعِهِ فَصَارَ شَبِیهَ الْعَارِیَّةِ، ۹؎ وَلِأَنَّهُ یَحْتَاجُ إِلَی التَّصَدُّقِ بِالْغَلَّةِ دَائِمًا وَلَا تَصَدُّقَ عَنْهُ إِلَّا بِالْبَقَاءِ عَلٰی مِلْکِهِ،

۔(دار قطنی، باب کتاب الفرائض والسیر وغیر ذالک، ج رابع ص ۳۷، نمبر ۴۰۱۷) اللہ کے فرائض کو روکنا جائز نہیں ہے۔(۲) قال علی : لا حبس عن فرائض اللہ الا ما کان من سلاح او کراع . (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب فی الرجل یجعل الشیء حبسا فی سبیل اللہ، ج رابع، ص ۳۵۵، نمبر ۲۰۹۲۲) اللہ کے فرائض سے حبس نہیں ہے مگر ہتھیار ہو یا سواری کی چیز ہو۔(۳) صاحب ہدایہ کا قول تابعی یہ ہے۔عن شریح قال جاء محمد ﷺ بمنع الحبس۔(سنن بیہقی، باب من قال لا حبس عن فرائض اللہ، ج سادس، ص ۲۶۹، نمبر ۱۱۹۱۰/ مصنف ابن ابی شیبۃ، باب فی الرجل یجعل الشیء حبسا فی سبیل اللہ، ج رابع، ص ۳۵۵، نمبر ۲۰۹۲۴) اس قول تابعی میں ہے کہ حبس کی چیز کو روکتے تھے۔یعنی اونٹنی کو بحیرہ، سائبہ، وصلیہ اور حام بنانے سے روکتے تھے۔

ترجمہ :۸؎ [۳] اور مالک کی ملکیت باقی رہنے کی دلیل یہ بھی ہے کہ کھیتی کر کے یا اس میں قیام کر کے، اور اس کے علاوہ سے فائدہ اٹھانا جائز ہے، اور اس میں وقف کرنے والے کی ملکیت موجود رہتی ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ واقف کو شیء موقوفہ میں تصرف کرنے کا حق ہے، اس کے غلے کو مصرف میں خرچ کر کے اس پر نگراں متعین کرکے، یہ اور بات ہے کہ اس کے نفع کو صدقہ کرے تو یہ وقف عاریت کے مشابہ ہو گیا۔

تشریح :[۳] یہ تیسری دلیل عقلی ہے۔ موقوفہ چیز پر مالک کی ملکیت باقی رہتی ہے اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ وقف کے بعد مالک زمین میں کھیتی کرتا ہے، مکان ہو تو اس میں قیام کرتا ہے، یہ کرنا اس کی ملکیت کی دلیل ہے۔ پھر اس پر تصرف کرتا ہے، مثلا وقف کے غلے کو اس کے مصرف میں خرچ کرتا ہے، اس پر نگراں متعین کرتا ہے، یہ بھی اس کی ملکیت کی دلیل ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس کے نفع کو صدقہ کرتا ہے، اس لئے یہ عاریت کے مشابہ ہو گیا۔

لغت : غلاتہ: غلہ، اناج۔ قوام: قائم کی جمع ہے، نگرانی کرنے والے۔ نصب: متعین کرنا۔ عاریۃ: مانگی ہوئی چیز۔

ترجمہ :۹؎ [۴] دوسری وجہ یہ ہے کہ ہمیشہ کے لئے اس کے غلے کو صدقہ کرنے کی ضرورت ہے، اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ اس کی ملکیت میں باقی رہے۔

تشریح :[۴] یہ چوتھی دلیل عقلی ہے۔ واقف کو ہمیشہ ثواب چاہئے، اور یہ اسی صورت میں ہوگا جبکہ موقوف شیء پر اس کی ملکیت باقی رہے۔

۱۰؎ وَلِأَنَّهُ لا يُمْكِنُ أَنْ يُزَالَ مِلْكُهُ،لَاإِلٰى مَالِكٍ لِأَنَّهُ غَيْرُ مَشْرُوعٍ مَعَ بَقَائِهِ كَالسَّائِبَةِ. بِخِلَافِ الْإِعْتَاقِ لِأَنَّهُ إِتْلَافٌ،وَبِخِلَافِ الْمَسْجِدِلِأَنَّهُ جُعِلَ خَالِصًالِلّٰهِ تَعَالٰى وَلِهٰذَالَا يَجُوزُالِانْتِفَاعُ بِهِ،وَهُنَالَمْ يَنْقَطِعْ حَقُّ الْعَبْدِ عَنْهُ فَلَمْ يَصِرْخَالِصًالِلّٰهِ تَعَالٰى. قَالَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: ۱۱؎ قَالَ فِي الْكِتَابِ:لَا يَزُولُ مِلْكُ الْوَاقِفِ إِلَّاأَنْ يَحْكُمَ بِهِ الْحَاكِمُ أَوْ يُعَلِّقَهُ بِمَوْتِهِ،وَهٰذَافِي حُكْمِ الْحَاكِمِ صَحِيحٌ؛لِأَنَّهُ قَضَاءٌ فِي مُجْتَهَدٍ فِيهِ.أَمَّافِي تَعْلِيقِهِ بِالْمَوْتِ فَالصَّحِيحُ أَنَّهُ لَايَزُولُ مِلْكُهُ إِلَّاأَنَّهُ تَصَدُّقٌ بِمَنَافِعِهِ مُؤَبَّدًافَيَصِيرُبِمَنْزِلَةِ الْوَصِيَّةِ بِالْمَنَافِعِ مُؤَبَّدًافَيَلْزَمُ،وَالْمُرَادُ بِالْحَاكِمِ الْمَوْلٰى،فَأَمَّاالْمُحَكَّمُ فَفِيهِ اخْتِلَافُ الْمَشَايِخِ.

ترجمہ: ۱۰؎[۵] ایک بات اور بھی ہے کہ واقف کی ملکیت ختم ہو جائے اور اس کا کوئی مالک نہ بنے یہ شریعت میں مشروع نہیں ہے، جبکہ وہ چیز موجود رہے، جیسے سانڈ وغیرہ چھوڑنا ممنوع ہے۔ بخلاف غلام آزاد کرنے کے، اس لئے یہاں تو غلام کو گویا کہ ضائع کرنا ہے۔ بخلاف مسجد کے اس لئے کہ وہ خالص اللہ تعالی کے لئے کر دی جاتی ہے، اس لئے مسجد سے نفع اٹھانا جائز نہیں ہے، اور وقف میں بندے کا حق منقطع نہیں ہوتا، اس لئے خالص اللہ کے لئے نہیں ہوا۔

تشریح: [۵] ایک چیز موجود رہے اور واقف کی ملکیت اس سے ختم ہو جائے اور اس کا کوئی مالک نہ ہو، یہ ممکن نہیں ہے، جیسے عرب میں اونٹنی چھوڑ دیتے تھے، کہ اصل مالک بھی اسکا مالک نہ رہے اور کوئی دوسرا بھی اسکا مالک نہ ہو یہ جائز نہیں ہے، اسی طرح یہاں زمین مالک کی ملکیت سے نکل جائے اور اسکا کوئی مالک نہ ہو یہ جائز نہیں ہوگا، اسلئے موقوف شیء مالک کی ملکیت میں رہنی چاہئے۔

وجہ: صاحب ہدایہ کا اشارہ اس آیت کی طرف ہے۔ ما جعل الله من بحيرة و لا سائبة و لا وصيلة و حام ولكن الذين كفروا يفترون على الكذ و اكثر هم لا يعقلون (آیت ۱۰۳، سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں ان جانوروں چھوڑنے سے منع فرمایا۔

لغت: سائبۃ: لوگ اونٹنیوں کا بت کے نام پر چھوڑ دیا کرتے تھے، جس سے قرآن نے منع فرمایا۔

تشریح: یہ ایک اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ غلام کو آزاد کیا تو یہ مالک کی ملکیت سے نکل گیا، اور کسی کی ملکیت میں داخل نہیں ہوا تو یہ کیسے جائز ہو گیا؟ اس کا جواب دیا کہ وہ چیز موجود رہے اور کسی کی ملکیت میں نہ رہے وہ جائز نہیں ہے، اور غلام کو آزاد کرنا گویا کہ اس کو غلامیت سے ہلاک کرنا اور ضائع کرنا ہے اس لئے وہ جائز ہوگا

ترجمہ: ۱۱؎ دوسرا اعتراض ہے۔ مالک نے مسجد کے لئے زمین وقف کی تو اس میں بھی اس کی ملکیت سے نکل گئی، حالانکہ وہ موجود ہے تو یہ کیسے جائز ہوئی؟ تو اس کا جواب دیا کہ مالک کی ملکیت سے نکل خالص اللہ کی ملکیت میں داخل ہو گئی، اسی لئے اس سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے، اور وقف کی زمین سے بندہ اٹھاتا ہے، اس لئے وہ خالص اللہ کی ملکیت میں داخل نہیں ہوئی

۲ ۱؎ وَلَوْ وَقَفَ فِيْ مَرَضِ مَوْتِهِ قَالَ الطَّحَاوِيُّ: هُوَ بِمَنْزِلَةِ الْوَصِيَّةِ بَعْدَ الْمَوْتِ. وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ لَا يَلْزَمُهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ. وَعِنْدَهُمَا يَلْزَمُهُ إِلَّا أَنَّهُ يُعْتَبَرُ مِنَ الثُّلُثِ وَالْوَقْفُ فِي الصِّحَّةِ مِنْ جَمِيعِ الْمَالِ،

اس لئے اس کو واقف ہی کی ملکیت میں رکھی جائے گی۔

نوٹ: حدیثوں کو دیکھنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ دونوں طرح وقف کرنا جائز ہے [۱] زمین اپنی ملکیت میں رکھے اور اس کا نفع صدقہ کرے۔ [۲] خود زمین ہی کو اپنی ملکیت سے نکال دے، اور اس کا نفع صدقہ کر دے۔

متن میں جو کہا گیا کہ، جب تک حاکم فیصلہ نہ کرے وقف کرنے والے کی ملکیت ختم نہیں ہوگی، یا اپنی موت پر معلق کرے، یہ معاملہ حاکم کے فیصلے کے بارے میں تو صحیح ہے، اس لئے کہ مجتہد فیہ مسئلے میں فیصلہ کرنا ہے۔ اور موت پر معلق کرنے کے بارے میں صحیح بات یہ ہے کہ جب تک ہمیشہ کے لئے نفع کو صدقہ نہ کرے اس وقت تک ملکیت ختم نہیں ہوگی، اور یہ نفع کو ہمیشہ کے لئے وصیت کرنے کے درجے میں ہو جائے گی اس لئے لازم ہوگی۔ اور حاکم سے مراد یہ ہے کہ امیر نے حاکم متعین کیا ہو، اور وہ حکم جو مدعی اور مدعی علیہ متعین کرتے ہیں اس کے فیصلے کے بارے میں مشائخ کا اختلاف ہے۔

تشریح: یہاں صاحب ہدایہ متن کے دو جملوں کی تشریح کر رہے ہیں۔ متن کا پہلا جملہ تھا، کہ حاکم فیصلہ کرے، اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے، اس لئے حاکم کے فیصلے سے واقف کی ملکیت ختم ہو جائے گی، دوسری بات فرماتے ہیں کہ۔ ایک ہوتا ہے جو بادشاہ حاکم کو متعین کرے، یہاں یہی حاکم مراد ہے۔ دوسرا ہوتا ہے جو مدعی اور مدعی علیہ کسی کو حکم مان لے، یہاں یہ مراد نہیں ہے، کیونکہ حکم فیصلہ کرے تو واقف کی ملکیت ختم ہوگی یا نہیں اس بارے میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ دوسرا جملہ تھا کہ وقف کو اپنی موت پر معلق کرے، تو اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ شیء موقوفہ کی منافع کو ہمیشہ کے لئے صدقہ کر دے تو یہ وصیت کے درجے میں ہو جائے گی، اور وقف لازم ہو جائے گا۔

لغت: المولی: بادشاہ نے جسکو حاکم بنایا ہو۔ محکم: مدعی اور مدعی علیہ نے جس کو حکم بنایا ہو۔

ترجمہ ۱۲؎ اور اگر مرض الموت میں وقف کیا تو حضرت طحاویؒ نے فرمایا کہ یہ موت کے بعد وصیت کے درجے میں ہے، اور صحیح بات یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے یہاں یہ وصیت لازم بھی نہیں ہے، او صاحبینؒ کے یہاں یہ لازم ہے مگر تہائی مال میں اس کا اعتبار ہوگا، اور صحت کے زمانے میں وقف کرے تو پورے مال میں اس کا اعتبار کیا جائے گا،

تشریح: اگر مرض الموت میں وقف کیا تو امام طحاویؒ نے فرمایا کہ یہ موت کے بعد وصیت کے درجے میں ہے، البتہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ لازم نہیں ہوگا، اور صاحبینؒ کے یہاں یہ وقف لازم ہو جائے گا، البتہ چونکہ یہ وصیت ہے اس لئے یہ وقف تہائی مال میں جاری ہوگا۔ لیکن اگر صحت کی حالت میں وقف کیا ہو تو پورے مال میں وقف جاری ہوگا۔

۱۳؎ وَإِذَا كَانَ الْمِلْكُ يَزُولُ عِنْدَهُمَا يَزُولُ بِالْقَوْلِ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ بِمَنْزِلَةِ الْإِعْتَاقِ لِأَنَّهُ إسْقَاطُ الْمِلْكِ. ۱۴؎ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ لَا بُدَّ مِنَ التَّسْلِيمِ إلَى الْمُتَوَلِّي لِأَنَّهُ حَقُّ اللّٰهِ تَعَالٰى، وَإِنَّمَا يَثْبُتُ فِيهِ فِي ضِمْنِ التَّسْلِيمِ إلَى الْعَبْدِ لِأَنَّ التَّمْلِيكَ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَهُوَ مَالِكُ الْأَشْيَاءِ لَا يَتَحَقَّقُ مَقْصُودًا، وَقَدْ يَكُونُ تَبَعًا لِغَيْرِهِ فَيَأْخُذُ حُكْمَهُ فَيَنْزِلُ مَنْزِلَةَ الزَّكَاةِ وَالصَّدَقَةِ.

(۳۰۳۱) قَالَ: وَإِذَا صَحَّ الْوَقْفُ عَلٰى اخْتِلَافِهِمْ [وَفِي بَعْضِ النُّسَخِ: وَإِذَا اُسْتُحِقَّ مَكَانَ قَوْلِهِ إذَا صَحَ] خَرَجَ مِنْ مِلْكِ الْوَاقِفِ وَلَمْ يَدْخُلْ فِي مِلْكِ الْمَوْقُوفِ عَلَيْهِ.

ترجمہ:۱۳؎ صاحبین کے نزدیک موقوفہ چیز سے ملکیت زائل ہو جاتی ہے، تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صرف کہہ دینے سے زائل ہو جائے گی، یہی امام شافعیؒ کا قول بھی ہے، جیسے آزاد کرنے میں صرف کہنے سے آزاد ہو جاتا ہے، کیونکہ یہاں ملکیت کو اپنے سے ساقط کرنا ہے۔

تشریح: صاحبینؒ کے یہاں وقف سے ملکیت زائل ہو جاتی ہے، تو امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ صرف کہہ دینے سے ملکیت زائل ہو جائے گی، جیسے آزاد کرنا ہو تو صرف کہہ دینے سے آزاد ہو جاتا ہے۔

ترجمہ :۱۴؎ اور امام محمدؒ کے نزدیک کسی متولی کو سپرد کرنا ضروری ہے، اس لئے کہ یہ اللہ تعالی کا حق ہے، اس لئے اس میں بندے کو سپرد کرنے کے ضمن میں اللہ تعالی کا حق ثابت ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعالی ہر چیز کا مالک ہے اس لئے مقصود کر کے اللہ کو مالک نہیں بنایا جا سکتا بلکہ دوسرے کے تابع ہو کی اللہ کی ملکیت ہوگی، اس لئے وقف کرنا زکوۃ اور صدقہ کی طرح ہو گیا

تشریح :امام محمدؒ کے نزدیک صرف کہنے سے واقف کی ملکیت زائل نہیں ہوگی اور اللہ کی ملکیت میں نہیں جائے گی، بلکہ وقف کے متولی کو سپرد کرنے سے زائل ہوگی۔

وجہ: وہ فرماتے ہیں کہ سب چیز اللہ کی ملکیت میں ہے، اس لئے اللہ کو مقصود بنا کر حوالہ نہیں کیا جا سکتا، بلکہ بندوں کو حوالہ کرو اس کے ضمن میں اللہ کی ملکیت ہوگی، اس کی مثال دیتے ہیں کہ زکوۃ، اور صدقہ کسی غریب کو دیتے ہیں اس کے ضمن میں اللہ کی ملکیت ہوتی ہے، اسی طرح کسی متولی کو سپرد کرو اس کے ضمن میں اللہ کی ملکیت ہوگی۔

ترجمہ :(۳۰۳۱) جب وقف صحیح ہو جائے ان کے اختلاف کے موافق تو نکل جائے گا واقف کی ملک سے اور نہیں داخل ہوگا موقوف علیہ کی ملکیت میں۔ [بعض نسخے میں صح، کے بجائے استحق ہے]

تشریح :اوپر جو امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا اختلاف گزرا اس اختلاف کے مطابق وقف صحیح ہو جائے تو یہ ہوگا کہ واقف کی ملکیت سے وقف کی چیز نکل جائے گی۔ لیکن جن پر وقف کیا ہے وہ اس کے مالک نہیں ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ

۱؎ لِأَنَّهُ لَوْ دَخَلَ فِيْ مِلْكِ الْمَوْقُوفِ عَلَيْهِ لَا يَتَوَقَّفُ عَلَيْهِ بَلْ يَنْفُذُ بَيْعُهُ كَسَائِرِ أَمْلَاكِهِ، ۲؎ وَلِأَنَّهُ لَوْ مَلَكَهُ لَمَا انْتَقَلَ عَنْهُ بِشَرْطِ الْمَالِكِ الْأَوَّلِ كَسَائِرِ أَمْلَاكِهِ.

دونوں میں سے کوئی مال وقف بیچنا یا ہبہ کرنا چاہے تو نہیں کر سکتے۔

وجہ:(۱) حدیث میں ہے۔عن ابن عمر ان عمر بن الخطاب اصاب ارضا بخیبر فاتی النبی ﷺ یستامرہ فیھا فقال یا رسول اللہ انی اصبت ارضا بخیبر لم اصب مالا قط انفس عندی منہ فماتأمرنی بہ قال ان شئت حبست اصلھا وتصدقت بھا قال فتصدق بھا عمر انہ لا یباع ولا یوھب ولا یورث وتصدق بھا فی الفقراء وفی القربی وفی الرقاب وفی سبیل اللہ وابن السبیل والضیف لا جناح علی من ولیھا ان یأکل منھا بالمعروف ویطعم غیر متمول (بخاری شریف، باب الشروط فی الوقف، کتاب الشرط ص ۳۸۲ نمبر ۲۷۳۷) اس حدیث میں آپؐ نے یوں فرمایا کہ حبست اصلھا جس سے اشارہ ملتا ہے کہ اصل کو روک رکھے یعنی موقوف کسی کی ملکیت نہ ہو۔اور آگے جملہ ہے کہ وقف بیچا بھی نہ جائے، ہبہ بھی نہ کیا جائے اور وارث بھی کوئی نہ ہو تو اس کا مطلب یہ نکلا کہ نہ وہ واقف کی ملکیت رہی نہ موقوف علیہ کی۔ ورنہ جس کی ملکیت میں ہو وہ اس کو بیچ سکتا، ہبہ کر سکتا اور اس کے وارث اس کو وراثت میں تقسیم بھی کرتے۔لیکن ایسا نہیں کر سکتے ہیں تو معلوم ہوا کہ موقوف علیہ اس کا مالک نہیں بنا، بلکہ وہ اللہ کی ملکیت میں چلی گئی

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ موقوف علیہ کی ملکیت میں داخل ہو جاتا تو اس پر وقف نہیں رہتا بلکہ اس کی اور ملکیت کی طرح اس میں اس کی بیع نافذ ہو جاتی۔

لغت: وقف: وقف کا مطلب یہ ہے کہ آج یہ زمین موقوف علیہ کے پاس ہے، یہ اس سے فائدہ اٹھائے، بعد میں وہ زمین دوسرے کے پاس چلی جائے گی وہ فائدہ اٹھائے گا، لیکن اس زمین کا کوئی مالک نہیں بنے گا۔

تشریح: وقف کی زمین موقوف علیہ کی ملکیت میں نہیں جائے گی، اس کی یہ پہلی دلیل عقلی ہے۔ اگر زمین موقوف علیہ کی ملکیت میں داخل ہو جاتی تو یہ اس پر وقف نہیں رہتی، بلکہ اس کی مملوکہ چیز کی طرح وہ اس کو بیچ سکتا، لیکن چونکہ وہ اس کو بیچ نہیں سکتا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ یہ اس کی ملکیت میں داخل نہیں ہوئی

ترجمہ: ۲؎ اگر موقوف علیہ وقف کا مالک بن جائے تو پہلے مالک کی شرط کے مطابق وہ دوسروں کی طرف منتقل نہیں ہوگی، جیسے موقوف علیہ کی اور ملکیت ہیں۔

تشریح: یہ دوسری دلیل عقلی ہے کہ، وقف کی زمین موقوف علیہ کی ملکیت میں داخل نہیں ہوئی۔وقف کرنے والے نے شرط

۳؎ قَالَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: قَوْلُهُ خَرَجَ عَنْ مِلْكِ الْوَاقِفِ يَجِبُ أَنْ يَكُونَ قَوْلُهُمَا عَلَى الْوَجْهِ الَّذِي سَبَقَ تَقْرِيرُهُ.

(۳۰۳۲) قَالَ وَوَقْفُ الْمُشَاعِ جَائِزٌ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ ۱؎ لِأَنَّ الْقِسْمَةَ مِنْ تَمَامِ الْقَبْضِ وَالْقَبْضُ عِنْدَهُ لَيْسَ بِشَرْطٍ فَكَذَا تَتِمَّتُهُ.

لگائی تھی کہ یہ زمین موقوف علیہ کے پاس جائے، اوراس کے بعد دوسرے کے پاس جائے، اس کے بعد تیسرے کے پاس جائے، لیکن اگر موقوف علیہ اس کا مالک بن جائے تو یہ زمین دوسرے کے پاس اور تیسرے کے پاس نہیں جائے گی، جیسے موقوف علیہ کی اپنی ملکیت دوسرے اور تیسرے کے پاس نہیں جاتی ہے، لیکن واقف کی شرط کے مطابق دوسرے اور تیسرے کے پاس جائے گی، جس کا مطلب یہ ہوا کہ موقوف علیہ اس زمین کا مالک نہیں بنا۔

ترجمہ:۳؎ متن میں یہ کہا کہ واقف کی ملکیت سے نکل گئی تو یہ صاحبینؒ کے قول پر ہوگا۔

تشریح: اوپر گزر گیا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے یہاں، وقف کرنے سے واقف کی ملکیت سے نہیں نکلتی، اور متن میں جو کہا گیا کہ واقف کی ملکیت سے نکل گئی یہ صاحبینؒ کے مسلک پر ہوگا، کیونکہ انکے یہاں واقف کی ملکیت سے نکل جاتی ہے۔

ترجمہ: (۳۰۳۲) مشترک کا وقف جائز ہے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک۔

تشریح: کوئی چیز مشترک ہو اور تقسیم ہوسکتی ہو پھر بھی بغیر تقسیم کئے اس کا وقف جائز ہے۔

وجہ: (۱) امام ابو یوسف کے نزدیک وقف پورا ہونے کے لئے موقوف علیہ کو قبضہ دلانا ضروری نہیں ہے۔ صرف کہنے سے وقف ہو جاتا ہے۔ اور جب قبضہ دلانا ضروری نہیں تو مشترک چیز کا بھی وقف ہوسکتا ہے (۲) ان کی دلیل اوپر کی حدیث عمر ہے کہ حضرت عمر نے لوگوں کو مشترکہ طور پر وقف کیا (۳) بنی نجار نے لوگوں کو مشترکہ طور پر مسجد کی زمین وقف کی۔ حدیث میں ہے۔ **عن انس قال امر النبی ﷺ ببناء المسجد فقال یا بنی النجار ثامنونی بحائطکم هذا قالوا لا والله لا نطلب ثمنه الا الی الله** (بخاری شریف، باب اذا وقف جماعۃ ارضا مشاعا فھو جائز ص ۳۸۸ نمبر ۲۷۷۱) اس حدیث میں کئی بنو نجار نے مشترکہ طور پر لوگوں پر مسجد کی زمین وقف کی۔ جس سے اس کے جواز کا پتہ چلتا ہے۔

ترجمہ: ۱؎ تقسیم کرنے کے بعد قبضہ مکمل ہوتا ہے، اور امام ابو یوسفؒ کے یہاں متولی کو قبضہ دینا ہی ضروری نہیں اس لئے تقسیم کرنا بھی ضروری نہیں ہے۔

تشریح: یہاں محاورہ استعمال کیا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ امام ابو یوسفؒ کے یہاں وقف کے لئے متولی کو سپرد کرنا اور اس کو قبضہ دلوانا ضروری نہیں ہے اس لئے اس کو تقسیم کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے، بلکہ مشاع اور مشترک چیز بھی وقف ہوسکتی ہے۔

۲؎ وَقَالَ مُحَمَّدٌ: لَايَجُوز لِأَنَّ أَصْلَ الْقَبْضِ عِنْدَهُ شَرْطٌ فَكَذَا مَا يَتِمُّ بِه، ۳؎ وَهٰذَا فِيمَا يَحْتَمِلُ الْقِسْمَةَ، وَأَمَّافِيمَالَا يَحْتَمِلُ الْقِسْمَةَ فَيَجُوزُمَعَ الشُّيُوعِ عِنْدَ مُحَمَّدٍ أَيْضًا لِأَنَّهُ يُعْتَبَرُ بِالْهِبَةِ وَالصَّدَقَةِ الْمُنَفَّذَةِ

ترجمہ: ۲؎ امام محمدؒ نے فرمایا کہ مشاع چیز کا وقف جائز نہیں ہے، اس لئے کہ انکے یہاں وقف پر قبضہ شرط ہے، اور بغیر تقسیم کئے ہوئے قبضہ مکمل نہیں ہوگا، اس لئے وقف بھی جائز نہیں ہوگا۔

تشریح: امام محمدؒ کے نزدیک مشترک چیز کا وقف جائز نہیں جب تک کہ اس کو تقسیم نہ کردے۔

وجہ: (۱) ان کے یہاں موقوف علیہ کو قبضہ دلانا ضروری ہے اور بغیر تقسیم کئے ہوئے پورا قبضہ نہیں ہوسکتا اس لئے تقسیم کرنا ضروری ہے (۲) جس طرح ہبہ اور صدقہ میں تقسیم کر کے قبضہ دینا ضروری ہے (۳) حدیث میں اشارہ ہے۔ حضرت ابو طلحہ نے اپنے باغ کو وقف کیا تھا اس کے لئے ایک لمبی حدیث ہے جس کا ٹکڑا یہ ہے۔ **انه سمع انس بن مالک یقول کان ابو طلحة اکثر الا نصار بالمدینة مالا من نخل ... قال ابو طلحة افعل ذلک یا رسول الله فقسمها ابو طلحة فی اقاربه وبنی عمه.** (بخاری شریف، باب اذا وقف ارضا ولم یبین الحدود فھو جائز ص ۳۸۸ نمبر ۲۷۶۹) اس حدیث میں ہے کہ ابو طلحہ نے اپنے باغ کو اپنے رشتہ داروں اور چچا زاد بھائیوں کے درمیان تقسیم کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ تقسیم کرنا ضروری ہے۔

ترجمہ: ۳؎ یہ بحث اس صورت میں ہے جبکہ وہ چیز تقسیم کے قابل ہو اور اگر وہ تقسیم ہی نہیں ہوسکتی ہو تو امام محمدؒ کے نزدیک مشترک کی حالت میں بھی وقف کے قابل ہے اس لئے کہ وہ ہبہ اور نافذ صدقہ پر قیاس کرتے ہیں۔

لغت: مشترک اور مشاع چیز دو قسم کی ہوتی ہیں۔ [۱] جو چیز تقسیم کے بعد بھی فائدہ اٹھانے کے قابل ہو، جیسے ایک ایکڑ زمین، کہ اس کو تقسیم کے بعد بھی ہر آدمی اپنے اپنے حصے میں کاشتکاری کرسکتا ہے، ایسی چیز مشترک ہو تو اس پر قبضہ مکمل نہیں ہوتا، اس کو تقسیم کر کے ہی ہبہ کیا جائے گا یا وقف کیا جائے گا [۲] ایسی چیز جو تقسیم کے بعد استفادے کے قابل نہ رہے، جیسے غسل خانہ [حمام] پن چکی کہ اس کو ٹکڑا کر دیا جائے تو وہ نہانے کے قابل نہیں رہتا، ایسی چیز کو مشترک رکھیں تب بھی اس پر قبضہ مکمل ہوجاتا، ایسی چیز کو بغیر تقسیم کئے بھی وقف کرنا جائز ہے۔ مشاع: شائع سے مشتق ہے، مشترک چیز۔

تشریح: جو چیز تقسیم نہیں کی جاسکتی ہو، بلکہ تقسیم ہونے سے فائدے کے قابل نہیں رہتی ہو تو امام محمدؒ کے یہاں بھی اس کا مشترک حالت میں ہی وقف کرنا جائز ہے۔

وجہ: ہبہ اور صدقہ کے باب میں گزر گیا کہ جو چیز تقسیم نہیں ہوسکتی ہے اس کو مشترک حالت میں ہبہ کرنا اور صدقہ کرنا جائز ہے، اور اسی حالت میں اس پر قبضہ مکمل سمجھا جاتا ہے۔ وقف میں بھی یہی ہوگا کہ اسی مشترک حالت میں متولی کا قبضہ شمار کیا جائے گا۔

۴؎ إِلَّا فِي الْمَسْجِدِ وَالْمَقْبَرَةِ، فَإِنَّهُ لَا يَتِمُّ مَعَ الشُّيُوعِ فِيمَا لَا يَحْتَمِلُ الْقِسْمَةَ أَيْضًا عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ، لِأَنَّ بَقَاءَ الشَّرِكَةِ يَمْنَعُ الْخُلُوصَ لِلّٰهِ تَعَالٰى. وَلِأَنَّ الْمُهَايَأَةَ فِيهِمَا فِي غَايَةِ الْقُبْحِ بِأَنْ يُقْبَرَ فِيهِ الْمَوْتٰى سَنَةً، وَيُزْرَعَ سَنَةً وَيُصَلّٰى فِيهِ فِي وَقْتٍ وَيُتَّخَذَ إِصْطَبْلًا فِي وَقْتٍ، ۵؎ بِخِلَافِ الْوَقْفِ لِإِمْكَانِ الِاسْتِغْلَالِ وَقِسْمَةِ الْغَلَّةِ. ۶؎ وَلَوْ وَقَفَهُ الْكُلَّ ثُمَّ اُسْتُحِقَّ جُزْءٌ مِنْهُ بَطَلَ فِي الْبَاقِي عِنْدَ مُحَمَّدٍ لِأَنَّ الشُّيُوعَ مُقَارَنٌ كَمَا فِي الْهِبَةِ،

ترجمہ :۴؎ مگر مسجد اور مقبرہ کا حال یہ ہے کہ تقسیم کا احتمال نہیں رکھتا ہو پھر بھی اس کا وقف کرنا امام ابو یوسفؒ کے یہاں جائز نہیں ہے، اس لئے کہ یہاں شرکت ہوتو خالص اللہ کے لئے نہیں ہوگا، اور اس لئے کہ ان دونوں میں باری باری کرنا بہت برا ہے، کیونکہ ایک سال اس میں دفن کرے، اور دوسرے سال اسی میں کھیتی کرے، یا ایک وقت میں مسجد میں نماز پڑھے، اور دوسرے وقت میں اس کو اصطبل بنادے یہ اچھا نہیں ہے۔

تشریح: مسجد اور مقبرہ کے بارے میں امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ مشترکہ جائز نہیں ہے۔

وجہ :(۱) مشترک کردیں تو یہ خالص اللہ کے لئے نہیں ہوگا، جبکہ یہ خالص اللہ کے لئے ہونا چاہئے۔(۲) اگر مشترک کریں تو مسجد میں ایک دن نماز پڑھے گا اور دوسرا حصے دار دوسرے دن اصطبل بنائے گا، اور قبرستان میں ایک سال مردہ دفن کرے گا اور دوسرے سال اس میں کھیتی کرے گا، یہ اچھا نہیں ہے اس لئے مسجد اور مقبرہ میں شرکت ہوتو امام ابو یوسفؒ کے یہاں بھی وقف نہیں ہوگا۔

لغت : مہایات: نفع کو باری باری تقسیم کرنا، کہ ایک دن یہ نفع اٹھائے اور دوسرے دن دوسرا فریق نفع اٹھائے۔ اصطبل: گھوڑے کو رکھنے کی جگہ۔

ترجمہ:۵؎ بخلاف اور وقف کے اس لئے کہ اس سے غلہ حاصل کیا جاسکتا ہے اور غلے کی تقسیم بھی ہوسکتی ہے۔

تشریح : مسجد اور مقبرے کے علاوہ کسی کھیت کو مشترکہ طور پر وقف کیا ہوتو یہ امام ابو یوسفؒ کے یہاں جائز ہے، کیونکہ دونوں فریق غلہ اگائیں گے اور دونوں تقسیم کرلیں، اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

ترجمہ :۶؎ اور اگر کل زمین کو وقف کیا پھر اس کا کچھ حصہ مستحق نکل گیا تو امام محمدؒ کے نزدیک باقی وقف بھی باطل ہوجائے گا، کیونکہ اشتراک وقف کے وقت ہی تھا، جیسے کہ ہبہ میں ہوتا ہے۔

اصول : یہاں دو مسئلے اس اصول پر ہیں کہ وقف کرنے سے پہلے، یا وقف کرنے کے ساتھ موقوف شیء میں اشتراک ہوگیا تو امام محمدؒ کے نزدیک وقف باطل ہوجائے گا۔ لیکن وقف کیا اس وقت اشتراک نہیں تھا وقف کے بعد کسی طرح اشتراک ثابت

۷ِ بِخِلَافِ مَاإِذَارَجَعَ الْوَاهِبُ فِيْ الْبَعْضِ أَوْرَجَعَ الْوَارِثُ فِيْ الثُّلُثَيْنِ بَعْدَمَوْتِ الْمَرِيضِ وَقَدْ وَهَبَهُ أَوْأَوْقَفَهُ فِيْ مَرَضِهِ وَفِيْ الْمَالِ ضِيقٌ،لِأَنَّ الشُّيُوعَ فِيْ ذٰلِکَ طَارِءٌ. ۸ِ وَلَوْ اُسْتُحِقَّ جُزْءٌ مُمَيَّزٌ بِعَيْنِهِ لَمْ يَبْطُلْ فِيْ الْبَاقِي لِعَدَمِ الشُّيُوعِ وَلِهٰذَا جَازَ فِيْ الِابْتِدَاءِ، وَعَلٰى هٰذَا الْهِبَةُ وَالصَّدَقَةُ الْمَمْلُوكَةُ.

ہوئی تو اب وقف باطل نہیں نہوگا، کیونکہ وقف کے وقت اشتراک نہیں تھا۔ یہی حال ہبہ کا بھی ہے۔

تشریح: زید نے اپنی زمین وقف کی، اور اس میں عمر کا حصہ نکل گیا تو امام محمدؒ کے یہاں وقف باطل ہوجائے گا، کیونکہ وقف سے پہلے شرکت ہوگئی، اور پہلے گزر چکا ہے کہ وقف سے پہلے شرکت ہوجائے تو امام محمد کے یہاں وقف باطل ہوجاتا ہے۔

لغت: لان الشیوع مقارن: یہاں شرکت وقف کے ساتھ ہے، اس لئے وقف باطل ہوگا۔

ترجمہ: ۷ِ بخلاف اگر ہبہ کرنے والے نے بعض حصے میں رجوع کیا تو ۔ یا مرض الموت کے بعد وارث نے دو حصوں میں رجوع کیا، اور حال یہ تھا کہ مرض الموت میں ہبہ کیا تھا یا وقف کیا تھا اور مال میں کمی تھی، تو اس شرکت سے وقف باطل نہیں ہوگا، اس لئے یہاں اشتراک بعد میں آیا ہے۔

اصول: اس مسئلے میں یہ بتانا چاہتے ہیں وقف کے بعد شرکت ہوئی ہو تو امام محمدؒ کے یہاں بھی اس سے وقف باطل نہیں ہوگا۔

تشریح: یہاں دو مسئلے ہیں۔ [۱] ہبہ کیا یا وقف کیا اس کے بعد خود وقف کرنے والے نے بعض حصے سے رجوع کر لیا تو وقف باطل نہیں ہوگا۔ کیونکہ وقف کے بعد شرکت ہوئی ہے [۲] واقف نے مرض الموت میں زمین وقف کی، جس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ وصیت ہوئی، اور اس کے پاس صرف یہی زمین تھی، جس کی وجہ سے ایک تہائی میں وصیت جاری ہوئی اور دو تہائی زمین وارث کی نکلی، تو وارث کا حصہ نکلنے سے وقف باطل نہیں ہوگا، کیونکہ وقف کے بعد شرکت ہوئی ہے۔

لغت: ضیق: زمین کم تھی، تنگی تھی۔ طاری: بعد میں آئی ہے

ترجمہ: ۸ِ اور اگر متعین جز کا مستحق نکل گیا تو باقی میں ہبہ باطل نہیں ہوگا، کیونکہ یہاں اشتراک نہیں ہے، اس لئے شروع میں بھی ایسا ہبہ جائز ہے۔ اور یہی حال ہبہ اور صدقہ مملوکہ کا ہے۔

اصول: اس عبارت میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر زمین وقف کی اور اس کا متعین جز کسی کا نکل گیا، یا ہبہ کیا، یا صدقہ کیا اور اس کا متعین جز کسی کا نکل گیا تو چونکہ باقی زمین میں یہ شرکت نہیں ہے، مشاع نہیں ہے اس لئے وقف، ہبہ، یا صدقہ باطل نہیں ہوگا۔

تشریح: وقف کرنے کے بعد زمین کا متعین جز کسی کا نکل گیا تو وقف باطل نہیں ہوگا، کیونکہ یہاں زمین کی شرکت نہیں ہے، یہی حال ہبہ، اور صدقہ کا بھی ہے۔

(۳۰۳۳) قَالَ: وَلَا يَتِمُّ الْوَقْفُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ حَتَّى يَجْعَلَ آخِرَهُ بِجِهَةٍ لَا تَنْقَطِعُ أَبَدًا. وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: إِذَا سَمَّى فِيهِ جِهَةً تَنْقَطِعُ جَازَ وَصَارَ بَعْدَهَا لِلْفُقَرَاءِ وَإِنْ لَمْ يُسَمِّهِمْ.

ترجمہ :(۳۰۳۳)امام ابوحنیفہؒ اور محمدؒ کے نزدیک وقف پورا نہیں ہوگا یہاں تک کہ یہ بھی کہے یہ ہمیشہ کے لئے وقف ہی رہے گا۔اورامام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ، ہمیشہ کے لئے وقف ہی رہے گا،نہیں بھی کہا تب بھی وقف ہو جائے گا،اورفقراء کا نام نہ بھی لیا ہو تب بھی یہ بعد میں فقراء کے لئے ہو جائے گا۔

اصول : یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ، ہمیشہ کے لئے وقف ہے،واقف کو یہ بولنا پڑے گا یا نہیں۔امام ابوحنیفہؒ کے یہاں واقف کو یہ بولنا پڑے گا تب وقف ہوگا۔اورامام ابو یوسفؒ کے یہاں اس کے بولے بغیر بھی وقف صحیح ہو جائے گا،اور بعد میں خود ہی ہمیشہ کے لئے غرباء اور مساکین کے لئے وقف ہو جائے گا۔

تشریح :طرفینؒ کے نزدیک وقف اسی وقت پورا ہوگا جبکہ وقف کا مال آخر کار ہمیشہ کے لئے غرباء ومساکین کے لئے ہو جائے۔اورواقف کو اس کی تصریح کرنی ہوگی کہ یہ مال آخر ہمیشہ کے لئے فقراء کے لئے ہی ہوگا اور میرے اور میرے ورثاء کے پاس واپس نہیں آئے گا۔

وجہ :حضرت عمر نے مقام ثمغ کی جائداد وقف کی تھی اس میں لکھا تھا کہ اس کا نگران حضرت حفصہ ہوگی۔اوراس کے بعد اہل رائے ہوں گے اوراس کا فائدہ غرباء ومساکین کو ہمیشہ کے لئے پہنچتا رہے گا۔حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔اخبرنی لیث عن یحیی بن سعید عن صدقة عمر بن الخطاب ... والمائة سهم الذی بخیبر ورقیقه الذی فیه والمائة التی اطعمه محمد بالوادی تلیه حفصة ماعاشت ثم یلیه ذو الرأی من اهلها ان لایباع ولا یشتری ینفقه حیث رأی من السائل والمحروم وذی القربی ولا حرج علی من ولیه ان اکل او اکل او اشتری رقیقا منه (ابو داؤد شریف، باب ماجاء فی الرجل یوقف الوقف ج ثانی ص۴۲ نمبر ۲۸۷۹ / دار قطنی ، کتاب الاحباس ج رابع ص ۱۷۱ نمبر ۴۳۷۹)اس حدیث میں حضرت عمر نے پہلے حفصہ کو وقف کا نگران بنایا پھر اہل رائے کو بنایا اوراس کی تصریح کر دی کہ یہ ہمیشہ کے لئے فقراء اور مساکین کے استفادے کے لئے رہے گا۔اور بیچا اور خریدا نہیں جائے گا۔

امام ابو یوسفؒ کے قول کی تصریح

تشریح:امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ واقف کو ہمیشہ کے لئے فقراء کی تصریح کر دینی چاہئے۔لیکن اس نے فقراء کا نام وقف میں نہیں لیا صرف ایسے لوگوں پر وقف کیا جو کچھ سالوں کے بعد مر جائیں گے اور ختم ہو جائیں گے، پھر بھی وقف صحیح ہو جائے گا۔البتہ جن لوگوں کا نام لے کر وقف کیا ہے ان کے مرنے کے بعد لوٹ کر واقف کے ورثہ کی طرف نہیں آئے گا بلکہ خود بخود

۱؎ لَهُمَا أَنَّ مُوجَبَ الْوَقْفِ زَوَالُ الْمِلْكِ بِدُونِ التَّمْلِيكِ وَأَنَّهُ يَتَأَبَّدُ كَالْعِتْقِ، فَإِذَا كَانَتْ الْجِهَةُ يُتَوَهَّمُ انْقِطَاعُهَا لَا يَتَوَفَّرُ عَلَيْهِ مُقْتَضَاهُ، فَلِهَذَا كَانَ التَّوْقِيتُ مُبْطِلًا لَهُ كَالتَّوْقِيتِ فِي الْبَيْعِ.

۲؎ وَلِأَبِي يُوسُفَ أَنَّ الْمَقْصُودَ هُوَ التَّقَرُّبُ إلَى اللَّهِ تَعَالَى وَهُوَ مُوَفَّرٌ عَلَيْهِ، لِأَنَّ التَّقَرُّبَ تَارَةً يَكُونُ فِي الصَّرْفِ إلَى جِهَةٍ تَنْقَطِعُ وَمَرَّةً بِالصَّرْفِ إلَى جِهَةٍ تَتَأَبَّدُ فَيَصِحُّ فِي الْوَجْهَيْنِ.

ہمیشہ کے لئے فقراء کے لئے ہو جائے گا۔

وجہ: وقف کا مقصد قربت حاصل کرنا ہے۔ البتہ یہ قربت کبھی مخصوص لوگوں پر وقف کرنے سے ہوتی ہے اور کبھی ہمیشہ کے لئے فقراء اور مساکین پر وقف کرنے سے ہوتی ہے اسلئے دونوں طرح کے وقف کرنے سے وقف ہوگا۔ البتہ وقف کا مقصد ہمیشہ کے لئے قربت حاصل کرنا ہے اسلئے مخصوص لوگوں کے مرنے کے بعد خود بخود ہمیشہ کے لئے فقراء و مساکین کے لئے ہو جائے گا۔

لغت: جھۃ تنقطع : یہ محاورہ ہے۔ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ ایسے خاص لوگوں پر وقف کیا جس کے مرنے کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہو جائے گا۔ جیسے اولاد پر وقف کرے تو اس کے مرنے کے بعد یہ جہت منقطع ہو جائے گی۔ اور، جہۃ لا تنقطع ، کا مطلب یہ ہے کہ ایسے فقراء پر وقف کرے جو ہمیشہ باقی رہے۔

ترجمہ: ۱؎ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ وقف کا اصل سبب واقف کی ملکیت کا زائل ہونا ہے، اور اب کسی اور کو مالک نہ بنانا ہے اور یہ صورت حال ہمیشہ رہے، جیسے آزادگی ہمیشہ رہتی ہے، پس اگر وقف میں ایسی جہت ہو جو منقطع ہو سکتی ہو تو وقف کا تقاضہ پورا نہیں ہوا، یہی وجہ ہے کہ چند دن کے لئے وقف کرے تو یہ باطل ہے، جیسے چند دن کے لئے بیچے تو باطل ہے۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ، وقف کا مطلب یہ ہے کہ واقف کی ملکیت ختم ہو جائے، اور ہمیشہ کے لئے کسی کو مالک نہ بنایا جائے، اور یہ مطلب اسی وقت پورا ہوگا جب ہمیشہ کی تصریح ہو، اس لئے وقف کرنے میں ہمیشہ کی تصریح ضروری ہے، اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ چند دنوں کے لئے بیچے تو جائز نہیں اسی طرح کچھ دنوں کے لئے وقف کرے تو بھی جائز نہیں ہوگا، ہمیشہ کے لئے وقف کرنا ہوگا۔

لغت: جہۃ یتوہم انقطاعھا: ایسے لوگوں پر وقف کرے جو منقطع ہو سکتے ہوں، مثلا اپنی اولاد پر وقف کرے، تو یہ ممکن ہے کہ اس کی اولاد نہ رہے، اس لئے اپنی اولاد پر وقف کیا تو یہ وقف نہیں نہوگا صدقہ ہو جائے گا۔۔

ترجمہ: ۲؎ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ وقف کا مقصد اللہ کی قربت حاصل کرنا ہے، اور وہ پورا ہو رہا ہے، کیونکہ کبھی ایسی چیز میں قربت ہوتی ہے جو محدود ہو، اور کبھی ہمیشہ کے لئے ہو اس میں قربت ہوتی ہے، اسلئے دونوں صورتوں میں وقف ہو جائے گا۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ وقف کا مقصد ثواب حاصل کرنا اور اللہ کی قربت حاصل کرنا ہے، اب مختصر مدت

۳؎ وَقِيلَ إنَّ التَّأْبِيدَ شَرْطٌ بِالْإِجْمَاعِ، إلَّا أَنَّ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ لا يُشْتَرَطُ ذِكْرُ التَّأْبِيدِ لِأَنَّ لَفْظَةَ الْوَقْفِ وَالصَّدَقَةِ مُنْبِئَةٌ عَنْهُ لِمَا بَيَّنَّا أَنَّهُ إزَالَةُ الْمِلْكِ بِدُونِ التَّمْلِيكِ كَالْعِتْقِ، وَلِهٰذَا قَالَ فِي الْكِتَابِ فِي بَيَانِ قَوْلِهِ وَصَارَ بَعْدَهَا لِلْفُقَرَاءِ وَإِنْ لَمْ يُسَمِّهِمْ، وَهٰذَا هُوَ الصَّحِيحُ، ۴؎ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ ذِكْرُ التَّأْبِيدِ شَرْطٌ لِأَنَّ هٰذَا صَدَقَةٌ بِالْمَنْفَعَةِ أَوْ بِالْغَلَّةِ، وَذٰلِكَ قَدْ يَكُونُ مُؤَقَّتًا وَقَدْ يَكُونُ مُؤَبَّدًا فَمُطْلَقُهُ لا يَنْصَرِفُ إلَى التَّأْبِيدِ فَلا بُدَّ مِنْ التَّنْصِيصِ.

(۳۰۳۴) قَالَ: وَيَجُوزُ وَقْفُ الْعَقَارِ[لِأَنَّ جَمَاعَةً مِنْ الصَّحَابَةِ رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ وَقَفُوهُ[وَلَا

کے لئے وقف کریں تب بھی ثواب ہو جائے گا، اور ہمیشہ کے لئے کریں تب بھی قربت حاصل ہو جائے گی، اس لئے دونوں صورتوں میں وقف ہو جائے گا۔ البتہ مختصر مدت کے لئے کرے تب بھی بعد میں فقراء اور مساکین پر وقف ہو جائے گا۔

ترجمہ :۳؎ بعض حضرات نے فرمایا کہ، ہمیشہ کے لئے وقف کرنا سب کے یہاں شرط ہے، البتہ امام ابو یوسفؒ کے یہاں تابید[ہمیشہ] کے ذکر کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے کہ وقف اور صدقہ کا لفظ خود ہی اس کا پتہ دیتا ہے، کیونکہ ہم نے بیان کیا کہ وقف کا مطلب یہ ہے کہ اپنی ملکیت زائل کر دے اور کسی کو مالک نہ بنائے، جیسے آزاد کرنے میں ہوتا ہے۔ اسی لئے متن میں کہا تھا کہ، چاہے فقراء کا نام نہ لے وقف کرنے سے وہ فقراء کے لئے ہی ہو جائے گا، یہی صحیح ہے۔

تشریح :بعض حضرات نے فرمایا کہ تینوں کے یہاں یہ شرط ہے کہ وقف ہمیشہ کے لئے ہوتا ہے، البتہ امام ابو یوسفؒ کے یہاں یہ ہے کہ ہمیشہ کی تصریح نہ بھی کرے تب بھی وقف اور صدقہ کا جملہ ایسا ہے کہ اس سے ہمیشگی ہو ہی جاتی ہے، اسی لئے تو متن یہ کہہ دیا گیا کہ بعد میں وہ فقراء اور مساکین کے لئے ہو جائے گا۔

ترجمہ :۴؎ اور امام محمدؒ کے نزدیک، تابید[ہمیشہ] کا ذکر کرنا شرط ہے، اس لئے کہ وقف میں نفع اور غلے کا صدقہ ہے، اور یہ کبھی متعین دنوں کے لئے ہوتا ہے، اور کبھی ہمیشہ کے لئے ہوتا ہے، اس لئے جب مطلق وقف کیا تو وہ ہمیشہ کے لئے نہیں ہوگا، اس لئے وقف میں ہمیشہ، کی صراحت کرنا ضروری ہے۔

تشریح:امام محمدؒ کے نزدیک یہ ہے کہ، غلے کا بھی وقف ہوتا ہے جو کبھی مختصر مدت کے لئے ہوتا ہے اور کبھی ہمیشہ کے لئے ہوتا ہے، اس لئے مطلق وقف بولے گا تو ہمیشہ کے لئے نہیں ہوگا، اس لئے ہمیشہ کے وقف کے لئے ہمیشہ کی صراحت کرنی ہوگی، تب زمین کا وقف کامل ہوگا۔

ترجمہ :(۳۰۳۴) صحیح ہے زمین کا وقف کرنا[اس لئے کہ صحابہ کی ایک جماعت نے وقف کیا ہے[اور نہیں جائز ہے ایسی چیز کا وقف کرنا جو منتقل ہوتی ہو اور بدلتی ہو۔

يَجُوزُ وَقْفُ مَا يُنْقَلُ وَيُحَوَّلُ . لے قَالَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ:وَهٰذَا عَلَى الْإِرْسَالِ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

(۳۰۳۵) وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: إِذَا وَقَفَ ضَيْعَةً بِبَقَرِهَا وَأُكَرَتِهَا وَهُمْ عَبِيدُهُ جَازَ

ترجمہ : لے مصنف کہتے ہیں کہ منقولی چیز کا وقف مطلقا جائز نہیں ہے، یہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہوسکتا ہے [کیونکہ انکے یہاں ہمیشہ کے لئے وقف کرنے کی شرط ہے]

یہاں پانچ اصول ہیں جن پر مسئلہ متفرع ہے۔

اصول :امام ابوحنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ جو چیز ہمیشہ رہتی ہو جیسے زمین، مکان، دکان صرف انہیں کا وقف جائز ہے، پہلے گزر چکا ہے کہ وقف کے لئے انکے یہاں ہمیشہ کی قید لگانا ضروری ہے۔اس لئے وہ چیز ہمیشہ رہے گی تب ہی اس کا وقف جائز ہوگا۔

اصول :امام ابو یوسفؒ کا اصول یہ ہے زمین کا وقف جائز ہے اور اس کے تابع ہو کر ہل، بیل، زمین کی خدمت کے لئے غلام کا بھی وقف جائز ہے۔

اصول :امام محمدؒ کے یہاں جن چیزوں کو وقف کرنے کا تعامل ہے، جیسے زمین، ہتھیار، گھوڑا، اونٹ، کدال، ان چیزوں کا وقف کرنا بھی جائز ہے۔

اصول:امام شافعیؒ کا اصول یہ ہے کہ جن چیزوں کو باقی رکھ کر اس سے نفع اٹھایا جاسکتا ہو ان سب چیزوں کو وقف کرنا جائز ہے۔

تشریح :امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک زمین اور غیر منقول چیزوں کا وقف ہوتا ہے۔اور منقولی چیز وقف کرے تو وقف کے بجائے صدقہ ہوجائے گا۔

وجہ :(۱)اوپر گزرا کہ امام ابوحنیفہؒ کے یہاں وقف کے لئے ہمیشہ کی قید لگانا ضروری ہے،اور یہ اسی وقت ہوگا جبکہ وہ چیز ہمیشہ رہنے والی ہو، جو چیز منتقل ہونے والی ہو یا ٹوٹ پھوٹ جاتی ہو اس میں ہمیشہ کی قید نہیں لگا سکتے ،اس لئے اس کا وقف بھی نہیں ہوگا ،اور اگر منقولی چیز کو وقف کر دیا تو امام ابوحنیفہؒ کے یہاں اس کو صدقہ کہا جائے گا۔(۲)اوپر حضرت عمر کی زمین کے بارے میں حدیث گزری کہ انہوں نے خیبر کی زمین کو وقف کیا۔(۳) حضرت عثمانؓ کی یہ حدیث بھی ہے۔ **عن ابی سلمة بشير بن بشير قال لماقدم المهاجرون المدينة....فبلغ ذالک عثمانؓ فاشتراهابخمسة وثلاثين الف درهم ثم اتى النبى ﷺ فقال يارسول الله اتجعل لى مثل الذى جعلته له عينافى الجنة ان اشتريتها؟ قال نعم قال قداشريتهاو جعلتهاللمسلمين** ۔(طبرانی الکبیر، باب بشیر الاسلمی ابو بشیر، ج ۲، ص ۴۱، نمبر ۱۲۲۶)اس حدیث میں ہے کہ حضرت عثمانؓ نے بیر رومہ کو وقف کیا۔

ترجمہ :(۳۰۳۵)امام ابو یوسفؒ نے فرمایا اگر وقف کرے زمین اس کے بیلوں کے ساتھ اور ہلواہوں کے ساتھ،اور وہ

لے وَكَذَا سَائِرُ آلَاتِ الْحِرَاسَةِ لِأَنَّهُ تَبَعٌ لِلْأَرْضِ فِي تَحْصِيلِ مَا هُوَ الْمَقْصُودُ، وَقَدْ يَثْبُتُ مِنَ الْحُكْمِ تَبَعًا مَا لَا يَثْبُتُ مَقْصُودًا كَالشُّرْبِ فِي الْبَيْعِ وَالْبِنَاءِ فِي الْوَقْفِ، ٢ـ وَمُحَمَّدٌ مَعَهُ فِيهِ، لِأَنَّهُ لَمَّا جَازَ إِفْرَادُ بَعْضِ الْمَنْقُولِ بِالْوَقْفِ عِنْدَهُ فَلَأَنْ يَجُوزَ الْوَقْفُ فِيهِ تَبَعًا أَوْلَى.

(٣٠٣٦) وَقَالَ مُحَمَّدٌ: يَجُوزُ حَبْسُ الْكُرَاعِ وَالسِّلَاحِ

ہلواہےاس کے غلام تھےتو جائز ہے۔

ترجمہ: لے ایسے ہی کھیتی کے اور آلات، اس لئے کہ مقصود کے حاصل کرنے میں یہ زمین کے تابع ہیں، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک چیز مقصود کے اعتبار سے ثابت نہیں ہوسکتی اور تابع کے اعتبار سے ثابت ہوسکتی ہے، جیسے زمین کی بیع میں پانی[تابع ہو کر بیچی جاسکتی ہے، اور زمین کے وقف میں دیوار۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ زمین کو وقف کرنا اصل ہے لیکن اس کے لوازمات اور تابع چیزیں جتنی ہیں وہ سب چاہے منقولی ہوں زمین کے ساتھ ان کو بھی وقف کرے تو جائز ہے۔

وجہ: وہ فرماتے ہیں کہ بیل اور ہلواہا مستقل طور پر تو وقف نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ وہ منقولی چیز ہیں۔ لیکن زمین کے تابع ہو کر وقف ہوسکتی ہے۔ کیونکہ بعض چیز اصل طور پر جائز نہ ہو لیکن تابع کے طور پر جائز ہوسکتی ہے۔ جیسے پانی سیراب کرنے کا حق اصل طور پر بیچنا جائز نہیں لیکن تابع ہو کر بک سکتا ہے۔ یا صرف دیوار کو وقف کرو تو جائز نہیں ہے، لیکن زمین کو وقف کرے تو اس کے تابع ہو کر دیوار بھی وقف ہو جائے گی، جس سے معلوم ہوا کہ بعض چیزیں اصل اور مقصود ہو کر وقف نہیں ہوسکتی، لیکن تابع ہو کر ہو سکتی ہے، ایسے ہی یہاں کھیتی کے آلات زمین کے تابع ہو کر وقف ہوسکتا ہے

اصول: ان کا اصول یہ ہے کہ تابع ہو کر منقول چیزوں کا وقف جائز ہے۔

لغت: ضیعۃ : کھیتی کی زمین۔ اکرۃ : کھیت میں کام کرنے والے مزدور، ہلواہا۔ حراسۃ: کھیتی کرنا۔

ترجمہ: ٢ـ امام محمدؒ امام ابو یوسفؒ کے ساتھ ہیں اس لئے کہ امام محمدؒ کے نزدیک بعض منقولی چیز کو الگ سے وقف کرنا جائز ہے، تو تابع کر کے بدرجہ اولی وقف کرنا جائز ہوگا۔

تشریح: آگے آرہا ہے کہ جن منقولی چیزوں کو وقف کرنے کا لوگوں کے درمیان تعامل ہے اس کا وقف کرنا امام محمدؒ کے یہاں جائز ہے، پس جب مستقل طور پر وقف کرنا جائز ہے تو تابع کے طور پر بدرجہ اولی جائز ہوگا، اس اعتبار سے وہ حضرت امام ابو یوسفؒ کے ساتھ ہو گئے۔

ترجمہ: (٣٠٣٦) امام محمدؒ نے فرمایا گھوڑے اور ہتھیار کا وقف جائز ہے۔

۱ وَمَعْنَاهُ وَقْفُهُ فِيْ سَبِيلِ اللّٰهِ، ۲ وَأَبُو يُوسُفَ مَعَهُ فِيهِ عَلٰى مَا قَالُوا، وَهُوَ اسْتِحْسَانٌ. ۳ وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا يَجُوزَ لِمَا بَيَّنَّاهُ مِنْ قَبْلُ. ۴ وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ الْآثَارُ الْمَشْهُورَةُ فِيهِ: مِنْهَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "وَأَمَّا خَالِدٌ فَقَدْ حَبَسَ أَدْرُعًا وَأَفْرَاسًا لَهُ فِيْ سَبِيلِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَطَلْحَةُ حَبَسَ دُرُوعَهُ فِيْ سَبِيلِ اللّٰهِ تَعَالَى" وَيُرْوَى أَكْرَاعَهُ. وَالْكُرَاعُ: الْخَيْلُ. وَيَدْخُلُ فِيْ حُكْمِهِ الْإِبِلُ؛ لِأَنَّ الْعَرَبَ يُجَاهِدُونَ عَلَيْهَا، وَكَذَا السِّلَاحُ يُحْمَلُ عَلَيْهَا.

ترجمہ:۱ اس عبارت کا معنی یہ ہے کہ اللہ کے راستے میں وقف کر دے۔

تشریح: امام محمدؒ کے یہاں منقولی چیز، مثلا گھوڑا، اونٹ، اور ہتھیار کو وقف کرنا جائز ہے، کیونکہ صحابہ نے ایسا کیا ہے۔

ترجمہ:۲ مشائخ نے فرمایا کہ امام ابو یوسفؒ بھی امام محمدؒ کے ساتھ ہیں، اور یہ استحسان کا تقاضہ ہے۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ کے نزدیک منقولی چیز کا وقف زمین کے تابع ہو کر جائز تھا، اس لئے ہتھیار اور گھوڑے کا وقف جائز نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ یہ زمین کے تابع نہیں ہے، لیکن احادیث میں گھوڑے اور ہتھیار کے وقف کا تذکرہ ہے اس لئے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بھی جائز ہو گیا۔

ترجمہ:۳ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ گھوڑے اور ہتھیار کا وقف جائز نہ ہو، اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے پہلے بیان کیا، [کہ ہمیشہ والی چیز کا وقف ہوتا ہے، اور یہ ہمیشہ نہیں ہے اس لئے اس کا وقف جائز نہیں ہونا چاہئے۔]

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ:۴ استحسان کی وجہ یہ ہے کہ اس وقف کے بارے میں بہت سی حدیثیں مشہور ہیں، مثلا حضورؐ کا قول، بہر حال خالد نے اپنے گھوڑے اور اپنی ذرہ اللہ کے راستے میں وقف کر دئے ہیں، اور حضرت طلحہؓ نے اپنی زرہ اللہ کے راستے میں وقف کیا، اور ایک روایت میں اکراعہ، یعنی گھوڑے اللہ کے راستے میں دئے۔ اور اس کے حکم میں اونٹ بھی داخل ہوگا اس لئے کہ عرب اونٹ پر جہاد کیا کرتے تھے، ایسے ہی ہتھیار اونٹ پر لادا کرتے تھے۔

تشریح: گھوڑے اور ہتھیار کے وقف کے بارے میں بہت سی مشہور حدیثیں ہیں، جنکی وجہ سے یہ چیزیں ہمیشہ رہنے والی نہیں ہیں پھر بھی استحسان کے طور پر اس کا وقف جائز ہے، اور عرب میں اونٹ پر جہاد کیا کرتے تھے اس لئے اونٹ کا وقف بھی جائز ہے۔

وجہ: (۱) صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن ابی هريرة قال امر رسول الله بصدقة فقيل منع ابن جميل وخالد بن وليد والعباس بن عبد المطلب فقال النبی ما ينقم ابن جميل الا انه كان فقيرا فاغناه الله ورسوله واما خالد فانكم تظلمون خالدا قد احتبس ادراعه واعتده فی سبيل الله (بخاری شریف، باب قول

۵؎ وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ يَجُوزُ وَقْفُ مَا فِيهِ تَعَامُلٌ مِنْ الْمَنْقُولَاتِ كَالْفَأْسِ وَالْمَرِّ وَالْقَدُومِ وَالْمِنْشَارِ وَالْجِنَازَةِ وَثِيَابِهَا وَالْقُدُورِ وَالْمَرَاجِلِ وَالْمَصَاحِفِ.

اللہ وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ، کتاب الزکوۃ،ص ۱۹۸ نمبر ۱۴۶۸ ر مسلم شریف، باب تقدیم الزکوۃ ومنعھا ص ۳۱۶ نمبر ۹۸۳ ر ۲۲۷۷) اس حدیث میں حضرت خالد نے ہتھیار کو اللہ کے راستے میں وقف کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ہتھیار اللہ کے راستے میں وقف کرنا جائز ہے (۲) حضرت ابوطلحہ نے زرہ نہیں اپنا قیمتی باغ وقف کیا تھا، حدیث یہ ہے۔ یقول کان ابو طلحہ اکثر الانصار بالمدینة مالا من نخل .....انی اری ان تجعلها فی الاقربین قال ابو طلحه افعل ذالک یا رسول الله فقسمها ابو طلحه فی اقاربه و بنی عمه۔ (بخاری شریف، باب اذا وقف ارضا ولم یبین الحدود فهو جائز وکذالک الصدقة، ص ۴۵۸، نمبر ۲۷۶۹) اس حدیث میں حضرت ابوطلحہ نے اپنا باغ چچازاد بھائیوں پر وقف کیا ہے۔ (۳) دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت عمر نے گھوڑا اللہ کے راستے میں وقف کیا۔ ان عمر حمل علی فرس له فی سبیل الله اعطاها رسول الله فحمل علیها رجلا فاخبر عمر انه وقفها یبیعها فسأل رسول الله ان یبتاعها فقال لا تبتاعها ولا ترجعن فی صدقتک (بخاری شریف، باب وقف الدواب والکراع والعروض والصامت ص ۳۸۹ نمبر ۲۷۷۵) اس حدیث میں گھوڑا وقف کیا گیا ہے

ترجمہ :۵؎ اور امام محمدؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ منقولی چیز میں سے جن چیزوں کو وقف کرنے کا تعامل ہو، جیسے کلہاڑا، پھاوڑا، کدال، آرا، تابوت اور اس کے کپڑے، ہانڈی، پتھر کی دیگیں، اور قرآن مجید۔

تشریح :امام محمدؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ لوگ جن چیزوں کو وقف کیا کرتے ہیں اور اس کے وقف کرنے کا تعامل ہے ان چیزوں کو وقف کرنا جائز ہوگا، چاہے وہ چیز منقولی ہی کیوں نہ ہوں۔ جیسے کلہاڑا وغیرہ۔

وجہ:(۱) عن ابن عباس قال اراد رسول الله الحج ... فقلت ما عندی ما احجک علیه قالت احجنی علی جملک فلان فقلت ذاک حبیس فی سبیل الله عزوجل قال اما انک لو احججتها علیه کان فی سبیل الله (ابوداؤد شریف، باب العمرۃ ص ۲۷۹ نمبر ۱۹۹۰) اس حدیث سے اونٹ کے وقف کرنے کا جواز معلوم ہوا (۲) حضرت زہریؒ کے قول سے دوسری چیزوں کے وقف کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ وقال الزهری فیمن جعل الف دینار فی سبیل الله ودفعها الی غلام له تاجر یتجر بها وجعل ربحه صدقة للمساکین والاقربین (بخاری شریف، باب وقف الدواب والکراع والعروض والصامت ص ۳۸۹ نمبر ۲۷۷۵) اس قول سے معلوم ہوا کہ درہم اور دینار بھی وقف کر سکتا ہے کہ اس سے تجارت کر کے جو نفع آئے وہ مساکین کے لئے وقف ہو۔

۶؎ وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ لَا يَجُوزُ؛ لِأَنَّ الْقِيَاسَ إِنَّمَا يُتْرَكُ بِالنَّصِّ، وَالنَّصُّ وَرَدَ فِي الْكُرَاعِ وَالسِّلَاحِ فَيُقْتَصَرُ عَلَيْهِ. ۷؎ وَمُحَمَّدٌ يَقُولُ: الْقِيَاسُ قَدْ يُتْرَكُ بِالتَّعَامُلِ كَمَا فِي الِاسْتِصْنَاعِ، وَقَدْ وُجِدَ التَّعَامُلُ فِي هَذِهِ الْأَشْيَاءِ. ۸؎ وَعَنْ نُصَيْرِ بْنِ يَحْيَى أَنَّهُ وَقَفَ كُتُبَهُ إِلْحَاقًا لَهَا بِالْمَصَاحِفِ، وَهَذَا صَحِيحٌ لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ يُمْسَكُ لِلدِّينِ تَعْلِيمًا وَتَعَلُّمًا وَقِرَاءَةً، وَأَكْثَرُ فُقَهَاءِ الْأَمْصَارِ عَلَى قَوْلِ مُحَمَّدٍ، وَمَا لَا تَعَامُلَ فِيهِ لَا يَجُوزُ عِنْدَنَا وَقْفُهُ.

لغت : الفاس: کلہاڑی۔ المرو: پھاوڑا۔ القدوم: کدال۔ المنشار: آرا۔ الجنازة: تابوت، لکڑی کی وہ چارپائی جس میں مردے کو قبرستان تک لی جاتے ہیں۔ القدور: ہانڈی۔ المراجل: دیگ۔ المصاحف: قرآن کریم۔ کراع: گھوڑے۔ حبس: روکنا، وقف کرنا۔

ترجمہ :۶؎ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ان سب چیزوں کا وقف جائز نہیں ہے اس لئے کہ قیاس کو حدیث کی وجہ سے چھوڑا جاتا ہے، اور حدیث صرف گھوڑے اور ہتھیار کے بارے میں ہے اس لئے اسی پر اکتفاء کیا جائے گا۔

ترجمہ :۷؎ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ لوگوں کے تعامل کی وجہ سے بھی قیاس کو چھوڑا جاتا ہے، جیسے کہ بیٹھ بنوانے میں تعامل کی وجہ سے قیاس چھوڑ دیا گیا، [اور اوپر ان چیزوں کے بارے میں تعامل ہے، کہ لوگ ان چیزوں کو وقف کرتے ہیں اس لئے ان چیزوں کا وقف جائز ہوگا]

تشریح : آپ کہیں کہ میرے پیر کے ناپ کا جوتا بنادو اور اتنا روپیہ دون گا، اس کو بیٹھ بنوانا کہتے ہیں، اس میں مبیع مجہول ہوتا ہے، کیونکہ ابھی جوتا موجود نہیں ہے، لیکن لوگوں کے تعامل کی وجہ سے یہ جائز ہو گیا، اسی طرح جن چیزوں کے وقف کرنے کا تعامل ہے اس کا وقف کرنا جائز ہوگا۔

لغت: استصناع: صناع سے مشتق ہے، بیٹھ بنوانا۔

ترجمہ :۸؎ نصیر بن یحی نے قرآن کے وقف پر قیاس کرتے ہوئے اپنی کتابوں کو وقف کیا تھا، اور یہ صحیح ہے، کیونکہ بہت سارے لوگ دین کو پڑھنے اور پڑھانے اور قرأت کے لئے کتابیں وقف کرتے ہیں، اور شہروں کے اکثر فقہاء امام محمدؒ کے قول پر عمل کرتے ہیں [کہ وہ کتابیں وقف کرتے ہیں]، اور جن چیزوں کا تعامل نہیں ہے ان کا وقف کرنا ہمارے نزدیک جائز نہیں ہے۔

تشریح : حضرت نصیر بن یحی کی طرح آج بھی بہت سے لوگ مسجدوں میں قرآن کریم وقف کرتے ہیں، اور امام محمدؒ کے قول پر عمل کرتے ہیں۔

۹ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: كُلُّ مَا يُمْكِنُ الِانْتِفَاعُ بِهِ مَعَ بَقَاءِ أَصْلِهِ وَيَجُوزُ بَيْعُهُ يَجُوزُ وَقْفُهُ؛ لِأَنَّهُ يُمْكِنُ الِانْتِفَاعُ بِهِ، فَأَشْبَهَ الْعَقَارَ وَالْكُرَاعَ وَالسِّلَاحَ. ۱۰ وَلَنَا أَنَّ الْوَقْفَ فِيهِ لَا يَتَأَبَّدُ، وَلَا بُدَّ مِنْهُ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ فَصَارَ كَالدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيرِ، بِخِلَافِ الْعَقَارِ، ۱۱ وَلَا مُعَارِضَ مِنْ حَيْثُ السَّمْعُ وَلَا مِنْ حَيْثُ التَّعَامُلُ فَبَقِيَ عَلَى أَصْلِ الْقِيَاسِ. وَهٰذَا لِأَنَّ الْعَقَارَ يَتَأَبَّدُ، وَالْجِهَادُ سَنَامُ الدِّينِ، فَكَانَ مَعْنَى الْقُرْبَةِ

ترجمہ:۹ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ جو چیز باقی رکھتے ہوئے اس سے فائدہ اٹھانا ممکن ہو، اور اس کا بیچنا بھی جائز ہو اس کا وقف کرنا جائز ہے، اس لئے کہ اس سے فائدہ اٹھانا ممکن ہے اس لئے وہ زمین، گھوڑے اور ہتھیار کے مشابہ ہو گئے۔

تشریح: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ [۱] ایک تو وہ چیز ہے جس کو استعمال کرو تو وہ ختم ہو جائے، جیسے کھانا، پانی۔ اس کا صدقہ ہوتا ہے وقف نہیں ہوتا۔ [۲] دوسری وہ چیز ہے جس کے بدلے میں کوئی چیز آتی ہے، جیسے درہم، دینار، اس بھی صدقہ ہوتا ہے، وقف نہیں ہوتا۔ اور [۳] تیسری وہ چیز ہے جو موجود رہے اور اس سے نفع اٹھایا جا سکے، اور اس کو بیچا بھی جا سکے، جیسے ہانڈی، تو اس کو بھی وقف کیا جا سکتا ہے چاہے لوگوں میں اس کا تعامل نہ ہو، اس لئے وہ زمین اور ہتھیار کی طرح ہو گیا۔

ترجمہ: ۱۰ ہماری دلیل یہ ہے کہ ان چیزوں کے وقف کرنے میں ہمیشگی نہیں ہوتی، جیسا کہ ہم نے پہلے شرط لگائی [کہ وقف میں ہمیشگی ہونی چاہئے] اس لئے وہ درہم اور دینار کی طرح ہو گیا، بخلاف زمین کے۔

تشریح: ہمارا جواب یہ ہے کہ پہلے گزر چکا ہے کہ وقف کے لئے ہمیشہ کی قید لگانا ضروری ہے، اور منقولی چیزیں ہمیشہ نہیں رہتیں اس لئے اس کا وقف نہیں ہوگا ، اور جو لوگ کرتے ہیں یہ صدقہ ہے۔ اس کی مثال دیتے ہیں کہ درہم اور دینار کا وقف نہیں ہوتا، صدقہ ہوتا ہے اسی طرح اس کا بھی صدقہ ہوگا۔

وجہ:(۱) انبانا ابن عباس ان سعد بن عبادةؓ توفيت امه و هو غائب عنها فقال يا رسول الله ان امى توفيت و انا غائب عنها أينفعها شيء ان تصدقت به عنها ؟ قال نعم قال فانى اشهدک ان حائطى المحراف صدقة عليها۔ (بخاری شریف، باب اذا قال ارضی و بستانی صدقۃ للہ عن امی، ص ۴۵۶، نمبر ۲۷۵۶) اس حدیث میں فرمایا کہ باغ صدقہ ہے، اس لئے منقولی چیز صدقہ ہوگی۔ (۲) وقال الزهرى فيمن جعل الف دينار فى سبيل الله و دفعها الى غلام له تاجر يتجر بها و جعل ربحه صدقة للمساكين و الاقربين (بخاری شریف، باب وقف الدواب والکراع والعروض والصامت ص ۴۸۹ نمبر ۲۷۷۵) اس قول تابعی سے پتہ چلتا ہے کہ منقولی چیز صدقہ ہوگی۔

ترجمہ: ۱۱ حدیث میں جن چیزوں کے وقف کا ذکر ہے وہ معارض نہیں ہے، اور جس کا تعامل ہے وہ بھی معارض نہیں ہے، اس لئے باقی چیزیں اصل قیاس پر رہیں گی۔

فِيهِمَا أَقْوَى فَلَا يَكُونُ غَيْرُهُمَا فِي مَعْنَاهُمَا.

(۳۰۳۷) قَالَ: وَإِذَا صَحَّ الْوَقْفُ لَمْ يَجُزْ بَيْعُهُ وَلَا تَمْلِيكُهُ، إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَشَاعًا عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ فَيَطْلُبُ الشَّرِيكُ الْقِسْمَةَ فَيَصِحُّ مُقَاسَمَتُهُ ۱؎ أَمَّا امْتِنَاعُ التَّمْلِيكِ فَلِمَا بَيَّنَّا.

تشریح: یہاں عبارت پیچیدہ ہے اور محاورہ استعمال کیا ہے، غور سے سمجھیں۔ یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے، انہوں نے فرمایا تھا جس چیز کو باقی رکھتے ہوئے اس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہو اس کا وقف جائز ہے، اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ جن چیزوں کے وقف کا تذکرہ حدیث میں ہے، یا جن چیزوں کے وقف کرنے کا تعامل ہے، ان کی تو ایک وجہ ہے کہ کسی کا ذکر حدیث میں ہے اور کسی پر لوگوں کا تعامل ہے اس لئے امام محمدؒ نے اس کے وقف کو جائز قرار دیا، لیکن امام شافعیؒ نے جو ذکر کیا اس کی تو کوئی وجہ بھی نہیں ہے اس لئے وہ اصلی قیاس پر رہے گا اور اس کا وقف جائز نہیں ہوگا، تاہم وہ صدقہ ہو جائے گا۔

ترجمہ: ۲؎ اور اس کی بنیاد یہ ہے کہ زمین ہمیشہ رہتی ہے، اور جہاد دین کا کوہان ہے، اور وہ ہمیشہ رہے گا، اس لئے دونوں میں قربت کا معنی قوی ہے، اس لئے ان دونوں کے علاوہ جو چیزیں ہیں وہ ان دونوں کے معنی میں نہیں ہوں گی، اس لئے اس کا وقف جائز نہیں ہوگا۔

تشریح: متن میں دو چیزوں کے وقف کا تذکرہ ہے [۱] زمین کا [۲] اور ہتھیار کا، اس لئے یہاں زمین اور ہتھیار میں جوڑ پیدا کر رہے ہیں۔ جہاد دین کا بہت بڑا رکن ہے، اور وہ ہمیشہ رہے گا، اس لئے ہتھیار بھی ہمیشہ رہے گی، اس لئے وہ زمین کی طرح ہوگئی جو ہمیشہ رہے گی اس لئے ہتیار کا بھی وقف جائز ہوگا۔

ترجمہ: (۳۰۳۷) جب وقف صحیح ہو جائے تو اس کا بیچنا صحیح نہیں اور نہ کسی کو اس کا مالک بنانا۔ مگر یہ کہ وقف مشترک ہو تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک شریک تقسیم کرنے کا مطالبہ کر سکتا ہے، اور تقسیم کرنا صحیح ہوگا۔

ترجمہ: ۱؎ وقف کا مالک بنانا ممنوع ہے اس کو پہلے ہم نے بیان کر دیا ہے۔

تشریح: اس متن میں دو مسئلے ہیں [۱] ایک ہے وقف کی چیز کو کسی کو مالک نہیں بنایا جا سکتا، اور نہ بیچی جا سکتی ہے۔ [۲] اور دوسرا ہے کہ اگر یہ زمین مشترک ہے تو اس کو تقسیم کی جا سکتی ہے۔

پہلی بات کہ اس زمین کا کوئی مالک نہیں بن سکتا، اس کو بیچ نہیں سکتا اس کے لئے حدیث گزر چکی ہے۔

وجہ: اس کے لئے یہ حدیث گزر چکی ہے جس میں یہ تھا کہ۔ ان عمر تصدق بمال..... فقال النبی ﷺ تصدق باصله لایباع ولا یوهب ولا یورث ولکن ینفق ثمره. (بخاری شریف، باب وما للوصی ان یعمل فی مال الیتیم وما یأکل منه بقدر عمالته ص ۳۸۸ نمبر ۲۷۶۴) جس سے معلوم ہوا کہ وقف مال کو نہ بیچا جا سکتا ہے نہ وارث بنایا جا سکتا ہے اور نہ ہبہ کیا جا سکتا ہے۔

۲؎ وَأَمَّا جَوَازُ الْقِسْمَةِ فَلِأَنَّهَا تَمْيِيزٌ وَإِفْرَازٌ، غَايَةُ الْأَمْرِ أَنَّ الْغَالِبَ فِيْ غَيْرِ الْمَكِيلِ وَالْمَوْزُوْنِ مَعْنَى الْمُبَادَلَةِ، إِلَّا أَنَّ فِي الْوَقْفِ جَعَلْنَا الْغَالِبَ مَعْنَى الْإِفْرَازِ نَظَرًا لِلْوَقْفِ فَلَمْ تَكُنْ بَيْعًا وَتَمْلِيكًا. ۳؎ ثُمَّ إِنْ وَقَفَ نَصِيبَهُ مِنْ عَقَارٍ مُشْتَرَكٍ فَهُوَ الَّذِي يُقَاسِمُ شَرِيكَهُ؛ لِأَنَّ الْوِلَايَةَ لِلْوَاقِفِ وَبَعْدَ الْمَوْتِ إِلَى وَصِيِّهِ،

[۲] اور دوسری بات کہ مشترک زمین ہو تو امام محمدؒ کے نزدیک اس کا وقف ہی نہیں ہوگا، جب تک کہ اس کو تقسیم کر کے وقف نہ کرے۔ لیکن امام ابو یوسفؒ کے یہاں مشترک زمین کو بھی وقف کیا جا سکتا ہے، اس لئے امام ابو یوسفؒ کے مسلک پر یہ ہوگا واقف اس زمین کو تقسیم کرائے اور وقف کو مکمل کرے۔

وجہ :(۱) یہ اس کا اپنا حق ہے اور یہ بدلہ نہیں ہے بلکہ اپنے حصے کو الگ کرانا ہے اس لئے جائز ہوگا۔ (۲) یقول کان ابو طلحہ اکثر الانصار بالمدینۃ مالا من نخل .....انی اری ان تجعلھا فی الاقربین قال ابو طلحہ افعل ذالک یا رسول اللہ فقسمھا ابو طلحہ فی اقاربہ و بنی عمہ۔ (بخاری شریف، باب اذا وقف ارضا ولم یبین الحدود فھو جائز و کذا لک الصدقۃ، ص ۴۵۸، نمبر ۲۷۶۹) اس حدیث میں حضرت ابو طلحہؓ نے وقف کی زمین کو تقسیم کی ہے۔

ترجمہ :۲؎ بہر حال وقف کا تقسیم کرنا جائز ہے، اس لئے کہ اس میں اپنے مال سے دوسرے کے مال کو علیحدہ کرنا ہے، زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ کیلی اور وزنی چیز کے علاوہ میں مبادلے کا معنی غالب ہے، لیکن وقف میں ہم نے وقف کو دیکھتے ہوئے علیحدہ کرنے کے معنی کو غالب کیا ہے، اس لئے اس میں بیع اور مالک بنانا نہیں ہوگا۔

لغت :افراز: دوسرے کے مال سے اپنے مال کو الگ کرنا۔۔ بیع اپنے مال کو دیکر دوسرے کے مال کو لینا۔

تشریح : یہاں ایک قاعدے پر بحث ہے۔ تقسیم کے دو معنی ہیں [۱] ایک یہ ہے کہ اپنی کچھ زمین دیکر شریک کی کچھ زمین لے۔ جس کو بیع، کہتے ہیں، وقف میں یہ جائز نہیں ہے [۱] اور دوسرا معنی یہ ہے کہ اپنی زمین شریک کی زمین سے الگ کر لی، جس کو افراز کہتے ہیں، یہ جائز ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ زمین وغیرہ کو تقسیم کرے تو اس میں بیع کا معنی ہی غالب ہے، اور یہ وقف کی زمین میں جائز نہیں ہے، اس لئے ہم اس کو افراز الگ کرنے کے معنی میں لیں گے، تاکہ جائز ہو جائے۔

ترجمہ :۳؎ پھر اگر وقف کرنے والے نے اپنی زمین میں سے اپنے حصے کو وقف کیا تو شریک سے وہی تقسیم کرائے گا، اس لئے کہ واقف کو تقسیم کرانے کا حق ہے، اور واقف کے مرنے کے بعد اس کے وصی کو اس کا حق ہے۔

تشریح : زید اور عمر کا ایک زمین میں حصہ تھا، زید نے اپنا حصہ وقف کر دیا تو زید کو حق ہے کہ اپنا حصہ عمر سے تقسیم کرائے، اور اس کو وقف کر دے۔

وجہ:اس کی وجہ یہ ہے کہ واقف کو یہ حق ہے کہ اس کو تقسیم کرائے، اور اس کے مرنے کے بعد اسکے وصی کو تقسیم کرانے کا حق ہے۔

۴ وَإِنْ وَقَفَ نِصْفَ عَقَارٍ خَالِصٍ لَهُ فَالَّذِي يُقَاسِمُهُ الْقَاضِي ۵ أَوْ يَبِيعُ نَصِيبَهُ الْبَاقِي مِنْ رَجُلٍ، ثُمَّ يُقَاسِمُهُ الْمُشْتَرِي ثُمَّ يَشْتَرِي ذٰلِكَ مِنْهُ لِأَنَّ الْوَاحِدَ لَا يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ مُقَاسِمًا وَمُقَاسَمًا، ۶ وَلَوْ كَانَ فِي الْقِسْمَةِ فَضْلُ دَرَاهِمَ إِنْ أَعْطَى الْوَاقِفَ لَا يَجُوزُ لِامْتِنَاعِ بَيْعِ الْوَقْفِ، وَإِنْ أَعْطَى الْوَاقِفَ جَازَ وَيَكُونُ بِقَدْرِ الدَّرَاهِمِ شِرَاءً.

ترجمہ:۴ اور اگر اپنی خالص زمین میں سے آدھی زمین کو وقف کیا تو قاضی اس کو تقسیم کرائے گا۔

تشریح : یہاں ایک قاعدہ بیان کرنا چاہتے ہیں، وہ یہ کہ خود ایک آدمی اپنی زمین کو تقسیم نہیں کرسکتا، تقسیم کرنے کے لئے دوسرا آدمی تقسیم کروانے والا چاہئے۔ اب اپنی زمین وقف کیا تو قاضی اس کی زمین کو تقسیم کرائے گا، تا کہ ایک ہی آدمی تقسیم کر کے لینے والا اور تقسیم کر کے دینے والا نہ ہو۔

ترجمہ :۵ دوسری صورت یہ ہے کہ اپنے باقی حصے کو کسی آدمی سے بیچ دے، پھر خریدنے والا اس کو تقسیم کرائے، ، پھر وقف کرنے والا مشتری سے اپنا حصہ خرید لے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک ہی آدمی تقسیم کر کے لینے والا اور تقسیم کر کے دینے والا نہیں ہو سکتا ہے۔

تشریح : چونکہ ایک ہی آدمی تقسیم کرنے والا اور تقسیم کر کے لینے والا نہیں ہوسکتا اس لئے دوسری صورت یہ ہے کہ زید نے آدھا تو پہلے وقف کر چکا تھا، اور باقی آدھے کو عمر کے ہاتھ میں بیچ دے، اور عمر اپنا حصہ لینے کے لئے تقسیم کرائے، اور بعد میں زید عمر سے خرید لے۔

نوٹ : آج کل کے زمانے میں زید وقف کی زمین تقسیم کر کے دے سکتا ہے، اس لئے یہ حیلہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ :۶ اگر تقسیم میں درہم کے طور پر زیادہ دیا تو اگر وقف کرنے والے نے درہم دیا تو جائز نہیں ہے، کیونکہ وقف کو بیچنا جائز نہیں ہے، اور اگر وقف کرنے والے نے درہم دیا تو جائز ہوگا، اس کا مطلب یہ ہوگا کہ درہم سے خرید کر کچھ اور زمین وقف کیا۔

تشریح:اس عبارت میں یہ بتانا چاہتے ہیں۔ وقف کی زمین کو خریدنے کی صورت ہو جائز ہے۔ اور بیچنے کی صورت ہو جائز نہیں ہے۔ زید نے اپنی زمین تقسیم کی جس کے بدلے میں شریک کو زمین زیادہ گئی اور اس کے بدلے میں شریک نے زید کو پیسہ دیا تو یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ گویا کہ زید نے وقف کی کچھ زمین کو بیچا، اور وقف کی زمین کو بیچنا جائز نہیں ہے، اس لئے یہ پیسہ لینا جائز نہیں ہے۔ دوسری صورت یہ ہے زید کو زیادہ زمین ملی، جس کے بدلے میں زید نے کچھ پیسہ دیا، تو یہ سمجھا جائے گا زید نے پیسہ دیکر کچھ زیادہ زمین خریدا اور وقف کیا، یہ نہیں ہوا کہ وقف کی زمین کو بیچا، اس لئے یہ صورت جائز ہوگی۔ اس عبارت کو غور سے سمجھیں۔

(۳۰۳۸) قَالَ: وَالْوَاجِبُ أَنْ يُبْتَدَأَ مِنْ ارْتِفَاعِ الْوَقْفِ بِعِمَارَتِهِ شَرَطَ ذٰلِكَ الْوَاقِفُ أَوْ لَمْ يَشْتَرِطْ ۱؎ لِأَنَّ قَصْدَ الْوَاقِفِ صَرْفُ الْغَلَّةِ مُؤَبَّدًا، وَلَا تَبْقٰى دَائِمَةً إِلَّا بِالْعِمَارَةِ فَيَثْبُتُ شَرْطُ الْعِمَارَةِ اقْتِضَاءً ۲؎ وَلِأَنَّ الْخَرَاجَ بِالضَّمَانِ وَصَارَ كَنَفَقَةِ الْعَبْدِ الْمُوصٰى بِخِدْمَتِهِ، فَإِنَّهَا عَلَى الْمُوصَى لَهُ بِهَا.

ترجمہ: (۳۰۳۸) واجب ہے کہ شروع کرے وقف کے منافع سے اس کی مرمت، واقف نے شرط لگائی ہو اس کی یا نہ لگائی ہو۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ وقف رنے والے کا مقصد ہے کہ ہمیشہ غلہ ملتا رہے اور مرمت کے بغیر ہمیشہ نہیں ملے گا اس لئے مرمت کی شرط اقتضاء ثابت ہے۔

تشریح: وقف کرنے والے نے چاہے یہ شرط لگائی ہو یا نہ لگائی ہو کہ اس جائداد کے منافع سے پہلے اس کی مرمت کی جائے گی۔ پھر بھی وقف کے منافع سے پہلے اس کی مرمت کرنا ضروری ہے۔

وجہ: (۱) واقف کا مقصد ہے کہ وقف کی چیز ہمیشہ رہے۔ اور یہ اسی شکل میں ممکن ہے جب وقف کے ٹوٹ پھوٹ کو مرمت کرتا رہے ورنہ وہ جلدی ختم ہو جائے گا۔ اسلئے وقف کے منافع سے پہلے مرمت کا کام کرنا ضروری ہے (۲) حضرت عمر کے وقف کرنے کی لمبی حدیث میں اس کا اشارہ موجود ہے۔ **عن ابن عمر ... لا جناح علی من ولیھا ان یأکل منھا بالمعروف او یطعم صدیقا غیر متمول** (بخاری شریف، باب الوقف کیف یکتب ص ۳۸۸ نمبر ۲۷۷۲) اس حدیث میں ہے کہ نگراں مناسب انداز سے کھا سکتا ہے کیونکہ وہ کام کرتا ہے تو اس پر قیاس کرتے ہوئے نفع سے مرمت بھی کرائے گا (۳) حضور ؐ کے چھوڑے ہوئے وراثت کے سلسلے میں حدیث یہ ہے۔ **عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ لا تقتسم ورثتی دینارا ولا درھما ما ترکت بعد نفقۃ نسائی ومؤنۃ عاملی فھو صدقۃ** (بخاری شریف، باب نفقۃ القیم للوقف ص ۳۸۹ نمبر ۲۷۷۶) اس حدیث میں ہے کہ میرے کام کرنے والے کے خرچ کے بعد صدقہ ہے تو معلوم ہوا کہ وقف پر کام کرنے والے کا خرچ نفع میں سے نکالا جائے گا تو اس پر قیاس کرتے ہوئے مرمت کا خرچ بھی نفع سے نکالا جائے گا ورنہ تو وقف ہمیشہ نہیں رہ سکے گا۔

ترجمہ: ۲؎ اور اس لئے کہ نفع حاصل کرنے کی وجہ سے مرمت بھی لازم ہوگی، اور غلام کو خدمت کرنے کی وصیت کی تو اس کا نفقہ بھی اس پر ہوگا، جس کی خدمت کی وصیت کی ہے۔

تشریح: مرمت کرنے کے لئے یہاں دو دلیلیں دی ہیں [۱] خراج بالضمان، یہ محاورہ ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ جو فائدہ حاصل کرتا ہے اس کا خرچ فائدہ حاصل کرنے والے پر لازم ہوتا ہے۔ [۲] اور دوسری دلیل یہ ہے کہ مثلا زید نے یہ وصیت کی میرا غلام عمر کی خدمت کرے گا تو غلام کا نفقہ بھی عمر پر لازم ہوگی، اسی طرح وقف کی مرمت بھی وقف کے مال ہی سے نکالا جائے گا۔

۳؎ ثُمَّ إِنْ كَانَ الْوَقْفُ عَلَى الْفُقَرَاءِ لا يَظْفَرُ بِهِمْ، وَأَقْرَبُ أَمْوَالِهِمْ هٰذِهِ الْغَلَّةُ فَتَجِبُ فِيهَا. ۴؎ وَلَوْ كَانَ الْوَقْفُ عَلَى رَجُلٍ بِعَيْنِهِ وَآخِرُهُ لِلْفُقَرَاءِ فَهُوَ فِيْ مَالِهِ: أَيِّ مَالٍ شَاءَ فِيْ حَالِ حَيَاتِهِ. وَلَا يُؤْخَذُ مِنَ الْغَلَّةِ؛ لِأَنَّهُ مُعَيَّنٌ يُمْكِنُ مُطَالَبَتُهُ، ۵؎ وَإِنَّمَا يَسْتَحِقُّ الْعِمَارَةَ عَلَيْهِ بِقَدْرِ مَا يَبْقٰى الْمَوْقُوفُ عَلٰى الصِّفَةِ الَّتِيْ وَقَفَهُ، ۶؎ وَإِنْ خَرِبَ يَبْنِي عَلٰى ذٰلِكَ الْوَصْفِ؛ لِأَنَّهَا بِصِفَتِهَا صَارَتْ غَلَّتُهَا مَصْرُوفَةً إِلَى الْمَوْقُوفِ عَلَيْهِ. فَأَمَّا الزِّيَادَةُ عَلٰى ذٰلِكَ فَلَيْسَتْ بِمُسْتَحَقَّةٍ عَلَيْهِ وَالْغَلَّةُ مُسْتَحَقَّةٌ فَلَا يَجُوزُ صَرْفُهَا إِلٰى شَيْءٍ آخَرَ إِلَّا بِرِضَاهُ،

ترجمہ: ۳؎ اگر فقراء پر وقف ہے، اور اس کی تعداد اتنی ہے کہ ان خرچ لینا مشکل ہے، اور ان سے قریب تر غلہ یہی وقف کی آمدنی ہے تو اسی آمدنی میں مرمت کا خرچ ہوگا۔

تشریح: جن فقراء پر وقف کیا انکی تعداد اتنی ہے کہ ان سے خرچ لینا مشکل ہے، اور وقف کا جو غلہ ہے اس کو مرمت میں خرچ کیا جا سکتا ہے تو اسی غلے کو خرچ کیا جائے گا۔

وجہ: فقراء سے لینا مشکل ہو تو غلے ہی سے خرچ کیا جائے گا۔

ترجمہ: ۴؎ اور اگر کسی خاص آدمی پر وقف کیا تھا، کہ اس کے بعد فقراء پر وقف ہوگا تو اس آدمی کی زندگی میں جس مال سے چاہے مرمت میں خرچ کرے، اور غلے سے لینے کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ یہاں آدمی متعین ہے اس لئے اس سے مطالبہ کیا جا سکتا ہے۔

تشریح: اگر متعین آدمی پر وقف کیا تھا تو اس کے مال ہی سے مرمت کا خرچ لیا جائے گا، پھر غلے سے لینے کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ: ۵؎ وقف کی جو حالت پہلے تھی اتنا ہی مرمت کرانے کا مستحق ہوگا۔

تشریح: وقف کرتے وقت عمارت کی جو حالت تھی اسی حالت کے مطابق مرمت کرا سکتا ہے اس سے زیادہ نہیں۔ یوں کر دے حرج نہیں، لیکن قانونی طور پر وہ اتنے ہی کا مستحق ہے

وجہ: وقف کو اسی حالت پر رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے جس حالت پر وقف کیا تھا اسلئے اسی حالت تک برقرار رکھنے کا مستحق ہے۔

ترجمہ: ۶؎ اگر وقف کی عمارت خراب ہوگئی تو اسی صفت پر بنائی جا سکتی ہے جس پر وہ پہلے تھی، اور اس کا غلہ وقف پر خرچ کیا جائے گا، اس سے زیادہ کا وہ مستحق نہیں ہے، اور غلے کا حقدار وہ ہے جس پر وقف کیا تھا، اس لئے اس کی رضامندی کے بغیر دوسری چیز پر خرچ نہیں کی جائے گی۔

ے وَلَوْ كَانَ الْوَقْفُ عَلَى الْفُقَرَاءِ فَكَذٰلِكَ عِنْدَ الْبَعْضِ، وَعِنْدَ الْآخَرِينَ يَجُوزُ ذٰلِكَ، وَالْأَوَّلُ أَصَحُّ لِأَنَّ الصَّرْفَ إِلَى الْعِمَارَةِ ضَرُورَةُ إِبْقَاءِ الْوَقْفِ وَلَا ضَرُورَةَ فِي الزِّيَادَةِ.

(۳۰۳۹) قَالَ: فَإِنْ وَقَفَ دَارًا عَلَى سُكْنٰى وَلَدِهٖ فَالْعِمَارَةُ عَلَى مَنْ لَهُ سُكْنٰى ا لِأَنَّ الْخَرَاجَ بِالضَّمَانِ عَلٰى مَا مَرَّ فَصَارَ كَنَفَقَةِ الْعَبْدِ الْمُوصٰى بِخِدْمَتِهٖ.

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ وقف کرتے وقت عمارت کی جو حالت تھی اسی حالت پر بنانے کا مستحق ہے، اس سے زیادہ جو غلہ ہے وہ فقراء کا ہے، یا اس آدمی کا ہے جس پر وقف کیا گیا ہے اس لئے اس کی رضامندی کے بغیر زیادہ خرچ نہیں کیا جائے گا۔

تشریح: اگر وقف کی عمارت خراب ہوگئی، تو وقف کرتے وقت اس عمارت کی جو حالت تھی اتنی بنائی جائے گی، اس سے زیادہ جو غلہ ہے وہ فقراء کا ہے، یا اس آدمی کا ہے جس پر وقف ہوا تھا اس لئے اس کی رضامندی کے بغیر زیادہ خرچ نہیں کیا جا سکتا ہے۔

لغت: خراب: عمارت کا خراب ہونا، ویران ہونا۔ موقوف علیہ: جس پر وقف کیا تھا۔

ترجمہ: ے اور اگر فقراء پر وقف ہو تب بھی بعض علماء کے نزدیک یہی حکم ہے [کہ اس کی رضامندی کے بغیر پہلی حالت سے زیادہ نہیں بنائی جائے گی] اور بعض حضرات کے نزدیک اس سے زیادہ بنائی جا سکتی ہے، لیکن پہلی روایت زیادہ صحیح ہے، اس لئے کہ وقف کو اپنی حالت پر باقی رکھنے کے لئے مرمت پر خرچ کیا جاتا ہے، اور زیادہ بنانے کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے زیادہ خرچ نہیں کیا جائے گا۔

تشریح: کسی خاص آدمی پر وقف نہ ہو بلکہ عام فقراء پر وقف ہو تو بعض علماء نے فرمایا کہ پہلی حالت سے زیادہ نہیں بنا سکتے، اور بعض دوسرے علماء نے فرمایا کہ پہلی حالت سے زیادہ بھی وقف کے غلے سے بنا سکتے ہیں، تاکہ زیادہ سے زیادہ فقیروں کے کام آ سکے، لیکن پہلی روایت زیادہ صحیح ہے، کیونکہ عمارت کو پہلی حالت پر رکھنے کی ضرورت ہے، اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے اس سے زیادہ کرچ کرنے کی گنجائش نہیں ہوگی۔ البتہ کوئی کر دے تو ثواب ملے گا، اگر چہ اس سے زیادہ کا مستحق نہیں ہے۔

ترجمہ: (۳۰۳۹) اگر وقف کیا گھر اپنی اولاد کی رہائش کے لئے تو مرمت کرنا اس پر ہے جس کے لئے رہائش ہے۔

ترجمہ: ا اس لئے ضمان کے مطابق خراج بھی لازم ہوتا ہے، اس لئے جس کے لئے غلام کی خدمت کی وصیت کی اسی پر اس کا نفقہ بھی لازم ہوگا، کی طرح ہو گیا۔

تشریح: کسی مخصوص آدمی کی رہائش کے لئے گھر وقف کیا تو گھر کا کرایہ وغیرہ تو نہیں آئے گا اس لئے اس گھر کی مرمت کی

(۳۰۴۰) فَإِنْ امْتَنَعَ مِنْ ذٰلِکَ، أَوْ کَانَ فَقِيرًا آجَرَهَا الْحَاكِمُ وَعَمَّرَهَا بِأُجْرَتِهَا، وَإِذَا عَمَّرَهَا رَدَّهَا إِلَى مَنْ لَهُ السُّكْنٰى ۱؎ لِأَنَّ فِي ذٰلِکَ رِعَايَةَ الْحَقَّيْنِ حَقِّ الْوَاقِفِ وَحَقِّ صَاحِبِ السُّكْنٰى، لِأَنَّهُ لَوْ لَمْ يُعَمِّرْهَا تَفُوتُ السُّكْنٰى أَصْلًا، وَالْأَوَّلُ أَوْلٰى،

ذمہ داری رہنے والے کے اوپر ہے۔ وہ اپنی آمدنی سے اس کی مرمت کروائے۔

وجہ :(۱) جب وہ رہ رہا ہے تو الخراج بالضمان کے تحت اس پر ہی مرمت کی ذمہ داری ہوگی (۲) جس طرح خدمت کا غلام ہو تو اس غلام کا کھانا خرچ خدمت کرانے والے پر ہوتا ہے اسی طرح گھر کی مرمت رہنے والے پر ہوگی۔ (۳) اور رشتہ داروں پر گھر وقف کرنے کی حدیث یہ ہے۔ سمع انس بن مالک ... قال ابو طلحة افعل ذلک یا رسول الله ! فقسمها ابو طلحة فی اقاربه و بنی عمه (بخاری شریف، باب اذا وقف ارضا ولم یبین الحدود فهو جائز وکذلک الصدقة ص ۳۸۸ نمبر ۲۷۶۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اولاد کے لئے بھی وقف کرسکتا ہے۔

لغت: سکنی : رہائش۔

ترجمہ :(۳۰۴۰) اگر مرمت کرنے سے رک جائے یا فقیر ہو تو اجرت پر دے گا اس کو حاکم اور اس کی مرمت کرائے گا اس کی اجرت سے، پس جب مرمت ہوگئی تو اس کو واپس کردے اس کی طرف جس کی رہائش ہے۔

تشریح : جس کو رہنے کے لئے دیا ہے وہ مرمت نہیں کرا رہا ہے۔ یا فقیر ہے جس کی وجہ سے مرمت کرانا مشکل ہے تو اس کی صورت یہ کی جائے گی کہ اس مکان کو دوسرے کو کرائے پر حاکم دے گا اور کرایہ سے اس کی مرمت کرائے گا، پس جب مرمت کرا کر پہلی حالت پر مکان آجائے تو دوبارہ اس مکان کو اس فقیر کو دے دیگا جس پر واقف نے وقف کیا تھا۔

وجہ :(۱) رہنے والا آدمی مرمت نہیں کرا رہا ہے اور اس کی مرمت کرانا بھی ضروری ہے تو یہی شکل نکل سکتی ہے کہ دوسروں کو کرایہ پر دیدے اور اس سے جو آمدنی آئے اس سے مرمت کرائے۔ اور مرمت کرانے کے بعد کرایہ پر دینے کی ضرورت نہیں رہی اور موقوف علیہ کا حق مقدم ہے اس لئے دوبارہ اس کو واپس کردیا جائے گا۔

لغت: آجر: اجرت پر دینا۔ عمر: تعمیر سے مشتق ہے، عمارت تعمیر کرنا۔

ترجمہ : ۱؎ اس لئے کہ تعمیر کرنے میں دونوں کے حقوق کی رعایت کرنا ہے، واقف کے حق کا بھی اور جو اس گھر میں رہتا ہے اس کے حق کا بھی، اس لئے کہ اگر تعمیر نہ کرے تو رہائش کے قابل ہی نہیں رہے گا، اس لئے تعمیر کرنا زیادہ بہتر ہے۔

تشریح : گھر کی اجرت سے اس کی تعمیر کرنے میں واقف کا بھی فائدہ ہے کہ چیز محفوظ رہے گی، اور رہنے والے کا بھی فائدہ ہے کہ اس کو دوبارہ رہنے کے لئے ملے گا، اس لئے اجرت سے گھر کی تعمیر کرائی جائے گی۔

۲؎ وَلا يُجْبَرُ الْمُمْتَنِعُ عَلَى الْعِمَارَةِ لِمَا فِيهِ مِنْ إتْلافِ مَالِهِ فَأَشْبَهَ امْتِنَاعَ صَاحِبِ الْبَذْرِ فِي الْمُزَارَعَةِ فَلا يَكُونُ امْتِنَاعُهُ رِضًا مِنْهُ بِبُطْلانِ حَقِّهِ لِأَنَّهُ فِي حَيِّزِ التَّرَدُّدِ، ۳؎ وَلا تَصِحُّ إجَارَةُ مَنْ لَهُ السُّكْنَى لِأَنَّهُ غَيْرُ مَالِكٍ. (۳۰۴۱) قَالَ: وَمَا انْهَدَمَ مِنْ بِنَاءِ الْوَقْفِ وَآلَتِهِ ۱؎ صَرَفَهُ الْحَاكِمُ فِي عِمَارَةِ الْوَقْفِ إنْ احْتَاجَ إلَيْهِ، وَإِنْ اسْتَغْنَى عَنْهُ أَمْسَكَهُ حَتَّى يَحْتَاجَ إلَى عِمَارَتِهِ فَيَصْرِفَهُ فِيهِمَا؛ لِأَنَّهُ لا بُدَّ مِنْ الْعِمَارَةِ لِيَبْقَى عَلَى التَّأْبِيدِ فَيَحْصُلَ مَقْصُودُ الْوَاقِفِ.

ترجمہ:۲؎ اور رہنے والا تعمیر نہ کرے اس کو تعمیر کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ ظاہری طور پر اپنے مال کو ضائع کرنا ہے، اس لئے کھیتی کرنے میں بیج والا بیج ڈالنے سے رک جائے اس کے مشابہ ہو گیا، اس لئے تعمیر سے رکنا اپنے حق کو باطل کرنے کی رضامندی نہیں ہے، کیونکہ وہ تردد میں ہے۔

اصول: گھر کی تعمیر پر خرچ کرنا ایک قسم کا اپنا ضائع کرنا ہے، اس لئے رہنے والے کو اس پر مجبور نہیں کیا جا سکتا ہے۔

تشریح: رہنے والا خود تعمیر نہیں کراتا تو قانونی اعتبار سے اس پر مجبور نہیں کیا سکتا۔

وجہ :اپنا پیسہ دوسرے کے گھر میں لگانا ایک قسم کا مال ضائع کرنا ہے، کیونکہ یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ قاضی خود اس گھر کی تعمیر کرا دے، اس لئے رہنے والے کو اس پر مجبور نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اس کی ایک مثال پیش کرتے ہیں، کہ بٹائی پر کاشتکاری کرنے والا اگر اپنا بیج زمین میں نہ ڈالے تو اس کو مجبور نہیں کرسکتا ہے، کیونکہ غلہ اس میں اگے یا نہ اگے اس کی کیا گرانٹی ہے؟ اسی طرح یہاں رہنے والے کو تعمیر کرانے پہر مجبور نہیں کیا جا سکتا ہے۔

لغت : فلا یکون امتناعہ رضا منہ ببطلان حقہ لانہ فی حیز التردد۔ حیز التردد: یہ ایک محاورہ ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ، وقف کے گھر میں رہنے والے کو اس بات کا خیال ہے کہ قاضی اس مکان کو بنا کردے گا اس لئے وہ مکان کی مرمت نہیں کر رہا ہے۔ اور عبارت کا مطلب یہ ہے کہ رہنے والا چونکہ تردد میں ہے اس لئے مرمت نہ کرنے کی وجہ سے گھر میں رہنے کا حق باطل نہیں ہو گا، بلکہ گھر تیار ہونے کے بعد دوبارہ اس کو رہنے دیا جائے گا۔

ترجمہ :۳؎ جس کو رہنے کے لئے دیا ہے وہ دوسرے کو اجرت پر نہیں دے سکتا، کیونکہ وہ اس گھر کا مالک نہیں ہے۔

تشریح: جس کو گھر میں رہنے کے لئے دیا تھا وہ گھر کو اجرت پر رکھنا چاہے تو نہیں رکھ سکتا، کیونکہ وہ گھر کا مالک نہیں ہے۔

ترجمہ :(۳۰۴۱) جو کچھ گر جائے وقف کی عمارت سے اور اسکے آلے سے تو حاکم اسکو صرف کرے گا وقف کی مرمت کرانے میں اگر اسکی ضرورت ہو۔ اور اگر اسکی ضرورت نہ ہو تو رکھ لے یہاں تک کہ اسکی مرمت کی ضرورت ہو تا کہ اس میں اس کو صرف کرے۔

ترجمہ:۱؎ مرمت کرنا ضروری ہے تا کہ وقف ہمیشہ باقی رہے، اور واقف کا مقصود حاصل ہو۔

۲ فَإِنْ مَسَّتُ الْحَاجَةُ إِلَيْهِ فِي الْحَالِ صَرَفَهَا فِيهَا، وَإِلَّا أَمْسَكَهَا حَتّٰى لَا يَتَعَذَّرَ عَلَيْهِ ذٰلِكَ أَوَانَ الْحَاجَةِ فَيَبْطُلُ الْمَقْصُودُ، ۳ وَإِنْ تَعَذَّرَ إِعَادَةُ عَيْنِهِ إِلٰى مَوْضِعِهِ بِيعَ وَصُرِفَ ثَمَنُهُ إِلٰى الْمَرَمَّةِ صَرْفًا لِلْبَدَلِ إِلَى مَصْرِفِ الْمُبْدَلِ.

(۳۰۴۲) وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَقْسِمَهُ [يَعْنِي النَّقْضَ] بَيْنَ مُسْتَحَقِّي الْوَقْفِ

تشریح :اگر وقف کی عمارت سے اینٹ، لکڑی وغیرہ گر کر الگ ہو جائے تو ان کو اسی وقف کی مرمت میں استعمال کرے۔ اور اگر ابھی استعمال کی ضرورت نہ ہو تو اس کو رکھے رہے تاکہ جب اس کی ضرورت ہو اس وقت یہ گری ہوئی چیزیں استعمال کرے۔

ترجمہ :۲ اگر ابھی اس گری ہوئی چیز کو لگانے کی ضرورت پڑ جائے تو اس کو لگائے، ورنہ اس کو رکھ لے تا لہ ضرورت کے وقت مشکل نہ ہو اور مقصد باطل نہ ہو جائے۔

تشریح :اگر وقف کی عمارت سے گری ہوئی چیز کو ابھی لگانے کی ضرورت نہ ہو تو اس کو حفاظت سے رکھ دے تاکہ آئندہ اس کی ضرورت ہو تو اس کو لگا سکے۔

ترجمہ :۳ گرے ہوئے ٹکڑے کو اپنی پہلی جگہ پر لوٹانا مشکل ہو تو اس کو بیچ دیا جائے گا اور اس کی قیمت کو مرمت میں خرچ کیا جائے گا تاکہ گرے ہوئے کے بدلے میں اس کی قیمت خرچ ہو جائے۔

تشریح :وقف کی عمارت سے جو کچھ گری اس کو دوبارہ عمارت میں لگانا مشکل ہو تو اس کو بیچ دیا جائے گا، اور اس کی قیمت مرمت میں لگائی جائے گی، تاکہ گرے ہوئے کے بدلے میں اس کی قیمت خرچ ہو جائے۔

وجہ :(۱) ضرورت نہ ہو تو وقف کا مال بیچ سکتا ہے۔ دخل شيبة بن عثمان الحجبى على عائشة فقال يا ام المؤمنين ان ثياب الكعبة تجتمع علينا فتكثر فنعمد الى ابار فنحتفرها فنعمقها ثم ندفن ثياب الكعبة فيها كيلا يلبسها الجنب والحائض فقالت له عائشة ما احسنت وبئس ما صنعت ان ثياب الكعبة اذا نزعت منها لم يضرها ان يلبسها الجنب والحائض ولكن بعها واجعل ثمنها فى المساكين وفى سبيل الله قالت فكان شيبة بعد ذلک يرسل بها الى اليمن فتباع هناک ثم يجعل ثمنها فى المساكين وفى سبيل الله وابن السبيل (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی مال الکعبۃ وکسوتھا، ج خامس، ص ۲۶۰، نمبر ۹۷۳۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ وقف کا وہ مال جو کسی کام کا نہ ہو اس کو بیچ کر مساکین میں تقسیم کر سکتا ہے۔

ترجمہ:(۳۰۴۲) گری ہوئی چیز کو وقف کے مستحقوں کے درمیان تقسیم کرنا جائز نہیں ہے۔

لے لِأَنَّهُ جُزْءٌ مِنَ الْعَيْنِ وَلَا حَقَّ لِلْمَوْقُوفِ عَلَيْهِمْ فِيهِ: وَإِنَّمَا حَقُّهُمْ فِي الْمَنَافِعِ، وَالْعَيْنُ حَقُّ اللّٰهِ تَعَالىٰ فَلَا يَصْرِفُ إِلَيْهِمْ غَيْرَ حَقِّهِمْ.

(۳۰۴۳) قَالَ وَإِذَا جَعَلَ الْوَاقِفُ غَلَّةَ الْوَقْفِ لِنَفْسِهِ أَوْ جَعَلَ الْوِلَايَةَ إِلَيْهِ جَازَ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ

ترجمہ: لے اس لئے کہ یہ عین وقف کا جز ہے اور جن پر وقف کیا اس کا حق عین میں نہیں ہے، صرف اس کے منافع میں انکا حق ہے، عین تو اللہ تعالی کا حق ہے، اس لئے موقوف علیہ کو انکے حق کے علاوہ نہیں دیا جائے گا۔

تشریح: وقف کی عمارت سے جو چیز فالتو ہوگئی ہیں اسکو ان لوگوں کے درمیان تقسیم نہیں کیا جائے گا جن لوگوں کیلئے وہ عمارت وقف کی گئی ہے۔

وجہ: (۱) مستحقوں کا حق نفع میں ہے، عین شی ء میں نہیں ہے۔ اور یہ عین شی ء ہے اس لئے اس کو ان کے درمیان تقسیم نہ کرے۔ اور گری ہوئی چیز کو برباد بھی نہیں کر سکتے اس لئے اس کو ضرورت کے موقع کے لئے محفوظ رکھے (۲) احادیث میں ہے کعبہ کے باقی ماندہ چیزوں کو مستحقین کے درمیان تقسیم نہیں کیا بلکہ اس کی مرمت کے لئے محفوظ رکھا۔ عن ابی وائل قال جلست الی شیبة فی هذا المسجد قال جلس الیّ عمر فی مجلسک هذا فقال هممت ان لا ادع فیها صفراء ولا بیضاء الا قسمتها بین المسلمین قلت ما انت بفاعل قال لم قلت لم یفعله صاحباک قال هما المرآن یقتدی بهما (بخاری شریف، باب الاقتداء بسنن رسول اللہ ﷺ ص ۱۰۸۰ نمبر ۷۲۷۵، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ) اس حدیث میں کعبہ کا ہدیہ جو وقف میں سے تھا لوگوں کے درمیان تقسیم نہیں کیا جس سے معلوم ہوا کہ وقف کی عمارت سے گری ہوئی لکڑی وغیرہ بھی مستحقین کے درمیان تقسیم نہیں کرے گا (۳) دخل شیبة بن عثمان الحجبی علی عائشة فقال یا ام المؤمنین ان ثیاب الکعبة تجتمع علینا فتکثر فنعمد الی ابار فنحتفرها فنعمقها ثم ندفن ثیاب الکعبة فیها کیلا یلبسها الجنب والحائض فقالت له عائشة ما احسنت وبئس ما صنعت ان ثیاب الکعبة اذا نزعت منها لم یضرها ان یلبسها الجنب والحائض ولکن بعها واجعل ثمنها فی المساکین وفی سبیل الله قالت فکان شیبة بعد ذلک یرسل بها الی الیمن فتباع هناک ثم یجعل ثمنها فی المساکین وفی سبیل الله وابن السبیل (سنن للبیهقی، باب ماجاء فی مال الکعبۃ وکسوتها، ج خامس، ص ۲۶۰، نمبر ۹۷۳۱) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ وقف کا وہ مال جو کسی کام کا نہ ہو اس کو بیچ کر مساکین میں تقسیم کر سکتا ہے۔

لغت: نقض: ٹوٹی ہوئی چیز۔

ترجمہ: (۳۰۴۳) اگر وقف کرنے والا وقف کی آمدنی اپنے لئے کرلے یا اس کی نگرانی اپنے لئے کرلے تو امام ابو یوسفؒ

کے نزدیک جائز ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا جائز نہیں ہے۔

تشریح : یہاں دو مسئلے ہیں [۱] پہلا مسئلہ۔واقف نے وقف تو کیا لیکن یہ بھی شرط لگائی کہ اس کی کچھ آمدنی میں بھی استعمال میں لاؤں گا تو یہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے۔[۲] دوسرا مسئلہ ۔اسی طرح اس نے یہ شرط لگائی کہ اس کی ولایت میں کروں گا اور مین خود اس کا نگران ہوں گا تو یہ بھی امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے۔

وجه: (۱) ان کی دلیل یہ احادیث ہیں۔**عن انس ان النبی ﷺ رأی رجلا یسوق بدنة فقال له ارکبها فقال یا رسول الله انها بدنةفقال فی الثالثة او فی الرابعة ویلک او ویحک** ۔(بخاری شریف، باب ھل ینتفع الواقف بوقفہ ص ۳۸۵ نمبر ۲۷۵۴) اس حدیث میں وقف کے اونٹ پر مالک کو سوار ہونے کی ترغیب دی جس سے معلوم ہوا کہ وقف کے مال کو خود بھی استعمال کر سکتا ہے (۲) **فقال رسول الله ﷺ من یشتریها من خالص ماله فیکون دلوه فیها کدلاء المسلمین وله خیر منها فی الجنة** (دار قطنی، باب وقف المساجد والسقایات ج رابع ص ۱۲۳ نمبر ۴۳۹۴ / بخاری شریف، باب اذا وقف ارضا اوبئرا او اشتری لنفسہ مثل دلاء المسلمین ص ۳۸۹ نمبر ۲۷۷۸) اس حدیث میں کہا کہ کنواں خریدے اور خریدنے والا بھی عام مسلمانوں کے ڈول کے ساتھ ڈول نکالے جس سے معلوم ہوا کہ کہ وقف کرنے والا وقف کے مال کو استعمال کر سکتا ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ وقف کی نگرانی اپنے ذمہ لے تو لے سکتا ہے یا نہیں؟ تو امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ لے سکتا ہے۔

وجه: (۱) **اخبرنی لیث عن یحیی بن سعید عن صدقة عمر بن الخطاب ... والمائة سهم الذی بخیبر ورقیقه الذی فیه والمائة التی اطعمه محمد بالوادی تلیه حفصة ماعاشت ثم یلیه ذو الرأی من اهلها ان لایباع ولا یشتری ینفقه حیث رأی من السائل والمحروم وذی القربی ولا حرج علی من ولیه ان اکل او اکل او اشتری رقیقا منه** (ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی الرجل یوقف الوقف ج ثانی ص ۴۲ نمبر ۲۸۷۹ / دار قطنی، کتاب الاحباس ج رابع ص ۱۱۷ نمبر ۴۳۷۹) اس حدیث میں حضرت عمر نے پہلے حفصہ کو وقف کا نگران بنایا پھر اہل رائے کو بنایا اور اس کی تصریح کردی۔(۲) ان کی دلیل یہ قول صحابی ہے۔**اخبرنی غیر واحد من آل عمر وآل علی ان عمر ولی صدقته حتی مات وجعلها بعده الی حفصة وان علیا ولی صدقته حتی مات وولیها بعده حسن بن علی وان فاطمة بنت رسول الله ولیت صدقتها حتی ماتت وبلغنی عن غیر واحد من الانصار انه ولی**

۱؎ قَالَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: ذَكَرَفَصْلَيْنِ شَرْطَ الْغَلَّةِ لِنَفْسِهِ وَجَعْلَ الْوِلَايَةِ إِلَيْهِ. أَمَّاالْأَوَّلُ فَهُوَ جَائِزٌعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ، وَلَايَجُوزُ عَلٰى قِيَاسِ قَوْلِ مُحَمَّدٍ وَهُوَقَوْلُ هِلَالٍ الرَّازِيِّ وَبِهِ قَالَ الشَّافِعِيُّ. ۲؎ وَقِيلَ إِنَّ الِاخْتِلَافَ بَيْنَهُمَابِنَاءً عَلَى الِاخْتِلَافِ فِي اشْتِرَاطِ الْقَبْضِ وَالْإِفْرَازِ. وَقِيلَ هِيَ مَسْأَلَةٌ مُبْتَدَأَةٌ،

صدقته حتى مات قال فى القديم وولى الزبير صدقته حتى قبضه الله وولى عمر بن العاص صدقته حتى قبضه الله وولى المسور بن مخرمة صدقته حتى قبضه الله (سنن للبیہقی، باب جواز الصدقۃ المحرمۃ وان لم تقبض، ج سادس، ص ۲۶۷، نمبر ۱۱۹۰۲) اس اثر میں اتنے سارے صحابہ نے اپنے وقف کی نگرانی خود کی ہیں۔ اس لئے خود وقف کی نگرانی کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ واقف اپنے استعمال کے لئے شرط لگائے تو نہیں لگا سکتا۔

وجہ: (۱) اوپر یہ قاعدہ گزرا کہ امام محمدؒ کے نزدیک متولی کو وقف کا مال سپرد کرنا ضروری ہے، جب سپرد کرنا ضروری ہے تو پھر اپنے پاس اس کو کیسے رکھ سکتا ہے۔ (۲) وقف کے بعد یہ مال اللہ کا ہو گیا اس لئے اب اپنے استعمال کرنے کی شرط لگانا صحیح نہیں ہے (۳) حدیث میں صدقہ کو واپس کرنے سے منع کیا ہے۔ اور وقف کا مال ایک قسم کا صدقہ ہے اس لئے اس کو دوبارہ استعمال کرنا جائز نہیں ہوگا۔ حدیث میں ہے۔ ان عمر حمل على فرس له فى سبيل الله اعطاها رسول الله فحمل عليها رجلا فاخبر عمر انه قد وقفها يبيعها فسأل رسول الله ان يبتاعها فقال لا تبتاعها ولا ترجعن فى صدقتك (بخاری شریف، باب وقف الدواب والکراع والعروض والصامت ص ۴۸۹ نمبر ۲۷۷۵) اس حدیث میں صدقہ واپس کرنے سے حضورؐ نے منع فرمایا۔ اس لئے وقف کو خود استعمال کرنا بھی جائز نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۱؎ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہاں دو باتیں ذکر کی ہیں [۱] ایک ہے اپنے لئے غلے کی شرط لگانا، اور دوسرا ہے اپنے لئے وقف کی نگرانی لینا۔ بہر حال پہلا [یعنی اپنے لئے غلے کی شرط رکھنا] تو یہ امام ابو یوسفؒ کے قول پر جائز ہے، اور قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ امام محمدؒ کے یہاں جائز نہ ہو، اور حضرت ہلال رازیؒ کا قول بھی یہی ہے، اور امام شافعیؒ نے بھی یہی فرمایا۔

تشریح: یہاں دو باتیں ہیں [۱] ایک ہے یہ شرط لگانا کہ وقف کے مال میں سے میں بھی کھاؤں گا، اس بارے میں امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے کہ یہ شرط لگانا جائز ہے۔ اور قیاس تقاضہ یہ ہے کہ امام محمدؒ کے نزدیک جائز نہ ہو، یہی رائے حضرت ہلال رازیؒ کا ہے، اور امام شافعیؒ کی بھی رائے یہی ہے۔

لغت: ہلال الرازی: یہ ہلال بن یحی بن مسلم البصری، الرائی ہیں۔

ترجمہ: ۲؎ بعض حضرات نے فرمایا کہ اختلاف کی بنیاد اس بات پر ہے کہ قبضہ دینا، اور الگ کرنے کی شرط پر ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ مسئلہ اس سے بالکل الگ ہے۔

۳؎ وَالْخِلَافُ فِيمَاإِذَاشَرَطَ الْبَعْضَ لِنَفْسِهِ فِيْ حَيَاتِهِ وَبَعْدَمَوْتِهِ لِلْفُقَرَاءِ،وَفِيمَاإِذَاشَرَطَ الْكُلَّ لِنَفْسِهِ فِيْ حَيَاتِهِ وَبَعْدَمَوْتِهِ لِلْفُقَرَاءِ سَوَاءٌ؛ ۴؎ وَلَوْ وَقَفَ وَشَرَطَ الْبَعْضَ أَوْالْكُلَّ لِأُمَّهَاتِ أَوْلَادِهِ وَمُدَبَّرِيهِ مَادَامُواأَحْيَاءً،فَإِذَامَاتُوافَهُوَلِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينَ،فَقَدْ قِيلَ يَجُوزُبِالِاتِّفَاقِ،وَقَدْ قِيلَ هُوَعَلَى الْخِلَافِ أَيْضًاوَهُوَالصَّحِيحُ لِأَنَّ اشْتِرَاطَهُ لَهُمْ فِيْ حَيَاتِهِ كَاشْتِرَاطِهِ لِنَفْسِهِ. ۵؎ وَجْهُ قَوْلِ مُحَمَّدٍرَحِمَهُ اللّٰهُ أَنَّ الْوَقْفَ تَبَرُّعٌ عَلَى وَجْهِ التَّمْلِيكِ بِالطَّرِيقِ الَّذِى قَدَّمْنَاهُ،فَاشْتِرَاطُهُ الْبَعْضَ أَوْالْكُلَّ لِنَفْسِهِ يُبْطِلُهُ؛لِأَنَّ

تشریح :بعض حضرات نے فرمایا کہ امام محمدؒ کے یہاں یہ ضروری ہے کہ متولی کو قبضہ دے تب وقف مکمل ہوتا ہے،اس لئے انکے یہاں واقف اپنے لئے نہ نگرانی رکھ سکتا ہے اور نہ اس سے کھانے کی شرط لگا سکتا ہے۔اور امام ابو یوسفؒ کے یہاں یہ شرط نہیں ہے اس لئے انکے یہاں اپنے لئے نگرانی کی شرط بھی لگا سکتا ہے اور وقف سے کھانے کی بھی شرط لگا سکتا ہے۔اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس مسئلے کی بنیاد اوپر کے قاعدے پر نہیں ہے، بلکہ یہ ایک الگ مسئلہ ہے۔

ترجمہ :۳؎ اس بارے میں بھی اختلاف ہے کہ واقف نے اپنی زندگی میں اپنے لئے وقف کا کچھ حصہ رکھا،اور مرنے کے بعد فقراء کے لئے کر دیا،یا زندگی میں پورا ہی مال اپنے لئے رکھا اور مرنے کے بعد فقراء کے لئے کر دیا،یہ دونوں صورتیں برابر ہیں۔

تشریح :وقف کا کچھ حصہ اپنے لئے رکھے،یا پورا ہی وقف اپنے لئے رکھے اور موت کے بعد فقراء کے لئے کر دے،دونوں کا حکم ایک ہی ہے،یعنی ان دونوں صورتوں میں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا اختلاف ہے۔

ترجمہ :۴؎ وقف کا بعض حصہ،یا کل حصہ ام ولد کے لئے یا مدبر کے لئے ہو جب تک وہ زندہ رہیں،اور جب وہ مر جائیں تو یہ وقف فقراء کے لئے ہو جائے،تو بعض حضرات نے کہا کہ یہ صورت بالاتفاق جائز ہے،لیکن بعض حضرات نے فرمایا کہ اس میں اختلاف ہے،اور صحیح بات یہی ہے،کیونکہ یہ بھی اپنے لئے ہی شرط لگانے کی طرح ہے۔

تشریح :اوپر تھا واقف کے لئے شرط لگائے،اب ہے کہ اس کے مدبر اور ام ولد غلام کے لئے شرط لگائے کہ جب تک وہ زندہ رہیں تو وہ استعمال کریں گے،اور جب وہ مر جائیں گے تو فقراء کے لئے ہو جائے گا۔اس بارے میں بعض لوگوں نے کہا کہ یہ صورت بالاتفاق جائز ہے،لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس بارے میں بھی اختلاف ہے،کیونکہ چاہے اپنے لئے شرط لگائے یا اپنے غلام کے لئے شرط لگائے دونوں باتیں ایک ہی ہیں۔

ترجمہ :۵؎ امام محمدؒ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ وقف کا مطلب تبرع اللہ کے لئے کرنا ہے،اب اس میں اپنے لئے بعض کی یا کل کی شرط لگانا وقف کو باطل کر دے گا،اس لئے اپنے لئے مالک بننے سے تبرع متحقق نہیں ہوگا،اس لئے صدقہ منفذہ کی طرح ہو گیا،یا اس طرح ہوا کہ مسجد کے بعض حصے کو اپنے لئے شرط لگا لے۔

التَّمْلِیکَ مِنْ نَفْسِهِ لَایَتَحَقَّقُ فَصَارَ کَالصَّدَقَةِ الْمُنَفِّذَةِ،وَشَرْطَ بَعْضِ بُقْعَةِ الْمَسْجِدِ لِنَفْسِهِ.

۶ وَلِأَبِي يُوسُفَ مَا رُوِيَ "أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ يَأْكُلُ مِنْ صَدَقَتِهِ". وَالْمُرَادُ مِنْهَا صَدَقَتُهُ الْمَوْقُوفَةُ، وَلَا يَحِلُّ الْأَكْلُ مِنْهَا إِلَّا بِالشَّرْطِ، فَدَلَّ عَلٰى صِحَّتِهِ،

تشریح: امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ وقف کا مطلب ہے کہ اللہ کے لئے تبرع کر دیا، اب اپنی ملکیت کی شرط لگا دی تو یہ تبرع نہیں رہا اس لئے اس طرح وقف نہیں ہوگا۔اس کی دو مثالیں دیں ہیں،ایک صدقہ منفذہ کرے،یعنی اس طرح صدقہ کرے کہ اس میں سے کچھ حصہ اپنے لئے ہو تو جس طرح یہ جائز نہیں ہے، وقف بھی جائز نہیں ہوگا، دوسری مثال یہ ہے کہ مسجد کے لئے زمین وقف کرے اور شرط لگائے کہ مسجد کا ایک ٹکڑا میرے لئے بھی ہو تو یہ جائز نہیں ہے،اسی طرح وقف میں یہ شرط لگا دے کہ اس کا کچھ حصہ میرے لئے ہو تو یہ جائز نہیں ہوگا۔

لغت: صدقہ منفذہ: اس طرح صدقہ کرے کہ اس میں کچھ حصہ میرے لئے بھی ہو،اس کو صدقہ منفذہ، کہتے ہیں۔

ترجمہ: ۶ امام ابو یوسفؒ کی دلیل۔روایت ہے کہ حضورؐ اپنے صدقے سے کھاتے تھے،اور اس سے مراد وقف والا صدقہ ہے،اور اس سے کھانا حلال نہیں ہوگا مگر شرط لگا کر اس لئے یہ دلالت کرتا ہے کہ شرط لگانا صحیح ہے۔

تشریح: یہ حدیث نہیں ملی۔حضور اپنے صدقے سے کھاتے تھے،اس کا مطلب یہ ہے کہ وقف میں شرط لگائی ہوگی اس میں سے کھاتے ہوں گے،جس کا مطلب یہ ہوا کہ وقف میں شرط لگانا جائز ہے۔

نوٹ: وقف کے مال میں سے واقف کھا سکے،یا اس پر نگرانی کر سکے اس کے لئے یہ حدیث ہے۔اخبرنی لیث عن یحیی بن سعید عن صدقة عمر بن الخطاب ... والمائة سهم الذی بخیبر ورقیقه الذی فیه والمائة التی اطعمه محمد بالوادی تلیه حفصة ماعاشت ثم یلیه ذو الرأی من اهلها ان لایباع ولا یشتری ینفقه حیث رأی من السائل والمحروم وذی القربی ولا حرج علی من ولیه ان اکل او اکل او اشتری رقیقا منه (ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی الرجل یوقف الوقف ج ثانی ص۴۲ نمبر ۲۸۷۹/ دار قطنی ، کتاب الاحباس ج رابع ص ۱۱۷ نمبر ۴۳۷۹)(۲) اس میں وقف پر حضرت حفصہ نگرانی بھی کرے، اور جو نگرانی کرے وہ اس وقف میں سے کھائے بھی۔

(۲)۔عن ابن عمر ان عمر بن الخطاب اصاب ارضا بخیبر...... لا جناح علی من ولیها ان یأکل منها بالمعروف ویطعم غیر متمول (بخاری شریف، باب الشروط فی الوقف، کتاب الشرط ص۳۸۲ نمبر ۲۷۳۷/ مسلم شریف ،باب الوقف، ص۴۱ نمبر ۱۶۳۲/ ۴۲۲۴)اس حدیث میں ہے کہ جو نگرانی کرے وہ اس میں سے کھائے بھی۔

۷ وَلِأَنَّ الْوَقْفَ إِزَالَةُ الْمِلْكِ إِلَى اللّٰهِ تَعَالىٰ عَلىٰ وَجْهِ الْقُرْبَةِ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ، فَإِذَا شَرَطَ الْبَعْضَ أَوْ الْكُلَّ لِنَفْسِهِ، فَقَدْ جَعَلَ مَا صَارَ مَمْلُوكًا لِلّٰهِ تَعَالىٰ لِنَفْسِهِ لَا أَنَّهُ يَجْعَلُ مِلْكَ نَفْسِهِ لِنَفْسِهِ، وَهٰذَا جَائِزٌ، كَمَا إِذَا بَنَى خَانًا أَوْ سِقَايَةً أَوْ جَعَلَ أَرْضَهُ مَقْبَرَةً، وَشَرَطَ أَنْ يَنْزِلَهُ أَوْ يَشْرَبَ مِنْهُ أَوْ يُدْفَنَ فِيهِ، ۸ وَلِأَنَّ مَقْصُودَهُ الْقُرْبَةُ وَفِيْ الصَّرْفِ إِلَى نَفْسِهِ ذٰلِكَ، قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "نَفَقَةُ الرَّجُلِ عَلَى نَفْسِهِ صَدَقَةٌ". ۹ وَلَوْ شَرَطَ الْوَاقِفُ أَنْ يَسْتَبْدِلَ بِهٖ أَرْضًا أُخْرٰى إِذَا شَاءَ ذٰلِكَ فَهُوَ جَائِزٌ عِنْدَ أَبِيْ يُوسُفَ، وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ الْوَقْفُ جَائِزٌ وَالشَّرْطُ بَاطِلٌ.

ترجمہ :۷ اور اس دلیل سے کہ وقف کا معنی ہے اپنی ملکیت کو زائل کر کے قربت کے لئے اللہ کی ملکیت میں دینا، پس اگر بعض، یا کل کو اپنے لئے شرط لگائی تو اللہ کی مملوک کو اپنے لئے کیا، اپنی چیز اپنے لئے نہیں کیا، اور اللہ کی مملوک کو اپنے لئے کرنا جائز ہے، جیسے سراء خانہ بنائی، یا پانی کی سبیل بنائی، یا زمین کو مقبرہ بنایا اور شرط یہ لگائی کہ سراء خانہ میں ٹھہرے گا، یا سبیل سے پانی پیئے گا، یا قبرستان میں اپنے آدمیوں کو دفن کرے گا تو جائز ہے [اسی طرح وقف کو اپنے لئے کرنا جائز ہوگا]

تشریح :وقف کا معنی ہے اپنی ملکیت کو ثواب حاصل کرنے کے لئے اللہ کی ملکیت میں دینا، پھر اس میں اپنا حصہ رکھنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اپنے مملوک کو اپنے لئے کیا۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے مملوک کو اپنے لئے کرنا، اور یہ جائز ہے، اس کی تین مثالیں دی ہیں [۱] سراء خانہ بنایا، اور اس میں خود بھی ٹھہرنے کی شرط کی۔ [۲] پانی پلانے کی سبیل بنائی، اور خود بھی اس سے پینے کی شرط لگائی۔ [۳] اپنی زمین کو قبرستان بنایا اور اس میں اپنے لوگوں کو بھی دفن کی شرط لگائی تو یہ جائز ہے، اسی طرح وقف میں بھی اپنے کھانے کی شرط لگائی، یا اپنی نگرانی کی شرط لگائی تو یہ جائز ہوگا۔

ترجمہ :۸ اور اس لئے کہ وقف کا مقصد قربت حاصل کرنا ہے اور اپنی ذات پر خرچ کرنا بھی قربت ہے، چنانچہ حضورؐ نے فرمایا کہ آدمی اپنی ذات پر خرچہ کرے وہ بھی صدقہ ہے۔

تشریح :یہ امام محمدؒ کو جواب ہے، کہ وقف مطلب قربت حاصل کرنا ہے اور اپنی ذات پر خرچ کرنا بھی صدقہ ہے، اس لئے وقف میں اپنے لئے شرط لگائی تو اس سے ثواب بھی ملے گا اور جائز بھی ہوگا۔

وجہ:صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔عن رسول اللہ ﷺ قال ما کسب الرجل کسبا اطیب من عمل یدہ و ما انفق الرجل علی نفسہ و اھلہ و ولدہ و خادمہ فھو صدقۃ . (ابن ماجہ شریف، باب الحث علی المکاسب، ص ۳۰۷، نمبر ۲۱۳۸) اس حدیث میں ہے کہ اپنی ذات اور اولاد پر خرچ کرے وہ بھی صدقہ ہے۔

ترجمہ:۹ اگر واقف نے یہ شرط لگائی کہ جب چاہوں گا اپنی دوسری زمین سے اس کو بدلوں گا، تو امام ابو یوسفؒ کے یہاں

۱۰ وَلَوْ شَرَطَ الْخِيَارَ لِنَفْسِهِ فِي الْوَقْفِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ جَازَ الْوَقْفُ وَالشَّرْطُ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ الْوَقْفُ بَاطِلٌ، وَهٰذَا بِنَاءً عَلٰى مَا ذَكَرْنَا. ۱۱ وَأَمَّا فَصْلُ الْوِلَايَةِ فَقَدْ نَصَّ فِيهِ عَلٰى قَوْلِ أَبِى يُوسُفَ، وَهُوَ قَوْلُ هِلَالٍ أَيْضًا وَهُوَ ظَاهِرُ الْمَذْهَبِ. وَذَكَرَ هِلَالٌ فِي وَقْفِهِ ۱۲ وَقَالَ أَقْوَامٌ: إنْ شَرَطَ الْوَاقِفُ الْوِلَايَةَ لِنَفْسِهِ كَانَتْ لَهُ وِلَايَةٌ، وَإِنْ لَمْ يَشْتَرِطْ لَمْ تَكُنْ لَهُ وِلَايَةٌ. ۱۳ قَالَ مَشَايِخُنَا: الْأَشْبَهُ أَنْ يَكُونَ هٰذَا قَوْلُ مُحَمَّدٍ، لِأَنَّ مِنْ أَصْلِهِ أَنَّ التَّسْلِيمَ إلَى الْقَيِّمِ شَرْطٌ لِصِحَّةِ الْوَقْفِ، فَإِذَا سَلَّمَ لَمْ يَبْقَ لَهُ وِلَايَةٌ فِيهِ.

یہ جائز ہے، اور امام محمدؒ کے یہاں وقف ہو جائے گا، اور شرط بیکار ہو جائے گی۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۱۰ وقف میں اپنے لئے تین دن کا اختیار لیا تو امام ابو یوسفؒ کے یہاں وقف بھی جائز ہے اور شرط بھی جائز ہے، اور امام محمدؒ کے یہاں وقف بھی باطل ہے، اس کی بنیاد وہ دلیل ہے جو ہم نے پہلے ذکر کیا۔ [وقف میں حصہ لینا امام ابو یوسفؒ کے یہاں جائز تھا اور امام محمدؒ کے یہاں جائز نہیں تھا]

تشریح: اوپر گزرا کہ وقف میں اپنے لئے شرط کی تو امام ابو یوسفؒ کے یہاں جائز ہے، اسی طرح واقف نے یہ شرط کی میں وقف ابھی کرتا ہوں اور اس کا فیصلہ تین دن کے بعد کروں گا، اسلئے تین دن کا اختیار لیتا ہوں تو یہ خیار بھی جائز ہوگا۔۔ اور امام محمدؒ کے یہاں اپنے لئے حصے کی شرط لگانا جائز نہیں تھا اس لئے تین دن کا اختیار لینا جائز نہیں ہوگا اس سے وقف ہی باطل ہو جائے گا۔

ترجمہ: ۱۱ وقف کے ولی ہونے کے بارے میں متن میں اس بارے میں تصریح کر دی ہے کہ یہ امام ابو یوسفؒ کا قول ہے، یہی قول ہلال رازیؒ کا ہے اور ظاہر مذہب بھی یہی ہے، اس بات کو حضرت ہلالؒ نے کتاب الوقف میں ذکر کیا ہے۔

تشریح: یہ دوسرا مسئلہ ہے کہ واقف اپنے لئے ولایت لے تو اس بارے میں متن میں تھا کہ حضرت امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے کہ واقف کو ولایت ملے گی، اور یہی رائے ہلال رازیؒ کی ہے۔

ترجمہ: ۱۲ کچھ قوم نے کہا کہ وقف کرنے والا اپنے لئے ولایت لے تو اس کے لئے ولایت ہو جائے گی، اور اگر شرط نہ لگائے تو اس کے ولایت نہیں ہوگی۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۱۳ مشائخ نے فرمایا کہ زیادہ بہتر یہ ہے کہ یہ قول امام محمدؒ کا ہو اس لئے کہ ان کا قاعدہ یہ ہے کہ وقف کے صحیح ہونے کے لئے متولی کو سپرد کرنا شرط ہے، پس جب سپرد کر دیا تو اب واقف کے لئے ولایت نہیں رہے گی۔

۱۴؎ وَلَنَا أَنَّ الْمُتَوَلِّي إنَّمَا يَسْتَفِيدُ الْوِلَايَةَ مِنْ جِهَتِهِ بِشَرْطِهِ فَيَسْتَحِيلُ أَنْ لا يَكُونَ لَهُ الْوِلَايَةُ وَغَيْرُهُ يَسْتَفِيدُ الْوِلَايَةَ مِنْهُ، ۱۵؎ وَلِأَنَّهُ أَقْرَبُ النَّاسِ إلَى هٰذَا الْوَقْفِ فَيَكُونُ أَوْلَى بِوِلَايَتِهِ، كَمَنْ اتَّخَذَ مَسْجِدًا يَكُونُ أَوْلَى بِعِمَارَتِهِ وَنَصْبِ الْمُؤَذِّنِ فِيهِ، وَكَمَنْ أَعْتَقَ عَبْدًا كَانَ الْوَلَاءُ لَهُ لِأَنَّهُ أَقْرَبُ النَّاسِ إلَيْهِ. ۱۶؎ وَلَوْ أَنَّ الْوَاقِفَ شَرَطَ وِلَايَتَهُ لِنَفْسِهِ وَكَانَ الْوَاقِفُ غَيْرَ مَأْمُونٍ عَلَى الْوَقْفِ فَلِلْقَاضِي أَنْ يَنْزِعَهَا مِنْ يَدِهِ نَظَرًا لِلْفُقَرَاءِ، كَمَا لَهُ أَنْ يُخْرِجَ الْوَصِيَّ نَظَرًا لِلصِّغَارِ،

تشریح :اوپر جو کہا کہ اپنے لئے ولایت نہیں لی تو اس کو ولایت نہیں ملے گی۔ یہ قول امام محمدؒ کا ہونا چاہئے ،اس کی وجہ یہ ہے کہ وقف صحیح ہونے کے لئے شرط ہے کہ متولی کو سپرد کرے، پس جب متولی کو سپرد کر دیا تو اب واقف کی ولایت نہیں رہے گی۔

ترجمہ :۱۴؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ واقف کی جانب سے متولی ولایت لیتا ہے،اس لئے یہ محال ہے کہ خود واقف کی نگرانی کا حق نہ ہو،اور دوسرا اس سے ولایت حاصل کرے۔

تشریح :یہ دلیل عقلی ہے۔متولی وقف کرنے والے سے نگرانی کا حق لیتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ خود وقف کرنے والے کے پاس بھی ولایت ہو، کیونکہ اس کے پاس ولایت نہ ہو تو دوسرا اس سے ولایت کیسے لیگا۔

ترجمہ:۱۵؎ اس وقف کے قریب خود واقف ہے اسلئے وہ ولایت کا زیادہ حقدار ہے، جیسے مسجد بنائی تو اس کی تعمیر کرنے کا زیادہ حقدار اور موذن متعین کرنے کا زیادہ حقدار واقف ہوتا ہے،اور غلام آزاد کیا تو اس کی ولاء آزاد کرنے والے کو ملتا ہے،اس لئے کہ وہ لوگوں سے زیادہ قریب ہے،اسی طرح وقف میں وقف کرنے والے کو نگرانی کا زیادہ حق ملے گا۔

تشریح :امام ابو یوسفؒ کے یہاں وقف کرنے والے کو نگرانی کا حق ملے گا،اس کے لئے تین مثالیں پیش کر رہے ہیں[۱] مسجد بنائی تو مسجد بنانے والے کو مسجد کی تعمیر[۲] اور موذن متعین کرنے کا حق ملتا ہے، کیونکہ وہ زیادہ قریب ہے،[۳] غلام آزاد کرے تو آزاد کرنے والے کو غلام کی ولاء ملتی ہے، کیونکہ وہ غلام کے زیادہ قریب ہے،اسی طرح وقف کرنے والا وقف کے زیادہ قریب ہے اس لئے اگر اس نے نگرانی کی شرط لگائی تو اس کو نگرانی کا حق ملے گا۔

ترجمہ : ۱۶؎ اگر واقف نے اپنی ولایت کی شرط لگائی ،اور واقف وقف پر اطمینان بخش کام نہیں کرتا تھا تو فقراء کی رعایت میں قاضی کو یہ حق ہے کہ اس سے وقف کی چیز چھین لے، جیسے کہ یتیم کی مصلحت کے لئے قاضی کو یہ حق ہے کہ وصی کو نکال دے۔

تشریح : جو وقف کرنے والا تھا اور اپنے لئے نگرانی کی بھی شرط لگا رکھی تھی ،لیکن وہ وقف کے لئے اطمینان بخش کام نہیں کرتا تھا تو قاضی کو یہ حق ہوگا کہ اس کو وقف سے ہٹا دے، کیونکہ اس میں فقیروں کو فائدہ ہے، جیسے وصی یتیم کے لئے صحیح کام نہیں کرے تو قاضی کو یہ حق ہے کہ وصی کو ہٹا کر دوسرے کو وصی متعین کر دے۔

۷ا؎ وَكَذَا إذَا شَرَطَ أَنْ لَيسَ لِلسُّلْطَانِ وَلَا لِقَاضٍ أَنْ يُخْرِجَهَا مِنْ يَدِهِ وَيُوَلِّيَهَا غَيْرَهُ لِأَنَّهُ شَرْطٌ مُخَالِفٌ لِحُكْمِ الشَّرْعِ فَبَطَلَ.

وجه: عن عامر قال الوصی بمنزلة الوالد واذا اتهم الوصی عزل او جعل معه غیره (مصنف ابن ابی شیبة ،۱۴۱ من قال وصیة العبد حیث جعلها ، ج سادس ،ص ۲۲۴ ،نمبر ۳۰۸۶۵ ر مصنف عبد الرزاق ، الوصیة حیث یضعها صاحبها ووصیة المعتوه ووصیة الرجل ثم یقتل والرجل یوصی بعبده ۔ج تاسع ،ص ۹۵ ،نمبر ۱۶۴۸۶)اس اثر سے معلوم ہوا کہ وصی متہم ہوتو قاضی اس کو بدل دے گا۔اسی طرح نگراں متہم ہوتو قاضی اس کو بدل دے گا۔

ترجمہ: ۷ا؎ ایسے ہی واقف نے یہ شرط لگائی کہ کسی بادشاہ یا قاضی کو میرے ہاتھ سے نکالنے کا اختیار نہیں ہوگا تب بھی قاضی دوسرے کو نگراں بنائے گا ، کیونکہ اس کی شرط شریعت کے حکم کے مخالف ہے اس لئے وہ شرط باطل ہو جائے گی۔

تشریح: واقف نے یہ شرط لگائی کہ مجھے کوئی قاضی ، یا بادشاہ بھی نہیں نکالے گا ،اور وہ اطمینان بخش کام نہیں کر رہا تھا تو قاضی اس کو نکال دے گا ، کیونکہ واقف کی شرط شریعت کے خلاف ہے۔

﴿فَصْلٌ﴾

(۳۰۴۴)وَإِذَا بَنٰى مَسْجِدًا لَمْ يَزُلْ مِلْكُهُ عَنْهُ حَتّٰى يُفْرِزَهُ عَنْ مِلْكِهِ بِطَرِيقِهِ وَيَأْذَنَ لِلنَّاسِ بِالصَّلَاةِ فِيهِ، فَإِذَا صَلّٰى فِيهِ وَاحِدٌ زَالَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ عَنْ مِلْكِهِ ۱ؕ أَمَّا الْإِفْرَازُ فَلِأَنَّهُ لَا يَخْلُصُ لِلّٰهِ تَعَالٰى إِلَّا بِهٖ. وَأَمَّا الصَّلَاةُ فِيهِ فَلِأَنَّهُ لَا بُدَّ مِنَ التَّسْلِيمِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ، وَيُشْتَرَطُ تَسْلِيمُ نَوْعِهِ، وَذٰلِكَ فِي الْمَسْجِدِ بِالصَّلَاةِ فِيهِ،

﴿فصل فی بناء المسجد﴾

ترجمہ :(۳۰۴۴)اگر کسی نے مسجد بنائی تو اس کی ملک زائل نہیں ہوگی یہاں تک کہ اس کو اپنی ملکیت سے الگ کردے اس کے راستے کے ساتھ اور لوگوں کو اجازت دے اس میں نماز پڑھنے کی، پس اس میں ایک آدمی نے نماز پڑھی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کی ملکیت زائل ہوگئی

تشریح :مسجد بنا کر اس کو باضابطہ اپنی ملکیت سے الگ کرے اور اس میں آنے کا راستہ بھی دے اور سپرد کرنے کے لئے کم از کم ایک آدمی اس میں نماز پڑھے تب مسجد کا وقف مکمل ہوگا۔

وجہ :(۱)ان کے یہاں ولی کو سپرد کرنا ضروری ہے اور یہاں کوئی مخصوص ولی نہیں ہے اس لئے ملکیت سے الگ کر کے ایک آدمی کا نماز پڑھوانا کافی ہوگا۔(۲)مسجد بنانے کے لئے یہ حدیث ہے۔عن انس قال امر النبی ﷺ ببناء المسجد فقال یا بنی النجار ثامنونی بحائطکم هذا قالوا لا وللہ لا نطلب ثمنہ الا الی اللہ (بخاری شریف، باب اذا وقف جماعۃ ارضا مشاعا فھو جائز ص ۳۸۸ نمبر ۲۷۷۱)

لغت: یفرزہ : ملکیت سے علیحدہ کرنا۔

ترجمہ:۱ اللہ کا حق اس وقت تک نہیں ہوگا جب تک کہ اس کو اپنی ملکیت سے الگ نہ کر دیا جائے، اس لئے اس کو اپنی ملکیت سے الگ کرنا ضروری ہے۔اور نماز پڑھنا اس لئے ضروری ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک سپرد کرنے کے لئے نماز پڑھوانا ضروری ہے، اور اسی قسم کی سپردگی کی شرط ہے، اور یہ مسجد میں نماز کے ذریعہ ہوگی۔

تشریح :مسجد کا مالک اللہ ہوتا ہے، اس لئے اس کی ملکیت میں دینے کے لئے یہ طریقہ ہے کہ اس میں کم سے کم ایک آدمی کو نماز پڑھوا دے جائے۔اس سے مالک کی ملکیت سے نکل کر اللہ کی ملکیت میں چلی جائے گی۔

۲؎ أَوْ لِأَنَّهُ لَمَّا تَعَذَّرَ الْقَبْضُ فَقَامَ تَحَقُّقُ الْمَقْصُودِ مَقَامَهُ ۳؎ ثُمَّ يُكْتَفَى بِصَلَاةِ الْوَاحِدِ فِيهِ فِي رِوَايَةٍ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ، وَكَذَا عَنْ مُحَمَّدٍ؛ لِأَنَّ فِعْلَ الْجِنْسِ مُتَعَذِّرٌ فَيُشْتَرَطُ أَدْنَاهُ. وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ يُشْتَرَطُ الصَّلَاةُ بِالْجَمَاعَةِ؛ لِأَنَّ الْمَسْجِدَ بُنِيَ لِذَلِكَ فِي الْغَالِبِ.

(۳۰۴۵) وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: يَزُولُ مِلْكُهُ بِقَوْلِهِ جَعَلْتُه مَسْجِدًا ۱؎ لِأَنَّ التَّسْلِيمَ عِنْدَهُ لَيْسَ بِشَرْطٍ؛ لِأَنَّهُ إِسْقَاطٌ لِمِلْكِ الْعَبْدِ فَيَصِيرُ خَالِصًا لِلّٰهِ تَعَالىٰ بِسُقُوطِ حَقِّ الْعَبْدِ وَصَارَ كَالْإِعْتَاقِ، وَقَدْ بَيَّنَّاهُ مِنْ قَبْلُ.

(۳۰۴۶) قَالَ: وَمَنْ جَعَلَ مَسْجِدًا تَحْتَهُ سِرْدَابٌ أَوْ فَوْقَهُ بَيْتٌ وَجَعَلَ بَابَ الْمَسْجِدِ إِلَى الطَّرِيقِ، وَعَزَلَهُ عَنْ مِلْكِهِ فَلَهُ أَنْ يَبِيعَهُ، وَإِنْ مَاتَ يُورَثُ عَنْهُ؛

ترجمہ:۲؎ دوسری وجہ یہ ہے کہ جب کسی کو قبضہ دینا متعذر رہے تو مقصد کو متحقق کرنا اس کے قائم مقام ہے۔

تشریح :دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ کو قبضہ دینا متعذر رہے، اسلئے اس مقصد کو حاصل کرنے کیلئے نماز پڑھوانے کو اسکے قائم مقام کردی گئی ہے۔

ترجمہ :۳؎ پھر امام ابو حنیفہؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ مسجد میں ایک آدمی کی نماز پڑھنا کافی ہے، اور یہی بات امام محمدؒ سے منقول ہے، اس لئے کہ سب کو نماز پڑھنا متعذر ہے اس لئے ایک آدمی کا پڑھ لینے کی شرط ہوگی۔ اور امام محمدؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا شرط ہے، اس لئے اکثر مرتبہ اسی لئے مسجد بنائی جاتی ہے۔

تشریح :ایک روایت یہ ہے کہ ایک آدمی کی نماز پڑھ لینے سے مسجد وقف ہو جائے گی، اور دوسری روایت یہ ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھے تب مسجد وقف ہوگی، کیونکہ مسجد جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے بنائی جاتی ہے۔

ترجمہ:(۳۰۴۵) امام ابو یوسفؒ نے فرمایا اس کی ملکیت اس سے زائل ہو جائے گی اس کے کہنے سے کہ میں نے مسجد بنادی۔

ترجمہ :۱؎ اس لئے کہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک متولی کو سپرد کرنا شرط نہیں ہے، اس لئے کہ بندے کے حق کو ساقط کرنا ہے، تاکہ بندے کا حق ساقط کر کے خالص اللہ کا حق کر دیا جائے، اور یہ غلام آزاد کرنے کی طرح ہو گیا، اس بات کو ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔

تشریح :امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کسی ولی کو سپرد کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ صرف اتنا کہہ دے کہ میں نے مسجد کے لئے وقف کیا، اس سے وقف مکمل ہو جائے گا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ آقا صرف اتنا کہہ دے کہ میں نے اپنا غلام آزاد کیا تو وہ آزاد ہو جاتا ہے، اسی طرح صرف اتنا کہہ دے کہ میں نے مسجد کے لئے وقف کیا تو اس سے مسجد وقف و جائے گی۔

اصول:امام ابو یوسفؒ کے یہاں کسی متولی کو سپرد کرنا ضروری نہیں ہے، صرف کہہ دینے سے مسجد وقف ہو جائے گی۔

ترجمہ:(۳۰۴۶) کسی نے مسجد بنائی اور اسکے نیچے تہ خانہ بنایا، یا اسکے اوپر گھر بنایا، اور مسجد کا دروازہ بڑے راستے پر کر دیا، اور

ا لِأَنَّهُ لَمْ يَخْلُصْ لِلّٰهِ تَعَالىٰ لِبَقَاءِ حَقِّ الْعَبْدِ مُتَعَلِّقًا بِهِ، ٢ وَلَوْكَانَ السِّرْدَابُ لِمَصَالِحِ الْمَسْجِدِ جَازَ كَمَا فِي مَسْجِدِ بَيْتِ الْمَقْدِسِ. ٣ وَرَوَى الْحَسَنُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: إِذَا جَعَلَ السُّفْلَ مَسْجِدًا وَعَلىٰ ظَهْرِهِ مَسْكَنٌ فَهُوَ مَسْجِدٌ؛ لِأَنَّ الْمَسْجِدَ مِمَّا يَتَأَبَّدُ، وَذٰلِكَ يَتَحَقَّقُ فِي السُّفْلِ دُونَ الْعُلُوِّ. ٤ وَعَنْ مُحَمَّدٍ عَلىٰ عَكْسِ هٰذَا؛ لِأَنَّ الْمَسْجِدَ مُعَظَّمٌ، وَإِذَا كَانَ فَوْقَهُ مَسْكَنٌ أَوْ مُسْتَغَلٌّ يَتَعَذَّرُ تَعْظِيمُهُ.

مسجد کو اپنی ملکیت سے الگ کر دیا پھر بھی اس مسجد کو بیچ دینے کا حق ہوگا، اور اگر واقف مر جائے تو وہ مسجد وراثت میں تقسیم ہوگی۔

ترجمہ: ا اس لئے کہ یہ خالص اللہ کے لئے نہیں ہوگا، کیونکہ اس کے ساتھ بندے کا حق متعلق ہے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ، کہ مسجد کی زمین کے ساتھ واقف کا حق بھی متعلق ہے تو وہ مسجد وقف ہوگی یا نہیں۔ایک روایت یہ ہے کہ وقف نہیں ہوگی، اور دوسری روایت ہے کہ وقف ہو جائے گی۔

تشریح: یہاں تین صورتیں ہیں [۱] مسجد کے نیچے تہ خانہ ہے [۲] مسجد کے اوپر رہنے کا گھر ہے، اسکے باوجود مسجد کا راستہ الگ کر دیا، اور واقف نے مسجد کو اپنی ملکیت سے الگ کر دیا پھر بھی وہ وقف نہیں ہوگی۔ واقف کو حق ہے کہ اس کو بیچ دے، اور اسکے مرنے سے وراثت میں تقسیم ہوگی۔اس عبارت کا مطلب ہے کہ مسجد وقف نہیں ہوگی، وہ واقف کی ملکیت پر برقرار رہے گی۔ جامع صغیر میں عبارت یہ ہے۔ محمد عن یعقوب [ابی حنیفه] فی رجل جعل بیته مسجداو تحته سرداب اوفوقه بیت وجعل باب المسجدالی الطریق وعزله فله ان یبیعه وان مات ورث عنه۔(جامع صغیر، باب فی حکم المسجد، ص ۱۲۰)

وجہ: جب مسجد کے ساتھ بندے کا حق متعلق ہے تو وہ خالص اللہ کیلئے نہیں ہوئی اسلئے وہ وقف نہیں ہوگی۔ سرداب: تہ خانہ۔

ترجمہ: ۲ اور اگر تہ خانہ مسجد کی مصلحت کے لئے ہو تو وقف جائز ہے جیسے بیت المقدس میں ہے۔

تشریح: [۳] یہ تیسری صورت ہے۔ بیت المقدس کے نیچے تہ خانہ ہے جو اصل مقدس بیت المقدس ہے، لیکن وہ اوپر کی بیت المقدس کے مصلحت کے لئے ہے اس لئے اس کا وقف جائز ہے، اسی طرح دنیا کے کسی بھی مسجد کا تہ خانہ مسجد کی مصلحت کے لئے ہو تو اس مسجد کا وقف جائز ہوگا۔

ترجمہ: ۳ حضرت حسن سے امام ابو حنیفہؒ کی روایت یہ ہے کہ مسجد نیچے ہو اور اوپر رہنے کا ہو تو وہ مسجد ہے، کیونکہ نیچے ہی کی مسجد ہمیشہ رہ سکتی ہے، اوپر کی مسجد ہمیشہ نہیں رہ سکتی [وہ ٹوٹ سکتی ہے]

تشریح: واضح ہے۔ یتأبد: ابد سے مشتق ہے، ہمیشہ رہنا۔

ترجمہ: ۴ اور امام محمدؒ کی روایت اس کا الٹا ہے [یعنی اوپر مسجد ہو اور نیچے رہنے کا ہو] اس لئے کہ مسجد کی عزت ہوتی ہے، اور اوپر مکان ہو یا کرائے کا گھر ہو تو اس کی تعظیم نہیں ہوگی۔

۵؎ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ جَوَّزَ فِي الْوَجْهَيْنِ حِينَ قَدِمَ بَغْدَادَ وَرَأَى ضِيقَ الْمَنَازِلِ فَكَأَنَّهُ اعْتَبَرَ الضَّرُورَةَ. وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ حِينَ دَخَلَ الرَّيَّ أَجَازَ ذٰلِكَ كُلَّهُ لِمَا قُلْنَا.

(۳۰۴۷) قَالَ: وَكَذٰلِكَ إِنْ اتَّخَذَ وَسَطَ دَارِهِ مَسْجِدًا وَأَذِنَ لِلنَّاسِ بِالدُّخُولِ فِيهِ ا؎ يَعْنِي لَهُ أَنْ يَبِيعَهُ وَيُورَثُ عَنْهُ؛ لِأَنَّ الْمَسْجِدَ مَا لَا يَكُونُ لِأَحَدٍ فِيهِ حَقُّ الْمَنْعِ، وَإِذَا كَانَ مِلْكُهُ مُحِيطًا بِجَوَانِبِهِ كَانَ لَهُ حَقُّ الْمَنْعِ فَلَمْ يَصِرْ مَسْجِدًا، وَلِأَنَّهُ أَبْقَى الطَّرِيقَ لِنَفْسِهِ فَلَمْ يَخْلُصْ لِلّٰهِ تَعَالىٰ.

تشریح: مسجد عظمت کی جگہ ہے، اس لئے وہ اوپر ہو اور نیچے گھر تب ہی اس کی عظمت ہوگی، اس لئے امام محمدؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ اوپر مسجد ہو اور نیچے گھر تو مسجد وقف ہو جائے گی۔

لغت: مستغل: غلہ سے مشتق ہے، غلہ حاصل کرنے کا آلہ، یعنی ایسا گھر جو اجرت کے لئے بنایا ہو۔

ترجمہ: ۵؎ امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ، جب وہ بغداد آئے اور گھروں کو تنگ دیکھا تو دونوں صورتوں کو جائز قرار دے دیا، گویا کہ انہوں نے ضرورت کا اعتبار کیا، اور امام محمدؒ سے بھی ایک روایت یہ ہے کہ جب وہ مقام ری آئے تو ضرورت کی وجہ سے دونوں صورتوں کو جائز قرار دے دیا۔

تشریح: حضرت امام ابو یوسفؒ بغداد تشریف لائے، اور امام محمدؒ ری تشریف لائے اور دیکھا کہ تنگ جگہ میں گھر بنے ہوئے ہیں اور مسجد بھی تنگ جگہ میں بنی ہوئی ہے تو مسجد کے اوپر گھر ہو یا نیچے گھر ہو دونوں صورتوں میں مسجد کو وقف کرنے سے وقف ہو جائے گی، کیونکہ اس کی سخت ضرورت ہے۔

ترجمہ: (۳۰۴۷) ایسے ہی اگر اپنے گھر کے بیچ میں مسجد بنالی اور لوگوں آنے کی اجازت دے دی۔ [تو وہ شرعی مسجد نہیں ہوگی]

ترجمہ: ا؎ تو واقف کو حق ہے کہ اس کو بیچے اور اس کا وارث بنے، اس لئے کہ مسجد کا مطلب یہ ہے کہ اس میں کسی کو روکنے کا حق نہ ہو اور جب واقف کی ملکیت چاروں جانب ہے تو اس کو روکنے کا حق ہے تو وہ شرعی مسجد نہیں ہوئی، اس لئے کہ اپنے لئے بھی راستہ باقی رکھا، تو خالص اللہ کا حق نہیں ہوا۔

اصول: یہ مسئلہ بھی اسی اصول پر ہے کہ مسجد میں جانے کا راستہ نہ ہو تو مسجد وقف نہیں ہوگی۔

تشریح: واقف کی ملکیت چاروں طرف ہے اور درمیان میں مسجد ہے تو وہ شرعی مسجد نہیں ہوگی اور اسکو وقف شمار نہیں کیا جائے گا۔

وجہ: مسجد اس کو کہتے ہیں جس میں کسی بندے کا حق متعلق نہ ہو، اور مسجد میں جانے کے لئے راستہ ہو اور وہ ہے نہیں ہے اس لئے شرعی مسجد نہیں ہوگی۔ لیکن آگے آرہا ہے کہ مسجد دینے کے راضی ہو گیا ہے تو اس کے تحت میں راستہ دینے کے لئے بھی گویا کہ راضی ہو گیا ہے اس لئے مسجد وقف ہو جائے گی۔

(۳۰۴۸) وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ لا يُبَاعُ وَلا يُورَثُ وَلا يُوهَبُ لِ اعْتَبَرَهُ مَسْجِدًا، وَهٰكَذَا عَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يَصِيرُ مَسْجِدًا؛ لِأَنَّهُ لَمَّا رَضِيَ بِكَوْنِهِ مَسْجِدًاوَلَا يَصِيرُ مَسْجِدًاإِلَّا بِالطَّرِيقِ دَخَلَ فِيهِ الطَّرِيقُ وَصَارَ مُسْتَحَقًّا كَمَا يَدْخُلُ فِي الْإِجَارَةِ مِنْ غَيْرِ ذِكْرٍ.

(۳۰۴۹) قَالَ: وَمَنِ اتَّخَذَ أَرْضَهُ مَسْجِدًا لَمْ يَكُنْ لَهُ أَنْ يَرْجِعَ فِيهِ وَلَا يَبِيعَهُ وَلَا يُورَثُ عَنْهُ لِ لِأَنَّهُ تَجَرَّدَ عَنْ حَقِّ الْعِبَادِ وَصَارَ خَالِصًا لِلّٰهِ، وَهٰذَا لِأَنَّ الْأَشْيَاءَ كُلَّهَا لِلّٰهِ تَعَالٰى، وَإِذَا أَسْقَطَ الْعَبْدُ مَا ثَبَتَ لَهُ مِنَ الْحَقِّ رَجَعَ إِلَى أَصْلِهِ فَانْقَطَعَ تَصَرُّفُهُ عَنْهُ كَمَا فِي الْإِعْتَاقِ.

ترجمہ :(۳۰۴۸)امام محمدؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ یہ مسجد ہوگی اوراس کو نہ بیچ سکتا ہے، نہ اس کا وارث ہوسکتا ہے،اور نہ اس کو ہبہ کرسکتا ہے۔

ترجمہ :لے انہوں نے مسجد ہونے کا اعتبار کیا،اوراسی طرح کی روایت حضرت امام ابو یوسفؒ کی بھی ہے کہ وہ مسجد ہوجائے گی،اس لئے کہ جب مسجد ہونے پر راضی ہوا،اور مسجد بغیر راستے کے نہیں ہوتی تو راستہ خود بخود داخل ہوجائے گا اور راسہ کا حق ہوجائے گا، جیسے اجرت کے مکان میں بغیر ذکر کے بھی راستہ داخل ہوجاتا ہے۔

تشریح :امام محمدؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ مسجد وقف ہوجائے گی،اس لئے نہ یہ بیچی جائے گی، نہ وارثت میں تقسیم ہوگی اور نہ بیچی جائے گی،اور یہی ایک روایت امام ابو یوسفؒ کی بھی ہے۔

وجہ :جب واقف مسجد دینے پر راضی ہوا تو اس کے تحت میں راستہ دینے پر بھی راضی ہوگیا،اس لئے راستہ خود بخود مل جائے گا ،جس کی وجہ سے مسجد وقف ہوجائے گی،اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ اجرت پر گھر دیا اوراس کے راستہ کا تذکرہ نہیں کیا تب بھی اس کو راستہ ملے گا،اسی طرح یہاں بھی مسجد کو راستہ ملے گا۔

ترجمہ :(۳۰۴۹)جس نے اپنی زمین کو مسجد بنائی تو اسکو واپس لینے کا حق نہیں ہے، نہ اسکو بیچ سکتا ہے،اور نہ اسکا وارث بن سکتا ہے۔

ترجمہ :لے اس لئے کہ بندے کے حق سے نکل چکی ہے اور خالص اللہ کی ہوچکی ہے،اوراس کی وجہ یہ ہے کہ ساری چیزیں اللہ کی ہیں،اور جب بندے نے اپنا حق ساقط کردیا تو وہ اپنی اصل کی طرف چلی گئی [یعنی اللہ کی طرف چلی گئی] اوراس سے بندے کا تصرف ختم ہوگیا، جیسے آزاد کرنے میں ہوتا ہے کہ آقا کا حق ختم ہوجاتا ہے۔

تشریح :کسی نے اپنی زمین کو مسجد بنادی تو وہ وقف ہوگئی،اب نہ اسکو بیچ سکتا ہے، نہ ہبہ کرسکتا ہے اور نہ وراثت میں تقسیم ہو سکتی ہے۔

وجہ :(۱) ہر چیز اصل میں اللہ کی ہے،اور بندے کا حق عارضی ہے، پس بندے نے اپنا حق ختم کردیا تو یہ چیز اللہ کی ہوگئی۔(۲)

۲؎ وَلَوْ خَرِبَ مَا حَوْلَ الْمَسْجِدِ وَاسْتُغْنِيَ عَنْهُ يَبْقٰى مَسْجِدًا عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ لِأَنَّهُ إِسْقَاطٌ مِنْهُ فَلَا يَعُودُ إِلَى مِلْكِهِ. ۳؎ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ عَادَ إِلٰى مِلْكِ الْبَانِي، أَوْ إِلٰى وَارِثِهِ بَعْدَ مَوْتِهِ؛ لِأَنَّهُ عَيَّنَهُ لِنَوْعِ قُرْبَةٍ، وَقَدِ انْقَطَعَتْ فَصَارَ كَحَصِيرِ الْمَسْجِدِ وَحَشِيشِهِ إِذَا اسْتُغْنِيَ عَنْهُ،

حدیث میں یہ ہے۔عن ابن عمر ان عمر بن الخطاب اصاب ارضا بخيبر فاتى النبى ﷺ يستامره فيها فقال يا رسول الله انى اصبت ارضا بخيبر لم اصب مالا قط انفس عندى منه فماتأمرنى؟ به قال ان شئت حبست اصلها وتصدقت بها قال فتصدق بها عمر انه لا يباع ولا يوهب ولا يورث وتصدق بها فى الفقراء وفى القربى وفى الرقاب وفى سبيل الله وابن السبيل والضيف لا جناح على من وليها ان يأكل منها بالمعروف ويطعم غير متمول (بخاری شریف، باب الشروط فی الوقف، کتاب الشرط ص ۳۸۲ نمبر ۲۷۳۷ رمسلم شریف، باب الوقف، ص ۷۱ نمبر ۱۶۳۲ر۴۲۲۴)اس حدیث میں ہے کہ وقف ہونے کے بعد نہ اس کو بیچ سکتا ہے، نہ ہبہ میں دے سکتا ہے۔

ترجمہ :۲؎ اور اگر مسجد کی چاروں طرف مکانات ویران ہو گئے اور اب مسجد کی ضرورت نہیں رہی تب بھی امام ابو یوسفؒ کے یہاں وہ مسجد باقی رہے گی، اس لئے کہ بندے کا حق اس مسجد سے ختم ہو گئی اس لئے دوبارہ اب اس کی ملکیت نہیں ہوگی۔

تشریح :مسجد کے چاروں طرف کے مکانات ویران ہو گئے تب بھی امام ابو یوسفؒ کے یہاں وہ مسجد باقی رہے گی، اور وہ زمین مالک کی طرف واپس نہیں جائے گی۔

وجہ:(۱)اس لئے کہ بندے کی ملکیت سے وہ نکل کر اللہ کی ملکیت میں داخل ہو چکی تھی اس لئے اب دوبارہ اس واقف کی ملکیت میں واپس نہیں جائے گی۔(۲)اس قول صحابی میں اس کا اشارہ ہے۔عن ابی وائل قال جلست الى شيبة فى هذا المسجد قال جلس الىَّ عمر فى مجلسک هذا فقال هممت ان لا ادع فيها صفراء ولا بيضاء الا قسمتها بين المسلمين قلت ما انت بفاعل قال لم قلت لم يفعله صاحباک قال هما المرآن يقتدى بهما (بخاری شریف، باب الاقتداء بسنن رسول اللہ ﷺ ص ۱۰۸۰ نمبر ۷۲۷۵، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)اس قول صحابی میں ہے کہ بیت اللہ کا وہ سامان جس کی کعبہ کو ضرورت نہیں ہے اس کو بھی مسلمانوں میں تقسیم نہیں کرتے۔(۳)اس آیت میں اس کا اشارہ ہے۔و من اظلم ممن منع مساجد الله ان يذكر فيها اسمه و سعى فى خرابها اولائک ما كان له يدخلوها الا خائفين۔(آیت ۱۱۳، سورۃ البقرۃ ۲)اس آیت میں یہ فرمایا کہ اللہ کی مسجد کو جو خراب کرتا ہے وہ ظالم ہے۔

ترجمہ :۳؎ اور امام محمدؒ کے نزدیک مسجد بنانے والے کی ملکیت ہو جائے گی، اور واقف کے مرنے کے بعد اس کے وارث کی ہو جائے گی، اس لئے کہ واقف نے ایک خاص قربت [نماز] کے لئے متعین کی تھی اور وہ اب نہیں ہو رہی ہے [تو چیز

۴؎ إِلَّا أَنَّ أَبَا يُوسُفَ يَقُولُ فِي الْحَصِيرِ وَالْحَشِيشِ إِنَّهُ يُنْقَلُ إِلٰى مَسْجِدٍ آخَ. (۳۰۵۰) قَالَ: وَمَنْ بَنٰى سِقَايَةً لِلْمُسْلِمِينَ أَوْ خَانًا يَسْكُنُهُ بَنُو السَّبِيلِ أَوْ رِبَاطًا أَوْ جَعَلَ أَرْضَهُ مَقْبَرَةً لَمْ يَزُلْ مِلْكُهُ عَنْ ذٰلِكَ حَتّٰى يَحْكُمَ بِهِ الْحَاكِمُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ؛

واقف کی طرف چلی جائے گی] جیسے مسجد کی چٹائی اور گھاس کی ضرورت نہ رہے [تو اس کا حکم بھی یہی ہے کہ اصلی مالک کی طرف چلی جاتی ہے]

تشریح: ۳؎ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ واقف نے نماز کے لئے یہ جگہ دی تھی، اور مکانات ویران ہونے کی وجہ سے اب اس میں نماز نہیں ہوگی، اس لئے واقف کا مقصد پورا نہیں ہوا اس لئے یہ جگہ واقف کی طرف لوٹ جائے گی، اور اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثہ کی طرف لوٹ جائے گی، اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ مسجد کی چٹائی کام کی نہ رہے تو اس کو باہر پھینک دیتے ہیں اسی طرح اس مسجد کی ضرورت نہیں رہی تو اس کے مالک کی طرف لوٹا دی جائے۔

وجہ: (۳) دخل شيبة بن عثمان الحجبى على عائشة فقال يا ام المؤمنين ان ثياب الكعبة تجتمع علينا فتكثر فنعمد الى ابار فنحتفرها فنعمقها ثم ندفن ثياب الكعبة فيها كيلا يلبسها الجنب والحائض فقالت له عائشة ما احسنت وبئس ما صنعت ان ثياب الكعبة اذا نزعت منها لم يضرها ان يلبسها الجنب والحائض ولكن بعها واجعل ثمنها فى المساكين وفى سبيل الله قالت فكان شيبة بعد ذلك يرسل بها الى اليمن فتباع هناك ثم يجعل ثمنها فى المساكين وفى سبيل الله وابن السبيل (سنن للبیھقی، باب ماجاء فی مال الكعبة وكسوتها، ج خامس، ص ۲۶۰، نمبر ۹۷۳۱) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ وقف کا وہ مال جو کسی کام کا نہ ہو اس کو بیچ کر مساکین میں تقسیم کر سکتا ہے۔ اسی طرح مسجد کام کی نہ رہے تو وہ مالک کی طرف لوٹ جائے گی۔ یا کم سے کم وہ مسجد باقی نہیں رہے گی۔

نوٹ: یورپ میں بہت سے مکانوں کو خرید کر نماز کے لئے مسجد کے طور پر بنا لیتے ہیں، اور مسجد کی طرح اس کا احترام کرتے ہیں، بہت بعد میں بڑی جگہ لیکر وہاں مسجد بناتے ہیں، اور پہلی جگہ کو واپس مکان میں تبدیل کر دیتے ہیں اور بیچ دیتے ہیں، اور بعض مرتبہ اس کو مکتب کے کام میں لاتے ہیں، شاید یہ امام محمدؒ کے مسئلے پر عمل کرتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

لغت: حصیر: چٹائی۔ حشیش: مسجد کا چھپر بنانے کے لئے گھاس استعمال کرتے ہیں اس کو حشیش، کہتے ہیں۔

ترجمہ: ۴؎ البتہ امام ابو یوسفؒ چٹائی، اور گھاس وغیرہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ دوسری مسجد کی طرف منتقل کر دی جائے گی۔

ترجمہ: (۳۰۵۰) کسی نے پینے کی سبیل بنائی مسلمانوں کے لئے یا سرائے بنائی مسافروں کے لئے یا مسافر خانہ بنایا یا اپنی زمین کو قبرستان بنایا تو زائل نہیں ہوگی اس کی ملک امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہاں تک کہ حاکم اس کا فیصلہ کر دے۔

ل لِأَنَّهُ لَمْ يَنْقَطِعْ عَنْ حَقِّ الْعَبْدِ؛ أَلَا تَرٰى أَنَّ لَهُ أَنْ يَنْتَفِعَ بِهٖ فَيَسْكُنَ فِي الْخَانِ وَيَنْزِلَ فِي الرِّبَاطِ وَيَشْرَبَ مِنَ السِّقَايَةِ، وَيُدْفَنَ فِي الْمَقْبَرَةِ فَيُشْتَرَطُ حُكْمُ الْحَاكِمِ أَوِ الْإِضَافَةُ إِلٰى مَا بَعْدَ الْمَوْتِ كَمَا فِي الْوَقْفِ عَلَى الْفُقَرَاءِ، بِخِلَافِ الْمَسْجِدِ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَبْقَ لَهُ حَقُّ الْاِنْتِفَاعِ بِهٖ فَخَلَصَ لِلّٰهِ تَعَالٰى مِنْ غَيْرِ حُكْمِ الْحَاكِمِ.

اصول: امام ابوحنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ قاضی کا فیصلہ ہو تب وقف مکمل ہوگا۔

اصول: امام ابو یوسفؒ کا اصول یہ ہے کہ صرف کہہ دینے سے کہ وقف کیا اس سے وقف ہو جائے گا۔

اصول: اور امام محمدؒ کا اصول یہ ہے کہ کہنے بعد جس پر وقف کیا وہ قبضہ کرے مثلا مسافر خانہ میں مسافر رہے یا سبیل سے کوئی پیاسا پانی پی لے تب وقف مکمل ہوگا۔

تشریح: یہاں چار چیزوں کا تذکرہ ہے، جس کے لئے لوگ زمین وقف کرتے ہیں اور اس میں پانی کی سبیل، سراء خانہ، فوج کے رہنے کے مکانات، اور مقبرہ بناتے ہیں، اور اس میں کبھی کبھار خود بھی رہتے اور استعمال کرتے ہیں، چونکہ اس کو خود بھی استعمال کرتے ہیں، اس لئے امام ابوحنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ جب تک حاکم وقف ہونے کا فیصلہ نہ کر دے وہ چیز وقف نہیں ہو گی، صرف کہنے سے کہ وقف کر دیا، یا مسافر کو رکھ دیا اس سے وہ وقف نہیں ہوگا۔۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صرف کہنے سے وقف ہوگا۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک اس کو کوئی مسافر یا مسکین استعمال کر لے تو وقف مکمل ہوگا۔

لغت: سقایۃ: مسافر کو پانی پلانے کی سبیل۔ خانا: سراء خانہ، جس میں مسافر ٹھہرتے ہیں۔ بنو السبیل: راستے کے بیٹے، اس سے مراد ہے، مسافر۔ رباط: ربط سے مشتق ہے، باندھنا، یہاں مراد ہے چھاونی، فوج کے رہنے کے لئے مکان۔ مقبرۃ: قبرستان۔

ترجمہ: ل اس لئے کہ ان چیزوں میں موقوفہ چیز سے بندے کا حق منقطع نہیں ہوا، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ واقف بھی اس سے نفع اٹھاتا ہے، چنانچہ سراء خانہ میں خود بھی ٹھہر جاتا ہے، چھاونی میں خود کبھی رہتا ہے، سبیل سے پانی پیتا ہے، اور قبرستان میں اپنے آدمیوں کو دفن کرتا ہے اس لئے وقف ہونے کے لئے حاکم کا فیصلہ ضروری ہے، یا موت کے بعد منسوب کرے، جیسے کہ فقراء پر وقف کے بارے میں ہوتا ہے، بخلاف مسجد کے اس لئے کہ واقف کو اس سے فائدہ اٹھانے کا حق باقی نہیں رہتا، اس لئے حاکم کے فیصلے کے بغیر بھی خالص اللہ تعالی کے لئے ہو گیا، اس لئے مسجد وقف ہو جائے گی۔

تشریح: یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مسجد کو وقف کرنے کے لئے حاکم کے فیصلے کی ضرورت نہیں، اور سرائے خانے وغیرہ کو وقف کرنے کے لئے حاکم کے فیصلے کی ضرورت کیوں ہے، فرماتے ہیں کہ مسجد کو وقف کرنے کے بعد اس میں عام آدمی کی طرح

(۳۰۵۱) وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ يَزُولُ مِلْكُهُ بِالْقَوْلِ لے كَمَا هُوَ أَصْلُهُ، إِذِ التَّسْلِيمُ عِنْدَهُ لَيْسَ بِشَرْطٍ وَالْوَقْفُ لَازِمٌ.

(۳۰۵۲) وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ إِذَا اسْتَقَى النَّاسُ مِنَ السِّقَايَةِ وَسَكَنُوا الْخَانَ وَالرِّبَاطَ وَدُفِنُوا فِي الْمَقْبَرَةِ زَالَ الْمِلْكُ؛ لے لِأَنَّ التَّسْلِيمَ عِنْدَهُ شَرْطٌ وَالشَّرْطُ تَسْلِيمُ نَوْعِهِ، وَذٰلِكَ بِمَا ذَكَرْنَاهُ. وَيُكْتَفَى بِالْوَاحِدِ لِتَعَذُّرِ فِعْلِ الْجِنْسِ كُلِّهِ، وَعَلٰى هٰذَا الْبِئْرُ الْمَوْقُوفَةُ وَالْحَوْضُ،

نماز پڑھتا ہے، اس کو اپنی جائداد کی طرح استعمال نہیں کر پاتا، اس لئے وقف کرتے ہی خالص اللہ کا ہو گیا اس لئے حاکم کے فیصلے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور سرائے خانے وغیرہ میں وقف کرنے کے بعد بھی اس میں اپنی جائداد کی طرح ٹھہرتا ہے اس لئے وہ ابھی خالص اللہ کا حق نہیں ہوا، البتہ اب حاکم اس کے وقف ہونے کا فیصلہ کرے گا تب وہ خالص اللہ کا حق ہوگا، اور وقف مکمل ہوگا، امام ابو حنیفہؒ کے یہاں دونوں کے درمیان یہ فرق ہے۔

ترجمہ :(۳۰۵۱) اور امام ابو یوسفؒ کے یہاں صرف کہنے سے واقف کی ملکیت زائل ہو جائے گی۔

ترجمہ :لے جیسا کہ امام ابو یوسفؒ کا قاعدہ ہے اس لئے کہ سپرد کرنا انکے یہاں لازم نہیں ہے، اس کے بغیر بھی وقف لازم ہو جاتا ہے۔

تشریح :امام ابو یوسفؒ کا اصول گزر گیا ہے کہ واقف صرف یہ کہہ دے کہ، میں وقف کیا، اسی سے اس کی ملکیت ان چیزوں میں بھی ختم ہو جائے گی اور وقف مکمل ہو جائے گا، ان کے یہاں حاکم کے فیصلے، اور متولی کو سپرد کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ :(۳۰۵۲) اور امام محمدؒ کے یہاں سبیل سے ایک آدمی نے پانی پی لیا، سرائے خانے میں کچھ آدمی ٹھہر گئے، چھاونی میں کچھ آدمی ٹھہر گئے، اور قبرستان میں لوگوں نے دفن کر دیا تو واقف کی ملکیت ختم ہو گئی۔

ترجمہ :لے اس لئے کہ انکے یہاں سپرد کرنا شرط ہے، اور ہر چیز کی سپردگی اس کے انداز سے ہوتی ہے، اور یہ اس کی سپردگی کا انداز ہے جو ہم نے ذکر کیا۔ اور ایک آدمی کا دفن وغیرہ ہو جانا کافی ہے، اس لئے کہ تمام کا کرنا ناممکن ہے، اور اسی اصول پر ہے وقف کیا ہوا کنواں اور حوض۔

تشریح :امام محمدؒ کے یہاں وقف مکمل ہونے کیلئے متولی کو سپرد کرنا ضروری ہے، لیکن ہر چیز کے سپرد کرنے کے الگ الگ طریقے ہیں، اس چیز کو اس طریقے پر سپرد کر دیا تو اس سے وقف مکمل ہو جائے گا، مثلا سبیل کا طریقہ یہ ہے کہ اس سے ایک آدمی پانی پی لے، سرائے خانے کو سپرد کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس میں مسافر ٹھہر جائے، چھاونی کا طریقہ یہ ہے کہ اس میں فوج ٹھہر جائے، قبرستان کا طریقہ یہ ہے اس میں ایک آدمی کو دفن کر دیا جائے، اور کنواں کو سپرد کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس سے آدمی

۲؎ وَلَوْ سُلِّمَ إِلَى الْمُتَوَلِّيْ صَحَّ التَّسْلِيمُ فِيْ هَذِهِ الْوُجُوهِ كُلِّهَا؛ لِأَنَّهُ نَائِبٌ عَنْ الْمَوْقُوفِ عَلَيْهِ، وَفِعْلُ النَّائِبِ كَفِعْلِ الْمَنُوبِ عَنْهُ. ۳؎ وَأَمَّا فِي الْمَسْجِدِ فَقَدْ قِيلَ لَا يَكُونُ تَسْلِيمًا؛ لِأَنَّهُ لَا تَدْبِيرَ لِلْمُتَوَلِّي فِيهِ، وَقِيلَ يَكُونُ تَسْلِيمًا؛ لِأَنَّهُ يَحْتَاجُ إِلٰى مَنْ يَكْنُسُهُ وَيُغْلِقُ بَابَهُ، فَإِذَا سُلِّمَ إِلَيْهِ صَحَّ التَّسْلِيمُ، ۴؎ وَالْمَقْبَرَةُ فِيْ هٰذَا بِمَنْزِلَةِ الْمَسْجِدِ عَلَى مَا قِيلَ؛ لِأَنَّهُ لَا مُتَوَلِّيَ لَهُ عُرْفًا. وَقِيلَ هِيَ بِمَنْزِلَةِ السِّقَايَةِ وَالْخَانِ فَيَصِحُّ التَّسْلِيمُ إِلَى الْمُتَوَلِّي؛ لِأَنَّهُ لَوْ نُصِّبَ الْمُتَوَلِّي يَصِحُّ، وَإِنْ كَانَ بِخِلَافِ الْعَادَةِ.

پانی نکال لے، اور حوض کا طریقہ ہے کہ اس سے ایک آدمی وضو کر لے تو اس سے متولی کو سپرد کرنا سمجھا جائے گا اور اس سے واقف کی ملکیت ختم ہو کر وقف مکمل ہو جائے۔ ایک آدمی کا استعمال کر لینا اسلئے کافی ہے کہ سب کا استعمال کرنا ناممکن ہے، اسلئے ایک ہی آدمی کے استعمال کو کافی سمجھا گیا ہے۔ ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ان چیزوں کے جو متولی ہیں انکو باضابطہ سپرد کرے۔

ترجمہ :۲؎ اور اگر ان چیزوں کے متولی کو سپرد کر دیا تب بھی سپرد کرنا سمجھا جائے گا، اس لئے کہ جن لوگوں پر وقف کیا ہے یہ متولی اس کے نائب ہیں، اور نائب کا فعل اصل کا فعل شمار کیا جاتا ہے۔

تشریح :اوپر چھ چیزوں کا تذکرہ گزرا، اگر ان چیزوں کے جو متولی ہیں انکو سپرد کر دیا تب بھی سپرد سمجھا جائے گا، اور وقف مکمل ہو جائے گا، کیونکہ جن لوگوں پر وقف کرنا ہے، متولی ان کا نائب ہے، اور نائب کا فعل اصل کا فعل شمار کیا جاتا ہے، اس لئے متولی کے قبضہ کرنے سے ان لوگوں کا قبضہ شمار کیا جائے گا اور وقف مکمل ہو جائے گا۔

ترجمہ :۳؎ مسجد میں کسی نے نماز نہیں پڑھی بلکہ ابھی متولی کو سپرد کر دی، تو بعض حضرات نے کہا کہ سپرد نہیں ہوگا، کیونکہ متولی کو کوئی دخل نہیں ہے، اور بعض حضرات نے کہا کہ سپرد ہو جائے گی اس لئے کہ جھاڑو دینے اور دروازہ بند کرنے کی ضرورت پڑتی ہے [اس لئے متولی کو کچھ نہ کچھ دخل تو ہوا] اس لئے جب اس کو سپرد کر دیا تو سپرد ہو گیا [اور وقف مکمل ہو گیا]

تشریح :اوپر یہ گزرا کہ مسجد میں ایک آدمی نماز پڑھ لے تو وہ وقف ہو جاتی ہے، لیکن کسی نے نماز نہیں پڑھی اور اس کے متولی کو سپرد کر دیا تو اس سے وقف ہوگا یا نہیں۔ ایک روایت ہے کہ وقف نہیں ہوگی، کیونکہ متولی کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اور دوسری روایت یہ ہے کہ وقف ہو جائے گی، کیونکہ مسجد میں جھاڑو دینے کی ضرورت پڑتی ہے، اس کے دروازے کو بند کرنے کی ضرورت پڑتی ہے، جس سے معلوم ہوا کہ متولی کو دخل ہے، اس لئے سرائے خانہ کی طرح اس کو بھی سپرد کر دے تو وقف ہو جائے گی۔ یکنس: جھاڑو دینا۔

ترجمہ :۴؎ اور مقبرہ کے بارے میں بعض حضرات نے کہا کہ مسجد کی طرح ہے [یعنی متولی کو سپرد کرنے سے سپرد نہیں ہوگا] اس لئے کہ عرف میں اس کا کوئی متولی نہیں ہوتا۔ اور بعض دوسرے حضرات نے کہا کہ وہ سبیل، اور سرائے خانے کی طرح ہے

۵؎ وَلَوْ جَعَلَ دَارًا لَهُ بِمَكَّةَ سُكْنٰى لِحَاجِّ بَيْتِ اللّٰهِ وَالْمُعْتَمِرِينَ، أَوْ جَعَلَ دَارَهُ فِي غَيْرِ مَكَّةَ سُكْنٰى لِلْمَسَاكِينِ، أَوْ جَعَلَهَا فِي ثَغْرٍ مِنَ الثُّغُورِ سُكْنٰى لِلْغُزَاةِ وَالْمُرَابِطِينَ. أَوْ جَعَلَ غَلَّةَ أَرْضِهِ لِلْغُزَاةِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَدَفَعَ ذٰلِكَ إِلٰى وَالٍ يَقُومُ عَلَيْهِ فَهُوَ جَائِزٌ، وَلَا رُجُوعَ فِيهِ لِمَا بَيَّنَّا ٦؎ إِلَّا أَنَّ فِي الْغَلَّةِ تَحِلُّ لِلْفُقَرَاءِ دُونَ الْأَغْنِيَاءِ، وَفِيمَا سِوَاهُ مِنْ سُكْنٰى الْخَانِ وَالِاسْتِقَاءِ مِنَ الْبِئْرِ وَالسِّقَايَةِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ يَسْتَوِي فِيهِ الْغَنِيُّ وَالْفَقِيرُ. وَالْفَارِقُ هُوَ الْعُرْفُ فِي الْفَصْلَيْنِ. فَإِنَّ أَهْلَ الْعُرْفِ يُرِيدُونَ بِذٰلِكَ فِي

کہ متولی کو سپرد کرنے سے سپرد ہو جائے گا، کیونکہ مقبرہ کا متولی متعین کرے تو صحیح ہے، اگر چہ یہ عادت کے خلاف ہے۔

تشریح : مقبرے میں کسی عام آدمی کو دفن نہیں کیا اور اس کو متولی کو سپرد کر دیا تو بعض حضرات نے فرمایا کہ مسجد کی طرح وقف نہیں ہوگا، اس لئے کہ عرف میں اس کا کوئی متولی نہیں ہوتا، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ سرائے خانے کی طرح وقف ہو جائے گا، کیونکہ اگر چہ عام عادت میں اس کا متولی نہیں ہوتا، لیکن اگر اس کا متولی بنانا چاہے تو بن سکتا ہے شرعا کوئی قباحت نہیں ہے، اس لئے متولی بنا کر اس کے سپرد کر دیا تو وقف ہو جائے گا۔

ترجمہ : ۵؎ اگر مکہ مکرمہ میں اپنا گھر حاجیوں اور عمرہ کرنے والوں کے ٹھہرنے کے لئے وقف کر دیا۔ یا مکہ مکرمہ کے علاوہ میں اپنا گھر مسکینوں کے ٹھہرنے کے لئے وقف کر دیا، یا سرحد پر کوئی چھاونی غازیوں کے ٹھہرنے کے لئے کر دیا۔ یا زمین کا غلہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کے لئے کر دیا، اور ایسے والیوں کو سپرد کر دیا جو اس کی سرپرستی کرتا ہو تو وہ جائز ہے [یعنی وقف ہو گیا] اور اب اس کو واپس نہیں لے سکتا اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کیا کہ وہ اللہ کے لئے ہو گیا ہے۔

تشریح : یہاں چار باتیں بیان کی ہیں [۱] مکہ مکرمہ میں اپنا گھر تھا اس کو حاجیوں اور عمرہ کرنے والوں کے ٹھہرنے کے وقف کر دیا۔ [۲] مکہ مکرمہ کے علاوہ کہیں اور گھر تھا اس کو مسکینوں کے ٹھہرنے کے لئے وقف کر دیا۔ [۳] سرحد پر کوئی مکان تھا مجاہدین کے ٹھہرنے کے لئے اس کو وقف کر دیا۔ [۴] اپنی زمین کے غلے کو اللہ کے راستے میں دے دیا، اور ان چیزوں کے متولی کو سپرد کر دیا جو اس کی سرپرستی کرتا تھا تو یہ جائز ہے، اور اس سے وقف مکمل ہو جائے گا۔

لغت: سکنی: قیام کرنا۔ ثغر: سرحد۔ مرابط: ربط سے مشتق ہے، وہ لشکر جو سرحد کے پاس رہتا ہو۔

ترجمہ : ٦؎ البتہ غلے کے بارے میں یہ کہ [اگر غلے کو وقف کیا تو] وہ فقراء کیلئے ہوگا، مالداروں کیلئے نہیں۔ اور اسکے علاوہ جو ہے سرائے خانے میں ٹھہرنا، کنویں سے پانی نکالنا اور اسکو پینا وغیرہ اس میں مالدار اور فقیر دونوں برابر ہیں، اور دونوں فصلوں میں فرق کی چیز عرف ہے۔ اسلئے کہ غلہ وقف کرو تو عرف میں یہ سمجھتے ہیں کہ یہ صرف فقراء کیلئے ہے۔ اور اسکے علاوہ کے وقف میں فقیر اور مالدار دونوں کیلئے برابر حق سمجھتے ہیں۔ اور اسکی وجہ یہ ہے کہ پانی پینے میں اور سرائے میں ٹھہرنے میں مالدار اور فقیر دونوں کی ضرورت

الْغَلَّةِ الْفُقَرَاءَ، وَفِي غَيْرِهَا التَّسْوِيَةَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ، وَلِأَنَّ الْحَاجَةَ تَشْمَلُ الْغَنِيَّ وَالْفَقِيرَ فِي الشُّرْبِ وَالنُّزُولِ. وَالْغَنِيُّ لَا يَحْتَاجُ إِلَى صَرْفِ هٰذَا الْغَلَّةِ لِغِنَاهُ، وَاللّٰهُ تَعَالىٰ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

برابر ہے۔لیکن غلہ کے خرچ کرنے میں مالدار کو اس کی ضرورت نہیں، کیونکہ اس کے پاس غلہ موجود ہے۔واللہ اعلم بالصواب۔

تشریح: عرف میں یہ ہے کہ غلہ وقف کرو تو وہ صرف فقیروں کے لئے ہوتا ہے، اور سرائے خانہ وقف کرو، سبیل وقف کرو تو وہ غریب اور مالدار دونوں کے لئے سمجھا جاتا ہے، اس لئے زمین کا غلہ وقف کیا تو اس سے صرف فقیر فائدہ اٹھائے، مالدار فائدہ نہ اٹھائے، اور سرائے خانہ وقف کیا تو اس میں مالدار بھی ٹھہر سکتا ہے اور غریب بھی ٹھہر سکتا ہے۔

وجہ: کنواں سے پانی پینے کی ضرورت غریب اور مالدار دونوں کو ہے اسلئے کنواں وقف کیا تو دونوں اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔اور غلہ مالدار کے پاس ہے اور فقیر کے پاس نہیں ہے اسلئے غلہ وقف کیا تو اسکو صرف مالدار کھا سکتا ہے، مالدار نہیں کھا سکتا۔واللہ اعلم بالصواب۔

اللہ کے فضل سے آج ساتویں جلد کی شرح ختم ہوئی۔

تمت بالخیر

آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین و الصلوۃ و السلام علی رسولہ الکریم و علی آلہ و اصحابہ اجمعین

احقر ثمیر الدین قاسمی غفرلہ

مانچسٹر، انگلینڈ

۱۲ / ۱ / ۲۰۱۶ء

مؤلف کا پتہ

Maulana Samiruddin Qasmi

70 Stamford Street , Old trafford

Manchester,England -M16 9LL

E samiruddinqasmi@gmail.com

Mobile (00 44) 07459131157

website samiruddinbooks.co.uk